

انعام الالباری

دروس بخاری شریف

افادات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ

جامعہ دارالعلوم کراچی میں درس بخاری شریف کے دوران
حضرت شیخ الحدیث کی جامع، بصیرت افروز اور رُوح پرور تقاریر

صحیح البخاری الجزء الاول

کتاب العلم ، کتاب الوضوء ، کتاب الغسل

کتاب الحيض ، کتاب التيمم

رقم الحديث : ۵۹-۳۴۸

جلد - ۲

ضبط و ترتیب: فتح و مراہمت

محمد نور حسین عقی قند

فاضل و متخصّص جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

مکتبہ الحراء

Phone: 009-213501039, Cell: 0300-3360816

E-mail: maktabahera@yahoo.com

website: www.deeneislam.com

انعام الباری

دروس بخاری شریف

افادات

شیخ الاسلام حضرت علامہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی

جلوسہ دارالعلوم کراچی میں پندرہ جلدی فتویٰ کے دوران
حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی کی طرف سے

جلد-۲

صحیح البخاری : الجزء الأول

كتاب العلم ، كتاب الوضوء ، كتاب الغسل ،

كتاب الحيض ، كتاب التيمم

رقم الحديث : ۵۹-۳۴۸

ضبط و ترتیب : قیوم و راجعت

محمد الیوم حسین

فاضل و تفتیش جامعہ دارالعلوم کراچی 14

8, 131, Double Room, 36- A, 'K' Area Korangi, Karachi

Contact: 0092-21-35034039 Cell : 0092-3003360816

E-mail: maktabahera@yahoo.com & info@deeneislam.com

WebSite: www.deeneislam.com

مکتبۃ الحراء

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	انعام الباری در صحیح البخاری جلد ۲
افادات	شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ (رحمۃ اللہ علیہ)
ضبط و ترتیب تحریر و مراجعت	محمد انور حسین (فاصل و معصص جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۳)
ناشر	مکتبہ الحراء، ۸/۱۳۱، ڈبل روم "K" ایریا کورنگی، کراچی، پاکستان۔
باہتمام	محمد انور حسین غنی مدنی
کمپوزنگ	حرا کمپوزنگ سینٹر فون نمبر: 0092 21 35031039

ناشر: مکتبہ الحراء

8/131 سیکٹر 36A ڈبل روم، "K" ایریا، کورنگی، کراچی، پاکستان۔

فون: 35031039 موبائل: 03003360816

E-Mail: maktabahera@yahoo.com & info@deeneislam.com

website: www.deeneislam.com

(ملنے کے پتے)

مکتبہ الحراء۔ فون: 35031039، موبائل: 03003360816

E-Mail: maktabahera@yahoo.com

☆ ادارہ اسلامیات، مین روڈ، چوک اردو بازار کراچی۔ فون 021 32722401

☆ ادارہ اسلامیات، ۱۹۰، انارکلی، لاہور۔ پاکستان۔ فون 042 3753255

☆ ادارہ اسلامیات، دینا تھ منشن مال روڈ، لاہور۔ فون 042 37324412

☆ مکتبہ معارف القرآن، جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۳۔ فون 021 35031565-6

☆ ادارہ المعارف، جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۳۔ فون 021 35032020

☆ دارالاشاعت، اردو بازار کراچی۔ فون 021 32631861

☆



افتتاحیہ

از: شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی

شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على خير خلقه سيدنا و مولانا
محمد خاتم النبيين و امام المرسلين و قائد الغر المحجلين ، و على آله و أصحابه
اجمعين ، و على كل من تبعهم باحسان إلى يوم الدين .
اما بعد :

۲۹ رزی الحجہ ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو بندے کے استاذ معظم حضرت مولانا ”صحابہ محمود“
صاحب قدس سرہ کا عادیہ وفات پیش آیا تو دارالعلوم کراچی کے لئے یہ ایک عظیم سانحہ تھا۔ دوسرے بہت سے
مسائل کے ساتھ یہ مسئلہ بھی سامنے آیا کہ صحیح بخاری کا درس جو سالہا سال سے حضرت کے سپرد تھا، کس کے حوالہ
کیا جائے؟ بالآخر یہ طے پایا کہ یہ ذمہ داری بندے کو سونپی جائے۔ میں جب اس گرانبار ذمہ داری کا تصور کرتا
تو وہ ایک پہاڑ معلوم ہوتی۔ کہاں امام بخاری رحمہ اللہ علیہ کی یہ پر نور کتاب، اور کہاں مجھ جیسا مفلس علم اور
تہی دست عمل؟ دور دور بھی اپنے اندر صحیح بخاری پڑھانے کی صلاحیت معلوم نہ ہوتی تھی۔ لیکن بزرگوں سے
سنی ہوئی یہ بات یاد آئی کہ جب کوئی ذمہ داری بڑوں کی طرف سے حکماً ڈالی جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف
سے توفیق ملتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر یہ درس شروع کیا۔

عزیز گرامی مولانا محمد انور حسین صاحب سلمہ مالک مکتبۃ الحراء، فاضل و منخصص جامعہ
دارالعلوم کراچی نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے یہ تقریر ضبط کی، اور پچھلے چند سالوں میں ہر سال درس کے
دوران اس کے مسودے میری نظر سے گزرتے رہے اور کہیں کہیں بندے نے ترمیم و اضافہ بھی کیا ہے۔ طلبہ کی
ضرورت کے پیش نظر مولانا محمد انور حسین صاحب نے اس کے ”کتاب بدء الوحی“ سے ”کتاب
الجزیۃ و المواعظہ“ آخر تک کے حصوں کو نہ صرف کمپیوٹر پر کمپوز کرایا، بلکہ اس کے حوالوں کی تخریج کا کام
بھی کیا جس پر ان کے بہت سے اوقات، محنت اور مالی وسائل صرف ہوئے۔

دوسری طرف مجھے بھی بحیثیت مجموعی اتنا اطمینان ہو گیا کہ ان شاء اللہ اس کی اشاعت فائدے سے خالی نہ ہوگی، اور اگر کچھ غلطیاں رہ گئی ہوں گی تو ان کی تصحیح جاری رہ سکتی ہے۔ اس لئے میں نے اس کی اشاعت پر رضا مندی ظاہر کر دی ہے۔ لیکن چونکہ یہ نہ کوئی باقاعدہ تصنیف ہے، نہ میں اس کی نظر ثانی کا اتنا اہتمام کر سکا ہوں جتنا کرنا چاہئے تھا، اس لئے اس میں قابل اصلاح امور ضرور رہ گئے ہوں گے۔ اہل علم اور طلبہ مطالعے کے دوران جو ایسی بات محسوس کریں، براہ کرم بندے کو یا مولانا محمد انور حسین صاحب کو مطلع فرمادیں تاکہ اس کی اصلاح کر دی جائے۔

تدریس کے سلسلے میں بندے کا ذوق یہ ہے کہ شروع میں طویل بحثیں کرنے اور آخر میں روایت پر اکتفا کرنے کے بجائے سبق شروع سے آخر تک توازن سے چلے۔ بندے نے تدریس کے دوران اس اسلوب پر عمل کی حتی الوسع کوشش کی ہے۔ نیز جو خالص کلامی اور نظریاتی مسائل ماضی کے ان فرقوں سے متعلق ہیں جو اب موجود نہیں رہے، ان پر بندے نے اختصار سے کام لیا ہے، تاکہ مسائل کا تعارف تو طلبہ کو ضرور ہو جائے، لیکن ان پر طویل بحثوں کے نتیجے میں دوسرے اہم مسائل کا حق تلف نہ ہو۔ اسی طرح بندے نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ جو مسائل ہمارے دور میں عملی اہمیت اختیار کر گئے ہیں، ان کا قدرے تفصیل کے ساتھ تعارف ہو جائے، اور احادیث سے اصلاح اعمال و اخلاق کے بارے میں جو عظیم ہدایات ملتی ہیں اور جو احادیث پڑھنے کا اصل مقصود ہونی چاہئیں، ان کی عملی تفصیلات پر بقدر ضرورت کلام ہو جائے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ وہ بندہ ناکارہ اور اس تقریر کے مرتب کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ جزا ہم اللہ تعالیٰ۔

مولانا محمد انور حسین صاحب سلمہ نے اس تقریر کو ضبط کرنے سے لیکر اس کی ترتیب، تخریج اور اشاعت میں جس عرق ریزی سے کام لیا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی بہترین جزا انہیں دینا و آخرت میں عطا فرمائیں، ان کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرما کر اسے طلبہ کے لئے نافع بنائیں، اور اس ناکارہ کے لئے بھی اپنے فضل خاص سے مغفرت و رحمت کا وسیلہ بنا دے۔ آمین۔

بناہ محمد تقی عثمانی (جامعہ دارالعلوم کراچی)

۱۰ ذی الحجہ ۱۴۲۱ھ

برطانیہ ۲ دسمبر ۲۰۰۹ء

عرض ناشر

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اقابعد - جامعہ دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کا درس سالہا سال سے استاذ معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا سحابان محمود صاحب قدس سرہ کے سپرد رہا۔ ۲۹ ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو شیخ الحدیث کا حادثہ وفات پیش آیا تو صحیح بخاری شریف کا یہ درس مؤرخہ ۴ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ بروز بدھ سے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے سپرد ہوا۔ اسی روز صبح ۸ بجے سے مسلسل ۲ سالوں کے دروس ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے ضبط کئے۔ انہی لمحات سے استاذ محترم کی مؤمنانہ نگاہوں نے تاک لیا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ یہ مواد کتابی شکل میں موجود ہونا چاہئے، اس بناء پر احقر کو ارشاد فرمایا کہ اس مواد کو تحریری شکل میں لا کر مجھے دیا جائے تاکہ میں اس میں سبقاً سبقاً نظر ڈال سکوں، جس پر اس کام (انعام الباری) کے ضبط و تحریر میں لانے کا آغاز ہوا۔

چنانچہ یہ سلسلہ تاحال جاری ہے، جس کی وجہ سے یہ مجموعہ افادات ایک باقاعدہ تصنیفی شکل اختیار کر گیا۔ اس لئے یہ کتاب ”انعام الباری“ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، یہ سارا مجموعہ بھی بڑا قیمتی ہے، اور استاد موصوف کو اللہ ﷻ نے جو تبحر علمی عطا فرمایا وہ ایک دریائے ناپید کنارہ ہے، جب بات شروع فرماتے تو علوم کے دریا بہنا شروع ہو جاتے، اللہ ﷻ آپ کو وسعت مطالعہ اور عمق فہم دونوں سے نوازا ہے، اس کے نتیجے میں حضرت استاد موصوف کے اپنے علوم و معارف جو بہت ساری کتابوں کے چھاننے کے بعد خلاصہ عطر ہے وہ اس مجموعہ ”انعام الباری“ میں دستیاب ہے، اس لئے آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ استاد موصوف کی فقہی آراء و تشریحات، ائمہ اربعہ کی موافقات و مخالقات پر محققانہ مدلل تبصرے علم و تحقیق کی جان ہیں۔

صاحبان علم کو اگر اس کتاب میں کوئی ایسی بات محسوس ہو جو ان کی نظر میں صحت و تحقیق کے معیار سے کم ہو اور ضبط و نقل میں ایسا ہونا ممکن بھی ہے تو اس نقص کی نسبت احقر کی طرف کریں اور ازراہ عنایت اس پر مطلع بھی فرمائیں۔ دعا ہے کہ اللہ ﷻ اسلاف کے ان علمی امانتوں کی حفاظت فرمائے، اور ”انعام الباری“ کے باقی ماندہ حصوں کی تکمیل کی توفیق فرمائے تاکہ علم حدیث کی یہ امانت اپنے اہل تک پہنچ سکے۔

آمین یا رب العالمین . و ما ذلک علی اللہ بعزیز

بندہ: محمد انور حسین عفی عنہ

فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۱۷ ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ بمطابق ۴ دسمبر ۲۰۰۹ء بروز جمعہ

خلاصة الشارح



تسلسل	كتاب	رقم التذييل	صفحة
١	كتاب العلم	١٣٤ - ٥٩	٤٣
٢	كتاب الوضوء	٢٤٧ - ١٣٥	٢٥١
٣	كتاب الغسل	٢٩٣ - ٢٤٨	٤٣٥
٤	كتاب الحيض	٣٣٢ - ٢٩٤	٤٨٩
٥	كتاب التيمم	٣٤٨ - ٣٣٤	٥٥٥

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۵	امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا واقعہ	۳	افتتاحیہ
	(۷) باب من سئل علما و هو مشغول	۵	عرض ناشر
	فی حدیثہ فنام الحدیث ثم اجاب	۷	فہرست
۵۶	السائل	۳۳	عرض مرتب
	جس کسی شخص سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے	۳۳	۳ - کتاب العلم
	اور وہ کسی بات میں مشغول ہو تو پہلے اپنی بات		"کتاب الایمان" کے بعد "کتاب
۵۶	کو پورا کر لے پھر سائل کو جواب سے	۴۵	العلم" نو ذکر کرنے کی وجہ
۵۶	باب کا مفہوم	۴۵	علم کی تعریف
۵۷	حدیث کی تشریح	۴۶	امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کا قول
۵۸	ترجمہ الباب کا حاصل	۴۶	بعض حضرات کا قول
۵۸	اعتراض	۴۷	ہر چیز کی تعریف نہیں کی جاسکتی
	فضول سوالات کے جوابات دینے کی ضرورت	۴۷	کتاب انلم میں علم سے کیا مراد ہے؟
۵۹	نہیں ہوتی	۴۷	بعض دنیاوی علوم کا حصول فرض کفایہ ہے
۶۰	(۳) باب من رفع صوته بالعلم	۴۸	دینی و دنیاوی علوم کے فرض کفایہ ہونے میں
۶۰	اس شخص کا بیان جو علم میں اپنی آواز بلند کرے		فرق
۶۰	امام بخاری رحمہ اللہ کا ترجمہ الباب سے مقتود	۴۸	حضرت آدم علیہ السلام کو دنیاوی علوم عطا کئے
۶۱	عن یوسف بن ماہک		گئے تھے
۶۲	غسل ارجل کی فرضیت	۴۹	علم بغیر عمل سے علم کہلائے نہ کا مستحق ہی نہیں
۶۲	امام بخاری رحمہ اللہ کا اعلیٰ صورت پر استدلال	۵۰	علم دود و سجاری تلوار کی مانند ہے
	(۴) باب قول المتحدث: حدثنا	۵۰	(۱) باب فضل العلم
۶۳	و أخبرنا و أنبأنا	۵۰	علم کی فضیلت کا بیان
۶۳	محدث کا حدثنا، أخبرنا اور أنبأنا کہنا	۵۲	آیت کا مفہوم
۶۳	حدثنا و أخبرنا و أنبأنا کی تشریح	۵۲	حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا قول
۶۴	وقال الحمیدی	۵۲	حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا واقعہ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۸۳	مناولہ غیر مقرون بالا جازۃ		(۵) باب طرح الإمام المسألة علی
۸۳	حکم	۶۹	أصحابہ لیختبر ما عندهم من العلم
۸۴	مقصد بخاری رحمہ اللہ		انام کا اپنے ساتھیوں کے سامنے ان کے علم
۸۵	عبداللہ بن عمر سے کون مراد ہیں؟	۶۹	کے امتحان کے لئے سوال کرنا
۸۵	حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تحقیق	۷۱	(۶) باب ماجاء فی العلم
۸۶	سریہ عبداللہ ﷺ کی حدیث	۷۵	حدیث کی تشریح
۸۸	مٹایا قصرو کسریٰ کے استبداد کو جس نے		”بول مایو کل لحمہ“ کے ظاہر ہونے پر
۸۹	حدیث کی تشریح	۷۵	بالکلیہ کا استدلال
۹۰	روایت سے مقصد بخاری	۷۶	استدلال کا جواب
۹۰	وجادہ کی تعریف	۷۸	ضمام بن ثعلبہ ﷺ اور قبول اسلام
۹۱	وجادہ کا حکم	۷۸	دلائل
۹۱	آج کل پائے جانے والے مخطوطات کی حیثیت	۷۸	محققین علماء کے اقوال
۹۳	ایک اہم اصول	۷۹	دلائل کا جواب
	(۸) باب من قعد حیث ینتہی بہ	۷۹	فرضیت حج اور واقعہ ضمام بن ثعلبہ ﷺ
	المجلس، ومن رأى فرجة فی	۷۹	علامہ ابن التین رحمہ اللہ کی رائے
۹۴	الحلقة فجلس فیہا	۸۰	حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے اور دلائل
	اس شخص کا بیان جو مجلس کے اخیر میں بیٹھ جائے	۸۱	مقصد بخاری رحمہ اللہ
	اور اس کا بیان جو بیچ مجلس میں میں جگہ پائے		(۷) باب ما یذکر فی المناولة
۹۴	اور بیٹھ جائے	۸۲	و کتاب أهل العلم بالعلم إلى البلدان،
۹۴	حدیث کی تشریح		مناولہ کا بیان اور اہل علم کا علم کی باتیں لکھ کر
۹۵	آداب مجلس	۸۲	شہروں میں بھیجنا
۹۶	علم کے درجات	۸۲	مناولہ کی تعریف
	(۹) باب قول النبی ﷺ : ((رب مبلغ	۸۳	مکاتبہ کی تعریف
۹۷	أوعی من سامع))	۸۳	مناولہ مقرون بالا جازۃ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۰۹	(۱۳) باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ	۹۸	حدیث کی تشریح
	اللہ ﷻ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے	۹۸	روایت میں تعارض اور تطبیق
۱۰۹	اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے	۹۹	مسلمان کی جان، مال اور عزت کی حرمت
۱۰۹	حدیث کا مفہوم و مطلب	۱۰۰	تابعی صحابی سے زیادہ فقیہ ہو سکتا ہے
۱۱۰	اہل حق کون ہیں؟	(۱۰) باب : العلم قبل القول و	
۱۱۱	(۱۴) باب الفہم فی العلم	عمل	
۱۱۱	علم میں سمجھ کا بیان	۱۰۰	قول اور عمل سے پہلے علم کا بیان
۱۱۱	حدیث کی تشریح	۱۰۲	سوال: توجیہات
۱۱۱	مقصد امام بخاری رحمہ اللہ	(۱۱) باب ما کان النبی ﷺ یتخولہم	
	(۱۵) باب الاغبط فی العلم	۱۰۵	بالموعظة والعلم کما لا ینفروا
۱۱۲	والحکمة،		نبی ﷺ کا لوگوں کو موقع اور مناسب وقت پر
۱۱۲	علم اور حکمت میں رشک کرنے کا بیان	۱۰۵	نصیحت کرنے کا بیان تاکہ وہ گھبرانہ جائیں
۱۱۲	رشک اور حسد میں فرق	۱۰۵	ترجمۃ الباب کا خلاصہ کلام
۱۱۲	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکیمانہ ارشاد	۱۰۶	واعظ اور ناصح کے لئے اہم ہدایات
۱۱۳	اپنی اصلاح کی فکر پہلے کرنا چاہئے	۱۰۶	وعظ و نصیحت اور تعلیم و تعلم میں فرق
۱۱۳	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد اور ترجمۃ الباب	۱۰۷	حدیث کا مفہوم
۱۱۳	مزید طرق کا ذکر	۱۰۷	داعی کے لئے ہدایت
۱۱۳	علم و حکمت میں رشک و رقابت	۱۰۷	بداعت مذموم ہے
	(۱۶) باب ما ذکر فی ذہاب موسیٰ	۱۰۸	شیخ کی ضرورت
۱۱۵	علیہ السلام فی البحر إلی الخضر علیہ السلام	(۱۲) باب من جعل لأهل العلم آیما	
	موسیٰ علیہ السلام کے دریا کے اندر خضر علیہ السلام کے	۱۰۸	معلومة
۱۱۵	پاس جانے کا جو واقعہ ہے اس کا بیان		اس شخص کا بیان جس نے علم حاصل کر نیوالوں
	(۱۷) باب قول النبی ﷺ : ((اللہم	۱۰۸	کی تعلیم کے لئے کچھ دن مقرر کر دیئے
۱۱۷	علمہ الكتاب))	۱۰۸	حدیث کا مفہوم و مطلب

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۲۵	پہلی قسم	۱۱۷	نبی کریم ﷺ کا ارشاد کہ اے میرے اللہ! اس کو
۱۲۵	دوسری قسم		قرآن کا علم عطا فرما
۱۲۵	تیسری قسم	۱۱۷	عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حق میں حضور اکرم
۱۲۷	(۲۱) باب رفع العلم وظہور الجہل		ﷺ کی دعا
۱۲۷	علم اٹھ جانے اور جہل ظاہر ہونے کا بیان	۱۱۸	(۱۸) باب متى يصح سماع الصغير
۱۲۷	رفع علم اور ظہور جہل کا مطلب	۱۱۸	بچے کا کس عمر میں سنا صحیح ہے
۱۲۷	ضیاع علم اور نا اہل کو تعلیم	۱۱۸	بچے کی روایت کب معتبر ہے؟
۱۲۸	علامات قیامت	۱۱۸	خطیب بغدادی رحمہ اللہ
۱۲۸	دونوں روایات میں تعارض اور تطبیق کی صورت	۱۱۸	یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کا استدلال
۱۲۹	(۲۲) باب فضل العلم	۱۱۹	جہور کا قول
۱۲۹	علم کی فضیلت کا بیان	۱۱۹	تحمل حدیث کے لئے کتنی عمر معتبر ہے؟
۱۲۹	فضل علم	۱۲۰	علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کا قول محقق
۱۳۰	ترجمۃ الباب کا مقصد	۱۲۱	حدیث کی تشریح
۱۳۰	فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مقام	۱۲۱	صغیر کا سماع معتبر ہے
۱۳۱	اؤلیات عمر رضی اللہ عنہ	۱۲۲	(۱۹) باب الخروج في طلب العلم
	(۲۳) باب الفتياء وهو واقف على	۱۲۲	علم کی طلب میں باہر نکلنے کا بیان
۱۳۲	الدابة وغيرها	۱۲۳	(۲۰) باب فضل من علم وعلم
	سواری یا کسی چیز پر کھڑے ہو کر فتویٰ دینا یا		اس شخص کی فضیلت کا بیان جو خود پڑھے اور
۱۳۲	دین کا مسئلہ بتانا جائز ہے	۱۲۳	دوسروں کو پڑھائے
۱۳۳	حدیث باب کی تشریح	۱۲۴	زمین کی تین قسمیں
۱۳۳	حالت مذکورہ میں فتویٰ دینا جائز ہے	۱۲۴	پہلی قسم
۱۳۳	یوم النحر کا عمل	۱۲۴	دوسری قسم
۱۳۳	حنفیہ کا مسلک	۱۲۴	تیسری قسم
۱۳۳	ائمہ ثلاثہ کا مسلک	۱۲۵	لوگوں کی تین قسمیں

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۳۲	”تناوب“ کے معنی	۱۳۳	ائمہ ثلاثہ کا استدلال
۱۳۳	حدیث کی تشریح	۱۳۳	حنفیہ کی طرف سے جواب
	(۲۸) باب الغضب فی الموعظة و		(۲۴) باب من اجاب الفتيا بإشارة
۱۳۴	التعليم إذا رأى ما يكره	۱۳۴	اليد والرأس
	نصیحت اور تعلیم میں جب کوئی بری بات دیکھے		اس شخص کا بیان جو ہاتھ یا سر کے اشارے سے
۱۳۴	تو غصہ کرنے کا بیان	۱۳۴	متوئی کا جواب دے
۱۳۴	تعلیم اور نصیحت میں غصہ کرنے کا حکم	۱۳۵	”ہوج“ بھی علامات قیامت ہے
۱۳۴	قاضی اور معلم میں فرق	۱۳۶	حدیث کی تشریح
۱۳۵	روایت کی تشریح	۱۳۸	علامہ شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی تحقیق
۱۳۵	ایک شبہ اور اس کا ازالہ		(۲۵) باب تحريض النبی ﷺ وفد
۱۳۵	یہ صاحب کون تھے؟		عبد القیس علی أن يحفظوا الإيمان و
۱۳۷	لفظ کا حکم	۱۳۹	العلم ويخبروا به من وراءهم،
۱۳۷	ایک سوال پر آنحضرت ﷺ کا غصہ		نبی کریم ﷺ کا ع القیس کے وفد کو رغبت دلانا
۱۳۷	غصہ کرنے کی وجہ	۱۳۹	کہ ایمان اور علم کی حفاظت کریں
۱۳۸	بے مقصد سوالات سے آنحضرت ﷺ کی ممانعت	۱۳۹	”غندر“ کا تعارف
۱۳۹	بے فائدہ سوالات سے پرہیز کرنا چاہئے		(۲۶) باب الرحلة فی المسألة
	(۲۹) باب من برک علی ركبتيه	۱۴۰	النزلة و تعليم أهله
۱۵۰	عند الإمام أو المحدث	۱۴۰	پیش آنے والے مسئلہ کے لئے سفر کرنے کا بیان
۱۵۰	امام یا محدث کے پاس دوڑا نو بیٹھنے کا بیان		ایک عورت کی شہادت اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ
	(۳۰) باب من أعاد الحديث ثلاثا	۱۴۱	کا مسلک
۱۵۰	ليفهم عنه	۱۴۱	جمہور کا مسلک
	اس شخص کا بیان جو خوب سمجھانے کے لئے	۱۴۱	حنفیہ کا مسلک
۱۵۰	ایک بات کو تین بار کہے	۱۴۱	(۲۷) باب التناوب فی العلم
۱۵۲	(۳۱) باب تعليم الرجل أمته وأهله	۱۴۱	علم حاصل کرنے میں باری مقرر کرنے کا بیان

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۶۵	کیا عورتوں کی تعلیم کے لئے کوئی خاص دن مقرر کر دیا جائے	۱۵۲	مرد کا اپنی لونڈی اور اپنے گھر والوں کو تعلیم کرنے کا بیان
۱۶۵	نو مولود بچوں کا حکم	۱۵۴	دوا جر ملنے کی وجہ
(۳۶)	باب من سمع شیشا فراجع	۱۵۴	سوالات
۱۶۷	حتی يعرفہ	۱۵۴	جواب
۱۶۷	اس شخص کا بیان جو کوئی بات سنے پھر اس سے دوبارہ پوچھے یہاں تک کہ سمجھ لے	۱۵۵	حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی تقریر
۱۶۸	حدیث کی تشریح	۱۵۵	ایک عمل اور دو ہر اجر کیوں ہے؟
۱۶۸	حساب یسر کا مطلب	(۳۲)	باب عظة الإمام النساء
(۳۷)	باب لیسف العلم الشاہد	۱۵۸	و تعلیمہن
۱۶۹	الغائب ،	۱۵۸	امام کا عورتوں کو نصیحت کرنے اور ان کی تعلیم کا بیان
۱۶۹	جو لوگ حاضر ہیں وہ ایسے لوگوں کو علم پہنچائیں	(۳۳)	باب الحوص علی الحدیث
۱۶۹	جو غائب ہیں	۱۵۹	حدیث نبوی کے سننے پر حرص کرنے کا بیان
۱۶۹	امام بخاری رحمہ اللہ کا انداز تالیف	۱۶۰	صیغہ اسم تفضیل پر ایک اشکال
۱۷۰	حدیث کا مفہوم	۱۶۰	مطلق صیغہ صرفت مراد ہے
۱۷۰	دعوت دینے کا انداز	۱۶۰	اسم تفضیل کی بنیاد پر تشریح
۱۷۱	موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے واقعہ میں سبق	(۳۴)	باب کیف یقبض العلم ؟
۱۷۲	حرم میں پناہ کا مسئلہ اور اختلاف فقہاء	۱۶۱	علم کس طرح اٹھایا جائے گا
۱۷۲	امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک	۱۶۲	تدوین حدیث کی وجہ
۱۷۳	امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک	۱۶۳	سرکاری سطح پر تدوین حدیث
۱۷۳	شوافع کا استدلال	۱۶۳	علم کا اٹھ جانا
۱۷۳	حنفیہ کا استدلال	۱۶۵	استخراج
۱۷۴	(۳۸) باب إثم من کذب علی النبی ﷺ	(۳۵)	باب هل یجعل للنساء یوما
۱۷۴	اس شخص پر کتنا گناہ ہے جو نبی کریم ﷺ پر	۱۶۵	علی حدة فی العلم ؟

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۸۹	دیت و قصاص ایک مختلف فیہ مسئلہ	۱۷۴	جھوٹ بولے
۱۸۹	امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال		روایت بالمعنی کے عدم جواز پر بعض حضرات کا
۱۸۹	امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک	۱۷۶	استدلال
۱۹۰	حدیث باب کا جواب	۱۷۶	روایت بالمعنی اور جمہور کا مسلک
۱۹۳	سوال و جواب	۱۷۷	حدیث کی عبارت پڑھنے میں محتاط ہونا چاہئے
۱۹۵	ایک توجیہ	۱۷۷	فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کا مقبول ہونا
۱۹۷	ایک اختلافی مسئلہ	۱۷۸	حضور ﷺ کی طرف غلط نسبت
۱۹۷	عجیب بات	۱۷۸	ایک غلط استدلال
۱۹۸	ترجمۃ الباب سے مناسبت	۱۷۸	تاویل باطل
۲۰۰	کثرت مرویات ابو ہریرہ ؓ کی پہلی وجہ	۱۷۹	ابوالقاسم کنیت رکھنے سے ممانعت کی وجہ
۲۰۰	دوسری وجہ	۱۸۰	آج کل ابوالقاسم کنیت رکھنے کا حکم
۲۰۱	قلت مرویات ابن عمرو ؓ کی پہلی وجہ	۱۸۰	خواب تین قسم پر ہیں
۲۰۱	دوسری وجہ	۱۸۰	خواب میں زیارت رسول ﷺ
۲۰۱	ایک توجیہ	۱۸۲	خواب حجت نہیں
۲۰۳	حدیث قرطاس	۱۸۳	عبداللہ بن زید ؓ کے واقعہ سے استدلال
۲۰۴	مقصد بخاری رحمہ اللہ	۱۸۳	ایک واقعہ
۲۰۴	حدیث قرطاس اور روافض کے اعتراضات	۱۸۴	کشف کا حکم
۲۰۵	پہلا طعن	۱۸۴	(۳۹) باب کتابۃ العلم
۲۰۵	دوسرا طعن	۱۸۴	علم کی باتوں کے لکھنے کا بیان
۲۰۵	تیسرا طعن	۱۸۵	منکرین حدیث کا استدلال
۲۰۵	جواب طعن اول	۱۸۵	امام بخاری رحمہ اللہ کی تردید
۲۰۵	صلح حدیبیہ اور حضرت علی ؓ کا واقعہ	۱۸۶	کتابت علم میں حدیث کی اجازت
۲۰۶	اہل بیت کا ایک واقعہ	۱۸۸	حدیث کو لانے کا منشأ
۲۰۷	جواب طعن دوم	۱۸۸	”او فہم یعطیہ رجل مسلم“

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۲۹	ایک عجیب واقعہ	۲۰۸	حضرت عمر <small>ؓ</small> کا قول ”حسبنا کتاب اللہ“
۲۳۰	نظام تکوینیات	۲۰۹	یہ واقعہ حضرت علی <small>ؓ</small> کے ساتھ بھی پیش آیا
۲۳۱	ایک واقعہ	۲۰۹	تیسرے طعن کا جواب
	(۴۵) باب من سال وهو قائم عالما	۲۱۱	(۴۰) باب العلم والعظة باللیل
۲۳۲	جالسا	۲۱۱	رات کو علم اور نصیحت کرنے کا بیان
	اس شخص کا بیان جو کھڑے کھڑے کسی بیٹھے	۲۱۲	(۴۱) باب السمر فی العلم
۲۳۲	ہوئے عالم سے سوال کرے	۲۱۲	رات کو علمی گفتگو کا بیان
	(۴۶) باب السؤال والفتيا عند رمی	۲۱۳	مسئلہ حیات خضر <small>ؑ</small>
۲۳۳	الحجار	۲۱۶	ترجمہ الباب سے مناسبت
۲۳۳	رمی حجار کے وقت مسئلہ پوچھنے کا بیان	۲۱۷	رائج قول
	(۴۷) باب قوله : ﴿وَمَا أَوْتِيتُمْ مِنَ	۲۱۷	(۴۲) باب حفظ العلم
۲۳۳	الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ [الاسراء : ۸۵]	۲۱۷	علم کی باتوں کو یاد کرنے کا بیان
	اللہ <small>ﷻ</small> کا فرمان کہ: تمہیں صرف تھوڑا علم دیا	۲۲۰	(۴۳) باب الإنصات للعلماء
۲۳۳	گیا		علماء کی باتیں سننے کے لئے خاموش رہنے کا
	(۴۸) باب من ترک بعض الاختیار	۲۲۰	بیان
	مخافة أن یقصر فہم بعض الناس عنه		(۴۴) باب ما یستحب للعالم إذا سنأی
۲۳۵	فیقعوا فی أشد منه	۲۲۱	الناس اعلم ؟ فی کل العلم الی اللہ
	اس شخص کا بیان جس نے بعض جائز چیزوں کو		جب کسی عالم سے پوچھا جائے کہ تمام لوگوں
	اس خوف سے ترک کر دیا کہ بعض نا سمجھ لوگ		میں زیادہ جاننے والا کون ہے؟ تو اس کے لئے
۲۳۵	اس سے زیادہ سخت بات میں مبتلا ہو جائیں		مستحب ہے کہ اللہ <small>ﷻ</small> کی طرف اس کے علم کو
۲۳۸	بنائے تعمیر کعبہ	۲۲۱	حوالہ کر دے
۲۳۸	آپ <small>ﷺ</small> کی خواہش کی تعمیل	۲۲۳	”عدو اللہ“ کا مطلب
	(۴۹) باب من خص بالعلم قوما دون	۲۲۳	”مجمع البحرین“ سے کیا مراد ہے؟
۲۴۰	قوم کراہیة أن لا یفہموا،	۲۲۸	علم تشریحی اور علم تکوینی

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۵۳	آیت وضو		جس شخص نے ایک قوم کو چھوڑ کر دوسری قوم کو علم
۲۵۴	بحث اول		کے لئے مخصوص کر لیا یہ خیال کر کے کہ یہ لوگ
۲۵۴	دوسری بحث	۲۴۰	بغیر تخصیص کے پورے طور پر نہ سمجھیں گے
۲۵۵	پہلا طریقہ	۲۴۰	علماء ہر بات عوام کو نہ بتائیں
۲۵۵	دوسرا طریقہ	۲۴۰	اصولوں کی رعایت ضروری ہے
۲۵۶	تیسرا طریقہ	۲۴۳	(۵۰) باب الحیاء فی العلم
۲۵۶	حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی توجیہ	۲۴۳	علم کے حصول میں شرمانے کا بیان
۲۵۷	اسراف وضو میں بھی منع ہے		ضروری علم کے حصول میں حیاء مانع نہ ہونی
۲۵۷	(۲) باب : لا تقبل صلاة بغیر طہور	۲۴۳	چاہئے
۲۵۷	کوئی نماز بغیر طہارت کے مقبول نہیں ہوتی		(۵۱) باب من استحبها فامر غیرہ
۲۵۸	قبول کے معنی	۲۴۶	بالسؤال
۲۵۸	حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی توجیہ		اس شخص کا بیان جو خود شرمائے اور دوسروں کو
	(۳) باب : فضل الوضوء والغفر	۲۴۶	مسئلہ پوچھنے کا حکم دے
۲۵۹	المحجلون من آثار الوضوء	۲۴۷	یہ حیا میں داخل نہیں
	وضو کی فضیلت کا بیان اور یہ کہ قیامت کے دن		(۵۲) باب ذکر العلم والفتیاء فی
	لوگ وضو کے نشانات کے سبب سے سفید	۲۴۷	المسجد
۲۵۹	پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں والے ہوں گے	۲۴۷	مسجد میں مسائل علمی کا متنا جائز ہے
۲۵۹	”غرمحجل“ کی تشریح		(۵۳) باب من اجاب السائل باكثر
۲۶۰	شافعیہ کا استدلال	۲۴۸	مما سألہ
۲۶۳	خلاصہ بحث	۲۴۸	سائل کو اس کے سوال سے زیادہ بتانے کا بیان
۲۶۳	شریعت کا مزاج	۲۵۱	۴ - کتاب الوضوء
	(۴) باب لا يتوضأ من الشك حتى	۲۵۳	وضو کا بیان
۲۶۳	يستيقن	۲۵۳	(۱) باب ما جاء فی الوضوء،
	اگر بے وضو ہو جانے کا شک ہو شخص شک کی	۲۵۳	لفظ ”وضو“ کا معنی اور وجہ تسمیہ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	بیت الخلاء جانے کے وقت پانی رکھ دینے کا بیان	۲۶۳	بناء پر وضو کرنا ضروری نہیں جب تک یقین حاصل نہ ہو
۲۷۴	افضل خدمت	۲۶۳	حصول علم کے لئے استاذ کی ضرورت
۲۷۵	خدمت کیلئے عقل کی ضرورت ہے	۲۶۵	الیقین لایزول بالشک
۲۷۶	مخدوم کی ذمہ داری	۲۶۵	(۵) باب التخفيف فی الوضوء
۲۷۶	افراط و تفریط نہ ہونا چاہئے	۲۶۵	وضو میں تخفیف کرنے کا بیان
	(۱۱) باب لا تستقبل القبلة ببول ولا غائط إلا عند البناء، جدار أو نحوہ	۲۶۷	(۶) باب إسباغ الوضوء
۲۷۷	بیت الخلاء میں قبلہ کی طرف منہ نہ کرے البتہ عمارت یا دیوار ہو یا اس کے مثل کوئی اور چیز آڑ کی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں	۲۶۷	وضو میں اعضاء کو پورا دھونے کا بیان
۲۷۷	شافعیہ و مالکیہ کا مسلک	۲۶۸	(۷) باب غسل الوجه بالیدین من غرفة واحدة
۲۷۸	مسئلہ کی فقہی تفصیل	۲۶۸	اعضاء وضو کو صرف ایک ایک چلو سے دھونا بھی منقول ہے
۲۷۸	حدیث ابن عمر کا جواب	۲۶۹	شافعیہ کا مسلک
۲۷۹	(۱۲) باب من تبرز علی لبنتين اس شخص کا بیان جو دو اینٹوں پر بیٹھ کر قضائے حاجت کرے	۲۶۹	حنفیہ کا مسلک
۲۷۹	(۱۳) باب خروج النساء إلى البراز عورتوں کا قضاے حاجت کے لئے باہر نکلنے کا بیان	۲۷۰	(۸) باب التسمية علی کل حال وعند الوقاع
۲۸۰	حدیث کو لانے کا منشأ	۲۷۰	بسم اللہ ہر حال میں کہنا چاہئے یہاں تک کہ سجدت سے پہلے بھی
۲۸۱	دونوں روایتوں میں تعارض	۲۷۰	جماع کے وقت بسم اللہ پڑھنا
۲۸۲	رفع تعارض	۲۷۲	مؤمن کی شان
۲۸۳	نزول حجاب کے مراحل	۲۷۲	(۹) باب ما یقول عند الخلاء
		۲۷۲	بیت الخلاء جاتے وقت کیا پڑھے
		۲۷۴	خلاء میں دعا پڑھنے کا وقت کون سا ہے؟
		۲۷۴	(۱۰) باب وضع الماء عند الخلاء

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۹۳	(۲۲) باب الوضوء مرة مرة	۲۸۴	(۱۴) باب التبرز فی البيوت
	وضو میں اعضاء کو ایک، ایک مرتبہ دھونے کا بیان	۲۸۴	گھروں میں قضائے حاجت کرنے کا بیان
۲۹۳		۲۸۵	(۱۵) باب الاستنجاء بالماء
۲۹۳	(۲۳) باب الوضوء مرتين مرتين	۲۸۵	پانی سے استنجا کرنے کا بیان
۲۹۳	وضو میں اعضاء کو دو، دو مرتبہ دھونے کا بیان		(۱۶) باب من حمل معه الماء
۲۹۳	(۲۴) باب الوضوء ثلاثاً ثلاثاً	۲۸۵	طہورہ،
۲۹۳	وضو میں اعضاء کو تین، تین مرتبہ دھونے کا بیان		کسی شخص کے ہمراہ اس کی طہارت کے لئے
۲۹۵	تحیۃ الوضوء کی فضیلت	۲۸۵	پانی لے جانا جائز نہیں ہے؟
۲۹۷	خشوع کیا ہے؟		(۱۷) باب حمل العنزة مع الماء فی
۲۹۷	(۲۵) باب الإستنجاء فی الوضوء	۲۸۶	الاستنجاء
۲۹۷	وضو میں ناک صاف کرنے کا بیان		استنجاء کے لئے پانی کے ساتھ نیزہ لے جانے
۲۹۹	(۲۶) باب الاستجمار وتراً	۲۸۶	کا بیان
۲۹۹	طاق پتھروں سے استنجا کرنے کا بیان	۲۸۶	استنجا کو جاتے وقت ایک چھڑی کا اٹھالینا
	(۲۷) باب غسل الرجلین ولا یمسح	۲۸۷	(۲۰) باب الإستنجاء بالحجارة
۲۹۹	علی القدمین	۲۸۷	پتھروں سے استنجا کرنے کا بیان
	دونوں پاؤں دھونے کا بیان اور دونوں	۲۸۸	(۲۱) باب لا یستنجی بروث
۲۹۹	قدموں پر مسح نہ کرے	۲۸۸	گوبر سے استنجا نہ کرے
۲۹۹	وضو کا معنی	۲۸۹	گوبر سے استنجا کرنے کا حکم
۳۰۰	(۲۹) باب غسل الأعقاب	۲۸۹	"بول مایؤ کل لحمہ" اور مسلک حنفیہ
۳۰۰	ایڑیوں کے دھونے کا بیان	۲۸۹	بعض مالکیہ کی طرف سے جواب
	(۳۰) باب غسل الرجلین فی النعلین	۲۸۹	جواب کارو
۳۰۰	ولا یمسح علی النعلین		استنجا میں تین پتھروں کا استعمال اور مسلک
	نعلین پہنے ہوئے ہو تو دونوں پاؤں کا دھونا	۲۹۰	حنفیہ
۳۰۰	ضروری ہے، نعلین پر مسح نہیں ہو سکتا	۲۹۱	حدیث کی سند پر بحث

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۱۶	امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک		(۳۱) باب التیمن فی الوضوء
۳۱۶	امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک	۳۰۴	والغسل
۳۱۶	حنفیہ اور حنابلہ کا مسلک		وضو اور غسل میں دائیں طرف سے شروع
۳۱۷	ٹھک اور قہقہہ میں فرق	۳۰۴	کرنے کا بیان
۳۱۹	نماز میں تیر لگنا		(۳۲) باب التماس الوضوء إذا
۳۲۰	حنفیہ کی طرف سے جواب	۳۰۵	حانت الصلاة
۳۲۰	علامہ خطابی رحمہ اللہ کی عجیب توجیہ	۳۰۵	جب نماز کا وقت آجائے تو پانی کی تلاش کرنا
۳۲۰	اس حدیث سے استدلال درست نہیں	۳۰۵	جب نماز کا وقت آجائے تو پانی کی تلاش کرنا
۳۲۱	امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال		(۳۳) باب الماء الذي يغسل به
۳۲۸	(۳۵) باب الرجل يوضئ صاحبه	۳۰۶	شعر الإنسان
۳۲۸	اس شخص کا بیان جو اپنے ساتھی کو وضو کرادے	۳۰۶	جس پانی سے آدمی کے بال دھوئے جائیں
۳۲۸	آدمی اپنے ساتھی کو وضو کرائے۔۔۔۔۔؟	۳۰۶	جس پانی سے آدمی کے بال دھوئے جائیں
۳۲۸	وضو میں استعانت کی اقسام	۳۱۰	سورکلب اور مسلک جمہور
	(۳۶) باب قراءة القرآن بعد الحدث	۳۱۰	جمہور کی دلیل
۳۳۰	وغیرہ	۳۱۲	سورکلب کی عدم نجاست پر پہلی دلیل
۳۳۰	اگر وضو نہ ہو تو قرآن کی تلاوت کرنے کا بیان	۳۱۳	دوسری دلیل
۳۳۰	”وغیرہ“ کا مرجع اور معنی	۳۱۳	اشکال
۳۳۰	حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی توجیہ	۳۱۳	الزامی جواب
۳۳۱	علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی توجیہ	۳۱۳	تحقیقی جواب
۳۳۱	علامہ عینی رحمہ اللہ کی توجیہ	۳۱۴	نیسری دلیل
	”قراءة القرآن في الحمام“ اور مسلک		(۳۴) باب من لم يبر الوضوء إلا من
۳۳۱	حنفیہ	۳۱۵	المخرجين من القبل والدبر،
۳۳۲	بسم اللہ کی جگہ ”۷۸۶“ لکھنے کا حکم		سلف میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو صرف
۳۳۲	ایک غلط فہمی کا ازالہ	۳۱۵	پاخانہ، پیشاب کے بعد وضو کو فرض سمجھتے ہیں

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۳۱	لوگوں کے وضو کے بچے ہوئے پانی کا استعمال کرنے کا بیان	۳۳۲	اختلاف ائمہ
۳۳۱	ماء مستعمل اور اختلاف فقہاء	۳۳۳	فقہاء حنفیہ کا قول
۳۳۱	حنفیہ کا قول	۳۳۴	منشأ حدیث
۳۳۲	امام ابو حنیفہؒ نے نجس کیوں قرار دیا	(۳۷) باب من لم يتوضأ إلا من الغشی المثقل	
۳۳۲	امام ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ کی دلیل تبرکات کا ثبوت	۳۳۵	ایسے علماء بھی ہیں جو معمولی غشی کی وجہ سے وضو جاتے رہنے کے قائل نہیں ہیں، ان کے نزدیک جب تک شدید غشی کا دورہ نہ ہو وضو باقی رہتا ہے
۳۳۵	باب:	۳۳۵	(۳۸) باب مسح الرأس كله،
۳۳۵	”زر الحجلة“ کی تشریح	۳۳۶	پورے سر کا مسح کرنے کا بیان
	(۴۱) باب من مضمض واستنشق من غرفة واحدة	۳۳۶	مقدار مسح رأس واختلاف فقہاء
۳۳۶	ایک ہی چلو سے کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کا بیان	۳۳۷	امام مالک رحمہ اللہ کا قول
۳۳۶	ڈالنے کا بیان	۳۳۷	امام شافعی رحمہ اللہ کا قول
۳۳۷	(۴۲) باب مسح الرأس مرة	۳۳۷	امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول
۳۳۷	سر کا مسح ایک مرتبہ کرنے کا بیان	۳۳۷	حنفیہ کا قول
	(۴۳) باب وضوء الرجل مع امراته،	۳۳۸	امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک اور استدلال
	وفضل وضوء المرأة، وتوضأ عمر	۳۳۸	امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال
۳۳۷	بالحميم من بيت نصرانيه	۳۳۸	امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال
	مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ وضو کرنا اور عورت کے وضو کا بچا ہوا پانی استعمال کرنا	(۳۹) باب غسل الرجلين الى الكعبين	
۳۳۷	”فضل طهور المرأة“ کا حکم	۳۴۰	دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھونے کا بیان
۳۳۸	ممانعت والی حدیث کی توجیہ	۳۴۰	(۴۰) باب استعمال فضل وضوء الناس
۳۳۸	علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی توجیہ		
۳۳۹	(۴۴) باب صب النبي ﷺ وضوءه	۳۴۱	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۶۰	طاہر تان	۳۵۰	علی المغنی علیہ
۳۶۰	موزوں کا وضو کی حالت میں پہننے کا بیان		رسول اللہ ﷺ کا اپنے وضو کے پانی کو بے ہوش
۳۶۱	شافعیہ کا قول	۳۵۰	پر چھڑکنے کا بیان
۳۶۱	اختلاف کی دوسری تعبیر		(۴۵) باب الغسل و الوضوء فی
۳۶۱	حنفیہ کا مسلک		المغضب و القدح ، و الخشب ،
۳۶۲	شافعیہ کا مسلک	۳۵۰	و الحجارة .
	(۵۰) باب من لم يتوضأ من لحم		لغن پیالے اور لکڑی کے برتن سے غسل اور
۳۶۲	الشاة و السويق	۳۵۰	وضو کرنے کا بیان
	بکری کا گوشت اور ستوکھانے سے وضو نہ	۳۵۱	الفاظ کی تشریح
۳۶۲	کرنے کا بیان	۳۵۱	حضور اکرم ﷺ کا مجرہ
۳۶۳	احادیث میں تعارض	۳۵۲	مرض وفات کا ایک واقعہ
۳۶۳	احادیث کے جوابات	۳۵۳	سات مشکوں کا حکم کیوں دیا؟
۳۶۴	میرارحمان	۳۵۴	(۴۷) باب الوضوء بالمد
	(۵۱) باب من مضمض من السويق	۳۵۴	ایک مد پانی سے وضو کرنے کا بیان
۳۶۵	ولم يتوضأ	۳۵۵	مد اور صاع کی پیمائش میں اختلاف
	ستوکھانے کے بعد کلی کر کے نماز پڑھنا اور وضو	۳۵۵	ایک اشتباہ
۳۶۵	نہ کرنا	۳۵۵	جواب
۳۶۶	(۵۲) باب هل يمضمض من اللبن	۳۵۶	(۴۸) باب المسح علی الخفين
۳۶۶	کیا دودھ پینے کے بعد کلی کرے	۳۵۶	موزوں پر مسح کرنے کا بیان
	(۵۳) باب الوضوء من النوم ، ومن	۳۵۷	"مسح علی الخفين" اور روافض
	لم ير من النعسة و النعستين أو	۳۵۹	مسح علی العمامہ اور اختلاف فقہاء
۳۶۷	الخفقة وضوءاً	۳۵۹	جمہور کا مسلک
	نیند سے وضو کرنے کا بیان اور جس شخص نے	۳۵۹	حدیث باب کی توجیہات
	ایک دو بار اوٹگھنے سے یا ایک آدھ بھونکا لینے		(۴۹) باب إذا أدخل رجلیه و هما

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۷۸	باب یہریق الماء علی البول	۳۶۷	سے وضو لازم نہیں سمجھا۔
۳۷۸	پیشاب پر پانی بہانے کا بیان	۳۶۹	بغرض علاج جگہ کی تبدیلی
۳۷۸	(۵۹) باب بول الصبیان	۳۶۹	(۵۴) باب الوضوء من غیر حدث
۳۷۸	بچوں کے پیشاب کا بیان	۳۶۹	بغیر حدث کے وضو کرنے کا بیان
۳۸۰	(۶۰) باب البول قائما و قاعدا	۳۷۰	(۵۵) باب من الکبائر أن لا یستتر
۳۸۰	کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر پیشاب کرنے کا بیان	۳۷۰	من بولہ
۳۸۱	(۶۱) باب البول عند صاحبه	۳۷۰	پیشاب سے احتیاط نہ کرنا کبیرہ گناہ ہے
۳۸۱	والتستر بالحائط	۳۷۰	پیشاب سے نہ بچنے اور چغل خوری پر عذاب قبر
۳۸۱	اپنے ساتھی کے پاس پیشاب کرنا اور دیوار	۳۷۱	عذاب قبر اور اس کی وجہ
۳۸۱	سے آڑ کر لینے کا بیان	۳۷۲	چغل خوری کیا ہے؟
۳۸۲	(۶۲) باب البول عند سباطة قوم	۳۷۳	قبر پر شاخ گاڑنا
۳۸۲	کسی قوم کے گھوڑے (کوڑا کرکٹ) کے	۳۷۴	(۵۶) باب ما جاء فی غسل البول
۳۸۲	پاس پیشاب کرنے کا بیان	۳۷۴	پیشاب کے دھونے کے متعلق کیا منقول ہے
۳۸۲	حدیث باب کی تشریح	۳۷۴	پیشاب ناپاک ہے انسان کا ہو یا حیوان کا
۳۸۳	ترجمہ الباب سے مقصود بخاری رحمہ اللہ	۳۷۵	باب:
۳۸۳	غیر کی ملکیت میں تصرف!	۳۷۵	(۵۷) باب ترک النبی ﷺ والناس
۳۸۳	جواب	۳۷۵	الأعرابی حتی فرغ من بولہ فی
۳۸۴	لحمہ فکریہ	۳۷۵	المسجد
۳۸۴	(۶۳) باب غسل الدم	۳۷۶	نبی ﷺ اور سب لوگوں کا اعرابی کو مہلت دینا
۳۸۴	خون دھونے کا بیان	۳۷۶	تاکہ وہ اپنے پیشاب سے جو مسجد میں کر رہا تھا
۳۸۴	خون پاک کرنے کا طریقہ	۳۷۶	فارغ ہو جائے
۳۸۵	حدیث کی تشریح	۳۷۷	(۵۸) باب صب الماء علی البول فی
۳۸۶	(۶۴) باب غسل المنی وفرکہ	۳۷۷	المسجد
۳۸۶	وغسل ما یصیب من المرأة	۳۷۷	پیشاب پر مسجد میں پانی ڈالنے کا بیان

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۹۹	مٹکہ کا حکم		منی دھونے اس کے رگڑنے اور اس تری کے
۴۰۰	امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال	۳۸۶	دھونے کا بیان جو کہ عورت سے لگ جائے
	(۶۷) باب ما يقع من النجاسات فی	۳۸۶	منی کا دھونا اور اس کا کھرچ ڈالنا
۴۰۲	السمن والماء	۳۸۶	منی کی طہارت اور نجاست کے متعلق اختلاف
۴۰۲	نجاست گھی اور پانی میں گر جائے تو؟	۳۸۶	طہارت منی پر شوافع کے دلائل
۴۰۲	نجاست گھی اور پانی میں گر جائے تو۔۔۔	۳۸۷	احناف کے دلائل
۴۰۳	پانی کی طہارت اور نجاست کا مسئلہ	۳۸۷	شوافع کے دلائل پر احناف کا جواب
۴۰۳	قلیل و کثیر کی تعین میں اختلاف ہے	۳۸۸	حدیث کی تشریح
۴۰۷	جلیٹین کا حکم		(۶۵) باب: إذا غسل الجنابة أو
۴۰۹	جلیٹین بنانے کے مختلف مراحل	۳۹۰	غیر ہا فلم یدھب أثره
۴۰۹	گائے سے بنی ہوئی جلیٹین کا حکم		جنابت وغیرہ کو دھوئے، مگر اس کا دھبہ نہ
۴۱۳	(۶۸) باب البول فی الماء الدائم	۳۹۰	جائے
۴۱۳	رکے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا		(۶۶) باب ابوال ابل والدواب و
	(۶۹) باب إذا ألقى علی ظهر	۳۹۰	الغنم ومرايضها
	المصلی قدر أو جيفة لم تفسد علیه		اونٹوں، چوپایوں اور بکریوں کے پیشاب کا
۴۱۵	صلاته	۳۹۰	بیان اور بکریوں کے بازوؤں کا
	جب نمازی کی پشت پر گندگی یا مردار ڈال دیا	۳۹۰	مقصود بخاری رحمہ اللہ
۴۱۵	جائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی	۳۹۲	دار البرید کا تعارف
	جب نمازی کی پشت پر گندگی یا مردار ڈال دیا	۳۹۳	امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال
۴۱۵	جائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی	۳۹۳	جمہور کا جواب
۴۱۵	مسک بخاری رحمہ اللہ	۳۹۴	حدیث کی تشریح
۴۱۶	جمہور کا مسک	۳۹۶	حدیث باب سے مقصود بخاری
۴۱۶	امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال	۳۹۶	بول کی طہارت و نجاست
۴۱۶	جمہور کا جواب	۳۹۸	تداوی بالمحرم کا حکم

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۲۹	ایک اشکال	۴۱۷	احتمال
۴۲۹	نفیس جواب	۴۱۸	چار فقہی مسائل
۴۳۰	(۷۴) باب دفع السواک الی الاکبر	۴۱۹	عبارت کی تشریح
۴۳۰	سواک کا بڑے شخص کو دینے کا بیان	۴۲۲	ترجمۃ الباب سے مناسبت
	(۷۵) باب فضل من بات علی		(۷۰) باب البصاق والمخاط ونحوہ
۴۳۱	الوضوء	۴۲۳	لحی الثوب
۴۳۱	اس شخص کی فضیلت کا بیان جو با وضوءات کو سونے		اکپڑے میں تھوک اور رینٹ (ٹاک) کی
۴۳۲	با وضوء سونے کی فضیلت	۴۲۴	ریزش (دغیرہ کے لینے کا بیان
۴۳۵	۵۔ کتاب الغسل		(۷۱) باب: لا یجوز الوضوء بالنیذ
۴۳۸	آیات کی تقدیم و تاخیر کی وجہ	۴۲۵	ولا المسکر
۴۳۸	(۱) باب الوضوء قبل الغسل		نہ نیذ سے اور نہ کسی اور نشہ لانے والی چیز سے
۴۳۸	غسل سے قبل وضو کرنے کا بیان	۴۲۵	وضو جائز ہے
۴۳۹	وضو قبل الغسل مسنون ہے	۴۲۵	نبیذ تمر سے وضو
۴۳۹	غسل مسنون کا طریقہ	۴۲۵	اختلاف فقہاء
۴۴۰	غسل میں ”دلک“ کی شرعی حیثیت	۴۲۶	احناف کا استدلال
۴۴۱	حدیث میمونہ میں دو باتیں قابل ذکر	۴۲۶	احناف کے استدلال پر اشکال
۴۴۲	(۲) باب غسل الرجل مع امرأته	۴۲۶	علامہ عینی رحمہ اللہ کا جواب
۴۴۲	مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ غسل کرنا		(۷۲) باب غسل المرأة أباهما الدم
۴۴۲	حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا سے استنباط مسائل	۴۲۷	عن وجہہ،
۴۴۳	(۳) باب الغسل بالصابون ونحوہ		عورت کا اپنے باپ کے چہرہ سے خون کو
۴۴۳	صابون وغیرہ سے غسل کرنے کا بیان	۴۲۷	دھونے کا بیان
۴۴۴	حدیث مذکور پر ایک سوال	۴۲۷	مقصود بخاری رحمہ اللہ
۴۴۴	جواب	۴۲۸	(۷۳) باب السواک
۴۴۵	الفاظ روایت کی تحقیق	۴۲۸	سواک کرنے کا بیان

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۵۵	غسل جنابت میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا	۴۴۵	لفظ جدی کی تحقیق
۴۵۵	غسل کے بعد تولیہ کا استعمال ضروری نہیں،	۴۴۶	روایت کی تشریح
۴۵۵	مباح ہے	۴۴۷	سند حدیث سے متعلق ایک نفیس بحث
۴۵۵	غسل میں مضمضہ واستنشاق کا وجوب	۴۴۸	(۴) باب من أفاض علی رأسه ثلاثاً
۴۵۶	(۸) باب مسح الید بالتراب لتکون النقی	۴۴۸	اس شخص کا بیان جس نے اپنے سر پر تین بار
۴۵۶	مٹی سے ہاتھ رگڑنے کا بیان تاکہ خوب صاف	۴۴۸	پانی بہایا
۴۵۶	ہو جائے	۴۴۸	سر پر تین بار پانی بہانا
۴۵۶	(۹) باب هل یدخل الجنب یدہ فی	۴۴۸	لفظ ”غندر“ کی تحقیق
۴۵۶	الإناء قبل أن یغسلها إذا لم یکن علی	۴۴۹	حدیث کی تشریح
۴۵۶	یدہ قدر غیر الجنابة؟	۴۵۰	(۵) باب الغسل مرة واحدة
۴۵۶	کیا جنبی اپنا ہاتھ ظرف کے اندر دھونے سے	۴۵۰	اعضا کو غسل میں ایک بار دھونے کا بیان
۴۵۶	قبل ڈال سکتا ہے، جب کہ اس کے ہاتھ پر	۴۵۰	حدیث کی تشریح
۴۵۶	جنابت کے علاوہ کوئی نجاست نہ ہو	۴۵۰	حدیث باب سے امام بخاریؒ کا استدلال
۴۵۶	ترجمۃ الباب کی تشریح	۴۵۰	(۶) باب من بدأ بالحلاب أو الطیب
۴۵۸	(۱۰) باب تفریق الغسل والوضوء	۴۵۱	عند الغسل
۴۵۸	غسل اور وضو میں تفریق کرنے کا بیان	۴۵۱	حلاب یا خوشبو سے غسل شروع کرنا
۴۵۹	(۱۱) باب من أفرغ یمینہ علی	۴۵۱	مشکل ترین ترجمہ
۴۵۹	شمالہ فی الغسل	۴۵۱	حدیث کی تشریح
۴۵۹	غسل میں داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی	۴۵۲	بخاری کے مشکل ترین ترجمہ کی تشریح
۴۵۹	ڈالنا	۴۵۳	ترجمۃ الباب کی توجیہ اول
۴۵۹	(۱۲) باب: إذا جامع ثم عاد، ومن	۴۵۳	”او الطیب“ کے متعلق حضرت شاہ صاحب
۴۵۹	دار علی نسائه فی غسل واحد	۴۵۳	رحمہ اللہ کی توجیہ
۴۵۵	جب جماع کر لے پھر دوبارہ کرنا چاہے اور	۴۵۵	(۷) باب المضمضة والاستنشاق فی
۴۵۵	جس نے ایک ہی غسل میں اپنی تمام بیبیوں	۴۵۵	الجنابة

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۵۹	اس شخص کا بیان جس نے ایک گوشہ میں	۴۵۹	کے پاس دورہ کیا
۴۶۰	بحالت تنہائی ننگے ہو کر غسل کیا	۴۶۰	حدیث کی تشریح
۴۶۰	برہنہ غسل کا حکم	۴۶۱	روایات سے ترجمہ کا ثبوت
۴۶۱	استدلال بخاری رحمہ اللہ	۴۶۲	سوال
۴۶۱	حدیث کی تشریح	۴۶۲	جواب اول
۴۶۳	یغتسل عریانا کی تشریح	۴۶۳	جواب ثانی
۴۶۳	بندہ ہر حال میں اللہ کا محتاج بن کر رہے	۴۶۳	جواب ثالث
۴۶۳	حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا قصہ	۴۶۳	احرام کے بعد مجامعت
۴۶۵	(۲۱) باب التستر فی الغسل عند	۴۶۵	(۱۳) باب غسل المذی والوضوء منه
۴۶۵	الناس	۴۶۵	مذی دھونا اور اس سے وضو لازم ہونا
۴۶۵	لوگوں کے پاس نہانے کی حالت میں پردہ	۴۶۵	(۱۴) باب من تطیب ثم اغتسل وبقی
۴۶۵	کرنے کا بیان	۴۶۵	أثر الطیب
۴۶۶	حالت غسل میں کلام کا حکم	۴۶۵	اس شخص کا بیان جس نے خوشبو لگائی پھر غسل کیا
۴۶۶	فوجدہ یغتسل و فاطمة تسترہ ،	۴۶۵	اور خوشبو کا اثر باقی رہ جائے
۴۶۶	فقال: من ہذہ ؟	۴۶۵	(۱۷) باب اذا ذکر فی المسجد انه
۴۶۶	(۲۳) باب عرق الجنب وأن	۴۶۶	جنب خرج کما هو ولا یقیم
۴۶۶	المسلم لا ینجس	۴۶۶	جب مسجد میں یاد آئے کہ وہ جنبی ہے تو اسی حال
۴۶۶	جنبی کے پسینہ کا بیان اور مؤمن نجس نہیں ہوتا	۴۶۶	میں نکل جائے اور تیمم نہ کرے
۴۶۷	جنبی کا پسینہ ناپاک نہیں ہوتا	۴۶۷	مسجد میں جنبی کا حکم
۴۶۸	(۲۴) باب : الجنب یمخرج ویمشی	۴۶۸	آیت کریمہ سے شافعیہ کا طرز استدلال
۴۶۸	فی السوق وغیرہ ،	۴۶۸	احناف کا انداز استدلال
۴۶۸	جنبی کے نکلنے اور بازار وغیرہ میں چلنے کا بیان	۴۶۹	حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی نفیس بحث
۴۶۸	(۲۵) باب کینونة الجنب فی البیت	۴۶۹	(۲۰) باب من اغتسل عریانا وحده
۴۶۸	إذا توضأ	۴۷۰	فی الخلوة

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۴۸۷	رطوبت فرج المرأة کے اقسام کا حکم	۴۷۸	جنبی کے گھر میں رہنے کا بیان جب کہ غسل سے پہلے وضو کر لے
۴۸۹	۶۔ کتاب الحيض	۴۷۹	(۲۶) باب نوم الجنب
۴۹۱	(۱) باب كيف كان بدء الحيض	۴۷۹	جنبی کے سونے کا بیان
۴۹۱	حيض کا آنا کس طرح شروع ہوا	۴۷۹	(۲۷) باب الجنب يتوضأ ثم ينام
۴۹۱	ابتداء حيض	۴۷۹	جنبی کا بیان کہ وضو کے بعد سونا چاہے
۴۹۲	ابتداء حيض کہاں اور کن سے ہوئی	۴۷۹	حالت جنابت میں سونے کا حکم
۴۹۳	روایتوں میں تطبیق	۴۷۹	پہلا مسئلہ
۴۹۳	پہلی توجیہ	۴۸۰	دوسرا مسئلہ
۴۹۳	دوسری توجیہ	۴۸۰	تیسرا مسئلہ
۴۹۳	لفظ اکثر میں اختلاف قراءۃ	۴۸۰	جنبی سونے سے قبل وضو کرے
۴۹۴	باب الأمر بالنفساء إذا نفسن	۴۸۰	جنبی کے استحباب وضو کی دلیل
۴۹۴	تشریح حدیث	۴۸۱	حدیث عائشہ صدیقہؓ پر تفرّد کا اعتراض
۴۹۵	حائضہ بیت اللہ کا طواف نہ کرے	۴۸۲	وضو قبل النوم کے معنی
	(۲) باب غسل الحائض رأس زوجها	۴۸۳	(۲۸) باب: إذا التقى الختانان ،
۴۹۶	وترجیلہ	۴۸۳	اس کا بیان کہ جب دونوں ختان مل جائیں
	حيض والی عورت اپنے خاوند کا سر دھو سکتی ہے	۴۸۳	محض اکسال موجب غسل ہے
۴۹۶	اور کنگھی کر سکتی ہے	۴۸۴	والغسل احوط سے امام بخاری رحمہ اللہ کی مراد
۴۹۶	حالت حیض میں کفار کا عورتوں سے سلوک	۴۸۵	احتیاط پر ایک نفیس فقہی بحث
۴۹۷	حالت حیض میں مسلمانوں کا عورتوں سے سلوک		(۲۹) باب غسل ما یصیب من
	(۳) باب قراءة الرجل فی حجر امرأته وهي حائض	۴۸۶	وطوبۃ فرج المرأة
۴۹۷	مرد کا اپنی بی بی کے گود میں سر رکھ کر حیض کی		اس چیز کے دھونے کا بیان جو عورت کی شرم گاہ
۴۹۷	حالت میں قرآن کی تلاوت کرنے کا بیان	۴۸۶	سے لگ جائے
۴۹۷	مقصود امام بخاری رحمہ اللہ	۴۸۶	حدیث کی تشریح

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۰۷	پانچویں دلیل	۴۹۸	(۴) باب من سمي النفاس حیضاً
۵۰۷	جواب	۴۹۸	حیض کو نفاس کہنے کا بیان
۵۰۷	چھٹی دلیل حضور ﷺ کے مراسلہ سے استدلال	۵۰۰	(۵) باب مباشرة الحائض
۵۰۷	چھٹی دلیل کا جواب	۵۰۰	حائضہ عورت سے اختلاط کرنے کا بیان
۵۰۸	ساتویں دلیل اور جمہور کی طرف سے جواب	۵۰۰	مباشر الحائض کا حکم
۵۰۹	(۸) باب الإستحاضة	۵۰۰	اختلاف فقہاء
۵۰۹	استحاضہ کا بیان		(۷) باب: تقضي الحائض
۵۰۹	استحاضہ کا معنی	۵۰۱	المناسك كلها إلا الطواف بالبيت
۵۱۱	(۹) باب غسل دم المحيض		حائضہ عورت طواف کعبہ کے علاوہ باقی تمام
۵۱۱	حیض کا خون دھونے کا بیان	۵۰۱	مناسک حج ادا کر سکتی ہے
۵۱۱	حیض والے کپڑوں کا حکم	۵۰۲	دوران حج حائضہ کا حکم
۵۱۲	سوال	۵۰۲	حالت حیض میں تلاوت قرآن کا حکم
۵۱۲	جواب	۵۰۲	مذہب ائمہ:
۵۱۲	(۱۰) باب إعتكاف المستحاضة	۵۰۳	جمہور کا مسلک
۵۱۲	استحاضہ والی عورت کے اعتکاف کا بیان	۵۰۴	امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک
۵۱۳	مستحاضہ اعتکاف میں بیٹھ سکتی ہے	۵۰۴	پہلی دلیل
	(۱۱) باب هل تضي المرأة في	۵۰۴	دوسری دلیل
۵۱۴	ثوب حاضت فيه؟	۵۰۵	تیسری دلیل
	کیا عورت اس کپڑے میں نماز پڑھ سکتی ہے،	۵۰۵	جمہور کی طرف سے پہلی دلیل کا جواب
۵۱۴	جس میں حائضہ ہوئی تھی	۵۰۵	دوسری دلیل کا جواب
۵۱۴	حالت حیض والے کپڑوں میں نماز پڑھنے کا حکم	۵۰۶	ابراہیم خنقی کا قول
	(۱۲) باب الطيب للمرأة عند	۵۰۶	تیسری دلیل کا جواب
۵۱۵	غسلها من المحيض	۵۰۶	چوتھی دلیل
	عورت کا اپنے حیض کے غسل کے وقت خوشبو	۵۰۶	چوتھی دلیل کا جواب

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۱۵	حدیث باب کی ”کتاب الحيض“ سے	۵۱۵	لگانے کا بیان
۵۲۱	مناسبت میں مختلف اقوال	۵۱۶	ایام حیض میں خوشبو استعمال کرنے کا حکم
۵۲۱	ترجمۃ الباب کی پہلی توجیہ		(۱۳) باب ذلک المرأة نفسها
۵۲۳	ترجمۃ الباب کی دوسری توجیہ	۵۱۶	وإذا تطهرت من المحيض
۵۲۳	حالت حمل کا خون اور اقوال ائمہ		عورت جب کہ حیض سے پاک ہو تو غسل میں
۵۲۴	جمہور کی پہلی دلیل	۵۱۶	بدن کیسے ملے
۵۲۴	جمہور کی دوسری اور قوی دلیل	۵۱۷	”غسل عن الحيض“ کا طریقہ
۵۲۵	سوال	۵۱۷	(۱۴) باب غسل المحيض
۵۲۵	جواب	۵۱۷	حیض کے غسل کا بیان
	(۱۸) باب كيف تهل الحائض		(۱۵) باب امتشاط المرأة عند
۵۲۵	بالحج والعمره	۵۱۸	غسلها من المحيض
	حائضہ عورت حج اور عمرہ کا احرام کس طرح		عورت کا اپنے غسل حیض کے وقت لگکھی کرنے
۵۲۵	باندھے	۵۱۸	کا بیان
۵۲۶	حالت حیض میں تلبیہ پڑھنے کا حکم	۵۱۸	احرام عمرہ کے بعد حیض آنے کا حکم
۵۲۶	(۱۹) باب اقبال المحيض و ادباره	۵۱۹	”کتاب الحيض“ سے مناسبت
	حیض کا زمانہ کب آتا ہے اور کب ختم ہو جاتا		(۱۶) باب نقض المرأة شعرها عند
۵۲۶	ہے؟	۵۱۹	غسل المحيض
۵۲۶	اقبال اور ادبار میں ائمہ کا اختلاف		غسل حیض کے وقت عورت کو اپنے بالوں کے
۵۲۷	حنفیہ کی دلیل	۵۱۹	کھولنے کا بیان
۵۲۸	ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل	۵۱۹	اختلاف روایت اور اس کی وجہ
۵۲۸	حنفیہ کا جواب	۵۲۰	(۱۷) باب : ﴿مُخَلَّقَةٌ وَغَيْرُ مُخَلَّقَةٍ﴾
۵۲۸	ازالہ وہم کے لئے بیان مسئلہ		اللہ جلّٰی کے ارشاد مخلقة و غیر مخلقة کا
۵۲۹	دین میں غلو کی اجازت نہیں	۵۲۰	کیا مطلب
۵۳۰	عدم تمیز بالا لوان کے مسئلہ میں حنفیہ کا استدلال	۵۲۰	”مخلقة و غیر مخلقة“ کی تعبیر

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۳۶	امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے قول کی تفصیل	۵۳۰	(۲۰) باب لا تقضی الحائض الصلاة
۵۳۷	امام شافعی رحمہ اللہ کے قول کی تفصیل	۵۳۰	حائضہ عورت نماز کی قضا نہ کرے
۵۳۷	امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی تفصیل	۵۳۱	عائضہ کا قضاء صوم اور عدم قضاء صلوٰۃ پر اجماع ہے
۵۳۷	صاحبین کے نزدیک صورت مسئلہ	۵۳۱	حروریہ کا تعارف
۵۳۸	ترجیح اقوال		(۲۲) باب من اتخذ ثياب الحيض
۵۳۸	استدلال امام بخاری رحمہ اللہ	۵۳۱	سوی ثياب الظهر
۵۳۹	قالون کا پس منظر		جس نے حیض کے زمانہ کے لئے علیحدہ لباس
۵۳۹	حنفیہ اور شافعیہ کی تاویلات	۵۳۱	تیار کر لیا
۵۴۰	قاضی شریح رحمہ اللہ کے قول کا مطلب		(۲۳) باب شهود الحائض العیدین
	حنفیہ کا احادیث مرفوعہ و آثار موقوفہ سے	۵۳۲	ودعوة المسلمين، ويعتزلن المصلی
۵۴۰	استدلال		حائضہ عورت کا عیدین میں اور مسلمانوں کی
۵۴۳	مانع حیض دوا کا استعمال جائز ہے		دعوت میں حاضر ہونے کا بیان، عورتیں نماز کی
۵۴۳	سوال	۵۳۲	جگہ سے علیحدہ رہیں
۵۴۳	جواب	۵۳۳	حائضہ کی دعاء عیدین میں شرکت
	(۲۵) باب الصفرة والكدرۃ فی غیر	۵۳۳	مقصود امام بخاری رحمہ اللہ
۵۴۳	ایام الحيض		(۲۴) باب إذا حاضت فی شهر ثلاث
	اگر حیض کا زمانہ نہ ہو تو زردی یا مٹیلے پن کے	۵۳۴	حیض
۵۴۳	دیکھنے کا بیان	۵۳۴	جب کوئی عورت ایک مہینہ میں تین بار حائضہ ہو
۵۴۳	تعارض بین الروایات کا رفع	۵۳۴	حواس خمسہ ظاہرہ و باطنہ متوجہ کرنے کی ضرورت
۵۴۴	(۲۶) باب عرق الإستحاضة	۵۳۵	پہلا مسئلہ
۵۴۴	استحاضہ کی رگ کا بیان	۵۳۵	دوسرا مسئلہ
۵۴۵	”غسل لكل صلوٰۃ“ میں جمہور کا مذہب		طہر اور حیض کی اقل و اکثر مدت میں اختلاف
۵۴۶	حنفیہ کا مسلک	۵۳۵	فقہاء
۵۴۶	روایات کی توجیہ	۵۳۶	امام مالک رحمہ اللہ کے قول کی تفصیل

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۶۲	ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے	۵۴۶	(۲۷) باب المرأة تحيض بعد الإفاضة
	أعطيت خمسا لم يعطهن أحد قبلي		طواف افاضہ کے بعد عورت کے حائضہ ہونے
۵۶۳	خصائص نبوی ﷺ	۵۴۶	کا بیان
۵۶۳	(۲) باب إذا لم يجد ماء ولا تراباً	۵۴۷	ادائیگی ارکان حج کے بعد حائضہ کا حکم
	اگر کسی شخص کو پانی نہ ملے اور نہ مٹی، تو وہ	۵۴۸	(۲۸) باب إذا رأت المستحاضة الطهر
۵۶۴	کیا کرے؟	۵۴۸	جب مستحاضہ طہر کو دیکھے، تو کیا کرے؟
	تیمم میں صرف ایک ضرب ہے	۵۴۸	ایام عادت حیض میں مستحاضہ کا حکم
۵۶۵	مسئلہ ”فاقد الطهورین“	۵۴۹	حوال
۵۶۵	استدلال بخاری رحمہ اللہ	۵۴۹	جواب
۵۶۵	اختلاف ائمہ رحمہم اللہ		(۲۹) باب الصلاة عن النفساء
	(۳) باب التيمم في الحضر إذا لم	۵۵۰	وستہا
۵۶۶	يجد الماء وخاف فوت الصلاة		نفاس والی عورت کے جنازہ پر نماز اور اس
	قیام کی حالت میں جب پانی نہ پائے اور نماز	۵۵۰	کے طریقہ کا بیان
۵۶۶	کے فوت ہو جانے کا خوف ہو	۵۵۰	مستحاضہ پر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے
۵۶۷	ترجمة الباب کا مقصد	۵۵۱	عورت پر نماز جنازہ پڑھنے کا مسنون طریقہ
	عبد اللہ ابن عمر ؓ کا اثر سے امام بخاری رحمہ	۵۵۱	حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی رائے
۵۶۸	اللہ کا دعا	۵۵۲	روایت باب کی مناسبت
۵۶۹	ایک اور توجیہ	۵۵۲	(۳۰) باب:
	حالت حضر میں مشروعیت تیمم پر استدلال	۵۵۳	حائضہ کی نماز جنازہ کا حکم
۵۷۰	بخاری رحمہ اللہ	۵۵۵	۷۔ کتاب التيمم
۵۷۰	(۴) باب المتيهم هل ينفخ فيهما؟	۵۵۷	(۱) باب:
	جب تیمم کے لئے زمین پر ہاتھ مارے تو کیا	۵۵۸	واقعہ نزول تیمم
۵۷۰	جائز ہے کہ ان کو پھونک کر مٹی جھاڑ دے	۵۶۰	اشکال
	ترجمة الباب میں لفظ ”هل“ استعمال کرنے	۵۶۰	جواب

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۵۸۰	تیمم مطلق جنس ارض سے جائز ہے	۵۷۰	کی وجہ
۵۸۰	امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک	۵۷۱	بوقت تیمم زائد مٹی کا نفع جائز ہے
۵۸۰	مسلک شوافع	۵۷۲	(۵) باب التیمم للوجه و الکفین
۵۸۰	مسلک بخاری رحمہ اللہ	۵۷۲	منہ اور ہاتھوں کے تیمم کا بیان
۵۸۱	”السبحة“ کے معنی	۵۷۲	ترجمہ الباب کا مقصد
۵۸۱	مسلک شافعی کی وضاحت	۵۷۳	مسح رسیں میں اختلاف فقہاء
۵۸۲	نواقض تیمم	۵۷۳	ضر بات تیمم میں اختلاف ائمہ
	”قدرت علی الماء“ کے ناقض تیمم ہونے	۵۷۳	امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا موقف
۵۸۲	میں اختلاف فقہاء	۵۷۳	جمہور فقہاء کا موقف
۵۸۲	منشأ بخاری رحمہ اللہ		بخاری شریف میں کسی حدیث کا نہ ہونا عدم
۵۸۶	غیر اختیاری فوت شدہ نماز پر مواخذہ نہیں	۵۷۵	صحت کو مستلزم نہیں
۵۸۶	وادی میں نماز نہ پڑھنے کی وجوہات	۵۷۶	تکرار سند کے ذکر سے مقصود بخاری
۵۸۸	سوال		(۶) باب : الصعیذ الطیب وضوء
۵۸۸	جواب	۵۷۸	المسلم ، یکفیه عن الماء
۵۸۸	أصح الجواب		پاک مٹی تیمم کے لئے ایک مسلمان کے حق میں
۵۹۰	عادت بخاری رحمہ اللہ اور صابی کی تعریف	۵۷۸	پانی سے وضو کرنے کا کام دیتی ہے
۵۹۰	امام بخاری رحمہ اللہ کا عجیب طریقہ	۵۷۸	ترجمہ الباب کا مقصد
۵۹۱	اشکال	۵۷۸	مسلک امام بخاری رحمہ اللہ
۵۹۱	پہلا جواب		تیمم کا طہارت مطلقہ یا ضروریہ ہونے میں
۵۹۱	دوسرا جواب	۵۷۸	اختلاف ائمہ
۵۹۲	تیسرا جواب	۵۷۸	مسلک شوافع
	(۷) باب : إذا خاف الجنب علی	۵۷۹	مسلک حنفیہ
	نفسه المرض أو الموت ، أو خاف	۵۷۹	استدلال بخاری رحمہ اللہ
۵۹۲	العطش تیمم	۵۸۰	جواز تیمم کے لئے مٹی کے استعمال میں اختلاف ائمہ

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
			جس شخص کو غسل کی ضرورت ہو جائے ، اگر
			اسے مریض ہو جانے یا مر جانے کا خوف ہو تو
۵۹۲			تیمم کر لے
۵۹۲			ترجمۃ الباب سے مقصود بخاری رحمہ اللہ
۵۹۳			ابوموسیٰؓ اور ابن مسعودؓ کا کالمہ
			مسک جہور کی طرف عبداللہ ابن مسعودؓ
۵۹۳			کار جوع کرنا
۵۹۶			(۸) باب التیمم ضربۃ :
۵۹۶			تیمم میں صرف ایک ضرب ہے



الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى .

عرض مرتب

اساتذہ کرام کی درسی تقاریر کو ضبط تحریر میں لانے کا سلسلہ زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے ابنائے دارالعلوم دیوبند وغیرہ میں فیض الباری، فضل الباری، أنوار الباری، لامع الدراری، الکوکب الدزی، الحل المفہم لصحیح مسلم، کشف الباری، تقریر بخاری شریف اور درس بخاری جیسی تصانیف اکابر کی ان درسی تقاریر ہی کی زندہ مثالیں ہیں اور علوم نبوت کے طالبین ہر دور میں ان تقاریر دل پذیر سے استفادہ کرتے رہیں اور کرتے رہیں گے۔

جامعہ دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کی مسند تدریس پر رونق آراء شخصیت شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم (سابق جسٹس شریعت ایبیلٹ بیچ سپریم کورٹ آف پاکستان) علمی وسعت، فقیہانہ بصیرت، فہم دین اور شگفتہ طرز تفہیم میں اپنی مثال آپ ہیں، درس حدیث کے طلبہ اس بحر بے کنار کی وسعتوں میں کھو جاتے ہیں اور بحث و نظر کے نئے نئے افق ان کے نگاہوں کو خیرہ کر دیتے ہیں، خاص طور پر جب جدید تمدن کے پیدا کردہ مسائل سامنے آتے ہیں تو شرعی نصوص کی روشنی میں ان کا جائزہ، حضرت شیخ الاسلام کا وہ میدان بحث و نظر ہے جس میں ان کا ثانی نظر نہیں آتا۔

آپ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بانی دارالعلوم دیوبند کی دعاؤں اور تمنائوں کا مظہر بھی ہیں، کیونکہ انہوں نے آخر عمر میں اس تمنا کا اظہار فرمایا تھا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں انگریزی پڑھوں اور یورپ پہنچ کر ان دانایان فرنگ کو بتاؤں کہ حکمت وہ نہیں جسے تم حکمت سمجھ رہے ہو بلکہ حکمت وہ ہے جو انسانوں کے دل و دماغ کو حکیم بنانے کے لئے حضرت خاتم النبیین ﷺ کے مبارک واسطے سے خدا کی طرف سے دنیا کو عطا کی گئی۔

افسوس کہ حضرتؒ کی عمر نے وفانہ کی اور یہ تمنا تھیں تکمیل رہی، لیکن اللہ رب العزت اپنے پیاروں کی تمنائوں اور دعاؤں کو رد نہیں فرماتے، اللہ ﷻ نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تمنا کو دور حاضر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کی صورت میں پورا کر دیا کہ آپ کی علمی و عملی کاوشوں کو دنیا بھر کے مشاہیر اہل علم و فن میں سراہا جاتا ہے خصوصاً اقتصادیات کے شعبہ میں اپنی مثال آپ ہیں کہ قرآن و حدیث، فقہ و تصوف اور تہذیب و تقویٰ کی جامعیت کے ساتھ ساتھ قدیم اور جدید علوم پر دسترس اور ان کو دور حاضر کی زبان پر سمجھانے کی صلاحیت آپ کو منجانب اللہ عطا ہوئی ہے۔

جامعہ دارالعلوم کراچی کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جب یہ میرے پاس پڑھنے کے لئے آئے تو بمشکل ان کی عمر گیارہ بارہ سال تھی مگر اسی وقت سے ان پر آثار ولایت محسوس ہونے لگے اور رفتہ رفتہ ان کی صلاحیتوں میں ترقی و برکت ہوتی رہی، یہ مجھ سے استفادہ کرتے رہے اور میں ان سے استفادہ کرتا رہا۔

سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے مجھ سے مجلس خاص میں مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کا ذکر آنے پر کہا کہ تم محمد تقی کو کیا سمجھتے ہو، یہ مجھ سے بھی بہت اوپر ہیں اور یہ حقیقت ہے۔

ان کی ایک کتاب علوم القرآن ہے اس کی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی حیات میں تکمیل ہوئی اور چھپی اس پر مفتی محمد شفیع صاحب نے غیر معمولی تقریظ لکھی ہے۔ اکابرین کی عادت ہے کہ جب کسی کتاب کی تعریف کرتے ہیں تو جانچ تول کر بہت نیچے ٹکے انداز میں کرتے ہیں کہ کہیں مبالغہ نہ ہو مگر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ لکھتے ہیں کہ:

یہ مکمل کتاب ماشاء اللہ ایسی ہے کہ اگر میں خود بھی اپنی تندرستی کے زمانے میں لکھتا تو ایسی نہ لکھ سکتا تھا، جس کی دو وجہ ظاہر ہیں:

پہلی وجہ تو یہ کہ عزیز موصوف نے اس کی تصنیف میں جس تحقیق و تنقید اور متعلقہ کتابوں کے عظیم ذخیرہ کے مطالعہ سے کام لیا، وہ میرے بس کی بات نہ تھی، جن کتابوں سے یہ مضامین لئے گئے ہیں ان سب مآخذوں کے حوالے بقید ابواب و صفحات حاشیہ میں درج ہیں، انہی پر سرسری نظر ڈالنے سے ان کی تحقیقی کاوش کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

اور دوسری وجہ جو اس سے بھی زیادہ ظاہر ہے وہ یہ کہ میں انگریزی زبان سے ناواقف ہونے کی بناء پر مستشرقین یورپ کی ان کتابوں سے بالکل ہی ناواقف تھا، جن میں انہوں نے قرآن کریم اور علوم قرآن کے متعلق زہر آلود تلبیسات سے کام لیا ہے، برخوردار عزیز نے چونکہ انگریزی میں بھی ایم۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی اعلیٰ نمبروں میں پاس کیا، انہوں نے ان تلبیسات کی حقیقت کھول کر وقت کی اہم ضرورت پوری کر دی۔

اسی طرح شیخ عبدالفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ نے حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے بارے میں

تحریر کیا:

لقد من الله تعالى بتحقيق هذه الأمانة الغالية الكريمة
وطبع هذا الكتاب الحديثي الفقهي العجيب ، في
مدينة كراتشي من باكستان ، متوجا بخدمة علمية
ممتازة ، من العلامة المحقق المحدث الفقيه الأريب
الأديب فضيلة الشيخ محمد تقی عثمانی ، نجل
سماحة شيخنا المفتی الأكبر مولانا محمد شفیع
مد ظله العالی فی عافیة وسرور .

فقام ذاك النجل الوارث الألمعی بتحقیق هذا
الكتاب و التعليق علیه ، بما يستكمل غایاته و
مقاصده ، و يتم فرائده و فوائده ، فی ذوق علمی
رفیع ، و تنسيق فنی طباعی بدیع ، مع أبهى حلة من
جمال الطباعة الحديثة الراقية فجاء المجلد الأول
منه تحفة علمية رائعة . تتجلی فیها خدمات المحقق
اللودعی تفاحة باكستان فاستحق بهذا الصنيع
العلمی الرائع : شكر طلبة العلم و العلماء .

کہ علامہ شبیر احمد عثمانی کی کتاب شرح صحیح مسلم جس کا نام فتح الملہم
بشرح صحیح مسلم اس کی تکمیل سے قبل ہی اپنے مالک حقیقی سے
جا ملے۔ تو ضروری تھا کہ آپ کے کام اور اس حسن کارکردگی کو پایہ تکمیل
تک پہنچائیں اسی بناء پر ہمارے شیخ، علامہ مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع
رحمہ اللہ نے ذہین و ذکی فرزند، محدث جلیل، فقیہ، ادیب و اریب مولانا
محمد تقی عثمانی کی اس سلسلہ میں ہمت و کوشش کو ابھارا کہ فتح الملہم
شرح مسلم کی تکمیل کرے، کیونکہ آپ ”حضرت شیخ شارح شبیر احمد عثمانی“
کے مقام اور حق کو خوب جانتے تھے اور پھر اس کو بھی بخوبی جانتے تھے کہ
اس با کمال فرزند کے ہاتھوں انشاء اللہ یہ خدمت کما حقہ انجام کو پہنچے گی۔

اسی طرح عالم اسلام کی مشہور فقہی شخصیت ڈاکٹر علامہ یوسف القرضاوی ”تکملة فتح الملہم“ پر

تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقد ادخر القدر فضل اكماله وإتمامه - إن شاء الله - لعالم جليل من أسره علم و فضل "ذرية بعضها من بعض" هو الفقيه ابن الفقيه، صديقنا العلامة الشيخ محمد تقى العثمانى، بن الفقيه العلامة المفتى مولانا محمد شفيع رحمه الله وأجزل مثوبته، و تقبله فى الصالحين .

وقد أتاحت لى الأقدار أن أتعرف عن كتب على الأخ الفاضل الشيخ محمد تقى، فقد التقيت به فى بعض جلسات الهيئة العليا للفتوى والرقابة الشرعية للمصارف الإسلامية، ثم فى جلسات مجمع الفقه الإسلامى العالمى، وهو يمثل فيه دولة باكستان، ثم عرفته أكثر فأكثر، حين سعدت به معى عضواً فى الهيئة الشرعية لمصرف فيصل الإسلامى بالبحرين، والذى له فروع عدة فى باكستان .

وقد لمست فيه عقلية الفقيه المطلع على المصادر، المتمكن من النظر والاستنباط، القادر على الاختيار والتجريح، والواعى لما يدور حوله من أفكار و مشكلات - أنتجها

هذا العصر الحريص على أن تسود شريعة الاسلام وتحكم فى ديار المسلمين .

ولا ريب أن هذه الخصائص تجلت فى شرحه لصحيح مسلم، وبعبارة أخرى: فى تكملته لفتح الملهم .

فقد وجدت فى هذا الشرح: حسن المحدث، وملكة الفقيه، وعقلية المعلم، وأناة القاضى، ورؤية العالم المعاصر، جنباً إلى جنب .

ومما يذكر له هنا: أنه لم يلتزم بأن يسير على نفس طريقة شيخه العلامة شبير أحمد، كما نصحه

بذلک بعض احبابہ، وذلك لوجوه وجیہہ ذکرہا فی مقدمتہ۔

ولا ریب أن لكل شیخ طریقته وأسلوبه الخاص، الذي يتأثر بمكانه وزمانه وثقافته، وتيارات الحياة من حوله. ومن التكلف الذي لا یحمد محاولة العالم أن يكون نسخة من غيره، وقد خلقه الله مستقلاً.

لقد رأيت شروحا عدة لصحيح مسلم، قديمة وحديثة، ولكن هذا الشرح للعلامة محمد تقی هو أول اها بالتنبیه، وأوفاهها بالفوائد والفرائد، وأحقها بأن يكون هو (شرح العصر) للصحيح الثانی.

فهو موسوعة بحق، تتضمن بحوثاً وحقیقات حدیثیة، وفقهیة ودعویة وتربویة. وقد هیأت له معرفته بأكثر من لغة، ومنها الإنجلیزیة، وكذلك قراءته لثقافة العصر، وإطلاعه على كثير من تياراته الفکریة، أن یفقد مقارنات شئی بین أحكام الإسلام وتعالیمه من ناحية، وبين الدیانات والفلسفات والنظریات المخالفة من ناحية أخرى وأن یبین هنا أصالة الإسلام وتمیزه الخ۔

انہوں نے فرمایا کہ مجھے ایسے مواقع میسر ہوئے کہ میں برادر فاضل شیخ محمد تقی کو قریب سے پہچانوں۔ بعض فتوؤں کی مجالس اور اسلامی محکموں کے نگراں شعبوں میں آپ سے ملاقات ہوئی پھر مجمع الفقہ الاسلامی کے جلسوں میں بھی ملاقات کے مواقع آتے رہے، آپ اس مجمع میں پاکستان کی نمائندگی فرماتے ہیں۔ الغرض اس طرح میں آپ کو قریب سے جانتا رہا اور پھر یہ تعارف بڑھتا ہی چلا گیا جب میں آپ کی ہمراہی سے فیصل اسلامی بینک (بحرین) میں سعادت مند ہوا آپ وہاں ممبر منتخب ہوئے تھے جس کی پاکستان میں بھی کئی شاخیں ہیں۔

تو میں نے آپ میں فقہی سمجھ خوب پائی اس کے ساتھ مصادر

و ماخذ فقہیہ پر بھرپور اطلاع اور فقہ میں نظر و فکر اور استنباط کا ملکہ اور ترجیح و اختیار پر خوب قدرت محسوس کی۔

اس کے ساتھ آپ کے ارد گرد جو خیالات و نظریات اور مشکلات منڈلا رہی ہیں جو اس زمانے کا نتیجہ ہیں ان میں بھی سوچ سمجھ رکھنے والا پایا اور آپ ماشاء اللہ اس بات پر حریص رہتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ کی بالادستی قائم ہو اور مسلمان علاقوں میں اس کی حاکمیت کا دور دورہ ہو اور بلاشبہ آپ کی یہ خصوصیات آپ کی شرح صحیح مسلم (تکملہ فتح الملہم میں خوب نمایاں اور روشن ہے۔

میں نے اس شرح کے اندر ایک محدث کا شعور، فقیہ کا ملکہ، ایک معلم کی ذکاوت، ایک قاضی کا تدبر اور ایک عالم کی بصیرت محسوس کی۔ میں نے صحیح مسلم کی قدیم و جدید بہت سی شروح دیکھی ہیں لیکن یہ شرح تمام شروح میں سب سے زیادہ قابل توجہ اور قابل استفادہ ہے، یہ جدید مسائل کی تحقیقات میں موجودہ دور کا فقہی انسائیکلو پیڈیا ہے اور ان سب شروح میں زیادہ حق دار ہے کہ اس کو صحیح مسلم کی اس زمانے میں سب سے عظیم شرح قرار دی جائے۔

یہ شرح قانون کو وسعت سے بیان کرتی ہے اور سیر حاصل ابحاث اور جدید تحقیقات اور فقہی، دعوتی، تربیتی مباحث کو خوب شامل ہے۔ اس کی تصنیف میں حضرت مؤلف کو کئی زبانوں سے ہم آہنگی خصوصاً انگریزی سے معرفت کام آئی ہے اسی طرح زمانے کی تہذیب و ثقافت پر آپ کا مطالعہ اور بہت سی فکری رجحانات پر اطلاع وغیرہ میں بھی آپ کو دسترس ہے۔ ان تمام چیزوں نے آپ کے لئے آسانی کردی کہ اسلامی احکام اور اس کی تعلیمات اور دیگر عصری تعلیمات اور فلسفے اور مخالف نظریات کے درمیان فیصلہ کن رائے دیں اور ایسے مقامات پر اسلام کی خصوصیات اور امتیاز کو اجاگر کریں۔

احقر بھی جامعہ دارالعلوم کراچی کا خوشہ چین ہے اور محمد اللہ اساتذہ کرام کے علمی دروس اور اصلاحی مجالس سے استفادے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور ان مجالس کی افادیت کو عام کرنے کے لئے خصوصی انتظام کے تحت

گزشتہ چودہ (۱۴) سالوں سے ان دروس و مجالس کو آڈیو کیسٹس میں ریکارڈ بھی کر رہا ہے۔ اس وقت سمعی مکتبہ میں اکابر کے بیانات اور دروس کا ایک بواذخیرہ احقر کے پاس جمع ہے، جس سے ملک و بیرون ملک وسیع پیمانے پر استفادہ ہو رہا ہے؛ خاص طور پر درس بخاری کے سلسلے میں احقر کے پاس اپنے دو اساتذہ کے دروس موجود ہیں۔

استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سبحان محمود صاحب رحمہ اللہ کا درس بخاری جو دو سو کیسٹس میں محفوظ ہے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کا درس حدیث تقریباً تین سو کیسٹس میں محفوظ کر لیا گیا ہے۔

انہیں کتابی صورت میں لانے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ کیسٹ سے استفادہ عام مشکل ہوتا ہے، خصوصاً طلبہ کرام کے لئے وسائل و سہولت نہ ہونے کی بناء پر سمعی بیانات کو خریدنا اور پھر حفاظت سے رکھنا ایک الگ مسئلہ ہے جب کہ کتابی شکل میں ہونے سے استفادہ ہر خاص و عام کے لئے سہل ہے۔

چونکہ جامعہ دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کا درس سالہا سال سے استاذ معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا سبحان محمود صاحب قدس سرہ کے سپرد رہا۔ ۲۹/ ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو شیخ الحدیث کا حادثہ وفات پیش آیا تو صحیح بخاری شریف کا یہ درس مورخہ ۴/ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ بروز بدھ سے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے سپرد ہوا۔ اسی روز صبح ۸ بجے سے مسلسل ۲ سالوں کے دروس ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے ضبط کئے۔ انہی لحاظ سے استاذ محترم کی مؤمنانہ نگاہوں نے تاک لیا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ یہ مواد کتابی شکل میں موجود ہونا چاہئے، اس بناء پر احقر کو ارشاد فرمایا کہ اس مواد کو تحریری شکل میں لا کر مجھے دیا جائے تاکہ میں اس میں سبقاً سبقاً نظر ڈال سکوں، جس پر اس کام (انعام الباری) کے ضبط و تحریر میں لانے کا آغاز ہوا۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ کیسٹ میں بات منہ سے نکلی اور ریکارڈ ہو گئی اور بسا اوقات سبقت لسانی کی بناء پر عبارت آگے پیچھے ہو جاتی ہے (فالبشر یسخطی) جن کی تصحیح کا ازالہ کیسٹ میں ممکن نہیں۔ لہذا اس وجہ سے بھی اسے کتابی شکل دی گئی تاکہ حتی المقدور غلطی کا تدارک ہو سکے۔ آپ کا یہ ارشاد اس حزم و احتیاط کا آئینہ دار ہے جو سلف سے منقول ہے ”کہ سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ شروع میں سیدنا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مجھ سے آموختہ سنا چاہا تو میں گھبرایا، میری اس کیفیت کو دیکھ کر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:

”أولیس من نعمة الله عليك أن تحدث و أنا شاهد

فإن أصبت لذاک وإن أخطأت علمتک“

[طبقات ابن سعد: ص: ۱۷۹، ج: ۶ و تدوین حدیث: ص: ۱۵۷]

کیا اللہ ﷻ کی یہ نعمت نہیں ہے کہ تم حدیث بیان کرو اور میں موجود ہوں، اگر صحیح طور پر بیان کرو گے تو اس سے بہتر بات کیا ہو سکتی ہے اور

اگر غلطی کرو گے تو میں تم کو بتا دوں گا۔

اس کے علاوہ بعض بزرگان دین اور بعض احباب نے سہمی مکتبہ کے اس علمی اثاثے کو دیکھ کر اس خواہش کا اظہار کیا کہ درس بخاری کو تحریری شکل میں بھی پیش کیا جائے اس سے استفادہ مزید سہل ہوگا ”درس بخاری“ کی یہ کتاب بنام ”انعام الباری“ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، اسی کاوش کا ثمرہ ہے۔

حضرت شیخ الاسلام حفظہ اللہ کو بھی احقر کی اس محنت کا علم اور احساس ہے اور احقر سمجھتا ہے کہ بہت سی مشکلات کے باوجود اس درس کی سہمی نظری تسجیل و تحریر میں پیش رفت حضرت ہی کی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔

احقر کو اپنی تہی دامنی کا احساس ہے یہ مشغلہ بہت بڑا علمی کام ہے، جس کے لئے وسیع مطالعہ، علمی جستجو اور استحضار کی ضرورت ہے، جبکہ احقر ان تمام امور سے عاری ہے، اس کے باوجود ایسی علمی خدمت کے لئے کمر بستہ ہونا صرف فضل الہی، اپنے مشفق استاذہ کرام کی دعاؤں اور خاص طور پر موصوف استاد محترم دامت برکاتہم کی نظر عنایت، اعتماد، توجہ، حوصلہ افزائی اور دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

ناچیز مرتب کو مراحل ترتیب میں جن مشکلات و مشقت سے واسطہ پڑا وہ الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے اور ان مشکلات کا اندازہ اس بات سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ کسی موضوع پر مضمون و تصنیف لکھنے والے کو یہ سہولت رہتی ہے کہ لکھنے والا اپنے ذہن کے مطابق بنائے ہوئے خاکہ پر چلتا ہے، لیکن کسی دوسرے بڑے عالم اور خصوصاً ایسی علمی شخصیت جس کے علمی تبصر و برتری کا معاصر مشاہیر اہل علم و فن نے اعتراف کیا ہو ان کے افادات اور دقیق فقہی نکات کی ترتیب و مراجعت اور تعیین عنوانات مذکورہ مرحلہ سے کہیں دشوار و کٹھن ہے۔ اس عظیم علمی اور تحقیقی کام کی مشکلات مجھ جیسے طفل مکتب کے لئے کم نہ تھیں، اپنی بے مائیگی، نااہلی اور کم علمی کی بناء پر اس کے لئے جس قدر دماغ سوزی اور عرق ریزی ہوئی اور جو محنت و کاوش کرنا پڑی مجھ جیسے نااہل کے لئے اس کا تصور بھی مشکل ہے البتہ فضل ایزدی ہر مقام پر شامل حال رہا۔

یہ کتاب ”انعام الباری“ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے: یہ سارا مجموعہ بھی بڑا قیمتی ہے، اس لئے کہ حضرت استاذ موصوف کو اللہ ﷻ نے جو بحر علمی عطا فرمایا وہ ایک دریائے ناپید کنارہ ہے، جب بات شروع فرماتے تو علوم کے دریا بہنا شروع ہو جاتے، اللہ ﷻ نے آپ کو وسعت مطالعہ اور عمق فہم دونوں سے نوازا ہے، اس کے نتیجے میں حضرت استاذ موصوف کے اپنے علوم و معارف جو بہت ساری کتابوں کے چھاننے کے بعد خلاصہ و عطر ہے وہ اس مجموعہ ”انعام الباری“ میں دستیاب ہے، اس لئے آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ استاذ موصوف کی فقہی آراء و تشریحات، ائمہ اربعہ کی موافقات و مخالفت پر محققانہ مدلل تبصرے علم و تحقیق کی جان ہیں۔

یہ کتاب (صحیح بخاری) ”کتاب بدء الوحی سے کتاب التوحید“ تک مجموعی کتب ۹۷، احادیث ”۵۶۳“ اور ابواب ”۳۹۳۰“ پر مشتمل ہے، اسی طرح ہر حدیث پر نمبر لگا کر احادیث کے مواضع و متکررہ کی

نشان دہی کا بھی التزام کیا ہے کہ اگر کوئی حدیث بعد میں آنے والی ہے تو حدیث کے آخر میں [انظر] نمبروں کے ساتھ اور اگر حدیث گزری ہے تو [راجع] نمبروں کے ساتھ نشان لگا دیئے ہیں۔

بخاری شریف کی احادیث کی تخریج الکتاب التسعة (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، موطاء مالک، سنن الدارمی اور مسند احمد) کی حد تک کردی گئی ہے، کیونکہ بسا اوقات ایک ہی حدیث کے الفاظ میں جو تفاوت ہوتا ہے ان کے فوائد سے حضرات اہل علم خوب واقف ہیں، اس طرح انہیں آسانی ہوگی۔

قرآن کریم کی جہاں جہاں آیات آئی ہیں ان کے حوالہ مع ترجمہ، سورۃ کا نام اور آیتوں کے نمبر ساتھ ساتھ دیدئے گئے ہیں۔ شروح بخاری کے سلسلے میں کسی ایک شرح کو مرکز نہیں بنایا بلکہ حتی المقدور بخاری کی مستند اور مشہور شروح کو پیش نظر رکھا گیا، البتہ مجھ جیسے مبتدی کے لئے عمدۃ القاری اور تکملہ فتح الملہم کا حوالہ بہت آسان ثابت ہوا۔ اس لئے جہاں تکملہ فتح الملہم کا کوئی حوالہ مل گیا تو اسی کو حتی سمجھا گیا۔

رب متعال حضرت شیخ الاسلام کا سایہ عاطفت عافیت و سلامت کے ساتھ عمر دار زعطا فرمائے، جن کا وجود مسعود بلاشبہ اس وقت ملت اسلامیہ کے لئے نعمت خداوندی کی حیثیت رکھتا ہے اور امت کا عظیم سرمایہ ہے اور جن کی زبان و قلم سے اللہ ﷻ نے قرآن و حدیث اور اجماع امت کی صحیح تعبیر و تشریح کا اہم تجدیدی کام لیا ہے۔

رب کریم اس کاوش کو قبول فرما کر احقر اور اس کے والدین اور جملہ اساتذہ کرام کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے، جن حضرات اور احباب نے اس کام میں مشوروں، دعاؤں یا کسی بھی طرح سے تعاون فرمایا ہے، مولائے کریم اس محنت کو ان کے لئے فلاح دارین کا ذریعہ بنائے اور خاص طور پر استاد محترم شیخ القرآن حافظ قاری مولانا عبدالملک صاحب حفظہ اللہ کو فلاح دارین سے نوازے جنہوں نے ہمہ وقت کتاب اور حل عبارات کے دشوار گزار مراحل کو احقر کے لئے سہل بنا کر لائبریری سے بے نیاز رکھا۔

صاحبان علم کو اگر اس درس میں کوئی ایسی بات محسوس ہو جو ان کی نظر میں صحت و تحقیق کے معیار سے کم ہو اور ضبط و نقل میں ایسا ہونا ممکن بھی ہے تو اس نقص کی نسبت احقر کی طرف کریں اور ازراہ عنایت اس پر مطلع بھی فرمائیں۔

دعا ہے کہ اللہ ﷻ اسلاف کی ان علمی امانتوں کی حفاظت فرمائے، اور ”انعام الباری“ کے باقی ماندہ حصوں کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے تاکہ علم حدیث کی یہ امانت اپنے اہل تک پہنچ سکے۔

آمین یا رب العالمین . وما ذلک علی اللہ بعزیز

بندہ: محمد انور حسین عفی عنہ

فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۱۱ اشوال المکرم ۱۴۲۸ھ

بمطابق یکم اکتوبر ۲۰۰۶ء بروز جمعرات

كتاب العلم

١٣٤-٥٩

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۳۔ کتاب العلم

کتاب الایمان کے بعد کتاب العلم کو ذکر کرنے کی وجہ

امام بخاری رحمہ اللہ نے ”کتاب الایمان“ کے بعد ”کتاب العلم“ قائم فرمائی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد انسان کے ذمہ جو سب سے پہلا فریضہ عائد ہوتا ہے وہ علم کا حصول ہے، کیونکہ جب آدمی کو یہ معلوم نہیں ہوگا کہ میرے ذمے کیا فرائض ہیں؟ کیا واجبات ہیں؟

اور

مجھے کن چیزوں سے بچنا ہے؟

اس وقت تک وہ ایمان کے تقاضوں پر عمل نہیں کر سکتا۔

لہذا ایمان لانے کے بعد انسان کی سب سے پہلی ضرورت یہ ہے کہ اس کو علم حاصل ہو، اس لئے ایمان کے متصل بعد علم کو ذکر فرمایا۔

علم کی تعریف

علم کی تعریف کیا ہے اور یہاں ”کتاب العلم“ میں علم سے کیا مراد ہے؟

جہاں تک علم کی تعریف کا تعلق ہے تو حضرات علماء کرام کی ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ اجلی البدیہیات

میں سے ہے، لہذا اس کی تعریف کی حاجت نہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کا قول

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے علم کے قابل تعریف نہ ہونے کو منطقی دلیل سے ثابت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر علم کو بدیہی نہ مانا جائے تو پھر ظاہر ہے کہ نظری ہوگا اور نظری ہونے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت ہوگی اور جو دلیل آئے گی وہ بھی خود علم کا ایک حصہ ہوگی، تو علم کو اپنی تعریف میں دوسرے علم کی حاجت ہوگی، لہذا یا تو دور لازم آئے گا یا تسلسل لازم آئے گا جو کہ باطل اور محال ہے۔ ۱۔
اس لئے امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علم کی تعریف کرنے کی کوشش ہی فضول ہے۔

بعض حضرات کا قول

بعض حضرات نے علم کی تعریف کرنے کی کوشش کی ہے اور کسی طرح کھینچ تان کر ایک تعریف بنالی ہے اور وہ یہ ہے:

”العلم هو صفة من صفات النفس توجب

تميزاً غير قابل للنقيض في الأمور المعنوية“.

یعنی یہ ایک صفت ہے جو کسی نفس کو حاصل ہوتی ہے اور اس صفت کے حاصل ہونے کے نتیجے میں انسان کو تمیز پیدا ہوتی ہے، یہ تمیز ایسی ہوتی ہے کہ اس کی نقیض کو قبول نہیں کرتی۔

تمیز کا لفظ بڑا ڈھونڈ کر نکالا ہے، اس لئے کہ علم کی تعریف کرنے میں کسی اور لفظ کے ذریعہ اس کے مفہوم کو ادا کرنا مشکل تھا، لہذا یہ حضرات کہتے ہیں کہ تمیز علم سے حاصل ہوتی ہے اور تمیز کے معنی یہ ہیں کہ واقع نفس الامری کو غیر واقع نفس الامری سے ممتاز کرنا یعنی کوئی بات واقع ہوئی ہے اور کون سی بات واقع نہیں ہوئی یہ تمیز پیدا کرنا۔

پھر غیر قابل للنقيض کی قید لگا دی کہ یہ تمیز ایسی ہوتی ہے کہ اس کی نقیض کو قبول نہیں کرتی ہے۔ علم کا نقیض کو قبول نہ کرنے کے معنی یہ ہوئے کہ اگر نقیض کو قبول کرتا ہو تو وہ ظن ہو گیا، لہذا علم نہ رہا، کیونکہ علم ہمیشہ یقینی ہی ہوتا ہے، تو ظن کو خارج کرنے کے لئے غیر قابل للنقيض کی قید لگائی۔

آگے فرمایا:

”في الأمور المعنوية“ اس قید سے محسوسات کو خارج کر دیا کہ انسان اپنے حواس کے ذریعہ جن

چیزوں کا ادراک کرتا ہے وہ امور معنویہ نہیں ہوتے بلکہ امور حسیہ ہوتے ہیں، اس واسطے امور معنویہ کہنے سے وہ

خارج ہو گئے کہ علم امور معنویہ میں تمیز حاصل کرتا ہے نہ کہ امور حسیہ میں۔
حقیقت یہی ہے کہ علم اس قسم کا بدیہی ہے کہ اس قسم کے بدیہی مفہومات کو منطقی تعریف سے واضح کرنا بڑا مشکل کام ہے اور نہ وہ صحیح معنوں میں واضح ہو سکتے ہیں، کیونکہ کوئی نہ کوئی نقص ضرور وارد ہو جائے گا۔ ۲

ہر چیز کی تعریف نہیں کی جاسکتی

میں اس کی مثال یوں دیا کرتا ہوں جیسا کہ کوئی شخص گلاب کی خوشبو کی جامع و مانع تعریف کرنا چاہے جو اس کو چنبیلی کی خوشبو سے ممتاز کر دے یعنی کوئی ایسی حد تمام کرے کہ جس میں فصل بھی واقع ہو جائے اور ایسی فصل آئے جو اس کو چنبیلی کی خوشبو سے ممتاز کر دے تو ساری دنیا کے حکماء، عقلاء، مناطقہ، فلاسفہ، ادباء اور بلغاء سب جمع ہو جائیں، تب بھی ایسی تعریف نہیں کر سکتے، کیونکہ یہ امور بدیہیہ میں سے ہے، لہذا اس کی منطقی تعریف کی حاجت نہیں بلکہ سیدھی بات ہے، ہر آدمی جانتا ہے کہ علم کے معنی ہیں جاننا، بس اتنا ہی کافی ہے۔

کتاب العلم میں علم سے کیا مراد ہے؟

یہاں پر قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ وہ علم جس سے امام بخاری رحمہ اللہ یہاں پر بحث فرما رہے ہیں، جس کے لئے یہ کتاب قائم کی ہے اور جس کے فضائل وارد ہوئے ہیں اس علم سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ علم مطلق جاننے کو کہتے ہیں، کسی بھی چیز کا تنہا جان لینا علم میں داخل ہو سکتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ علم جو مطلوب ہے اور احادیث میں جس کے فضائل وارد ہوئے ہیں اس سے علم ”باحکام اللہ ورسولہ ﷺ“ مراد ہے، یا دوسرے الفاظ میں یہ کہیں کہ وہ علم جو آخرت کے لئے مفید ہو، وہ مقصود ہے اور اسی کے فضائل بھی وارد ہیں اور جتنے فضائل آرہے ہیں وہ سب اسی سے متعلق ہیں۔

چنانچہ معروف حدیث ۳۷ ہے جس کو علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے ”جامع بیان العلم وفضله“ کے اندر روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

”العلم ثلاثة فما سوى ذلك فهو فضل آية محكمة وسنة قائمة و فريضة

عادلة“۔ ۳

۱۔ عمدة القاری ج: ۲، ص: ۴۰۔

۲۔ عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ ﷺ العلم ثلاثة فما وراء ذلك فضل آية محكمة أو سنة قائمة أو فريضة عادلة۔ أخرجه ابن ماجه في سننه ج: ۱، ص: ۲۱۔ دار الفكر، بيروت، والمستدرک علی

الصحيحين، رقم: ۷۹۴۹، ج: ۴، ص: ۳۶۹۔

۳۔ التمهيد لابن عبد البر ج: ۴، ص: ۲۶۶۔

کہ علم یا تو قرآن کریم کی آیت محکمہ ہے یا سنت ثابتہ نبی کریم ﷺ سے یا فریضہ عادلہ ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ زیادہ ہے، فضل ہے۔ یعنی زیادتی ہے حاصل ہو جائے تو ٹھیک اور حاصل نہ ہو تو پھر بھی کوئی بری بات نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس کو علم الدین یا علم المعاد کہا جاتا ہے وہ علم ہی درحقیقت معتبر ہے اور اسی کی فضیلت وارد ہوئی ہے اور اسی کی ترغیب و تحریض ہے۔

بعض دنیاوی علوم کا حصول فرض کفایہ ہے

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ علم دین کے علاوہ جن علوم کو علوم دنیا کہا جاتا ہے وہ علوم بھی کوئی مذموم چیز نہیں بلکہ وہ بھی فی الجملہ محمود ہیں بلکہ بعض علوم ایسے ہیں جو فرض کفایہ ہیں اور ان کی تحصیل بھی فرض کفایہ ہے اور علم دین کی تحصیل بھی فرض کفایہ ہے یعنی اتنا علم دین جس کے ذریعے انسان اپنی زندگی کو اسلام کے مطابق بنا سکے، وہ فرض عین ہے اور پورا علم دین وہ فرض کفایہ ہے۔ اسی طرح بعض دنیاوی علوم بھی فرض کفایہ ہیں۔

مثلاً کھانا پکانے کا علم: کہ اگر کسی کو نہ آئے تو لوگ بھوکے مرین گے تو اس لئے اس کا سیکھنا بھی فرض کفایہ ہوا کہ کچھ لوگ ہوں جو اس کو سیکھیں یا طب: علاج معالجہ کا سیکھنا یہ بھی فرض کفایہ ہے، اس واسطے کہ اگر کوئی بھی طبیب نہ ہو تو معاشرے کے اندر لوگوں کا علاج کون کرے گا، کپڑے سینے کا علم فرض کفایہ ہے، اسی طریقہ سے بہت سے وہ علوم کہ جن کے اوپر انسان کی دنیاوی زندگی موقوف ہے وہ فرض کفایہ ہیں، لہذا اگر کوئی شخص انسانیت کی خدمت کی نیت سے ان علوم کو حاصل کرے تو وہ بھی اجر و ثواب کا باعث ہے۔

دینی و دنیاوی علوم کے فرض کفایہ ہونے میں فرق

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب بعض دنیاوی علوم بھی فرض کفایہ ہیں اور علم دین بھی فرض کفایہ ہے تو پھر دونوں میں کیا فرق رہا؟ وہ بھی اگر نیت صحیح کے ساتھ ہو تو اس پر بھی اجر و ثواب اور اس میں بھی اگر نیت صحیح ہو تو اس پر بھی اجر و ثواب اور اگر نیت یہاں خراب ہو تو اس کا بھی ثواب نہیں اور وہاں خراب ہو تو اس کا بھی ثواب نہیں، تو اس صورت میں دونوں بظاہر مساوی نظر آتے ہیں کہ ایک فرض کفایہ ہے اور دوسرا بھی فرض کفایہ ہے۔ ایک میں نیت شرط ہے تو دوسرے میں بھی نیت شرط ہے، لہذا دونوں مساوی ہو گئے، تو پھر فضائل علم کو کیوں علوم دین ہی کے ساتھ مخصوص کیا جا رہا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک فرض کفایہ ہونے میں اگرچہ یہ مشترک ہیں لیکن ایک چیز ہوتی ہے فرض کفایہ لعینہ یا حسن لغیرہ ہوتی ہے تو علوم دنیویہ جو حسن ہیں وہ ”حسن لغیرہا“ ہیں اور علوم دینیہ جو حسن ہیں وہ حسن لعینہا ہیں اور ظاہر ہے کہ اصل فضیلت حسن لعینہا کی ہوتی ہے اور ”حسن لغیرہا“ کی

فضیلت ثانوی ہے۔ اس واسطے یہ کہا جاتا ہے کہ علم کی فضیلت سے اصل مقصود علم دین ہے۔ ورنہ فی نفسہ دنیاوی علوم بھی ناجائز نہیں بلکہ اگر نیت درست ہو تو ان کا حصول موجب ثواب ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو دنیاوی علوم عطا کئے گئے تھے

”وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا“ میں آدم علیہ السلام کو جو علم عطا فرمایا گیا، رائج قول کی بنیاد پر وہ دوسری قسم کا علم تھا اس لئے کہ اس میں یہ بتایا گیا تھا کہ دنیا میں کس طرح رہو تو وہ بھی گویا فی نفسہ محمود ہے، لیکن وہ بذاتہ مقصود نہیں بخلاف اللہ جل جلالہ کے علم دین کے کہ وہ بذاتہ مقصود اور بذاتہ حسن ہے، اس واسطے اس کے فضائل وارد ہوئے ہیں۔ ۵۔

علم بغیر عمل کے علم کہلانے کا مستحق ہی نہیں

علم کے یہ سارے فضائل اسی وقت ہیں جب اس کی تحصیل میں نیت صحیح ہو اور اگر نیت صحیح نہ ہو (العیاذ باللہ) یا نیت صحیح ہونے کے بعد عمل اس کے مطابق نہ ہو تو اللہ بچائے وہی علم وبال جان بن جاتا ہے اور جو علم عمل کے ساتھ مقرون نہ ہو وہ درحقیقت علم کہلانے کا مستحق ہی نہیں، لہذا یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے یہودیوں کا ذکر کرتے ہوئے ایک مقام پر فرمایا کہ:

﴿وَلَقَدْ عَلَّمُوا لِمَنِ اشْتَرَاهُ مَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلْقٍ﴾ [البقرة: ۱۰۲]

یعنی ”ولقد علموا“ میں ”قد“ اور ”لام“ تاکید کے ساتھ علم کا اثبات کیا کہ ان کو علم ہے۔ ”لمن“ اشتراہ ماله فی الآخرة من خلق“ اس کے بعد فرمایا:

﴿وَلِبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ [البقرة: ۱۰۲]

اس میں ”لو کانوا یعلمون“ سے پتہ چلتا ہے کہ علم کی نفی ہو رہی ہے۔ اسی آیت کے ابتداء میں علم کا اثبات کیا، اور اسی آیت کے آخر میں جا کر اس کی نفی فرمائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ چیز تو ایک ہی ہے لیکن اشارہ اسی بات کی طرف کیا جا رہا ہے کہ جو اثبات ہے وہ لغوی معنی کے اعتبار سے ہے کہ دانستن جاننے کے معنی میں ہے، لہذا اس کا اثبات ہے۔ درحقیقت روح علم یہ ہے کہ جو جانتے ہیں اس پر عمل بھی کریں وہ ان کو حاصل نہیں تھا۔ لہذا کہا ”لو کانوا یعلمون“ علم کی حقیقت کی نفی فرمادی، تو اس واسطے تنہا علم یعنی محض جان لینا یہ کوئی مدار فضیلت نہیں، اگر ہوتا تو شیطان سب سے بڑا افضل مخلوق ہوتا کیونکہ علم اس کے پاس بہت زیادہ تھا لیکن وہ علم اس کو کام نہ آسکا۔

علم دودھاری تلوار کی مانند ہے

لہذا علم وہی معتبر اور فضیلت کا موجب ہے جو اللہ ﷻ کے یہاں مقبول ہو اور جو عمل کے ساتھ اور اخلاص کے ساتھ مقرون ہو، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ علم دودھاری تلوار ہے، اگر آدمی اس کو صحیح استعمال کرے تو وہ جنت کو لے جانے والا ذریعہ ہے اور اگر اس کو غلط استعمال کرے تو یہی سب سے بڑا وبال ہے کہ سب سے پہلے جہنم دکھائی جائے گی۔ العیاذ باللہ

خیر عرض یہ کرنا تھا کہ علم کی حقیقت صرف جان لینا نہیں ہے اگرچہ تعریف کے اعتبار سے اس کے اوپر علم کی تعریف صادق آجائے، لیکن حقیقت اور روح کے اعتبار سے اس وقت تک علم نہیں جب تک کہ اس کے ساتھ عمل نہ ہو، مولانا رومی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

جان جملہ علمہا این است این

کہ بدانی من چہ کیم در یوم دیں

یہ سارے علم کی بنیاد اور جان ہے۔

﴿انما یخشى الله من عباده العلماء﴾ تو خشیت اگر ہے تو بیشک وہ علم معتبر ہے اور اگر خشیت نہیں ہے تو وہ علم جہل ہے، لہذا حقیقت میں کوشش اور توجہ اس پر کرنی چاہئے کہ اللہ ﷻ حقیقت علم عطا فرمائیں، اس کی دعا بھی کرنی چاہئے اور کوشش بھی، اللہ ﷻ ہم سب کو عطا فرمائے۔ آمین۔

(۱) باب فضل العلم

علم کی فضیلت کا بیان

وقول الله تعالى ﴿يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا

مِنْكُمْ لَا وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ

بِمَا قَعَمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ [المجادلة: ۱۱] وقوله:

﴿رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ [طہ: ۱۱۴]

امام بخاری رحمہ اللہ نے ”کتاب العلم“ کے تحت ”باب فضل العلم“ یعنی علم کی فضیلت کے بیان

میں باب قائم فرمایا۔

لطف کی بات یہ ہے کہ فضیلت علم کا باب قائم کیا، لیکن صرف دو آیتیں ذکر فرمائیں اور کوئی حدیث

مسند اس میں روایت نہیں کی۔

بعض لوگوں نے کہا کہ حدیث مسند اس لئے روایت نہیں کی کہ ان کی شرط کے مطابق کوئی حدیث مسند اس موضوع کی موجود نہیں تھی اگرچہ صحیح حدیثیں ہیں، لیکن جو شرائط امام بخاری رحمہ اللہ کی ہیں وہ نہیں، اس لئے روایت نہیں کی، چنانچہ امام مسلم رحمہ اللہ نے فضیلت علم میں حدیث ذکر کی ہے کہ:

”من سلك طريقا يلتمس به علما سهل الله له به طريقا الى الجنة“۔

اس میں چونکہ امام اعظم رحمہ اللہ سے اس کی روایت کرنے والے راویوں کے درمیان اختلاف ہے۔ اس واسطے امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط کے مطابق نہیں ہے، لہذا اس کو نہیں لائے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ اس کا مقصود تمرین اذہان ہے یعنی طالب علموں کے اوپر چھوڑ دیا گیا ہے کہ میں نے باب تو قائم کر دیا ہے حدیث تم لے آؤ، لیکن حدیث ایسی لاؤ جو میری شرط کے مطابق ہو، واللہ اعلم۔ بہر حال فضیلت علم میں احادیث صحیحہ بہت سی موجود ہیں۔

”يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ لَا وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ“

یہ آیت کریمہ امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل فرمائی ہے، یہ اس سیاق میں آئی ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي

الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَإِذَا

قِيلَ انشُرُوا فَانْشُرُوا يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا

مِنْكُمْ لَا وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ۚ﴾ ۵

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں

میں دوسروں کے لئے گنجائش پیدا کرو، تو گنجائش پیدا کر دیا

کرد، اللہ تمہارے لئے وسعت پیدا کرے گا اور جب

کہا جائے کہ اٹھ جاؤ، تو اٹھ جاؤ، تم میں سے جو لوگ ایمان

لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے، اللہ ان کو درجوں

میں بلند کرے گا۔

۱۔ ولم يذكر شيئاً فيه قصدا منه ، ليعلم أنه لم يثبت في ذلك الباب شيء عنده والاحاديث والآثار الصحيحة كثيرة في هذا الباب ، ولم يكن البخاري عاجزاً عن إيراد حديث صحيح على شرطه ، أو أثر صحيح من الصحابة أو التابعين ، مع كثرة نقله واتساع روايته الخ . عمدة القارى ، ج : ۲ ، ص : ۴ .

۲۔ فی صحیح مسلم : کتاب الذکر والدعا والتوبة والاستغفار ، باب فضل اجتماع علی تلاوة القرآن والذکر ، رقم : ۳۸۶۷ .

۵۔ سورة المجادلة : ۱۱ .

مفہوم

یعنی جب تم اللہ ﷻ کے حکم پر عمل کرو گے تو اللہ ﷻ تم میں سے ایمان والوں کو بلند کرے گا اور ان لوگوں کو جن کو علم عطا کیا گیا ہے یعنی درجات کے اعتبار سے بلند کرے گا، یعنی اللہ ﷻ ایمان والوں کو اور علم والوں کو درجے میں رفعت عطا فرمائے گا۔

تو اس سے علم کی فضیلت معلوم ہو رہی ہے کہ علم والے کو درجے میں فضیلت دی جاتی ہے اور آیت ایسی لے کر آئے ہیں کہ جس میں پہلے ایمان کا ذکر ہے اور اس کے متصل بعد علم کا ذکر ہے، جیسا کہ خود اپنی کتاب الایمان پہلے لائے اور اسی سے متصل ”کتاب العلم“ لائے ہیں، لہذا یہ آیت کریمہ لا کر علم کی فضیلت پر استدلال فرمایا کہ اللہ ﷻ علم والوں کو درجے میں فضیلت اور فوقیت عطا فرماتے ہیں۔

﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾

ساتھ میں یہ بھی فرمادیا کہ اللہ ﷻ تمہارے عملوں کو جاننے والا ہے، اس کا مطلب وہی ہے کہ علم تنہا کافی نہیں بلکہ علم کے ساتھ یہ خیال بھی رہے کہ جو عمل ہو رہا ہے وہ اس علم کے مطابق ہو کہ اللہ ﷻ عمل کو جاننے والا ہے۔

وقوله تعالى : ﴿رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾

یعنی اللہ ﷻ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ ”رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا“ کی دعا کیجئے یعنی اے میرے رب! میرے علم میں اضافہ فرمائیے۔

اس سے علم کی فضیلت پر استدلال اس طرح فرما رہے ہیں کہ یہ بات طے شدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سرور دو عالم ﷺ سے بڑا عالم اس کائنات میں کوئی اور پیدا ہوا ہی نہیں یعنی مخلوق میں آپ ﷺ سے زیادہ کسی کو علم حاصل نہیں۔ اس کے باوجود آپ ﷺ سے یہ کہا جا رہا ہے دعا کیجئے کہ اے اللہ! میرے علم میں اضافہ کریں۔

جب نبی کریم ﷺ کو یہ تمنا کرنے اور دعا کرنے کی تلقین کی جا رہی ہے کہ ان کے علم میں اضافہ ہو، اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہ چیز معیار فضیلت نہ ہوتی تو نبی کریم ﷺ کو زیادتی علم کی دعا کا حکم نہ دیا جاتا۔

دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لو کہ جتنا علم ضروری تھا وہ تو پہلے ہی نبی کریم ﷺ کو حاصل تھا، اس میں کوئی کمی تو نہیں تھی لیکن آپ ﷺ کو جب زیادت علم کی دعا کا حکم دیا جا رہا ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ علم جو ہے وہ ایک ناپیدا کنار سمندر ہے۔

اے برادر بے نہایت در گہرست

ہرچہ بروے می رسی ، بروے مایست

یعنی یہ درگاہ بے نہایت ہے کہ اس کی کوئی انتہا نہیں، جہاں پر بھی پہنچو تو وہاں جا کر کھڑے مت ہو بلکہ

اور آگے بڑھو! اور آگے بڑھو۔

زیادت فی العلم ایسی چیز ہے جس کی کوئی منزل نہیں، انسان علم کے کتنے ہی بڑے اور اونچے مقام پر پہنچ جائے لیکن پھر بھی اس کو زیادت فی العلم کی طلب ہونی چاہئے۔ تو علم میں قناعت نہیں، مال میں قناعت ہے، لہذا انسان کو حصول علم میں زیادہ سے زیادہ زیادتی کی طلب ہونی چاہئے۔ ۹۔
جب انبیائے کرام علیہم السلام کو کہا جا رہا ہے تو دوسرے لوگوں کے لئے تو بطریق اولیٰ یہ ہے کہ وہ اور زیادہ آگے بڑھیں۔ اس واسطے یہ حدیث بیان کی جاتی ہے کہ:

﴿ طلب العلم من المهد الى اللحد ﴾

یہ روایت حدیث کے لحاظ سے تو موضوع ہے لیکن معنی کے اعتبار سے صحیح ہے۔ تو طالب علم کو ایسا ہی ہونا چاہئے کہ مہد سے لے کر لحد تک اس کی طلب علم کبھی ختم نہ ہو۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا قول

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ طالب علم وہ نہیں ہے کہ جس نے کسی مدرسہ میں داخلہ لے لیا اور طالب علموں میں نام کھوا دیا۔ فرمایا کہ طالب علم کی تعریف یہ ہے کہ جس کے دل و دماغ میں ہر وقت کوئی نہ کوئی علمی مسئلہ چکر کاٹ رہا ہو کہ یہ مسئلہ ہے اس کو کیسے حل کروں، کہاں سے کروں وہ طالب علم ہے۔ یہ نہیں کہ بس آئے اور حاضری دی، تھوڑا سا مطالعہ کیا اور چھٹی، بلکہ یہ تو جنم روگ ہے، زندگی بھر کی بیماری ہے۔

لہذا لوگ بہت کہتے ہیں کہ طلبہ کرام، ایسے طلبہ کرام ہیں جن میں مادۂ اشتقاق مفقود ہے۔ مادۂ اشتقاق ہے ہی نہیں، طلب ہے نہیں اور طالب علم بن گئے۔ کیونکہ طلب وہ ہوتی ہے کہ جب تک مسئلہ حل نہ ہو جائے انسان کو چین سے بیٹھنے نہ دے۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا واقعہ

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے علم اور تجربہ علمی کا کچھ تھوڑا بہت تو اندازہ ہی ہوگا۔ حضرت والد

۹ ما امر اللہ رسولہ بزيادة الطلب في شئ الا في العلم : عمدة القاری، ج: ۲، ص: ۵۰.

۱۰ وعن أبي سعيد الخدري قال قال رسول الله ﷺ لن يشبع المؤمن من خير يسمعه حتى يكون منتهاه الجنة رواه الترمذی والمراد بالخیر العلم وفيه أن زمان الطلب من المهد الى اللحد وأن عاقبة طلاب العلم الجنة الخ : أبجد العلوم، ج: ۱، ص: ۹۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۹۷۸ء.

۱۱ والثبات على التعلم الى آخر العمر كما قيل الطلب من المهد الى اللحد وقال سبحانه وتعالى لحبيبه وقل رب زدني علما الخ : كشف الظنون ج: ۱، ص: ۳۶.

ماجد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں دارالعلوم دیوبند میں کتاب ملاحسن کا سبق پڑھا رہا تھا تو وہاں مطالعے کے دوران کسی مسئلہ میں اشکال پیش آ گیا تو جب اشکال پیدا ہو جاتا تھا تو اکثر شاہ صاحب رحمہ اللہ کے پاس جا کر اس کو حل کیا جاتا تھا، حالانکہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کو ملاحسن پڑھائے ہوئے پتہ نہیں کتنی مدت ہو گئی ہوگی۔ آخر میں بخاری شریف، ترمذی شریف پڑھاتے تھے، تو منطق پڑھائے ہوئے بہت مدت ہو چکی تھی، لیکن حضرت والد صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کتاب لے کر چلا کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ سے پوچھوں، لیکن حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ اپنی جگہ پر نہیں تھے اور وہ جب اپنی جگہ پر نہ ہوں تو اس کا لازمی مطلب یہ تھا کہ کتب خانہ میں ہوں گے کیونکہ وہ جب اپنی جگہ پر نہیں ہوتے تھے تو دوسری جگہ ایک ہی متعین تھی اور وہ کتب خانہ ہے۔

لہذا میں نے کتب خانہ کا رخ کیا وہاں جا کر دیکھا کہ اوپر گیلری میں بیٹھے ہیں، تو والد صاحب داخل ہوئے تو آتے ہوئے حضرت والد صاحب کو دیکھ لیا تو فرمایا کہ ہاں مولوی شفیع صاحب کیا بات ہے کیسے آنا ہوا؟ حضرت کچھ مسئلہ پوچھنا تھا فرمایا کونسی کتاب ہے؟ وہیں سے پوچھو کہا کہ حضرت! ملاحسن ہے۔ وہیں بیٹھے بیٹھے فرمایا ہاں کیا ہوا، کیا مسئلہ پیش آ گیا۔ کہا کہ حضرت! ذرا عبارت میں الجھن تھی، فرمایا عبارت پڑھو تو کہتے ہیں کہ میں نے عبارت پڑھنی شروع کی ابھی عبارت تھوڑی سی پڑھی تھی کہ فرمایا کہ اچھا تمہیں اس مقام پر یہ شبہ ہوا ہوگا، شبہ کی تقریر بھی خود ہی فرمائی کہ اس میں تمہیں یہ شبہ ہوا ہوگا اور اس کا یہ جواب ہوگا، پھر اپنے مطالعے میں لگ گئے۔

اس مقام کا اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم دیا تھا۔ ہر علم و فن میں حافظ ایسا تھا کہ سبق پڑھاتے ہوئے فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ میرا کہیں جانا ہوا اور وہاں رمضان المبارک گزارنے کا اتفاق ہوا۔ میں نے ان سے کہا کہ کوئی کتاب ہو تو مجھے لا دو تو ان کے پاس کوئی اور کتاب نہیں تھی سوائے ہدایہ کی شرح ”فتح القدیر“ کے، تو کہتے ہیں کہ میں نے سارے رمضان میں پوری فتح القدیر پڑھ ڈالی تو اس وقت جو پڑھی تھی اس کی جو عبارتیں یاد تھیں، وہ سبق میں بسا اوقات سنایا کرتے تھے اس قسم کا مطالعہ تھا۔

حضرت والد ماجد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک رات دیوبند میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ رات میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا وصال ہو گیا تو حضرت کے تلامذہ تو آپ کے عاشقین تھے ان کے لئے رات پوری کرنی مشکل ہو گئی، سوچا کہ اس وقت اگر جائیں تو پتہ نہیں کیا صورت ہو، آخر شب کا وقت تھا، پھر فجر کی نماز پڑھ کر پہنچے، کہتے ہیں میں فجر کی نماز پڑھ کر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے گھر پر پہنچا تو دیکھا کہ وہاں اور بہت سے لوگ جمع تھے۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب، حضرت مولانا مرتضیٰ حسن صاحب اور دوسرے بڑے بڑے علماء کرام رحمہم اللہ بھی موجود تھے یعنی خبر سن کر وہ بھی بے چین ہو کر آئے تھے تو جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ الحمد للہ حضرت عافیت سے موجود ہیں اور خبر غلط تھی۔ تو سوچا کہ جب آئے ہیں تو زیارت کر کے جائیں اور اطلاع کروائی،

حضرت کے گھر میں ایک چھوٹا سا حجرہ تھا اس حجرے میں ایک چوکی پر بیٹھے ہوئے تھے اور فجر کے متصل بعد کا وقت تھا جس میں جھٹ پٹا اندھیرا ہوتا ہے تو چوکی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور سامنے کتاب ہے اور جھک کے چہرہ لگائے اس کو پڑھ رہے ہیں۔ تو جب سلام ہوا خیریت معلوم ہوئی، پھر حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ نے جو حضرت شاہ صاحب کے شاگرد تو نہیں تھے لیکن یہ کہ ان کے ساتھ معاملہ استادوں جیسا کرتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ حضرت! آپ نے ہمارے بہت سارے علمی مسائل حل کئے، ایک مسئلہ اور ہے وہ بھی حل کر دیجئے۔

حضرت نے فرمایا کہ ہاں بھائی کیا مسئلہ ہے؟ کہا کہ حضرت! مسئلہ یہ ہے کہ اس وقت کون سا ایسا مسئلہ ہے جو ابھی تک آپ کے مطالعے میں نہیں آیا اور اگر بالفرض کوئی مسئلہ ایسا ہے جو مطالعے میں نہیں آیا تو اس کی ایسے وقت ہی ضرورت ہے کہ ابھی اندھیرے میں فجر کے بعد اس کو بیماری کے عالم میں حل کرنا ہے اور اگر بالفرض ایسا کوئی فوری مسئلہ ہے بھی تو ہم لوگ کہاں مر گئے تھے، آپ ہم میں سے کسی سے فرما دیجئے کہ یہ مسئلہ ہے، اس کی تحقیق کرو، یہ جو آپ اپنی جان پر ظلم فرما رہے ہیں کہ بیماری اتنی ہے کہ لوگوں میں انتقال کی خبر مشہور ہو گئی ہے اور صبح کا وقت ہے، فجر کے بعد کا اندھیرا ہے چوکی پر بیٹھے ہیں اور کتاب دیکھتے ہیں، تو یہ مسئلہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ تو بڑی معصومیت سے سر اٹھایا اور فرمایا بھائی مولوی شبیر صاحب بات تو صحیح کہتے ہو، لیکن کیا کروں یہ بھی ایک روگ ہے، یہ بھی ایک بیماری ہے کہ جب تک کتاب دیکھ نہ لوں اس وقت تک چین نہیں آتا۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا واقعہ

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قصہ ہے کہ مرض وفات میں لوگ ان کی عیادت کے لئے گئے تو مرض وفات میں بستر مرگ پر ہیں اور عیادت کرنے والے سے پوچھ رہے کہ بھائی رمی میں کیا افضل ہے؟ ”راکباً یا ماشیاً؟“ یہ سوال کر رہے ہیں۔ جب لوگ عیادت کر کے وہاں سے واپس ہوئے تو کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر میں وہاں سے لوگوں کے رونے کی آواز آئی کہ انتقال ہو گیا۔ تو یہ ”من المهد الى اللحد“ ہے۔ جو ”رَبِّ ذُنُوبِي عَلِمَا“ کے ذریعہ سکھایا جا رہا ہے۔

اللہ ﷻ یہ طلب ہمارے دل میں پیدا فرما دے، اگر اس کا کوئی حصہ حاصل ہو جائے تو بیڑا پار ہو جائے، لیکن بات یہ ہے کہ طلب نہیں ہے اور اس کی وجہ سے جو کچھ حاصل ہے اس پر قناعت کئے بیٹھے ہیں اور جہاں قناعت کرنی چاہئے تھی وہاں قناعت ہے نہیں، یعنی دنیا میں حرص ہے اور جہاں قناعت نہیں کرنی چاہئے تھی حرص کرنی چاہئے تھی یعنی علم اور تدین میں وہاں قناعت ہے، النامعہ ہو رہا ہے، اللہ ﷻ ہمارے اس لئے معاملے کو سیدھا کر دے۔ (آمین)

(۲) باب من سئل علما و هو مشغول فی حدیثہ

فأثم الحديث ثم أجاب السائل

جس کسی شخص سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے اور وہ کسی بات میں مشغول ہو تو

پہلے اپنی بات کو پورا کر لے پھر سائل کو جواب سے

۵۹۔ حدثنا محمد بن سنان قال : حدثنا فليح ح ،

وحدثني ابراهيم بن المنذر قال : حدثنا محمد بن فليح قال : حدثني أبي

قال : حدثني هلال بن علي عن عطاء بن يسار عن أبي هريرة قال : بينما النبي ﷺ

في مجلس يحدث القوم جاءه أعرابي فقال : متى الساعة ؟ فمضى رسول الله ﷺ

يحدث ، فقال بعض القوم : سمع ما قال فكره ما قال ، و قال بعضهم : بل لم يسمع ،

حتى إذا قضى حديثه قال : ((أين - أراه - السائل عن الساعة ؟)) قال : ها أنا يا

رسول الله ، قال : ((فإذا ضيعت الأمانة فانتظر الساعة)) ، قال : كيف اضاعها ؟

قال : ((إذا وسد الأمر إلى غير أهله فانتظر الساعة)) . [أنظر: ۶۳۹۶] ۱۲

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم ﷺ مجلس میں لوگوں سے کچھ بیان کر رہے

تھے کہ اسی حالت میں ایک اعرابی آپ ﷺ کے پاس آیا اور اس نے پوچھا کہ قیامت کب ہوگی؟ تو رسول خدا ﷺ

نے کچھ جواب نہ دیا اور اپنی بات بیان کرتے رہے، اس پر کچھ لوگوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے اس کا کہنا سن تو لیا

مگر، چونکہ اس کی بات آپ ﷺ کو بری معلوم ہوئی، اس سبب سے آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا اور کچھ لوگوں نے

کہا کہ یہ بات نہیں ہے، بلکہ آپ ﷺ نے سنا ہی نہیں، یہاں تک کہ جب آپ ﷺ اپنی بات ختم کر چکے، تو فرمایا کہ

کہاں ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بعد یہ لفظ تھے ”قیامت کا پوچھنے والا“۔

سائل نے کہا یا رسول اللہ! میں موجود ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا جس وقت امانت ضائع کر دی جائے تو،

تو قیامت کا انتظار کرنا۔ اس نے پوچھا کہ امانت ضائع کرنا کس طرح ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب کام ناقابل

لوگوں کے سپرد کیا جائے تو قیامت کا انتظار کر۔

باب کا مفہوم

امام بخاری رحمہ اللہ اب یہاں علم کے مختلف آداب و احکام بیان فرما رہے ہیں جس کے لئے مختلف ابواب قائم

کئے۔ پہلا باب قائم فرمایا کہ ”جس شخص سے علم کا سوال کیا گیا اور وہ اپنی بات میں مشغول ہے تو اس نے پہلے اپنی بات پوری کی پھر سائل کو جواب دیا۔“

حدیث کی تشریح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دوران کہ رسول کریم ﷺ ایک مجلس میں تشریف فرما تھے اور لوگوں سے باتیں کر رہے تھے ایک اعرابی آ گیا، اور آتے ہی اس نے جھٹ سے یہ سوال کر دیا کہ قیامت کب آئے گی؟ (اب حضور اقدس ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے باتیں کر رہے ہیں اور اس نے آتے ہی یہ سوال کر لیا) تو رسول کریم ﷺ نے اپنی بات کو جاری رکھا جو بات پہلے کر رہے تھے اسی میں مشغول رہے، گویا سائل کی طرف دھیان نہیں دیا، التفات نہیں فرمایا تو لوگوں میں سے کسی شخص نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے اس آنے والے کی بات سن تولی ہے لیکن اس کو برا سمجھا، اسی واسطے جواب نہیں دیا۔ (برایہ سمجھا کہ ایک آدمی بات کر رہا ہے تو اس کے بیچ میں آ کر دخل اندازی کر کے اپنا سوال جھڑ دینا یہ ادب کے خلاف ہے، اس واسطے آپ ﷺ نے اس کو برا سمجھا ہے)۔

”وقال بعضهم“ اور بعض نے کہا کہ شاید آپ ﷺ نے سنا نہیں، ورنہ اگر سنتے تو کچھ نہ کچھ جواب دیتے۔ یہاں تک کہ جب نبی کریم ﷺ نے اپنی بات پوری کر لی تو اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے بارے میں سوال کرنے والا کہاں ہے؟

”اراه“ یعنی بیچ میں راوی یہ کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ یہ لفظ فرمائے تھے کہ ”ایمن السائل عن الساعة - ارأه“: یہ راوی کی طرف سے ہے اور جملہ مقررہ ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ آپ نے یہ لفظ استعمال فرمایا تھا کہ ”ایمن السائل عن الساعة“ راوی یہ تنبیہ کرنا چاہتا ہے کہ مجھے بالکل سو فیصد ایک ایک لفظ حضور ﷺ کا یاد نہیں ہے، لیکن گمان یہ ہے کہ آپ نے یہ لفظ بولا تھا کہ وہ شخص کہاں ہے جو قیامت کے بارے میں سوال کر رہا ہے۔ تو اس نے کہا میں ہوں یا رسول اللہ!

”قال فإذا ضيعت الأمانة فانتظر الساعة“: یعنی جب امانت ضائع کر دی جائے تو اس وقت قیامت کا انتظار کرو۔

”لقال كيف اضاعتها؟“ یعنی اس نے پوچھا کہ امانت کا ضائع کرنا کیسے ہوگا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔
”إذا وسد الأمر إلى غير أهله فانتظر الساعة“ کہ جب معاملہ نا اہل کے سپرد کر دیا جائے تو اس وقت قیامت کا انتظار کرو۔

”إذا وسد“ یہ ”وسا دہ“ سے نکلا ہے۔ ”وسا دہ“ تنکے کو کہتے ہیں، یعنی جب بھروسہ کیا جانے لگے تنکے کیا جانے لگے کسی معاملے میں نا اہل پر اور نا اہل کو ذمہ داریاں سونپی جانے لگیں اور جو سربراہ بننے کا اہل نہیں تھا

اس کو سربراہ بنادیا، جو عالم بننے کا اہل نہیں تھا اس کو عالم بنادیا، جو مفتی بننے کا اہل نہیں تھا اس کو مفتی بنادیا، یہ ”اذا وسد الامر الى غیر اہله“ ہے کہ جب نااہلوں کی طرف معاملہ سپرد کر دیا جائے تو یہ امانت کا ضائع کرنا ہے، جب ایسا ہو تو سمجھ لو کہ اب قیامت قریب آگئی کیونکہ معاملہ ایک امانت ہے، وہ اسی کو ملنی چاہئے جو اس کا اہل ہو:

﴿ان الله يامرکم ان تؤدوا الامانات الى اهلها﴾ ۱۳

ترجمہ الباب کا حاصل

اس حدیث میں سب سے پہلے تو وہ بات قابل ذکر ہے جس کے لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ الباب قائم کیا ہے کہ جب آدمی کسی بات میں مشغول ہو تو سائل کو چاہئے کہ وہ بیچ میں سوال نہ کرے بلکہ انتظار کرے جب بات ختم ہو جائے تو پھر سوال کرے اور اگر کوئی شخص اسی ادب کا لحاظ نہ رکھے اور بات کرنے کے دوران ہی آکر سوال شروع کر دے تو معلم کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اس کی بات کی طرف دھیان نہ دے اور اپنی گفتگو جاری رکھے اور بالآخر جب اپنی بات ختم کرے تب اگر مناسب سمجھے تو جواب دیدے۔ یہی ترجمہ الباب کا حاصل ہے۔ جو نبی کریم ﷺ نے یہاں پر عمل فرمایا۔

بعض واقعات آنحضرت ﷺ سے ایسے مروی ہیں کہ آپ ﷺ جمعہ کا خطبہ دے رہے ہیں اور بیچ میں آکر ایک شخص نے کوئی سوال کر لیا تو آپ ﷺ نے خطبہ روک کر سوال کا جواب دیا۔

یہ اس صورت میں ہے جب کہ فوری مسئلہ ہو اور فوری طور پر نہ بتانے کی صورت میں نقصان کا اندیشہ ہو۔ علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ ترجمہ الباب کا حکم اس صورت میں ہے جبکہ سوال کوئی فوری نوعیت کا نہ ہو اور اگر کوئی فوری نوعیت کا سوال ہو تو سوال کرنے والے کو بھی یہ حق ہے کہ وہ کلام قطع کر دے اور جواب دینے والے کو بھی یہ چاہئے کہ ایسی صورت میں فوری طور سے جواب دیدے۔

اعتراض

دوسرا مسئلہ اس میں یہ ہے کہ سوال کرنے والے نے سوال تو کیا تھا کہ ”متی الساعة“ قیامت کب آئے گی تو نبی کریم ﷺ نے جواب یہ دیا کہ جب امانت ضائع ہونے لگے تو پھر انتظار کرنا۔ اس کے سوال کا جواب تو پوری طرح نہیں ہوا؟

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ بظاہر اس میں اشارہ اس بات کی طرف کر دیا گیا کہ یہ سوال ہی فضول تھا کہ قیامت کب آئے گی، اس واسطے کہ جب اللہ ﷻ نے کسی کو بتایا ہی نہیں تو پھر کون بتا سکتا ہے کہ قیامت کب

آئے گی اور یہ جاننے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

لہذا سوال فضول ہے تو جواب میں آپ ﷺ نے گویا ایک طرح سے دوسرا سوال فرض کر کے جو صحیح سوال تھا اس کا جواب دیا اور صحیح سوال یہ تھا کہ قیامت کی علامات کیا ہیں؟ اسی طرح گویا ایک طرح سے اس کے سوال کی اصلاح بھی کر دی کہ سوال تمہیں یہ کرنا چاہئے تھا کہ علامات قیامت کیا ہیں اور یہ علامات آپ ﷺ نے بتلا دیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں فرمایا کہ:

﴿يَسْئَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ، قُلْ مَا أَنْفَقْتُ مِنْ

خَيْرٍ فَلِللّٰهِ الدِّينُ وَالْأَقْرَبِينَ﴾ ۱۴۔

یہاں سوال تو یہ تھا کہ کیا خرچ کریں اور جواب یہ آیا کہ کہاں خرچ کریں کہ آپ یہ کہیں کہ جو کچھ خرچ کرو تو وہ والدین کو دو اور اقربین کو دو اٹھ۔

گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ سوال کہ ”کیا خرچ کریں“ یہ فضول سوال ہے۔ اس لئے کہ تم خود اپنے اندر دیکھو کہ کیا خرچ کر سکتے ہو، ہر ایک آدمی اپنے لحاظ سے اس کا فیصلہ کرے، لیکن اصل سوال کرنے کی بات یہ تھی کہ کہاں خرچ کریں، کس کو دیں، تو اس کا جواب ہم دے رہے ہیں۔

فضول سوالات کے جوابات دینے کی ضرورت نہیں ہوتی

اس بحث سے پتہ چلا کہ اگر کوئی شخص بے ہنگم یا غلط سوال کرے تو اس کا جواب علی اسلوب الحکیم دینا چاہئے کہ جس کے ذریعے اس کو کوئی صحیح فائدہ حاصل ہو اور فضول سوال کا جواب دینے کی ضرورت نہیں۔

لہذا یہ کوئی فرض نہیں ہے کہ جب بھی کسی مولوی اور مفتی سے کوئی مسئلہ پوچھے تو ہر مسئلے کا ضرور جواب دیں۔ بہت سے لوگ فضول سوال کرتے رہتے ہیں، جن کا کوئی حاصل نہیں ہے، نہ قبر میں سوال ہوگا، نہ آخرت میں سوال ہوگا، نہ انسان کی عملی زندگی سے تعلق ہے، مثلاً یہ سوال آ گیا کہ اصحاب کھف کے کتے کا رنگ کیا تھا۔

تو اگر پتہ چل بھی گیا کہ وہ رنگ کیا تھا، کالا تھا یا سفید تھا تو کیا حاصل ہوگا، کچھ نہیں، تو ایسے فضول سوال کا جواب دینے کی حاجت ہی نہیں، البتہ اس کے قریب تر جو مفید سوال ہو سکتا ہے اس کا جواب دے دو۔ ۱۵۔

۱۴ ترجمہ: تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں کہہ دو کہ جو کچھ تم خرچ کرو مال سواں ہاپ کے لئے اور قربات داروں کے لئے اٹھ۔

[البقرہ: ۲۱۵]

۱۵ لہذا بذلک انہ یجب علی القاضی و المفتی و المدرس تقدیم الأسبق لاستحقاقہ بالسبق: عمدۃ

القاری ج: ۲، ص: ۱۰۰۔

(۳) باب من رفع صوته بالعلم

اس شخص کا بیان جو علم میں اپنی آواز بلند کرے

امام بخاری رحمہ اللہ کا ترجمۃ الباب سے مقصود

امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم فرمایا کہ علم کی بات کرنے کے لئے آواز بلند کرے تو یہ جائز ہے۔
امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ ترجمۃ الباب اس شعبے کو زائل کرنے کے لئے قائم کیا کہ بسا اوقات زور سے بولنے کو ناپسند کیا گیا جیسے قرآن شریف میں ہے:

﴿وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ أَنْ تُنْكِرَ الْأَصْوَاتِ

لصوت الحمير﴾ ۱۶

تو وہاں آواز کو پست کرنے کا حکم دیا گیا اور قرآن شریف میں حضور ﷺ کے بارے میں فرمایا کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ

فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ ۱۷

تو اس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ علم کی بات بھی بہت دھیمی دھیمی کرنی چاہئے، زور سے نہ بولنا چاہئے، تو امام بخاریؒ اس شعبے کی تردید فرما رہے ہیں کہ اگر علم کی بات لوگوں تک پہنچانے کے لئے رفع صوت کی ضرورت پیش آئے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے، اس کے لئے یہ حدیث روایت کی ہے کہ:

۶۰۔ حدثنا أبو النعمان قال: حدثنا أبو عوانة عن أبي بشر، عن يوسف بن

ماهك، عن عبد الله بن عمرو قال: تخلف النبي ﷺ في سفره سافرناها، فأدركنا وقد

أرهقنا الصلاة ونحن نتوضأ، فجعلنا نمسح على أرجلنا، فنادى بأعلى صوته: ((ويل

للأعقاب من النار)) مرتين أو ثلاثا. [أنظر: ۹۶، ۹۷، ۱۸]

۱۶۔ سورۃ لقمان: ۱۹۔ ترجمہ: اور نیچی کر آواز اپنی بے شک بری سے بری آواز گدھے کی آواز ہے۔

۱۷۔ سورۃ الحجرات: ۲۔ ترجمہ: اے ایمان والو! نبی ﷺ کی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ کرو۔

۱۸۔ وفی صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب وجوب غسل الرجلین بکمالہما، رقم: ۳۵۴، وسنن الترمذی، کتاب

الطہارۃ، باب ما جاء ویل للأعقاب من النار، رقم: ۳۹، وسنن النسائی، کتاب الطہارۃ، باب ایجاب غسل الرجلین، رقم

۱۱۰، وسنن أبی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب فی اسباغ الوضوء، رقم: ۸۹، ومسند أحمد، مسند المکثرین من الصحابة،

باب مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص، رقم: ۶۵۱۸، ۶۵۸۹، ۶۶۱۷، ۶۶۸۱، ۶۸۰۶.

عن یوسف بن ماہک

اس کو یا تو ”ماہک“ کاف کے سکون کے ساتھ پڑھیں گے یا ”ماہک“ غیر منصرف دو سبب علیت اور عجمہ کی وجہ سے ”کاف“ کے نصب کے ساتھ پڑھیں گے۔

”ماہک“ اصل میں فارسی کا لفظ ہے۔ فارسی میں تصغیر کرنے کے لئے کاف لگاتے ہیں تو یہ ماہ کی تصغیر ہے ماہ کے معنی چاند کے ہیں اور کاف جب اس میں لگا دیا کہ ”ماہک“ تو چندا جسے اردو میں چندا چاند کی تصغیر کرنے کے لئے بولتے ہیں۔ یوسف کے والد بڑے خوبصورت پیدا ہوئے تھے، تو اس واسطے ان کا نام ”ماہک“ رکھ دیا گیا تھا، لہذا یہ ”ماہک“ کہلائے اور اس واسطے یہ مخفی کلمہ ہے، لہذا یا تو اس کو اسی طرح پڑھا جائے گا، جیسا کہ فارسی اصل میں ہے یعنی ”ماہک“ [یسکون الکاف] یا پھر اس کو اگر علم یوسف بن ماہک بنالیا تو عجمی ہونے کی صورت میں اس کو غیر منصرف پڑھیں گے یعنی ”ماہک“۔ ۱۹۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک سفر میں جو ہم نے آپ کے ساتھ کیا تھا ہم سے پیچھے رہ گئے یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آگے نکل گئے اور سرکارِ دو عالم ﷺ کسی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے پیش آیا تھا۔

پھر آپ ﷺ ہم سے آگے چلے جب کہ نماز نے ہم کو ڈھانپ لیا تھا یعنی نماز کا وقت آ گیا تھا۔ ”ارہق“ کے معنی اصل میں ”ڈھانپ لینا“ کے ہوتے ہیں تو ہم کو نماز نے ڈھانپ لیا تھا اور ہم وضو کر رہے تھے۔

”فجعلنا نمسح علی ارجلنا“ تو ہم اپنے پاؤں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔

یہاں مسح سے اصطلاحی مسح مراد نہیں ہے بلکہ مسح لغوی مراد ہے یعنی ہاتھ کا پھیرنا اور مراد اس سے غسل خفیف ہے، جلدی میں ہم نے ہلکا سا دھویا یعنی معمولی سا دھو کر اور ہاتھ پھیر کے ہم اٹھنے لگے۔

بعض حضرات نے اس روایت کی وجہ سے یہ سمجھا ہے کہ اس وقت تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پاؤں پر مسح کیا کرتے تھے اور آنحضرت ﷺ نے اس دن پہلی بار دھونے کا حکم دیا، مگر یہ تشریح صحیح نہیں ہے، اول تو اس لئے کہ بعض روایتوں میں الفاظ یہ ہیں کہ ”رای قومنا توضأوا وکانہم ترکوا من أرجلہم شینا“ دوسرے اگر اس سے پہلے مسح ہی مشروع تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو وعید نہ سنائی جاتی، تیسرے اس صورت میں اعقاب کی کوئی خصوصیت نہیں رہتی، لہذا صحیح یہ ہے کہ یہاں مسح سے مراد غسل خفیف ہے۔

”فنادی باعلی صوتہ ویل للاء عقاب من النار“ یعنی آپ ﷺ نے بلند آواز سے پکارا اور

بلند آواز سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”ویل للأعقاب من النار“ یعنی ایڑھیوں کو جہنم کا عذاب ہوگا۔

اور دوسرا ترجمہ اس کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ویل افسوس کے معنی میں ہو کہ افسوس ہے ایڑھیوں پر بسبب جہنم میں جانے کی وجہ سے کہ ایڑھیاں جو خشک رہ جائیں اور ان کو صحیح طریقے سے وضو میں دھویا نہ جائے، وہ جہنم میں جائیں گی تو جہنم میں جانے کی وجہ سے ان پر افسوس ہے۔
تو یہ تنبیہ فرمادی کہ جلدی کی وجہ سے ایسا نہ کرو کہ اتنی جلدی میں پاؤں دھو کہ ایڑھیاں خشک رہ جائیں۔

”غسل ارجل“ کی فرضیت

بعض روایتوں ۲۰ میں یہاں ”بطون الاقدام“ بھی آیا یعنی ”ویل للأعقاب و بطون الاقدام من النار“ یعنی ایسی جلدی نہ کرو کہ جس سے تلوے یا ایڑھیاں خشک رہ جائیں، بلکہ اہتمام کے ساتھ دھونا کہ کوئی حصہ ایسا نہ رہے جہاں پر پانی نہ پہنچے۔ یہ حدیث صراحۃً ”غسل ارجل“ کی فرضیت پر دلالت کر رہی ہے۔ ۲۱
چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو روایت کر کے کہا ہے کہ ”قال فقه هذا الحديث انه لا يجوز المسح الرجلين“۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا اعلیٰ صوت پر استدلال

امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو یہاں اس لئے لائے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے یہ جملہ بلند آواز سے فرمایا تھا ”فنادی باعلیٰ صوته“ یعنی آپ نے پکارا تھا کہ ”ویل للأعقاب من النار“ تو معلوم ہوا کہ معلم اور مربی اگر کسی وقت یہ سمجھتا ہو کہ زور سے بولنے کی ضرورت ہے تو زور سے بول سکتا ہے یعنی اتنا زور سے بولنا تو ہر حال میں مطلوب ہے کہ تمام حاضرین کو آواز پہنچ جائے، لیکن بعض اوقات کسی بات کی اہمیت کو جتانے کے لئے اور زیادہ زور سے بولنے کی ضرورت پیش آ جاتی ہے تو یہاں پر بھی نبی کریم ﷺ نے بلند آواز سے کلام فرمایا، اس میں یہ مقصد بھی تھا کہ آواز پہنچ جائے اور بظاہر یہ مقصد بھی تھا کہ لوگ اس کی اہمیت محسوس کریں۔
آج کل بھی ایسی کوئی اہم بات آہستہ کہہ دی جائے تو اس کی اہمیت اتنی نہیں ہوتی لیکن اگر بلند آواز سے کہہ دی جائے تو اہمیت زیادہ ہو جاتی ہے۔

لہذا معلوم ہوا کہ بات کی اہمیت جتانے کے لئے بھی بلند آواز سے بولنے کی گنجائش ہے۔ البتہ جہاں بلند آواز سے غیر متعلق لوگوں کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو وہاں آواز اتنی رکھنی چاہئے کہ صرف حاضرین مجلس تک

۲۰ صحیح ابن خزيمة، باب انتفايط فی ترک غسل بطون الاقدام، رقم: ۱۱۳، ج: ۸۳، بیروت والمستدرک علی

الصحيحين، ج: ۱، ص: ۲۶۷، رقم الحديث: ۵۸۰.

۲۱ سنن الترمذی، باب ما جاء ویل للأعقاب من النار، رقم: الحديث: ۳۹، ج: ۱، ص: ۵۸، دار الاحیاء

التراث العربی، بیروت.

پہنچے، علماء کرام نے فرمایا ہے کہ ”ینبغی ان لا یعد وصوت العالم مجلسہ“۔

(۴) باب قول المحدث : حدثنا ، وأخبرنا ، وأنبأنا ،

محدث کا حدثنا ، أخبرنا اور أنبأنا کہنا

وقال الحمیدی : کان عند ابن عیینة ((حدثنا)) و ((أخبرنا)) و ((أنبأنا)) و ((سمعت)) واحدا ، وقال ابن مسعود : حدثنا رسول اللہ ﷺ وهو الصادق المصدق ، وقال شقیق عن عبد اللہ : سمعت النبی ﷺ كلمة ، وقال حذیفہ : حدثنا رسول اللہ ﷺ حدیثین ، وقال أبو العالیة ، عن ابن عباس عن النبی ﷺ فیما یرویه عن ربہ عزوجل ، وقال أنس : عن النبی ﷺ یرویه عن ربہ عزوجل ، وقال أبو هريرة : عن النبی ﷺ یرویه عن ربکم عزوجل .

۶۱۔ حدثنا قتیبہ قال : حدثنا إسماعیل بن جعفر ، عن عبد اللہ بن دینار ، عن ابن عمر قال : قال رسول اللہ ﷺ : ((إن من الشجر شجرة لا یسقط ورقها ، و أنها مثل المسلم فحدثونی ماہی ؟)) فوقع الناس فی شجر البوادی ، قال عبد اللہ : ووقع فی نفسی أنها النخلة ، فاستحییت ثم قالوا : حدثنا ماہی یا رسول اللہ ؟ قال : ((ہی النخلة)) . [انظر : ۶۲ ، ۷۲ ، ۱۳۱ ، ۲۲۰۹ ، ۴۶۹۸ ، ۵۴۴۴ ، ۵۴۴۸ ، ۶۱۲۲ ، ۶۱۴۴] . ۲۲

”حدثنا و أخبرنا و أنبأنا“ کی تشریح

اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ جب کوئی محدث حدیث روایت کرتا ہے تو بعض اوقات ”حدثنا“ بعض مرتبہ ”أخبرنا“ بعض مرتبہ ”أنبأنا“ اور بعض مرتبہ ”سمعت فلانا“ یقول ”کہتا ہے۔ یہ تمام الفاظ مشترک ہیں اور ان کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

لہذا جب کسی شخص نے اپنے استاد سے کوئی حدیث سنی تو وہ ”حدثنا“ کا لفظ بھی استعمال کر سکتا ہے اور ”أخبرنا“۔ ”أنبأنا“۔ ”سمعت فلانا یقول“ اور ”عن“ بھی کہہ سکتا ہے یعنی ”عنعنہ“ بھی کر سکتا ہے۔

مفتد میں محدثین کی یہی اصطلاح ہے کہ وہ ان الفاظ میں کوئی فرق نہیں کرتے بلکہ ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کرتے رہتے ہیں اور سلف میں یہی معمول تھا۔

۲۲ وفی صحیح مسلم ، کتاب صفة القيامة والجنة والنار ، باب مثل المؤمن مثل النخلة ، رقم : ۵۰۲۷ ، ۵۰۲۹ ، وسنن الترمذی ، کتاب الامثال عن رسول اللہ ﷺ ، باب ما جاء فی مثل المؤمن القاری للقرآن وغير القاری ، رقم : ۲۷۹۳ ، ومسند احمد ، مسند المكثرين من الصحابة ، باب مسند عبد اللہ بن عمر بن الخطاب ، رقم : ۴۳۷۱ ، ۴۶۷۲ ، ۴۶۵۸ .

البتہ متأخرین کے ہاں اصطلاحات میں فرق واقع ہوا ہے اور کہا جاتا ہے کہ عبد اللہ بن وہب جو عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے ہم عصر اور بڑے محدثین میں سے ہیں، انہوں نے سب سے پہلے یہ فرق کیا کہ اگر استاد نے خود شاگرد کو حدیث سنائی ہو تو ”حدثنا“ کا لفظ استعمال کیا جائے اور اگر شاگرد نے استاد پر حدیث پڑھی اور پھر استاد نے تصدیق کی تو اس صورت میں ”أخبرنا“ کا لفظ استعمال کرنا ہوگا اور جب نہ تو استاد نے شاگرد کے اوپر حدیث پڑھی، نہ شاگرد نے استاد سے سنی اور نہ ہی شاگرد نے استاد کے اوپر پڑھی بلکہ استاد نے اجازت دیدی کہ تمہیں میری مرویات روایت کرنے کی اجازت ہے تو اس صورت میں ”أنبأنا“ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

اگر ایسی صورت حال ہے کہ ایک بڑی جماعت میں سے ایک شاگرد نے حدیث پڑھی باقی سب لوگ بیٹھے ہوئے سن رہے ہیں تو پھر وہ ”أخبرنا، قراءة عليه وأنا أسمع“ کہتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اگر استاد نے حدیث سنائی تو ”حدثنا“ یا ”سمعت“ اور اگر شاگرد نے استاد کے اوپر پڑھی تو ”أخبرنا“ کہتے ہیں اور اگر استاد نے شفاہاً اجازت دی تو ”أنبأنا“ کہتے ہیں۔ یہ تفصیل بعد کے محدثین نے کی ہے۔ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے تفصیل کرنے والے عبد اللہ بن وہب ہیں، پھر بعد میں سب محدثین نے اس کو اختیار کر لیا اور جب یہ اصطلاحات اس طرح منقسم ہو گئیں تو پھر اس کے بعد ان اصطلاحات کے درمیان فرق کرنا بھی ایک اصطلاح کے مطابق ضروری ہو گیا تا کہ صورتحال صحیح طور پر واضح ہو جائے بلکہ انہوں نے پھر آگے یہ بھی تفصیل کی کہ اگر استاد نے شاگرد کو تنہا سنائی تو ”حدثنی“ کہیں گے اور اگر بڑی جماعت کو سنائی تو ”حدثنا“ کہیں گے، اگر ایک شاگرد نے استاد پر پڑھی تو ”أخبرنی“ اور اگر بہت ساری جماعت میں پڑھی تو ”أخبرنا“ کہیں گے۔ اگر ایک کو اجازت دی تو ”أنبأنی“ اور بہت ساروں کو دی گئی تو ”أنبأنا“ کہیں گے۔ یہ سب اصطلاحات بعد میں بنیں لیکن ابتداء سلف کے اندر ان اصطلاحات میں کوئی فرق نہیں تھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ اسی کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ”حدثنا۔ أخبرنا“ اور ”أنبأنا“ یہ تینوں ایک ہی معنی میں ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

وقال الحمیدی

حمیدی امام بخاری رحمہما اللہ کے استاد ہیں۔ یہاں امام صاحب رحمہ اللہ نے ”حدثنا الحمیدی“ یعنی ہمیں حمیدی نے حدیث سنائی نہیں کہا، بلکہ ”قال الحمیدی“ کے الفاظ استعمال کئے جو عام طور پر تعلیق میں استعمال کئے جاتے ہیں حالانکہ یہ تعلیق نہیں ہے، کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے براہ راست امام حمیدی رحمہ اللہ سے یہ بات سنی ہے۔

یہ اس لئے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اگر باقاعدہ حلقہ درس میں استاد نے شاگرد کو

حدیث سنائی تو وہ ”حدثنا“ یا ”حدثنی“ کہتے ہیں لیکن اگر باقاعدہ حلقہ درس نہیں تھا ایسے کوئی بات چیت چل رہی تھی اور مذاکرے کے اندر انہوں نے کوئی روایت نقل کر دی تو اس صورت میں چونکہ ان کا مقصد بالکل واضح طور پر تجدیدِ بیعت نہیں تھا بلکہ بطور مذاکرہ ایک بات کہی گئی تھی اس واسطے امام بخاری رحمہ اللہ اس کو ”قال لنا“ سے تعبیر کرتے ہیں۔

”وقال الحمیدی : کان عند ابن عیینہ ((حدثنا)) و ((أخبرنا)) و ((أنبأنا)) و ((سمعت)) واحدًا“۔

حمیدی رحمہ اللہ نے ہم سے کہا کہ حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کے نزدیک ”حدثنا، أخبرنا، أنبأنا“ اور ”سمعت“ سب ایک ہی معنی میں تھے، ان میں کوئی فرق نہیں تھا۔

”وقال ابن مسعود حدثنا رسول اللہ ﷺ وهو الصادق المصدوق“۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ لفظ ”حدثنا“ استعمال کیا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حدیث سنائی اور آپ صادق و مصدوق تھے۔

”وقال شقیق بن سلمة عن عبد الله سمعت النبي ﷺ كلمة“۔

شقیق بن سلمہ (جو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں) عبداللہ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے یہ بات سنی۔ تو وہاں انہوں نے ”حدثنا“ کہنے کے بجائے ”سمعت“ کہا گویا دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔

”وقال حذيفة حدثنا رسول الله ﷺ حديثين“ اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے دو حدیثیں سنائیں۔ یہاں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ”حدثنا“ کا لفظ استعمال کیا۔

”وقال ابو العالیہ عن ابن عباس عن النبی ﷺ فیما یرویه عن ربہ عزوجل“۔

ابو العالیہ جب مطلق بولتے ہیں تو عام طور پر ان سے مراد ابو العالیہ ریاچی مراد ہوتے ہیں۔ یہ تابعین میں سے ہیں اور حضور اکرم ﷺ کی وفات کے بعد اسلام لائے۔ اس لئے ان کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ یہ ابو العالیہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضور ﷺ سے ”فیما یرویه عن ربہ“ اس حدیث میں جو رسول کریم ﷺ اپنے پروردگار سے روایت کرتے ہیں گویا یہ حدیث قدسی ہے۔ اگر روایت میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ”فیما یرویه عن ربہ“ میں ”عن“ کا صیغہ استعمال کیا۔

”وقال انس عن النبی ﷺ یرویه عن ربہ عزوجل“۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طریقے سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے اللہ ﷻ کا کوئی قول نقل کیا ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس کو ”یرویه عن ربہ“ کہہ کر تعبیر فرمایا۔

”وقال أبو هريرة عن النبي ﷺ يرويه عن ربكم عز وجل“.

حضرت ابو ہریرہ ؓ نے بھی ”عن“ کا لفظ استعمال کیا۔

ان تینوں روایتوں کو نقل کرنے سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام ؓ سے عن کا صیغہ بھی ثابت ہے۔ جس طرح ”حدثنا۔ أخبرنا۔ أنانا“ اور ”سمعت“ وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی نے براہ راست اپنے شیخ سے کوئی حدیث سنی ہو تو اس وقت ”عن“ کا صیغہ بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ان سب الفاظ کے استعمال میں کوئی فرق نہیں۔

البتہ ان تینوں روایتوں میں جن میں یہ آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے پروردگار سے روایت کر رہے ہیں، ان میں محدثین نے اس بات پر بھی استدلال کیا ہے کہ مرسل صحابی حجت ہے۔ وہ اس طرح کہ جب نبی کریم ﷺ اللہ ﷻ سے روایت کرتے ہیں تو حقیقت میں وہ حدیث مرسل ہوتی ہے، اس لئے کہ اللہ ﷻ سے آپ ﷺ براہ راست سوائے لیلۃ المعراج کے اور کسی موقع پر ہم کلام نہیں ہوئے۔ لہذا براہ راست اللہ ﷻ سے یہ حدیث نہیں سنی، یقیناً بیچ میں حضرت جبریل علیہ السلام کا واسطہ ہے جو ذکر نہیں کیا گیا۔ اسی کو ارسال کہتے ہیں۔ تو یہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے جبریل علیہ السلام سے ارسال ہے۔

کیونکہ یہ بات متعین ہے کہ نبی کریم ﷺ جب ارسال فرمائیں گے تو وہ جبرائیل علیہ السلام سے فرمائیں گے اور جبرائیل علیہ السلام ثقہ اور امین ہیں اور وہ مقبول ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر ارسال کسی ثقہ سے کیا جائے جس کی امانت و دیانت پر اعتماد ہو اور یہ بات طے ہو کہ اس کے علاوہ کسی اور سے نہیں ہوگا تو وہ مرسل ہونے کے باوجود مقبول ہوگی۔ اسی واسطے حضرات محدثین کہتے ہیں کہ مرسل صحابی حجت ہے اور اس کو وہ لوگ بھی حجت مانتے ہیں جو مراسیل کی حجت کے قائل نہیں ہیں، جیسے امام شافعی اور امام بخاری رحمہما اللہ وغیرہ۔

البتہ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ مرسل صحابی احکام میں حجت ہوتی ہے لیکن واقعات اور اخبار میں اس درجے کی حجت نہیں ہوتی کیونکہ مرسل صحابی جب احکام میں ہوتی ہے تو اس میں یہ بات متعین ہے کہ صحابی نے اگر ارسال کیا ہے تو کسی دوسرے صحابی سے کیا ہوگا، یعنی جو واسطہ بیچ میں محذوف ہے وہ یقیناً کسی صحابی کا ہوگا اور ”الصحابۃ کلہم عدول“ لہذا وہ معتبر ہے۔

لیکن اگر احکام کے علاوہ کوئی واقعہ و قصہ بیان ہوا ہے تو چونکہ بعض صحابہ کرام ؓ کے قصوں اور اخبار کے بارے میں یہ بات ثابت ہے کہ وہ کسی تابعی سے بھی بعض اوقات سن لیتے تھے اور اس کو روایت کرتے تھے۔ بعض صحابہ کرام ؓ کعب اخبار سے سن کر روایت کر دیتے تھے تو چونکہ کعب اخبار تابعی ہیں، اس واسطے وہ مرسل سب کے نزدیک حجت نہیں ہوگی اور عین ممکن ہے کہ صحابی ؓ نے یہ واقعہ بھی تابعی سے سن لیا ہو، اس وجہ سے بیچ میں جو واسطہ محذوف ہے وہ صحابی کا نہ ہو تو پھر وہ عام مرسل کی صف میں آجائے گا اور مرسل صحابی اس کو اس معنی میں نہیں

کہیں گے جو باتفاق حجت ہوتی ہے۔

۶۱۔ حدثنا قتیبہ..... ہی النخلة

امام بخاری رحمہ اللہ نے عبد اللہ بن عمر ؓ سے یہ حدیث روایت کی کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ درختوں میں ایک درخت ایسا ہے کہ جس کے پتے نہیں گرتے اور وہ مسلمان کی طرح ہے۔

”حد ثونی ماہی؟“ صحابہ کرام ؓ سے آپ ﷺ نے پوچھا بتاؤ وہ کیسا درخت ہے؟ ”قال فوقع الناس فی شجر البوادی“ عبد اللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ صحراؤں کے درختوں کو شمار کرنے میں مشغول ہو گئے یعنی سوچنے لگے کہ صحراؤں میں کون کون سے درخت ہوتے ہیں اور پھر اس میں کون سا ایسا درخت ہے جس کے پتے نہیں گرتے۔

”قال عبد اللہ: ووقع فی نفسی أنها النخلة، فاستحييت“

عبد اللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں آیا کہ میں کہہ دوں کہ یہ کھجور کا درخت ہے لیکن مجھے شرم آگئی۔ عبد اللہ بن عمر ؓ ان بڑے بڑے صحابہ کی موجودگی میں جو وہاں تشریف فرما تھے بہت کم عمر تھے، اس واسطے ان کو شرم آئی کہ بڑے بڑے صحابہ کرام ؓ کی موجودگی میں اور تو کوئی جواب نہیں دے رہا اور میں خود جواب دے دوں۔

”ثم قالوا حدثنا یا رسول اللہ: قال ہی النخلة“.

پھر صحابہ کرام ؓ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ (آپ ہی بتائیے کہ وہ کون سا درخت ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے گویا عبد اللہ بن عمر ؓ کے دل میں جو بات آئی تھی وہ صحیح تھی اور نبی کریم ﷺ نے اس کی تصدیق کر دی۔

دوسری روایات میں آتا ہے کہ مجلس کے بعد حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ نے اپنے والد حضرت عمر بن الخطاب ؓ سے ذکر کیا کہ جب حضور اکرم ﷺ پوچھ رہے تھے تو میرے دل میں خیال آیا تھا کہ میں اس کے جواب میں یہ کہہ دوں کہ ”نخلة“ ہے لیکن مجھے شرم آگئی بڑے بڑے صحابہ کرام ؓ کی موجودگی میں بولنا اچھا نہ لگا، تو حضرت عمر ؓ نے فرمایا کہ تم بتا دیجئے، کہہ دیجئے اور اگر تم نے کہہ دیا ہوتا تو مجھے یہ بات بہت پسند ہوتی بنسبت اس کے کہ مجھے فلاں فلاں ملک مل جائیں، یعنی ان کے بیٹے کی طرف سے ایک صحیح جواب آتا اور رسول کریم ﷺ اس کی تصدیق فرماتے تو یہ اتنی بڑی سعادت تھی کہ حضرت فاروق اعظم ؓ نے فرمایا کہ مجھے یہ سعادت محبوب تھی بنسبت اس کے کہ فلاں چیزیں میری ملکیت میں آجائیں تم اگر بتا دیجئے تو اچھا ہی ہوتا۔

یہاں رسول اللہ ﷺ نے ”نخلة“ کو مومن کے مشابہ قرار دیا اس کی ایک وجہ شبہ خود آپ ﷺ نے سوال کے اندر بتا دی کہ ”نخلة“ وہ درخت ہے جس کے پتے نہیں گرتے، عام طور سے جو درخت ہوتے ہیں ان کے پتے ہر

وقت گرتے رہتے ہیں لیکن کھجور کے درخت کے پتے نہیں گرتے، پتے نہ گرنے کو مؤمن کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔

اس کی ایک تشریح خود حضور اکرم ﷺ نے ایک روایت میں فرمائی ہے جسے حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے فتح الباری میں نقل کیا ہے کہ ”لا تسقط له دعوه“ کہ جس طرح ”نخلہ“ کے پتے نہیں گرتے اسی طرح مسلمان کی دعا بے کار نہیں جاتی کہ جب بھی کوئی مؤمن اللہ ﷻ سے دعا کرتا ہے تو وہ چیز مل جاتی ہے جو اس نے مانگی ہے یا اس سے بہتر چیز اللہ ﷻ عطا فرمادیتے ہیں یا کم از کم ہر دعا پر مستقل اجر تو ملتا ہی ہے۔ مؤمن کی کوئی دعا بے کار نہیں جاتی۔ جسے کہ ”نخلہ“ کے پتے گرتے نہیں اور ضائع نہیں ہوتے۔ ۲۳

دوسری وجہ شبہ یہ بیان کی گئی کہ قرآن کریم میں جب اس ”نخلہ“ کا ذکر کیا گیا تو فرمایا:

﴿مَثَلُ كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ﴾ آلیۃ

اس کا ایک وصف یہ بیان کیا کہ اس کی جڑ زمین میں ثابت مستحکم ہے اور اس کی شاخیں آسمان کی طرف جارہی ہیں۔ تو یہ وصف مؤمن کا بھی ہے کہ اللہ ﷻ پر ایمان لانے کے بعد ایمان اس کے قلب میں راسخ ہو جاتا ہے اور اس کے ثمرات یعنی اعمال و اخلاق وغیرہ بلند ہوتے رہتے ہیں۔

تیسری وجہ شبہ یہ بیان فرمائی کہ ”تَوَسَّى اَكْلَهَا كُلَّ حِينٍ بِاذْنِ رَبِّهَا“ یعنی اور بہت سے درخت ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے پھل دینے کا ایک موسم ہوتا ہے کہ فلاں موسم میں پھل دیں گے اور فلاں موسم میں پھل نہیں دیں گے لیکن نخلہ ایسا درخت ہے کہ وہ ہر وقت پھل دیتا ہے اپنے پروردگار کے حکم سے اسی طرح مؤمن کے جو اعمال صالحہ ہیں اس کا کوئی موسم مقرر نہیں بلکہ ہر آن، ہر لمحے، ہر موسم اور ہر فصل کے اندر یہ اپنا پھل دیتا ہے یعنی اعمال صالحہ ہر وقت اور ہر آن مؤمن سے صادر ہوتے رہتے ہیں، چنانچہ اقبال (مرحوم) کہتا ہے۔

یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند

بہار ہو کہ خزاں لا الہ الا اللہ

یہ کسی موسم کا پابند نہیں، بہار ہو کہ خزاں ”لا الہ الا اللہ“ اس وجہ سے حضور اکرم ﷺ نے ”نخلہ“ سے

تشبیہ دی

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ کا اس حدیث کو لانے کا منشا یہ ہے کہ ”حدوثاً“ کا لفظ اس وقت بھی استعمال کیا جاسکتا ہے جبکہ محدث خود حدیث سنائے اور اس وقت بھی استعمال کیا جاسکتا ہے جبکہ شاگرد پڑھے۔

پہلے حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا ”حدثونی ماہی؟“ مجھے بتاؤ وہ کیا ہے تو اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اکرم ﷺ کو کوئی جواب دیتے اور حضور اکرم ﷺ اس کی تصدیق فرمادیتے تو یہ ”قرأت التلمیذ علی الاستاذ“ ہوتا کیونکہ وہ (صحابہ) یہ کہتے کہ ”نخلہ“ ہے تو آپ ﷺ فرمانے کہ ٹھیک ہے تو شاگرد نے

استاد پر پڑھا اور استاد نے تصدیق کی اس کے باوجود اس کے لئے ”تحذیث“ کا لفظ استعمال کیا۔
پھر آگے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آخر میں کہہ دیا کہ اے رسول اللہ! آپ ہمیں بتائیے کہ وہ کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ ”نخلة“ ہے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے کو تحدیث سے تعبیر فرمایا۔ یہاں شاگردوں کے بتانے کو بھی تحدیث سے تعبیر کیا ”حدثنی ماہی“ اور استاد کے بتانے کو بھی تحدیث سے تعبیر فرمایا ”حدثننا یا رسول اللہ“۔

اس سے معلوم ہوا کہ دونوں صورتوں میں ”حدثننا“ کا لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے۔ چاہے استاد نے پڑھا ہو یا شاگرد نے پڑھا ہو، تو اس سے امام بخاری رحمہ اللہ ان لوگوں کی تردید کرنا چاہتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ شاگرد اگر استاد پر پڑھے تو اس صورت میں ”حدثننا“ کا لفظ استعمال نہیں کر سکتا بلکہ اس کو ”أخبرنا“ ہی کہنا چاہئے۔

(۵) باب طرح الإمام المسألة علی أصحابه

لیختبر ما عندہم من العلم

امام کا اپنے ساتھیوں کے سامنے ان کے علم کے امتحان کے لئے سوال کرنا

۱۲۔ حدثنا خالد بن مخلد ، حدثنا سليمان ، حدثنا عبد الله بن دينار ، عن ابن عمر عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال : ((إن من الشجر شجرة لا يسقط ورقها ، وإنها مثل المسلم ، حدثنونی ماہی ؟)) قال : فوقع الناس فی شجر البوادی ، قال : فوقع فی نفسی أنها النخلة ، ثم قالوا : حدثنا ماہی یا رسول اللہ ؟ قال : ((ہی النخلة)) [راجع : ۶۱]

یہ وہی حدیث دوبارہ لائے ہیں لیکن ترجمۃ الباب مختلف ہو گیا ”باب طرح الامام المسئلة علی اصحابہ لیختبر ما عندہم العلم“ کہ امام کو کوئی سوال ڈالنا اپنے اصحاب پر تاکہ وہ جانچے کہ ان کے پاس کتنا علم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ استاد یا امام اپنے شاگردوں سے کوئی ایسا سوال کر سکتا ہے جس سے ان کے علم و فہم کا اندازہ کیا جائے جیسا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے ایک سوال پیش کیا یہ دیکھنے کے لئے کہ کون صحیح بتاتا ہے۔

یہاں ایک اشکال کا جواب دینا مقصود ہے وہ یہ کہ ابوداؤد کے اندر ایک حدیث آئی ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اغلوطات سے منع فرمایا۔ ۲۴

(اغلو طات کے معنی کسی سے ایسا سوال کرنا جس سے وہ پریشان ہو جائے اور غلطی میں مبتلا ہو جائے یا غلطی میں پڑنے کا اندیشہ ہو۔ اس وجہ سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ ایسا کوئی سوال کرنا درست نہیں جس سے لوگ پریشانی میں پڑ جائیں یا غلطی میں پڑنے کا اندیشہ ہو) تو امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو لا کر یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ اگر مقصود اپنے شاگردوں کے علم اور فہم کا امتحان لینا ہو تو سوال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اغلو طات سے ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ ایسا سوال کرنا جس کا کوئی خاص صحیح مقصد نہ ہو بلکہ محض دوسرے کو چکر میں ڈالنا مقصود ہو تو وہ اغلو طات ہے جس کی ممانعت کی گئی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے دل میں آیا تھا کہ وہ ”فخلۃ“ ہے اور اس کی وجہ بھی ایک دوسری روایت میں انہوں نے بیان کی ہے کہ میرے دل میں جو آیا تھا کہ وہ ”فخلۃ“ ہے وہ اس واسطے کہ جس وقت نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ سوال کیا تھا تو اس وقت نبی کریم ﷺ کے پاس جمار لایا گیا تھا ”جمار“ کھجور کے درخت کے تنے کے اوپر والا حصہ کھود کے اس میں جو گودا نکالا جاتا ہے اس گودے کو ”جمار“ کہتے ہیں کھجور ابا مبارک درخت ہے کہ اس کے ہر جز سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔

ایک طریقہ اس سے فائدہ اٹھانے کا یہ ہے کہ اس سے نیرو نکالا جاتا ہے (کھجور کے درخت کے اوپر کھود کے اس میں بانڈی باندھ دیتے ہیں جس کی وجہ سے اس کا بورس ہے ورنہ اس بانڈی میں آتا رہتا ہے اس رس کو نیرو کہتے ہیں) یہ بڑا ہی لذیذ ہوتا ہے۔ اس کو آفتاب نکلنے سے پہلے پہلے اگر آدنی پی لے تو ٹھیک ہے لیکن آفتاب نکلنے کے بعد اس میں نشہ آ جاتا ہے۔

دوسرا طریقہ کھجور کے درخت سے فائدہ اٹھانے کا یہ ہے کہ اس کا رس نکالا نہیں وہ رس اسی میں جم کر گودے کی شکل اختیار کر گیا تو وہ گودا جمار کہلاتا ہے اور وہ بڑا ہی لذیذ ہوتا ہے، یہاں چونکہ لوگوں کو کھجور سے فائدہ اٹھانے کا طریقہ آتا نہیں اس وجہ سے بس پھل ہی کھاتے ہیں لیکن اہل عرب کے ہاں یہ سب مشہور و معروف تھے۔

تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کئی شخص جمار لے کر آیا تھا اور وہ آپ کے پاس رکھا ہوا تھا اور اس سے ٹھوڑا سا آپ ﷺ نے تناول بھی فرمایا اور پھر سوال کیا کہ بتاؤ وہ کون سا درخت ہے جس کے پتے نہیں گرتے اور مسلمان کے مشابہ ہے۔ اس سے مجھے خیال ہوا کہ یہ ایک اشارہ دیا ہے نبی کریم ﷺ نے خود سوال کے اندر کہ اس کا جواب یہ ہونا چاہئے۔

اس سے فقہاء کرام اور حضرات محدثین نے استدلال کیا کہ جب کوئی استاد سوال کرے تو اچھا ہوگا کہ اس سوال کے اندر جواب کی طرف کوئی لطیف اشارہ بھی موجود ہو کہ اگر ذرا سا آدمی غور کرے تو اس اشارے سے جواب تک پہنچ جائے۔

(۶) باب ماجاء فی العلم

وقول الله تعالى: ﴿وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ [طہ: ۱۱۴]

القراءة و العرض علی المحدث ، و رأى الحسن ، و سفیان ، و مالک القراءة جائزة ، قال أبو عبد الله سمعت أبا عاصم يذكر عن سفیان الثوري و مالک الإمام أنهما كانا يريان القراءة و السماع جائزة ، حدثنا عبيد الله بن موسى عن سفیان إذا قرئ على المحدث فلا بأس أن يقول و سمعت . و احتج بعضهم في القراءة على العالم يحدث ضمام بن ثعلبة أنه قال للنبي ﷺ : الله أمرك أن تصلي الصلوات ؟ قال : ((نعم)) ، قال : فهذه قراءة على النبي ﷺ ، أخبر ضمام قومه بذلك فأجازوه . و احتج مالک بالصك يقرأ على القوم فيقولون : أشهدنا فلان ، و يقرأ ذلك قراءة عليهم ، و يقرأ على المقرئ فيقول القارئ : أقرأني فلان . حدثنا محمد بن سلام قال : حدثنا محمد بن الحسن الواسطي ، عن عوف ، عن الحسن قال : لا بأس بالقراءة على العالم . حدثنا عبيد الله و أخبرنا محمد بن يوسف القبري ، و حدثنا محمد بن إسماعيل البخاري قال : حدثنا عبيد الله بن موسى بن باذام عن سفیان قال : إذا قرئ على المحدث فلا بأس أن يقول : حدثني ، قال : و سمعت أبا عاصم يقول عن مالک و سفیان : القراءة على العالم و قراءة سواء .

”القراءة و العرض علی المحدث“ محدث کے اوپر قراءت کرنا اور اس کے اوپر عرض کرنا۔ جب شاگرد استاد کے اوپر پڑھے تو اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔

ایک صورت یہ ہے کہ کوئی کتاب وغیرہ اس کے سامنے نہیں ہے بلکہ اس کو اپنے شیخ کی حدیث کئی واسطوں سے ملی ہے اور اس نے وہ حدیث اپنی یاد سے استاد کو سنائی وہ اس صورت میں یہ کہتا ہے ”حدثکم فلان عن فلان عن فلان قال قال رسول الله ﷺ“۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جس میں استاد کی روایت کردہ احادیث کا کوئی صحیفہ شاگرد کے پاس موجود ہو جس کا طریقہ عام طور سے یہ ہوتا تھا کہ استاد جب حدیث سناتا تھا تو شاگرد لکھ لیتے تھے اور پھر اس سے نقلیں بناتے رہتے تھے ، چنانچہ نقلیں بنائیں اور باہر بھی کسی ایسے شخص کو دیدیں جو اس وقت مجلس کے اندر موجود نہیں تھا۔ اب وہ اس استاد کے پاس آتا ہے کہ یہ آپ کی روایت کردہ احادیث میرے پاس موجود ہیں میں چاہتا ہوں کہ آپ سے یہ روایتیں حاصل کر لوں تو وہ استاد کو صحیفہ دکھاتا ہے استاد اس کو الٹ پلٹ کر دیکھتا ہے یہ واقعی میری

حدیثیں ہیں کہ نہیں اور کہتا ہے کہ ٹھیک ہے پڑھ لو، تو اب شاگرد پڑھتا ہے اور استاد بعد میں اس کی تصدیق کرتا ہے اس کو عرض کہتے ہیں۔

قراءت پہلی صورت میں بھی ہے اور دوسری صورت میں بھی ہے لیکن پہلی صورت میں قراءت مجردہ ہے اور دوسری صورت میں قراءت مع العرض ہے تو معلوم ہوا کہ قراءت اعم ہے اور عرض خاص ہے۔ یہاں پر امام بخاری رحمہ اللہ دونوں چیزوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ دونوں طریقے درست ہیں، ایک تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ طریقہ جائز ہے اور دوسرا بتانا چاہتے ہیں کہ جب اس طریقے سے کسی نے حدیث اپنے شیخ سے حاصل کی ہو تو وہ ”حدثنا“ کا لفظ استعمال کر سکتا ہے۔

”ورأى الحسن وسفيان الثوري ومالك القراء ة جائزة“.

حسن بصری، سفیان ثوری اور امام مالک رحمہم اللہ یہ سب کے سب قراءت کو جائز کہتے تھے۔ اس سے بعض تشدد دین کی تردید کر دی جو اس صورت کو درست نہیں کہتے اور اس صورت میں ”حدثنا“ کا لفظ بھی استعمال کرنا درست نہیں مانتے بلکہ کہتے ہیں کہ ”تحديث“ اسی وقت ہوگی جبکہ استاد سنائے اور شاگرد سنے۔

امام مالک رحمہ اللہ اس کو جائز کہتے تھے اور یہ طریقہ بنایا ہوا تھا کہ وہ ہمیشہ قراءت کے طریقے سے لوگوں تک حدیثیں پہنچاتے تھے خود کبھی نہیں پڑھتے تھے۔ اپنا صحیفہ شاگرد کو دیا ہوا تھا کہ وہ پڑھے اور اس کی یہ وجہ بیان فرماتے تھے کہ اس میں شاگرد کی توجہ زیادہ ہوتی ہے نسبت اس کے کہ استاد پڑھ رہا ہے۔ جیسے ہم کر رہے ہیں کہ دو گھنٹے تک تمہارے سامنے تقریر کی کوئی سورت ہے، کوئی اوکھ رہا ہے، کسی کا دماغ حاضر ہے، کسی کا نہیں لیکن اگر آپ سے کہا جائے کہ تقریر کرو تو دماغ حاضر ہوگا۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قراءت اور عرض کے طریقے سے شاگرد زیادہ متوجہ ہوتا ہے، اور اس کی توجہ زیادہ مرکوز ہوتی ہے نسبت تحذیث کے طریقے کے، اس لئے امام مالک رحمہم اللہ اس (قراءت اور عرض) کو اختیار کرتے تھے صرف امام محمد بن حسن الشیبانی رحمہم اللہ ہیں جن کے ساتھ انہوں نے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا بلکہ ان کو خود حدیثیں سنائیں اور سارے شاگردوں میں صرف امام محمد بن حسن رحمہم اللہ ہیں جن کے ساتھ آپ نے یہ معاملہ فرمایا باقی سب کے ساتھ قراءت فرماتے تھے۔

”وأحتج بعضهم فى القراء ة على العالم يحدث ضمام بن ثعلبة“.

بعض لوگوں نے عالم کے اوپر قراءت کرنے کے طریقے کو درست قرار دینے کے لئے حضرت ضمام بن ثعلبہ ؓ کی حدیث سے استدلال کیا ہے جو آگے آرہی ہے کہ وہ پوچھتے رہے اور رسول اللہ ﷺ تصدیق فرماتے رہے۔

یہاں بین السطور ”أحتج بعضهم“ کے نیچے ”الشيخ الحميدى“ لکھا ہے کہ ”بعضهم“ سے مراد امام بخاری رحمہم اللہ کے شیخ امام حمیدی رحمہم اللہ ہیں اور بہت سے شراح نے یہی معنی مراد لئے ہیں، اس

واسطے حمیدی رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے وہ ایسا کہتے ہیں، لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے شروع میں مقدمہ فتح الباری میں یہی لکھ دیا تھا کہ اس سے مراد حمیدی رحمہ اللہ ہیں، لیکن بعد میں پتہ لگا کہ یہ بات درست نہیں اور اصل میں یہاں ”بعضہم“ سے مراد ابوسعید الحداد ۲۵ ہیں انہوں نے ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال فرمایا کہ:

”أنه قال للنبي ﷺ: الله أمرك أن تصلي الصلوات قال نعم“

کیا اللہ ﷻ نے حکم دیا ہے کہ ہم نماز پڑھیں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہاں۔

فقال: فهذه قراءة على النبي ﷺ أخبر ضمام قومه بذلك فأجازوه“

تو اس نے قراءت کی نبی کریم ﷺ پر، پھر حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے جا کر اپنی قوم کو یہ سب کچھ بتایا کہ میں نے رسول کریم ﷺ کو اس طرح سنایا۔ گویا حضور اکرم ﷺ کو حدیث سنائی۔

”فأجازوه“ انہوں نے ان کی بات کو قبول کیا تو یہاں صرف یہ نہیں کہ قراءت ہوئی بلکہ قراءت کے نتیجے میں اس نے جا کر حدیث کہہ کر بتایا ہوگا اور ان کی قوم نے اس کی بات کو قبول کیا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ طریقہ جائز ہے۔

”صک“ اس تحریر کو کہتے ہیں جو کسی دین یا کسی اور مالی معاملے کے وثیقہ کے طور پر لکھی جاتی ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص سے قرض لیا اب مقروض کوئی تحریر لکھ کر دیتا ہے کہ میں نے اس سے اتنے روپے قرض لیا ہے اور فلاں تاریخ کو اس کی ادائیگی کروں گا۔ یہ تحریر ”صک“ کہلاتی ہے۔

اس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ جب مقروض نے ”صک“ لکھ دیا تو اب اس ”صک“ کو پڑھ کر لوگوں کے سامنے سناتے تھے کہ دیکھو بھائی اس نے یہ لکھا ہے، اب ہم آپ لوگوں کو پڑھ کر سنارہے ہیں آپ گواہ رہنا کہ اس شخص نے یہ ”صک“ لکھ کر دیا ہے۔ تو وہاں پڑھنے والا دوسرے کے ”صک“ کو پڑھتا تھا اور لکھنے والا خاموش بیٹھا ہے زیادہ سے زیادہ سر ہلا دے گا یا کہہ دے گا کہ ہاں میں نے لکھا ہے، لیکن پوری عبارت اس نے نہیں پڑھی بلکہ عبارت تو پڑھنے والے نے پڑھی اور دوسرے لوگوں کو گواہ بنایا اب جو گواہ بنے ہیں وہ اس بات کی گواہی دیں گے کہ ہمیں فلاں شخص نے اس فرضہ کا گواہ بنایا تھا۔

”و احتج مالک بالصک بقراء على القوم فيقولون أشهدنا فلان، و يقرأ

ذلك قراءة عليهم“

۵۰ قولہ: واحتج بعضهم: المحتج بذلك هو الحمیدی شیخ البخاری قالہ فی کتاب النوادر لہ، کذا قال بعض من ادركته رتبته في المقدمة، ثم ظهر لي خلافه، وأن قال ذلك أبو سعيد الحداد، أخرجه البيهقي في المعرفة من طريق ابن حزمه قال الخ. فتح الباری ج: ۱، ص: ۱۴۹۔

امام مالک رحمہ اللہ نے ”صک“ سے استدلال کیا کہ یہاں لکھنے والے نے ”صک“ نہیں پڑھا اس کے باوجود ”صک“ کی نسبت اس کی طرف کی جارہی ہے اور جو لوگ گواہ بنے ہیں وہ ”صک“ کے مجموعے کے گواہ بنے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ قراءت کے ذریعے بھی وہ فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے جو تحدیث سے حاصل ہوتا تو یہاں امام مالک رحمہ اللہ نے اس ”صک“ سے استدلال کیا جو لوگوں کے اوپر پڑھا جائے، پھر وہ کہتے ہیں ”أشهدنا فلان“ کہ فلاں نے ہمیں گواہ بنایا۔

”ویمقرأ علی المقرئ“ مقرر قرآن پڑھانے والے معلم کو کہا جاتا ہے۔ تو امام مالک رحمہ اللہ نے استدلال فرمایا کہ شاگرد قرآن پڑھانے والے پر پڑھتا ہے، مکتبوں میں شاگرد استاد کے سامنے قرآن شریف پڑھتا ہے اور استاد اس کی غلطی ٹھیک کرتا ہے لیکن پڑھتا شاگرد ہی ہے تو سارا قرآن اس نے اس طرح پڑھا اس کے بعد کہتا ہے کہ ”أقرأنی فلان“ حالانکہ فلاں بیچارے نے پڑھایا نہیں یعنی قرآن کی عبارت اس نے نہیں پڑھی، تلاوت اس نے نہیں کی تلاوت تو شاگرد نے کی۔ لیکن اس کے باوجود کہہ دیا ”أقرأنی فلان“۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب سارا قرآن قراءت کے طریقے پر حاصل ہوا تو تحدیث بطریق اولیٰ حاصل ہو سکتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب میں اس طرح قرآن استاد سے پڑھ سکتا ہوں کہ میں خود پڑھوں اور اس کی طرف نسبت کروں تو قرآن جو ”أجل قدرا واعظم منزلة“ ہے جب اس کا یہ حال ہے تو حدیث کی نسبت کرنا اس طرح بطریق اولیٰ ہوگا۔

یہی مطلب ہے ”ویمقرأ علی المقرئ فیقول القاری أقرأنی فلان“۔

پیچھے کہا تھا حسن بھری، سفیان ثوری اور امام مالک رحمہم اللہ نے قراءت کو جائز کہا ہے اس بات کو سند سے روایت کر رہے ہیں کہتے ہیں:

”حدثنا محمد بن الحسن الواسطي، عن عوف، عن الحسن قال: لا بأس بالقراءة علی العالم. وحدثنا عبيد الله وأخبرنا محمد بن يوسف الفربري، حدثنا محمد بن إسماعيل البخاري قال: حدثنا عبيد الله بن موسى بن باذام عن سفیان“۔

یہ تینوں قول سند کے ساتھ نقل کر دیئے اور یہ تینوں ترجمۃ الباب کا حصہ ہیں، لہذا جو بڑے الفاظ میں ”حدثنا“ لکھا ہوا ہے یہ غلط ہے۔ یہاں ”حدثنا“ باریک ہونا چاہئے تھا، کیونکہ یہ ترجمۃ الباب کا حصہ ہے اور حدیث آگے موصول آ رہی ہے، کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ اگر تبع تابعین کے اقوال نقل کریں تو وہ ترجمۃ الباب میں کرتے ہیں اور جو اصل میں یہاں مسنداً اور موصولاً لاتے ہیں وہ نبی کریم ﷺ کی مرفوع حدیث ہوتی ہے یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار موقوفہ ہوتے ہیں۔

۶۳۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال: حدثنا الليث عن سعيد المقبري، عن شريك

بن عبد اللہ بن ابی نمر، اُنہ سمع انس بن مالک یقول : بينما نحن جلوس مع النبی ﷺ فی المسجد دخل رجل علی جمل فاناخه فی المسجد ثم عقله ، ثم قال لهم : أیکم محمد؟ والنبی ﷺ متکئ بین ظهرا نیهم ، فقلنا : هذا الرجل الأبیض المتکئ ، فقال له الرجل : ابن عبد المطلب ، فقال له النبی ﷺ : ((قد أجبتک)) ، فقال الرجل للنبی ﷺ : إنی سألک فمشدد علیک فی المسألة فلا تجد علی فی نفسک ، فقال : ((سل عما بدا لک)) ، فقال : أسألک بربک ورب من قبلک ، آله أرسلك إلی الناس کلهم؟ فقال : ((اللهم نعم)) ، قال أنشدک باللہ ، آله أمرک أن تصلی الصلوات الخمس فی الیوم واللیلة؟ قال : اللهم نعم ، قال : أنشدک باللہ ، آله أمرک أن تصوم هذا الشهر من السنة؟ قال : ((اللهم نعم)) . قال : أنشدک باللہ ، آله أمرک أن تأخذ هذه الصدقة من أغنیائنا فتقسمها علی فقرائنا؟ فقال النبی ﷺ : ((اللهم نعم)) ، فقال الرجل : آمنت بما جئت به ، وأنا رسول من ورائی من قومی وأناضمان بن ثعلبة أخو بنی سعد بن بکر . رواه موسى وعلی بن عبد الحمید عن سلیمان ، عن ثابت عن انس عن النبی ﷺ بهذا . ۲۶

حدیث کی تشریح

یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے فرماتے ہیں کہ:

”بينما نحن جلوس مع النبي ﷺ في المسجد“

اس دوران کہ ہم مسجد نبوی میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔

”دخل رجل علي جمل“ ایک شخص اونٹ پر سوار داخل ہوا۔ ”فاناخه في المسجد“ اس نے

اونٹ مسجد کے اندر بٹھا دیا۔ ”ثم عقله“ پھر اس کو باندھ دیا، ”عقل يعقل“ کے متنی باندھنے کے ہوتے ہیں

کہ اس کو مسجد میں بٹھایا اور پھر باندھ دیا۔

”بول مایو کل لحمہ“ کے ظاہر ہونے پر مالکیہ کا استدلال

اس لفظ سے بعض مالکیہ نے ”بول مایو کل لحمہ“ کے ظاہر ہونے پر استدلال کیا ہے، ۲۷ اس

۲۷۔ وفي سنن النسائي، كتاب الصيام، باب وجوب الصيام، رقم ۲۰۶۳، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب

من جاء في المشرك يدخل المسجد، رقم ۳۱۰، وسنن ابن ماجه، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في

فرض الصلوات الخمس والمحافظة عليها، رقم ۱۳۹۲، وفي مسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند انس

بن مالک، رقم ۱۲۰۰۲، ۱۲۲۵۸، ۱۲۵۳۱.

۲۸۔ وقال مالك لا أرى بأسا بأبول مایو کل لحمه الخ المدونة الكبرى ج: ۱، ص: ۲۱، ۵.

طرح کہ حدیث میں ہے اس نے اونٹ لا کر مسجد میں بٹھادیا، اب وہ کہتے ہیں کہ جب اونٹ کو مسجد میں بٹھایا جائے گا تو وہ اپنی حاجتیں بھی وہیں پوری کرے گا، اگر اس کا بول و برازا ناپاک ہوتا تو نبی کریم ﷺ اس کو مسجد میں بٹھانے کی اجازت نہ دیتے۔

استدلال کا جواب

یہ استدلال اس لئے درست نہیں ہے کہ دوسری روایات ۲۸ سے اس کی صراحت معلوم ہوتی ہے کہ ”اناخہ فی المسجد“ سے مسجد کا وہ حصہ مراد نہیں جس میں نماز پڑھی جاتی ہے بلکہ مسجد کا مطلب ہے مسجد کے قریب، چنانچہ بعض روایات میں ”عند بعض المسجد“ آیا ہے اور بعض روایات میں آیا ہے ”اناخہ و عقلہ ثم دخل المسجد“ کہ اس نے اونٹ کو بٹھایا، باندھا اور پھر مسجد میں داخل ہوا۔

لہذا روایات کے مجموعہ سے جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مسجد کے اندر نہیں بٹھایا تھا بلکہ مسجد کے باہر مسجد کے قریب دروازے کے پاس بٹھایا تھا، اور ویسے بھی ہر انسان یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ طہارت اور نجاست کی بحث سے قطع نظر کوئی بھی شخص یہ بات گوارا نہیں کرے گا کہ ”بول مایؤ کل لحمہ“ یا ”روث مایؤ کل لحمہ“ اگرچہ پاک ہو، اسے مسجد میں ڈالا جائے، یہ کوئی بھی شخص گوارا نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ مسجد کے اندر صرف طہارت کا مسئلہ نہیں ہوتا، بلکہ نظافت کا مسئلہ بھی ہوتا ہے، آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیسے اس کو گوارہ فرما سکتے تھے، لہذا اس طرح بھی یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مسجد کے اندر نہیں بٹھایا بلکہ مسجد کے باہر بٹھایا۔

”ثم قال لهم ایکم محمد؟“ پھر آنے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا کہ تم میں سے محمد کون ہے؟

”والنبی ﷺ متکئی بین ظہر انہم“ اور نبی کریم ﷺ ان کے درمیان تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔

”بین ظہر انہم“ یہ خلاف قیاس محاورہ ہے ”ظہر“ اصل میں پشت کو کہتے ہیں اور ”ظہران“ اس کا تشبیہ ہے، پھر تشبیہ کا بھی تشبیہ کیا ”ظہر انہم“ تو یہ قاعدہ کے خلاف ہے لیکن یہ خلاف قیاس محاورہ ہوتا ہے، اس کا معنی ہے ”بینہم“ یعنی ان کے درمیان۔

۲۸ قولہ ”فاناخہ فی المسجد“ وعند البخاری من طریق آخر فاناخہ قریباً من المسجد وهكذا حکى الحافظ رحمه الله تعالى عن مسند احمد رحمه الله انه اناخہ خارج المسجد فلا حجة فيه للمالكية على طهارة اذبال ماكول اللحم وأبواله . فیض الباری ج : ۱، ص : ۱۶۵ .

”فاناخہ فی المسجد“ فیہ حذف ، والتقدير ، فاناخہ فی رحبة المسجد ، ونحوها . وانما قلنا هكذا لتفق هذه الرواية بالروایات الآخري ، فان فی رواية أبي نعیم : أقبل علی بعیر له حتی أتى المسجد فاناخہ ثم عقله ، فدخل المسجد . وفي رواية احمد والحاكم عن ابن عباس ، رضى الله عنهما ، ولفظهما : ”فاناخ بعيره علی باب المسجد فعقله ثم دخل“ . عمدة القاری ج : ۲، ص : ۳۰ .

”فلنلا: هذا الرجل الأبيض المتكى“.

جب اس نے پوچھا کہ محمد (ﷺ) کون ہیں؟ تو ہم نے کہا کہ یہ صاحب جو گورے رنگ کے ہیں اور ٹیک لگائے بیٹھے ہیں یہ جناب نبی کریم (ﷺ) ہیں۔

فقال له الرجل: اس شخص نے کہا اے ابن عبدالمطلب!

فقال له النبي ﷺ ”قد أجبتك“ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارا جواب دے رہا ہوں۔

بعض نے کہا کہ ”قد أجبتك“ نعم کے معنی میں ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو پکارے تو جواب میں کہا جاتا ہے ”نعم“ چونکہ ”نعم، أجبتك“ ہی کا اختصار ہے، اس لئے آپ ﷺ نے ”نعم“ کے بجائے پورا کلمہ ”أجبتك“ فرمادیا کہ ہاں، میں تمہاری بات سن رہا ہوں۔

بعض نے کہا ”أجبتك“ یہ صحابہ کرام ﷺ کے قول کی طرف اشارہ ہے کہ میں نے تمہیں جواب دیا یعنی صحابہ کرام ﷺ نے تمہیں بتادیا کہ میں یہاں پر ہوں، اب باقاعدہ یا ابن عبدالمطلب کہہ کر مجھے خطاب کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

فقال الرجل للنبي ﷺ: اس شخص نے حضور اقدس ﷺ سے کہا: ”انی سائلک فمشدد عليك في المسألة“ کہ میں آپ سے کچھ سوال کروں گا اور سختی کروں گا یعنی سوال کا لب و لہجہ ذرا سخت ہوگا ”فلا نجد علی فی نفسک“ لہذا آپ اپنے دل میں مجھ پر ناراض نہ ہو جائیے گا۔

”لا نجد“ یہ ”وجد يجد موجدة“ سے آیا ہے، غصہ کرنے کے معنی ہیں ”أی لا تغضب علی“ مجھ پر غصہ نہ کیجئے گا۔

فقال: ”سل عما بدالك“ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو کچھ تمہارے دل میں ہے پوچھ لو، ڈرو نہیں۔ ”بداله“ کے معنی ہیں ظاہر ہو گیا۔

فقال: ”أسألك بربك ورب من قبلك“ اس شخص نے آپ سے کہا آپ کے اور آپ سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں ان کے پروردگار کے واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ کیا اللہ ﷻ نے آپ کو تمام انسانوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟

”فقال:“ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہاں ”فقال: أنشدك بالله الله أمرک أن تصلی الصلوات الخمس فی الیوم واللیلۃ؟“ میں آپ کو اللہ ﷻ کی قسم دیتا ہوں کہ کیا اللہ ﷻ نے آپ کو دن رات میں پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں۔

”قال: أنشدک باللہ فتقسمها علی فقرائنا؟“.

کیا اللہ ﷻ نے حکم دیا ہے کہ آپ ہمارے مالداروں سے صدقہ لیں اور اس کو ہمارے فقراء کے

درمیان تقسیم کریں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہاں۔

”قال الرجل..... من وزائی من قومی“ اس شخص نے کہا میں ایمان لایا ہوں اس پر جو آپ لے کر آئے ہیں اور میں اپنی قوم کے ان لوگوں کو بھیجا ہوا ہوں جو میرے پیچھے رہ گئے ہیں۔
 ”وانا ضمام بن ثعلبة اخو بنی سعد بن بکر“
 میں ضمام بن ثعلبہ ہوں اور بنو سعد بن بکر کا ایک فرد ہوں۔

ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ اور قبول اسلام

”ضمام“ یہ [بکسر الضاد و بفتح الميم] ہے اور جیسا کہ خود انہوں نے یہاں کہا ہے کہ یہ بنو سعد کے فرد تھے اور بنو سعد وہی قبیلہ ہے جس میں نبی کریم ﷺ کی پرورش ہوئی اور حلیمہ سعدیہ بھی اسی قبیلہ کی تھیں۔
 اس میں کلام ہوا ہے کہ آیا یہ آنے سے پہلے ایمان لا چکے تھے یا اس موقع پر لائے؟
 بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ پہلے یہ مسلمان نہیں تھے محض نبی کریم ﷺ کے بارے میں خبریں سن کر مکہ مکرمہ آئے تھے تاکہ معلومات کریں، جب نبی کریم ﷺ سے معلومات حاصل کر لیں تو پھر ایمان لائے۔ اس کی دو دلیلیں پیش کی جاتی ہیں۔

دلائل

ایک یہ کہ انہوں نے جب سن لیا تو اس کے بعد کہا ”آمنت بما جئت به“ کہ میں ایمان لایا۔
 دوسری دلیل یہ ہے کہ مسلمان نبی کریم ﷺ کا نام نہیں لیا کرتے تھے بلکہ ”رسول اللہ“ کہہ کر ذکر کرتے تھے، اور یہودی ابوالقاسم کہہ کر پکارا کرتے تھے، سوائے کافروں کے کوئی بھی نام لے کر نہیں پکارتا تھا اور انہوں نے آ کر نام لیا اور جب خطاب کیا تو یا رسول اللہ کہہ کر نہیں بلکہ یا ابن عبدالمطلب کہہ کر کیا، اس سے بعض حضرات نے یہ سمجھا کہ یہ پہلے ایمان نہیں لائے تھے۔ ۲۹

محققین علماء کے اقوال

محققین کا کہنا یہ ہے کہ یہ پہلے ایمان لا چکے تھے، بنو بکر میں نبی کریم ﷺ کے جو ایچی گئے تھے انہوں نے ان کے سامنے نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کا اجمالی طور پر ذکر کر دیا تھا، لہذا وہ اجمالی طور پر مؤمن ہو گئے تھے البتہ تفصیلات معلوم کرنے کے لئے اور حضور ﷺ کے ایچی نے جو باتیں کی تھیں ان کی قوم نے ان کی تصدیق کے لئے

انہیں بھیجا تھا جس کی دلیل یہ ہے کہ یہ کہہ رہے ہیں ”اَنَا رَسُولٌ مِنْ وَرَائِي مِنْ قَوْمِي“ میں اپنے پیچھے جو قوم چھوڑ کر آیا ہوں ان کا فرستادہ ہوں اور لوگ اسی وقت معلومات حاصل کرنے کے لئے بھیجتے تھے جب وہ ایمان لے آتے تھے کہ بھائی جا کر تعلیمات کے سلسلے میں معلومات حاصل کر کے آؤ۔

دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ ”أَنْ تَأْخُذَ هَذِهِ الصَّدَقَةُ مِنْ أَغْنِيَا ثَنَا الْخ“ کہ ہمارے اغنیاء سے وصول کریں اور ہمارے فقراء پر خرچ کریں تو ہمارے سے مراد مسلمان ہیں، معلوم ہوا کہ مسلمان تھے، زکوٰۃ نہ کافروں سے لی جاتی ہے اور نہ کافروں کو دی جاتی ہے، اس لئے ”اغنیاء ثنا“ اور ”فقراء ثنا“ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ اس سے خود مسلمان مراد ہیں اور یہ مسلمان ہو چکے تھے۔

دلائل کا جواب

رہی یہ بات کہ انہوں نے کہا ”آمَنْتَ بِمَا جِئْتُ بِهِ“ تو یہاں یہ کلمات انشاء ایمان کے لئے نہیں ہیں بلکہ اخبار بالا ایمان کے لئے ہیں کہ میں آپ کی تعلیمات پر ایمان لا چکا ہوں۔

البتہ یہ بات کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی لے کر خطاب کیا تو ظاہر ہے بالکل ابتداء مسلمان ہوئے تھے، دیہات کے رہنے والے تھے، ابھی تک آداب سے پوری طرح واقف نہیں تھے، اس واسطے اگر آداب کا لحاظ نہ رکھا اور میں حتیٰ کروں گا وغیرہ الفاظ استعمال کئے تو ایک نو مسلم جو ایمان لا چکا ہو اور ابھی تک تعلیمات سے پوری طرح واقف نہ ہو اس سے یہ بعید نہیں، لہذا بظاہر یہ پہلے ایمان لا چکے تھے۔ ۳۰

فرضیت حج اور واقعہ ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ

اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ حج کی فرضیت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کے واقعے سے پہلے ہوئی تھی یا ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی آمد کے بعد حج کی فرضیت نازل ہوئی تھی۔

علامہ ابن التین رحمہ اللہ کی رائے

اس روایت میں حج کا ذکر نہیں ہے جس کی وجہ سے علامہ ابن التین رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ آئے تھے اس وقت تک حج فرض نہیں ہوا تھا۔

لیکن یہ بات بالکل غلط ہے، اس لئے کہ اس واقعہ کی جو اگلی روایت آرہی ہے اس میں حج کا ذکر موجود ہے، لہذا یہ کہنا کہ اس وقت تک حج فرض نہیں ہوا تھا، درست نہیں ہے۔

تاریخی اعتبار سے بھی یہ بات درست نہیں کیونکہ علامہ ابن التین رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ اس وقت حج فرض

نہیں ہوا تھا یہ واقعی کے قول پر مبنی ہے، اور واقعی کا کہنا یہ ہے کہ ضمام بن ثعلبہ ؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ۵ھ میں آئے تھے اور ۵ھ میں حج فرض نہیں ہوا تھا، تو علامہ ابن التینؒ نے واقعی کے قول پر اعتماد کر کے کہہ دیا کہ اس وقت تک حج فرض نہیں ہوا تھا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے اور دلائل

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے متعدد دلائل دیئے ہیں کہ یہ واقعہ ۵ھ کا نہیں بلکہ ضمام بن ثعلبہ ؓ ۹ھ میں آئے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے پہلی دلیل یہ دی ہے کہ اس میں صریح اور صاف موجود ہے، اگلی روایت میں آرہا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی شخص کو ان کے قبیلہ میں دعوت اسلام کے لئے بھیجا تھا، اس لئے انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ کے بھیجے ہوئے آدمی نے ہمیں یہ بتایا تھا، وہ سچ بتایا تھا یا نہیں؟

اگلی روایت میں اس کی تفصیل آرہی ہے، تو حضور اقدس ﷺ نے سارے جزیرہ عرب میں جو لوگ دعوت دینے کے لئے روانہ فرمائے تھے وہ حدیبیہ کے بعد شروع کئے تھے اور اس کی تکمیل فتح مکہ کے بعد ہوئی اور فتح مکہ ۸ھ میں ہوا، یقیناً یہ واقعہ ۸ھ کے بعد کا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ایک روایت میں آیا کہ میں بنو سعد کا ایک فرد ہوں اور دوسری روایت میں اس واقعہ کی تفصیل ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جا کر کہا کہ بنو سعد بن بکر کے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے ہیں انہوں نے ان کو بھیجا ہے اس لئے کہہ رہے ہیں کہ میں اس کا رسول بن کر آیا ہوں، اور بنو سعد غزوہ حنین کے بعد مسلمان ہوئے ہیں اور غزوہ حنین ۸ھ کے بالکل آخر میں ہوا تھا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اگلی روایت میں آپ پڑھیں گے کہ حضرت انس ؓ فرماتے ہیں جب قرآن کریم میں آیت نازل ہو گئی تھی:

﴿لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءٍ أَنْ تَبَدَّلَ لَكُمْ تَسْؤُكُمْ﴾

جس میں زیادہ سوال کرنے کی ممانعت ہے تو لوگ حضور اقدس ﷺ سے کوئی بات پوچھتے ہوئے ڈرتے تھے کہ کہیں اس ممانعت کے اندر نہ داخل ہو جائیں، اس واسطے ہم اس انتظار میں رہتے تھے کہ کوئی سمجھدار قسم کا اعرابی آئے اور وہ حضور اقدس ﷺ سے سوال کرے تاکہ ہمیں بھی اس سوال کے نتیجے میں علم حاصل ہو جائے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ واقعہ اس آیت ﴿لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءٍ﴾ کے نزول کے بعد کا ہے، یہ سورہ مائدہ کی آیت ہے، اور سورہ مائدہ قرآن کی سورتوں میں سب سے آخر میں نازل ہوئی۔

اس واسطے یہ آخر زمانہ کی بات ہے، اول زمانہ کی نہیں ہو سکتی، یہ تمام باتیں اس پر دلالت کرتی ہیں۔

نیز اس میں ایک بات یہ بھی ہے کہ یہی واقعہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی ہے، عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ ”دخل علينا ضمام بن ثعلبة“ ضمام بن ثعلبة ؓ ہم پر آ کر داخل ہوئے، اس کے معنی یہ ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ بھی اس وقت موجود تھے جبکہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ بھی ۸ھ کے بعد اسلام لائے اور مکہ مکرمہ سے اپنے والد کے ساتھ مدینہ طیبہ آئے ہیں، تو یقیناً یہ واقعہ ۸ھ کے بعد کا ہے۔ لہذا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ضمام بن ثعلبة ؓ کی آمد ۹ھ میں ہوئی ہے۔ ۳۱

مقصد بخاری رحمہ اللہ

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو یہ بتانے کے لئے لائے ہیں کہ عالم کے اوپر قراءت اور عرض جائز ہے کیونکہ یہاں ضمام بن ثعلبة ؓ پوچھنے چلے گئے کہ کیا اللہ جل جلالہ نے آپ کو یہ حکم دیا ہے؟ آپ ؓ نے فرمایا ہاں، اس سے معلوم ہوا کہ قراءت علی العالم جائز ہے۔

آگے امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”رواہ موسیٰ وعلی بن عبد الحمید عن سلیمان عن ثابت عن أنس عن النبی ﷺ بهذا“ کہ یہی روایت علی بن عبد الحمید نے سلیمان بن مغیرہ سے بھی روایت کی ہے اور وہ اسے حضرت ثابت سے اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

اگلی حدیث اسی سند سے آرہی ہے لیکن وہ حدیث بخاری کے اکثر نسخوں میں نہیں ہے، صرف فربری کے نسخہ میں ہے جو اس وقت ہمارے سامنے ہے۔

”حدثنا موسیٰ بن إسماعیل حدثنا سلیمان بن المغيرة حدثنا ثابت عن أنس و

ساق الحديث بتمامه“.

یہ بھی دوسری روایت میں وہی واقعہ ہے، اس میں جو یہ لفظ ہے کہ ”انک تزعم ان اللہ عزوجل“ اس سے بھی بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ اب تک یہ ایمان نہیں لائے تھے کیونکہ یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ گمان کرتے ہیں یا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن یہ کوئی ضروری نہیں ہے زعم بیشک دعویٰ کرنے کے معنی میں آتا ہے لیکن اس میں غلط ہونا ضروری نہیں ہے کوئی بھی دعویٰ ہو اس کو زعم سے تعبیر کر دینے ہیں، تو اس سے یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا اور آپ نے دیکھا کہ اس روایت کے آخر میں حج کا ذکر موجود ہے آخر میں یہ کہا کہ ”لا أزيد، عليهن شيئا ولا انقض“ اسی وجہ سے بعض لوگوں نے حدیث جو گزری ہے اس میں کہا کہ وہ ضمام بن ثعلبة ؓ کا واقعہ ہے کیونکہ وہاں پر بھی اس نے یہ کہا تھا کہ ”لا أزيد على هذا الخ“.

لیکن صرف اتنی مشابہت کی وجہ سے دونوں کو ایک واقعہ قرار دینا درست نہیں، دونوں کے سیاق میں بہت فرق

ہے لہذا زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ الگ واقعہ ہے اور یہ ضام بن ثعلبہ ؓ کا الگ واقعہ ہے۔

(۷) باب ما یدکر فی المناولۃ و کتاب اہل العلم

بِالْعِلْمِ إِلَى الْبِلْدَانِ،

مناولہ کا بیان اور اہل علم کا علم کی باتیں لکھ کر شہروں میں بھیجنا

”وقال أنس : نسخ عثمان المصاحف فبعث بها إلى الآفاق، ورأى عبد الله بن عمر ويحيى بن سعيد ومالك ذلك جائزاً، واحتج بعض أهل الحجاز في المناولة بحديث النبي ﷺ حيث كتب لأمير السرية كتاباً وقال : لا تقراه حتى تبلغ مكان كذا وكذا، فلما بلغ ذلك المكان قرأه على الناس وأخبرهم بأمر النبي ﷺ“.

یہ باب ان باتوں کے بارے میں ہے جو مناولہ کے بارے میں کہی جاتی ہیں اور اہل علم اگر علم کی کوئی بات لکھ کر شہروں کی طرف بھیجیں تو ان کے بارے میں یہ باب قائم کیا ہے۔ ”پچھلے تین ابواب امام بخاری رحمہ اللہ نے تخریث کے مختلف طریقوں کے بیان میں قائم کئے ہیں۔

سب سے پہلا باب آیا تھا ”باب قول المحدث حدثنا و أخبرنا و أنبأنا“ جس میں حدیث روایت کرنے کے تین طریقے بیان کئے تھے کہ محدث بعض اوقات ”حدثنا“ کہتا ہے، کبھی ”أخبرنا“ اور کبھی ”أنبأنا“ کہتا ہے۔

پھر آگے یہ بھی بتایا تھا کہ قراءت اور عرض دونوں طریقے جائز ہیں اور ان صورتوں میں بھی سننے والا یا شاکر ”حدثنا“ یا ”أخبرنا“ کہہ سکتا ہے۔

بیچ میں جملہ معترضہ کے طور پر باب آگیا تھا ”باب طرح امام المسئلة الخ“ کیونکہ نخلہ والا واقعہ آیا تھا اور اس سے ایک نیا مسئلہ مستنبط ہو رہا تھا جو علم سے متعلق تھا وہ یہاں پر ذکر کر دیا، اب اس کے بعد مناولہ اور مکاتیبہ کے ذکر کے لئے یہ باب قائم کیا۔

مناولہ کی تعریف

مناولہ کے معنی عطا کرنے کے ہوتے ہیں کہ کوئی شیخ اپنی روایت کردہ احادیث کا کوئی مجموعہ اپنے شاگرد کو دے کہ یہ میری حدیثیں ہیں جو میں نے روایت کی ہیں، اور یہ مجموعہ میں تمہیں دے رہا ہوں، تو شیخ اپنا مجموعہ مرویات اپنے شاگرد کو عطا کرتا ہے، اس کو مناولہ کہتے ہیں۔

مکاتبہ کی تعریف

شیخ ایک جگہ ہوا اور شاگرد دوسری جگہ، شیخ خط کے ذریعے لکھ کر روانہ کر دے کہ فلاں حدیث فلاں سند سے روایت کرتا ہوں، اس کو مکاتبہ کہتے ہیں۔
یہ دونوں (مناولہ ہوں یا مکاتبہ) بعض اوقات مقرون بالا جازۃ ہوتے ہیں اور بعض اوقات مقرون بالا جازۃ نہیں ہوتے۔

مناولہ مقرون بالا جازۃ

مناولہ مقرون بالا جازۃ کے معنی یہ ہیں کہ استاد نے شاگرد کو اپنا مجموعہ مرویات دیا اور دینے کے ساتھ یہ بھی کہا کہ یہ میری روایتیں ہیں اور میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ تم یہ حدیثیں میری طرف سے، میرے حوالے سے روایت کر سکتے ہو، یہ مناولہ مقرون بالا جازۃ ہے۔

مناولہ غیر مقرون بالا جازۃ

مناولہ غیر مقرون بالا جازۃ یہ ہے کہ کتاب تو دیدی اور یہ کہا کہ یہ میری حدیثیں ہیں لیکن ساتھ یہ نہیں کہا کہ تمہیں ان کی روایت کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔
یہی صورت مکاتبہ میں بھی ہوتی ہے کہ لکھ کر بھیجا اور ساتھ اجازت بھی لکھ دی کہ میں حدیث لکھ رہا ہوں اور اپنی طرف سے تمہیں اس حدیث کی روایت کی اجازت بھی دیتا ہوں، یہ مکاتبہ مقرون بالا جازۃ ہو گیا۔
بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ محض لکھ کر بھیج دیا اور ساتھ یہ نہیں کہا کہ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں، یہ مکاتبہ غیر مقرون بالا جازۃ ہو گیا۔

حکم

بعض حضرات محدثین یہ فرماتے ہیں کہ اگر مناولہ مقرون بالا جازۃ ہو تب تو شاگرد کے لئے روایت کرنا جائز ہے لیکن اگر مناولہ مقرون بالا جازۃ نہیں ہے تو پھر اس کے لئے روایت کرنا جائز نہیں۔ لیکن مکاتبہ کے بارے میں حضرات کا موقف یہ ہے کہ مکاتبہ خواہ مقرون بالا جازۃ ہو یا مقرون بالا جازۃ نہ ہو ہر صورت میں روایت کرنا جائز نہ ہوگا۔

لیکن ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا کہ جب کتابت غیر مقرون بالا جازۃ سے روایت کرنا جائز ہے تو

نادلہ غیر مقرونہ بالا جازۃ سے بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔

بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ ان چاروں صورتوں میں جس کی طرف مناوہ ہو یا مکاتبہ ہو وہ حدیث روایت تو کر سکتا ہے لیکن صرف ”حدثنا“ یا ”أخبرنا“ کہہ کر روایت نہیں کرے گا بلکہ پوری حقیقت حال بتائے گا کہ ”حدثنی فلان مناوہ“ یا ”أخبرنی فلان مناوہ“ یا ”مکاتبہ“ اگر اس نے مناوہ یا مکاتبہ کا لفظ استعمال نہیں کیا تو اس کے لئے روایت کرنا جائز نہیں۔

مقصد بخاری رحمہ اللہ

امام بخاری رحمہ اللہ اس باب کے ذریعے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مناوہ اور مکاتبہ دونوں جائز ہیں، خواہ مقرون بالا جازۃ ہوں یا مقرون بالا جازۃ نہ ہوں اور جس شخص کو مناوہ یا مکاتبہ کے ذریعے حدیث پہنچی ہے خواہ اجازت کے ساتھ مقرون ہو یا اجازت کے ساتھ مقرون نہ ہو، وہ اس کو روایت کر سکتا ہے البتہ ”حدثنا“ یا ”أخبرنا“ کا لفظ بھی استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے کوئی صراحت نہیں کی، البتہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان محققین کا قول اولیٰ ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مناوہ یا کتابت کا لفظ صراحتاً ذکر کرنا چاہیے، ”حدثنا“ یا ”أخبرنا“ نہیں کہنا چاہیے۔

چنانچہ فرمایا ”باب ما یذکر فی المناوہ کتاب اہل العلم با لعلم الی البلدان“۔ یہاں مناوہ اور مکاتبہ کا ذکر ہے، ”کتاب“ یہ مکاتبہ کا مصدر ہے کہ اہل علم کوئی علم لکھ کر بھیجیں، علم سے حدیث مراد ہے ”الی البلدان“ دوسرے شہروں میں، تو ان دونوں کی مشروعیت الگ الگ بیان کرنا چاہتے ہیں لیکن آگے جو دلائل پیش کئے ہیں وہ بیشتر مکاتبہ سے تعلق رکھتے ہیں مناوہ سے نہیں، اور ان سے استدلال بطریق اولیٰ ہو سکتا ہے، اگر مکاتبہ جائز ہے تو مناوہ بطریق اولیٰ جائز ہوگا، کیونکہ مکاتبہ میں مکتوب الیہ شیخ کے پاس موجود نہیں ہوتا، شیخ اپنے ہاتھ سے اس کو مناوہ نہیں کرتا بلکہ کسی اپنی کے ذریعہ بھیجتا ہے تو جب شیخ کی تحریر کسی واسطے سے شاگرد کو پہنچے وہ جائز ہے تو بلا واسطہ پہنچنے کی صورت میں بطریق اولیٰ جائز ہوگی، اس لئے جو روایتیں مکاتبہ کے جواز پر دلالت کرتی ہیں وہ مناوہ کے جواز پر بطریق اولیٰ دلالت کرتی ہیں۔

پہلے دلیل پیش کی کہ قتال انس : ”نسخ عثمان المصاحف“ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف لکھوائے اور وہ مصاحف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آفاق یعنی دوسرے شہروں میں بھیجے۔ سات مصاحف تیار کر کے سات مختلف شہروں میں روانہ فرمائے تھے، اس کی تفصیل ان شاء اللہ ”کتاب فضائل القرآن“ میں آجائے گی کہ کیا واقعہ پیش آیا تھا؟ کیوں بھیجے تھے؟ یہاں اس تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم کے مصاحف لکھ کر دوسرے

شہروں میں بھیجے، اس سے مکاتبہ کا جواز ثابت ہوا اور یہ اس بناء پر نہیں کہ قرآن مکاتبہ سے ثابت ہے بلکہ قرآن تو اتر سے ثابت ہے لیکن یہ بات کہ یہ مصاحف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لکھے یا لکھوائے ہوئے ہیں اور ان میں سورتوں کی ترتیب وہ ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رکھی ہے، یہ مکاتبہ کے جواز کی دلیل ہے، جب مکاتبہ جائز ہے تو مناولہ بطریق اولیٰ جائز ہوگا جیسا کہ ابھی گزرا۔

آگے فرمایا ”ورأى عبد الله بن عمر، ويحيى بن سعيد و مالك ذلك جائزاً“
کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمر، یحییٰ بن سعید اور امام مالک رحمہم اللہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے، یعنی ان تینوں بزرگوں نے مناولہ اور مکاتبہ کو جائز قرار دیا ہے۔

عبد اللہ بن عمر سے کون مراد ہیں؟

یہاں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ اس سے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ صحابی ہیں، لیکن بہت سے شراح نے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ایسی کوئی صریح روایت نہیں ملی جس میں انہوں نے مناولہ یا مکاتبہ کی اجازت دی ہو، اس لئے یہاں عبد اللہ بن عمر سے مراد صحابی نہیں بلکہ عبد اللہ بن عمر العمری المدنی ہیں جو متأخرین میں سے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تحقیق

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلے تو میں بھی یہ سمجھتا تھا کہ اس سے عبد اللہ بن عمر العمری مراد ہیں لیکن بعد میں مجھے خیال ہوا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کا نام یحییٰ بن سعید انصاری سے پہلے لیا ہے اور یحییٰ بن سعید انصاری بڑے تابعین میں سے ہیں ان کا مقام اور مرتبہ اور ان کی عمر عبد اللہ بن عمر العمری سے بہت مقدم ہے، علم و فضل کے اعتبار سے بھی اور تقدم زمانی کے اعتبار سے بھی، یحییٰ بن سعید مقدم ہیں۔ اگر عبد اللہ بن عمر العمری مراد ہوتے تو امام بخاری رحمہ اللہ یحییٰ بن سعید انصاری کا ذکر ان کے بعد نہ کرتے بلکہ پہلے یحییٰ بن سعید انصاری رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کا ذکر کرتے، اس کے بعد عبد اللہ بن عمر کا نام لاتے، اس سے غالب گمان یہ ہوتا ہے کہ یہاں عبد اللہ بن عمر سے مراد صحابی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہی ہیں، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ایک دور دراز کی روایت لے کر آئے ہیں کہ شاید امام بخاری رحمہ اللہ کا اس کی طرف اشارہ ہو۔ ۳۲

علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے اس قول پر اعتراض کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ آپ جو روایت لے کر آئے ہیں اول تو اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہیں اس لئے کہ

وہاں صرف عبد اللہ لکھا ہوا ہے اور عبد اللہ جب مطلق بولتے ہیں تو اس سے عبد اللہ بن مسعود ؓ مراد ہوتے ہیں، لہذا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عبد اللہ بن عمر ؓ مراد ہیں اور رہی یہ بات کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کا نام یحییٰ بن سعید سے پہلے ذکر کیا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہمیشہ تقدم زمانی اعتبار کیا جائے، لہذا اگر عبد اللہ بن عمر العمری مراد ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ۳۳

البتہ حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ مراد ہونے کا احتمال بھی قوی ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جس انداز سے عبد اللہ بن عمر کا نام ذکر کیا ہے اگر اس سے کوئی اور مراد ہوتے تو امام بخاری رحمہ اللہ ان کے امتیاز کے لئے کوئی نہ کوئی لفظ ضرور ذکر فرماتے، کیونکہ جب صرف عبد اللہ بن عمر کہا جائے گا تو ذہن فوراً حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ صحابی کی طرف ہی جائے گا اور ظاہر ہے امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت پر بہت وسیع نظر ہے اگر دوسرے لوگوں کو حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ کی ایسی کوئی روایت نہیں مل سکی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان سے مروی بھی نہیں ہے۔

آگے فرمایا: ”واحتج بعض اهل الحجاز في المناولة بحديث النبي ﷺ حيث كتب لأمير السرية كتابا وقال: لا تقرأه حتى تبلغ مكان كذا وكذا، فلما بلغ ذلك المكان قراءة على الناس وأخبرهم بأمر النبي ﷺ“.

کہتے ہیں کہ بعض اہل حجاز نے اور اس سے امام بخاری رحمہ اللہ کا اپنے شیخ حمیدی رحمہ اللہ کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے مناولة کے جواز پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو سر یہ عبد اللہ بن جحش ؓ کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہے۔

سر یہ عبد اللہ ؓ کی حدیث

سر یہ عبد اللہ بن جحش ؓ کا ذکر مغازی کی ابتدا میں ہے، واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن جحش ؓ کو آپ ﷺ نے بھیجا تھا اور ایک خط دے کر یہ فرمایا تھا کہ دو دن کا سفر طے کرنے کے بعد کھولنا اور خط کے اندر یہ بات تھی کہ تم چلتے جاؤ یہاں تک کہ نخلہ کے مقام تک پہنچو جو مکہ اور طائف کے درمیان ہے وہاں جا کر قریش کے لوگوں کی خبر لے کر آؤ کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ وہاں ان کا قافلہ وغیرہ جارہا تھا، یہ گئے اور مقرر جگہ پر خط کھولا اور پھر اس کے مطابق عمل کرتے ہوئے گئے، اسی واقعہ میں انہوں نے عمر بن الحضری کو مار دیا تھا جس کی وجہ سے قریش کو بہت زیادہ طیش آیا تھا کہ ماہ رجب میں مارا تھا، رجب کا آخری دن تھا، حضور اکرم ﷺ نے اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ تم نے شہر حرام میں کیوں قتل کیا، اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی ﴿يَسْئَلُونَكَ عَنِ

الشہر الحرام قتال فیہ، قل قتال فیہ کبیر ﴿الآیۃ﴾

اس روایت میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے عبداللہ بن جحشؓ کو خط دے کر فرمایا تھا کہ تم اس کو ابھی مت کھولنا بلکہ فلاں جگہ جا کر کھولنا، وہاں جا کر جب کھولا تو اس میں ہدایات ملیں، ان ہدایات پر حضرت عبداللہ بن جحشؓ کو اس مضمون پر عمل کرنا واجب تھا۔

تو کہتے ہیں کہ بعض اہل حجاز نے مناولہ میں نبی کریم ﷺ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں آپ ﷺ نے امیر سر یہ کو خط لکھا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ ”لا تقراءہ“ اس کو مت پڑھنا یہاں تک کہ فلاں جگہ تک پہنچ جاؤ۔ جب اس جگہ تک پہنچ گئے تو پھر انہوں نے اس کو پڑھا اور لوگوں کو نبی کریم ﷺ کا حکم سنایا۔

یہ مناولہ اس لئے ہے کہ مناولہ دینے کو کہتے ہیں تو آپ ﷺ نے خود خط دیا اور کہا کہ جا کر اس کو فلاں جگہ پڑھنا۔ وہاں پڑھنے کے بعد لوگوں کو اس کا مضمون سنایا تو حضور اقدس ﷺ کے حکم پر سنایا، تو گویا یہ مناولہ سے روایت ہوگئی۔ ۳۴

۱۴۔ حدثنا إسماعیل بن عبد اللہ قال : حدثنی ابراہیم بن سعید ، عن صالح ، عن ابن شہاب ، عن عیسا بن عبد اللہ بن عتبۃ بن مسعود ، أن عبد اللہ بن عباس أخبرہ أن رسول اللہ ﷺ بعث بکتابہ رجلاً ، وأمرہ أن یدفعہ الی عظیم البحرین ، فدفعہ عظیم البحرین الی کسری ، فلما قرأہ مزقہ ، فحسبت أن ابن المسیب قال : فدعا علیہم رسول اللہ ﷺ أن یمزقوا کل ممزق . [أنظر : ۲۹۳۹ ، ۴۴۲۲ ، ۶۴۷۱ : ۳۵۴]

یہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک شخص کو خط دے کر بھیجا تھا اور ان کو حکم دیا تھا ”أن یدفعہ الی عظیم البحرین“ کہ یہ خط بحرین کے سردار یا بادشاہ کو دینا ”فدفعہ عظیم البحرین الی کسری“ تاکہ عظیم البحرین وہ خط کسریٰ تک پہنچا دیں۔ جیسا پہلے گزر چکا ہے کہ ہر قل کے ساتھ بھی یہی طریقہ اختیار کیا تھا کہ براہ راست خط دینے کے بجائے عظیم بصریٰ کو دیا تھا کہ وہ ہر قل تک پہنچائے۔

اس روایت میں آپ ﷺ نے خط بحرین کے بادشاہ یا حاکم کو دیا کہ وہ کسریٰ تک پہنچائے کیونکہ یہ دونوں اس زمانہ کی سپر پاور تھیں، براہ راست اس کو کوئی خط نہیں لکھا جاسکتا تھا، اس واسطے درمیان میں واسطہ بنایا، ہر قل کیلئے بصرہ کے حاکم کو واسطہ بنایا تھا اور یہاں بحرین کے حاکم کو واسطہ بنایا۔

بحرین کا حاکم منذر بن سواہی تھا، روایات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کو مخاطب کر کے آپ ﷺ نے

الگ خط لکھا تھا، (وہ مکتوب مبارک جو آپ ﷺ نے بحرین کے حاکم کے نام بھیجا تھا بحرین کی حکومت نے اس کا ایک بلاک بنا کر اس پر نقش کیا ہے، اس کا عکس میرے پاس موجود ہے)۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منذر بن سادوی خود مسلمان ہو گیا تھا، اس نے یہ خط کسریٰ کے پاس بھیج

دیا۔ ۳۶

”فلما قرأه مزقه“۔ اس خبیث نے جب یہ خط پڑھا تو اس کو پھاڑ دیا۔

ایران کے ہر بادشاہ کا لقب کسریٰ ہوتا تھا اور اس وقت جو بادشاہ تھا اس کا نام پرویز بن نوشیروان تھا، اس نے خط پھاڑ ڈالا، وہ پھٹا ہوا مکتوب گرامی بھی ایک عجائب گھر میں محفوظ ہے اور اس میں پھٹن کے آثار نمایاں طور پر نظر آ رہے ہیں۔ ۳۷

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے

”و حسبت أن ابن المسيب قال:“ زہری نے یہ روایت یہاں عبید اللہ بن عتبہ سے نقل کی ہے لیکن یہی روایت انہوں نے سعیر بن مسیب سے بھی سنی ہے، تو کہتے ہیں کہ غالباً سعید بن مسیب نے یہ کہا تھا کہ ”فدعا عليهم رسول الله أن يمزقوا كل ممزق“ رسول ﷺ نے ان پر بددعا کی تھی کہ جس طرح انہوں نے رسول کریم ﷺ کے نام مبارک کو چاک کیا اللہ ﷻ ان کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دے، اس بددعا کے نتیجے میں واقعہ کسریٰ کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوئی۔

سلطنت کسریٰ کی تباہی کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ یہ شخص پرویز جس نے نامہ مبارک کو چاک کیا تھا، اس کی ایک بیوی تھی جس کا نام شیریں تھا اور وہ بہت ہی حسین و جمیل تھی، پرویز کا ایک بیٹا تھا جو کسی دوسری بیوی کے بطن سے تھا وہ شیریں پر فریفتہ ہو گیا اور اس خیال سے کہ پرویز کی موجودگی میں شیریں سے اپنا مقصد حاصل کرنا ممکن نہیں تھا اس لئے اس نے اپنے باپ پرویز کو قتل کر ڈالا۔

باپ کو پہلے سے اندازہ تھا کہ یہ اس تاک میں ہے اور کسی وقت بھی مجھے قتل کر سکتا ہے اس لئے اس نے یہ کر رکھا تھا کہ اپنے سونے کے کمرہ میں ایک بہت ہی قاتل قسم کا زہر ایک شیشی میں رکھ کر اوپر لکھ دیا تھا کہ یہ دوا مردانہ قوت کیلئے بہت مفید ہے۔

بیٹے نے جب باپ کو قتل کیا اور وہاں جا کر یہ شیشی دیکھی تو بہت شوق سے اس زہر کو پی گیا، جس کے نتیجے

۳۶ وقد ذكرنا أن النبي ﷺ بعث العلاء بن الحضرمي إلى المنذر بن سواي العبدی، ملك البحرين، فصدق وأسلم.

عمدة القاری، ج: ۲، ص: ۳۹.

۳۷ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: جہان دیدہ ص: ۵۸.

نے کہا کہ ”نقشہ محمد رسول اللہ“ یہ کس نے کہا تھا؟ ”قال: انس“ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ انس رضی اللہ عنہ نے کہا تھا۔

روایت سے مقصد بخاری

ایک مقصد تو یہ ہے کہ اس سے مکاتبت ثابت ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو خط لکھتے تو اس کا مضمون اس کیلئے حجت ہوتا۔

دوسرا یہ ہے کہ بعض حضرات نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ حدیث میں مکاتبت اس وقت حجت ہوتی ہے جب خط لکھنے والے نے اس پر مہر لگائی ہو، اگر مہر نہیں لگائی اور خط پہنچ گیا تو کیا دلیل ہے کہ یہ خط اسی کا لکھا ہوا ہے؟ اس واسطے ایسی صورت میں روایت کرنا جائز نہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس روایت کو لا کر یہ بتا رہے ہیں کہ اگرچہ یہاں مہر کا ذکر ہے، لیکن مہر کا مقصد اس بات کی توثیق ہے کہ یہ اس شخص کا لکھا ہوا ہے جس کی طرف منسوب ہے یہ توثیق اگر مہر سے حاصل ہو جائے تو مہر لگا ہوا خط قبول کر لیا جائے گا، لیکن اگر یہی مقصد کسی اور طریقے سے حاصل ہو جائے مثلاً مکتوب الیہ کا تب کا خط پہچانتا ہے یا لانے والا ایچی گواہی دیتا ہے کہ میرے سامنے لکھنے والے نے یہ خط لکھا تھا یا کسی اور طریقے سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ یہ خط واقعہً اسی کا ہے جس کی طرف منسوب ہے، تو توثیق حاصل ہو گئی، پھر مکتوب الیہ کیلئے روایت کرنا جائز ہو گیا۔

یہاں ایک بات اور سمجھ لیں کہ روایت کے جتنے طریقے آپ نے اب تک دیکھے ”حدثنا، أخبرنا، أنبأنا“ اور پھر مکاتبت اور مناولہ کے چار مختلف طریقے جو کئے ہیں، یہ سب فی الجملہ مقبول ہیں، البتہ ایک طریقہ ایسا ہے جس کو فقہ ربیع السب محدثین نے رد کیا ہے، اس کو وجادہ کہتے ہیں۔

وجادہ کی تعریف

وجادہ کہتے ہیں کسی شخص کو کسی دوسرے کی لکھی ہوئی حدیثیں کہیں سے مل گئیں، لکھنے والے نے نہ خود اس کو دی ہیں، نہ پہنچائی ہیں، نہ اجازت دی ہے بلکہ کہیں کتب خانہ وغیرہ سے کوئی نسخہ مل گیا جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ فلاں شخص نے لکھا ہے، اس کو وجادہ کہتے ہیں۔

محدثین جب کسی ایسی حدیث کو روایت کرتے ہیں تو وہ لفظ استعمال کرتے ہیں ”وجدت بخط فلان“ میں نے فلاں شخص کی تحریر میں یہ بات پائی۔

”وجادۃ“ کا حکم

اس پر تمام محدثین کا اتفاق ہے کہ وجادہ حدیث میں کوئی قیمت و حیثیت نہیں رکھتا، اگر کوئی شخص ”وجدت بخط فلان“ سے روایت کرتا ہے تو وہ روایت مردود ہے۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی وجادہ ہوتا ہے لیکن روایت کرنے والا ”وجدت“ کے لفظ کی تصریح نہیں کرتا بلکہ مروی عنہ سے ”عنہ“ کرتا ہے ”عن فلان“ ایسی صورت میں وہ ”عنہ“ بھی قبول نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ”عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ“ کی سند جو آپ اکثر و بیشتر دیکھیں گے، بخاری میں تو کہیں نہیں آئے گی، لیکن دوسری کتابوں ترمذی وغیرہ میں دیکھیں گے کہ اس طریق سے جو روایتیں آتی ہیں، بہت سے محدثین نے ان کو اس وجہ سے رد کیا ہے کہ درحقیقت یہ شعیب اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے صحیفے سے روایت کرتے تھے اور یہ صحیفہ ان کو ویسے ہی مل گیا تھا، ان کے دادا نے نہ ان کو دیا تھا اور نہ ان کو اجازت تھی، بس صحیفہ مل گیا اور اس سے ”عن“ کہہ کر روایت کردی، اس واسطے کہتے ہیں کہ ”عن عمرو بن شعیب“ والا طریق قابل استدلال نہیں ہے۔

دوسرے حضرات جو اس طریق کو قابل استدلال کہتے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ شعیب اپنے دادا سے جو کچھ بھی روایت کرتے ہیں وہ ہمیشہ اس صحیفہ سے ہوتا ہے، یہ بات صحیح نہیں بلکہ شعیب نے اپنے دادا سے کچھ سنا بھی تھا، لہذا اس طریق کو بالکل رد نہیں کیا جاسکتا۔

اس میں تو کلام ہوا ہے کہ جب شعیب اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں تو وہ وجادہ ہوتا ہے یا نہیں۔ لیکن اس میں کسی کو کلام نہیں کہ اگر اس کا وجادہ ہونا ثابت ہو جائے تو وہ قابل استدلال نہیں ہے۔

آج کل پائے جانے والے مخطوطات کی حیثیت

یہ سمجھ لینا چاہئے کہ آج کل ہمارے دور میں حدیث کی بہت سی کتابیں جو عرصہ دراز سے نایاب تھیں کبھی کسی کتب خانہ میں مل گئیں، اگر اکا دکا نسخے ملے ہیں تو وہ وجادہ ہیں اور وجادہ ہونے کی وجہ سے محدثین کے اصول پر قابل استدلال نہیں۔

مثلاً ”طبقات ابن سعد“ یہ پہلے عرصہ دراز تک نایاب تھیں، لیکن اب اچانک کہیں سے اس کا کوئی نسخہ مل گیا اور غیر مسلموں نے اس کو شائع کر دیا، سب سے پہلے شائع کرنا والے مستشرقین نے ہالینڈ میں شائع کی، اور تاریخ طبری بھی اسی طریقے سے سب سے پہلے ہالینڈ میں مستشرقین نے شائع کی۔ اس واسطے ان نسخوں پر جو ایک ہی نسخہ کی بنیاد پر کتابیں شائع ہوئی ہیں، محدثین کے اصول کے مطابق بھروسہ نہیں کر سکتے، تاہم نیکہ ان روایتوں کی

تائید پہلے سے جو کتابیں مشہور و معروف ہیں ان میں سے نہ ہو جائے۔

طبقات ابن سعد میں ایک روایت آتی ہے، جب طبقات ابن سعد چھپ کر آئی تو اس کو بہت اچھا لاکہ رسول کریم ﷺ کا جسد اطہر وفات کے بعد تین دن تک رہا تھا۔ طبقات ابن سعد میں یہ روایت آتی ہے کہ معاذ اللہ جسد اطہر میں تغیر پیدا ہو گیا تھا، اب جب ہندوستان میں یہ بات آئی تو سارے ہندوستان میں ایک تہلکہ مچ گیا، لوگوں نے کہا کہ اس کا کیسے جواب دیں؟

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہمیں اس کا جواب دینے کی ضرورت ہی نہیں ہے، اس لئے کہ یہ کتاب جس حالت میں آئی ہے وہ وجہ ہے اس وجہ سے جب تک دوسرے ماخذ سے اس روایت کی تائید نہ ہو جائے، اس وقت تک یہ روایت قابل التفات ہی نہیں۔ تو ایسی کتابیں جو صرف ایک نسخہ پر مبنی ہیں اور وہ نسخہ بھی ہمارے پاس غیر مسلموں کے ذریعے آیا ہے، اس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔

ابھی میں لندن گیا تو وہاں مخطوطات کا ایک جہاں ہے، ہمارے مخطوطات، ہمارے سے مراد ہے حدیث، فقہ اور تفسیر کے مخطوطات، لائبریری میں جا کر دیکھیں تو بڑے عجیب طریقے سے ان مخطوطات کو محفوظ کیا ہوا ہے، اسی پر اقبال نے کہا تھا کہ۔

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آباء کی

جو دیکھیں جا کے یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

تو وہاں جو جمع ہیں اب وہ ان میں سے کتابیں شائع کرتے رہتے ہیں۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک ہی کتاب کے مختلف مخطوطات دنیا میں موجود ہیں۔ جب شائع کرنے لگے تو سب یکجا اور تحقیق کر کے شائع کر دیا، آج کل یہ طریقہ بہت پھیل گیا ہے لیکن ایسی صورت میں جبکہ مختلف مخطوطات مختلف اطراف کے ہوں، پھر بھی محدثین کے معیار پر پورے نہیں اترتے، اس لئے کہ سب وجہ ہے، البتہ ”یقوی بعضهم بعضاً“ تعدد طرق کی وجہ سے فی الجملہ اس پر کچھ اعتبار کر سکتے ہیں لیکن اس کا مقام ان حدیثوں والا نہیں ہوگا جو سند متصل سے ہم تک پہنچی ہیں کیونکہ یہاں نہ مکاتبہ ہے نہ مناوہ، نہ تحدیث ہے، نہ اخبار، اور نہ اجازت ہے بلکہ وجہ ہے، اور زیادہ سے زیادہ ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ بھائی بہت ساری جگہوں سے وجہ ہے، آگیا، اس واسطے غیر احکام میں شاید اس سے استدلال ممکن ہو، بس اس سے آگے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

اب ”صحیح ابن خزمہ“ حال ہی میں شائع ہوئی ہے، اس کے شاید ایک یا دو ہی مخطوطے ہیں جس کی بنیاد پر ساری ”صحیح ابن خزمہ“ شائع کی ہے، اس لئے اس کا وہ مقام نہیں ہے کہ اس کو معرض استدلال میں پیش کیا جائے تا وقتیکہ اس کی تائید مختلف مخطوطات سے نہ ہو جائے یا پہلے سے لکھی ہوئی کتابوں میں ”صحیح ابن خزمہ“ کے جو حوالے ہیں، وہ اس سے نہ ہو جائیں۔ تو یہ بہت ہی اہم اصول ہے، آج کل ایک بڑا طوفان ہے ”احیاء

التراث“ کا کہ ہمارے علمی خزانوں کو مخطوطات سے منتقل کر کے تحقیق کے ذریعے چھاپا جا رہا ہے۔

ایک اہم اصول

یہاں یہ اصول یاد رکھنے کا ہے کہ وہ تحقیق کرنے والا اور مراجعت کرنے والا کون ہے؟ قابل اعتماد ہے یا نہیں؟ اگر وہ قابل اعتماد نہیں ہے تو پھر بھی نسخوں پر بھروسہ نہیں کر سکتے۔ تو نئی شائع ہونے والی کتابوں میں ان اصولوں کو مد نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔

میں جب بھی کہیں جاتا ہوں تو کتابیں خرید لیتا ہوں، پہلے تو مجھے ایک ایک یاد ہوتی تھی کہ کون سی خریدی ہے اور کون سی نہیں خریدی اور جب لے کر آتا تھا تو اچھی خاصی مقدار پڑھ بھی لیتا تھا اور دیکھ بھی لیتا تھا کہ اس میں کیا ہے، لیکن اب چند سالوں سے اکھٹی لاتا ہوں، حافظہ کمزور ہو گیا ہے اس لئے اب یاد بھی نہیں رہتا کہ کون سی کتاب لایا ہوں اور کون سی نہیں لایا، بعض اوقات ڈبل ڈبل اٹھاتا ہوں، اسی طرح ایک کتاب میں لایا تھا، لیکن اسے دیکھنے کی نوبت نہیں آئی، ابھی اس ہفتہ ہمارے ایک ساتھی نے مجھے بتایا کہ وہ ہمارے کتب خانہ میں موجود ہے اس میں ایک کتاب کا نام ہے ”صحیح الربیع بن حبیب“ یہ بڑے متقدم آدمی ہیں، دوسری صدی کے ہیں، اس میں مثالی احادیث ہیں، وہ خود تبع تابعی ہیں اور ان کا مجموعہ احادیث بہت بڑا مجموعہ ہے، اس میں ”انما الاعمال بالنیات“ والی حدیث حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے حالانکہ سب لکھتے چلے آ رہے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوا اس کے کوئی راوی نہیں ہیں اور اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ ۳۹

اب یہ کون ہیں؟ کہاں سے آگئے اور کیسی کتاب ہے؟ تحقیق کی تو پتہ چلا کہ کہیں ذکر نہیں۔ حدیث کی کتابوں میں تلاش کیا وہاں بھی ذکر نہیں، ”معجم المؤلفین“ میں نہیں اور کتنے مصنفین لکھنے والے ہیں ان میں سے کہیں بھی ذکر نہیں اور یہ ہیں بھی متقدم کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک دو واسطے ہیں، اگر یہ کہیں سے ثابت ہو جائے کہ واقعی صحیح ہے تو یہ بہت ہی اہم چیز ہے، پھر میں نے مزید تحقیق کی تو ”الاعلام للزرکلی“ میں لکھا ہے کہ یہ اباضی تھے یہ خوارج کا ایک فرقہ ہے اس میں سے تھے، انہوں نے ایک کتاب لکھی تھی جو مخطوطہ کی شکل میں کہیں تھی جس کا کتاہوں میں کہیں کوئی ذکر نہیں، اب ایسی کتاب کو اگر کوئی شخص شائع کر دے جس کا کوئی سلسلہ استناد ہی نہیں ہے، تو اس پر کیسے بھروسہ کر لیا جائے۔

اس لئے یہ بات کہتا ہوں کہ آج کل مخطوطات بہت کثرت سے ہیں جس کو جو مل گیا اس نے فوراً اس کو

۳۹۔ قال..... عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ قال نية المؤمن خير من عمله وبهذا السند في رواية أخرى عنه عليه السلام قال غ انما الاعمال بالنيات ولكل امر مانوی . مسند الربیع ج: ۱، ص: ۲۳، بیروت، ۱۴۱۵ھ.

۴۰۔ الاعلام للزرکلی، ج: ۳، ص: ۳۸.

شائع کر دیا، اس لئے جب تک تثبت اور احتیاط نہ ہو اس وقت تک ان پر پورا بھروسہ کرنا درست نہیں ہے۔

(۸) باب من قعد حیث ینتہی بہ المجلس ،

ومن رأى فرجة فى الحلقة فجلس فيها

اس شخص کا بیان جو مجلس کے اخیر میں بیٹھ جائے اور اس کا بیان جو بیچ مجلس میں میں جگہ پائے اور بیٹھ جائے
۶۶۔ حدثنا إسماعيل قال : حدثني مالك عن إسحاق بن عبد الله بن أبي طلحة :
أن أبا مرة مولى عقيل بن أبي طالب أخبره عن أبي واقد الليثي أن رسول الله ﷺ بينما هو
جالس في المسجد والناس معه إذ أقبل ثلاثة نفر ، فأقبل أثنان إلى رسول الله ﷺ وذهب
واحد قال : فوقفا على رسول الله ﷺ فاما أحدهما فرأى فرجة فى الحلقة فجلس فيها ،
وأما الآخر فجلس خلفهم ، وأما الثالث فادبر ذاهبا فلما فرغ رسول الله ﷺ قال : ((ألا
أخبركم عن النفر الثلاثة : أما أحدهم فأوى إلى الله تعالى فأواه الله إليه وأما الآخر
فاستحيا الله منه ، وأما الآخر فاعرض فاعرض الله عنه)) . [أنظر : ۴/۳۷۳]

حدیث کی تشریح

علم کی تحصیل کے لئے عام طور پر شیخ کا ایک حلقہ درس ہوتا ہے، اس باب میں اس حلقہ درس کے
آداب بیان کرنا مقصود ہے کہ آدمی جب کسی حلقہ میں آئے تو جہاں کہیں مجلس ختم ہو رہی ہے وہیں پر بیٹھ جائے
، البتہ اگر آگے کوئی جگہ خالی ہو تو وہاں پر بیٹھ جانا بھی درست ہے۔

اس میں حضرت ابو واقد الليثي ؓ کی حدیث روایت کی ہے، فرماتے ہیں کہ اس دوران کہ رسول
اللہ ﷺ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے اور لوگ آپ ﷺ کے ساتھ تھے اتنے میں تین آدمی آئے ”إذ أقبل ثلاثة
نفر“ ”فأقبل أثنان إلى رسول الله ﷺ“ ان میں سے دو آدمی رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے اور
ایک چلا گیا۔

۱۔ وفی صحیح مسلم، کتاب السلام، باب من أتى مجلساً لوجد فرجة فجلس فيها والا وراء هم، رقم : ۴۰۴۲،
وسنن الترمذی، کتاب الاستئذان والآداب عن رسول الله ﷺ، باب اجلس حيث انتهى بك المجلس، رقم : ۲۶۳۸،
ومسند أحمد، مسند الانصار، باب حدیث أبي واقد الليثي، رقم : ۲۰۹۱، وموطأ مالک، کتاب الجامع، باب
جامع السلام، رقم : ۱۵۱۵.

”فوقفا علی رسول اللہ ﷺ“ یہ دونوں جو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے ”علی“ یہاں پر ”عند“ کے معنی میں ہے۔ ان میں سے ایک شخص جو تھا اس نے حلقہ میں ایک جگہ خالی دیکھی، آگے بڑھ کر وہاں بیٹھ گیا۔ دوسرا لوگوں کے بالکل آخر میں جہاں جگہ ختم ہو رہی تھی وہاں بیٹھ گیا، اور تیسرا پشت پھیر کر واپس چلا گیا۔

”فلما فرغ رسول اللہ ﷺ.....“ جب رسول اللہ ﷺ فارغ ہوئے تو فرمایا: کیا میں تمہیں ان تین آدمیوں کا حال نہ بتلاؤں جو ابھی آئے تھے۔

”اما احدثهم.....“ ایک شخص وہ ہے کہ جس نے اللہ ﷻ کی طرف رجوع کیا، اللہ ﷻ سے پناہ مانگی، ٹھکانہ چاہا، اللہ ﷻ نے اس کو ٹھکانہ دے دیا، یہ اس شخص کی طرف اشارہ ہے جس نے حلقہ میں کوئی خالی جگہ دیکھی اور اس خالی جگہ میں جا کر بیٹھ گیا تھا۔ آپ ﷺ نے ایک طرح سے اس کی تعریف فرمائی کہ اس نے اللہ ﷻ سے ٹھکانہ مانگا اللہ ﷻ نے اس کو ٹھکانہ دے دیا، جگہ خالی ہی اس میں جا کر بیٹھ گیا۔

”واما الآخر.....“ اور جو دوسرا شخص تھا اس نے حیا کا معاملہ کیا اور آگے نہیں بڑھا، لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے بڑھتا، آگے جا کر بیٹھنے کی کوشش کرتا، اس نے اس سے حیا کی، تو اللہ ﷻ نے بھی اس سے حیا فرمائی، اللہ ﷻ کا حیا فرمانا یہ ہے کہ اس سے کوئی مواخذہ نہیں فرمایا۔

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اللہ ﷻ کی طرف جب کسی انفعالی کیفیت کی نسبت ہوتی ہے تو اس سے اس کا نتیجہ مراد ہوتا ہے۔ تو اللہ ﷻ نے اس سے حیا کی، اس کا معنی یہ ہے کہ اس بات سے حیا کی کہ اس کو عذاب دے یا اس کی گرفت کرے، تو گویا اللہ ﷻ نے اس کو گرفت سے محفوظ رکھا۔

”واما الآخر.....“ اور جو تیسرا شخص تھا اس نے اعراض کیا تو اللہ ﷻ نے بھی اس سے اعراض فرمایا۔ تو تینوں کا حال یہ بتایا کہ جو شخص فرجہ کو دیکھ کر آگے بڑھ گیا اور جا کر فرجہ کو پر کر لیا اس نے بھی ٹھیک کام کیا اور جس نے یہ دیکھا کہ آگے بڑھوں گا تو لوگوں کو تکلیف ہوگی، لہذا حلقہ کی انتہا میں بیٹھ گیا اس نے بھی ٹھیک کیا اور تیسرا آدمی جس نے حلقہ میں بیٹھنے سے ہی اعراض کیا تو اللہ ﷻ نے بھی اس سے اعراض فرمایا اور اس کو حلقہ کی برکات سے محروم کر دیا۔

آداب مجلس

اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب کوئی مجلس میں جائے اگر کوئی فرجہ ہے تب تو جا کر اس فرجہ کو پر کر سکتا ہے لیکن اگر آگے جگہ خالی نہ ہو تو پھر آداب یہ ہے کہ جہاں پر مجلس ختم ہو رہی ہے وہیں پر جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے اور آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرے کہ جس سے لوگوں کو تکلیف ہو۔

اور یہ جو فرمایا کہ جو شخص چلا گیا اس نے اعراض کیا تو اللہ ﷻ نے بھی اس سے اعراض کیا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ کوئی منافق تھا اس واسطے اس کے لئے نبی کریم ﷺ نے یہ لفظ استعمال کیا کہ اللہ ﷻ نے اس سے اعراض کیا، لیکن اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ شخص منافق ہی ہو۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک آدمی کسی ضرورت کی وجہ سے حلقہ درس میں شامل نہ ہو اور چلا جائے تو اس پر یہ تبصرہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس نے اللہ ﷻ سے یا علم سے اعراض کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو بذریعہ وحی یہ معلوم ہو گیا کہ اس شخص کے پاس کوئی عذر نہیں تھا، ویسے ہی اس کی طبیعت حلقہ علم میں حاضر ہونے پر آمادہ نہیں ہوئی۔

علم کے درجات

علم کے دو حصے ہیں:

ایک وہ جس کی تحصیل واجب ہے، اگر اس سے کوئی اعراض کرے تو یہ گناہ ہے کیونکہ اس درجہ کے علم کی تحصیل اس کے ذمہ واجب تھی، اس سے اعراض کیا تو گویا واجب سے اعراض کیا۔

اور اگر علم کا جو درجہ فرض عین ہے وہ حاصل کر چکا ہے تو اس کے بعد اگرچہ علم کی مزید تحصیل فرض عین نہیں ہے لیکن باعث فضیلت اور باعث اجر و ثواب ضرور ہے، تو جو شخص مجلس علم سے اس کو برا سمجھتے ہوئے اعراض کر کے جائے تو یہ بھی گناہ ہے۔

اگر برا تو نہیں سمجھتا لیکن شوق بھی نہیں ہے، بدشوقی کی وجہ سے چلا گیا، اس صورت میں اگرچہ گناہ نہیں ہے، لیکن اللہ ﷻ کے اعراض کرنے کے معنی یہ ہیں کہ حلقہ درس میں شامل ہونے کی وجہ سے جو انوار و برکات اس کو حاصل ہوتے، اللہ ﷻ اس سے محروم فرمادیں گے۔ اور اگر کوئی عذر ہے اور عذر کی وجہ سے شامل نہیں ہوا تو پھر وہ برکات سے بھی ان شاء اللہ محروم نہیں ہوگا۔

لہذا اگر کوئی طالب علم بیماری کی وجہ سے یا کسی اور عذر کی وجہ سے غیر حاضر ہوتا ہے تو اللہ ﷻ درس کی برکات سے اس کو محروم نہیں فرماتے، لیکن اگر جان بوجھ کر بلا عذر غیر حاضر ہو تو پھر یہاں صرف یہ نہیں کہ انوار و برکات سے محروم ہے بلکہ گناہ گار بھی ہے، اس لئے کہ یہ اس وعدہ کی خلاف ورزی ہے جس وعدہ سے مدرسہ میں داخل ہوا تھا کہ میں سارے قوانین کی پابندی کروں گا، اسباق میں پابندی سے حاضر رہوں گا پھر جب بلا عذر غیر حاضر ہو جاتا ہے تو یہ وعدہ کی خلاف ورزی ہے، لہذا معاہدہ کی خلاف ورزی کی وجہ سے گناہ بھی ہے۔

(۹) باب قول النبی ﷺ : ((رب مبلغ أوعى من سامع))

ارشاد نبوی کہ بسا اوقات وہ شخص جسے حدیث پہنچائی جائے سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والا ہوتا ہے

۶۷۔ حد ثنا مسدد قال : حد ثنا بشر قال : حد ثنا ابن عون ، عن ابن سيرين عن عبد الرحمن بن أبي بكرة عن أبيه : ذكر النبي ﷺ قعد على بعيره وأمسك إنسان بخطامه أو بزمَامِه ثم قال : ((أرى يوم هذا ؟)) فسكتنا حتى ظننا أنه سيسميهِ سوي إسمه ، قال : ((أليس يوم النحر ؟)) قلنا : بلى ، ((قال : فأى شهر هذا ؟)) فسكتنا حتى ظننا أنه سيسميهِ بغير إسمه فقال : ((أليس بذي الحجة ؟)) قلنا : بلى ، قال : ((فإن دمَاءكم وأموالكم وأعراضكم بينكم حرام كحرمة يومكم هذا في شهركم هذا ، في بلدكم هذا ، ليلغ لشاهد الغائب ، فإن الشاهد عسى أن يبلغ من هو أوعى له منه)) . [انظر : ۱۰۵ ، ۱۷۴ ، ۳۱۹ ، ۴۴۰ ، ۴۶۶ ، ۵۵۵ ، ۷۰۷ ، ۷۴۴ ، ۷۴۶]

ترجمہ: عبد الرحمن بن ابی بکرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کا ذکر کرنے لگے کہ آپ ﷺ اپنے اونٹ پر بیٹھے تھے اور ایک شخص اس کی ٹکیل پکڑے ہوئے تھا، آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ کون سا دن ہے؟ ہم لوگ خاموش رہے، یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ عنقریب آپ ﷺ اس کے اصلی نام کے سوا کچھ اور نام بتائیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ ہاں۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون سا مہینہ ہے؟ ہم نے پھر سکوت کیا، یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ شاید آپ ﷺ اس کا نام دوسرا بتائیں گے، آپ ﷺ نے فرمایا کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے؟ ہم نے عرض کیا ہاں۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے خون اور تمہارے مال، آپس میں تمہارے لئے ایسے حرام ہیں جیسے تمہارے اس دن میں، تمہارے اس مہینہ میں، تمہارے اس شہر میں حرام سمجھے جاتے ہیں، چاہئے کہ حاضر غائب کو یہ خبر پہنچادے اس لئے کہ شاید حاضر ایسے شخص کو یہ حدیث پہنچائے جو اس سے زیادہ اس کو محفوظ رکھنے والا ہو۔

۳۲۔ وفي صحيح مسلم ، كتاب القسامة والمحاربين والقصاص والديات ، باب تغليظ تحريم الدماء والأعراض والأموال ، رقم : ۳۱۸۰ ، ۳۱۷۹ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب المقامه ، باب من بلغ علما ، رقم : ۲۲۹ ، ومسند أحمد ، أول مسند البصريين ، باب حديث أبي بكرة نفع بن الحارث بن كلدة ، رقم : ۱۹۳۹۲ ، ۱۹۵۱۲ ، ۱۹۵۵۱ ، ۱۹۵۹۳ ، وسنن الدارمي ، كتاب المناسك ، باب في الخطبة يوم النحر ، رقم : ۱۸۳۶ .

حدیث کی تشریح

یہ باب نبی کریم ﷺ کے اس قول کے بیان میں ہے کہ ”رب مبلغ أوعى من سامع“ بعض اوقات جس شخص کو علم کی بات پہنچائی جاتی ہے وہ نسبت اصل سننے والے کے اس کو زیادہ یاد رکھنے والا ہوتا ہے، یعنی ایک روایت جو ایک شخص نے سنی اور دوسرے کو پہنچائی، تو بعض اوقات دوسرا شخص جس کو پہنچائی ہے وہ زیادہ احفظ ہوتا ہے اس کو پہلے کی نسبت زیادہ یاد رکھنے والا ہوتا ہے۔

اس میں حضرت ابوبکرہ ؓ کی روایت نقل کی ہے۔ حضرت ابوبکرہ ؓ نے نبی کریم ﷺ کا ذکر کیا کہ آپ ﷺ اپنے اونٹ پر تشریف فرما تھے اور ایک انسان نے اونٹ کی مہار پکڑ رکھی تھی، اس میں راوی کو شک ہے کہ ”خطام“ کا لفظ استعمال کیا یا ”زمام“ کا، حاصل دونوں کا ایک ہی ہے۔

آپ ﷺ نے اس حالت میں صحابہ کرام ؓ سے پوچھا کہ یہ کون سادن ہے؟ ہم جواب میں خاموش رہے، یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوا کہ شاید آج آپ ﷺ اس دن کا کوئی اور نام رکھیں گے اگر نام کے علاوہ جو مشہور و معروف ہے۔

”قال: أليس يوم النحر؟“ آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا یہ ”يوم النحر“ نہیں ہے؟
”قلنا: بلى“ ہم نے کہا کیوں نہیں؟

”قال: فأي شهر هذا؟“ پوچھا یہ کونسا مہینہ ہے؟ ”فسکتنا“ ہم خاموش ہو گئے ”حتى ظننا أنه سيسميه بغير اسمه“ یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوا کہ شاید آپ ﷺ اس کا کوئی اور نام لیں گے۔

”فقال: أليس بذي الحجة؟ قلنا: بلى“ ہم نے کہا جی ہاں، اس حدیث کے دوسرے طرق آئے ہیں، ان میں یہ مذکور ہے کہ جب آپ ﷺ نے پوچھا کہ کون سادن ہے؟ تو صحابہ کرام ؓ نے جواب میں فرمایا یوم النحر ہے اور جب پوچھا کہ یہ کونسا مہینہ ہے؟ تو صحابہ کرام ؓ نے جواب دیا کہ ذی الحجۃ کا مہینہ ہے، اور یہاں یہ ہے کہ ہم خاموش رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے خود فرمایا کہ کیا یہ یوم النحر نہیں ہے؟ کیا یہ ذی الحجۃ کا مہینہ نہیں ہے؟ تو بظاہر دونوں روایتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔

روایت میں تعارض اور تطبیق

تعارض کا حل یہ ہے کہ جن لوگوں نے یہ کہا کہ صحابہ کرام ؓ نے یہ کہا کہ یوم النحر ہے اور ذی الحجۃ ہے وہ حضور ﷺ کے جواب میں فرمایا، آپ ﷺ نے جب پوچھا ”أليس يوم النحر؟ قلنا: بلى“ کے جواب میں فرمایا، اس کو کسی روایت میں اس طرح تعبیر کر دیا کہ صحابہ کرام ؓ نے جواب میں ذی الحجۃ اور

یوم النحر فرمایا ہے۔

حضور اقدس ﷺ نے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس طرف متوجہ کر دیا کہ آج کا دن یوم النحر ہے اور یہ ذی الحجہ کا مہینہ ہے تو اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا ”فان دماءکم وأموالکم وأعراضکم بینکم حرام الخ“ کہ تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں آپس میں ایک دوسرے کے لئے ایسی حرمت والی ہیں کہ جیسے تمہارے آج کے دن کی حرمت، اس مہینہ کی حرمت میں اور اس شہر کی حرمت میں، یعنی آج کے دن تین قسم کی حرمتیں جمع ہیں۔

ایک تو مہینہ کی حرمت ہے کہ ذی الحجہ کا مہینہ حرمت والا ہے، اس میں یوم النحر کا دن ہے جو حرمت والا ہے اور یہ شہر یعنی مکہ مکرمہ یا اگر منی کے اندر یہ بات فرمائی گئی تو وہ بھی حد و حرم میں داخل ہے تو یہ ساری حرمت والی جگہ ہے، یہ تین حرمتیں جمع ہیں، جیسے ان تین چیزوں کی حرمت ہے ایسے ہی تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری آبروؤں کی آپس میں ایک دوسرے کے لئے حرمت ہے۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی جان، مال یا آبرو پر ناحق حملہ کرتا ہے یا جارحیت کا مرتکب ہوتا ہے تو وہ ایسا ہے جیسا کہ ان تین حرمتوں کو پا مال کرے۔

مسلمان کی جان، مال اور عزت کی حرمت

فقہاء کرامؒ اور بعض محدثین نے فرمایا کہ یہاں تشبیہ میں مشبہ بہ سے زیادہ مؤکدہ ہے، عام طور سے تشبیہ میں مشبہ کم ہوتا ہے اور مشبہ بہ زیادہ ہوتا ہے لیکن فرمایا کہ یہاں مشبہ زیادہ ہے اور مشبہ بہ کم ہے یعنی انسان کی حرمت، مسلمان کی حرمت اس کی جان، مال اور آبرو کی حرمت یوم النحر، ذی الحجہ اور بلد حرام کی حرمت سے بھی زیادہ ہے۔ ۴۳

یہ کہنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”لیبلغ الشاهد الغائب“ چاہئے کہ جو موجود ہیں وہ میرا پیغام ان لوگوں تک پہنچا دیں جو موجود نہیں ہیں، غائب ہیں، اور وجہ یہ بیان فرمائی ”فان الشاهد عسی أن یبلغ من هو أوعی له منه“ کیونکہ جو لوگ حاضر ہیں ممکن ہے وہ ان لوگوں کو پیغام پہنچائیں جو ان سے بھی زیادہ اوعی ہوں، اوعی کے معنی حفظ اور اس کے معنی فہم کے بھی آتے ہیں، تو اوعی کے معنی یہ ہوئے کہ ہو سکتا ہے وہ زیادہ یاد رکھنے والا ہو، اس کو بعد میں وہ بات یاد نہ رہے لیکن سننے والے کو یاد رہے۔ اور اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں

۴۳ وقال بعضهم: أعلمهم الشارع بأن تحريم دم المسلم وماله وعرضه أعظم من تحريم البلد والشهر واليوم، فلا يرد كون المشبه به أخفض رتبة من المشبه لئن الخطاب إنما وقع بالنسبة لما اعتاده المخاطبون قبل تقرير الشرع الخ.

کہ جس کو یہ پہنچائے گا اس کے اندر فہم زیادہ ہو جس کے نتیجے میں وہ اس سے زیادہ فائدہ اٹھا سکے نسبت اس شخص کے جس نے براہ راست سنا ہے۔ چنانچہ بعض روایات میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ ”رب حامل فقه الى من هو افقه منه“۔

تابعی صحابی سے زیادہ فقیہ ہو سکتا ہے

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ایک تابعی صحابی سے زیادہ ”افقہ“ ہو یا زیادہ ”احفظہ“ یہ ممکن ہے، چنانچہ بعض تابعین ایسے تھے جن کا فقه میں مقام بہت بلند تھا اور صحابہ کرام ؓ ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے، جیسے علقمہ جو عبد اللہ بن مسعود ؓ کے شاگرد تھے، یہ تابعی ہیں، لیکن فقه میں ان کا بہت بلند مقام تھا، فقه کے معاملہ میں بہت سے بڑے بڑے صحابہ کرام ؓ ان سے رجوع کرتے تھے، لہذا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف جو منسوب ہے کہ علقمہ کے بارے میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ فقه میں عبد اللہ بن عمر ؓ سے کم نہیں ہیں مگر حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ کو صحابیت کی فضیلت حاصل ہے، یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں، اس حدیث سے یہ بات معلوم ہورہی ہے۔

(۱۰) باب : العلم قبل القول و العمل

قول اور عمل سے پہلے علم کا بیان

لقول اللہ تعالیٰ : ﴿فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾ [محمد : ۱۹] فبدأ بالعلم ، وأن العلماء هم ورثة الأنبياء ، ورثوا العلم ، من أخذه أخذ بحظ وافر ، ومن سلك طريقا يطلب به علما سهل الله له طريقا إلى الجنة ، وقال جل ذكره : ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ [فاطر : ۲۸] وقال : ﴿وَمَا يَعْزِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ﴾ [الأنكبر : ۴۳] ﴿وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾ [الملك : ۱۰] وقال : ﴿هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [الزمر : ۹] وقال النبي ﷺ : ((من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين)) و ((إنما العلم بالتعلم)) وقال أبو ذر : ثو وضعم الصمصامة على هذه - وأشار إلى قفاه - ثم ظننت أني أنفذ كلمة سمعتها من النبي ﷺ قبل أن تجيزوا على لانفذتها ، وقال ابن عباس : ﴿كُونُوا رِبَايَيْنِ﴾ [ال عمران : ۷۹] حلماء ، فقهاء ، علماء ، ويقال : الرباني الذي يربي الناس بصغار العلم قبل كباره .

اس باب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا منشا یہ بیان فرمانا ہے کہ علم کی تحصیل قول اور عمل سے پہلے ضروری

ہے۔ قول کے معنی یہ ہیں کہ کوئی آدمی دین سے متعلق کوئی بات کہے تو اس کے لئے واجب ہے کہ پہلے علم حاصل کرے تب کہے ورنہ لوگوں کو گمراہ کرے گا۔ اسی طرح اگر کسی بات پر کسی کام پر عمل کرنا ہے تو پہلے ضروری ہے کہ اس کا ضروری علم حاصل کرے کہ اس عمل کا کیا طریقہ ہے اور اس کے کیا آداب و احکام ہیں۔

تو معلوم ہوا کہ علم کا درجہ یا علم کی تحصیل کا وقت، قول اور عمل سے پہلے ہوتا ہے، اس باب میں ایک تو یہ بیان کرنا مقصود ہے، اور جب علم کا حاصل کرنا قول اور عمل سے پہلے ضروری ہوا تو اس سے اس کی فضیلت بھی ثابت ہوئی کہ یہ ایسی چیز ہے کہ قول اور عمل کے لئے موقوف علیہ ہے، موقوف علیہ چیز کا درجہ بلند ہوتا ہے اور وہ باعث اجر و فضیلت ہوتی ہے تو اس کی طرف بھی اشارہ کرنا مقصد ہے۔

چنانچہ اس باب کے تحت ترجمۃ الباب میں جو آیات کریمہ یا جو آثار لے کر آئے ہیں وہ ان دونوں میں سے کسی ایک بات پر دلالت کرتے ہیں، یا تو اس بات پر کہ علم عمل سے پہلے حاصل کرنا چاہئے یا اس بات پر کہ علم فضیلت کی چیز ہے۔ چنانچہ پہلی آیت کریمہ یہ نقل کی ہے۔

لَقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى: ﴿فَاَعْلَمُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ﴾

فرمایا کہ پہلے یہ جان لو کہ اللہ ﷻ کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر استغفار کرو اپنے لئے بھی اور اپنے مومنین اور مومنات کے لئے بھی۔ استغفار کرنے سے پہلے اللہ ﷻ نے ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ کی حقیقت کا علم حاصل کرنے کا حکم دیا، معلوم ہوا کہ علم پہلے ہے عمل بعد میں ہے۔ ”فَبَدَأَ بِالْعِلْمِ“، یہاں اللہ ﷻ نے علم سے آغاز فرمایا ہے ”وَأَنَّ الْعُلَمَاءَ هُمْ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ“ اور علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اس متنی میں کہ اللہ ﷻ انبیاء کرامؑ کو جو فرائض منصبی سپرد فرماتے ہیں انبیاء علیہم السلام کے بعد وہ فرائض علماء انجام دیتے ہیں یعنی تعلیم و تبلیغ کا فریضہ، جہاد کا فریضہ۔ یہ علماء انجام دیتے ہیں اس واسطے وہ انبیاء کرامؑ کے وارث ہیں، اس سے علم کی فضیلت ظاہر ہوئی۔ ”وَرَفِئُوا الْعِلْمَ“ انبیاء کرامؑ نے میراث میں علم چھوڑا ہے دینار و درہم نہیں چھوڑے ”مَنْ أَخَذَهُ أُخِذَ بِحِظِّ وَاهِرٍ“ جو اس علم کو حاصل کرے اس نے بڑا حصہ لے لیا۔

یہ حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

”وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ بِهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ“۔

جو شخص کسی ایسے راستہ پر چلتا ہے جس کے ذریعہ وہ علم طلب کرتا ہے، اللہ ﷻ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرما دیتے ہیں۔

یہ حدیث مرفوع ہے جو مسلم نے روایت کی ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے موصول نہیں روایت کی، اس لئے کہ ان کی شرط کے مطابق نہیں ہے، لہذا ترجمۃ الباب میں اس کو ذکر کر دیا۔

”وَقَالَ جَلَّ ذِكْرُهُ: إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ“۔

اللہ ﷻ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں، اللہ ﷻ کی خشیت مطلوب ہے، وہ بھی ایک طرح کا عمل ہے لیکن خشیت کا عمل انہی کو حاصل ہوتا ہے جن کے پاس علم ہے۔ معلوم ہوا کہ علم پہلے حاصل ہوگا، اس کے نتیجے کے طور پر خشیت بعد میں ہوگی، تو ڈرتے وہی ہیں جن کے پاس علم ہے، جس شخص کو اللہ ﷻ کی جتنی معرفت ہوگی اس کے دل میں اللہ ﷻ کی عظمت اور خشیت اتنی ہی زیادہ ہوگی۔

معلوم ہوا کہ علم، اللہ ﷻ کی خشیت کی نشانی اور علامت ہے، اسی لئے مولانا رومیؒ فرماتے ہیں۔

خشیت اللہ را نشان علم داں

آیت تنخشی اللہ در قرآن بخواں

یعنی اللہ ﷻ کی خشیت کو علم کی علامت سمجھو اور قرآن میں آیت ”إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ

العلماء“ پڑھو۔

تو ہر طالب علم کو چاہئے کہ وہ یہ دیکھے کہ آیا مجھ میں یہ علامت پائی جا رہی ہے یا نہیں؟ اگر خشیت ہے تو بے شک علم کا فائدہ حاصل ہو رہا ہے اور اگر خدا نہ کرے خشیت نہیں ہے تو پھر اس کا فائدہ اور اس کی علامت موجود نہیں ہے۔

آگے فرمایا ”وقال : وما يعقلها الا العالمون“ یہاں ضمیر امثال کی طرف لوٹ رہی ہے کہ ان کو نہیں سمجھتے مگر علم والے، اس سے بھی علم کی فضیلت ظاہر ہوئی۔

”وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ“

جب کافروں کو عذاب دیا جائے گا، جہنم میں لے جایا جائے گا تو وہ کہیں گے اگر ہم سنتے یا سمجھتے تو اصحاب السعیر میں نہ ہوتے۔ اگرچہ یہاں علم کا لفظ نہیں ہے لیکن ذرائع علم کا ذکر ہے کیونکہ علم دوزخیوں سے حاصل ہوتا ہے یا تو خود اپنی عقل ہو، اپنی سمجھ سے آدمی علم کی کوئی بات حاصل کر لیتا ہے، اور اگر عقل نہ ہو تو دوسرے سے سن کر حاصل کر لیتا ہے، تو یہاں ان دونوں ذریعوں کا ذکر ہے، گویا اپنی عقل سے سوچ کر علم حاصل کرتے اور اس پر عمل کرتے یا اگر خود عقلمند نہیں تھے تو دوسرے سے سن کر علم حاصل کرتے اور اس پر عمل کرتے تو آج جہنم والوں میں سے نہ ہوتے۔

وقال : ﴿ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴾ [الزمر : 9]

وقال النبی ﷺ : ((من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين))

یہ حدیث آگے خود امام بخاری رحمہ اللہ نے دو باب کے بعد روایت فرمائی ہے۔

جس شخص سے اللہ ﷻ خیر کا ارادہ فرمائیں اس کو دین کی سمجھ عطا فرمادیتے ہیں۔ اس سے اصطلاحی فقہ

مراد ہونا ضروری نہیں، بلکہ سمجھ مراد ہے، جب اللہ ﷻ کسی سے خیر کا ارادہ فرمادیتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب کسی

کو دین کی سمجھ ہو تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ ﷻ نے اس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا ہے لیکن دین کی سمجھ صرف حروف اور نقوش کے جان لینے یا محض کتاب پڑھ لینے، اصطلاحات سمجھ لینے کا نام نہیں ہے بلکہ دین کی سمجھ میں یہ بات بھی داخل ہے کہ آدمی نبی کریم ﷺ کی سنت پر عمل پیرا ہو، تو خیر نبی کریم ﷺ کی اتباع میں منحصر ہے اور کہیں خیر نہیں ہے، کیونکہ سنت زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی اور محیط ہے۔

لہذا بعض لوگوں نے یہاں یہ بحث چلائی کہ بظاہر یہ الفاظ حصر کے ہیں کہ اللہ ﷻ جس سے بھی خیر کا ارادہ فرمائیں گے اس کو دین کی سمجھ دیں گے تو حصر منقوض ہے، اس واسطے کہ بعض اوقات لوگ فقیہ نہیں ہوتے لیکن اللہ ﷻ پھر بھی ان سے خیر کا ارادہ فرماتے ہیں، تو جو تقریر ذکر کی گئی اس سے خود بخود اس کا جواب نکل آیا کہ فقہ فی الدین سے صرف نقوش اور حروف کا علم مراد نہیں ہے بلکہ یہ اتباع سنت کو شامل ہے کیونکہ اتباع سنت ہی درحقیقت فقہ فی الدین ہے اور زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ لہذا خیر فقہ فی الدین پر منحصر ہے اگر فقہ فی الدین نہیں ہے تو خیر بھی نہیں ہے کیونکہ پھر اتباع سنت اور اتباع شریعت نہیں، پھر خیر کہاں سے آئے گی؟ لہذا اس انحصار پر کوئی اشکال نہ کرنا چاہئے۔

آگے فرمایا ”انما العلم بالتعلم“ اور علم تعلیم سے حاصل ہوتا ہے جب آدمی کسی کے سامنے زانوے تلمذ کرنا ہے، تو اشارہ کر دیا کہ جب علم کی فضیلت ہے تو اس کو حاصل کرنے کا جو ذریعہ ہے یعنی تعلیم اس کی بھی فضیلت ہوگی۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترتیب یوں رکھی ہے کہ پہلے علم کی فضیلت بیان فرمائی، پھر علماء کی فضیلت بیان فرمائی، پھر تعلیم کی اور پھر تعلیم کی۔ پہلے علم کی فضیلت ہے اس کو بیان فرمایا قول اول میں۔ پھر علماء کی فضیلت بیان فرمائی ”انما العلماء هم ورثة الانبياء“ اور ”من سلك طريقا الخ“ اور ”وما يعلمها الخ“ یہ علماء کی فضیلت ہے، اور آگے تعلیم کی فضیلت ہے کہ سماع علم کو نجات کا آلہ قرار دیا اور ”الذين يعلمون الخ“ یہ سب تعلیم کی فضیلتیں ہیں۔ ”وانما العلم بالتعلم“ کہہ کر آگے تعلیم کی فضیلت بیان فرمائی۔

”وقال ابو ذر : لو وضعتم الصمصامة على هذه - وأشار إلى قفاه - ثم ظننت اني انفذ كلمة سمعتها من النبي ﷺ قبل ان تجيزوا على لسانها“۔

اس میں حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کا اثر روایت کیا ہے۔ اور اس اثر کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کے بعض نظریات دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہ سے ہٹ کر تھے، مثلاً وہ یہ کہتے تھے کہ آدمی کے لئے ضرورت سے زائد ایک دینار رکھنا بھی جائز نہیں ہے، ”الذين يكتفون الذهب والفضة الآية“ کی وعید میں داخل ہے جس کے پاس ایک دینار سے بھی زائد ہو اور دوسرے حضرات کہتے تھے کہ اس سے وہ مراد ہے جو زکوٰۃ ادا نہ کرے۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ اپنے موقف کی مخالفت پر بہت نکیر فرماتے، جس کی وجہ سے لوگوں میں جھگڑا ہو جایا

کرتا تھا، یہ شام میں رہتے تھے حضرت معاویہ ؓ نے دیکھا اس طرح تلخیاں پیدا ہوتی ہیں تو انہوں نے ان کو حضرت عثمان ؓ کے پاس مدینہ منورہ بھیج دیا۔ جب یہ حضرت عثمان ؓ کے پاس مدینہ منورہ آگئے تو وہاں بھی یہ سلسلہ جاری رہا، حضرت عثمان ؓ نے ان سے فرمایا آپ بزرگ آدمی ہیں، شہر میں رہنے سے ہر وقت کسی نہ کسی شخص سے سابقہ پیش آ جاتا ہے، اس لئے ایسا کریں، بہتر یہ ہے کہ آپ کسی چھوٹی سی بستی میں جا کر رہیں اور وہاں اللہ اللہ کریں، چنانچہ ان کو ربذہ بھیج دیا اور یہ ربذہ میں مقیم ہو گئے اور ان سے یہ کہہ دیا کہ اب آپ اس معاملہ میں فتویٰ وغیرہ نہ دیا کریں، یعنی مراد یہ تھا کہ اس مسئلہ میں فتویٰ نہ دیں جس میں اختلاف ہو گیا تھا اور جس کی وجہ سے فتنہ ہو رہا تھا۔

جب ابوذر غفاری ؓ حج کرنے گئے تو وہاں جمرات کی رمی کرنے کے بعد جمرہ وسطیٰ کے پاس بیٹھ گئے، ایسے موقع پر لوگ کسی بزرگ کو دیکھ کر جمع ہو جاتے ہیں اور مختلف مسائل پوچھنے شروع کر دیتے ہیں۔ ۴۳
ایک قریشی صاحب نے دیکھا کہ ابوذر ؓ لوگوں کو مسائل بتا رہے ہیں تو ان سے کہا کہ آپ کو حضرت عثمان ؓ نے فتویٰ دینے سے منع نہیں فرمایا تھا جو آپ یہاں فتویٰ دے رہے ہیں؟ اس کے جواب میں حضرت ابوذر ؓ نے یہ جملہ فرمایا ”لنؤو صعتم الصمصامة الخ“ اپنی گردن اور گدنی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اگر تم میرے یہاں پر تلوار رکھ دو پھر مجھے یہ گمان ہوا کہ میں ایسی ایک بات جو نبی کریم ﷺ سے سنی ہے لوگوں تک پہنچا سکتا ہوں قبل اس کے کہ تم تلوار مجھ پر گزاردو تو میں وہ کلمہ سنا دوں گا، یعنی اگر کوئی میری گردن پر تلوار رکھ دے اور میں سمجھوں کہ ابھی میرا گلا کٹنے میں ایک لمحہ باقی ہے اور میں اس لمحہ میں حضور ﷺ کی کوئی حدیث سنا سکتا ہوں تو میں اس لمحہ کو کام میں لا کر وہ حدیث سنا دوں گا، نو گویا یہ کہا کہ جب مجھے نبی کریم ﷺ کے ارشادات کو پہنچانے کا اتنا احساس ہے اور اس کی تاکید میرے ذہن میں ہے تو پھر میں لوگوں کے سوالات کے جوابات دینے سے کیسے رک جاؤں؟ ۴۵

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضرت عثمان ؓ نے ان کو روک دیا تھا تو یہ اولوالامر کا حکم تھا جو واجب الطاعت تھا پھر انہوں نے کیوں فتویٰ دیا؟ اس کی کئی توجیہات ہو سکتی ہیں۔

ایک توجیہ یہ کہ حضرت عثمان ؓ نے ملی الاطلاق فتویٰ دینے سے منع نہیں کیا تھا اور یہاں پر لوگ آن کر جو زیادہ تر سسکے پوچھ رہے تھے وہ حج وغیرہ کے مسئلے تھے کیونکہ یہ حج کا موقع تھا، اور حضرت عثمان ؓ نے اس طرح کے مسائل میں فتویٰ دینے سے منع نہیں کیا تھا۔ ایسے مسائل جن میں فتویٰ دینے سے مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو رہا تھا اس میں فتویٰ دینے سے منع فرمایا تھا، لہذا یہ اطاعت امیر کے خلاف نہیں۔

۴۳ اخرجه الدارمی فی مسنده، كما ذكره الحافظ في الفتح، ج: ۱، ص: ۱۶۱.

۴۵ هذا التعليق رواه الدارمی موصولاً فی (مسنده) من طريق الاوزاعي، كما ذكره العيني في عمدة القاری، ج: ۲، ص: ۵۹.

موقع تلاش کرتے تھے تاکہ وہ بھاگ نہ جائیں۔

”تَحْوَلُ يَتَحْوَلُ تَحْوَلًا“ کے معنی ہیں موقع تلاش کرنا، یعنی نبی کریم ﷺ نصیحت کرنے اور تعلیم دینے کے لئے مناسب موقع تلاش کرتے تھے جس میں وہ لوگ توجہ اور اہتمام کے ساتھ بات سن سکیں۔ ایک ہی بات جب بار بار کہی جاتی ہو تو آدمی اس سے اکتا کر بھاگ جاتا ہے، اس لئے مناسب موقع دیکھ کر بات کرنی چاہئے۔

اس میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی کہ مختلف دنوں میں آپ ﷺ نصیحت کرنے کا موقع تلاش کرتے تھے ”کراهة السامة علينا“ ”السامة“ مصدر ہے جس کے معنی ہیں اکتا جانا، تو اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ سامة لاحق ہو جائے اور ہم لوگ اکتا جائیں، اس واسطے ہر روز، ہر وقت نصیحت نہیں کرتے تھے بلکہ مناسب موقع دیکھتے کہ طبیعت میں نشاط اور اقبال ہے، اس وقت نصیحت فرماتے تھے۔

واعظ اور ناصح کے لئے اہم ہدایات

اسی وجہ سے علماء کرام نے فرمایا کہ جو شخص وعظ و نصیحت کرتا ہو اس کو بھی اس بات کا لحاظ کرنا چاہئے کہ ہر وقت وعظ و نصیحت کرتا نہ پھرے، اس طرح اس کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے اور لوگ اس سے اکتانے لگتے ہیں بلکہ یہ دیکھیں کہ لوگوں کی طبیعت میں کس وقت نشاط ہے اس وقت نصیحت کریں، روزانہ ہر وقت ایک ہی رٹ لگائے رکھنا، مناسب نہیں ہوتا اس کا اثر باقی نہیں رہتا۔

وعظ و نصیحت اور تعلیم و تعلم میں فرق

یہ حکم وعظ و نصیحت کے لئے ہے، ایک ہے تعلیم و تعلم، ایک آدمی تعلیم و تعلم کے لئے آیا ہے تو وہ اسی کام کے لئے آیا ہے، اس نے اپنے اوقات اسی کام کے لئے فارغ کئے ہیں، اس لئے اس کا زیادہ سے زیادہ وقت اسی کام میں صرف ہو، یہ اس کے منافی نہیں ہے۔

چنانچہ جو حضرات اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آ پڑے تھے، ان کا مقصد ہی یہی تھا، انہوں نے اپنی پوری زندگی اسی کام کے لئے فارغ کی تھی، لہذا ان کو آپ ﷺ نصیحت بھی کرتے، علم کی باتیں بھی بکثرت بتاتے اور وہ خود نبی کریم ﷺ کے طرز عمل کا از خود بھی مشاہدہ کرتے رہتے تھے اور اس سے علم حاصل کرتے تھے، لہذا یہ حکم تعلم کے لئے نہیں ہے بلکہ نصیحت کے لئے ہے۔

۶۹۔ حدثنا محمد بن بشار قال : حدثنا يحيى قال : حدثنا شعبة قال : حدثني ابو

التياح ، عن أنس عن النبي ﷺ قال : ((يسروا ولا تعسروا ، وبشروا ولا تنفروا)) .

[انظر: ۶۱۲۵] ۷۷

حدیث کا مفہوم

آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا کرو، مشکل پیدا نہ کرو اور لوگوں کو خوشخبری دو اور نفرت نہ پھیلاؤ، لوگوں کو متفرق نہ کرو۔

داعی کے لئے ہدایت

یعنی یہ داعی کے لئے ایک ہدایت عطا فرمائی کہ جو آدمی لوگوں کو دین کی طرف دعوت دے رہا ہو اس کو چاہئے کہ لوگوں کے لئے آسانی کا پہلو اختیار کرے یعنی جہاں شریعت نے گنجائش دی ہے اس صورت میں لوگوں کو آسانی والا راستہ بتلائے تاکہ لوگوں کے لئے وہ قبول کرنا آسان ہو۔

دوسرا یہ کہ تبشیر کرے، لوگوں کو خوشخبریاں سنائے اور تنفیر نہ کرے، اس کے معنی یہ ہوئے کہ ترغیب کے پہلو کو زیادہ اختیار کرے اور ترہیب کے پہلو کو اختیار ضرور کرے لیکن کم ہو، ترغیب کا غلبہ ہو۔ اگر ہر وقت انداز ہی انداز کرتے رہو تو بالآخر وہی ہوگا کہ ”ملا صاف بگو کہ راہ نیست“ اس لئے کئی آدمی بھاگ جائیں گے، لیکن اگر دونوں پہلو ہوں، ترغیب کا پہلو زیادہ اختیار کیا جائے اور اس کے مقابلے میں ترہیب کا پہلو کم ہو تو اس سے لوگ قائل ہوں گے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ قرآن کریم میں دیکھیں جہاں جہنم کا تذکرہ ہے وہاں اس کے ساتھ جنت کا تذکرہ ضرور لگا ہوا ہے، اس میں کہیں بھی تخیل نہیں ہے تاکہ یہ نہ ہو کہ صرف ایک ہی پہلو سامنے آئے دوسرا نہ آئے۔

مداہنت مذموم ہے

لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ایک تبشیر اور تبشیر ہوتی ہے اور ایک مداہنت ہوتی ہے، تبشیر اور تبشیر تو مطلوب ہے اور مداہنت مذموم ہے۔

مداہنت کہتے ہیں کہ کسی کی رعایت کرتے ہوئے حکم شرعی نہ بتایا جائے، اسے چھپایا جائے، یہ مذموم ہے اور تبشیر و تبشیر محمود ہے، اور دونوں میں جمع اس طرح ہوتا ہے کہ کسی کی تبشیر کے پیش نظر آپ حلال کو حرام نہیں کر سکتے یا حرام کام پر غیر مشروع سکوت اختیار نہیں کر سکتے۔

لیکن جب کسی کو دعوت دینی ہو تو ظاہر ہے کہ تربیت میں وہ ایک دم سے سارے احکام پر عمل نہیں کر سکتا

اس لئے شروع میں اسے ایسی باتیں کی جائیں جو آسان ہوں کہ یہ کر لے پھر آگے بڑھو، پہلے ہی مرحلہ میں اگر اس کے ذہن میں بوجھ ڈال دیا کہ یہ بھی کرنا ہوگا، یہ بھی کرنا ہوگا تو اس میں تنفیر کا اندیشہ ہے، فی الوقت اس کے اندر جتنی استطاعت ہے اس کو اتنی ہی غذا اور دوا دے، اس کے بعد آگے بڑھو۔

اور مدہانت یہ ہے کہ ایک آدمی پوچھ رہا ہے کہ یہ حلال ہے یا حرام ہے۔ آپ اس کی رعایت سے حرام کو حلال کہہ دیں، یا یہ ایک آدمی حرام کام کے اندر مبتلا ہے یا کر رہا ہے اور آپ اسے کہہ سکتے ہیں کہ یہ حرام کام ہے اور اس کہنے کے نتیجے میں کم از کم اسے اس حرام کام سے تنبیہ ہو سکتی ہے لیکن آپ باوجود اس امید کے کہ تنبیہ ہو جائے گی نہیں کہتے تو یہ بھی مدہانت ہے، ہاں اگر امید ہی نہیں تو پھر خاموش رہنے میں کوئی حرج نہیں۔

شیخ کی ضرورت

یہ اصول اور قاعدہ تو بتا دیا لیکن اس مرحلہ پر اس کو کس طرح منطبق کیا جائے کہ کہاں کس حد تک تیسیر اور تبشیر ہے، اور کہاں مدہانت کی حدود میں داخل ہو گئی ہے، یہ فیصلہ ریاضی کے کسی فارمولے سے نہیں ہوتا، اس کے لئے کسی شیخ کی ضرورت ہوتی ہے۔

(۱۲) باب من جعل لأهل العلم أياماً معلومة

اس شخص کا بیان جس نے علم حاصل کرنے والوں کی تعلیم کے لئے کچھ دن مقرر کر دیئے

۷۰۔ حدثنا عثمان بن أبي شيبة قال : حدثنا جرير، عن منصور، عن أبي وائل قال : كان عبد الله يذكر الناس في كل خميس ، فقال له رجل : يا أبا عبد الرحمن ، لو ددت أنك ذكرتنا كل يوم ، قال : أما إنه يمنعني من ذلك أني أكره أن أملككم ، وإني أتخولكم بالموعظة كما كان النبي ﷺ يتخولنا بها مخافة السامة علينا : [راجع : ۶۸ - أنظر : ۶۴۱۱]

حدیث کا مفہوم و مطلب

حضرت ابو وائل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رحمہ اللہ لوگوں کو ہر جمعرات کے دن وعظ کیا کرتے تھے۔ ایک شخص نے کہا کہ اے ابو عبد الرحمن! میرے دل میں خواہش ہے کہ آپ ہمیں روزانہ وعظ کیا کریں، انہوں نے فرمایا کہ ”أما الخ“ ذرا سن لو کہ مجھے اس چیز سے یہ بات روکتی ہے کہ میں ناپسند کرتا ہوں کہ

تمہیں اکتاہٹ میں مبتلا کروں اور میں تمہارے وعظ کے لئے وقت تلاش کرتا ہوں جس طرح نبی کریم ﷺ وعظ کرنے کیلئے موقع تلاش کیا کرتے تھے، تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی اسی پر عمل کیا۔

(۱۳) باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ

اللہ ﷻ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے

۷۱۔ حدثنا سعید بن عفیر قال : حدثنا ابن وهب ، عن یونس ، عن ابن شہاب قال : قال حمید بن عبد الرحمن : سمعت معاویة خطیبا یقول : سمعت النبی ﷺ یقول : ((من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین ، وإنما أنا قاسم واللہ یعطی ، ولن تزال هذه الأمة قائمة علی أمر اللہ لا یضرهم من خالفهم حتی یاتی أمر اللہ)) . [أنظر : ۳۱۱۶ ، ۳۶۲۱ ، ۴۳۱۲ ، ۷۴۶۰ ، ۷۴۸۰]

ترجمہ: حمید بن عبد الرحمن کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطبہ پڑھنے میں یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ ﷻ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے، اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے اور میں تو تقسیم کرنے والا ہوں اور دیتا تو اللہ ﷻ ہی ہے، یاد رکھو کہ یہ امت ہمیشہ اللہ ﷻ کے حکم پر قائم رہے گی، جو شخص ان کا مخالف ہوگا ان کو نقصان نہ پہنچا سکے گا، یہاں تک کہ قیامت آجائے۔

عدیث کا مفہوم و مطلب

اس حدیث میں تین فقرے ہیں:

پہلا فقرہ یہ ہے ”من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین“۔

اس کی تشریح پہلے آچکی ہے۔

دوسرا فقرہ ہے ”وإنما أنا قاسم واللہ یعطی“۔

حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں تو تقسیم کرنے والا ہوں اور اللہ ﷻ عطا کرنے والے ہیں۔

۷۸ وفی صحیح مسلم ، کتاب الزکاة ، باب النہی عن المسألة ، رقم : ۱۷۱۹ ، ۱۷۲۱ ، وکتاب الامارۃ ، باب لا تزال طائفة من امتی ظاہرین علی الحق ، رقم : ۳۵۳۸ ، ۳۵۳۹ ، وسنن ابن ماجہ ، کتاب المقدمة ، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم ، رقم : ۲۱۷ ، ومسند أحمد ، ومسند الشامیین ، باب حدیث معاویة بن أبی سفیان ، رقم : ۱۶۲۳۱ ، ۱۶۲۳۶ ، ۱۶۲۵۷ ، ۱۶۲۷۰ ، ۱۶۲۹۰ ، ۱۶۲۹۹ ، مؤطا مالک ، کتاب الجامع ، باب جامع ماجاء فی أهل القدر ، رقم : ۱۴۰۰ ، وسنن الدارمی ، کتاب المقدمة ، باب الاقتداء بالعلماء ، رقم : ۲۲۶ ، ۲۲۸ .

اس سے علوم مراد ہیں کہ حقیقی معطیٰ تو اللہ ﷻ ہیں، جس کسی کو بھی علم عطا فرماتے ہیں اللہ ﷻ ہی عطا فرماتے ہیں، البتہ عطا کرنے کے لئے کسی کو واسطہ بناتے ہیں، تو اللہ ﷻ نے مجھے واسطہ بنا دیا ہے، میں تقسیم کرتا ہوں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس سے مال غنیمت کی تقسیم مراد ہے کہ دینے والے اللہ ﷻ ہی ہیں اور میں تقسیم کرتا ہوں۔

بہر حال یہ ہر چیز میں آسکتا ہے، اور یہ جو فرمایا کہ میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں یہ حصر اضافی ہے، یعنی کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ ان علوم کا معطیٰ حقیقی ہی میں ہوں، اس لئے حصر کیا گیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیثیت قاسم ہونے کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے، آپ ﷺ کی حیثیت شارع کی بھی ہے، داعی کی بھی ہے اور دیگر بہت ساری صفیتیں ہیں۔

تو یہ حصر اضافی ہے یعنی کسی کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ یہ جو عطا فرما رہے ہیں براہ راست اپنی قدرت کے تحت عطا فرما رہے ہیں، تو اس کی نفی کر دی کہ اللہ ﷻ عطا فرماتے ہیں اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔ تیسرا فقرہ ہے ”ولن تزال هذه الأمة قائمة على أمر الله لا يضرهم من خالفهم حتى ياتي امر الله“۔

یہ امت اللہ ﷻ کے دین پر قائم رہے گی، ”لا يضرهم من خالفهم حتى ياتي امر الله“ ان کی مخالفت کرنے والے ان کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، یہاں تک کہ اللہ ﷻ کا حکم آجائے۔ ۴۹ مطلب یہ ہے کہ قیامت تک اس امت کا ایک ایسا طائفہ رہے گا جو اللہ ﷻ کے صحیح دین پر قائم رہے گا، فتنے آئیں گے، انحطاط آئے گا، زوال آئے گا اور مختلف قسم کے فرقے پیدا ہوں گے، لیکن ایک طائفہ ایسا ضرور موجود ہوگا جو اللہ ﷻ کے دین کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہوگا، مخالفت کرنے والے اس کی مخالفت کرتے رہیں گے لیکن ان کی مخالفت ان کے لئے مضر نہیں ہوگی۔

اہل حق کون ہیں؟

یہ طائفہ کون لوگ ہیں؟ ہر ایک نے اس کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کی ہے، کسی نے کہا کہ یہ محدثین ہیں، کسی نے کہا کہ یہ فقہاء ہیں، کسی نے کہا کہ یہ متکلمین ہیں، کسی نے کہا کہ یہ مجاہدین ہیں اور کسی نے کہا کہ یہ مبلغین ہیں وغیرہ وغیرہ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک طائفہ مراد نہیں ہے بلکہ اس سے بظاہر اس حدیث کے مفہوم کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میری امت ستر سے زیادہ فرقوں میں بٹ جائے گی اور ان میں سے نجات پانے والے وہ ہوں گے جو ”ما أنا عليه وأصحابي“ پر کار بند ہوں۔

اب ”ما أنا علیہ وأصحابی“ میں خواہ فقہاء ہوں، محدثین ہوں، مفسرین ہوں، متکلمین ہوں، مجاہدین ہوں یا مبلغین ہوں سب داخل ہو گئے، اس سے یہ مراد ہے۔ ۵۰۔

(۱۴) باب الفہم فی العلم

علم میں سمجھ کا بیان

۷۲۔ حدثنا علی قال : حدثنا سفیان قال : قال لي ابن أبي نجیح : عن مجاهد قال : صحبت ابن عمر الى المدينة فلم أسمعہ يحدث عن رسول الله ﷺ إلا حديثاً واحداً قال : كنا عند النبي ﷺ فأتی بجمار فقال : ((إن من الشجر شجرة مثلها كمثل المسلم)) فأردت أن أقول : هي النخلة ، فإذا أنا أصغر القوم فسكت ، قال النبي ﷺ : ((هي النخلة)) [راجع : ۶۱]

حدیث کی تشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رحمہ اللہ کے ساتھ مدینہ منورہ تک سفر کیا تو میں نے سنا نہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث سنا رہے ہوں، ”إلا حديثاً واحداً“ سوائے ایک حدیث کے اور وہ یہ تھی کہ ”کنا عند النبي ﷺ“ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ”فأتی بجمار“ تو آپ ﷺ کے پاس بجا لایا گیا، پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ بٹار کھجور کے تنے کے گودے کو کہتے ہیں۔ ”فقال : أن من الشجر شجرة الخ“ یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے صرف اتنا اضافہ ہے ”أتی بجمار“، باقی وہی ہے۔

مقصد امام بخاری رحمہ اللہ

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم کیا ہے ”باب الفہم فی العلم“ یعنی علم میں فہم مطلوب ہے، کہتے ہیں ”یک من علم راہ من عقل باید“ اگر ایک من علم ہے تو دس من عقل چاہئے، تب اس علم سے فائدہ اٹھا سکے گا۔ اگر علم تو ہے مگر عقل نہیں ہے تو پھر اس علم سے فائدہ نہیں اٹھا سکے گا بلکہ اس سے غلطی میں پڑ سکتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ یہ فرمانا چاہ رہے ہیں کہ جس طرح علم مطلوب ہے اسی طرح فہم بھی مطلوب ہے۔

اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو اللہ جل جلالہ نے یہ فہم عطا فرمائی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوال کا صحیح جواب ان کے دل میں آ گیا تھا۔

(۱۵) باب الاغبط فی العلم والحکمة،

علم اور حکمت میں رشک کرنے کا بیان

”وقال عمر رضی اللہ عنہ : تفقهوا قبل أن تسودوا. وقد تعلم أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی کبر سنهم“.

رشک اور حسد میں فرق

یہ باب قائم کیا ہے کہ علم اور حکمت میں رشک کرنا جائز ہے، ویسے تو ہر چیز میں رشک کرنا جائز ہے۔ اگر کسی کو مال یا صحت پر رشک آ رہا ہے تو یہ بھی کوئی گناہ نہیں ہے، لیکن علم اور حکمت میں رشک کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ مستحسن ہے۔

آدمی دوسرے کے علم پر رشک کرے کہ جیسے اس کا علم زیادہ ہے ایسا ہی میرا بھی ہو جائے، یہ رشک صرف جائز ہی نہیں بلکہ محمود ہے۔ البتہ حسد مذموم ہے یعنی یہ آرزو کرے کہ اس سے یہ علم چھن جائے چاہے مجھے ملے یا نہ ملے اس سے بحث نہیں جبکہ رشک اور غبطہ کے اندر یہ ہے کہ جو چیز اس کو ملی ہوئی ہے وہ اس کے پاس برقرار رہے اور ویسی ہی مجھے بھی مل جائے۔ یہ عام مباحات کے اندر بھی جائز ہے، لیکن علم و حکمت میں مستحسن ہے اور مطلوب ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکیمانہ ارشاد

وقال عمر رضی اللہ عنہ : ”تفقهوا قبل أن تسودوا“ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کیا حکیمانہ ارشاد فرمایا کہ دین کی سمجھ حاصل کرو قبل اس کے کہ تمہیں سردار بنادیا جائے یعنی ہو سکتا ہے کہ ایک ایسا مرحلہ آجائے کہ تمہیں اپنی قوم، اپنے قبیلے یا اپنے خاندان کی قیادت کرنی ہو، اور جب آدمی کو قیادت سپرد کی جاتی ہے تو اس کو بہت نازک فیصلے کرنے پڑتے ہیں اور ان نازک فیصلوں کے لئے صحیح سمجھ کی ضرورت ہے، تو سید بننے سے پہلے تفقہ حاصل کرو، ورنہ اگر تفقہ حاصل کرنے کے بغیر سید بن گئے یعنی لیڈر اور رہنما بن گئے تو لوگ تمہارے آگے تابع فرمان بن کر آئیں گے، ہاتھ چومیں گے، تعظیم کریں گے، تو چونکہ عقل اور فہم تو ہے نہیں اس لئے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے، لہذا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا کہ سید بننے سے پہلے تفقہ حاصل کرو۔

اپنی اصلاح کی فکر پہلے کرنا چاہئے

اس کا حاصل یہ نکلا کہ آدمی جب اصلاح خلق کے لئے نکلے تو پہلے خود اپنی اصلاح کرے، اگر اپنی اصلاح نہیں ہوئی اور اصلاح خلق کا جھنڈا لے کر چل پڑا تو خود بھی گڑھے میں گرے گا اور دوسروں کو بھی گرائے گا۔

حضرت عمرؓ کا ارشاد اور ترجمہ الباب

حضرت عمر فاروقؓ کے اس ارشاد کا اس باب سے کیا تعلق ہے کہ علم و حکمت میں رشک کرنا؟ علماء کرام نے فرمایا کہ شاید امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ مقصود ہے کہ اگر کوئی شخص سید بنے سے پہلے تفقہ حاصل کرے تو وہ شخص قابل رشک ہے اس کے معنی یہ ہوئے کہ عام طور پر آدمی بڑی عمر میں سید بنتا ہے اگر اس نے اس سے پہلے چھوٹی عمر میں تفقہ حاصل کر لیا تو وہ قابل رشک ہے کیونکہ بڑی عمر میں تو لوگ حاصل کر ہی لیتے ہیں، اس واسطے اس کو اس باب میں لے کر آئے۔ اور حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عموماً سیادت کو لوگ قابل رشک سمجھتے ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ حضرت عمرؓ کے اس ارشاد سے متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ سید بننے سے پہلے علم حاصل کر لو، تا کہ جب لوگ تم پر رشک کریں تو وہ حق بجانب ہو، کیونکہ تنہا سیادت کوئی قابل رشک چیز نہیں جب تک کہ اس کے ساتھ علم نہ ہو۔ ۱۵

حضرت عمرؓ کا مقولہ تو صرف اتنا تھا کہ سید بننے سے پہلے تفقہ حاصل کرو۔ ”قال ابو عبد اللہ“ امام بخاریؒ نے اس پر اضافہ فرمایا ”وبعد ان تسودوا“ کہ سردار بننے کے بعد بھی تفقہ حاصل کرو، یعنی حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کا کوئی شخص یہ مطلب نہ سمجھے کہ جب سردار بننے سے پہلے تفقہ حاصل کر لیا اب جب سردار بن گئے تو چھٹی، اب آگے تعلیم یا تفقہ کی ضرورت نہیں، فرمایا ”بعد ان تسودوا“ کہ حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سید بننے کے بعد تفقہ کی ضرورت کی نفی کر رہے ہوں بلکہ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ سید بننے سے پہلے تفقہ کی ضرورت ہے، یہ نہیں کہ بعد میں بھی ضرورت نہیں، بعد میں بھی ضرورت ہے اور کرتے رہنا چاہئے۔

”وقد تعلم اصحاب النبی ﷺ فی کبر سنہم“، بہت سے صحابہ کرامؓ نے بڑی عمر میں جا کر بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا، یہ نہیں کہ بڑے ہو گئے، اب تعلیم کی ضرورت نہیں، چھٹی ہو گئی بلکہ جیسا میں نے عرض کیا کہ حصول زمانہ ”طلب العلم من المہد إلى اللحد“ ہے۔

۷۳۔ حدثنا الحمیدی قال : حدثنا سفیان قال : حدثنی اسماعیل بن ابی خالد

علی غیر ما حدثناہ الزہری قال : سمعت قیس بن ابی حازم قال : سمعت عبد اللہ بن

مسعود قال : قال النبی ﷺ : ((لا حسد إلا فی الثنتين : رجل آتاه الله مالا فسلط على
هلكته في الحق ، ورجل آتاه الله الحكمة فهو يقضي بها ويعلمها)) . [أنظر : ۱۴۰۹ ،
۵۲ [۷۳۱۶ ، ۷۱۴۱]

مزید طرق کا ذکر

حضرت سفیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اسماعیل بن خالد نے یہ حدیث ایک ایسے طریق سے سنائی
جو زہری کے سنائے ہوئے طریق سے مختلف تھا، کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث میں نے زہری سے بھی سنی ہے
اور اسماعیل بن خالد سے بھی سنی ہے لیکن دونوں کے لفظوں میں فرق ہے۔

علم و حکمت میں رشک

قال : سمعت عبد الله بن مسعود قال : قال النبی ﷺ : ” لا حسد إلا فی الثنتين “ .
حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ حسد نہیں ہے مگر دو چیزوں میں۔ یہاں حسد سے انقباط اور رشک مراد ہے۔
چنانچہ یہی حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے فضائل القرآن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے،
وہاں یہ الفاظ زیادہ ہیں : ” فقال رجل لیتنی أوتیت مثل ما أوتی فلان “ .
حسد کی چیز میں بھی مباح نہیں ہے، لیکن فرمایا دو چیزوں میں رشک ہونا چاہئے۔
” رجل آتاه الله مالا فسلط على هلكته في الحق “ ایک وہ شخص جس کو اللہ ﷻ نے مال دیا
اور پھر اس کو مسلط کر دیا اس کے ہلاک کرنے پر۔ ” هلكته “ میں ہاء، لام اور کاف تینوں پر زبر ہے۔
ہلاک کرنے کا معنی ہے انفاق فی سبیل اللہ، حق کام کے اندر اس کو ہلاک کرے، یعنی اللہ ﷻ نے مال
بھی دیا اور اس کو حق کام کے اندر خرچ کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائی، اس لئے ایسے شخص پر رشک کرنا برحق ہے کہ
اس کے پاس دنیا بھی ہے اور دین بھی ہے کہ وہ اللہ ﷻ کے راستے میں خرچ کر رہا ہے۔
” ورجل آتاه الله الحكمة فهو يقضي بها ويعلمها “ .

اور دوسرا وہ شخص ہے جس کو اللہ ﷻ نے حکمت عطا فرمائی اور وہ اس حکمت کے ذریعہ لوگوں کے
درمیان فیصلے کرتا ہے اور اس کی تعلیم بھی دیتا ہے، اللہ ﷻ نے علم بھی عطا فرمایا اور اس کا صحیح مصرف بھی عطا فرمایا

۱۵ و علی صحیح مسلم ، کتاب صلاة المسافرين وقصرها ، باب فضل من يقوم بالقرآن ويعلمه وفضل من تعلم
حکمة . رقم : ۱۳۵۲ ، وسنن ابن ماجه ، کتاب الزهد ، باب الحسد ، رقم : ۴۱۹۸ ، ومسند أحمد ، مسند المکثرین من
صحابه ، باب مسند عبد الله بن مسعود ، رقم : ۳۹۰۰ ، ۳۲۲۹ .

کہ اس کو صحیح جگہ پر خرچ کر رہا ہے اور دوسروں تک پہنچا رہا ہے، اس کا نفع لازم بھی ہے اور متعدی بھی ہے، تو ایسا شخص قابل رشک ہے۔

اس حدیث میں یہ بتا دیا کہ یوں تو دنیا میں بہت سے لوگ رشک کرتے ہیں لیکن برحق رشک وہ ہے جو ان دو آدمیوں پر ہے، ایک جو مال رکھنے کے باوجود اس کو خرچ کر رہا ہے اور دوسرا جو علم پر عمل کر رہا ہے اور اس کو دوسروں تک پہنچا رہا ہے۔

یہاں ”لا حسد الا فی اثنتین“ میں حصر اضافی ہے، دوسری چیزیں بھی اس میں داخل ہو سکتی ہیں، آپ ﷺ چونکہ خاص طور پر ان دو چیزوں کی فضیلت بیان کرنا چاہتے تھے اس لئے ان کو ذکر کیا۔

(۱۶) باب ما ذکر فی ذهاب موسیٰ علیہ السلام فی البحر الی الخضر علیہ السلام

موسیٰ علیہ السلام کے دریا کے اندر خضر علیہ السلام کے پاس جانے کا جو واقعہ ہے اس کا بیان
وقوله تعالیٰ ﴿هَلْ أَتَبِعَكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَ﴾ [الكهف: ۶۶]

یہ باب ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سمندر میں حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جانے کے بارے میں، اور باری ﷻ کا ارشاد ہے ”هَلْ أَتَبِعَكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَ مِمَّا عَلَّمْتُ رُسُلًا“۔
اس کا باب سے کیا تعلق ہے جبکہ آگے ”باب الخروج فی طلب العلم“ اس میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کی روایت ذکر کی ہے، تو یہاں اس کا کیا جوڑ ہے؟

بعض لوگوں نے کہا کہ وہاں مطلق خروج فی طلب العلم مراد ہے اور یہاں خاص طور پر سمندر میں جا کر علم حاصل کرنا یا علم کے لئے سمندر میں سفر کرنا مراد ہے۔

بعض نے کہا کہ اس سے مقصود درحقیقت سفر نہیں ہے، سفر کے لئے آگے مستقل باب قائم کیا ہے، یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ علم کے حصول کے لئے مشقت برداشت کرنا چاہئے اور اس مشقت کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرنا چاہئے، اس واسطے کہ پیچھے کہا تھا کہ علم کے اندر فہم ہونی چاہئے اور رشک بھی کرنا چاہئے اور یہ سب باتیں اس وقت پیدا ہوں گی جب آدمی مشقت کے ساتھ علم حاصل کرے، تو مشقت کے بیان کیلئے یہ باب قائم کیا۔

لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے جو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہے کہ اصل میں امام بخاری رحمہ اللہ اپنے اس قول کی تائید کرنا چاہتے ہیں جو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی تشریح کرتے ہوئے کہا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول یہ تھا ”تفقهوا قبل أن تسودوا“ سید بننے سے پہلے تفقہ حاصل کرو، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر اضافہ کیا کہ سید بننے کے بعد بھی کرنا چاہئے اور یہ اس وجہ سے کہا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑی عمر میں پہنچنے کے باوجود تعلم کرتے رہے، اب اس کی تائید میں لائے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام باوجود یہ کہ سید القوم تھے

اور اپنی قوم کے نبی اور پیغمبر تھے لیکن حصول علم کے لئے حضرت خضر علیہ السلام کے پاس گئے، تو ”بعد أن تسود“ اور ”بعد النبوة“ بھی انہوں نے اپنے علم کی تحصیل کو ختم نہیں کیا بلکہ جاری رکھا، اس لئے باب قائم کیا ”باب ما ذکر فی ذهاب موسیٰ الخ“

پھر کسی کو یہ اشکال ہو سکتا تھا کہ ہو سکتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے پاس ویسے ہی حالات کا مشاہدہ کرنے گئے ہوں، علم میں اضافہ مقصود نہ ہو، تو اس کا جواب دیا کہ نہیں، اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے ”هَلْ أَتَيْكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَ مِمَّا عَلَّمْتَ رُشْدًا“ وہاں جا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا کہ کیا میں تمہارے ساتھ اس شرط پر رہوں کہ تم مجھے تعلیم دو گے؟ معلوم ہوا کہ سفر سے اس کا مقصود تعلیم تھا، تو باوجود نبی اور سید القوم ہونے کے انہوں نے تعلیم کی غرض سے سفر کیا اس سے پچھلی بات ثابت ہوئی۔

یہاں لفظ ذکر کیا ہے ”ذهاب موسیٰ علیہ السلام فی البحر.....“ بعض لوگوں نے اس میں یہ بحث کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام تک سمندر میں نہیں گئے تھے بلکہ خشکی سے گئے تھے، جب خضر علیہ السلام مل گئے تو پھر ان کے ساتھ کشتی میں سمندر میں بھی سفر کیا، لیکن خضر علیہ السلام تک جانے کے لئے انہوں نے سمندر میں سفر نہیں کیا، لہذا ”ذهاب موسیٰ علیہ السلام فی البحر إلی الخضر“ کیسے صحیح ہوا؟

بعض حضرات نے کہا کہ یہاں ”إلی“، ”مع“ کے معنی میں ہے جیسے ”لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمُ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ“ میں ”إلی“ بمعنی ”مع“ ہے ”إی مع أموالکم“ تو یہاں اس طرح ہے ”موسیٰ علیہ السلام فی البحر مع الخضر“۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ”إلی الخضر“ سے خضر علیہ السلام تک پہنچ جانا مراد نہ ہو بلکہ ان کی صحبت اور اس صحبت کے ذریعہ علم حاصل کرنا مراد ہو، اس صورت میں ”ذهاب موسیٰ علیہ السلام فی البحر إلی الخضر“ کہنے سے کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔

۷۴۔ حدثنا محمد بن غریب الزہری قال : حدثنا يعقوب بن إبراهيم قال : حدثني أبي ، عن صالح ، عن ابن شهاب ، حدثه أن عبيد الله بن عبد الله ، أخبره عن ابن عباس أنه تسماری هو والحر بن قيس بن حصن الفزاري في صاحب موسى : فقال ابن عباس : هو خضر ، فمر بهما أبي بن كعب ، فدعاه ابن عباس ، فقال : إني تماريت أنا وصاحبي هذا في صاحب موسى الذي سأل موسى السبيل إلى لقيه : هل سمعت النبي ﷺ يذكر شأنه؟ قال : نعم ، سمعت رسول الله ﷺ يقول : ((بينما موسى في ملا من بني إسرائيل ، جاءه رجل ، فقال : هل تعلم أحدا أعلم منك؟ قال موسى : لا ، فأوحى الله إلی موسى : بلی

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی پر باب قائم کیا اور باب قائم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ بچے جو حدیث گزری ہے اس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ مسئلہ کھڑا کیا تھا کہ ان کے ایک ساتھی تھے جو یہ کہہ رہے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جن کے پاس گئے تھے وہ خضر علیہ السلام نہیں تھے، کوئی اور تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ وہ خضر علیہ السلام تھے، معاملہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پاس پیش کیا گیا، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تائید فرمائی کہ وہ خضر علیہ السلام تھے۔

اس پر امام بخاری رحمہ اللہ کا ذہن اس طرف منتقل ہو گیا کہ اللہ عزوجل نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جو یہ فہم عطا فرمائی وہ سرکارِ دو عالم ﷺ کی اس دعا کا نتیجہ تھا۔

(۱۸) باب متی یصح سماع الصغیر

بچے کا کس عمر میں سنا صحیح ہے

یہ باب قائم کیا ہے کہ چھوٹے بچے کا تحمل روایت کب معتبر ہوتا ہے؟
یہ بات تو طے شدہ ہے کہ کسی نابالغ بچہ کا روایت کرنا معتبر نہیں جب تک کہ وہ بالغ نہ ہو، لیکن بالغ ہونے کے بعد وہ کسی ایسی حدیث کو روایت کرے جو اس نے نابالغی کی حالت میں سنی ہے تو وہ معتبر ہوگی یا نہیں؟ اور اگر معتبر ہوگی تو کس عمر سے ہوگی، اس مسئلہ میں حضرات محدثین کا بہت بڑا اختلاف ہے۔

بچے کی روایت کب معتبر ہے؟

خطیب بغدادی رحمہ اللہ

خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے الکفایہ میں حضرت یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کی طرف منسوب کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ پندرہ سال سے پہلے تحمل نہیں کر سکتا، یعنی اگر کوئی دس، گیارہ یا بارہ سال کا بچہ ہے، ابھی تک بالغ نہیں ہوا، اگر وہ بالغ ہونے کے بعد اس وقت (حالت نابالغی) کا واقعہ بیان کرے تو وہ معتبر نہیں ہوگا۔ ۵۵

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کا استدلال

وہ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جہاد میں جانے سے منع فرمادیا تھا، اس لئے کہ ان کی عمر پندرہ سال سے کم تھی جیسا کہ مغازی میں ہے۔ کہتے ہیں کہ جب پندرہ سال سے

کم میں جہاد میں قبول نہیں کیا گیا تو اس عمر میں تحمل روایت بھی معتبر نہیں۔

جمہور کا قول

لیکن یہ استدلال بڑا کمزور ہے، اس لئے کہ جہاد میں جسمانی قوت کی ضرورت ہوتی ہے اور عام طور پر وہ بلوغ سے پہلے نہیں ہوتی لیکن تحمل روایت میں جسمانی قوت اتنی معتبر نہیں جتنی ذہنی صلاحیت معتبر ہے، اس واسطے ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

زیادہ تر جمہور یہی کہتے ہیں کہ نابالغی سے پہلے تحمل ہو سکتا ہے۔ اگر نابالغی سے پہلے تحمل کی نفی کی جائے تو پھر حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت نعمان بن بشیرؓ، حضرت سمرۃ بن جندبؓ، حضرت براء بن عازبؓ، اتنے بڑے بڑے صحابہ کرامؓ جن سے احادیث کے بڑے بڑے ذخیرے مروی ہیں، ان سب کی روایتیں چلی جائیں گی، کیونکہ انہوں نے اس وقت حدیث رسول ﷺ کا تحمل کیا جس وقت ان کی عمر پندرہ سال سے کم تھی۔ اس واسطے جمہور کہتے ہیں کہ نہیں یہ غلط بات ہے۔

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کے قول کی یہ توجیہ کی ہے کہ تحمل حدیث کا آغاز یعنی طلب علم حدیث کا آغاز بچے کو پندرہ سال کی عمر میں کرنا چاہئے، ان کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر کسی بچے نے کوئی روایت اس سے پہلے سن لی ہے تو بلوغ کے بعد روایت کرنے سے وہ روایت قبول نہ ہوگی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے نابالغ کے تحمل کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے، اور یحییٰ بن معین کا اختلاف نقل نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ یحییٰ بن معینؒ کے قول کی جو توجیہ ہم نے کی ہے وہ درست ہے۔ ۵۶۔

تحمل حدیث کے لئے کتنی عمر معتبر ہے؟

بعض نے کہا سات سال عمر ہونی چاہئے، اور اس سے استدلال کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بچوں کو سات سال کی عمر میں نماز پڑھنے کا حکم دو، اس سے معلوم ہوا کہ سات سال ایسی عمر ہے جس کو شریعت نے نماز کی تاکید کیلئے معتبر قرار دیا، اس عمر میں بچہ میں فہم پیدا ہو جاتی ہے اس لئے ان لوگوں نے کہا کہ سات سال معتبر ہیں۔ بعض حضرات نے کہا کہ پانچ سال بھی فہم اور تحمل کے لئے کافی ہیں، ان کا استدلال اگلی روایت سے ہے جس میں محمود بن ربیع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے میرے چہرے پر ایک کلی کی تھی (یعنی ایک ڈول سے پانی لے کر) جبکہ میں پانچ سال کا تھا۔ تو پانچ سال کی بات ان کو یاد ہے، معلوم ہوا کہ یہ عمر تحمل روایت کے لئے کافی ہے۔ ۵۷۔

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کا قول محقق

لیکن اس میں محقق بات وہ ہے جو علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ نے فتح القدیر ۵۸۰ میں بیان فرمائی ہے اور اسی کو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ اور دوسرے بزرگوں نے اختیار کیا ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سالوں کے اعتبار سے اور حالات کے اختلاف سے کوئی عمر متعین کرنا مشکل ہے کیونکہ کوئی بچہ ایسا ہوتا ہے جس کو اللہ ﷻ نے اتنی فہم دے دی کہ اس نے پانچ برس کی عمر میں حدیث کا صحیح طور پر نقل کر لیا اور کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پندرہ سال کی عمر میں بھی نقل نہ کر سکا، کوئی واقعہ ایسا ہو سکتا ہے کہ چھوٹے بچہ کو بھی یاد رہ سکتا ہے اور کوئی واقعہ ایسا دقیق ہوتا ہے کہ اچھے خاصے بڑے بارہ سال کے بچے کو یاد رہنا بھی مشکل ہے۔

اس واسطے کوئی ایک اصول کلی نہیں بنایا جاسکتا، ہر حدیث میں یہ دیکھا جائیگا کہ اس روایت کا نقل اس خاص واقعہ میں جو یہ بچہ کر رہا ہے آیا یہ اس واقعہ کی روایت کے وقت نقل کے قابل تھا یا نہیں؟ اب جیسے محمود بن ربیع کہتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ نبی ﷺ نے چہرے پر ایک ڈول سے پانی لے کر کھلی کی تھی، تو یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ اگر پانچ سال کے بچے کو بھی یاد رہ جائے تو کوئی بڑی بات نہیں ہے، نہ اس میں کوئی دقت ہے اور نہ عملی مسئلہ ہے اور نہ اس میں کوئی دقیق نکتہ بیان کیا گیا ہے، لہذا اس میں نقل معتبر ہے۔

لیکن اگر کوئی پانچ سال کی عمر میں بیع سلم کا مسئلہ بیان کرنے لگے تو یہ اس لئے معتبر نہیں ہوگا کہ پانچ سال کا بچہ بیع کو ہی نہیں سمجھتا، سلم کو کیا سمجھے گا، لہذا ایسے مسئلہ کے اندر اس کی روایت قبول نہیں ہوگی، یہ حضرت ابن ہمام رحمہ اللہ کا موقف ہے اور یہی معقول بات ہے۔

۷۶۔ حدثنا إسماعيل قال : حدثني مالك ، عن ابن شهاب ، عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة ، عن عبد الله بن عباس قال : أقبلت راكبا على حمار أتان وأنا يومئذ قد ناهزت الاحتلام ورسول الله ﷺ يصلي بمنى إلى غير جدار فمررت بين يدي بعض الصف ، وأرسلت الأتان ترتع ، ودخلت في الصف فلم ينكر ذلك علي أحد . [أنظر : ۴۹۳، ۸۶۱، ۴۴۱۲، ۵۹]

۵۸ شرح فتح القدیر ج: ۵، ص: ۵۴، دار الفکر، بیروت.

۵۹ وفی صحیح مسلم، کتاب الصلوۃ، باب سترة المصلی، رقم: ۷۸۰، ۷۸۱. وسنن الترمذی، کتاب الصلاة، باب ماجاء لا یقطع الصلاة شیء، رقم: ۲۰۹. وسنن النسائی، کتاب التلبیة، باب ما ذکر ما یقطع الصلاة وما لا یقطع... الخ، رقم: ۷۴۴، ۷۴۶، وسنن ابی داؤد، کتاب الصلاة باب من قال الحمار لا یقطع الصلاة، رقم: ۶۱۴، ۶۱۵، وسنن ابن ماجه، کتاب اقامة الصلاة و السنة فیہا، باب ما یقطع الصلاة رقم: ۹۳۷، وسنن أحمد، وسنن بنی ہاشم، باب براءة مسند عبد الله بن العباس، رقم: ۷۹۳، ۷۹۴، ۲۲۵۶، ۲۶۶۷، ۲۷۴۹، ۲۸۶۲، ۳۰۰۱، ۳۲۷۵، وموطأ مالک، کتاب النداء للصلاة، باب الرخصة فی المرور بین یدی المصلی، ۳۳۲، وسنن الدارمی، کتاب الصلاة، باب لا یقطع الصلاة شیء، رقم: ۱۳۷۹.

حدیث کی تشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے حدیث روایت کی، فرماتے ہیں ”أقبلت راكبا على حمار أتان“ کہ میں ایک گدھی پر سوار ہو کر آیا، حمار کو بطور اسم جنس استعمال کیا ہے اور پھر اس کی تشریح کی ہے ”أتان“ سے ”أتان“ حمار کی مونث کو کہتے ہیں یعنی گدھی پر سوار ہو کر آیا۔

”وَأَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهِزَتِ الْإِحْتِلَامُ“ اور میں اس دن احتلام کے قریب تھا یعنی بلوغت کے قریب پہنچ چکا تھا، اس وقت تک بالغ نہیں ہوا تھا۔

”وَرَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَصْلِي بَمَنِي إِلَى غَيْرِ جِدَارٍ فَمَرُوتٌ بَيْنَ يَدَيِ بَعْضِ الصَّفِّ ، وَ أُرْسِلَتِ الْأَتَانُ تَرْتَعُ ، وَ دَخَلْتُ فِي الصَّفِّ فَلَمْ يَنْكُرْ ذَلِكَ عَلَيَّ أَحَدٌ“۔

اور رسول اللہ ﷺ منیٰ میں نماز پڑھ رہے تھے یعنی سامنے کوئی دیوار نہیں تھی، میں گدھی پر سوار ہو کر صف کے کچھ حصہ کے سامنے سے گزرا، اور گدھی کو میں نے چھوڑ دیا، وہ چرتی رہی اور میں خود جا کر صف کے اندر شامل ہو گیا، تو میرے اس عمل پر کوئی نکیر نہیں کی گئی۔

کہنا یہ چاہ رہے ہیں کہ حدیث میں جو آتا ہے ”تقطع الصلوة“ اس سے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ گدھے کے سامنے آنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، کہتے ہیں میں خود گدھی پر سوار ہو کر آیا، گدھی سامنے چرتی رہی اور حضور ﷺ نماز پڑھاتے رہے، اس کے باوجود کسی کی نماز فاسد نہیں ہوئی، بلکہ کسی نے میرے اوپر نکیر بھی نہیں کی کہ ایسا کیوں کیا؟ معلوم ہوا کہ نماز فاسد نہیں ہوتی۔

صغیر کا سماع معتبر ہے

یہاں اس حدیث کو لانے کا منشا یہ ہے کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ میں احتلام کے قریب تھا یعنی نابالغ تھا اور اس وقت کا واقعہ بیان کر رہے ہیں، اور سب نے اس سے استدلال کیا ہے، معلوم ہوا کہ صغیر کا سماع معتبر ہے۔

۷۷۔ حدثني محمد بن يوسف قال : حدثنا أبو مسهر قال : حدثني محمد بن حرب قال : حدثني الزبيدي عن الزهري ، عن محمود بن الربيع قال : عقلت من النبي ﷺ مجة مجها في وجهي وأنا ابن خمس سنين من دلو . [أنظر : ۱۸۹ ، ۸۳۹ ، ۱۱۸۵ ، ۶۳۵۴ ، ۶۴۲۲] ۶۰

۶۰۔ وفی سنن ابن ماجہ ، کتاب الطہارۃ و مستھا ، رقم : ۶۵۲ ، و کتاب المساجد و الجماعات ، رقم : ۷۴۶ ، و مسند

احمد ، باقی مسند الانصار ، رقم : ۲۲۵۱۴ ، ۲۲۵۳۰ .

محمود بن الربیع کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک کلی میرے چہرے پر کی تھی جبکہ میں پانچ سال کا تھا، اس کو میں نے یاد رکھا جو ایک ڈول سے پانی لے کر میرے چہرے پر کلی کی تھی۔

نبی کریم ﷺ کا یہ عمل بظاہر ایک بچہ کے ساتھ ملاعبت ہے، لیکن ان کے لئے کتنی بڑی سعادت اور برکت کا معاملہ تھا کہ آنحضرت ﷺ کا لعاب دہن ان کے چہرے پر پانچ سال کی عمر میں آ کر لگا، اس لئے اس کو فخر سے بیان کر رہے ہیں۔

(۱۹) باب الخروج فی طلب العلم

علم کی طلب میں باہر نکلنے کا بیان

یہ باب طلب علم کے لئے سفر کرنے کے بارے میں قائم کیا ہے۔ جس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ طلب علم کے لئے سفر کرنا بھی فضیلت کا سبب ہے اور یہ باب قائم کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بعض لوگوں نے ان احادیث کے پیش نظر جن میں ”السفر قطعة من العذاب“ کہا گیا ہے یا سمندر میں سفر کرنے سے منع کیا گیا ہے، یہ سمجھ سکتے تھے کہ گھر میں طلب علم کر لو تو ٹھیک ہے، باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے، اس کی تردید کے لئے یہ باب قائم کیا ہے۔

اس میں تعلیق روایت کی ”ورحل جابر بن عبد اللہ مسيرة شهر، إلى عبد اللہ بن

انیس فی حدیث واحد“۔

حضرت جابر بن عبد اللہ ؓ نے حدیث کو سیکھنے کے لئے عبد اللہ بن انیس کی طرف ایک مہینہ کا سفر کیا۔ اور حدیث کو سیکھنے کے لئے بھی نہیں بلکہ ان کے پاس پہلے سے وہ حدیث موجود تھی، انہوں نے سنی ہوئی تھی لیکن بالواسطہ سنی تھی۔

عبد اللہ بن انیس نے کسی اور کو سنائی ہوگی اور انہوں نے ان کو بتائی، تو انہوں نے اپنی سند کو عالی کرنے

کے لئے اور براہ راست عبد اللہ بن انیس سے سننے کے لئے ایک مہینہ کا سفر کیا۔

وہ حدیث جس کے لئے حضرت جابر ؓ نے سفر کیا امام بخاری رحمہ اللہ نے وہ ”کتاب التوحید“ میں

نکالی ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ جس میں اللہ ﷻ بندوں کو فرمائیں گے کہ: ”و یذکر عن جابر بن عبد اللہ،

عن عبد اللہ بن انیس قال: سمعت النبی ﷺ یقول: ((یحشر اللہ العباد فینادیہم بصوت

یسمعه من بعد کما یسمعه من قرب: أنا الملک، أنا الدیان))۔ ۱۱

تو یہ حدیث ان کو کسی اور طریق سے پہنچی تھی لیکن معلوم ہوا کہ عبداللہ بن انیس نے براہ راست سنی ہے تو ان سے سننے کے لئے یہ کہا کہ قبل اس کے کہ میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں، میں یہ حدیث آپ سے سننے کے لئے آیا ہوں۔

جب یہ عبداللہ بن انیس کے پاس پہنچے تو عبداللہ بن انیس نے ان کا بڑا خیر مقدم کیا اور کہا کہ آئیں، بیٹھیں، اتنا لمبا سفر کر کے آئے ہیں، کہا نہیں بس میں صرف اسی لئے آیا تھا کہ حدیث سن لوں، حدیث سن لی، اس لئے اب چلتا ہوں، بیٹھے بھی نہیں تا کہ میرا مقصد صرف حدیث کو حاصل کرنے کے لئے ہو، کسی اور مقصد کے لئے نہ ہو اور یہ تو صرف ایک واقعہ ہے صحابہؓ و تابعینؓ کے ایسے واقعات بکثرت مروی ہیں کہ انہوں نے صرف ایک حدیث حاصل کرنے کے لئے لمبا لمبا سفر کیا۔ ایک مہینہ کا سفر کوئی معمولی بات نہیں اور وہ بھی اس دور میں جبکہ سفر کی سہولتیں بھی میسر نہیں ہوتی تھیں۔ حضرت ابویوب انصاریؓ کا بھی اسی طرح کا ایک واقعہ منقول ہے، دوسرے بہت سے صحابہؓ و تابعینؓ کے واقعات بھی منقول ہیں۔

ہمارے شیخ عبدالفتاح ابو غدہ کی ایک کتاب ہے ”صفحات من صبر العلماء علی شدائد العلم والتحصيل“ اس میں انہوں نے ایسے واقعات جمع کئے ہیں۔

یہ حدیث (۴۴) باب ما يستحب للعالم اذا سئل: أي الناس أعلم؟ فيكل العلم الى الله، رقم الحديث: ۲۲۱ پر تفصیل سے آئے گی، وہیں اس پر ان شاء اللہ کلام ہوگا۔

(۲۰) باب فضل من علم وعلم

اس شخص کی فضیلت کا بیان جو خود پڑھے اور دوسروں کو پڑھائے

یہ باب ان لوگوں کے متعلق ہے جنہوں نے علم حاصل کیا اور اس کو دوسروں تک پہنچایا۔ پہلے علم کی فضیلت تھی اب یہاں معلم اور متعلم کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہے۔

۷۹۔ حدثنا محمد بن العلاء، قال: حدثنا حماد بن أسامة، عن برید بن عبد اللہ، عن أبي بردة، عن أبي موسى عن النبي ﷺ قال: ((مثل ما بعثنى الله من الهدى والعلم كمثل الغيث الكثير أصاب أرضاً، فكان منها نقية قبلت الماء فأنبتت الكلأ والعشب الكثير. وكانت منها أجادب أمسكت الماء فنفع الله بها الناس فشر بوا وسقوا وزرعوا، وأصاب منها طائفة أخرى إنما هي قيعان لا تمسك ماء ولا تنبت كلأ، فذلك مثل من فقه في دين الله ونفعه ما بعثنى الله به فعلم وعلم، ومثل من لم يرفع بذلك رأساً ولم يقبل هدى الله الذي أرسلت به))۔

قال أبو عبد الله: قال اسحاق: وكان منها طائفة قيلت الماء، قاع يعلوه الماء، والصفصف المستوى من الأرض. ۶۲

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث روایت فرمائی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”مثل ما بعثنی اللہ من الہدی والعلم کمثل الغيث الكثير اصاب ارضا“ کہ اس چیز کی مثال جس کے ساتھ اللہ ﷻ نے مجھے بھیجا ہے یعنی اللہ ﷻ نے مجھے جو ہدایت اور علم دے کر بھیجا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے بہت زیادہ بارش جو کسی زمین کو پہنچی ہے ”فکان منها نقیة“۔

زمین کی تین قسمیں

آپ ﷺ نے جو مثال دی ہے وہ یہ ہے کہ بارش جو برسی وہ تین قسم کی زمینوں پر برسی۔

پہلی قسم

ایک زمین وہ تھی جو صاف ستھری تھی، اس میں پانی جذب کرنے کی صلاحیت تھی، لہذا اس نے پانی کو جذب کیا اور جذب کرنے کے نتیجے میں زمین میں گھاس اگی، نباتات پیدا ہونے سے لوگوں کو فائدہ پہنچا کہ وہ نباتات انسانوں اور دواب کے کھانے کے کام آئی۔

دوسری قسم

دوسری زمین ایسی تھی جو نرم نہیں تھی بلکہ سخت تھی اس لئے اس میں پانی جذب کرنے کی صلاحیت نہیں تھی لیکن اس میں گہراؤ تھا اس کی وجہ سے اس نے پانی جمع کر لیا، تو چونکہ اس میں جمع ہو گیا اس لئے اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچا، انسانوں اور جانوروں نے اس سے پانی پیا۔

تیسری قسم

تیسری قسم کی زمین وہ تھی جو بالکل صاف چٹیل تھی کہ نہ تو اس میں پانی جذب کرنے کی صلاحیت تھی، نہ اس میں ایسا گہراؤ تھا کہ وہ پانی روک سکے، بس اس میں پانی برسا لیکن نہ اس نے جذب کیا اور نہ اس نے جمع کیا فرمایا کہ یہ تین قسم کے لوگوں کی مثال ہے۔

لوگوں کی تین قسمیں

پہلی قسم

ایک قسم وہ ہے جن کے پاس علم پہنچا انہوں نے خود بھی عمل کیا اور دوسروں تک بھی پہنچایا تو اس کی مثال وہ پہلی قسم کی ہے کہ پانی نرم زمین پر گرا، اس نے اس کو جذب کیا اور گھاس اگائی، اس گھاس سے لوگوں کو فائدہ پہنچا، تو اس زمین نے خود اس بارش سے فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچایا۔

دوسری قسم

زمین کی دوسری قسم ان لوگوں کی مثال ہے جو علم کے اوپر خود تو عمل نہ کر سکے کم از کم دوسروں تک پہنچا دیا جیسے زمین نے خود تو پانی جذب نہیں کیا لیکن دوسروں کیلئے جمع کر لیا۔

تیسری قسم

تیسری مثال ان لوگوں کی ہے جن تک علم پہنچا لیکن نہ انہوں نے خود اس پر عمل کیا اور نہ دوسروں تک پہنچایا جیسے زمین نے نہ خود جذب کیا اور نہ دوسروں کیلئے جمع کیا۔

تو فرمایا ”فكان منها نقيّة“ ان میں سے کچھ زمین نقی تھی ”نقی“ اصل میں کہتے ہیں صاف ستھری اور پاکیزہ کو یعنی جو ذرا نرم زمین تھی ”قبلت الماء“ اس نے پانی کو قبول کیا، جذب کیا ”فأنبت الكلاء والعشب الكثير“ اس نے گھاس اگائی اور بہت بڑی تعداد میں عشب یعنی تر گھاس۔

”کلاء“ مطلق گھاس کو کہتے ہیں چاہے وہ خشک ہو یا تر ہو اور ”عشب“ خاص طور پر تر گھاس کو کہتے

ہیں، تر نباتات۔

”وكانت منها اجادب“ اور ان میں سے کچھ زمین اجادب تھیں، ”اجادب، اجذب“ یا ”جذب“ کی جمع ہے، دونوں کے معنی ہیں قحط زدہ ”جذب“ قحط کو کہتے ہیں اور جب ”جذب“ زمین کی صفت آتی ہے تو یہ ایسی سخت زمین کو کہتے ہیں جو پانی جذب نہ کرے۔

”أمسكت الماء“ اس نے خود تو جذب نہیں کیا، لیکن پانی روک کر رکھا، ”فرفع الله بها الناس“ اس کے ذریعہ اللہ ﷻ نے لوگوں کو نفع پہنچایا ”فشرّبوا وسقوا وزرعوا“ انہوں نے خود بھی پیا اور دوسروں کو بھی لایا اور پانی لے کر دوسری جگہ بھیجتی اگائی۔

”وأصاب منها طائفة أخرى“ اور اسی بارش کا کچھ حصہ دوسری زمین پر پہنچا، ”إنما هي قيعان“ جس زمین پر یہ بارش پہنچی وہ ”قیعان“ تھی، ”قیعان۔ قاعة“ کی جمع ہے، اور ”قاعة“ اس زمین کو کہتے ہیں جو چٹیل اور برابر ہو اس میں کوئی گہراؤ نہ ہو، کہیں نشیب و فراز نہ ہو، تو فرمایا ”قیعان لا تمسك ماء ولا تبنت كلا“ نہ وہ زمین پانی روک کر رکھتی ہے اور نہ وہ گھاس اگاتی ہے۔

”فذلك مثل من فقه في دين الله“ یہ ان لوگوں کی مثال ہے جنہوں نے اللہ ﷻ کے دین میں سمجھ حاصل کی ”ونفعه ما بعثني الله به“ اور اللہ ﷻ نے اس کو، اس علم کے ذریعہ نفع پہنچایا جس کو دے کر اللہ ﷻ نے مجھے بھیجا ہے۔ ”فَعَلِمَ وَعَلَّمَ“ اس نے علم حاصل کیا اور دوسروں کو بھی پہنچایا۔

”و مثل من لم يرفع بذلك رأسا ولم يقبل“ اور یہ مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے اس علم کے اوپر اپنا سر بھی نہیں اٹھایا اور نہ قبول کیا، نہ دوسروں تک پہنچایا، ”ولم يقبل هدى الله الذي أرسلت به“۔

یہاں آپ ﷺ نے دو قسم کے لوگوں کا ذکر کیا، ایک وہ جنہوں نے خود بھی علم حاصل کیا اور دوسروں کو بھی پہنچایا اور ایک وہ جنہوں نے کوئی دھیان ہی نہیں دیا، سچ میں وہ تیسری قسم خود ہی نکل آئی کہ جس نے علم حاصل کیا لیکن خود عمل کرنے کے بجائے محفوظ رکھ لیا اور دوسرے لوگوں تک پہنچا دیا، پھر بھی غنیمت ہے، لیکن تیسری قسم بالکل ہی تباہ حال ہے کہ اس نے نہ تو خود قبول کیا اور نہ دوسروں تک پہنچایا۔ ۶۳

”قال أبو عبد الله:“ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”قال اسحق عن أبي اسامه“ اسحق بن راہویہ نے ابو اسامہ سے یہ حدیث روایت کی ہے اس میں یہ الفاظ ہیں۔

”وكان منها طائفة قبلت الماء“ پیچھے ”قبلت الماء“ آیا تھا امام اسحق بن راہویہ کی روایت میں ”قبلت“ کی جگہ ”قبلت الماء“ کا لفظ ہے، ”قبلت“ کا معنی ہے روک کر رکھنا، ”قاع يعلوه الماء“ ”قاع“ اس زمین کو کہتے ہیں جس کے اوپر پانی رہتا ہے اور اندر نہیں جاتا۔

”والصفصف المستوي من الأرض“ امام بخاری رحمہ اللہ جب کسی لفظ کی تشریح کرتے ہیں تو قرآن کریم میں اس کے آس پاس جو لفظ ہوتا ہے اس کی تشریح بھی کر دیتے ہیں۔

یہاں ”قاع“ کی تشریح کی اور چونکہ قرآن کریم میں ”قاعا صفصفا“ آیا ہے اسلئے ”صفصف“

کی تشریح بھی کردی کہ ”صفصف“ کے معنی ہیں ”المستوی من الارض“ وہ زمین جو برابر ہو۔

(۲۱) باب رفع العلم وظهور الجہل ،

علم اٹھ جانے اور جہل ظاہر ہونے کا بیان

”وقال ربیعة: لا ینبغی لأحد عنده شی من العلم أن یضیع نفسه“.

رفع علم اور ظہور جہل کا مطلب

اس باب میں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ کسی وقت میں علم اٹھا لیا جائیگا اور جہالت ظاہر ہو جائے گی اور ظاہر ہے کہ علم اٹھائے جانے اور جہالت کے ظاہر ہونے کا راستہ یہی ہوگا کہ جو کوئی علم رکھتا ہے وہ دوسروں تک نہیں پہنچائے گا، اس لئے وہ اسی تک محدود رہ جائے گا اور جب اس کا انتقال ہو جائے گا تو اس کا علم بھی چلا جائے گا۔

ضیاع علم اور نااہل کو تعلیم

وقال ربیعة: ”لا ینبغی لأحد عنده شی من العلم أن یضیع نفسه“

”ربیعة السرای“ جو امام مالک رحمہ اللہ کے استاد ہیں وہ فرماتے ہیں کہ جس کے پاس علم کا تھوڑا

بہا بھی حصہ ہو، اسے اپنے آپ کو ضائع نہیں کرنا چاہئے۔

ضائع کرنے کا ایک معنی یہ ہے کہ علم تو ہے مگر دوسرے کو نہیں پہنچایا تو گویا اپنے آپ کو ضائع کر دیا۔

دوسرے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ علم ہے مگر اس پر عمل نہیں کیا گویا وہ ضائع ہو گیا۔

اور تیسرے یہ معنی بھی ممکن ہیں کہ علم تو ہے لیکن وہ ایسے شخص کو پہنچا رہا ہے جو اس کی اہلیت نہیں رکھتا، اس

کا قدر دان نہیں ہے۔ تو علم ہمیشہ ایسے شخص کو پہنچانا چاہئے جس کے اندر اس کی طلب ہو، اس کی قدر ہو اور جس کے پاس قدر نہیں اس کو پہنچانا علم کو ضائع کرنا ہے۔

۸۰ - حدثنا عمران بن میسرۃ قال : حدثنا عبدالوارث ، عن أبی التیاح ، عن

أنس قال : قال رسول اللہ ﷺ : ((إن من أشراط الساعة أن یرفع العلم ، ویثبت الجہل ،

ویشرب الخمر ، ویظهر الزنا)) . [أنظر : ۸۱ ، ۵۲۳۱ ، ۵۵۷۷ ، ۶۸۰۸ ، ۶۴]

۱۳ وفی صحیح مسلم ، کتاب العلم ، باب رفع العلم وقبضہ وظهور الجہل والفتن فی آخر ، رقم ۳۸۲۳ ، ۳۸۲۵ ، وسنن

الترمذی ، کتاب الفتن عن رسول اللہ ، باب ماجاء فی أشراط الساعة ، رقم : ۲۱۳۱ ، وسنن ابن ماجہ ، کتاب الفتن باب أشراط

الساعة ، رقم : ۳۰۳۵ ، ومسند أحمد ، باقی مسند المکثرین ، باب مسند أنس بن مالک ، رقم : ۱۱۵۰۶ ، ۱۱۷۶۳ ،

۱۲۰۶۹ ، ۱۲۳۳۲ ، ۱۲۶۲۲ ، ۱۲۷۵۳ ، ۱۳۳۷۷ ، ۱۳۳۳۶ ، ۱۳۵۶۳ .

علامات قیامت

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی کہ رسول ﷺ نے فرمایا ”إن من أشراط الساعة أن يرفع العلم“ کہ علامات قیامت میں سے یہ ہے کہ علم اٹھالیا جائے گا ”ويثبت الجهل“ اور جہل ثابت ہو جائے گا ”ويشرب الخمر“ اور شرابیں پی جائیں گی ”ويظهر الزنا“ اور زنا عام ہو جائے گا۔ العیاذ باللہ۔

۸۱۔ حدثنا مسدد قال : حدثنا يحيى ، عن شعبة ، عن قتادة ، عن أنس ، قال : لأحدثكم حديثاً لا يحدثكم أحد بعدى ، سمعت رسول الله ﷺ يقول : ((من أشراط الساعة : أن يقل العلم ، ويظهر الجهل ، ويظهر الزنا ، وتكثر النساء ، ويقل الرجال ، حتى يكون لخمسين امرأة القيم الواحد)) . [راجع : ۸۰]

فرمایا کہ علامت قیامت میں سے یہ ہے کہ علم کم ہو جائے گا اور جہل ظاہر ہو جائے گا اور زنا ظاہر ہو جائے گا، عورتیں زیادہ ہو جائیں گی، مرد کم ہو جائیں گے یہاں تک کہ پچاس عورتوں کیلئے ایک قیم (مرد) ہوگا۔ پہلی حدیث میں یہ لفظ تھا کہ ”یرفع العلم“ علم اٹھالیا جائے گا اور اس حدیث میں ہے کہ علم کم ہو جائے گا، ظاہر ہے دونوں مختلف مرحلے ہیں، شروع میں علم کم ہو جائے گا اور بعد میں اٹھالیا جائے گا۔

دونوں روایات میں تعارض اور تطبیق کی صورت

یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ بعض روایات میں علامات قیامت کی بارے میں آیا ہے کہ ”یفشوا العلم“ علم بہت پھیل جائے گا اور بعض روایات میں ”یکثر العلم“ بھی آیا ہے کہ علم کی کثرت ہو جائے گی اور یہاں علامات قیامت میں یہ کہا جا رہا ہے کہ علم کم ہو جائے گا یا علم اٹھالیا جائے گا؟

دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ جہاں یہ کہا گیا ہے کہ علم پھیل جائے گا یا کثرت ہو جائے گی تو اس کے معنی ہیں ذرائع علم کی کثرت ہو جائے گی کہ کتابیں بہت ہو جائیں گی، کتب خانے بہت ہو جائیں گے اور پرانی پرانی کتابیں منظر عام پر آ جائیں گی، جیسے آجکل آرہی ہیں اور کہاں کہاں سے کیسی کیسی کتابیں آرہی ہیں، جن کا پہلے تصور بھی نہیں تھا وہ چھپ چھپ کر آرہی ہیں۔

مراد ہے ذرائع علم کی کثرت، پریس و کتابوں کی کثرت، طباعت اور اشاعت کی کثرت، اور اب تو کمپیوٹر آ گیا ہے جس سے ذرائع علم میں ایک انقلاب آ گیا ہے۔

اور جہاں کہا گیا ہے کہ علم کم ہو جائے گا تو اس سے مراد یہ ہے کہ ذرائع علم تو بہت ہوں گے لیکن علم کی حقیقت رخصت یا کم ہو جائے گی، جیسے آج کل کا زمانہ ہے اس کا پچھلے زمانہ سے مقابلہ کریں تو جتنی کتابیں اس

وقت مہیا ہیں زمانہ سابق میں اتنی نہیں تھیں، نہ طباعت کے آلات تھے، نہ اشاعت کے آلات تھے، نہ کمپیوٹر تھا، نہ فہرستیں تھیں، نہ انڈکس تھے، اب سب چیزیں ہیں لیکن نہ کوئی امام بخاری رحمہ اللہ پیدا ہوتا ہے، نہ کوئی علی المدینی رحمہ اللہ پیدا ہوتا ہے، نہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پیدا ہوتا ہے، نہ امام مالک رحمہ اللہ پیدا ہوتا ہے، علم کے ذرائع کی کثرت کے باوجود علم کی حقیقت کم ہو رہی ہے، علم کے کم ہونے سے یہی مراد ہے۔

اور یہ جو فرمایا کہ عورتوں کی کثرت ہو جائے گی اور مرد کم ہو جائیں گے، اس کا بھی ہمارے زمانہ میں مشاہدہ ہو رہا ہے، اور یہ جو فرمایا کہ پچاس عورتوں کے لئے ایک قیم ہوگا۔

اس میں بعض نے کہا ہے کہ پچاس کا عدد مراد نہیں ہے بلکہ کثرت مراد ہے۔

بعض نے کہا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پچاس عورتوں کا ایک ہی نگہبان ہو جائے۔

(۲۲) باب فضل العلم

علم کی فضیلت کا بیان

۸۲۔ حدثنا سعید بن عفیر قال : حدثني الليث قال : حدثني عقيل، عن ابن شهاب ، عن حمزة بن عبد الله بن عمر أن عمر قال : سمعت رسول الله ﷺ قال : ((بينا أنا نائم أتيت بقدح لبن فشربت حتى إنني لأرى الرى يخرج في أظفاري ، ثم أعطيت فضلي عمر بن الخطاب)). قالوا : فما أولته يا رسول الله ؟ قال : ((العلم)). [أنظر : ۳۶۸۱، ۴۰۰۶، ۴۰۰۷، ۴۰۲۷، ۴۰۳۲] ۶۵

فضل علم

یہاں لوگوں کو یہ اشکال ہوا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ”کتاب العلم“ کے شروع میں بھی فضیلت علم کا باب قائم کیا تھا اور یہاں اس کو مکرر لائے ہیں اور پھر اس کی دوراز کار توجیہات کی ہیں۔ صحیح بات یہ ہے جو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ اور حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے بیان فرمائی ہیں کہ یہاں

۶۵۔ وفي صحيح مسلم ، كتاب الفضائل الصحابة ، باب من فضائل عمر ، رقم : ۴۴۰۳ ، وسنن الترمذی ، كتاب الرؤيا عن رسول الله ، باب في رؤيا النبي اللبن والقمص ، رقم : ۲۲۰۹ ، وكتاب المناقب عن رسول الله ، باب في مناقب عمر بن الخطاب ، رقم : ۳۶۲۰ ، ومسند أحمد ، ومسند المكشورين من الصحابة ، باب باقى المسند السابق ، رقم : ۵۲۹۵ ، ۵۶۰۲ ، ۵۸۶۸ ، ۶۰۵۹ ، ۶۱۳۸ ، وسنن الدارمی ، كتاب الرؤيا ، باب في القمص والبئر واللبن والأصل والسمن والتمر وغير ذلك في النوم ، رقم : ۳۰۶۰ .

فضل، فضیلت کے معنی میں نہیں ہے بلکہ فضل کا معنی ہے بچا ہوا حصہ، یعنی جو حصہ انسان کی ضرورت سے زائد ہو، اس کو فضل کہتے ہیں، تو علم کے فضل کا مطلب ہے علم کا بچا ہوا حصہ، اس لئے کہ یہاں جو روایت نقل کی ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا، آپ ﷺ نے دودھ پیا اور اس دودھ کا جو بچا ہوا حصہ تھا وہ آپ ﷺ نے حضرت عمرؓ کو عنایت فرمایا، اس لئے یہاں فضل العلم مراد ہے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس ترجمۃ الباب کے قائم کرنے میں دو باتیں مقصود ہیں:
ایک یہ کہ علم میں صرف مقدار علم پر اکتفا کرنا کافی نہیں بلکہ اس طرح علم حاصل کرنا چاہئے کہ جو مقدار ضرورت پر بھی مشتمل ہو اور اس کے بعد کچھ بچ بھی جائے۔
اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ یہ کہئے ”زَبْ ذُنْبِيْ عَلَمًا“ تو آنحضرت ﷺ کو مقدار ضرورت کا علم تو پہلے ہی سے حاصل تھا لیکن پھر بھی تاکید کی جا رہی ہے کہ دعا کیجئے ”اے اللہ! میرے علم میں اضافہ کر دیجئے“ معلوم ہوا کہ مقدار ضرورت پر ہی اکتفا نہیں کرنا چاہئے، بلکہ اس سے زائد حصہ بھی حاصل کرنا چاہئے جو فضل ہو، اس کی طلب بھی علم کی فضیلت میں داخل ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ علم کا جو اپنی ضرورت سے زائد حصہ ہے وہ دوسرے کو پہنچانا چاہئے، اسی لئے اس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت نقل کی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ”بینما انا نائم“ اس دوران کہ میں سو رہا تھا ”اتیت بقدر لبن“ میرے پاس دودھ کا ایک پیالہ لایا گیا ”فشربت“ میں نے پیا ”انی لأرى الری یخرج فی اطفالی“ یہاں تک کہ میں دیکھ رہا تھا کہ اس کی تروتازگی اور شادابی میرے ناخنوں میں ظاہر ہو رہی تھی، یعنی اتنا دودھ پیا کہ سارا جسم سیراب ہو گیا اور سیرابی و تازگی میرے ناخنوں کے اندر ظاہر ہو رہی تھی۔

”ثم أعطیت فضلی عمر بن الخطاب“ پھر جو دودھ بچ گیا وہ میں نے عمر بن الخطاب کو دے دیا۔ ”قالوا: فما أولته یا رسول اللہ؟“ آپ نے اس خواب سے کیا تعبیر لی یا رسول اللہ ﷺ؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ”العلم“ کہ یہ دودھ علم ہے۔ اللہ ﷻ نے نبی کریم ﷺ کو عطا فرمایا اور آپ ﷺ نے اس کا بچا ہوا حصہ حضرت عمرؓ کو عطا فرمایا۔

فاروق اعظمؓ کا مقام

اس سے حضرت عمرؓ کی عظیم فضیلت معلوم ہوتی ہے، اگرچہ تمام ہی صحابہؓ کو حضور ﷺ کے فضل علم کو

حاصل کرنے کی سعادت ملی لیکن حضرت فاروق اعظم ؓ کو خاص طور پر ذکر فرمایا۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ اور دوسرے حضرات نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم تو سبھی کو ملا تھا، لیکن اللہ ﷻ نے حضرت فاروق اعظم ؓ کو علم و معرفت کی کچھ خاص نوع عطا فرمائی تھی جو انبیاء کے علم کا حصہ تھی، اسی وجہ سے حضرت فاروق اعظم ؓ سے بہت سے ایسے امور ثابت ہیں جو انہی کی خصوصیت ہیں۔

بہت سے ایسے معاملات ہیں جن کو اولیات عمر ؓ کہا جاتا ہے جو سب سے پہلے حضرت عمر ؓ نے کئے ہیں، وہ اولیات ایسی ہیں کہ ان کو تعبیر کرنا بڑا مشکل کام ہے، وہ ساری اولیات ایسی ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی دین کے مزاج سے ہٹی ہوئی نہیں ہے، حقیقت میں وہ سب قرآن و سنت سے مستفاد ہیں، لیکن وہ استفادہ قرآن و سنت سے اتنا دقیق تھا کہ اور لوگوں پر واضح نہ ہو سکا۔ شروع میں حضرت فاروق اعظم ؓ کی توجہ ہوئی اور جب لوگوں کو بتایا تو سب نے اتفاق کر لیا۔

اولیات عمر ؓ

فاروق اعظم ؓ نے بعض ایسے کام کئے کہ اگر کوئی دوسرا کرتا تو بدعت کہلاتے جیسے تراویح کی جماعت، حضور ﷺ کے زمانہ میں تراویح کا یہ اہتمام نہیں تھا۔

اب تراویح کا مسئلہ ہے، حضرت فاروق اعظم ؓ کو توجہ ہوئی اوروں کو نہ ہوئی، بعد میں سب نے اتفاق کر لیا۔ ۶۶

تین طلاقیں کا مسئلہ ہے حضرت عمر ؓ کو توجہ ہوئی، قرآن و سنت ہی کے دلائل کی روشنی میں توجہ ہوئی، لیکن کسی اور کو اس سے پہلے نہ ہوئی تھی، حضرت فاروق اعظم ؓ نے اعلان کر دیا تو سب نے اس پر اتفاق کر لیا۔ ۶۷

گھوڑوں کی زکوٰۃ، یہ قرآن و سنت ہی سے مستنبط ہے، لیکن اس پر عمل انہوں نے جاری کیا، بعد میں سب نے اتفاق کر لیا۔

عام ربادہ میں جب قحط پڑا تو یہ حکم دیا کہ ایک آدمی کے ساتھ دوسرے کو کھانے میں داخل کر دو، یہ حضرت عمر ؓ نے حکم دیا اور قرآن و سنت سے بھی مستنبط تھا لیکن توجہ اوروں کو نہیں ہوئی، ان کو ہوئی اور اس کے مطابق عمل فرمایا۔ اس طرح بہت سی مثالیں ہیں یہ اولیات عمر ؓ کہلاتی ہیں، جو لوگ دین کے مزاج سے پوری طرح آشنا نہیں ہیں اور اجتہاد اجتہاد کے بہت نعرہ لگاتے ہیں وہ ان اولیات عمر ؓ کو لے کر کہتے ہیں کہ جب

۶۶ راجع : کتاب صلاة التراويح ، (۱) باب فضل من قام رمضان ، رقم الحديث ۲۰۱۰ ، وبالح الطحاوی فقال : ان

صلاة التراويح فی الجماعة واجبة علی الکفاية ، وقال ابن بطال : قيام رمضان سنة لان عمر انما اخذه من فعل النبی ﷺ ، وانما تركه النبی ﷺ خشية الافتراض کذا ذکره الحافظ فی الفتح بشرح حدیث ”فضل من قام رمضان“ .

۶۷ قد کان ذلک فلما کان فی عهد عمر تتابع الناس فی الطلاق فاجازه علیهم ، فتح الباری ، ج : ۹ ، ص : ۳۶۳ .

حضرت عمرؓ نے یہ کام کر لیا تو ہم بھی اسی طرح کا کوئی نیا کام کر سکتے ہیں۔

لیکن زمین و آسمان کا فرق ہے، اور یہ بدنہی کی بات ہے کہ کوئی اپنے آپ کو حضرت فاروق اعظمؓ پر قیاس کرے، یہ علم تو حضرت عمرؓ کو ہی حضورؐ نے عطا فرمایا تھا۔ صحابہ کرامؓ میں سے کسی اور کا ذکر نہیں ہے علم کی یہ خاص نوع حضرت فاروق اعظمؓ کو ہی ملی ہے اور دوسرے صحابہؓ کو نہیں ملی۔

یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ حضرت فاروق اعظمؓ کو صدیق اکبرؓ پر بھی یہ فضیلت جزی حاصل ہے اگرچہ بحیثیت مجموعی حضرت صدیق اکبرؓ افضل ہیں لیکن اس معاملہ میں حضرت فاروق اعظمؓ کو ترجیح دی گئی ہے انہوں نے کہا کہ مقام ابراہیمؑ پر نماز پڑھی جائے تو بہت اچھا ہو، ان کی تائید میں آیت نازل ہوگئی۔

انہوں نے کہا کہ اگر نبیؐ کی ازواج مطہرات پردہ کریں تو بہتر ہے، ان کی تائید میں آیت نازل ہوگئی۔ ۶۸

یہ فضیلت جزی حضرت عمرؓ کو حاصل ہے کسی اور کو نہیں، اس لئے کوئی شخص یہ کہے کہ میں وہ کام کروں گا جو حضرت عمرؓ نے کئے ہیں تو یہ حماقت کی بات ہے، ۶۹

نہ ہر کہ سر بتر اشد قلندر بی داند

(۲۳) باب الفتيا وهو واقف على الدابة وغيرها

سواری یا کسی چیز پر کھڑے ہو کر فتویٰ دینا یا دین کا مسئلہ بتانا ناجائز ہے

۸۳۔۔ حدثنا إسماعيل قال : حدثني مالك ، عن ابن شهاب ، عن عيسى بن طلحة ابن عبيد الله ، عن عبد الله بن عمرو بن العاصي أن رسول الله ﷺ وقف في حجة الوداع بمنى الناس يسألونه ، فجاءه رجل فقال : لم أشعر فحلقت قبل أن أذبح؟ فقال : ((أذبح ولا حرج)) ، فجاء آخر فقال : لم أشعر فنحرت قبل أن أرمي؟ قال : ((ارم ولا حرج)) ، فما سئل النبي ﷺ عن شيء قدم ولا أخر إلا قال : أفعل ولا حرج . [أنظر : ۱۲۳، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۶۶۶۵، ۶۷۰۷]

۶۸، ۶۹ و امثالها كثيره يعرفها اهلها (ابجد العلوم ج: ۲، ص: ۵۰۶، بیروت ۱۹۷۸ء)

۷۰۔ وفی صحیح مسلم، کتاب الحج، باب من حلق قبل النحر أو نحر قبل الرمي . رقم: ۲۳۰۱، ۲۳۰۵۔ و سنن الترمذی، کتاب الحج عن رسول الله ﷺ . باب ما جاء فيمن حلق قبل أن يذبح أو نحر قبل أن يرمي . رقم: ۸۳۵، و سنن أبي داود، کتاب المناسك، باب فيمن قدم شيئا قبل شيء في حجة . رقم: ۱۷۲۲، و سنن ابن ماجه، کتاب المناسك، باب من قدم نسكا قبل نسك . رقم: ۳۰۴۲، و سنن الدارمي، کتاب المناسك، باب فيمن قدم نسكا شيئا قبل شيء . رقم: ۱۸۲۹، و مؤطا مالك، کتاب الحج، باب جامع الحج . رقم: ۸۳۷، و مسند احمد، مسند المكثرين من الصحابة، رقم: ۶۱۹۶، ۶۵۰۹، ۶۵۹۳، ۶۶۶۳، ۶۷۳۶.

حدیث باب کی تشریح

یہ باب قائم کیا ہے کہ اس حالت میں فتویٰ دینا کہ آدمی کسی دابہ (چوپایہ) وغیرہ کی پشت پر کھڑا ہو۔
اس باب کو قائم کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بعض فقہاء کرام اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ
آدمی گھوڑے یا اونٹ پر سوار ہے اور اس حالت میں اس کو منبر بنائے یعنی اس حالت میں اس کے اوپر کھڑے
ہو کر وعظ و تقریر نہ کرے۔

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وعظ و تقریر تو ویسے عام حالات میں نہیں کرنی
چاہئے اس کے لئے مناسب یہی ہے کہ کسی منبر پر ہو یا کوئی اور جگہ ہو، اگرچہ ضرورت کے وقت وہ بھی جائز ہے
اس واسطے کہ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے بھی حجۃ الوداع کے موقع پر دابہ کے اوپر سوار ہو کر
خطبہ دیا، لیکن کم از کم سوال کا جواب دینا اور فتویٰ دینا اس حالت میں بھی جائز ہے۔

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع
میں لوگوں کے لئے منیٰ کے اندر کھڑے ہوئے تھے اور لوگ آپ ﷺ سے سوال کر رہے تھے۔

حالت مذکورہ میں فتویٰ دینا جائز ہے

یہاں اگرچہ ظہر دابہ کا ذکر نہیں ہے لیکن یہی حدیث ”کتاب الحج“ میں آئے گی وہاں یہ تصریح ہے کہ
آنحضرت ﷺ اس وقت ظہر دابہ پر تشریف فرما تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس حالت میں فتویٰ دینا جائز ہے ”فجاء رجل فقال:“ ایک شخص آیا، اس
نے کہا ”لو اشعر قبل ان اذبح“ مجھے خیال نہیں ہوا، میں نے قربانی سے پہلے حلق کر لیا۔

یوم النحر کا عمل

یوم النحر میں چار کام ہوتے ہیں۔ رمی جمرہ عقبہ، قربانی، حلق اور چوتھا طواف زیارت، انہی میں سے
پہلے تین کاموں کے درمیان ہمارے نزدیک ترتیب واجب ہے۔ اے

حنفیہ کا مسلک

حنفیہ کے نزدیک اگر اس ترتیب کو فاسد کر دیں تو دم آتا ہے۔ ۲۔

ائمہ ثلاثہ کا مسلک

”ویکثر الهرج“ اور ”هرج“ بہت ہو جائیں گے، ”قیل یا رسول اللہ : ما الهرج؟“ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہرج کیا ہے؟

”فقال هكذا بيده ، فحرفها كأنه يريد القتل“ ہاتھ کو ترچھا کر کے ایسے کیا، اشارہ سے بتلایا کہ ہرج سے مراد قتل کرنا ہے یعنی قتل بہت ہوگا، یہاں آپ ﷺ نے قتل کا لفظ استعمال کرنے کے بجائے ہاتھ کے اشارے سے جواب دیا اور یہی ترجمۃ الباب کا مقصود ہے۔

۸۶۔ حدثنا موسى بن إسماعيل قال : حدثنا وهيب قال : حدثنا هشام ، عن فاطمة ، عن أسماء قالت : أتيت عائشة وهي تصلي فقلت : ما شأن الناس ؟ فأشارت إلي السماء ، فإذا الناس قيام ، فقالت : سبحان : آية ، فأشارت برأسها أي : نعم ، فقمت حتى علاني الغشي فجعلت أصب على رأسي الماء ، فحمد الله عز وجل النبي ﷺ وأنتى عليه ، ثم قال : ((ما من شيء لم أكن أريته إلا رأيته في مقامي حتى الجنة والنار . فأوحى إلي أنكم تفتنون في قبوركم مثل أو قريبا . لا أدرى أي ذلك قالت أسماء . من فتنة المسيح الدجال : يقال : ما علمك بهذا الرجل ؟ فأما المؤمن أو الموقن . لا أدرى بأيهما قالت أسماء . فيقول : هو محمد هو رسول الله ، جاءنا بالبينات والهدى ، فأجبنا وأتبعنا ، هو محمد ، ثلاثا ، فيقال : نعم صالحا ، قد علمنا إن كنت لموقنا به ، وأما المنافق أو المرتاب . لا أدرى أي ذلك قالت أسماء . فيقول : لا أدرى ، سمعت الناس يقولون شيئا فقلته)). [أنظر : ۱۸۲، ۹۲۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۶۱، ۱۲۳۵، ۱۳۷۳، ۲۵۱۹، ۲۵۲۰، ۷۲۸۷، ۷۸۷]

حدیث کی تشریح

یہ حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا کی روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی جبکہ آپؐ نماز پڑھ رہی تھیں۔

یہ مسئلہ نماز کسوف کا ہے کہ سورج گرہن ہو گیا تھا، حضور اکرم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے مسجد

۸۷۔ وفي صحيح مسلم ، كتاب الكسوف ، باب ما عرض على النبي ﷺ في صلاة الكسوف من أمر الجنة ، رقم : ۱۵۰۹ ، وسنن النسائي ، كتاب الجنائز ، باب النعوذ من عذاب القبر ، رقم : ۲۰۳۵ ، وسنن ابن ماجه كتاب اقامة الصلوة والسنة فيها ، باب ما جاء في صلوة الكسوف ، رقم : ۱۲۵۵ ، ومسند أحمد ، باقي مسند الأنصار ، باب حديث أسماء بنت أبي بكر الصديق ، رقم : ۲۵۶۸۸، ۲۵۷۱۶، ۲۵۷۵۲، وموطأ مالك ، كتاب النداء للصلوة ، باب ما جاء في صلاة الكسوف ، رقم : ۳۰۱ .

نبوی میں نماز کسوف کی جماعت کرائی، ازواج مطہرات ﷺ اپنے اپنے حجروں میں جماعت کے ساتھ مل کر پڑھ رہی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی اپنے حجرے میں پڑھ رہی تھیں کہ اس دوران حضرت اسماءؓ بھی آ گئیں۔

فقلت: "ما شان الناس" دیکھا کہ غیر وقت میں جماعت ہو رہی ہے، پہلے کبھی اس طرح جماعت نہیں ہوئی تھی، اس لئے حضرت اسماء نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ لوگوں کو یہ کیا ہو گیا ہے؟

"فأشارت إلى السماء" حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آسمان کی طرف اشارہ کیا کہ دیکھو آسمان میں یہ جو کچھ ہو رہا ہے یہ اس کا سبب ہے **"فإذا الناس قيام"** دیکھا کہ لوگ جماعت میں کھڑے ہیں۔ **"فقلت سبحان الله"** تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نماز کے دوران کہا **"سبحان الله"**۔

نماز کے دوران اس غرض سے **"سبحان الله"** کہنا جائز ہے تاکہ دوسرے کو پتہ لگ جائے کہ میں نماز کی حالت میں ہوں، مجھ سے کوئی لمبی چوڑی بات نہ کرو، یہاں **"سبحان الله"** کہنا اس غرض سے تھا کہ ان کو اپنے نماز میں ہونے پر متنبہ کر دیں، لیکن اگر کسی کے جواب میں **"سبحان الله"** کہا جائے تو یہ جائز نہیں، اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تنبیہ کی غرض سے **"سبحان الله"** فرمایا کہ میں نماز کی حالت میں ہوں، مجھ سے زیادہ باتیں نہ کرو، **"قلت: آية"** میں نے پھر بھی بس نہ کیا، پوچھا کہ کیا کوئی آیت ہے یعنی اللہ ﷻ کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ہے؟

"فأشارت برأسها أي نعم" تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سر سے اشارہ کیا، **"فقلت"** میں بھی نماز کے لئے کھڑی ہو گئی۔

"حتى علاني الغشي" یہاں تک کہ مجھ پر غشی طاری ہونے لگی، چونکہ نماز بڑی لمبی تھی اس لئے وہ برداشت نہ ہو سکی تو غشی طاری ہونے لگی۔

"فجعلت أصب على رأسي الماء" تو میں اپنے سر پر پانی ڈالنے لگی۔

"فحمد الله عز وجل النبي ﷺ وأثنى عليه"

بعد میں نبی کریم ﷺ نے اللہ ﷻ کی حمد و ثنا فرمائی پھر یہ خطبہ دیا جس میں فرمایا **"ما من شيء لم أكن أريته إلا رأيت في مقامي"** کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو پہلے مجھے نہیں دکھائی تھی مگر آج وہ اپنے اس کھڑے ہونے کی جگہ دیکھ لی ہے، یعنی وہ چیزیں پہلے نہیں دکھائی گئیں تھیں وہ آج دکھا دی گئی ہے **"حتى الجنة والنار"** یہاں تک کہ جنت اور جہنم کو بھی میں نے دیکھ لیا، نماز کسوف کے اندر **"ملاء على"** کی بہت سی باتیں حضور اکرم ﷺ پر منکشف فرمائی گئیں۔

"فأوحى إلي أنكم تفتنون في قبوركم" مجھے وحی کے ذریعہ بتلایا گیا کہ تمہاری آزمائش تمہاری

قبروں میں ہے ”مثل او قریب“ یعنی تمہاری آزمائش ہوگی مسیح دجال کے فتنہ کی طرح یا مسیح دجال کے فتنہ کے قریب، جیسے مسیح دجال کا فتنہ ہے، قبروں میں تمہاری ایسی آزمائش ہوگی۔

بیچ میں حضرت اسماء سے روایت کرنے والی فاطمہ ہیں وہ کہہ رہی ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ اسماء ؓ نے ”مثل“ کا لفظ کہا تھا یا ”قریب“ کا لفظ کہا تھا ”لا ادری ای ذالک قالت اسماء“۔

یقال: پھر آپ نے اس کی شرح فرمائی کہ وہاں قبر میں آزمائش کیسے ہوگی؟
کہا جائے گا: ”ما علمک بهذا الرجل؟“ ان صاحب کے بارے میں تمہاری کیا معلومات ہیں؟
ان صاحب سے مراد حضور اقدس ؐ ہیں۔

اب بعض لوگوں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ قبر میں حضور اقدس ؐ کی صورت مبارک دکھائی جائے گی، لیکن یہ بات کسی روایت سے ثابت نہیں۔

زیادہ تر علماء نے یہ کہا کہ چونکہ ہر مسلمان کے دل میں حضور اقدس ؐ کا تصور ہوتا ہے، لہذا اس تصور کی بنیاد پر سوال ہوگا کہ یہ جس کا تصور تمہارے دل میں ہے، یہ کون ہے؟
بعض لوگوں نے کہا یہ سوال صرف مسلمانوں سے ہوگا یا منافقوں سے جو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن جو کافر ہیں ان سے یہ سوال نہیں ہوگا۔

بعض نے کہا کہ کافروں سے بھی یہ سوال ہوگا، لیکن ہو سکتا ہے کہ وہاں یا تو حضور اقدس ؐ کی صورت دکھائی جائے یا آپ ؐ کا اسم گرامی بتایا جائے کہ محمد ؐ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟
”فاما المؤمن او الموقن“ جہاں تک مؤمن کا تعلق ہے، فاطمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ”مؤمن“ کا لفظ کہا تھا یا ”موقن“ کا۔

فیقول: ”هو محمد هو رسول الله“ وہ کہے گا یہ حضور اقدس ؐ ہیں ”جاءنا بالبينات والهدى، فاجبنا واتبعنا“ تین مرتبہ وہ یہ بات کہے گا کہ یہ محمد ؐ ہیں۔
فیقال: ”نم صالحا“ کہا جائے گا کہ سو جاؤ صلاح کے ساتھ۔

علامہ شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی تحقیق

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں ”نم“ نیند کے معنی میں نہیں ہے بلکہ ”استرح“ آرام کے معنی میں ہے۔

اس واسطے یہ آتا ہے کہ بہت سے حضرات پر قبر میں جانے کے بعد نیند نہیں طاری ہوتی بلکہ وہ اپنی عبادات میں مشغول رہے یا رہیں گے، یہ ضروری نہیں کہ ہر آدمی سے کہا جائے کہ سو جاؤ، لیکن چونکہ وہ عبادت

تکلفی نہیں ہوگی بلکہ خود ان کے حصول لذت اور تسکین مزاج کے لئے ہوگی اس لئے ان کو اس میں راحت ملتی ہوگی، تو ”نم“ بمعنی ”استرح“ کے ہے۔

”قد علمنا ان كنت لموقنا به“ ہمیں پہلے ہی پتہ تھا کہ تم حضور اقدس ﷺ پر ایمان رکھتے ہو۔
 ”وأما المنافق أو المرتاب“ منافق یا وہ شخص جو شک میں ہے۔ یہاں پر فاطمہ رضی اللہ عنہا کو شک ہے کہ حضرت اسماءؓ نے ”منافق“ کہا تھا یا ”مرتاب“ کہا تھا ”فیقول“ وہ یہ کہے گا ”لا أدری سمعت الناس يقولون شيئا فقلته“ مجھے پتہ نہیں یہ کون ہے، میں نے کچھ لوگوں کو سنا تھا کہ وہ کچھ کہتے تھے، میں نے بھی ایسا ہی کہنا شروع کر دیا وہ چونکہ منافق تھا، دل سے ایمان نہیں لایا تھا، اس واسطے اس نے یہ بات کہہ دی۔

(۲۵) باب تحريض النبی ﷺ وفد عبدالقیس علی أن

يحفظوا الإيمان والعلم ويخبروا به من وراءهم،

نبی کریم ﷺ کا عبدالقیس کے وفد کو رغبت دلانا کہ ایمان اور علم کی حفاظت کریں

اور اپنے پیچھے والے لوگوں کو خبر کر دیں

”وقال مالک بن الحويرث : قال لنا النبی ﷺ : ((إرجعوا إلى أهليكم

فعلموهم))“۔

اس باب میں یہ بتایا ہے کہ حضور ﷺ نے وفد عبدالقیس کو اس بات پر براہِ بخیر کیا تھا کہ وہ دوسروں کو تعلیم دیں۔
 اس میں حضرت مالک بن حویرثؓ کی روایت تعلیقاً نقل کی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے آپ سے فرمایا تھا کہ اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ اور ان کو جا کر سکھاؤ، یہ واقعہ آگے بھی بخاری شریف میں آئے گا، یہ خود اپنے ساتھیوں کو لے کر آئے تھے اور کچھ دن آپ ﷺ کے پاس مقیم رہے، پھر حضور ﷺ کو خیال ہوا کہ شاید ان کو اپنے گھر والے یاد آئے ہوں گے، اس واسطے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب جاؤ اور اپنے گھر والوں کو سکھاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم حاصل کرنے کے بعد دوسروں کو سکھانا چاہئے۔ اس کے بعد وفد عبدالقیس والی حدیث دوبارہ روایت کی ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔

”غندر“ کا تعارف

اس حدیث کی سند میں غندر ہیں، غندر یہ شعبہ کے شاگرد ہیں، ان کا نام محمد بن جعفر تھا، یہ بصرہ کے

رہنے والے تھے ”غندر“ ان کا لقب تھا۔

”غندر“ شور مچانے والے کو کہتے ہیں۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ ایک مرتبہ حضرت عبدالملک بن جریج بصرہ آئے، وہاں انہوں نے کچھ حدیثیں بیان کیں، کچھ باتیں کیں، یہ بھی اس مجلس میں چلے گئے اور ابن جریج سے بہت سوال کرنے لگے، کبھی ایک سوال، کبھی دوسرا سوال، بہت زیادہ بول رہے تھے، ابن جریج نے کہا ”اسکت ماغندر؟“ اے غندر! خاموش ہو جاؤ، بعد میں کہا ”ماذا ترید یا غندر؟“ اتنے سوالات کرنے کا تمہارا کیا مقصد ہے؟ اس وقت سے ان کا لقب غندر مشہور ہو گیا، اور یہ شعبہ کے خاص شاگرد ہیں۔

(۲۶) باب الرحلة فی المسألة النازلة وتعلیم اہله

پیش آنے والے مسئلہ کے لئے سفر کرنے کا بیان

یہ باب ہے کہ کسی پیش آنے والے مسئلہ کے سلسلہ میں سفر کرنا۔

پہلے جو باب قائم کیا تھا وہ مطلق علم کے حصول کے بارے میں تھا اور یہاں یہ ہے کہ کوئی ایک مسئلہ پیش آیا، اس مسئلہ کو معلوم کرنے کے لئے سفر کرنا۔

۸۸۔ حدثنا محمد بن مقاتل قال : أخبرنا عبد الله قال : أخبرنا عمر ابن سعيد بن أبي حسين قال : حدثني عبد الله بن أبي مليكة ، عن عقبة بن الحارث ، أنه تزوج ابنة لأبي إهاب بن عزيز ، فأتته امرأة فقالت : إني قد أرضعت عقبة ، والتي تزوج بها ، فقال لها عقبة : ما أعلم أنك أرضعتني ولا أخبرتنی ، فركب إلى رسول الله ﷺ بالمدينة فسأله ، فقال رسول الله ﷺ : ((كيف وقد قيل ؟)) ففارقها عقبة ونكحت زوجها غيره . [أنظر : ۲۰۵۲ ، ۲۶۳۰ ، ۲۶۵۹ ، ۲۶۶۰ ، ۵۱۰۳ ، ۹۷۷]

اس میں حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے ابو اہاب بن عزیز کی بیٹی سے نکاح کیا تھا جس کا نام غنیہ تھا ”فأتته امرأة“ نکاح کے بعد ایک عورت آئی اور اس نے کہا کہ میں نے عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو دودھ پلایا تھا اور اس کو بھی جس کے ساتھ عقبہ نے نکاح کیا ہے، یعنی تم دونوں کو میں نے دودھ پلایا ہے، تم دونوں آپس میں رضاعی بہن بھائی ہو گئے، اس لئے تمہارا نکاح صحیح نہیں۔

حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے علم میں نہیں ہے کہ تم نے مجھے دودھ پلایا ہے اور تم نے ہمیں اس وقت بتایا بھی نہیں۔

۹۷۷ وفی سنن الترمذی ، کتاب الرضاع ، باب ماجاء فی شهادة المرأة الواحدة فی الرضاع ، رقم : ۱۰۷۱ ، وسنن النسائی ، کتاب النکاح ، باب شهادة فی الرضاع ، رقم : ۳۲۷۸ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب الاقضية ، باب الشهادة فی الرضاع ، رقم : ۳۱۲۷ ، ومسند أحمد ، أول مسند المدینین اجمعین ، رقم : ۱۵۵۶۲ ، وأول مسند الکوفیین ، رقم : ۱۸۶۰۸ ، وسنن الدارمی ، کتاب النکاح ، باب شهادة المرأة الواحدة علی الرضاع ، رقم : ۲۱۵۵ .

”فرکب الی رسول اللہ ﷺ بالمدينة“ آپ ﷺ سوار ہو کر مدینہ منورہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مسئلہ پوچھنے کے لئے گئے ”فسالہ“ سوال کیا، یہی موضع ترجمہ ہے۔

”فقال رسول اللہ ﷺ: کیف وقد قیل؟“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب اس کو کیسے نکاح میں رکھو گے جبکہ ایک بات کہہ دی گئی؟ یعنی ”کیف تمسکھا فی نکاحک وقد قیل ما قیل“۔

یعنی اگرچہ تمہارے ذمہ اس کو ترک کر دینا یا اس کو طلاق دینا یا چھوڑنا واجب نہ ہو لیکن ایک بات جو کہہ دی گئی ہے اس کے بعد اب کیسے نکاح میں رکھو گے، کیونکہ اب طبیعت میں انقباض اور توہم باقی رہے گا کہ پتہ نہیں میرا اپنی اس بیوی کے ساتھ استمتاع جائز ہے یا نہیں، یہ تصور رہے گا، تو کوئی خوشگواہی نہیں پیدا ہو سکے گی۔

حضرت عقبہ ؓ نے ان کو چھوڑ دیا اور غیبت نے دوسرے شوہر سے نکاح کر لیا۔

ایک عورت کی شہادت اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا اس روایت سے استدلال ہے کہ رضاعت کے اندر ایک عورت کی شہادت کافی ہے۔ ۵۰

جمہور کا مسلک

جمہور کہتے ہیں کہ یہاں بھی نصاب شہادت ضروری ہے ایک عورت کے کہنے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی، جمہور اس حدیث کے واقعہ کو اور احتیاط پر محمول کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان کو احتیاط کا مشورہ دیا، اسی لئے فرمایا ”کیف وقد قیل؟“ جب ایک بات کہہ دی گئی تو کیسے رکھو گے؟ طبیعت میں ہمیشہ ایک وہم رہے گا اور اس سے نکاح کی خوشگواہی باقی نہیں رہے گی، لہذا بہتر یہ ہے کہ چھوڑ دو، لیکن قضاء کا حکم بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ ۵۱

حنفیہ کا مسلک

حنفیہ میں سے بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ یہ حکم قضاء کا ہے، اگر آدمی کو عورت کی بات پر یقین آجائے کہ یہ سچ کہہ رہی ہے تو پھر اگرچہ پورا نصاب شہادت موجود نہیں ہے لیکن اس کے باوجود اس کے لئے اس کو رکھنا جائز نہیں ہے۔ ۵۲

(۲۷) باب التناوب فی العلم

علم حاصل کرنے میں باری مقرر کرنے کا بیان

امام بخاری رحمہ اللہ اس باب میں یہ بیان فرما رہے ہیں کہ اگر دو آدمی ہوں یا زائد ہوں اور سب کا بیک

وقت کسی مجلس درس میں جانا ممکن نہ ہو تو وہ آپس میں باریاں مقرر کر سکتے ہیں یعنی آپس میں یہ طے کر سکتے ہیں کہ ایک دن تم جاؤ گے اور ایک دن میں جاؤں گا، اس کو تناؤب کہتے ہیں۔

”تناؤب“ کے معنی

”تناؤب، نوبہ“ سے نکلا ہے، ”نوبہ“ کے معنی ہیں باری، اور ”تناؤب“ کے معنی ہیں باریاں مقرر کر لینا، باری باری جانا۔

اس میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عمرؓ کی حدیث روایت کی ہے کہ وہ عوالی میں رہتے تھے اور دور ہونے کی وجہ سے ان کے لئے حضورؐ کی مجلس میں روزانہ حاضر ہونا دشوار تھا، اس لئے انہوں نے اپنے پڑوسی کے ساتھ یہ معاملہ کیا ہوا تھا کہ ایک دن حضورؐ کی خدمت میں تم جاؤ اور اس دن حضورؐ جو کچھ تعلیم دیں وہ مجھے آ کر بتاؤ اور ایک دن میں جاؤں گا اور اس دن حضورؐ جو کچھ تعلیم دیں وہ میں تمہیں آ کر بتاؤں گا۔ اس سے امام بخاری رحمہ اللہ اس پر استدلال کر رہے ہیں کہ علم کے اندر تناؤب کرنا جائز ہے۔

۸۹۔ حدثنا أبو الیمان قال : أخبرنا شعیب ، عن الزہری ح ، قال أبو عبد اللہ : وقال ابن وہب : أخبرنا یونس ، عن ابن شہاب ، عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن أبی ثور ، عن عبد اللہ بن عباس ، عن عمر قال : كنت أنا وجار لی من الأنصار فی بنی أمیة بن زید ، وہی من عوالی المدینة ، وکنا نتناوب النزول علی رسول اللہ ﷺ ینزل یوماً وأنزل یوماً ، فإذا نزلت جسته بخبر ذلک الیوم من الوحی وغیره ، وإذا نزل فعل مثل ذلک ، فنزل صاحبی الأنصاری یوم نوبته ، فضرب بابی ضرباً شدیداً فقال : أثم هو؟ ففزعت فخرجت إلیه ، فقال : قد حدث أمر عظیم ، فدخلت علی حفصة فإذا ہی تبکی ، فقلت : أطلکفن رسول اللہ ﷺ؟ قالت : لا أدری ، ثم دخلت علی النبی ﷺ فقلت وأنا قائم : أطلکت نسائك؟ قال : لا ، فقلت اللہ اکبر . [أنظر : ۲۳۶۸ ، ۲۹۱۳ ، ۲۹۱۵ ، ۵۱۹۱ ، ۵۲۱۸ ، ۵۸۳۳ ، ۷۲۵۶ ، ۷۲۶۳] ۵۳

یہ حضرت عمرؓ کی حدیث ہے جو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے اور اس کا اصل موضوع رسول اللہ ﷺ کا اپنی ازواج مطہرات سے اعتزال ہے کہ آپ ﷺ نے ایک دفعہ قسم کھالی تھی کہ میں ایک مہینہ تک اپنی

۵۳۔ وفی صحیح مسلم ، کتاب الطلاق ، باب فی الایلاء واعتزال النساء وتخییرهن وقوله تعالیٰ ، رقم : ۲۷۰۳ ، وسنن الترمذی ، کتاب التفسیر القرآن عن رسول اللہ ، باب ومن سورة التحريم ، رقم : ۳۲۳۰ ، وسنن النسائی ، کتاب الصیام ، باب کم الشهر و ذکر الاختلاف علی الزہری فی الخبر عن عائشة ، رقم : ۲۱۰۳ ، ومسند أحمد ، مسند العشرة المبشرین بالجنة ، باب اول مسند عمر بن الخطاب ، رقم : ۲۱۷۰ .

ازواج کے پاس نہیں جاؤں گا، اس حدیث میں حضرت عمرؓ نے اس کا واقعہ بہت تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔
امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کا تھوڑا سا حصہ یہاں روایت کیا ہے اور باقی حصہ ان شاء اللہ ”کتاب الطلاق“ میں آئے گا۔

حدیث کی تشریح

حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ قال: ”كنت أنا و جارية لي من الأنصار في بني أمية بن زيد“ میں اور میرا ایک انصاری پڑوسی ہم بنو امیہ بن زید میں رہتے تھے، یعنی بنو امیہ بن زید قبیلہ کی بستیوں میں رہتے تھے ”من عوالی المدينة“ اور وہ ”قبیلہ عوالی المدينة“ کے اندر تھا۔

عوالی بستیاں تھیں جو مدینہ منورہ کے مشرق اور جنوب میں چھ سات میل تک پھیلی ہوئی تھیں، یہ چھوٹی چھوٹی سب بستیاں عوالی کہلاتی تھیں، ان میں سے ایک بنو امیہ بن زید تھی۔

”وكننا نتناوب النزول على رسول الله ﷺ“ اور ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں باری باری جایا کرتے تھے۔ ”ينزل يوما وأنزل يوما“ ایک دن وہ جاتے تھے اور ایک دن میں جاتا تھا۔
”فإذا نزلت جنته بخبر ذلك اليوم من الوحي وغيره“ جب میں جاتا تو اس دن کی خبر لے کر اس کے پاس آتا جو کچھ وحی نازل ہوئی یا احکام ہوتے۔

”وإذا نزل فعل مثل ذلك“ اور جب میرا پڑوسی جاتا تو وہ بھی ایسا ہی کرتا۔

”فنزل صاحبی الأنصاری يوم نوبته“ تو میرے انصاری ساتھی اپنی باری کے دن حضور ﷺ کی خدمت میں گئے ”فضرب بابی ضرباً شديداً“ جب واپس آئے تو انہوں نے میرا دروازہ بہت زور سے پیٹا ”فقال اثم هو؟“ اور کہا: کیا یہاں وہ ہے ”هو“ ضمیر حضرت عمرؓ کی طرف راجع ہے یعنی حضرت عمرؓ اور ”اثم“ کے معنی ہیں وہاں یا یہاں، معنی ہوا کیا یہاں پر وہ موجود ہے؟

”ففزع“ میں گھبرایا کہ بہت زور زور سے دروازہ پیٹ رہے ہیں ”ففزع جت إليه“ میں نکلا۔

فقال: ”قد حدث أمر عظيم“ بڑا زبردست واقعہ پیش آ گیا ہے اور یہ بتایا کہ حضور ﷺ نے اپنی ازواج سے اعتزال فرمالیا ہے۔

”فدخلت على حفصة“ میں اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا ”فاذا هي تبكي“

دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں، میں نے کہا ”أطلقن رسول الله ﷺ؟“ قالت: لا أدري، ثم دخلت على النبی ﷺ فقلت وأنا قائم: أطلقت نساءك؟ قال: لا“ کیا آپ نے اپنی ازواج کو طلاق دے دی ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا، نہیں ”فقلت اللہ اکبر“ تو میں نے خوشی میں ”اللہ اکبر“ کہا کہ ابھی یہ انتہائی معاملہ نہیں ہوا۔

اس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آجائے گی۔

(۲۸) باب الغضب فی الموعظة والتعليم إذا رأى ما يكره

نصیحت اور تعلیم میں جب کوئی بری بات دیکھے تو غصہ کرنے کا بیان

۹۰۔ حدثنا محمد بن كثير قال : أخبرنا سفيان عن ابن أبي خالد ، عن قيس بن أبي حازم ، عن أبي مسعود الأنصاري قال : قال رجل : يا رسول الله ! لا أكاد أدرك الصلاة مما يطول بنا فلان ، فما رأيت النبي ﷺ في موعظة أشد غضبا من يومئذ ، فقال : ((يا أيها الناس ، إنكم منفرون ، فمن صلى بالناس فليخفف ، فإن فيهم المريض والضعيف وإذا الحاجة)). [أنظر : ۷۰۲ ، ۷۰۳ ، ۶۱۱۰ ، ۷۱۵۹ ، ۸۴]

تعلیم اور نصیحت میں غصہ کرنے کا حکم

یہ باب یہ بیان کرنے کیلئے ہے کہ موعظت اور تعلیم میں اگر واعظ یا معلم کوئی ایسی بات دیکھے جو شرعاً ناپسندیدہ ہو تو اس پر غصہ بھی کر سکتا ہے۔

قاضی اور معلم میں فرق

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں امام بخاری رحمہ اللہ یہ بیان فرمانا چاہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے قاضی کے لئے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ وہ غصہ کی حالت میں کوئی فیصلہ کرے، اس سے یہ وہم ہو سکتا تھا کہ جس طرح قاضی کو غصہ کی حالت میں کوئی فیصلہ کرنے سے منع فرمایا ہے اسی طرح غصہ کی حالت میں وعظ کہنا بھی منع ہوگا یا تعلیم دینا بھی منع ہوگا۔

اس شبہ کا ازالہ کر رہے ہیں کہ نہیں قاضی کا حکم اور ہے اور واعظ و معلم کا حکم اور ہے، قاضی کے لئے غصہ کی حالت میں فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے لیکن واعظ اور معلم کے لئے غصہ کی حالت میں وعظ اور تعلیم جائز ہے، کیونکہ اگر کسی

۸۴۔ وفي صحيح مسلم ، كتاب الصلوة ، باب أمر الائمة بتخفيف الصلاة في تمام ، رقم : ۷۱۳ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب اقامة الصلوة والسنة فيها ، باب من أم قوما فليخفف ، رقم : ۹۷۳ ، مسند أحمد باب باقي المسند السابق ، رقم : ۷۸۷۱ ، ومسند الشاميين ، باب بقية حديث أبي مسعود البدرى الأنصاري ، رقم : ۱۶۳۸ ، وسنن الدارمي ، كتاب الصلوة ، باب ما أمر الإمام من التخفيف في الصلوة ، رقم : ۱۲۳۱ .

ایسی بات پر غصہ آیا ہے جو شرعاً ناپسندیدہ ہے تو واعظ اور معلم کا مقام یہی ہے کہ وہ غصہ کا اظہار کر کے وعظ اور تعلیم کرے۔ ۸۵۔

روایت کی تشریح

چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس میں متعدد روایتیں ذکر فرمائی ہیں، ان میں سے پہلی روایت ابو مسعود انصاریؓ کی ہے جو فرماتے ہیں قال رجل: يا رسول الله "لا أكاد أدرك الصلاة مما يطول بنا فلان" ایک شخص نے آ کر رسول اللہؐ سے یہ شکایت کی کہ یا رسول اللہ! ایسا لگتا ہے کہ میں نماز باجماعت نہیں پاسکوں گا، بسبب اس بات کے کہ فلاں شخص ہمیں بہت لمبی نماز پڑھاتے ہیں، یعنی ہمارے امام صاحب بہت لمبی نماز پڑھاتے ہیں اور میں لمبی نماز نہیں پڑھ سکتا اس وجہ سے میں جماعت میں حاضر ہونے سے محروم ہو جاتا ہوں۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

روایت میں ہے "لا أكاد أدرك الصلاة مما يطول بنا فلان" بعض لوگوں نے کہا کہ یہ تو ایسی بات ہوگئی کہ کہہ رہے ہیں امام کے لمبی نماز پڑھانے کی وجہ سے میں نماز میں نہیں پہنچ سکتا، حالانکہ اگر کوئی لمبی قراءت کر رہا ہے تو پھر تو پہنچنا آسان ہے، آدمی دیر سے بھی آئے تب بھی نماز مل جاتی ہے، اس بنا پر بعض لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ روایت میں غلطی معلوم ہوتی ہے "لا أكاد أدرك الصلاة" میں "لا" کا لفظ زیادہ ہو گیا، اصل میں "اکاد أدرك الصلاة" تھا، لیکن یہ بات صحیح نہیں، ان کی مراد یہ ہے کہ چونکہ وہ لمبی نماز پڑھاتے ہیں اور میرے لئے لمبی نماز پڑھنا دشوار ہے، اس لئے میں ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا، لہذا میں جماعت سے محروم رہتا ہوں اور اکیلے نماز پڑھتا ہوں۔

یہ صاحب کون تھے؟

اور یہ صاحب جن کی انہوں نے شکایت کی تھی کہ وہ لمبی نماز پڑھاتے ہیں ان کے بارے میں بعض حضرات نے کہا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ ہیں کیونکہ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے ایک ہی رکعت میں سورۃ البقرہ پڑھ دی تھی جس کی وجہ سے لوگ بہت پریشان ہوئے اور حضور اقدسؐ کی خدمت میں آ کر شکایت کی، آپؐ نے ان کو ڈانٹا۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہاں حضرت معاذ بن جبلؓ مراد نہیں ہیں بلکہ یہ حضرت ابی بن کعبؓ کا واقعہ ہے جو حضرت معاذؓ کے واقعہ سے الگ ہے۔ حضرت ابی بن کعبؓ کسی جگہ امام تھے اور وہاں لمبی نماز پڑھایا کرتے تھے۔

”فما رأيت النبي ﷺ في موعظة أشد غضبا من يومئذ“ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کسی نصیحت کے وقت اتنا غصہ میں نہیں دیکھا جتنا اس دن دیکھا، آپ ﷺ اس بات سے بڑے ناراض ہوئے اور فرمایا ”يا أيها الناس“ اے لوگو! تم لوگوں کو نمازوں اور احکام شریعہ سے نفرت دلانے والے ہو، ”فمن صلى بالناس فليخفف“ جو امام لوگوں کو نماز پڑھائے تو وہ ہلکی نماز پڑھائے۔

”فان فيهم المريض والضعيف وذال الحاجة“ کیونکہ مقتدیوں میں کچھ بیمار بھی ہوتے ہیں، کمزور بھی ہوتے ہیں، حاجت مند بھی ہوتے ہیں جن کو جلدی سے اپنے کام سے جانا ہے، اس لئے اتنی لمبی قراءت کرنا جس سے لوگوں کو دشواری ہو، یہ تمہارے لئے جائز نہیں، اگر کرو گے تو تغفیر یعنی لوگوں کو شریعت سے نفرت دلانے کا گناہ ہوگا۔ حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جتنا غصہ اس دن آپ ﷺ نے فرمایا اتنا غصہ کرتے ہوئے میں نے آپ ﷺ کو کبھی نہیں دیکھا۔

معلوم ہوا کہ شریعت کا کوئی کام ایسے بے تکی انداز میں انجام دینا جس سے لوگوں کو ترغیب کے بجائے تغفیر ہو وہ حضور ﷺ کو اتنا ناپسند تھا کہ آپ ﷺ نے اتنا غصہ کسی بات پر نہیں فرمایا جتنا اس پر فرمایا، کیونکہ آدمی جو کر رہا ہے وہ سمجھ رہا ہے کہ میں شریعت کے مطابق کر رہا ہوں اور اللہ ﷻ کو راضی کرنے کے لئے کر رہا ہوں، لیکن حقیقت میں وہ لوگوں کو شریعت سے بھگا رہا ہے، اس واسطے ایک مسلمان کو شریعت پر اس طرح عمل کرنا چاہئے کہ جس سے لوگوں کو تغفیر نہ ہو بلکہ ترغیب ہو۔

۹۱۔ حدثنا عبد الله بن محمد قال : حدثنا أبو عامر، قال : حدثنا سليمان بن بلال المديني، عن ربيعة بن أبي عبد الرحمن، عن يزيد بن مولى المنبث عن زيد بن خالد الجهني أن النبي ﷺ سأل رجل عن اللقطة، فقال : ((أعرف وكاءها. أو قال : صها، ثم عرفها سنة ثم أستمع بها، فإن جاء ربها فادها إليه))، قال : فضالة الإبل ؟ فغضب حتى أحمرت وجنتاه. أو قال : أخسر وجهه. فقال : ((وما لك ولها؟ معها سقاؤها وحذاؤها، ترد الماء وترعى الشجر، فذرها حتى يلقاها ربها))، قال : فضالة الغنم ؟ قال : ((لك أو لأخيك أو للذئب)). [أنظر : ۲۳۷۲، ۲۴۲۷، ۲۴۲۸، ۲۴۲۹، ۲۴۳۶، ۲۴۳۸، ۵۲۹۲، ۶۱۱۲، ۸۶]

۹۲۔ وفي صحيح مسلم، كتاب اللقطة، رقم: ۳۲۳۷، وسنن الترمذی، كتاب الاحکام عن رسول الله، باب ماجاء في اللقطة وضالة الإبل والغنم، رقم: ۱۲۹۳، وسنن أبي داود، كتاب اللقطة، باب التعريف باللقطة، رقم: ۱۳۵۱، وسنن ابن ماجه، كتاب الأحکام، باب ضالة الإبل والبقر والغنم، رقم: ۲۳۹۵، ومسند أحمد، مسند الشاميين، باب بقية حديث زيد بن خالد الجهني عن النبي، رقم: ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ومسند الأنصار، باب حديث زيد بن خالد الجهني، رقم: ۲۰۶۹۷، وموطا مالك، كتاب الأقضية، باب القضاء في اللقطة، رقم: ۱۲۳۸.

اسی باب میں حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی ہے جو لفظ کے بارے میں ہے، ان شاء اللہ اس کی تفصیل اور اس سے متعلق احکام ”کتاب اللقطة“ میں آئیں گے۔

یہاں اس حدیث کو لانے کا منشاء یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ایک سوال کے اوپر ناراضگی کا اظہار فرمایا تھا۔

لقطہ کا حکم

حضرت ابن خالد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے لقطہ کے بارے میں سوال کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”اعرف وکاءہا اوقال وعاءہا“ تم اس کی تھیلی کو پہچان لو، ”وکاءہ“ کے معنی رسی کے ہیں، جیسے تھیلی کے اندر پیسل مل گئے تو اس تھیلی کے اوپر جوری بندھی ہوئی ہے، اس رسی کو پہچان لو کہ کیسی ہے؟ یا یہ فرمایا کہ ”وعاءہا“ اس کے برتن کو جس پر وہ رکھا ہوا ہے ”وعفاصہا“ عفاص بھی کپڑے یا چمڑے کی تھیلی کو کہتے ہیں۔

فرمایا کہ جب تم یہ سب پہچان لو کہ کس قسم کی ہے تو ”ثم عبر فہا سنہ“ پھر اس کی تعریف کرو یعنی اعلان کرو کہ جس کی ہے لے جائے، یہ اعلان ایک سال تک کرو ”ثم استمتع بہا“ پھر اس سے خود فائدہ اٹھا لو اگر کوئی نہ آئے۔

خفیہ کے ہاں اس سے خود فائدہ اٹھانا اس وقت درست ہے جب وہ خود مستحق زکوٰۃ ہو، اگر مستحق زکوٰۃ نہیں ہے تو خود فائدہ نہیں اٹھائے گا بلکہ دوسرے کو صدقہ کر دے گا۔

”فان جاء ربھا فادھا الیہ“ اس دوران اگر اس کا مالک آ جائے تو اس کو دیدے۔

ایک سوال پر آنحضرت ﷺ کا غصہ

”قال فضالة الإبل؟“ سوال کرنے والے نے پوچھا کہ اگر کوئی گمشدہ اونٹ مل جائے، یعنی ایک اونٹ مل گیا، پتہ نہیں چل رہا کہ اس کا مالک کون ہے ”فغضب“ آنحضرت ﷺ اس سوال پر ناراض ہو گئے ”حتی أحمرت وجنتاہ اوقال أحمر وجهہ“ یہاں تک کہ آپ ﷺ کے رخسار مبارک سرخ ہو گئے، یا یہ کہا کہ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا، اور یہ فرمایا ”ومالک ولہا معہا سقاءہا وحذاءہا“ تمہیں کیا ہوا؟ اس اونٹ کے پاس اپنا مشکیزہ ہے اور اپنے پاؤں ہیں، اپنا جوتا ہے ”ترد الماء وترعی الشجر“ وہ پانی میں جا کر اتر سکتا ہے، پانی پی سکتا ہے اور درختوں کو چر سکتا ہے ”فلذرہا حتی یلقاها ربھا“ اس کو چھوڑ دو یہاں تک کہ اس کو اس کا مالک مل جائے۔

غصہ کرنے کی وجہ

یہاں غصہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اتنی بات تو معمولی عقل رکھنے والا شخص بھی سمجھ سکتا ہے کہ لقطہ اٹھانے کا

منشأً یہ ہوتا ہے کہ وہ چیز ضائع نہ ہو اور مالک کو پہنچ جائے اور اونٹ اتنا بڑا جانور ہے کہ اس کے کہیں ضائع ہونے کا احتمال نہیں، اللہ جلّٰو نے اس کو یہ طاقت دی ہے کہ اس کے اندر پانی کا مشکیزہ ہوتا ہے جو کافی عرصہ تک اس کو پانی کی ضرورت سے بے نیاز رکھتا ہے اور اس کے اپنے پاؤں ہیں جن سے وہ آرام سے جا سکتا ہے، یہ بھی خطرہ نہیں کہ اس کو کوئی دوسرا درندہ پھاڑ کھائے گا اس لئے کہ اتنا بڑا اونٹ ہے اس کو کون ہلاک کرے گا؟ لہذا یہ اندیشہ بھی نہیں، اور پھر یہ بات بھی معروف ہے کہ جو اونٹ کسی کا پلا ہوا ہوتا ہے وہ اگر باہر نکلا بھی ہے تو کچھ دیر ادھر ادھر گھوم پھر کر واپس خود ہی اپنے ٹھکانہ پر پہنچ جاتا ہے، اس واسطے سوال کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی، اس کے مالک کو اس کی تلاش میں زیادہ دشواری پیش نہیں آتی، اور اس زمانہ میں اس بات کا رواج بھی نہیں تھا کہ اونٹ کو ڈاکہ ڈال کر لے جائیں اس واسطے خواہ مخواہ ایسے سوال کرنے کی ضرورت نہیں تھی، لہذا تم خود اپنی سمجھ سے بھی جواب نکال سکتے تھے۔

”قال : فضالة الغنم؟“ اس نے پوچھا کہ اگر بکریوں میں سے کوئی کشدہ بکری پائی جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”لک أو لا، خیک أو للذئب“ یا تو وہ بکری تمہاری ہے یا تمہارے بھائی کی ہے یا بھیڑیا کی ہے۔ اب چوں کہ اس میں یہ اندیشہ ہے کہ بھیڑیا اس کو پھاڑ کھائے، اس لئے اسے یا تو تم خود اٹھا لو یا تمہارا کوئی بھائی اٹھالے مگر اس کو لقطہ کے طور پر اٹھائے اور پھر اس کی تعریف کرائے۔

۹۲۔ حدثنا محمد بن العلاء قال : حدثنا أبو أسامة عن بريد ، عن أبي بردة ، عن أبي موسى قال : سئل النبي ﷺ عن أشياء كرمها ، فلما أكثر عليه غضب ثم قال للناس : ((سلوني عما شئتم)) ، قال رجل : من أبي ؟ قال : ((أبوك حذافة)) ، فقام آخر فقال : من أبي يا رسول الله ؟ فقال : ((أبوك سالم مولی شيبة)) ، فلما رأى عمر مافی وجهه قال : يا رسول الله ، إنا نتوب إلى الله عز وجل . [انظر : ۷۲۹۱] ۷۷

بے مقصد سوالات سے آنحضرت ﷺ کی ممانعت

وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے ایسی باتوں کے بارے میں پوچھا گیا جو آپ ﷺ نے پسند نہیں کیں یعنی آپ ﷺ کو بے فائدہ اور بے مقصد سوال کرنے سے تکلیف ہوتی تھی، آپ ﷺ اس کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ بے فائدہ سوالات کئے جائیں، سوالات ضرور کریں لیکن ایسا سوال کریں جس کا جواب حاصل ہونے سے کچھ فائدہ ہو اور جن کا فائدہ نہیں ایسا سوال کرنے سے منع فرماتے تھے، اسی پر آیت کریمہ نازل ہوئی تھی، ”لَا تَسْأَلُوهُنَّ عَنْ أَشْيَاءَ أَنْ تَبْدِلَكُمْ تَسْؤُكُمْ“۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ کچھ لوگوں نے ایسے کثرت سے کچھ سوالات کئے جو آپ ﷺ کو پسند نہیں آئے، مثلاً کسی نے سوال کیا کہ قیامت کب آئے گی؟ اب آپ ﷺ بار بار بتا چکے تھے کہ یہ کسی کو معلوم نہیں اور اگر بالفرض پتہ چل بھی جائے تو اس سے کیا حاصل ہوگا، اصل تو یہ ہے کہ اپنے اعمال درست کئے جائیں، جب بھی قیامت آئے اور جب بھی اللہ ﷻ کے سامنے حاضری ہو تو اچھے اعمال کے ساتھ حاضری ہو، تو یہ سوال بھی آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا۔

اسی طرح جو بے مقصد سوالات ہوتے ہیں اس سے منع فرمایا، چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے ”نہی رسول اللہ ﷺ عن كثرة السؤال وقيل وقال“ آپ ﷺ نے کثرت سوال اور قیل وقال سے منع فرمایا۔ ”فلما أكثر عليه غضب“ جب آپ ﷺ سے کثرت سے سوالات کئے گئے تو آپ ﷺ ناراض ہو گئے یہاں تک کہ آپ ﷺ نے ناراضگی سے فرمایا ”سلوني عما شئتم“ جب اس کی پرواہ نہیں کر رہے ہیں کہ کون سے سوالات کرنے چاہئیں اور کون سے نہیں، تو فرمایا کہ چلو آج میں اس کام کے لئے بیٹھا ہوں جیسے سوال کرنا چاہتے ہو کرو۔

”قال رجل:“ ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا ”من أسي“؟ میرا باپ کون ہے؟ کہتے ہیں کہ اس نے یہ سوال اس لئے کیا کہ بعض لوگ اس کے نسب کے اندر طعن کیا کرتے تھے، اس نے سوچا چلو اچھا موقع ہے ایک مرتبہ پوچھ لوں تاکہ میرا معاملہ صاف ہو جائے۔ قال: ”أبوک حذف“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے والد کا نام خدا ہے۔

ایک اور شخص کھڑا ہوا اس نے سوال کیا ”من أسي يا رسول اللہ؟“ یا رسول اللہ میرا باپ کون ہے؟ فقال: ”أبوک سالم مولی شیبہ“۔

”فلما رأى عمر مافي وجهه“ جب حضرت عمرؓ نے حضور ﷺ کے چہرہ انور پر ناراضگی کے آثار دیکھے تو آپ نے عرض کیا یا رسول اللہ ”أنا نتوب الى الله عز وجل“ اگلی روایت میں آ رہا ہے کہ حضرت عمرؓ عاجزی اور شرمندگی کا اظہار کرنے کے لئے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں گھٹنوں کے بل بیٹھے اور فرمایا آئندہ اس طرح کی باتیں نہیں کریں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر سامعین کی غلط حرکت پر واعظ اور معلم مناسب انداز میں ناراضگی کا اظہار کرے تو یہ جائز ہے۔

بے فائدہ سوالات سے پرہیز کرنا چاہئے

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بے فائدہ سوالات جن کا دنیا و آخرت میں کوئی فائدہ نہیں، نہ ان کے بارے میں حشر و نشر میں سوال ہوگا، ان کے پیچھے پڑنا اور ان میں اپنا وقت ضائع کرنا یہ حضور ﷺ کے مزاج اور

آپ ﷺ کی سنت کے بالکل خلاف ہے، جیسے ہماری قوم دن رات ایسے مسائل میں الجھی ہوئی ہے جن کا کوئی فائدہ نہیں۔ مثلاً یزید فاسق تھا یا نہیں؟ اگر پتہ چل جائے کہ وہ فاسق تھا تو کیا کرو گے؟ اور اگر پتہ چل جائے کہ نہیں تھا تو کیا کرو گے؟ ”تلك أمة قد خلت لها ما كسبت ولكم ما كسبتم ولا تسئلون عما كانوا يعملون“

ایسی بحثوں میں پڑ کر سوائے اپنے اوقات کو ضائع کرنے، اپنے اور سامعین کے دماغ کو خراب کرنے اور اپنے قارئین کو پریشان کرنے کے اور کچھ حاصل نہیں، اس لئے اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔ قرآن و حدیث میں اس کی بڑی ممانعت آئی ہے، اللہ ﷻ ہم سب کی اس سے حفاظت فرمائے، آمین۔

(۲۹) باب من برک علی رکتیہ عند الإمام أو المحدث

امام یا محدث کے پاس دوزانو بیٹھنے کا بیان

۹۳۔ حدثنا أبو الیمان قال : أخبرنا شعيب ، عن الزهري قال : أخبرني أنس بن مالك : أن رسول الله ﷺ خرج فقام عبد الله بن حذافة فقال : من أبي ؟ فقال : ((أبوک حذافة)) ، ثم أكثر أن يقول : ((سلوني)) ، فبرک عمر علی رکتیہ فقال : رضينا بالله ربا ، وبالإسلام دینا ، وبمحمد ﷺ نبیا ، فسکت . [أنظر : ۵۴۰ ، ۷۴۹ ، ۴۶۲۱ ، ۶۳۶۲ ، ۶۳۶۸ ، ۶۴۸۶ ، ۷۰۸۹ ، ۷۰۹۰ ، ۷۰۹۱ ، ۷۲۹۲ ، ۷۲۹۵ ، ۷۸]

یہ وہی پہلی حدیث ہے دوسرے الفاظ کے ساتھ، اس میں ہے کہ اگر کوئی شخص امام یا محدث کے سامنے عاجزی کے اظہار کیلئے گھٹے ٹیک کر بیٹھ جائے تو یہ بھی جائز ہے۔

(۳۰) باب من أعاد الحديث ثلاثا ليفهم عنه،

اس شخص کا بیان جو خوب سمجھانے کے لئے ایک بات کو تین بار کہے

فقال : ((ألا وقول الزور)) فما زال يكررها . وقال ابن عمر : قال النبي ﷺ :

((هل بلغت)) ؟ ثلاثا۔

ایک ہی بات کو تین دفعہ دہرانا تا کہ لوگوں کو سمجھ آ جائے یہ بھی رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے، چنانچہ روایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور تعلیقاً روایت نقل کی ہے ”فقال : ألا وقول الزور فما زال يكررها“ آپ ﷺ نے تین چیزوں سے منع فرمایا ایک ”اشراک باللہ“ دوسری ”عقوق الوالدین“ اور تیسری ”قول

”الزور“ جب ”قول الزور“ کہنے کا وقت آیا تو آپ ﷺ تکیہ لگائے بیٹھے تھے سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور تین مرتبہ ”قول الزور“ دہرایا، اس کی اہمیت بتلانے کے لئے۔ اس سے پتہ چلا کہ ایک ہی بات کو تین مرتبہ کہنا حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے۔

وقال ابن عمر: ”قال النبی ﷺ: هل بلغت؟ ثلاثاً“ حجة الوداع کے موقع پر جب آپ ﷺ نے سب باتوں کی تبلیغ فرمادی تو اللہ ﷻ کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا کہ ”اللهم هل بلغت؟ اللهم هل بلغت؟ اللهم هل بلغت؟“ تین مرتبہ فرمایا کہ اے اللہ! میں نے بات پہنچا کر اپنا فریضہ ادا کر دیا یا کہ نہیں؟ تو یہ بات بھی تین مرتبہ فرمائی۔

۹۴۔ حدثنا عبدة قال: حدثنا الصمد قال: حدثنا عبد الله بن المثنى قال: حدثنا ثمامة، عن أنس عن النبي ﷺ: أنه كان إذا سلم سلم ثلاثاً، وإذا تكلم بكلمة أعادها ثلاثاً. [أنظر: ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹]

۹۵۔ حدثنا عبدة عبد الله قال: حدثنا عبد الصمد قال: حدثنا عبد الله بن المثنى قال: حدثنا ثمامة بن عبد الله، عن أنس عن النبي ﷺ: أنه كان إذا تكلم بكلمة أعادها ثلاثاً حتى تفهم، وإذا أتى على قوم فسلم عليهم سلم عليهم ثلاثاً. [راجع: ۹۴]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب کوئی کلمہ فرماتے تو ”اعادها ثلاثاً“ اس کو تین مرتبہ دہراتے یعنی جب دین کی کوئی بات سیکھاتے تو تاکید اس کو تین مرتبہ دہرا دیتے ”حتى تفهم“ تاکہ اچھی طرح سمجھ لی جائے۔

”وإذا أتى على قوم“ اور جب کسی قوم کے پاس آتے ”فسلم عليهم“ ان کو سلام کرتے ”سلم عليهم ثلاثاً“ تین مرتبہ سلام فرماتے۔

بعض لوگوں نے اس کا یہ مطلب لیا ہے کہ جب کسی کے پاس جاتے تو تین مرتبہ سلام فرماتے کہ ایک مرتبہ السلام علیکم کہا، اگر دروازہ کھول دیا اور بلا لیا تو ٹھیک ہے ورنہ دوسری دفعہ کہتے اور پھر تیسری دفعہ کہتے تھے۔ تیسری دفعہ کہنے کے بعد نہیں کہتے تھے بلکہ واپس چلے آتے تھے۔

۸۸ وفي صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب توقيه وترك اكثار سؤاله الخ، رقم: ۴۳۵۱، ومسنود أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أنس بن مالك، رقم: ۱۱۶۰۲، ۱۲۱۹۸، ۱۲۳۲۳، ۱۲۳۵۵، ۱۲۶۷۲، ۱۳۱۷۳.

۸۹ وسنن الترمذی، كتاب الاستئذان والآداب عن رسول الله، باب ماجاء في كراهية أن يقول عليك السلام مبتدئاً، رقم: ۲۶۳۷، وكتاب المناقب عن رسول الله، باب ماجاء في كلام النبي ﷺ، رقم: ۳۵۷۳، ومسنود أحمد، باقي مسند المكثرين، باب باقي المسند السابق، رقم: ۱۲۷۴۳، ۱۲۸۳۰.

لیکن حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں یہ مراد نہیں ہے بلکہ یہ مراد ہے کہ جب آپ ﷺ کسی مجمع میں جاتے تو تین مرتبہ سلام فرماتے، ایک مرتبہ مجمع کی ابتداء میں داخل ہوتے وقت، ایک مرتبہ وسط میں اور ایک مرتبہ آخر میں، تاکہ سب لوگوں پر سلام ہو جائے، یہ نہیں کہ ایک مرتبہ سلام کر لیا کسی نے سنا کسی نے نہیں سنا۔

اس واسطے مقصود یہ ہے کہ مجمع کے اندر سلام کرنے کا ادب یہ ہے کہ جب آدمی کسی مجمع سے گزر کر جا رہا ہے تو تین مرتبہ سلام کرے۔ ایک مرتبہ اول مجمع میں، ایک مرتبہ وسط میں اور ایک مرتبہ آخر میں۔ یہ معنی زیادہ راجح معلوم ہوتے ہیں۔

اس واسطے کہ یہاں لفظ ہے ”إذا أتى على قوم“ جب کسی قوم کے پاس آتے، قوم اسم جمع ہے بڑے مجمع کیلئے اور جو پہلی بات کہی گئی ہے اس میں قوم نہیں ہے، ایک مرتبہ کسی کے پاس جائے تب بھی تین مرتبہ کہنا ہوتا ہے تو ”إذا أتى على قوم“ اس دوسرے معنی پر دلالت کرتا ہے کہ آدمی جب مجمع میں جائے تو تین مرتبہ سلام کرے اور اس کی بعض دوسری روایات سے تائید بھی ہوتی ہے۔ ۹۰

۹۱۔ حدثنا مسدد قال : حدثنا أبو عوانة ، عن أبي بشر ، عن يوسف بن ماهك ، عن عبد الله بن عمرو قال : تخلف رسول الله ﷺ في سفر سافرا نه ، فادر كنا وقد أرققنا الصلاة ، صلاة العصر ، ونحن نتوضأ ، فجعلنا نمسح على أرجلنا ، فنادى بأعلى صوته : ((ويل للأعقاب من النار)) مرتين أو ثلاثا . [راجع : ۶۰]

یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے، یہاں ”ویل للأعقاب من النار“ دوسرے یا تین مرتبہ فرمایا، مقصود یہی ہے کہ تفہیم کیلئے ایک بات کئی مرتبہ کہنا درست ہے۔

(۳۱) باب تعلیم الرجل أمته وأهله

مرد کا اپنی لونڈی اور اپنے گھر والوں کو تعلیم کرنے کا بیان

۹۲۔ حدثنا محمد بن سلام قال : حدثنا المحاربی قال : حدثنا صالح بن حیان قال : قال عامر الشعبي : حدثني أبو بردة ، عن أبيه قال : قال رسول الله ﷺ : ((ثلاثة لهم أجران : رجل من أهل الكتاب آمن بنبيه وآمن بمحمد ﷺ ، والعبد المملوك إذا أدى حق الله تعالى وحق مواليه ، ورجل كانت عنده أمة فأدبها فأحسن تأديبها وعلمها فأحسن تعليمها ثم اعتقها فتزوجها فله أجران)) .

ثم قال عامر : أعطينا كها بغير شيء ، قد كان يركب فيما دونها إلى المدينة
[أنظر : ۲۵۴۳، ۲۵۴۷، ۲۵۵۱، ۳۰۱۱، ۳۴۴۶، ۵۰۸۳] ۹۱

اس باب میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ ایک تو باضابطہ تعلیم ہوتی ہے جو کسی حلقہٴ درس میں ہوتی ہے، شاگرد وہاں جاتے ہیں اور استاذ انہیں پڑھاتا ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ تعلیم اس طرح بھی ہونی چاہئے کہ اپنے گھر والوں کو بھی دین کی تعلیم دینی چاہئے، چاہے وہ رسمی انداز کی ہو یا غیر رسمی انداز کی، کہ جب موقع ملا ان کو دین کی کوئی بات سکھادی۔

تو فرمایا کہ یہ باب ہے ایک شخص کا اپنی باندی اور اپنے اہل کو تعلیم دینے کے بارے میں۔ اگرچہ جو حدیث لائے ہیں اس میں صرف باندی کی تعلیم کا ذکر ہے، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ اس سے استدلال فرما رہے ہیں کہ جب باندی کو تعلیم دینے کی فضیلت ہے تو جواہل ہیں، اپنی بیوی ہے اس کو تعلیم دینا بطریق اولیٰ ثابت ہوا، چنانچہ ”اہلہ“ کا لفظ بھی بڑھا دیا حالانکہ حدیث میں ”اہل“ کا لفظ ذکر نہیں ہے۔

”ثلاثة اجران“ اس میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث نقل کی ہے حضرت ابو بردہ رحمہ اللہ جوتا یغین میں سے ہیں اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے صاحبزادہ ہیں وہ اپنے والد حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کر رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”لہم اجران“ تین آدمی ایسے ہیں جن کو دو اجر ملیں گے۔

”رجل من اهل الكتاب آمن بنبيه وآمن بمحمد ﷺ“ پہلا شخص وہ ہے جو اہل کتاب میں سے ہو اور پہلے اپنے نبی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا اور پھر بعد میں حضرت محمد ﷺ پر ایمان لایا، اس کو دو اجر ملیں گے۔

”والعبد المملوك إذا أدى حق الله تعالى وحق مولاه“ اسی طرح اگر کسی کا مملوک غلام ہے وہ اپنے رب کا حق بھی ادا کرتا ہے اور اپنے آقاؤں کا بھی حق ادا کرتا ہے، اس کو بھی دو اجر ملیں گے۔

”ورجل كانت أمه فادبها فأحسن تأديبها و علمها فأحسن تعليمها ثم

۹۱ وفی صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب الایمان برسالة نبینا محمد الی جمیع الناس، رقم: ۲۱۹،
و کتاب النکاح، رقم: ۲۵۶۳، و کتاب صفة القيامة والجنة والنار، باب فضيلة اعتناقه امته ثم يتزوجها، رقم: ۵۰۲۷،
وسنن الترمذی، کتاب النکاح عن رسول الله، باب ماجاء فی الفضل فی ذلك، رقم: ۱۰۳۵، وسنن النسائی، کتاب
النکاح، باب عتق الرجل جاریته ثم يتزوجها، رقم: ۳۲۹۲، ۳۲۹۳، وسنن أبی داود، کتاب النکاح، باب فی الرجل
يعتق امته ثم يتزوجها، رقم: ۱۷۵۷، وسنن ابن ماجه، کتاب النکاح، باب الرجل يعتق ثم يتزوجها، رقم: ۱۹۳۶،
ومسنيد أحمد، أزل مسند الکوفيين، باب حديث أبی موسیٰ الأشعری، رقم: ۱۸۷۱۱، ۱۸۷۲۳، ۱۸۷۷۷،
۱۸۸۰۸، ۱۸۸۲۵، ۱۸۸۸۰، وسنن الدارمی، کتاب النکاح، باب فضل من اعتق امته ثم يتزوجها، رقم: ۲۱۳۶.

أعقها فتزوجها فله أجران“ اور تیسرا شخص وہ ہے جس کے پاس کوئی باندی ہے اس نے اس کو ادب سکھایا ”فأحسن تأديبها“ اچھا ادب سکھایا ”علمها“ اور اس کو تعلیم دی ”فأحسن تعليمها“ اور اچھی تعلیم دی، پھر اس کو آزاد کر دیا ”فتزوجها“ پھر اس سے نکاح کر لیا ”فله أجران“ تو اس کو بھی دوا جر ملیں گے۔

دوا جر ملنے کی وجہ

یہ دوا جر کیوں ملیں گے؟ بعض حضرات نے اس کی ایک وجہ یہ بتلائی ہے کہ ان تینوں قسموں میں دودو عمل ہیں، ایک اپنے نبی پر ایمان لانا، دوسرے نبی کریم ﷺ پر ایمان لانا۔ دوسرے شخص میں اللہ ﷻ کا حق ادا کرنا اور اپنے مولیٰ کا حق ادا کرنا۔ اور تیسرے شخص میں اس باندی کی اچھی تربیت کرنا اور پھر اس کو آزاد کر کے خود اس سے نکاح کر لینا، تو یہ دودو عمل ہیں، لہذا دودوا جر ہیں۔

سوالات

پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ بات ہے تو پھر ان تین آدمیوں کی کیا خصوصیت ہے اور جو بھی شخص دودو عمل کرے گا اس کو دوا جر ملیں گے، ہر عمل کا الگ اجر ملے گا تو ان تین آدمیوں کی کیا خصوصیت ہے؟ دوسرا سوال یہ ہوتا ہے کہ اس میں جو پہلی قسم بیان کی ہے کہ اہل کتاب میں سے کوئی شخص اپنے نبی پر ایمان لایا اگر اس سے عیسائی مراد ہیں تو پھر کسی حد تک بات بنتی ہے کہ پہلے عیسیٰ ﷺ پر ایمان لایا، پھر نبی ﷺ پر ایمان لایا، لیکن اگر اس سے یہودی بھی مراد ہیں تو اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہودی حضرت موسیٰ ﷺ پر تو ایمان لاتے تھے لیکن عیسیٰ ﷺ پر ایمان نہیں لائے تھے جب عیسیٰ ﷺ پر ایمان نہیں لائے تو اس کو موسیٰ ﷺ پر ایمان لانے کا اجر کیسے ملا جبکہ ایک ضروری، لازمی پیغمبر پر ایمان لانا فرض تھا اور یہ ایمان نہیں لائے۔

جواب

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ تین آدمیوں کی جو تخصیص کی گئی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ حکم ان ہی تین آدمیوں کا ہے اگر کوئی دوسرا دودو عمل کرے تو اس کو دوا جر نہیں ملیں گے، بلکہ یہ حکم ہر اس شخص کے لئے ہے جو دودو عمل کرے اس کو دوا جر ملیں گے، البتہ اس موقع پر ان تین آدمیوں کا خاص طور پر ذکر کسی خاص وجہ سے تھا جو قاعدہ کی نفی نہیں کرتا۔

دوسرے سوال کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اگرچہ شروع میں یہود و نصاریٰ کا ایمان معتبر نہیں تھا لیکن جب وہ اسلام لے آئے تو اسلام لانے کے بعد ان کا اپنے پیغمبر پر اسلام لانا معتبر ہو گیا اور اس کو حسنات میں شمار کیا گیا

جیسا کہ آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ اگر کوئی شخص حالت کفر میں کوئی نیکی کرے اور بعد میں ایمان لے آئے تو اگرچہ حالت کفر میں وہ نیکی معتبر نہیں تھی لیکن اسلام لانے کی برکت سے وہ نیکی بھی مقبول ہوگئی۔

تو اگرچہ یہودیوں کا حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان اس لئے معتبر نہیں تھا کہ بعد میں آنے والے پیغمبر عیسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان نہیں لائے تھے اور عیسائیوں کا ایمان حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پر اس لئے معتبر نہیں تھا کہ اس کے ساتھ انہوں نے بہت ہی تحریفات شامل کر لی تھیں لیکن جب اسلام لے آئے تو اسلام لانے سے تمام تحریفات اور غلطیوں کا ازالہ ہو گیا، نفس ایمان باقی رہ گیا، وہ ایمان ایک نیکی تھی جو حالت کفر میں معتبر نہیں تھی لیکن ایمان لانے کے بعد وہ معتبر ہوگئی، لہذا اس پر بھی ثواب ملا، لیکن یہ سارے اشکال و جواب اس توجیہ پر مبنی ہیں کہ ان کو جو دواجر مل رہے ہیں وہ دو الگ الگ اعمال پر مل رہے ہیں۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی تقریر

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے بہترین تقریر فرمائی، انہوں نے فرمایا کہ ان تین آدمیوں کو دو گنا اجر دواعمال کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک ہی عمل کی وجہ سے ملے گا، اس واسطے ان تین کی خصوصیت ہے، دو عمل پر دواجر تو ہر ایک کیلئے ہیں لیکن ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ایک ہی عمل پر دواجر ملیں گے۔ اہل کتاب کا جو ذکر کیا گیا ہے کہ ”آمن بمحمد“ حضور (ﷺ) پر ایمان لانے کے عمل پر دواجر ملیں گے اور ”عبد مملوک“ جو اللہ (ﷻ) کا حق ادا کر رہا ہے اس کو اللہ (ﷻ) کا حق ادا کرنے پر دواجر ملیں گے اور ایک شخص جو اپنی باندی کو تعلیم دے کر پھر اس سے نکاح کر رہا ہے اس نکاح کرنے پر اس کو دواجر ملیں گے۔

ایک عمل اور دو ہر اجر کیوں ہے؟

ان کی یہ خصوصیت کہ ایک عمل پر دواجر دیئے جا رہے ہیں، یہ اس لئے ہے کہ ان کا یہ عمل مشقت پر مشتمل ہے، انہوں نے مانع اور رکاوٹ موجود ہونے کے باوجود یہ عمل کیا، اس واسطے ان کو زیادہ اجر ملا، یعنی شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ آدمی جب شریعت کے کسی حکم پر یا کسی فضیلت کے عمل پر کسی رکاوٹ کے باوجود عمل کرتا ہے تو اس پر زیادہ اجر ملتا ہے اور اگر رکاوٹ نہیں ہے تو ایک اجر ملتا ہے جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کی ایک ایک کھلاوت کرے تو اس کے لئے دو ہر اجر ہے، بظاہر ایک ایک کھلاوت کرنے والا کوئی اچھی قراءت نہیں کر رہا ہے اور جو حافظ قاری ہے وہ بہت عمدہ قراءت کر رہا ہے لیکن ایک ایک کھلاوت کر پڑھنے والے کو دواجر اس لئے مل رہے ہیں کہ اس کے لئے تلاوت میں رکاوٹ ہے، طبیعت نہیں چل رہی ہے، طبیعت کا تقاضا یہ ہے کہ مجھ سے نہیں ہو رہی ہے اس لئے چھوڑ دوں لیکن وہ آدمی اس رکاوٹ کے باوجود اللہ کے لئے پڑھ رہا ہے اس لئے اس پر دو ہر اجر ہے۔

ایک شخص فارغ البال اور فارغ الحال ہے اس کے سر پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے، وہ جماعت کی صف اول کا پابند ہے اور ایک شخص جو مشغول ہے، چاہے دین کے کام میں مشغول ہو یا دنیا کے کاموں میں یا اپنے کسب معاش میں مشغول ہو، اس کے باوجود جب نماز کا وقت آتا ہے تو وہ جلدی سے تمام کاموں کو سمیٹ کر نماز کیلئے کھڑا ہو جاتا ہے۔

پہلے آدمی کا خشوع و خضوع دیکھنے میں زیادہ نظر آتا ہے جبکہ دوسرے آدمی کا دل کہیں اور دماغ کہیں، آ کر نماز میں کھڑا ہو گیا لیکن اس کے باوجود دوسرے شخص کا اجر زیادہ ہے، اس لئے کہ وہ رکاوٹ کے باوجود مسجد جا رہا ہے۔

تو یہاں جو تین آدمیوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ تینوں ایسے ہیں جن کے پاس ان کے عمل صالح کے اندر رکاوٹ کا ایک سبب موجود تھا لیکن انہوں نے اس کے باوجود اس رکاوٹ کی پرواہ نہیں کی اور عمل صالح انجام دیا اس واسطے ان کو دہرا اجر ملا۔

پہلا شخص جو اہل کتاب میں سے ہے چاہے یہودی ہو یا نصرانی، پہلے ایک نبی پر ایمان لا چکا تھا جس کی وجہ سے اس کے دل کو یہ اطمینان حاصل ہے کہ میں ایک نبی کا امتی ہوں، اب ایسی حالت میں اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرے دین کی طرف جانا یہ بہت شاق ہوتا ہے، بت پرستوں کا معاملہ یہ تھا کہ وہ نہ کسی نبی پر ایمان رکھتے تھے اور نہ کسی کتاب پر، لیکن اہل کتاب کے پاس نبی بھی تھا اور کتاب بھی تھی، یہی وجہ ہے کہ مشرکین کو جب کسی مسئلہ میں الجھن پیش آتی تو اہل کتاب سے رجوع کرتے تھے، اہل کتاب اپنے آپ کو عالم سمجھتے تھے اور مشرکین کو امی کہتے تھے، کیونکہ کوئی کتاب نہیں تھی اس لئے اہل کتاب کو اپنے افضل ہونے، عالم ہونے اور صاحب کتاب ہونے پر بڑا گھمنڈ تھا اور یہ گھمنڈ انسان کے لئے قبول حق کے راستہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہوتی ہے۔

اگر ایک عام آدمی کو کسی غلطی پر متنبہ کیا جائے تو بے چارہ جلدی مان جاتا ہے اور اگر کسی مولوی کو متنبہ کیا جائے تو وہ جلدی اور آسانی سے نہیں مانتا، اس واسطے کہ اس کو یہ گھمنڈ ہے کہ اس کے پاس علم ہے اور یہ گھمنڈ اس کے لئے قبول حق کے راستہ میں رکاوٹ بنتا ہے۔

یہی صورت اہل کتاب کے ساتھ تھی کہ ان کا علم ان کے راستہ میں رکاوٹ بن رہا تھا، لیکن جب اس رکاوٹ کو خاطر میں نہ لا کر، اس رکاوٹ کو عبور کر کے آدمی جب رسول کریم ﷺ پر ایمان لایا تو یہ ایمان مشقت کے ساتھ ہوا، لہذا اس ایمان پر دوہرا اجر ملے گا۔

اسی طرح ایک شخص کسی کا غلام ہے، غلام ہونے کے ناطے اس کو ہر وقت اپنے مولیٰ کی خدمت کرنی پڑتی ہے، اس کے چشم ابرو کے اشارے دیکھنے پڑتے ہیں، اس کی وجہ سے اس کے اوقات ہر وقت مصروف رہتے ہیں، نماز کا وقت آ گیا اور مولیٰ نے کسی اور کام کے لئے بھیج دیا، تو ایسی حالت میں اس کے لئے اللہ ﷻ کا حق ادا

کرنے کے راستہ میں ایک رکاوٹ موجود ہے اور وہ رکاوٹ مولیٰ کی خدمت ہے، لیکن جو شخص مولیٰ کی خدمت کی رکاوٹ کو عبور کر کے ساتھ ساتھ اللہ ﷻ کا حق بھی ادا کرتا ہے تو وہ دوہرا اجر کا مستحق ہے، بخلاف اس آزاد آدمی کے جس کے لئے نماز کے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

اسی طرح وہ شخص جس نے ایک باندی خرید کر اس کو تعلیم و تربیت بھی کی، اور بعد میں ایسی باندی کو آزاد کر کے اپنی بیوی یا لینا انسان کے نفس پر شاق ہوتا ہے کیونکہ باندی کے تو بیوی کی طرح کوئی حقوق نہیں ہیں، جہاں تک استمتاع کا تعلق ہے تو وہ باندی ہونے کی حالت میں بھی کر سکتا تھا اس سے خدمت لے سکتا تھا، ایسی باندی سے نکاح کرنے میں یہ رکاوٹ تھی کہ اس سے نکاح کرنے کی کیا ضرورت ہے، خاص طور پر عرب کے ماحول میں یہ بات مشہور تھی کہ جو شخص اپنی باندی سے نکاح کرے وہ ایسا ہے جیسے اپنے بدنہ پر سوار ہو یعنی قربانی کیلئے حرم کی طرف کوئی بدنہ لے کر جا رہا ہے۔ عام حالت میں اس قربانی کے جانور پر سوار ہونا جائز نہیں، تو عرب کہتے تھے کہ اپنی باندی سے نکاح کرنا ایسا ہے جیسے اپنے بدنہ پر سوار ہونا کیونکہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ آزاد جو کیا تھا تو آزاد کرنا اجر و ثواب کا کام تھا بعد میں پھر اسی سے نکاح کر لینا گویا اپنے صدقہ کو واپس لے لینا ہے، اپنی قربانی کو واپس لینا ہے، اس واسطے اہل عرب اس کو معیوب سمجھتے تھے اور رسم و رواج کے اعتبار سے کسی معاملہ کا معیوب ہونا یہ انسان کیلئے بہت بڑی رکاوٹ ہوتی ہے کہ لوگ کیا کہیں گے؟ لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص ان رکاوٹوں کو عبور کر کے اس سے نکاح کر لیتا ہے تو اس نکاح کرنے پر اس کو دوہرا اجر ملے گا۔

یہ تقریر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس حدیث میں فرمائی ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ اس تقریر کی بنیاد پر وہ دونوں اشکال جو پہلے ذکر کئے گئے ہیں زائل ہو جاتے ہیں۔

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد آگے فرمایا ”ثم قال عامر“ عامر شعی نے جو اس حدیث کے راوی ہیں یہ حدیث روایت کر کے کہا ”أعطينا کھا بغیر شیء“ ہم نے تمہیں یہ حدیث بغیر کسی معاوضہ کے دے دی۔ ”قد کان یرکب فیما دونہا إلی المدینة“ اس سے کم چیز کو حاصل کرنے کیلئے مدینہ تک سواری کی جاتی تھی۔

عامر شعی کوفہ کے ہیں اور کوفہ میں یہ حدیث بیان کر رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ بعض اوقات اس سے بھی کم بات کا علم حاصل کرنے کیلئے مدینہ منورہ تک سفر کرنے کی ضرورت پڑتی تھی اور ہم نے تمہیں ویسے ہی مفت میں یہ حدیث دے دی۔

بظاہر یوں لگتا ہے کہ عامر شعی کا خطاب اپنے شاگرد صالح بن حیان کو ہے اس لئے کہ اس حدیث کو روایت کرنے والے صالح بن حیان ہیں۔

اس کی جو تفصیل مسلم شریف میں آئی ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خطاب صالح بن حیان یعنی اپنے شاگرد کو نہیں ہے بلکہ صالح بن حیان نے یہ واقعہ بیان کیا ہے کہ کسی شخص نے آ کر عامر بن شعی سے کوئی

سوال کیا تھا اس سوال کے جواب میں عامر بن شععی نے یہ حدیث سنائی، اور سوال یہی کیا تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی باندی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے تو لوگ کہتے ہیں کہ وہ ”کالمراکب علی بدنتہ“ ہوتا ہے۔
حضرت عامر بن شععی نے اس سائل کے سوال کے جواب میں یہ حدیث سنائی اور سائل کو کہا کہ دیکھو ہم نے یہ بات تمہیں بغیر کسی معاوضہ کے دیدی ورنہ لوگ اس کام کے لئے مدینہ منورہ تک سفر کیا کرتے تھے۔
سوال: جو علت یہاں پائی جا رہی ہے اگر وہ علت کہیں اور کسی عمل میں بھی پائی جائے گی تو یہی حکم ہوگا یا نہیں؟

جواب: یہ سوال تو پھر بھی رہے گا لیکن پہلی صورت کے مقابلہ میں یہ اس لئے دھیما پڑ جاتا ہے کہ دو عمل پر دو اجر ہونا تو ایک بدیہی بات ہے کہ جب دو عمل ہوں گے تو دو اجر ہوں گے، لیکن مشقت کی وجہ سے دو اجر ہونا یہ اتنا بدیہی نہیں ہے تو ان تین چیزوں کا ذکر نبی کریم ﷺ نے خاص طور پر فرمایا کہ ان میں مشقت اور رکاوٹ واضح طور پر زیادہ ہے، اگرچہ جو علت ان میں پائی جا رہی ہے وہ علت کہیں اور بھی پائی جائے گی تو وہاں پر بھی یہی حکم ہوگا لیکن وہ اس بنا پر نہیں کہ عمل دو ہیں جو بدیہی طور پر دو اجر کا سبب بنتے ہیں۔

(۳۲) باب عظة الإمام النساء وتعليمهن

امام کا عورتوں کو نصیحت کرنے اور ان کی تعلیم کا بیان

۹۸۔ حدثنا سليمان بن حرب قال: حدثنا شعبة عن أيوب قال: سمعت عطاء، قال: سمعت ابن عباس قال: أشهد على النبي ﷺ. أو قال عطاء أشهد على ابن عباس أن رسول الله ﷺ. خرج ومعه بلال فظن أنه لم يسمع النساء فوعظهن وأمرهن بالصدقة، فجعلت المرأة تلقى القرط والخاتم، وبلال يأخذ في طرف ثوبه. وقال إسماعيل: عن أيوب، عن عطاء. وقال عن ابن عباس: أشهد على النبي ﷺ. [أنظر: ۸۶۳، ۹۶۲، ۹۶۴، ۹۷۵، ۹۷۷، ۹۷۹، ۹۸۹، ۱۲۳۱، ۱۲۴۹، ۱۲۸۹، ۱۲۹۵، ۵۲۴۹، ۵۸۸۰، ۵۸۸۱، ۵۸۸۳، ۷۳۲۵] ۹۲

۹۲ وفی صحیح مسلم، کتاب صلاة العیدین، باب ترک الصلاة قبل العید وبعدها فی المصلی، رقم: ۱۲۶۳، وسنن النسائی، کتاب صلاة العیدین، باب الخطبة فی العیدین بعد الصلوة، رقم: ۱۵۵۱، وسنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب الخطبة یوم العید، رقم: ۹۶۵، وسنن ابن ماجه، کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها، باب ماجاء فی الصلوة العیدین، رقم: ۱۲۶۳، ومسند أحمد، ومن مسند بنی هاشم، باب بداية مسند عبد الله بن العباس، رقم: ۱۸۰۳، ۱۸۷۹، ۱۹۵۸، ۲۰۶۱، ۲۰۶۲، ۲۲۶۲، ۲۹۰۴، ۲۹۴۰، ۲۹۸۸، ۳۱۴۴، ۳۱۸۶، ۳۳۰۷، وسنن الدارمی، کتاب الصلاة، باب صلاة العیدین بلا اذان ولا اقامة والصلوة قبل الخطبة، رقم: ۱۵۵۳، ۱۵۶۰.

اس باب سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ خاص طور پر خواتین کو وعظ کرنے کیلئے مجلس منعقد کرنا بھی جائز ہے۔
 اس میں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی وہ روایت ذکر کی ہے جس میں نبی کریم ﷺ کے عید کے موقع پر ایک واقعہ کا ذکر ہے کہ عید میں آپ ﷺ نے پہلے مردوں کو خطبہ دیا جس میں بعض اوقات خواتین بھی شامل ہوتی تھیں، لیکن بعد میں آپ ﷺ کو خیال ہوا کہ شاید عورتوں نے پوری بات نہ سنی ہو، ان کو سنانے کے لئے خاص طور سے الگ تشریف لے گئے اور ان کو صدقہ کا حکم دیا، عورتیں اسی وقت صدقہ میں اپنی انگوٹھیاں اور ہندے وغیرہ دینے لگیں جو حضرت بلال ؓ اپنے کپڑے میں لے رہے تھے۔
 اس کی تفصیل ان شاء اللہ ”کتاب الزکوٰۃ“ وغیرہ میں آئے گی، یہاں صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ خواتین کیلئے مجلس وعظ منعقد کرنا یہ بھی نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔

(۳۳) باب الحرص علی الحدیث

حدیث نبوی کے سننے پر حرص کرنے کا بیان

۹۹۔ حدثنا عبد العزيز بن عبد الله قال : حدثني سليمان عن عمرو بن أبي عمرو ، عن سعيد بن أبي سعيد المقبري ، عن أبي هريرة أنه قال : قيل : يا رسول الله ، من أسعد الناس بشفاعتك يوم القيامة ؟ قال رسول الله ﷺ : ((لقد ظننت يا أبا هريرة أن لا يسألني عن هذا الحديث أحد أول منك لما رأيت من حرصك على الحديث ، أسعد الناس بشفاعتي يوم القيامة من قال : لا إله إلا الله خالصا من قلبه أو نفسه)) . [انظر : ۶۵۷۰ : ۹۳]

یہ باب ”حرص علی الحدیث“ پر قائم کیا ہے، اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ عام حالات میں حرص کوئی اچھی صفت نہیں ہوتی، دنیا وغیرہ کے معاملات میں حرص کرنا مذموم ہے لیکن حدیث کو حاصل کرنے کے لئے، نبی کریم ﷺ کے ارشادات کو حاصل کرنے اور سیکھنے کے لئے حرص کرنا محبوب اور مطلوب ہے۔

چنانچہ اس میں حضرت ابو ہریرہ ؓ کی حدیث روایت کی ہے، حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں ”قيل: يا رسول الله من أسعد الناس بشفاعتك يوم القيامة“ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! قیامت کے دن آپ کی شفاعت کے معاملے میں تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خوش نصیب کون ہوگا؟ آنحضرت ﷺ نے جواب دینے سے پہلے فرمایا ”لقد ظننت يا أبا هريرة أن لا يسألني عن هذا الحديث أحد أول منك“ کہ اے ابو ہریرہ ؓ! میرا گمان یہی تھا کہ مجھ سے اس بارے میں تم سے پہلے کوئی

نہیں پوچھے گا، بوجہ اس بات کے کہ میں نے تمہارے اندر حدیث کے معاملہ میں حرص دیکھی ہے۔
یہاں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حدیث قرار دیا اور اس پر تنقید نہیں فرمائی بلکہ معروض مدح میں ذکر فرمایا، اس سے پتہ چلا کہ حدیث کی حرص اچھی بات ہے۔

بعد میں آنحضرت ﷺ نے سوال کا جواب دیا کہ ”أسعد الناس بشفاعتي يوم القيامة من قال: لا اله الا الله خالصا من قلبه او نفسه“ کہ میری شفاعت کے معاملے میں قیامت کے دن سب سے خوش نصیب وہ ہوگا جو خالص اپنے دل سے ”لا اله الا الله“ کہے، یہاں قلب کا لفظ استعمال فرمایا تھا یا نفس کا لفظ استعمال فرمایا تھا اس میں راوی کو شک ہے لیکن مطلب یہی تھا کہ جو شخص خلوص دل کے ساتھ ”لا اله الا الله“ کہے گا میری شفاعت کی خوش قسمتی اس کے حصہ میں آئے گی۔

صیغہ اسم تفضیل پر ایک اشکال

یہاں ”أسعد الناس“ میں اسم تفضیل کا صیغہ ذکر فرمایا ہے اس میں بعض لوگوں کو اشکال ہوا کہ اس صیغہ کا تقاضا یہ ہے کہ شفاعت کے معاملے میں سب سے زیادہ خوش نصیب یہ شخص ہوگا، اس سے کم بھی ہو سکتے ہیں حالانکہ جو شخص ”لا اله الا الله“ کہہ رہا ہے اس سے نچلا درجہ اور کیا ہوگا، مسلمان ہونے کے لئے لازمی ہے کہ انسان خلوص دل کے ساتھ، اخلاص نیت کے ساتھ ”لا اله الا الله“ کہے، اس سے نچلا درجہ تو کوئی نہیں ہے جبکہ اسم تفضیل کا صیغہ اس پر دلالت کر رہا ہے کہ اس میں مختلف درجات ہوں گے بعض سعید ہوں گے، بعض اسعد ہوں گے؟

مطلق صیغہ صفت مراد ہے

اسی واسطے حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ نے اس کو ترجیح دی ہے کہ یہاں صیغہ اسم تفضیل میں تفضیل کے معنی مراد نہیں ہیں، بلکہ یہ مطلق صیغہ صفت کے طور پر آیا ہے جس میں درجات کا بیان کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ میری شفاعت کا ہر وہ شخص حقدار ہوگا جو خلوص دل سے ”لا اله الا الله“ کہے، چنانچہ انہوں نے کہا کہ یہاں ”أسعد“ ”سعید“ کے معنی میں ہے۔

اسم تفضیل کی بنیاد پر تشریح

لیکن دوسرے شرح حدیث مثلاً علامہ ابن النمر اور علامہ سندھی رحمہما اللہ، ان دونوں بزرگوں کا کہنا یہ ہے کہ یہاں صیغہ اسم تفضیل ہی مراد ہے اور درجات میں خلوص کے تفاوت کے لحاظ سے تفاوت ہے ”خالصا من قلبه“ فرمایا ہے، تو خلوص میں تفاوت ہو سکتا ہے، ایک وہ ہے جو سو فیصد اخلاص کے ساتھ کہہ رہا ہے یہ اسعد الناس ہے اور اس سے کم درجہ وہ ہے جس میں اتنے درجہ کا اخلاص نہیں لیکن فی نفسه اخلاص ہے، اور آپ ﷺ نے

یہ اس لئے فرمایا کہ آپ ﷺ کی شفاعت مختلف لوگوں کو مختلف جہنوں سے حاصل ہوگی۔

بعض مرتبہ آپ ﷺ کی شفاعت اس طرح ہوگی کہ آپ ﷺ فرمائیں گے کہ اس کو بلا حساب جنت میں داخل کر دیا جائے اور بعض مرتبہ آپ ﷺ کی شفاعت اس طرح ہوگی کہ جن لوگوں پر جہنم واجب ہو چکی مگر ابھی ڈالے نہیں گئے، آپ ﷺ ان کے بارے میں فرمائیں گے یا اللہ! انہیں معاف فرما دیجئے اور جہنم میں داخل نہ فرمائیں، بعض وہ ہوں گے جو جہنم میں جا چکے ہیں اور عذاب بھگت رہے ہیں آپ ﷺ ان کی شفاعت فرمائیں گے۔

یہ مختلف درجات ہیں، ان میں سے اسعد وہ ہے جو خلوص دل سے ”لا الہ الا اللہ“ کہہ رہا ہے اور اس کے نتیجے میں اللہ ﷻ نبی کریم ﷺ کی شفاعت قبول فرماتے ہوئے اس کو جہنم میں داخل ہی نہ فرمائیں گے یا اس کا حساب ہی نہ لیں گے، یا اس کے محض درجات بلند فرمائیں گے، اور اس سے کم درجہ وہ ہے جو عذاب بھگت رہے ہیں لیکن بعد میں نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے ان کو نکالا جائے، تو ان حضرات کا کہنا ہے کہ یہ درجات موجود ہیں کچھ اسعد ہیں اور کچھ سعید ہیں۔ ۹۴۔

(۳۴) باب کیف یقبض العلم؟

علم کس طرح اٹھالیا جائے گا

اس باب میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ علم دنیا سے کس طریقہ سے اٹھالیا جائے گا۔

”وکتب عمر بن عبدالعزیز إلی ابی بکر بن حزم : انظر ما کان من حدیث رسول اللہ ﷺ فاكتبه، فإنی خفت دروس العلم وذهاب العلماء ولا یقبل إلا حدیث النبی ﷺ، ولیجلسوا حتی یعلم من لا یعلم، فإن العلم لا یهلك حتی یکون سرا“۔

اس میں امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیقاً ایک اثر روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے مدینہ طیبہ کے قاضی ابوبکر بن حزم رحمہ اللہ کے نام ایک خط لکھا جس میں ان کو حکم دیا کہ ”انظر ما کان من حدیث رسول اللہ ﷺ فاكتبه، فإنی خفت دروس العلم وذهاب العلماء“ دیگر کتب حدیث ۹۵ میں بھی یہ خط مروی ہے اور اس میں احادیث نبوی کے ساتھ سنت خلفاء راشدین کے جمع کرنے کا حکم بھی مذکور ہے، ان دونوں کتابوں میں یہ حکم صرف قاضی مدینہ کے نام آیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے حافظ ابونعیم اصفہانی رحمہ اللہ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ یہ خط صرف قاضی مدینہ کے نام نہیں بلکہ مملکت کے ہر صوبہ کے قاضی کے نام بھیجا گیا تھا، ۹۶۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

۹۴ فتح الباری، ج: ۱، ص: ۱۹۴، وعمدة القاری، ج: ۱، ص: ۱۷۸۔

۹۵ انظر: عمدة القاری ج: ۲، ص: ۱۸۱۔

۹۶ فتح الباری، ج: ۱، ص: ۱۹۵۔

اپنی پوری قلمرو میں بڑے پیمانے پر تدوین حدیث کا کام شروع کیا تھا۔ ۹۷

تدوین حدیث کی وجہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے ابوبکر بن حزم رحمہ اللہ کی طرف ایک خط لکھا اور اس میں کہا کہ ”انظر ما کان من حدیث رسول اللہ ﷺ فاكتبہ“ رسول اللہ ﷺ کی جو کچھ حدیثیں ہیں ان میں غور کرو، ان کو دیکھو اور پھر ان کی تدوین کرو ”فانی خفت دروس العلم و ذهاب العلماء“ کیونکہ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ علم (مدرس) ختم نہ ہو جائے اور علماء دنیا سے چلے نہ جائیں۔

یہاں اس اثر کو لانے کا منشا یہ ہے کہ ”قبض علم“ علماء کے چلے جانے سے ہوگا جیسا کہ آگے حدیث مرفوع میں بھی آ رہا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے یہ خط ابوبکر بن حزم رحمہ اللہ کو لکھا تھا اور یہ حضرت عمرو بن حزم رحمہ اللہ کے پوتے ہیں، حضرت عمرو بن حزم رحمہ اللہ صحابہ میں سے ہیں اور ان کے بیٹے محمد بن عمرو بن حزم کو بھی نبی کریم ﷺ کی روایت کا شرف حاصل ہے، لہذا وہ بھی بوجہ روایت کے صحابیت کے منصب پر فائز ہیں ابوبکر بن حزم کا پورا نام ابوبکر بن محمد بن حزمؓ ہے، یہ تابعین میں سے ہیں، حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان کو مدینہ منورہ میں قاضی اور حاکم بنایا ہوا تھا، اس وقت حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے یہ خط لکھا۔

بعض دوسری روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے شہروں کے حکام کو بھی یہ خط لکھا، پیش نظریہ بات تھی کہ ابھی تو وہ حضرات موجود ہیں جنہوں نے براہ راست نبی کریم ﷺ سے حدیثیں سنی ہیں، ایسے اکا دکا لوگ موجود تھے، یا کم از کم ایسے لوگ موجود تھے جنہوں نے صحابہ کرامؓ سے احادیث سنی ہیں، لیکن جب یہ گزر گئے تو نبی کریم ﷺ کی احادیث ان کے انتقال کے ساتھ ساتھ چلی جائیں گی۔ کیونکہ اس وقت تک اگرچہ لوگ انفرادی طور پر کتابت حدیث کرتے تھے۔ آپ نے تدوین حدیث کی بحث میں پڑھا ہوگا کہ بہت سے صحابہ کرامؓ اور تابعین نے بھی صحیفے تیار کئے ہوئے تھے، لیکن وہ انفرادی کوششیں تھیں، حدیث کی حفاظت کا زیادہ تر دار و مدار حافظے پر تھا، آپ کو یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ علماء کے دنیا سے چلے جانے کے بعد احادیث مندرس ہو جائیں اور لوگوں کو ان کا علم نہ پہنچ سکے، اس واسطے آپ نے ابوبکر بن حزمؓ اور دوسرے حکام کو بھی خط لکھا کہ جو کچھ احادیث کہیں سے ملیں ان کو لکھیں۔ ۹۸

۹۷ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں درس ترمذی ج: ۱، ص: ۴۹-۴۵۔

۹۸ وقد روی ابو نعیم فی تاریخ اصبہان هذه القصة بلفظ: كتب عمر بن عبد العزيز الى الآفاق انظروا حدیث رسول

اللہ ﷺ فاجمعوه . کذا ذکرہ الحافظ فی الفتح ، ج: ۱، ص: ۱۹۴۔

سرکاری سطح پر تدوین حدیث

بہر حال یہ سرکاری سطح پر پہلی کوشش تھی جو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے تدوین حدیث کے سلسلے میں فرمائی اور یہ عمل پہلی صدی کے بالکل آخر میں ہوا، لہذا اس سے ان لوگوں کے خیال کی بالکل تردید ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ احادیث کی تدوین تیسری صدی میں شروع ہوئی ہے۔

اس سے پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اپنے دور خلافت میں سرکاری سطح پر کچھ کام انجام دے چکے تھے، تو یہ تدوین کی ابتدائی کوششیں تھیں، اس کے بعد باقاعدہ تدوین حدیث کا آغاز ہو گیا۔

آگے فرمایا ”ولا یقبل إلا حدیث النبی ﷺ“ اور نہ قبول کی جائیں مگر حضور ﷺ کی حدیثیں، یعنی فی الحال جو ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ پہلے رسول ﷺ کی احادیث کو تحریر میں لایا جائے، ابھی آثار صحابہ رضی اللہ عنہم اور آثار تابعین اس میں نہ شامل کئے جائیں تاکہ گڈنڈ نہ ہو جائیں اور کسی قسم کا اختلاط والتباس لازم نہ آئے۔

علم کا اٹھ جانا

”ولیفشوا العلم ، ولیجلسوا حتی یعلم من لا یعلم ، فإن العلم لا یهلك حتی یکون سرا“ اور چاہئے کہ علماء علم کو پھیلانیں، اور حدیث کو پڑھانے کے لئے بیٹھیں تاکہ اس شخص کو سکھایا جائے جو ابھی نہیں جانتا۔

اس لئے کہ علم اس وقت تک ہلاک نہیں ہوتا جب تک کہ وہ خفیہ نہ کر لیا جائے، یعنی علم کو علماء ایک خفیہ چیز بنالیں کہ لوگوں کو خفیہ طور پر علم سکھائیں گے اور اس کا عام اعلان نہیں کریں گے، تو رفتہ رفتہ علم ہلاک ہو جائے گا کیونکہ جاننے والے کم رہ جائیں گے، لہذا اس بات کی ضرورت ہے کہ علم کو محض خفیہ چیز نہ قرار دیا جائے بلکہ اس کا افشاء کیا جائے، اس کو پھیلایا جائے۔

اب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے اسی مقولہ کو اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ ”حدثنا علی بن عبد الجبار قال حدثنا عبد العزیز بن مسلم عن عبد اللہ بن دینار بذكر“ کہ عبد اللہ بن دینار نے ہمیں یہ حدیث سنائی تھی یعنی عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ والی حدیث ”الی قولہ ذهاب العلماء“۔

اس سند میں عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا یہ خط ”ذهاب العلماء“ تک ہے، اس سے الگ جملہ ”ولا یقبل الخ“، یہ علی بن عبد الجبار کی روایت جو امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل فرمائی ہے، اس میں نہیں ہے، اب اس میں یہ بھی امکان ہے کہ یہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ہی کا مقولہ ہو لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کو کسی دوسری سند سے پہنچا ہو کیونکہ اس سند سے ”ذهاب العلماء“ تک کا مقولہ پہنچا ہے اور یہ امکان ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا

مقولہ ”ذہاب العلماء“ پر ختم ہو گیا ہو، آگے جو جملے ہیں وہ خود امام بخاری رحمہ اللہ کے اپنے ہوں۔
حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسی دوسرے احتمال کو ترجیح دی ہے کہ یہ امام بخاری رحمہ اللہ کے اپنے جملے ہیں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے خط کا حصہ نہیں ہیں۔

۱۰۰۔ حدثنا إسماعيل بن أويس قال : حدثني مالك ، عن هشام بن عروة ، عن أبيه ، عن عبد الله بن عمرو بن العاصي قال : سمعت رسول الله ﷺ يقول : ((إن الله لا يقبض العلم انتزاعا ينتزعه من العباد ، ولكن يقبض العلم يقبض العلماء حتى إذا لم يبق عالم اتخذ الناس رؤسا جهالا ، فستلوا فافتوا بغير علم فضلوا وأضلوا)).

قال الفريري : حدثنا عباس قال : حدثنا قتيبة قال : حدثنا جرير عن هشام نحوه .

[أنظر: ۷۳۰۷، ۹۹]

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ ﷻ علم کو قبض نہیں کریں گے ”ينتزعہ من العباد“ کہ لوگوں کے دلوں سے علم چھین لیں، اگرچہ اللہ ﷻ کی قدرت میں تو یہ بھی ہے کہ جو عالم ہے اس کے دل سے علم سلب فرمالیں، لیکن واقعہ ایسا نہیں ہوگا یعنی علماء کے سینوں سے علم نہیں چھینا جائے گا۔

”ولكن يقبض العلم بقبض العلماء“ لیکن علم کو اللہ ﷻ واپس لیں گے علماء کو واپس لے کر یعنی علم رکھنے والے رفتہ رفتہ دنیا سے رخصت ہوتے جائیں گے، ”حتى إذا لم يبق عالم“ یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو ”اتخذ الناس رؤسا جهالا“ لوگ جاہل قسم کے لوگوں کو سردار بنالیں گے۔

”رؤس“ یہاں سردار کے معنی میں ہے ”فستلوا“ ان سے سوال کیا جائے گا ”فافتوا بغير علم“ وہ علم کے بغیر فتویٰ دیں گے ”فضلوا و اضلوا“ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

معلوم ہوا کہ علم کا قبض علماء کے قبض کے ذریعہ ہوگا، رفتہ رفتہ اہل علم دنیا سے ختم ہوتے جائیں گے اس طرح علم دنیا سے اٹھ جائے گا ”قال الفريري“ : فريري (امام بخاری رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں اور بخاری کا جو نسخہ ہمارے سامنے موجود ہے یہ فريري ہی کا نسخہ ہے) وہ اس حدیث کو اپنی دوسری سند سے روایت کر رہے ہیں جس میں امام بخاری رحمہ اللہ کا واسطہ نہیں ہے۔

۹۹ وفی صحیح مسلم ، کتاب العلم ، باب رفع العلم وقبضه وظهور الجهل والفتن فی آخر ، رقم: ۳۸۲۸، وسنن الترمذی ،

کتاب العلم عن رسول اللہ ، باب ما جاء فی ذهاب العلم ، رقم: ۲۵۷۶، وسنن ابن ماجہ ، کتاب المقدمة ، باب اجتناب الراي

والقياس ، رقم: ۵۱، ومسند أحمد ، مسند المكثرين من الصحابة ، باب مسند عبد الله بن عمرو بن العاص ، رقم: ۲۲۲۲،

۲۳۹۸، ۶۲۰۲، وسنن الدارمی ، کتاب المقدمة ، باب فی ذهاب العلم ، رقم: ۲۳۱.

فربری کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عباس نے سنائی تھی اور انہوں نے قتیہ سے روایت کی اور انہوں نے جریر سے اور انہوں نے ہشام سے۔

استخراج

اس کو استخراج کہتے ہیں کہ کوئی شاگرد اپنے استاد کی روایت کردہ حدیث کو کسی ایسی سند سے روایت کرے جس میں بیچ میں استاد کا واسطہ نہ آئے، فربری نے بخاری میں کہیں کہیں یہ استخراج کیا ہے، یہ بھی ایک صورت ہے۔

(۳۵) باب هل يجعل للنساء يوما على حدة في العلم؟

کیا عورتوں کی تعلیم کے لئے کوئی خاص دن مقرر کر دیا جائے

۱۰۱۔ حدثنا آدم قال : حدثنا شعبه قال : حدثني ابن الأصبهاني قال : سمعت أبا صالح ذكوان يحدث عن أبي سعيد الخدري قال : قال النساء للنبي ﷺ : غلبنا عليك الرجال فاجعل لنا يوما من نفسك ، فوعدهن يوما لقيهن فيه فوعظهن وأمرهن ، فكان فيما قال لهن ((ما منكن امرأة تقدم ثلاثة من ولدها إلا كان لها حجابا من النار فقالت امرأة : واثنين؟ فقال : ((واثنين)) [أنظر: ۱۲۴۹، ۷۳۱۰، ۷۰]

نومولود بچوں کا حکم

یہاں ترجمۃ الباب قائم کیا ہے کہ اگر عورتوں کے علم کے لئے الگ دن مقرر کر لیا جائے تو ایسا کرنا جائز ہے۔ اس میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے عورتوں نے کہا کہ ”غلبنا عليك الرجال“ مرد آپ کے سامنے ہمارے اوپر غالب آ گئے ہیں، یعنی اکثر و بیشتر خطاب مردوں سے ہوتا ہے ”فاجعل لنا يوما من نفسك“ ایک دن ہمارے لئے آپ خاص کر لیجئے جس میں خاص طور پر ہم سے خطاب ہو ”فوعدهن يوما“ آپ ﷺ نے ان سے وعدہ فرمایا کہ ایک دن خاص طور پر

۷۰۔ وفي صحيح مسلم ، كتاب البر والصلة والآداب ، باب فضل من يموت له ولد فيحسبه ، رقم : ۴۷۶۸ ، وسنن النسائي ، كتاب الجنائز ، باب من يتوفى له ثلاثة ، رقم : ۱۸۵۳ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب ما جاء في الجنائز ، باب ما جاء في ثواب من أصيب بولده ، رقم : ۱۵۹۲ ، ومسند أحمد ، باقي مسند المكثرين ، باب أبي سعيد الخدري ، رقم :

آپ سے خطاب ہوگا ”لقیہن فیہ“ آپ ﷺ نے اس دن خواتین سے ملاقات فرمائی ”فوعظن“ اور انہیں وعظ فرمایا ”وامرہن فکان فیما قال لہن“ اس وقت آپ ﷺ نے خواتین سے جو باتیں فرمائی تھی اس میں سے ایک یہ تھی ”مامنکن امرأہ تقدم ثلاثة من ولدھا إلا کان لھا حجابا من النار“ کہ تم میں سے کوئی عورت ایسی نہیں ہے جو اپنی اولاد میں سے تین بچے آگے بھیجے یعنی تین بچوں کا انتقال ہو جائے ”إلا کان لھا حجابا من النار“ مگر یہ کہ وہ بچے اس کے لئے جہنم سے حجاب بن جائیں گے، یعنی پھر ایسی عورت کو جہنم میں نہیں داخل کیا جائے گا جس نے تین بچوں کو آگے بھیج دیا ہے ”فقال امرأہ وإئین؟“ یہ استفہام تلقینی ہے، یعنی بظاہر تو سوال ہے کہ کیا اگر دو بچے کسی نے آگے بھیجے تو اس کا بھی یہی حکم ہوگا؟ لیکن حقیقت میں تلقین ہے کہ یا رسول اللہ! آپ دو کا بھی یہی حکم قرار دے دیجئے۔

”فقال وإئین“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں، جس کے دو بچے ہیں تب بھی یہی حکم ہے۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ پھر کسی خاتون نے کہا کہ اگر کسی کا ایک ہی جوان ہو؟ تو آپ ﷺ نے پھر ایک کا بھی یہی حکم قرار دے دیا، بلکہ اس روایت میں آپ ﷺ اور آگے بڑھے اور وہ بچہ جو نام تمام ہو جس کو سقط کہتے ہیں اس کا بھی یہی حکم قرار دے دیا، البتہ اگلی روایت جو آ رہی ہے اس کے اندر ہے ”ثلاثة لم یبلغوا الحنث“ تین ایسے جو ”حنث“ تک نہ پہنچے ہوں یعنی بالغ نہ ہوں۔

سوال: یہاں ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر ایک بچہ کا بھی یہی حکم تھا جو تین کا ہے تو پھر آپ ﷺ نے تین سے بات کیوں شروع کی؟ شروع ہی سے یہ فرما دیتے کہ ایک بچہ بھی آگے جائے گا تو وہ جہنم سے حجاب بن جائے گا؟ جواب: بعض علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ شروع میں آپ ﷺ کو بذریعہ وحی تین ہی کا حکم بتایا گیا تھا، بعد میں جب خاتون نے دو کے بارے میں پوچھا تو پھر وحی کے ذریعہ حکم ہوا کہ دو کے بارے میں بھی یہی حکم ہے پھر جب کہا ایک کا؟ تو آپ ﷺ نے ایک کا بھی یہی حکم قرار دیا، تو جس طرح آپ ﷺ کو بذریعہ وحی علم ہوتا گیا آپ ﷺ اس کے مطابق جواب دیتے رہے۔ ۱۰۱

بعض حضرات نے فرمایا کہ حکم تو شروع سے ہی معلوم تھا کہ ایک کا بھی یہی ہے لیکن آنحضرت ﷺ نے اشتیاق پیدا فرمانے کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا کیونکہ اگر ایک دم جلدی سے آسان بات بتادی جائے تو اس کی طرف اتنی زیادہ رغبت اور اشتیاق نہیں ہوتا لیکن اگر شروع میں تھوڑا سا مشکل کام بتایا اور پھر اس کو رفتہ رفتہ آسان کرے تو وہ ”أوقع فی القلب“ ہوتا ہے اور اس کی قدر و منزلت بھی زیادہ ہوتی ہے، اس واسطے یہ طریقہ

۱۰۱ دلیل علی أن حکم الاثنین حکم الثلاثة لاحتمال أنه أوحی الیہ فی الحین بأن یحیی علیہ الصلوۃ والسلام بذلك حین السؤال، ولا یمتنع أن یزل الوحی علی رسول اللہ ﷺ، بذلك حین السؤال، ولا یمتنع أن یزل الوحی علی رسول اللہ ﷺ طرفہ عین، وقال النووی: ویجوز أن یکون أوحی الیہ قبلہ الخ، عمدة القاری ج: ۲، ص: ۱۸۹.

اختیار فرمایا۔

۱۰۲۔ حدثنا محمد بن بشار قال: حدثنا غندر قال: حدثنا شعبه، عن عبد الرحمن بن الأصبهانی، عن ذکوان، عن أبي سعيد الخدري عن النبي ﷺ بهذا.

وعن عبد الرحمن بن الأصبهانی قال: سمعت أبا حازم، عن أبي هريره قال: ((ثلاثة لم يبلغوا الحنث)). [أنظر: ۱۲۵۰]

سوال: اس روایت میں ہے ”ثلاثة لم يبلغوا الحنث“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف نابالغوں کیلئے ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر بالغ کی وفات ہوئی تو پھر یہ حکم نہیں ہے، یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بالغ کے انتقال سے تو اور زیادہ اجر ملنا چاہئے اس لئے کہ بالغ کے انتقال سے صدمہ زیادہ ہوتا ہے، پریشانی زیادہ ہوتی ہے کیونکہ بالغ اولاد، ماں، باپ کے ہاتھ بٹانے کے لائق ہوتا ہے بخلاف نابالغ کے کہ وہ ابھی تک خود بوجہ ہوتا ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ بالغ اولاد کے انتقال پر جو اجر ملتا ہے وہ از قبیل کفارہ سینات کے ہیں اور کفارہ سینات بے شک اس صورت میں زیادہ ہے اس لئے کہ صدمہ زیادہ ہے، لیکن یہاں جو ذکر ہو رہا ہے وہ از قبیل شفاعت ہے اور شفاعت بچے کریں گے، بالغ نہیں کریں گے، بچہ اس وجہ سے شفاعت کرے گا وہ بوجہ غیر مکلف ہونے کے معصوم ہے، اول تو اس کی شفاعت بوجہ معصوم ہونے کے زیادہ اہمیت رکھے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ شان بچہ میں ہی ہوتی ہے کہ بات منوانے کے لئے اڑ جاتا ہے، ضد کرتا ہے، جیسے دوسری روایت میں آتا ہے کہ بچہ ضد کرے گا کہ یا اللہ! میرے والدین کو جنت میں داخل کیجئے، اگر بالغ آدمی ضد کرنے لگے تو پٹائی ہو جاتی ہے، یہ شان بچہ ہی کی ہے، تو نابالغ کا ذکر اس وجہ سے ہے کہ یہاں شفاعت کا بیان ہو رہا ہے اور شفاعت کے لئے نابالغ ہی مناسب ہے، اور جہاں تک کفارہ سینات کا تعلق ہے تو بے شک بالغ اولاد کے انتقال پر بھی کفارہ سینات ہوگا اور زیادہ ہوگا کیونکہ صدمہ زیادہ ہوتا ہے۔

(۳۶) باب من سمع شيئاً فراجع حتى يعرفه

اس شخص کا بیان جو کوئی بات سنے پھر اس سے دوبارہ پوچھے یہاں تک کہ سمجھ لے

اس باب میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص استاذ سے علم حاصل کر رہا ہے، اس نے استاذ سے کوئی بات سنی لیکن وہ اس کو پوری طرح نہیں سمجھ سکا تو اس کو چاہئے کہ وہ استاذ سے مراجعت کرے اور کہے کہ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی، استاذ سے سوال کرے ”حتی يعرفه“ یہاں تک کہ وہ حقیقت حال کو پہچان لے۔

۱۰۳۔ حدثنا سعيد بن أبي مریم قال: أخبرنا نافع بن عمر قال: حدثني

ابن ابی ملیکہ أن عائشة زوج النبی ﷺ كانت لا تسمع شيئاً لا تعرفه إلا راجعت فيه حتى تعرفه ، وأن النبی ﷺ قال : ((من حوسب عذب)) قالت عائشة : فقلت : أو ليس يقول الله تعالى : ﴿ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَاباً يَسِيرًا ﴾ [الانشقاق : ۸] ؟ قالت : فقال : ((إنما ذلك العرض ، ولكن من نوقش الحساب يهلك)) . [أنظر : ۴۹۳۹ ، ۶۵۳۶ ، ۶۵۳۷ [۱۰۲]

حدیث کی تشریح

اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی ہے جو ابن ابوملیکہ روایت کر رہے ہیں ، فرمایا ”أن عائشة زوج النبی ﷺ كانت لا تسمع شيئاً لا تعرفه إلا راجعت فيه“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا معمول یہ تھا کہ وہ کوئی بھی بات نہیں سنتی تھیں جس کو وہ پوری طرح سمجھ نہ سکی ہوں مگر اس میں نبی کریم ﷺ سے مراجعت فرماتی تھیں یہاں تک کہ اس کی حقیقت پہچان لیں۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ”من حوسب عذب“ کہ جس سے حساب لے لیا جائے گا اس کو عذاب ہوگا یعنی آخرت میں جس سے حساب لے لیا گیا اس کو عذاب ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ سنا تو وہ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ، ”أوليس يقول الله تعالى : ﴿ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَاباً يَسِيرًا ﴾“ کیا اللہ ﷻ نے نہیں فرمایا کہ جس کا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا گیا تو اس سے حساب لیا جائے گا آسان حساب۔

حساب یسیر کا مطلب

یہاں اشکال کا مشأ یہ ہے کہ آیت کریمہ میں حساب کا ذکر ہے کہ حساب لیا جائے گا ، لیکن ساتھ ساتھ فرمایا گیا کہ آسان حساب لیا جائے گا ، معلوم ہوا کہ مؤمن سے آسان حساب لیا جائے گا اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جس سے حساب لیا جائے گا اس کو ضرور عذاب ہوگا۔

آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا ”إنما ذلك العرض“ کہ جس حساب کا ذکر آیت کریمہ میں ہے ”﴿ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَاباً يَسِيرًا ﴾“ آسان حساب لیا جائے گا وہ محض پیش کرنا ہوگا ، دکھا دیا جائے گا کہ یہ

۱۰۲۔ وفی صحیح مسلم ، کتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها ، باب اثبات الحساب ، رقم : ۵۱۲۲ ، ۵۱۲۳ ، وسنن الترمذی ، کتاب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله ، باب منه ، رقم : ۲۳۵۰ ، وکتاب تفسیر القرآن عن رسول الله ، باب ومن سورة اذا السماء انشقت ، رقم : ۳۲۶۰ ، وسنن ابی داؤد ، کتاب الجنائز ، باب عيادة النساء ، رقم : ۲۶۸۹ ، ومسند أحمد ، باقی مسند الأنصار ، باب حدیث السيدة عائشة ، رقم : ۲۳۰۶۹ ، ۲۳۶۶۳ ، ۲۳۶۲۵ ، ۲۳۸۱۰ ، ۲۴۵۲۵ .

تمہارے اعمال میں اور ان کے سامنے سے گزاردیا جائے گا، سوال و جواب اور پوچھ گچھ نہیں ہوگی، اس کے بارے میں فرمایا ہے:

”فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا“ ”ولكن من نوقش الحساب يهلك“

لیکن جس سے حساب میں مناقشہ کر لیا گیا، پوچھ گچھ شروع ہوگئی ”یہلک“ تو وہ ہلاک ہو جائے گا اس واسطے کہ اگر پوچھ گچھ شروع ہوگئی اور تمام اعمال کی باقاعدگی سے اہتمام کے ساتھ جانچ پڑتال شروع ہوگئی تو پھر کسی آدمی کا وہاں سے بچ نکلنا بڑا مشکل ہے، ہلاک ہو جائے گا۔

البتہ مؤمن کے لئے بکثرت یہ معاملہ ہوگا کہ اللہ ﷻ عرض فرمائیں گے، بس سامنے سے گزرا لیا جائے گا کہ یہ تمہارے اعمال ہیں ایک ایک چیز کی الگ سے پوچھ گچھ اور مناقشہ نہیں فرمائیں گے، اللہ ﷻ ہمیں بھی اپنی رحمت سے بے حساب ہی داخل فرمادے۔

(۳۷) باب لیبلغ العلم الشاهد الغائب ،

جو لوگ حاضر ہیں وہ ایسے لوگوں کو علم پہنچائیں جو غائب ہیں

امام بخاری رحمہ اللہ کا انداز تالیف

”قالہ ابن عباس عن النبی ﷺ“

یہاں یعنی حدیث کے الفاظ ترجمہ الباب بنادیئے جس میں آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو یہ تلقین فرمائی کہ جو لوگ موجود ہیں اور میری بات سن رہے ہیں وہ ان لوگوں تک پہنچادیں جو موجود نہیں ہیں اور یہ حکم اس لحاظ سے آگے بھی متحدی ہے کہ جن لوگوں کو نبی کریم ﷺ کا علم پہنچ جائے ان کا کام ہے کہ وہ اس کو آگے پہنچائیں۔

۱۰۴۔ حدثنا عبد اللہ بن یوسف قال : حدثنی اللیث قال : حدثنی سعید عن ابی شریح أنه قال لعمر بن سعید ، وهو یبعث البعوث إلى مكة : ائذن لی أیہا الامیر احدثک قولاً قام به النبی ﷺ الغد من یوم الفتح سمعته أذناى ، ووعاه قلبی ، وأبصرته عینای ، حین تکلم به حمد اللہ وأثنی علیہ ثم قال : ((إن مكة حرمها اللہ ، ولم یحرمها الناس ، فلا یحل لا مرئ یؤمن باللہ والیوم الآخر أن یسفک بها دماً ، ولا یعضد بها شجرة ، فإن أحد ترخص لقتال رسول اللہ ﷺ فیها فقولوا : إن اللہ قد أذن لرسوله ولم یأذن لکم ، وإنما أذن لی فیها ساعة من نهار ، ثم عادت حرمتها الیوم کحرمتها بالأمس ، ولیبلغ الشاهد الغائب)) ، فقیل لأبی شریح : ما قال عمرو ؟ قال : أنا أعلم منک یا أبا

شریح، ان مکہ لا تعید عاصیا ولا فارا بدم ولا فارا بخربة. [أنظر: ۱۸۳۲، ۳۲۹۵، ۱۰۳]

حدیث کا مفہوم

اس کے تحت حضرت ابو شریحؓ کی روایت نقل کی ہے یہ ایک صحابی ہیں، انہوں نے عمرو بن سعید سے کہا جب وہ مکہ کی طرف لشکر بھیج رہا تھا۔

یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ جب یزید کی حکومت قائم ہو گئی تھی اور یزید کے ہاتھ پر ایک تو حضرت حسینؓ نے بیعت نہیں کی تھی جس کا واقعہ مشہور ہے اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی بیعت نہیں کی تھی اور مکہ مکرمہ میں جا کر اپنی حکومت قائم فرمائی، یزید کو اس بات پر بڑا غصہ آیا کہ عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ مکرمہ میں اپنی حکومت قائم کر لی ہے، چنانچہ اس نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا مقابلہ کرنے کے لئے لشکر بھیجنے کا ارادہ کیا اور مختلف جگہوں پر اس کے جو عمال تھے ان سے کہا کہ وہ سب اپنی اپنی طرف سے فوجیں بھیجیں جو جا کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پر مکہ مکرمہ میں حملہ آور ہوں۔

عمرو بن سعید مدینہ منورہ میں یزید کی طرف سے حاکم تھا، اس کو بھی حکم دیا کہ تم بھی عبداللہ بن زبیرؓ پر چڑھائی کرنے کے لئے اپنے یہاں سے مکہ مکرمہ کی طرف فوج روانہ کرو۔

جس وقت عمرو بن سعید مکہ مکرمہ کی طرف (بعوث) فوج بھیج رہا تھا اس وقت ابو شریحؓ نے اس سے خطاب کرتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی کہ ”انذن لی ایہا الأمير“ اے امیر مجھے اجازت دیجئے ”أحدثک قولا قام به النبی ﷺ الغد من یوم الفتح“ کہ میں آپ کو ایک ایسی بات سناؤں جو نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے اگلے دن سنائی۔

دعوت دینے کا انداز

اب غور فرمائیں کہ حضرت ابو شریحؓ صحابی ہیں اور اونچے درجہ کے بزرگ ہیں، عمرو بن سعید کی ان کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں ہے، وہ یزید کی طرف سے مدینہ منورہ کا گورنر تھا، علم اور تقویٰ و طہارت کے اعتبار سے اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے بلکہ اللہ بچائے تاریخ میں ان کا الشیطان لقب ہے اس واسطے کہ اس نے حضرت

۱۰۳ وفی صحیح مسلم، کتاب الحج، باب تحریم مکہ وصیہا و خلاھا و شجرھا ولقطنھا الا لمنشد علی الدوام، رقم: ۲۲۱۳، و سنن الترمذی، کتاب الحج عن رسول اللہ، باب ماجاء فی حرمة مکة، ۷۳۷، و سنن النسائی، کتاب مناسک الحج، باب تحریم القتال فیہ، رقم: ۲۸۲۷، و مسند أحمد، اول مسند المدینیین اجمعین، باب حدیث ابی شریح الخزاعی، رقم: ۱۵۷۷۸، و من مسند القبائل، رقم: ۲۵۹۰۷.

عبداللہ بن زبیر ؓ کی طرف لشکر کشی کی تھی۔

غور کیجئے کہ ایک طرف عمرو بن سعید جیسا شخص ہے اور وہ کام بھی ایسا خطرناک کر رہا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کے مقابلہ کے لئے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کر رہا ہے لیکن جب حضرت ابوشریح ؓ نے اس کو نصیحت کرنی چاہی تو یہ الفاظ استعمال فرمائے ”انذن لى ايها الامير“ امیر کا لفظ اس کے خطاب کے لئے استعمال کیا اور پہلے اجازت طلب کی کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ سے بات کروں، کوئی دوسرا ہوتا تو حق گوئی کے جوش میں دو چار گالیاں سنا دیتا کہ تم مفسد ہو اور مسلمانوں کے درمیان خونریزی کر رہے ہو، مکہ پر چڑھائی کر رہے ہو تو اس کو کن القابات سے نوازتا، لیکن حضرت ابوشریح ؓ نے ادب سکھا دیا کہ چاہے کتنا ہی برا آدمی ہو اور کتنا ہی برا کام کر رہا ہو، اسے جب نصیحت کرنی ہو یا دعوت دینی ہو تو نصیحت اور دعوت میں ایسا عنوان اختیار کیا جائے جو اس کے لئے دل نشینی کا سبب نہ ہو بلکہ اس کے مرتبہ کے لحاظ سے اس سے بات کی جائے۔

موسیٰ ؑ اور فرعون کے واقعہ میں سبق

قرآن کریم نے حضرت موسیٰ ؑ اور ہارون ؑ کو فرعون سے بات کرنے کیلئے حکم دیا کہ ”قولا له قولا لينا“ تو والد ماجد صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اب تم موسیٰ ؑ سے بڑے مصلح نہیں بن سکتے اور تمہارا مقابل فرعون سے بڑا گمراہ مقابل نہیں ہو سکتا، جب وہاں پر ”قول لین“ اختیار کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے تو ہما شمس کھاتے میں شمار ہیں۔ ۱۰۴

یہاں پر بھی حضرت ابوشریح ؓ کا یہ فرمانا ”انذن لى ايها الامير“ یہ دعوت کا ادب ہے، یہ نہیں کہ حق بات اٹھا کر اس کے سر پر مار دی جائے بلکہ حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعہ بات کرنی چاہئے، اس لئے انہوں نے اس لقب سے خطاب کیا کہ اے امیر! مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں وہ قول سناؤں جس کو رسول اللہ ﷺ یوم الفتح کے اگلے دن لے کر کھڑے ہوئے تھے۔

”سمعتہ اذنای“ اور کتنے مؤثر انداز میں فرمایا کہ وہ قول میرے کانوں نے سنا ”ووعاه قلبی“ اور میرے قلب نے اس کو یاد رکھا ”و ابصر ته عینای“ اور میری آنکھوں نے دیکھا ”حين تکلم به“ جب نبی کریم ﷺ نے وہ بات ارشاد فرمائی تھی۔

آگے وہ بات نقل کر رہے ہیں کہ ”حمد اللہ وائنی علیہ“ نبی کریم ﷺ نے اللہ ﷻ کی حمد و ثنا بیان فرمائی اور پھر فرمایا کہ ”ان مکة حرمها الله“ مکہ مکرمہ کو اللہ ﷻ نے حرمت بخشی ہے ”ولم يحرمها

۱۰۴۔ لان الله تعالى قال لموسى وهارون فقولوا له قولا لينا فالقاتل ليس بالفضل من موسى وهارون والفاجر ليس باخبت من

فرعون وقد امرهما الله تعالى باللين الخ تفسير القرطبي، ج: ۲، ص: ۱۶، القاهرة ۱۳۷۲ھ۔

الناس“ اور لوگوں نے اس کو حرمت نہیں بخشی ”فلا يحل لامرئ يؤمن بالله واليوم الآخر أن يسفك بهادما“ تو کوئی بھی شخص جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ وہاں کوئی خون بہائے ”ولا يعصد بها شجرة“ اور نہ اس کے لئے کسی درخت کو کاٹنا حلال ہے۔

”فان أحد ترخص لقتال رسول الله ﷺ فيها“ اگر کوئی شخص اس میں رسول اللہ ﷺ کے قتال کی بنیاد پر رخصت حاصل کرنے کی کوشش کرے، یعنی اگر کوئی شخص یہ استدلال کرے کہ رسول کریم ﷺ نے بھی فتح مکہ کے موقع پر مکہ مکرمہ میں قتال کیا تھا ”فقولوا“ تو اس کے جواب میں کہو ”إن الله قد أذن لرسوله ولم يأذن لکم“ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اجازت دی تھی تمہیں اجازت نہیں دی، ”وإنما أذن لی ساعه من نهار“ اور مجھے بھی جو اجازت دی تھی وہ دن کے ایک حصہ میں دی تھی ”ثم عادت حرمتها اليوم كحرمتها بالأمس“ آج پھر اس کی حرمت اسی طرح لوٹ آئی ہے جیسے کہ پرسوں تھی ”وليلغ الشاهد الغائب“ اور میرا یہ پیغام جو لوگ موجود ہیں وہ ان کو پہنچا دیں جو غائب ہیں۔

ابو شرتک ؓ نے عمرو بن سعید کو یہ حدیث سنائی کہ تم جو یہ فوجیں بھیج رہے ہو یہ مکہ مکرمہ میں جا کر حملہ کر بس گی، وہاں خونریزی ہوگی اور نبی کریم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی ہے۔

”فقيل لأبي شريح“ : جب ابو شرتک ؓ نے یہ واقعہ سنایا کہ میں نے عمرو بن سعید سے یہ کہا تھا تو اس سے پوچھا گیا کہ ”ما قال عمرو؟“ عمرو بن سعید نے جواب میں کیا کہا؟

”قال أنا أعلم منك يا شريح“ اس نے کہا اے ابو شرتک! مجھے تم سے اس بات کا زیادہ پتہ ہے اور ساتھ یہ کہا کہ ”إن مكة لا تعيد عاصيا ولا فارا بدم ولا فارا بخربة“ حرم کسی نافرمان کو پناہ نہیں دے گا اور نہ اس شخص کو جو کسی کا خون کر کے بھاگ گیا ہو اور نہ اس شخص کو جو کوئی تخریبی کارروائی کر کے بھاگ گیا ہو۔

اب اس کا یہ استدلال تو بالکل ہی غلط تھا کہ اس نے حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کو باغی اور نافرمان قرار دیا، لیکن یہاں ایک فقہی مسئلہ بھی زیر بحث آ رہا ہے۔

حرم میں پناہ کا مسئلہ اور اختلاف فقہاء

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک

وہ مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حرم کے باہر کسی دوسرے شخص کو قتل کر دے اور پھر حرم میں جا کر پناہ لے لے تو امام شافعی رحمہ اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ حرم اس کو پناہ نہیں دے گا، تو اس کو حرم میں قتل کرنا جائز ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حرم میں قتل تو نہیں کر سکتا ”فمن دخله كان آمنا“ البتہ اس قاتل کے ساتھ یہ معاملہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کا کھانا پینا بند کر دیا جائے، جب کھانا پینا بند کر دیا جائے گا تو وہ خود بخود نکلنے پر مجبور ہو جائے گا، اور جب وہ نکل جائے تو پھر اس سے قصاص لیا جائے۔ ۱۰۵

شوافع کا استدلال

شوافع اس جملہ سے استدلال کرتے ہیں کہ ”ان مكة لا تعيد عاصيا“ حالانکہ یہ کوئی حدیث نہیں، کسی صحابی رحمہ اللہ کا مقولہ بھی نہیں بلکہ عمرو بن سعید کا مقولہ ہے جس کی کوئی اچھی شہرت نہیں تھی، لہذا اس سے استدلال نہیں ہو سکتا۔

حنفیہ کا استدلال

حضرت ابو شریح رحمہ اللہ کے ارشاد سے حنفیہ کی تائید ہوتی ہے کہ انہوں نے منع کیا کہ یہاں تمہارے لئے خوریزی جائز نہیں ہے۔

۱۰۵۔ حدثنا عبد الله بن عبد الوهاب : حدثنا حماد ، عن ايوب ، عن محمد ، عن ابن أبي بكرة عن أبي بكرة : ذكر النبي ﷺ قال : ((فإن دماءكم وأموالكم . قال محمد : وأحسبه قال : وأعراضكم - عليكم حرام ، كحرمة يومكم هذا في شهركم هذا ، ألا ليلغ الغائب)) ، وكان محمد يقول : صدق رسول الله ﷺ كان ذلك ((ألا هل بلغت ؟)) مرتين . [راجع : ۶۸]

حضرت ابو بکرہ رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ ”ذكر النبي ﷺ قال : فإن دماءكم وأموالكم“ تمہارے خون اور تمہارے مال اور محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ اس کے ساتھ ”وأعراضكم“ بھی فرمایا تھا کہ تمہاری آبروئیں ایک دوسرے پر حرام ہیں ”كحرمة يومكم هذا في شهركم هذا“ آگے فرمایا ”ألا ليلغ الغائب“ یہی ترجمہ الباب سے مقصود ہے۔

”وكان محمد يقول : صدق رسول الله ﷺ“ محمد بن سیرین رحمہ اللہ اس حدیث کو روایت کرنے والے ہیں، کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے سچ فرمایا ”كان ذلك“ یعنی یہ بات ہو چکی کیا بات ہو چکی

۱۰۵ استدلال بہ أبو حنیفہ رحمہ اللہ فی أن الملتجئ إلى الحرم لا يقتل به لقوله عليه السلام لا يحل لامرئ أن يسفك بھادما الخ شرح عمدة الاحکام ج: ۳، ص: ۲۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

تھی؟ کہ آپ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ جو موجود ہیں وہ پچھلے لوگوں کو جو موجود نہیں ہیں پہنچا دیں۔ ابن نیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سننے والوں نے یہ فریضہ ادا کر دیا کہ جو موجود نہیں تھے ان کو پہنچا دیا۔

آخر میں آپ ﷺ نے اللہ ﷻ سے عرض کرتے ہوئے فرمایا کہ ”اٰلِہٖلَ بَلٰغَتٍ؟ مرتین“

(۳۸) باب اِثْمُ مَنْ كَذَبَ عَلٰی النَّبِیِّ ﷺ

اس شخص پر کتنا گناہ ہے جو نبی کریم ﷺ پر جھوٹ بولے

یہ باب اس شخص کے گناہ کے بارے میں قائم کیا ہے جو نبی کریم ﷺ پر جھوٹ باندھے۔ جھوٹی حدیث، جھوٹا واقعہ یا جھوٹی بات حضور ﷺ کی طرف منسوب کرے، سب اس میں داخل ہیں۔

۱۰۶۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ قَالَ : أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ قَالَ : أَخْبَرَنِي مَنْصُورٌ قَالَ : سَمِعْتُ رَبْعَةَ بْنَ حِرَاشٍ يَقُولُ : سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : ((لَا تَكْذِبُوا عَلٰی فَإِنَّهُ مِنْ كَذِبِ عَلِيٍّ فَلْيَلِجِ النَّارَ)) ۱۰۶، ۱۰۷

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس میں چار حدیثیں روایت کی ہیں، پہلی حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”لا تکذبوا علی“ میرے اوپر جھوٹ نہ باندھو ”فانہ من کذب علی“ اس لئے کہ جو شخص مجھ پر جھوٹ باندھے گا ”فلیج النار“ وہ جہنم میں داخل ہو جائے گا۔

۱۰۷۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ قَالَ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ جَامِعِ بْنِ شَدَادٍ ، عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزَّبِيرِ ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ : قُلْتُ لِلزَّبِيرِ : إِنِّي لَا أَسْمَعُكَ تَحْدِثُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ كَمَا يَحْدِثُ فَلَانٌ وَفَلَانٌ ، قَالَ : أَمَا إِنِّي لَمْ أَفَارِقْهُ وَلَكِنْ سَمِعْتَهُ يَقُولُ : ((مِنْ كَذِبِ عَلِيٍّ فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ)) ۱۰۸

۱۰۶ لا یوجد للحديث مكررات.

۱۰۷ وفي صحيح مسلم ، كتاب مقدمة ، باب تغليظ الكذب على رسول الله ، رقم : ۲ ، وسنن الترمذی ، كتاب العلم عن رسول الله ، باب ما جاء في تعظيم الكذب على رسول الله ، رقم : ۲۵۸۳ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب المقدمة ، باب التغليظ في تعمد الكذب على رسول الله ، رقم : ۳۱ ، ومسند أحمد ، مسند العشرة المبشرين بالجنة ، باب ومن مسند علي بن أبي طالب ، رقم : ۵۵۱ ، ۵۹۵ ، ۹۵۳ ، ۱۰۲۲ ، ۱۲۲۵ ۔

۱۰۸ وفي سنن أبي داود ، كتاب العلم ، باب في التشديد في الكذب على رسول الله ، رقم : ۳۱۶۶ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب المقدمة ، باب التغليظ في تعمد الكذب على رسول الله ، رقم : ۳۶ ، ومسند أحمد ، مسند العشرة المبشرين بالجنة ، باب مسند الزبير بن العوام ، رقم : ۱۳۳۹ ، وسنن الدارمی ، كتاب المقدمة ، باب اتقاء الحديث عن النبي والتثبت فيه ، رقم : ۲۳۵ ۔

یہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی حدیث ہے وہ کہتے ہیں کہ ”قلت للزبیر“ یعنی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنے والد حضرت زبیرؓ سے کہا ”انی لا أسمعک تحدث عن رسول اللہ ﷺ“ میں نہیں سنا کہ آپ حضور ﷺ کی حدیثیں سناتے ہوں ”کما یحدث فلان وفلان“ جیسے کہ فلاں فلاں صحابیؓ سناتے ہیں، وہ بکثرت حضور اقدس ﷺ کی احادیث نقل کرتے ہیں لیکن میں نے آپ کو بہت کم حدیثیں روایت کرتے ہوئے دیکھا، بیٹے نے باپ سے یہ سوال کیا۔

اس کے جواب میں حضرت زبیرؓ نے فرمایا ”امانی لم أفارقه“ سنو! میں حضور اقدس ﷺ سے جدا نہیں رہا، یعنی میرا کم حدیثیں سنانا اس وجہ سے نہیں ہے کہ مجھے حضور ﷺ کی صحبت کم میسر آئی یا میں آپ ﷺ سے جدا رہا ”ولکن سمعته یقول“ بلکہ وجہ یہ ہے کہ میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”من کذب علی فلیتبعوا مقعده من النار“ جو مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

۱۰۸۔ حدثنا أبو معمر: حدثنا عبد الوارث، عن عبد العزيز قال: قال أنس: إنه لیمنعنی أن أحدنکم حدثنا کثیراً أن النبی ﷺ قال: ((من تعمد علی کذبا فلیتبعوا مقعده من النار)) ۱۰۹

۱۰۹۔ حدثنا المکی بن ابراهیم قال: حدثنا یزید بن أبی عبید عن سلمة بن الأكوع قال: سمعت النبی ﷺ یقول: ((من یقل علی ما لم أقل فلیتبعوا مقعده من النار)) ۱۰۱۰

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ مجھے کثرت کے ساتھ حدیثیں سنانے سے یہ بات روکتی ہے کہ ”أن النبی ﷺ قال: من تعمد علی کذبا فلیتبعوا مقعده من النار“ آگے حضرت سلمہ بن الأكوعؓ کی حدیث نقل کی کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ”من یقل علی ما لم أقل فلیتبعوا مقعده من النار“۔

۱۰۹۔ وفي صحيح مسلم، كتاب مقدمة، باب تغليظ الكذب على رسول الله، رقم: ۴، وسنن الترمذی، كتاب العلم عن رسول الله، باب ما جاء في تعظيم الكذب على رسول الله، رقم: ۲۵۸۵، وسنن ابن ماجه، كتاب المقدمة، باب التغليظ في تعمد الكذب على رسول الله، رقم: ۳۲، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أنس بن مالك، رقم: ۱۱۵۰۳، ۱۱۶۶۷، ۱۱۷۱۱، ۱۲۲۳۱، ۱۲۳۰۳، ۱۲۳۳۷، ۱۲۶۶۷، ۱۲۷۱۲، ۱۲۸۵۳، ۱۳۳۵۰، ۱۳۳۵۹، وسنن الدارمی، كتاب المقدمة، باب انتقاء الحديث عن النبي والتثبت فيه، رقم: ۲۳۸.

۱۰۔ لا يوجد للحديث مكررات.

۱۱۔ مسند أحمد، أول مسند المدینین اجمعین، باب حدیث سلمة بن الأكوع، رقم: ۱۵۹۲۷.

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں سلمۃ بن الاکوعؓ کی جو روایت نقل کی ہے یہ امام بخاری رحمہ اللہ کی پہلی ثلاثی حدیث ہے اسی لئے حاشیہ پر لکھا ہے ”اول الثلاثیات“ اس میں امام بخاری رحمہ اللہ اور حضور اقدسؐ کے درمیان صرف تین واسطے ہیں یعنی ”مکی بن ابراہیم، یزید بن ابی عبید اور سلمۃ بن الاکوع“ صحیح بخاری میں امام بخاری رحمہ اللہ کی تقریباً بیس کے قریب ثلاثیات ہیں اور ان میں سے بیشتر مکی بن ابراہیم رحمہ اللہ سے مروی ہیں اور مکی بن ابراہیمؓ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں۔

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریمؐ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ”من یقل علی مالم اقل الخ“ جو شخص میرے اوپر وہ بات کہے جو میں نے نہیں کہی تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

روایت بالمعنی کے عدم جواز پر بعض حضرات کا استدلال

یہاں جو لفظ ہے ”من یقل علی مالم اقل“ اس سے بعض حضرات نے اس پر استدلال فرمایا کہ روایت بالمعنی جائز نہیں، کیونکہ قول کے معنی ہیں بعینہ وہ الفاظ نقل کئے جائیں جو نبی کریمؐ نے ارشاد فرمائے تھے، اب اگر کوئی شخص روایت بالمعنی کر رہا ہے اور وہ نبی کریمؐ کے الفاظ نہیں ہیں صرف مفہوم اپنے الفاظ میں تعبیر کر رہا ہے تو وہ آنحضرتؐ کی طرف ایسے الفاظ منسوب کر رہا ہے جو آنحضرتؐ نے نہیں کہے اس لئے ”من یقل علی مالم اقل“ کے مفہوم میں داخل ہے، اس لئے اس کو روایت بالمعنی کے عدم جواز پر دلیل بتایا گیا۔

روایت بالمعنی اور جمہور کا مسلک

جمہور کا کہنا یہ ہے کہ یہ استدلال درست نہیں، روایت بالمعنی اس شخص کے لئے جائز ہے جو احادیث کے صحیح مفہوم کو سمجھنے پر پورا اعتماد رکھتا ہو اور پھر اس کو اپنے الفاظ میں تعبیر کرنے پر بھی پورا اعتماد رکھتا ہو کہ کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔

اور یہ ”من یقل علی الخ“ میں اگرچہ قول کا اطلاق لفظ پر ہوتا ہے لیکن اطلاقاً اور استعمالاً قول، لفظ اور معنی کا مجموعہ ہوتا ہے اور بعض اوقات صرف معنی پر بھی قول کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقولہ کہیں ایک لفظ میں بیان کیا گیا اور کہیں دوسرے الفاظ میں، اور ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک ہی الفاظ استعمال کئے ہوں گے، اللہ جل جلالہ نے اس کو مختلف الفاظ اور اسالیب سے تعبیر فرمایا، معلوم ہوا کہ معنی کے اوپر بھی قول کا اطلاق درست ہے، اور اسی میں روایت بالمعنی بھی داخل ہو جاتی ہے۔

حدیث کی عبارت پڑھنے میں محتاط ہونا چاہئے

البتہ ایک خطرناک بات یہ ہے کہ حضرات علماء کرام نے فرمایا ہے کہ حدیث کی عبارت غلط پڑھنا بھی ”من یقل علی الخ“ میں داخل ہے اس لئے کہ آدمی جب حدیث کی عبارت کو غلط پڑھ رہا ہوگا تو اس صورت میں وہ حضور ﷺ کی طرف وہ بات منسوب کر رہا ہوگا جو آپ ﷺ نے نہیں فرمائی۔ ۱۱۲۔

اس واسطے حدیث کی عبارت پڑھنے والے کو بہت زیادہ محتاط ہونا چاہئے اور استاذ کو بھی محتاط ہونا چاہئے کہ اگر طالب کوئی غلطی کر رہا ہے تو فوراً اس کی تصحیح کر دے۔

فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کا مقبول ہونا

ایک تو فضائل اعمال میں احادیث کا وضع کرنا ہے کہ کسی عمل کی فضیلت بیان کرنے کے لئے غلط حدیث ذکر کرنا اس کی تفصیل گزر گئی۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث مقبول ہے یا نہیں؟

اس میں علمائے کرام اور محدثین کے درمیان بڑی لمبی بحث اور بڑا اختلاف ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اگر حدیث شدید الضعیف ہو تو فضائل اعمال میں بھی مقبول نہیں اور اگر معمولی ضعیف ہو تو پھر فضائل اعمال میں اس درجہ مقبول ہے کہ اگر کوئی حکم پہلے کسی حدیث صحیح سے ثابت ہے تو اس ضعیف حدیث کے ذریعہ اس کی مزید تاکید اور تقویت ہو سکتی ہے لیکن اس سے کوئی نیا حکم مسنون ہونا، مستحب ہونا وغیرہ فضائل اعمال میں بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔

۱۱۰۔ حدثنا موسى قال : حدثنا أبو عوانة عن أبي حصين ، عن أبي صالح ، عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال : ((تسموا باسمي ولا تكتنوا بكيتي ، ومن رآني في المنام فقد رآني ، فإن الشيطان لا يتمثل في صورتی ، ومن كذب علي متعمداً فليتبوأ مقعده من النار)) . [أنظر : ۳۵۳۹ ، ۶۱۸۸ ، ۶۱۹۷ ، ۶۹۹۳] ۱۱۳۔

۱۱۲۔ قال العيني : من ذكر حديثاً موضوعاً بدون ذكر وضعه أو غلط في الأعراب فهو أيضاً تحت هذا الرعيد ، فيض الباری ، ج : ۱ ، ص : ۲۰۱۔

۱۱۳۔ وفي صحيح مسلم ، كتاب الرؤيا ، باب قول النبي ﷺ من رآني في المنام فقد رآني ، رقم : ۴۲۰۶ ، ۴۲۰۷ ، وسنن الترمذی ، كتاب الرؤيا عن رسول الله ، باب في تأويل الرؤيا ما يستحب منها وما يكره ، رقم : ۲۲۰۶ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب تعبیر الرؤيا ، باب رؤية النبي ﷺ في المنام ، رقم : ۳۸۹۱ ، ومسنند أحمد ، باقي مسند المكثرين ، باب مسند أبي هريره ، رقم : ۶۸۷۱ ، ۷۲۳۸ ، ۸۱۵۲ ، ۸۹۳۸ ، ۹۱۲۳ ، ۹۵۸۷ ، ۹۶۷۵ ، ۹۷۲۸۔

یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی اس کا آخری جملہ بھی یہی ہے ”ومن کذب علی متعمدا فلیتبو مقعده من النار“۔

یہ حدیث ”من کذب علی متعمدا..... الخ“ یہ وہ حدیث ہے جس کو متواترات میں شمار کیا ہے، متواتر معنی تو ہے ہی، لیکن بعض حضرات نے اس کو متواتر باللفظ بھی کہا ہے۔ ۱۴۱

حضور ﷺ کی طرف غلط نسبت

اس بات پر اجماع ہے کہ حضور ﷺ کی طرف کسی بات کی غلط نسبت کرنا یہ اکبر الکبائر میں سے ہے اور ایسے شخص کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اللہ ﷻ ہم سب کو بچائیں۔ آمین۔

ایک غلط استدلال

بعض واضعین حدیث جنہوں نے جھوٹی حدیثیں گھڑی ہیں ان میں سے ایک طبقہ ہے جو اپنے آپ کو زہاد میں سے کہتا تھا اور فضائل اعمال میں، ترغیبات و ترہیبات میں حدیثیں گھڑتا تھا اور گھڑنے کو جائز بھی کہتا تھا، اور اس سے استدلال کرتا تھا کہ مسند بزار میں یہی حدیث اس طرح ہے کہ ”من کذب علی متعمد یضلل بہ الناس فلیتبو مقعده من النار“ جو میرے اوپر جھوٹ باندھے تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ ۱۱۵

تو کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے قید لگا دی ہے کہ جھوٹ باندھنا اسی وقت ناجائز ہے جب اس کا مقصد لوگوں کو گمراہ کرنا ہو، لیکن اگر مقصد گمراہ کرنا نہیں ہے بلکہ راہ پر لانا ہے، بے نمازی کو نمازی بنانے کے لئے کوئی حدیث گھڑی جس میں نماز کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہو تو وہ جائز ہے۔

لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ حضور ﷺ نے ”من کذب علی“ فرمایا ہے ”من کذب لی“ تو نہیں فرمایا جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میرے خلاف کوئی حدیث گھڑے تو گناہ ہے، لیکن اگر میری دعوت اور پیغام کو پھیلانے کیلئے یہ کام کرے تو اس میں اس کی ممانعت نہیں ہے۔

تأویل باطل

تمام حضرات علماء کرام اور محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ تأویل باطل محض ہے اور جس حدیث

۱۱۴ اعلم أن الجمهور أن الكذب على النبي عمداً من أشد الكبائر الخ. فیض الباری، ج: ۱، ص: ۲۰۱.

۱۱۵ مسند البزار، رقم: ۱۸۷۶، ج: ۵، ص: ۲۶۲، دار النشر مؤسسة علوم القرآن، بیروت، المدینة. سنة النشر

میں ”لیضل به الناس“ آیا ہے اول تو اس کی سند کمزور ہے، لیکن اگر بالفرض وہ روایت ثابت بھی ہو، تب بھی یہ ایک واقعہ ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص بھی حضور ﷺ کی طرف کسی غلط بات کی نسبت کرے گا وہ لازماً لوگوں کو گمراہ کر رہا ہوگا۔ ۱۱۶

یہاں ”لیضل به الناس“ میں لام تعلیلیہ نہیں ہے بلکہ لام عاقبت کا ہے کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگوں کو گمراہ کرے گا، کیونکہ اگر لوگوں کے دل میں یہ یقین یا یہ گمان پیدا کر دیا کہ آپ ﷺ نے فلاں عمل پر فلاں فضیلت اور فلاں گناہ پر فلاں وعید بیان فرمائی ہیں حالانکہ آپ ﷺ نے بیان نہیں فرمائی، تو یہ گمراہی نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ سراسر گمراہی ہے کہ ایک وعید جو ثابت نہیں تھی اس کو ثابت کیا، تو ہر ”کذب“ گمراہی پر منبج ہوگا چاہے اس کا مقصد کتنا ہی نیک یا صحیح کیوں نہ ہو، لہذا یہ سب فضول تاویلات ہیں، حقیقت یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں ہر قسم کا کذب حرام ہے۔ ۱۱۷

حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”تسموا باسمی ولا تکتوا بکنیتی“ میرا نام رکھ لو لیکن میری کنیت نہ رکھو، کنیت ابوالقاسم تھی تو فرمایا کہ ابوالقاسم کنیت نہ رکھو۔

ابوالقاسم کنیت رکھنے سے ممانعت کی وجہ

وجہ اس کی یہ تھی کہ اگر ابوالقاسم کنیت رکھی جائے تو حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں اس سے التباس ہو جاتا تھا، ایک مرتبہ یہ التباس پیش بھی آیا کہ آپ ﷺ بازار میں تشریف لے جا رہے تھے کسی نے یا ابا القاسم کہہ کر آواز دی، آپ ﷺ نے یہ سمجھ کر کہ مجھے آواز دے رہے ہیں مڑ کر دیکھا تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ میرا مقصد کسی اور کو آواز دینا تھا، تو یہ التباس پیش آ سکتا تھا کیونکہ بہت سے لوگ خاص طور پر اہل کتاب نبی کریم ﷺ کو یا ابا القاسم کہہ کر خطاب کرتے تھے لیکن یا محمد کہہ کر کوئی خطاب نہیں کرتا تھا۔

مسلمان عام طور سے یا رسول اللہ کہتے تھے اور یہودی اہل کتاب عام طور پر ”یا ابا القاسم“ کہتے تھے، چونکہ ”یا محمد“ کوئی نہیں کہتا تھا اس لئے ”محمد“ نام رکھنے میں کوئی التباس اور اشتباہ کا اندیشہ نہیں تھا، بخلاف ابوالقاسم کے کہ اس میں اشتباہ کا اندیشہ تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا۔

۱۱۶ وقد اختلف فی وصله وارساله، ورجح الدار قطنی والحاکم ارساله، وأخرجه الدارمی من حدیث یعلی من مرة بسند ضعیف الخ فتح الباری، ج: ۱ ص: ۲۰۰.

۱۱۷ وأما من فرق بین الکذب علیہ و الکذب له تمسکا بقوله لا تکذب علی فانه جاهل، فان الکذب کیف کان لیس ”له“ فی حال بل هو ”علیه“ فی کل حال فلا يجوز الکذب فی الترغیب والترہیب ایضاً فیض الباری، ج: ۱ ص: ۲۰۱، وفتح الباری، ج: ۱ ص: ۲۰۰.

آج کل ابوالقاسم کنیت رکھنے کا حکم

یہ ممانعت بالاتفاق نبی کریم ﷺ کے عہد کے ساتھ خاص تھی کہ اشتباہ اور التباس کا اندیشہ تھا، حضور اکرم ﷺ کے بعد چونکہ اشتباہ اور التباس کا اندیشہ نہیں ہے، اس لئے اب ابوالقاسم کنیت رکھنا جائز ہے۔

آگے فرمایا ”ومن رآنی فی المنام فقد رآنی فان الشیطان لایتمثل فی صورتی“۔
جو شخص مجھے خواب میں دیکھے گا تو مجھے ہی دیکھے گا اس واسطے کہ شیطان میرے ساتھ تمثل نہیں کر سکتا۔
اس کی تشریح اور اس کا مفہوم کئی دقیق مسائل پر مشتمل ہے۔

خواب تین قسم پر ہیں

پہلی بات یہ ہے کہ حدیث صحیح کی روشنی میں خواب تین قسم پر ہیں:

۱۔ خواب رحمانی

۲۔ خواب شیطانی

اور

۳۔ خواب نفسانی

آگے بخاری کتاب الرؤیا میں یہ بات آئے گی۔

ایک خواب من اللہ ہے جو اللہ ﷻ کی طرف سے کسی بشارت یا الہام کے طور پر یا کسی اور مقصد کے لئے دکھایا جاتا ہے جس کو اللہ ﷻ بہتر جانتے ہیں۔

دوسرا خواب وہ ہے جس کو اضغاث احلام کہتے ہیں جو انسان کی قوت متخیلہ انسان کے دماغ میں پیدا کرتی ہے۔

تیسرا خواب من الشیطان ہے کہ شیطان کچھ تصرف کر کے کوئی خواب دکھا دیتا ہے۔

تو ایک رحمانی خواب ہے ایک شیطانی خواب ہے اور ایک نفسانی خواب ہے کہ انسان کے اپنے نفس کے خیالات منعکس ہو کر خواب کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، یہ تین قسم کے خواب ہوتے ہیں۔

خواب میں زیارت رسول ﷺ

ان میں سے جو تیسری قسم کی خواب ہے ظاہر ہے اس میں نبی کریم ﷺ کو دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، البتہ جو پہلی صورت ہے یعنی من اللہ، اس میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ممکن ہے، سچ والی قسم ہے وہ متخیلہ کی پیداوار ہے، آیا اس میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ممکن ہے یا نہیں؟ اس میں دونوں احتمال ہیں اور علماء کرام کے

دونوں قول ہیں۔

بعض کہتے ہیں متخیلہ کی وجہ سے زیارت ہو سکتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں ہو سکتی، یہاں تک تو یہ بات ہوئی کہ کون سی قسم کی خواب میں سرکارِ دو عالم ﷺ کی زیارت ممکن ہے۔
اب حدیث میں جو فرمایا کہ جو شخص مجھے خواب میں دیکھے گا وہ مجھے ہی دیکھے گا کیونکہ شیطان میرے ساتھ تمثل نہیں کر سکتا، اس کی تفسیر میں علمائے کرام کے دو قول ہیں۔

بہت سے علمائے کرام کا قول یہ ہے کہ یہ ارشاد اس صورت کے ساتھ خاص ہے جب کسی انسان نے سرکارِ دو عالم ﷺ کی زیارت آپ کی معروف شبیہ مبارک کے مطابق کی ہو، آپ ﷺ کا جو حلیہ شریفہ کتابوں میں مذکور ہے اگر اس حلیہ کے مطابق زیارت کرتا ہے تو بے شک وہ رسول کریم ﷺ کی زیارت سمجھی جائے گی، لیکن اگر اس حلیہ کے علاوہ کسی اور صورت کو دیکھا ہے تو پھر وہ حضور ﷺ کو نہیں دیکھا بلکہ اس کو دھوکہ ہوا ہے، یہ امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ کا قول ہے جو تعبیر الروایا کے امام ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ان سے کوئی آکر کہتا کہ مجھے خواب میں رسول کریم ﷺ کی زیارت ہوئی ہے تو اس سے پوچھتے تھے کہ تم نے کس حلیہ میں دیکھا، صفت بیان کرو، اگر وہ صحیح صفت بیان کرتا جو کتابوں میں لکھی ہوئی ہے تب تو کہتے کہ تمہاری زیارت صحیح ہے اور اگر اس کے خلاف ہوتی تو کہتے تمہیں کوئی دھوکہ ہو گیا ہے۔
ہمارے بزرگوں میں حضرت شاہ رفیع الدین رحمہ اللہ ”تعبیر الروایا“ کے امام تھے، ان کا قول بھی یہی تھا کہ یہ اس وقت کہا جائے گا جب رسول کریم ﷺ کو آپ کے معروف حلیہ کے مطابق دیکھا جائے۔

اس قول کی تائید ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے جو یہاں فرمائے گئے ہیں کہ ”إن الشیطان لا یتمثل بى“ شیطان میرے ساتھ تمثل نہیں کر سکتا، تمثل کے معنی ہیں کہ میری صورت میں نہیں آ سکتا۔
معلوم ہوا کہ اس حالت کا ذکر ہو رہا ہے جب کوئی شخص نبی کریم ﷺ کو اپنی اصل صورت مبارک میں دیکھے، بلکہ آگے چل کر بعض لوگوں نے یہاں تک تدقیق کی کہ اگر خواب میں نبی کریم ﷺ کو جوانی کی حالت میں دیکھا ہے تو جوانی کا حلیہ معتبر ہوگا، بچپن کی حالت میں دیکھا ہے تو بچپن کا حلیہ معتبر ہوگا، بڑھاپے کی حالت میں دیکھا ہے تو بڑھاپے کا حلیہ معتبر ہوگا، اگر اس کے خلاف دیکھا ہے تو کہا جائے گا کہ آپ ﷺ کو نہیں دیکھا۔
لیکن دوسرے لوگوں نے اس تدقیق میں جانے کی ضرورت نہیں سمجھی، انہوں نے کہا اگر بحیثیت مجموعی حلیہ مبارک دیکھا ہے تو سمجھا جائے گا کہ آپ ﷺ کو ہی دیکھا ہے۔

دوسرا قول بعض دوسرے علمائے کرام کا یہ ہے جیسا کہ علامہ مآزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب خواب کے اندر دیکھنے والے کو یہ یقین ہو جائے کہ میں جس کی زیارت کر رہا ہوں وہ رسول کریم ﷺ ہیں تو خواہ اس نے

کسی بھی حلیہ میں دیکھا ہو اس نے حضور ﷺ کی زیارت کی۔

سوال: اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ بعض اوقات لوگ ایسے حلیہ میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے ہیں جو آنحضرت ﷺ کے لحاظ سے بالکل نامناسب ہے، بعض لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی اس حالت میں زیارت کی کہ آپ ﷺ کو ٹپلون پہنے ہوئے ہیں؟

جواب: علامہ مآزری رحمہ اللہ اس کے جواب میں یہ فرماتے ہیں کہ جس وقت انسان کو یقین ہو کہ میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھ رہا ہوں تو اس وقت جو ذات نظر آ رہی ہے وہ حضور ﷺ کی ہی ذات ہے اگرچہ بعض اوقات صفات پر انسان کی تخیل کا غلبہ ہو جاتا ہے اور وہ تخیلہ صفات کی حد تک متصرف ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے صفات میں تغیر ہو جاتا ہے، لیکن جہاں تک ذات کا تعلق ہے تو وہ رسول ﷺ کی ذات کو دیکھ رہا ہے، اگر یہ نہ ہوتا تو کیوں فرماتے ”فقد رآنی“ اور یہ ہر ایک آدمی کے بس کا کام نہیں ہے کہ وہ یہ پہچانے کہ یہ حلیہ مبارکہ وہی ہے یا کوئی اور ہے، اس واسطے وہ کہتے ہیں کہ ہر حالت میں کہا جائے گا کہ حضور ﷺ کو ہی دیکھا ہے۔

علمائے کرام کے یہ دو قول ہیں اور دونوں کے پیچھے دلائل ہیں لیکن حقیقت حال اللہ ﷺ کو ہی معلوم ہے۔ ایک تیسرا قول یہ ہے کہ یہ حدیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد کے ساتھ خاص ہے، کیونکہ وہی پہچان سکتے تھے کہ انہوں نے حضور اقدس ﷺ کی زیارت کی، کوئی دوسرا شخص یقین سے نہیں کہہ سکتا۔

خواب حجت نہیں

البتہ ایک بات ایسی ہے جس پر تمام علمائے کرام کا اجماع ہے کہ خواب کی حالت میں حضور ﷺ کو چاہے اپنے اصلی حلیہ مبارکہ کے مطابق دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو، اگر آپ ﷺ خواب میں کوئی بات ارشاد فرمائیں تو وہ ارشاد حجت نہیں ہو سکتا، لہذا اس کی بنیاد پر کوئی نیا شرعی مسئلہ ثابت نہیں ہو سکتا، ہاں جس جگہ مباحات میں تردد ہو تو ان میں سے کسی ایک کے لئے یہ وجہ ترجیح ہو سکتی ہے، نیز بہت بڑی سعادت اور بشارت بھی ہے، حجت وہی اقوال و افعال ہیں جو آنحضرت ﷺ سے بیداری کی حالت میں سند متصل کے ساتھ ہم تک پہنچے۔

بہت سے لوگ جنہوں نے اس اصول کو مد نظر نہیں رکھا وہ گمراہی کی کھائیوں میں جا گرے، اس لئے کہ انہوں نے خوابوں کو حجت شرعیہ سمجھ لیا اور حجت شرعیہ سمجھ کر نہ صرف یہ کہ اس کو واجب الاتباع سمجھا بلکہ بعض اوقات اس کے ذریعہ ان احکام کو منسوخ کر ڈالا جو حالت بیداری میں ثابت ہیں، اس سے بدعتیں پیدا ہوئیں، گمراہیاں پیدا ہوئیں، لہذا یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہئے کہ خواب کبھی بھی حجت نہیں ہوتی۔

سوال: جب رسول کریم ﷺ فرما رہے ہیں کہ ”من رآنی فی المنام فقد رآنی“ تو جب آپ ﷺ کو دیکھا اور آپ ﷺ نے کوئی بات ارشاد فرمائی تو وہ حجت ہونی چاہئے، اس کو حجت کیوں نہیں مانتے؟

جواب: یہاں آپ ﷺ نے صرف اس حد تک بات ارشاد فرمائی ہے کہ جو مجھے دیکھتا ہے وہ مجھے ہی دیکھتا ہے، یہ نہیں فرمایا کہ اس حالت میں دیکھنے والے کو میری زبان سے جو کلمات سنائی دے رہے ہیں وہ بھی میرے ہی کہے ہوئے ہیں، چنانچہ ایسا عین ممکن ہے کہ جس طرح حلیہ کے اندر قوت متخیلہ متصرف ہو جاتی ہے اس طرح باتوں کے اندر بھی بکثرت قوت متخیلہ متصرف ہو جاتی ہو۔

اگر قوت متخیلہ کا تصرف ہو گیا اور اس کے نتیجے میں خواب میں ایسی بات نظر آ گئی جس کے بارے میں رسول کریم ﷺ نے تصریح فرمائی ہو کہ ہو ہی نہیں سکتی۔

ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا کہ شراب پیو، اب ایک بزرگ کے پاس گئے، اس نے کہا نہیں، یوں فرمایا ہوگا ”لا تشرب الخمر“ لیکن تیری قوت متخیلہ نے اس کو ”اشرب“ میں تبدیل کر دیا، تو قوت متخیلہ کی طرف سے یہ تصرفات ہوتے رہتے ہیں، لہذا خواب میں دیکھی ہوئی کوئی بات حجت نہیں۔

عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے استدلال

بعض لوگ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو خواب میں اذان دکھائی گئی اور اذان کی حجیت ثابت ہو گئی، لہذا خواب کی حجیت معلوم ہوتی ہے؟

جواب: یہ استدلال بالکل ہی بے محل ہے اس لئے کہ محض خواب میں دیکھنے کی وجہ سے اذان ثابت نہیں ہوئی بلکہ جب آنحضرت ﷺ نے بیداری کی حالت میں اس کی تصدیق فرمادی تو اس تصدیق نے ثابت کی، محض خواب سے ثابت نہیں ہوئی۔

ایک واقعہ

ایک واقعہ پیش آیا تھا جس کو علامہ شاطبی رحمہ اللہ نے ”الاعتصام“ میں نقل کیا ہے کہ ایک قاضی صاحب تھے انہوں نے کوئی مقدمہ سنا اور شرعی دلائل پر غور کرنے کے بعد اس کے فیصلہ میں ایک نتیجے پر پہنچ گئے۔ رات کو جب سوئے تو خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت ہوئی، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم جو فیصلہ کرنے جا رہے ہو وہ غلط ہے، یوں فیصلہ کرو، صبح جب بیدار ہوئے تو بڑے پریشان ہوئے کیوں کہ دلائل ظاہرہ اور دلائل شرعیہ کی رو سے وہی فیصلہ صحیح معلوم ہوتا تھا جس پر پہنچے تھے جبکہ خواب میں حضور اقدس ﷺ یہ فرما رہے ہیں کہ نہیں، فیصلہ دوسرا ہے۔

اس نے یہ واقعہ خلیفہ سے ذکر کیا، خلیفہ نے تمام علماء کو جمع کیا، بہت سے لوگوں نے اس حدیث سے

استدلال کیا اور کہا کہ معاملہ بڑا نازک ہے جب حضور اقدس ﷺ نے یہ فرمایا تو اس کے مطابق فیصلہ کرنا چاہئے، لیکن اس وقت شیخ عزالدین بن سلام رحمہ اللہ تھے انہوں نے جم کر کہا قاضی صاحب! آپ دلائل شرعیہ کے ذریعہ جس فیصلہ پر پہنچے تھے اس کے مطابق فیصلہ کیجئے اور عذاب و ثواب میری گردن پر ڈال دیجئے، میں ذمہ داری لیتا ہوں، اس واسطے کہ حضور ﷺ کے جوار شادات بیداری کی حالت میں ہم تک پہنچے ہیں وہ ہمارے لئے حجت اور واجب الاتباع ہیں اور خواب حجت نہیں ہوتا، لہذا آپ کے ذمہ واجب ہے کہ اسی کا اتباع کریں۔ جب انہوں نے جم کر یہ بات کی کہ عذاب و ثواب میری گردن پر ہے تو اس سے لوگوں کو اطمینان ہو گیا اور اسی کے مطابق فیصلہ کیا، اس سے خواب کا حکم معلوم ہو گیا۔

کشف کا حکم

اگر حالت بیداری میں ملاقات کے درمیان کسی سے کوئی بات ارشاد فرمائیں تو وہ بھی حجت نہیں، حالت بیداری میں خواب نہیں ہوتا بلکہ کشف ہوتا ہے اور یہ ممکن ہے کہ حالت بیداری میں کسی کو نبی کریم ﷺ کی زیارت ہو جائے اور بہت سے بزرگوں کو ہوئی بھی ہے لیکن منام اور کشف دونوں کا حکم ایک ہے، جس طرح منام حجت نہیں اسی طرح کشف بھی حجت نہیں، چاہے وہ کتنے بڑے عالم، متقی، پرہیزگار، قطب و ابدال نے دیکھا ہو چاہے حالت منام ہو یا بیداری، سب صورتوں کا حکم ایک ہے کہ وہ حجت نہیں۔ البتہ جو بات کشف یا خواب میں کہی جا رہی ہے اگر وہ دلائل شرعیہ کے خلاف نہیں ہے، دلائل شرعیہ کے موافق ہے تو پھر اس پر عمل کر لینا چاہئے اس لئے کہ وہ موجب خیر و برکت ہے لیکن اس سے کوئی شرعی حکم ثابت نہیں ہو سکتا۔

(۳۹) باب کتابۃ العلم

علم کی باتوں کے لکھنے کا بیان

اس باب میں امام بخاری رحمہ اللہ کتابت علم کی مشروعیت بیان کرنا چاہتے ہیں اور علم سے یہاں علم حدیث مراد ہے۔

اس باب کے منعقد کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ابتدا میں نبی کریم ﷺ نے کتابت حدیث سے منع فرمایا تھا اور حضور اقدس ﷺ سے یہ حدیث مروی ہے ۱۱۹ کہ آپ ﷺ نے فرمایا کوئی شخص مجھ سے قرآن کریم کے سوا کوئی اور چیز نہ لکھے اور ساتھ ہی فرمایا ”لا تکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ

وحدثوا عنی ولا حرج ومن کذب علی قال ہمام .. قال متعمداً فلیتوبوا مقعدہ من النار“ کہ جس نے مجھ سے قرآن کے علاوہ کوئی اور چیز لکھی ہو وہ اس کو مٹالے۔

منکرین حدیث کا استدلال

اس حدیث کی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ حدیث کو لکھ کر محفوظ کرنا ارشاد نبوی کے خلاف ہے۔ حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، لہذا وہ کتابت حدیث کو جائز نہیں سمجھتے تھے، اور اسی روایت سے منکرین حدیث بھی استدلال کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے کتابت حدیث سے منع فرمایا تھا، اگر حدیث حجت ہوتی تو آپ ﷺ اس کی کتابت سے منع نہ فرماتے اور مسلم وغیرہ کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ منکرین حدیث کا کہنا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا کتابت حدیث سے منع فرمانا، اس کی دلیل ہے کہ اس دور میں حدیثیں نہیں لکھی گئیں، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ احادیث حجت نہیں، اور نہ آپ ﷺ انہیں اہتمام کے ساتھ قلمبند فرماتے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی تردید

امام بخاری رحمہ اللہ اس باب کو قائم کر کے انہی خیالات کی تردید کرنا چاہتے ہیں اور یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر ابتدا عہد میں حدیث کی کتابت کی ممانعت ہوئی تھی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک قرآن کریم پورا نہیں لکھا گیا تھا، قرآن کریم کا نزول جاری تھا اور ابتدا میں قرآن کریم ایک کتاب کی شکل میں نہیں لکھا جاتا تھا بلکہ مختلف کپڑوں پر، ہڈیوں پر، چمڑے پر مختلف آیتیں لکھی ہوئی ہوتی تھیں، ایک طرف تو یہ صورت تھی۔

دوسری طرف ابھی تک صحابہ کرام ﷺ پوری طرح قرآن کریم کے اسلوب سے واقف نہیں تھے پوری طرح مانوس نہیں تھے کہ وہ اسلوب کے ذریعہ قرآن اور غیر قرآن میں امتیاز کر سکیں، اس لئے اس وقت یہ اندیشہ تھا کہ اگر لوگوں نے رسول کریم ﷺ کے ارشادات بھی اسی طرح لکھنے شروع کر دیئے جس طرح قرآن کریم لکھا جا رہا ہے تو کہیں قرآن اور غیر قرآن میں التباس نہ ہو جائے، کسی کے پاس کوئی حدیث لکھی ہوئی ہو اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ یہ قرآن کی آیت ہے۔

مسلم شریف کی حدیث کا مکمل متن کے الفاظ نمایاں واضح کرتے ہیں کہ کتابت کی ممانعت کا مطلب حدیث کی حجیت کا انکار نہیں ہے بلکہ اسی حدیث میں حضور ﷺ نے انہیں احادیث کی زبانی روایت کا حکم دیا ہے۔

اس واسطے نبی کریم ﷺ نے ابتدا میں کتابت حدیث سے منع فرمایا تھا، اس کا مقصد یہ نہیں تھا کہ حدیث کی کوئی اہمیت نہیں تھی بلکہ اہمیت تھی اور صحابہ کرام ﷺ احادیث کو یاد کرنے کے لئے ابتدائی دور میں کتابت کی جگہ اپنے حافظے کو استعمال کرتے تھے اور احادیث کو حافظے پر چھوڑنا یہ کوئی غیر معتبر ذریعہ پر چھوڑنا نہیں تھا بلکہ اہل

عرب کا حافظہ ایسا تھا کہ اس پر اعتماد کیا جاسکتا تھا۔

کتابت علم میں حدیث کی اجازت

امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ ممانعت ہمیشہ باقی نہیں رہی جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن کریم کے اسلوب سے مانوس ہو گئے اور ان کو قرآن و حدیث کے اسلوب میں فرق کا اندازہ ہو گیا تو اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے خود بھی کتابت علم کی اجازت دے دی، چنانچہ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک میں ہی احادیث کے کچھ مجموعے تیار فرمائے تھے۔ ۱۲۰

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی بات کو ثابت کرنے کیلئے یہ باب قائم فرمایا۔

۱۱۱۔ حدثنا ابن سلام قال: أخبرنا وكيع، عن سفيان، عن مطرف، عن الشعبي، عن أبي جحيفة قال: قلت لعلی: هل عندكم كتاب؟ قال: لا، إلا كتاب الله، أو فهم أعطيه رجل مسلم، أو ما في هذه الصحيفة، قال: قلت: وما في هذه الصحيفة؟ قال: العقل، وفكاك الأسير، ولا يقتل مسلم بكافر. [أنظر: ۱۸۷۰، ۳۰۴۷، ۳۱۷۲، ۳۱۷۹، ۶۷۵۵، ۶۹۰۳، ۶۹۱۵، ۷۳۰۰، ۷۳۱۱]

اس میں پہلی حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کی ہے کہ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا (حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ خود بھی صحابی ہیں، لیکن صغار صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہیں) ”هل عندكم كتاب؟“ کیا آپ کے پاس کوئی لکھی ہوئی چیز موجود ہے۔

اس سوال کا پس منظر یہ ہے کہ عبد اللہ بن سبا کے متبعین اور روافض نے لوگوں میں یہ عقیدہ پھیلایا ہوا تھا کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایسی وصیت لکھوائی ہے جو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہی معلوم ہے کسی اور کو

۱۲۰ تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں: درس ترمذی، ج: ۱، المقدمة۔

۱۲۱۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الحج، باب فضل المدينة ودعاء النبي فيها بالبركة الخ، رقم: ۲۴۳۳، وكتاب العتق، باب تحريم تولي العتيق غير مواليه، رقم: ۲۷۷۲، وسنن الترمذی، كتاب الديات عن رسول الله، باب ما جاء لا يقتل مسلم بكافر، رقم: ۱۳۲۳، وكتاب الولاء والهبة عن رسول الله، باب ما جاء فيمن تولي غير مواليه او ادعى الى غير أبيه، رقم: ۲۰۵۳، وسنن النسائي، كتاب القسامة، باب القود بين الاحرار والماليك في النفس، رقم: ۴۶۵۳، ۴۶۶۳، ۴۶۶۴، وسنن أبي داود، كتاب الحناك، باب في تحريم المدينة، رقم: ۱۷۷۹، وكتاب الديات، باب ايقاد المسلم بالكافر، رقم: ۳۹۲۷، وسنن ابن ماجه، كتاب الديات، باب لا يقتل مسلم بكافر، رقم: ۲۶۳۸، ومسند أحمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، باب ومن مسند علي بن أبي طالب، رقم: ۵۶۵، ۵۸۱، ۷۴۳، ۷۵۹، ۸۳۲، ۹۰۸، ۹۱۳، ۹۴۴، ۹۸۶، ۱۲۳۱، وسنن الدارمی، كتاب الديات، باب لا يقتل مسلم بكافر، رقم: ۲۲۵۰۔

معلوم نہیں، اور ان کا کہنا یہ تھا کہ اس میں حضرت علیؓ کی خلافت کا بھی ذکر ہے اور روافض کے دیگر عقائد باطلہ ہیں ان کا بھی ذکر ہے، حضور اقدسؐ نے بطور راز کے یہ چیزیں حضرت علیؓ کو لکھوائی تھیں۔

چونکہ یہ مفروضہ پھیلا ہوا تھا اس لئے حضرت علیؓ سے لوگوں نے متعدد مقامات پر یہ سوال کیا کہ کیا واقعی آپ کے پاس کوئی ایسی چیز لکھی ہوئی موجود ہے، جو حضور اقدسؐ نے بطور وصیت آپ کو دی ہو؟

حضرت ابو حنیفہؒ نے بھی یہی سوال کیا تو حضرت علیؓ نے فرمایا ”إلا کتاب اللہ، أوفهم أعطیہ رجل مسلم، أو مافی هذه الصحيفة“ حضورؐ نے مخصوص کر کے بطور راز یا وصیت لکھی ہوئی کوئی چیز نہیں عطا فرمائی، سوائے اللہ جلّ جلالہ کی کتاب کے یا کوئی ایسی فہم جو کسی مسلمان شخص کو عطا کی گئی ہو یا جو کچھ اس صحیفے میں ہے، یعنی کتاب اللہ کے علاوہ حضرت علیؓ کے پاس ایک صحیفہ اور بھی تھا، دوسری روایت میں آتا ہے کہ اسے اپنی تلوار کے پر تلے میں رکھا کرتے تھے، تو فرمایا کہ حضور اقدسؐ کی بتائی ہوئی باتوں کا یہ ایک تحریری مواد میرے پاس موجود ہے اس کے علاوہ اور کوئی ایسی چیز جو بطور خاص آپؐ نے وصیت کر کے عطا فرمائی ہو نہیں ہے۔

قال: قلت: ”و مافی هذه الصحيفة؟“ میں نے پوچھا اس صحیفہ میں جس کی طرف آپ اشارہ کر رہے ہیں، اس میں کیا ہے؟

قال: ”العقل“ انہوں نے فرمایا، اس میں دیت کے احکام ہیں ”و فکاک الأسیر“ اور قیدی کو چھڑانے کے احکام ہیں کہ قیدی کو کس طرح چھڑایا جاسکتا ہے ”ولا یقتل مسلم بکافر“ اور اس میں یہ حکم بھی موجود ہے کہ کسی مسلمان کو کسی کافر کے عوض قتل نہیں کیا جائے گا، بعض روایات میں اس میں یہ بھی اضافہ ہے کہ اس میں صدقات کے احکام بھی مذکور ہیں۔

حضرت علیؓ کے جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ لوگ میری طرف جو یہ منسوب کر رہے ہیں کہ رسول کریمؐ نے مجھے کوئی خاص وصیت لکھ کر عطا فرمائی تھی، یہ خیال غلط ہے، میرے پاس لکھی ہوئی شکل میں دو ہی چیزیں ہیں، ایک اللہ جلّ جلالہ کی کتاب یعنی قرآن کریم اور دوسرا یہ صحیفہ جس میں کچھ دین کے احکام ہیں، کچھ قیدیوں کو چھڑانے کے اور کچھ صدقات وغیرہ کے احکام مذکور ہیں، اس کے علاوہ کوئی اور خصوصی وصیت نبی کریمؐ نے مجھے نہیں کی۔

یہاں بیچ میں یہ بھی فرمادیا کہ ”أوفهم الخ“ کتاب اللہ تو موجود ہے ہی اس کے ساتھ اللہ جلّ جلالہ نے ہر مسلمان کو ایک فہم عطا فرمادی ہے اس فہم کی بنیاد پر کوئی مسلمان قرآن کریم کی آیات کی تشریح کرتے ہوئے کوئی نیا نکتہ، کوئی نیا مسئلہ مستنبط کر کے بھی بتا سکتا ہے یہ انسان کی سمجھ اور فہم سے تعلق رکھنے والی چیز ہے، اس کا لکھی ہوئی کتاب سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے کہ وہ لکھی ہوئی شکل میں دی گئی ہو۔

حدیث کو لانے کا منشأ

یہاں اس حدیث کو لانے کا منشأ یہ ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ صاف صاف بتا دیا کہ ان کے پاس ایک صحیفہ موجود ہے جس میں دیت اور فکا کے احکام موجود ہیں اور ”لایقتل مسلم بکافر“ لکھا ہوا ہے، اب ظاہر ہے کہ یہ صحیفہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث پر مشتمل تھا، امام بخاری رحمہ اللہ اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے پاس حضور اقدس ﷺ کی احادیث لکھی ہوئی شکل میں موجود تھیں اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب کتابت سے ممانعت بالکل ختم کر دی گئی ہو، اگر ممانعت برقرار رہتی تو حضرت علیؓ یہ صحیفہ نہ لکھتے۔

”أوفهم يعطيه رجل مسلم“

اب اس حدیث میں دو باتیں قابل ذکر ہیں :

پہلی بات یہ ہے کہ فرمایا ”أوفهم يعطيه رجل مسلم“ اس کی تشریح شرح حدیث نے دو مختلف طریقوں سے کی ہے۔

ایک طریقہ یہ ہے کہ ”أوفهم“ کو کتاب اللہ پر معطوف کیا اور جس طرح کتاب اللہ استثناء متصل ہے اسی طرح ”أوفهم“ کو بھی استثناء متصل قرار دیا۔

کتاب اللہ یہاں پر اس معنی میں استثناء متصل ہے کہ یہاں یہ سوال تھا کہ کیا آپ کے پاس لکھی ہوئی کوئی چیز موجود ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ لکھی ہوئی کوئی چیز میرے پاس نہیں ہے مگر کتاب اللہ یا فہم، اب کتاب اللہ لکھی ہوئی چیز کی جو فہم کی اس کے عموم میں داخل تھی پھر اس سے استثناء کیا گیا تو یہ استثناء متصل ہوا، اسی پر ”أوفهم“ کو عطف کیا تو بعض علماء نے فرمایا کہ یہ بھی استثناء متصل ہے اور اس کا معنی یہ ہوا کہ فہم سے جس چیز کی طرف اشارہ کرنا چاہ رہے ہیں وہ بھی لکھی ہوئی شکل میں موجود تھی، یعنی حضرت علیؓ نے قرآن کریم سے مستنبط ہونے والے بعض احکام تحریری شکل میں اپنے پاس لکھ کر رکھے ہوئے تھے۔

دوسری تشریح بعض حضرات نے یوں کی ہے کہ ”أوفهم“ میں جو استثناء فہم سے متعلق ہے وہ استثناء متصل نہیں ہے بلکہ استثناء منقطع ہے اصل میں ”أوفهم“ سے جو چیز مراد ہے وہ لکھی ہوئی شکل میں موجود نہیں تھی اس لئے وہ مستثنیٰ منہ میں داخل نہیں تھی۔

حضرت علیؓ نے اس کو بطور استثناء منقطع ذکر فرمایا جس کے معنی یہ ہوئے کہ میرے پاس کتاب اللہ لکھی ہوئی شکل میں ہے، نیز اللہ ﷻ کی دی ہوئی فہم ہے، جس سے انسان کتاب اللہ سے نکات اور احکام و معارف مستنبط کرے۔ یہ منشأ نہیں کہ وہ لکھی ہوئی شکل میں موجود ہے۔

جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ یہ استثناء متصل ہے وہ کہتے ہیں کہ اس کا کتاب اللہ پر عطف کیا جا رہا ہے اور یہاں کتاب اللہ استثناء مفرغ ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اسی پر عطف کر کے ”أوفهم“ کو بھی مرفوع پڑھا گیا، یعنی کوئی لکھی ہوئی چیز نہیں ہے مگر کتاب اللہ یا فہم، اگر استثناء منقطع ہوتا تو ”أوفهما“ ہوتا اور ”کتاب اللہ“ پر اس کا عطف نہ ہوتا۔

لیکن جو حضرات اس کو استثناء منقطع قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ بعض دوسری روایات میں ”أوفهما“ منصوب بھی آیا ہے، جب منصوب آیا ہے تو پھر اس کو استثناء منقطع کہنے میں کوئی اشکال نہیں، اور ظاہر یہی بات ہے کہ وہ فہم لکھی ہوئی شکل میں موجود نہیں تھی بلکہ وہ کہنا یہ چاہ رہے ہیں کہ قرآن تو لکھا ہوا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اللہ ﷻ نے مسلمان کو ایک فہم عطا فرمائی ہے جس کے ذریعہ وہ قرآن کریم سے مختلف مسائل مستبط کر سکتا ہے۔

دیت و قصاص ایک مختلف فیہ مسئلہ

امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال

اس حدیث کے آخر میں فرمایا گیا ”لا یقتل مسلم بکافر“ کہ کسی مسلمان کو کسی کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔

اس حدیث سے امام شافعی رحمہ اللہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دے تو اس ذمی کے قتل کے بدلے میں اس مسلمان کو قتل نہیں کیا جائے گا، یعنی مسلمان اور ذمی کے درمیان قصاص نہیں جاری ہوگا، اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دے تو قاتل پر دیت آئے گی قصاص نہیں لیا جائے گا، وہ اسی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ ۱۲۲

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ ذمی دنیاوی احکام اور قوانین کے اندر مسلمان جیسا ہی ہے، لہذا اگر کسی ذمی کو قتل کر دیا گیا تو قاتل سے قصاص لیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال آیت قرآنی سے ہے ﴿إِنِ النَّفْسُ بِالنَّفْسِ الْخ﴾ کہ قرآن کریم میں نفس کے بدلے نفس، جان کے بدلے جان لینے کا اصول بیان کیا گیا ہے اور جان کے عموم میں مسلمان اور کافر سب داخل ہیں، لہذا ذمی کو قتل کرنے سے بھی مسلمان پر

قصاص آئے گا۔

حدیث باب کا جواب

حدیث باب میں جو ”لا یقتل مسلم بکافر“ کہا گیا ہے، حنفیہ میں سے بعض اہل علم نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہاں کافر سے حربی کافر مراد ہے یعنی کسی مسلمان کو کسی حربی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ کافر سے ذمی مراد نہیں ہے، اس کی تائید میں امام طحاوی رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ اسی حدیث کے بعض طرق میں یوں مذکور ہے کہ ”لا یقتل مسلم بکافر ولا ذو عہد فی عہدہ“ کہ کوئی مسلمان کسی کافر کے عوض قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ کوئی ذمی کسی کافر کے عوض قتل کیا جائے گا۔ ۱۲۳

”ذو عہد“ کا معنی ہے ذمی، جب ذمی کا لفظ صراحتاً آ رہا ہے اور اس کو ”لا یقتل مسلم بکافر“ پر عطف کیا جا رہا ہے تو یہ عطف تغاثر پر دلالت کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہاں جو کافر کا لفظ بولا جا رہا ہے اس میں اور ذو عہد میں فرق ہے اور یہ فرق اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب یہاں کافر کے لفظ کو حربی کے معنی میں لیا جائے، امام طحاوی رحمہ اللہ نے اس روایت سے استدلال کیا کہ یہاں کافر سے حربی کافر مراد ہے۔ ۱۲۴

اس حدیث کی دوسری توجیہ جو امام ابو بکر الجصاص رحمہ اللہ نے ”احکام القرآن“ میں بیان فرمائی ہے ۱۲۵ اور علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے ”فتح القدیر“ میں اسی کو اختیار فرمایا ہے کہ دراصل ”لا یقتل مسلم بکافر“ میں ایک خاص صورت حال کا بیان ہو رہا ہے اور وہ صورت حال یہ ہے کہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں قتل و غارت گری کا بازار گرم تھا، قبائلی لڑائیاں ہر وقت جاری رہتی تھیں جس کے نتیجے میں ایک شخص دوسرے کو قتل کرتا رہتا تھا اور جاہلیت کے زمانہ میں بھی قانون یہ تھا کہ ایک آدمی نے دوسرے کو قتل کیا تو قاتل سے بدلہ لیا جاتا تھا۔ ۱۲۶

اب ہوتا یہ تھا کہ بعض اوقات دو آدمی جن کے درمیان دشمنی چل رہی ہوتی تھی ان میں سے ایک دوسرے کو قتل کر دیتا، مقتول کے ورثاء اس کی تلاش میں ہوتے کہ قاتل کہیں ملے تاکہ ہم اس سے قصاص لیں، اسی

۱۲۳ اعلاء السنن، ج: ۱۸، ص: ۱۰۰ و ۹۹۔

۱۲۴ شرح معانی الآثار، ج: ۳، ص: ۱۹۲، بیروت وعمدة القاری، ج: ۲، ص: ۲۲۷۔

۱۲۵ احکام القرآن للجصاص، ج: ۱، ص: ۷۵ و ۷۶، بیروت، ۱۴۰۵ھ۔

۱۲۶ قال العلماء انه فی دماء الجاهلیة فلا یبعد أن یکون هذا الحدیث ایضاً فی دمائها کما اعداه الشیخ ابن الہمام

رحمہ اللہ تعالیٰ الخ، فیض الباری، ج: ۱، ص: ۲۱۰۔

دوران قاتل مسلمان ہو جاتا، فرض کریں اولیاء مقتول بھی مسلمان ہو جاتے، اب اولیاء مقتول آ کر اسلامی حکومت میں دعویٰ کرتے کہ اس نو مسلم نے جو ابھی نیا نیا مسلمان ہوا ہے جاہلیت کے زمانہ میں ہمارے فلاں آدمی کو قتل کیا تھا، لہذا اب ہمیں اس سے قصاص دلایا جائے۔

آنحضرت ﷺ اس صورتحال کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ ”لایقتل مسلم بکافر“ کسی مسلمان کو اس کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا جس کو اس نے زمانہ جاہلیت میں قتل کر دیا تھا، تو یہ حدیث دراصل اس سیاق میں آئی ہے اور یہی ہے اس حدیث پر جس میں یہ فرمایا ہے کہ ”الإسلام یهدم ما کان قبلہ“ اسلام ما قبل کے تمام معاملات کو ختم کر دیتا ہے، اسلام لانے سے پہلے جو دشمنیاں چل رہی تھیں، جو ایک دوسرے کو قتل کیا گیا تھا اسلام لانے کے بعد وہ ”کان لم یکن“ ہو گیا، اب اس کی بنیاد پر کسی مسلمان کو قتل نہیں کیا جاسکتا، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے بھی اسی توجیہ کو رائج قرار دیا ہے۔ ۱۷۷

جہاں تک حنفیہ کے دلائل کا تعلق ہے اس میں ایک تو آیت کریمہ ہے ”ان النفس بالنفس الخ“ اس میں ”نفس“ کا لفظ مطلق ہے جس میں مسلمان اور کافر کی کوئی قید نہیں اور دوسری بہت واضح دلیل اگلی حدیث میں آرہی ہے۔

اگلی حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حدیبیہ کے مقام پر نبی کریم ﷺ نے کفار قریش سے صلح کی تھی، جنگ بندی کا معاہدہ کیا تھا اس وقت عرب کے دو قبیلے تھے، ایک بنو خزاعہ اور ایک بنو لیث۔

بنو خزاعہ نے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ خلافت کا عہد کر کے حضور ﷺ کے حلیف بن گئے تھے یعنی اگر حضور ﷺ پر کوئی حملہ ہوگا تو خزاعہ کے لوگ آپ کی مدد کریں گے اور اگر خزاعہ پر حملہ ہوگا تو حضور ﷺ اپنے صحابہ کرام ﷺ کے ساتھ ان کی مدد کریں گے۔

دوسرا قبیلہ بنو لیث تھا اس نے مشرکین مکہ کے ساتھ خلافت کا عہد کیا کہ اگر مشرکین مکہ پر کوئی حملہ ہوا تو یہ ان کی مدد کریں گے اور اگر بنو لیث پر حملہ ہوگا تو کفار قریش ان کی مدد کریں گے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر معاہدے کی جو دفعات تھیں وہ جس طرح حضور اقدس ﷺ اور قریش مکہ پر نافذ العمل تھیں اسی طرح بنو خزاعہ اور بنو لیث پر بھی نافذ العمل تھیں یعنی جب تک جنگ بندی تھی وہ حضور اقدس ﷺ اور قریش مکہ کے درمیان ہونے کے ساتھ ساتھ بنو خزاعہ اور بنو لیث کے درمیان بھی جنگ بندی تھی۔

لیکن ہوا یہ کہ کچھ عرصہ کے بعد بنو لیث نے عہد کی خلاف ورزی کی، وہ اس طرح کہ خزاعہ کے ایک شخص کو قتل کر دیا، اب ظاہر ہے اس پر خزاعہ کے لوگ غم و غصہ کا شکار ہوئے اور فریاد لے کر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، مقصود یہ تھا کہ بنو لیث نے ہمارے آدمی کو قتل کر دیا ہے اور اس طرح معاہدہ توڑ دیا ہے آپ

ہماری مدد کریں۔

ابھی خزاعہ کا آدمی آپ ﷺ کے پاس نہیں پہنچا تھا اس وقت آپ ﷺ امہات المؤمنین ﷺ میں سے کسی کے گھر وضو فرما رہے تھے، وضو کرتے کرتے آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ کلمات آئے ”نصرت نصرت او کما قال ﷺ“ جب ام المؤمنین ﷺ نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے وضو کرتے ہوئے یہ کلمات ارشاد فرمائے تو انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! یہ کیا بات ہے کہ آپ نے ”نصرت، نصرت“ فرمایا؟

آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ بنو لیث کے لوگوں نے بنو خزاعہ کے ایک آدمی کو قتل کر دیا ہے اور خزاعہ کے لوگ میرے پاس فریاد لے کر آنے والے ہیں، میں ان سے کہہ رہا ہوں کہ اب تمہاری مدد کر دی گئی۔

چنانچہ خزاعہ کے لوگ آئے اور انہوں نے یہ واقعہ ذکر کیا کہ ہمارے آدمی کو مار دیا گیا ہے، چونکہ بنو لیث کی طرف سے بنو خزاعہ کے خلاف بدعہدی ہو چکی تھی اور دوسری متعدد بدعہدیاں بھی سامنے آ چکی تھیں، اس واسطے اب آپ ﷺ اس معاہدہ کے پابند نہ رہے تھے، لہذا آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ پر حملہ کا فیصلہ فرمالیا اور مکہ مکرمہ پر حملہ کیا یہاں تک کہ مکہ مکرمہ فتح ہو گیا۔

جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو بنو خزاعہ نے کہا کہ بنو لیث نے ہمارا جو آدمی قتل کیا تھا اب ہم اس کا قصاص لیں گے، چنانچہ انہوں نے حضور اقدس ﷺ کے علم میں لائے بغیر بنو لیث کے ایک صاحب کو قتل کر دیا۔

حضور اقدس ﷺ کو جب پتہ چلا کہ بنو خزاعہ کے ایک شخص خراش نے بنو لیث کے ایک شخص کو قتل کر دیا ہے تو آپ ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ یہ بات ٹھیک نہیں ہوئی، بنو لیث کے لوگوں کو اختیار ہے کہ جس شخص نے اس کے آدمی کو قتل کیا ہے چاہیں اس سے قصاص لیں یا چاہیں دیت لیں۔

یہاں یہ الفاظ صراحتاً نہیں ہیں کہ بنو خزاعہ کے جس شخص نے قتل کیا ہے اس پر قصاص یا دیت واجب ہے بلکہ آپ ﷺ نے یہ خطبہ دیا کہ اب جو شخص بھی قتل کیا جائے گا اس کے اولیاء کو اختیار ہوگا کہ چاہیں وہ قصاص لیں یا دیت لیں، یہ جملہ آپ ﷺ نے اسی پس منظر میں ارشاد فرمایا تھا کہ بنو خزاعہ کے ایک شخص نے بنو لیث کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو خزاعہ کے وہ شخص جنہوں نے قتل کیا وہ مسلمان تھے ان کا نام خراش ابن امیہ الخزاعی تھا جب کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ”فتح الباری“ میں ذکر فرمایا ہے اور اصابہ میں انکا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے تھے ۱۲۸۔

اور مقتول بنو لیث کا آدمی تھا اور وہ کافر تھا، لیکن چونکہ کافر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ اہل ذمہ کے حکم میں تھا کیونکہ فتح مکہ کے بعد مکہ مکرمہ پر مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی تھی اور تمام کفار کو امن دے دیا گیا تھا کہ

مکہ مکرمہ میں جتنے بھی غیر مسلم ہیں شامل ہو گئے اسلئے جس شخص کو قتل کیا گیا اس کو بھی امن دیا جا چکا تھا اور وہ اپنی ذمہ میں سے ہو چکا تھا اور قتل کرنے والے خراش ؓ مسلمان تھے اور بنو خزاعہ کے آدمی تھے، اس موقع پر آپ ؐ ارشاد فرما رہے ہیں کہ جو آدمی قتل کر دیا جائے گا اس کے اولیاء کو اختیار ہوگا چاہیں قاتل کو قتل کر دیں یا اس سے دیت لیں۔

جب اس موقع پر یہ بات فرمائی تو ظاہر ہے جس واقعہ کی بناء پر کہی گئی ہے وہ واقعہ ضرور اس میں داخل ہوگا جس کا معنی یہ ہے کہ حضور اقدس ؐ نے بنو لیت کو خراش سے قصاص لینے کا حق دے دیا، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ذمی کو قتل کرنے سے بھی مسلمان پر قصاص آئے گا۔

اور یہ واقعہ فتح مکہ کا ہے جو ۸ھ میں واقع ہوا، اور حدیث ”لایقتل مسلم بکافر“ کی پوری پوری تاریخ معلوم نہیں کہ یہ آپ ؐ نے کب ارشاد فرمائی، لیکن اصولوں کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ابتداء میں ”لایقتل مسلم بکافر“ کا حکم رہا ہوگا اور اس میں ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کرنے کی ممانعت ہوگی، لیکن فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم ؐ کے اس عمل نے اس حکم کو منسوخ کر دیا اور اب یہ حکم ہو گیا کہ ذمی کے بدلہ میں مسلمان سے بھی قصاص لیا جائے گا۔

سوال: چونکہ یہ جملہ حضرت علی ؓ کے صحیفے میں موجود تھا اور ظاہر ہے حضرت علی ؓ نے اس کو محکم سمجھا اسی لئے اس کو اپنے صحیفے میں رکھا، لہذا اس کو منسوخ کیسے سمجھ سکتے ہیں؟

جواب: یہ بات درست ہے اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ نسخ پوری طرح ثابت اس وقت ہوتا ہے جب پوری طرح تاریخ معلوم ہو اور یہاں پوری تاریخ معلوم نہیں ہے اس لئے نسخ کا قول اتنا مضبوط نہیں ہے۔

البتہ دوسری بات جو امام ابو بکر بھاض رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ اس کا تعلق زمانہ جاہلیت کی قتل و غارت گری سے ہے وہ زیادہ مضبوط بات ہے اور اسی طرح امام طحاوی رحمہ اللہ کا قول ”ولا ذوعہد فی عہدہ“ جسکی تفصیل گزر چکی ہے، اس لئے نسخ کی بات اتنی مضبوط نہیں۔

۱۱۲۔ حدثنا أبو نعیم الفضل بن دکین قال: حدثنا شیبان عن یحییٰ، عن أبی سلمة، عن أبی ہریرۃ أن خزاعة قتلوا رجلا من بنی لیت عام فتح مکة بقتیل منهم قتلوه، فأخبر بذلك النبی ؐ فرکب راحلته فخطب فقال: ((إن الله حبس عن مكة القتلى - أو الفیل، قال أبو عبد الله کذا - قال أبو نعیم: وسلط علیهم رسول الله ؐ والمؤمنون، ألا وإنها لم تحل لأحد قبلی، ولم تحل لأحد بعدی، ألا وإنها أحلت لی ساعت من نهار، ألا وإنها ساعتی هذه، حرام لا یختلی شوکها، ولا یعضد شجرها، ولا تلتقط ساقطها إلا لمنشد، فمن قتل فهو بخیر النظرین: إما إن یعقل وإما أن یقاد أهل القتیل))، فجاء

رجل من أهل اليمن فقال : إكتب لي يا رسول الله ، فقال : ((اكتبوا لبي فلان)) ، فقال رجل من قريش : إلا الإذخر إلا الإذخر يا رسول الله ، فإنا نجعله في بيوتنا وقبورنا ، فقال النبي ﷺ : ((إلا الإذخر)) . [أنظر : ۲۳۳۳ ، ۲۸۸۰-۲۹]

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ”ان خزاعة قتلوا رجلا من بني ليث عام فتح مكة“ خزاعہ نے بنو لیث کے ایک شخص کو فتح مکہ کے سال قتل کر دیا تھا ”بقتیل منهم قتلوه“ اور یہ قتل ایک مقتول کے بدلہ میں کیا تھا جس کو بنو لیث نے قتل کر دیا تھا۔ نبی کریم ﷺ کو اس کی خبر دی گئی، آپ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور آپ ﷺ نے خطبہ دیا۔

”فقال:“ اور اس سلسلے میں فرمایا ”ان الله حبس عن مكة القتلى أو الفيل“ اللہ ﷻ نے مکہ سے قتل کو روک دیا تھا۔

راوی کو شک ہے کہ ”قتل“ کا لفظ استعمال فرمایا تھا یا ”فيل“ کا لفظ استعمال فرمایا، اگر ”قتل“ کا لفظ ہو تو مراد یہ ہوگی کہ اللہ ﷻ نے مکہ مکرمہ سے قتل کو روک دیا ہے، یعنی مکہ مکرمہ میں قتل و غارت گری کو منع فرما دیا ہے اور اس کو ”مأمن“ قرار دے دیا گیا ہے، وہاں کسی کو قتل کرنا جائز نہیں۔

اور اگر ”فيل“ کا لفظ ہو کہ ”ان الله حبس عن مكة الفيل“ تو اس سے اصحاب فیل کے واقعہ کی طرف اشارہ ہوگا کہ اللہ ﷻ نے اصحاب الفیل کے لشکر کو روک دیا تھا جب وہ حملہ کرنے کیلئے آنا چاہ رہے تھے۔

”قال ابو عبد الله“ حدیث کے درمیان یہ جملہ معترضہ ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کا اپنا قول ہے کہ ”وجعلوه على الشك كذا“ یعنی اس کو شک پر ہی رکھو، یہ معلوم نہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے کون سا قول فرمایا تھا ”كذا قول ابو نعیم القتل أو الفيل“ میرے استاذ ابو نعیم جن سے میں یہ حدیث روایت کر رہا ہوں انہوں نے اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے اسی طرح کہا تھا ”القتل أو الفيل“۔

ابو نعیم کے علاوہ دوسرے اساتذہ سے میں نے یہ حدیث سنی، وہ شک کا اظہار نہیں فرماتے، بلکہ صاف طور پر لفظ ”الفيل“ کہتے ہیں، یہ جملہ معترضہ ختم ہو گیا، آگے پھر حدیث ہے۔

”وسلط عليهم رسول الله ﷺ والمؤمنون“ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ نے مکہ مکرمہ سے قتل کو یا فیل کو روک دیا اور ان کے اوپر رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو غالب کر دیا۔

۱۹۲۹ وفی صحیح مسلم ، کتاب الحج ، باب تحریم مکہ و صیحا و خلاها و شجرها ولقطتها الا لمنشد ، رقم : ۲۳۴۱ ، وسنن ابی داؤد ، کتاب المناسک ، باب تحریم حرم مکہ ، رقم : ۱۷۲۵ ، وکتاب العلم ، باب فی کتاب العلم ، رقم : ۳۱۶۳ ، وسنن ابن ماجہ ، کتاب الدیات ، باب من قتل له قتل فهو بالخيار بين احدى ثلاث ، رقم : ۲۶۱۳ ، ومسند احمد ، باقی مسند المکثرین ، باب مسند أبی هريرة ، رقم : ۶۹۴۴ ، وسنن الدارمی ، کتاب البیوع ، باب فی النهی عن لقطۃ الحاج ، رقم : ۲۳۸۷ .

”الاولا وانها لم تحل لاحد قبلي ولم تحل لاحد بعدی“ خوب سن لو! کہ یہ مکہ مکرمہ کی سرزمین مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں ہوئی اور میرے بعد کسی کے لئے حلال نہیں ہوگی۔

”الاولا وانها اُحلت لی ساعة من نهار“ خوب سن لو! کہ یہ سرزمین میرے لئے حلال ہوئی تھی دن کی ایک ساعت کے لئے، بعد میں پھر اس کی حرمت واپس آ گئی۔

”الاولا وانها ساعتی هذه، حرام“ خوب سن لو کہ یہ سرزمین اس وقت جب میں آپ سے بات کر رہا ہوں، جب سے حرمت واجب ہو گئی ہے حرام ہے ”لا یختلی شوکھا“ اس کا کٹنا بھی نہیں توڑا جائے ”ولا یعضد شجرھا“ اور اس کا درخت بھی نہیں اکھاڑا جائے گا ”ولا یتسقط ساقطھا الا لمنشد“ اور اس میں گری پڑی چیز اٹھانا جائز نہیں مگر اس شخص کے لئے جو اعلان کرنے والا ہو، یعنی اگر وہاں کوئی گری پڑی چیز مل جائے تو اس کا اٹھانا جائز نہیں مگر اس شخص کے لئے جائز ہے جو اعلان کر کے اس کے مالک تک پہنچانے کا اہتمام کرے۔

سوال: یہ حکم تو ہر جگہ کے لئے ہے کہ کسی کو کوئی لقطہ ملے تو اس کو اٹھانا جائز نہیں تا وقتیکہ اس کا اعلان نہ کرے، حرم کے لئے خاص طور پر کیوں کہا گیا؟

جواب: حرم کے لئے خاص طور پر اس لئے کہا گیا کہ حرم ایک ایسی جگہ ہے جہاں ہر وقت مسافر آتے جاتے رہتے ہیں، اگر حرم کے اندر کوئی گری پڑی چیز مل جائے تو پانے والے کے دل میں یہ خیال آ سکتا ہے کہ یہ کسی ایسے مسافر کی ہوگی جو حج کرنے کے لئے یا عمرہ کرنے کیلئے آیا ہوگا اور اب واپس چلا گیا ہوگا، اس لئے اب اس کے اعلان کی ضرورت نہیں، رسول اللہ ﷺ نے اس کو خاص طور پر ذکر فرمایا کہ حرم کے اندر بھی ”انشاد الضالۃ“ ضروری ہے۔

ایک توجیہ

ایک اور وجہ بھی ہو سکتی ہے ”واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم“ وہ یہ ہے کہ حرم میں عام طور سے جو لوگ آ کر ٹھہرتے ہیں حجاج ہوں یا معتمرین، وہ عام طور سے غریب الوطن ہوتے ہیں، سفر کی حالت میں ہوتے ہیں اور مسافر عام طور سے اپنے ساتھ ایسی چیزیں ہی رکھتے ہیں جو خاص خاص ہوں اور بہت ضرورت کی ہوں، غیر ضروری سامان کوئی بھی نہیں لاتا، چاہے چھوٹی سی چیز ہو اور اس کی قیمت زیادہ نہ ہو مگر وہ مسافر کی ضرورت کی ہوتی ہے۔

اس لئے اگر حرم میں کسی کو کوئی گری ہوئی چیز مل جائے تو عام جگہوں میں قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر چیز معمولی ہے تو اس کا معمولی سا انشا ذکر کے انسان اپنے استعمال میں لے آئے یا اس کا صدقہ کر دے، یعنی قاعدہ یہ ہے کہ ہر چیز کا حکم علیحدہ ہوتا ہے، اگر معمولی چیز ہے تو اس کے بارے میں خیال ہوگا کہ یہ معمولی چیز ہے اب وہ

آدمی بے چارہ اس کو کہاں تلاش کرے گا، لہذا اس کو صدقہ کر دو۔

لیکن یہاں یہ کہا جا رہا ہے کہ چاہے چھوٹی سی اور معمولی سی چیز ہو اس کو غیر اہم نہ سمجھو کیونکہ مسافر کی ضرورت کے لحاظ سے وہ بڑی چیز بھی ہو سکتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب کسی آدمی کی کوئی چیز گم ہو جاتی ہے تو انسان کا طبعی تقاضا یہ ہوتا ہے کہ وہ پہلے اسی جگہ آ کر تلاش کرے گا جہاں وہ گم ہوئی ہے اور مسافر بے چارہ کا ایسا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا جہاں وہ ہمیشہ رہے، لہذا آپ کو یہ تاکید کی جا رہی ہے کہ بہتر یہ ہے کہ اگر کوئی چیز پڑی ہوئی ملے تو اس کو نہیں اٹھاؤ، وہیں رہنے دو، اگر اٹھا لیا تو متنبہ کے بعد جب وہ بیچارہ اس جگہ آ کر جب تلاش کرے گا تو اسے نہیں ملے گی، اور اگر تم انشاء کرو گے تو پتہ نہیں تم کہاں اور وہ کہاں، اس واسطے اس کو پورا فائدہ نہیں حاصل ہو سکے گا، لہذا اصل یہ حکم دینا مقصود ہے کہ نہ اٹھاؤ، ساتھ یہ استثناء کر دیا ”إلا لمنشد“ یہ کہنے کے لئے کہ اگر کوئی شخص اس بات کا اطمینان رکھتا ہو کہ یہاں پڑی رہنے سے ضائع ہو جائے گی اس لئے میں اٹھاتا ہوں جہاں اس کے مالک کے ملنے کی امید ہوگی ان تمام ممکنہ جگہوں پر انشاء کر دوں گا، پھر وہ اس کو اٹھا لے۔ ۳۰

آگے فرمایا ”فمن قتل فهو بخير النظرين“ جو شخص قتل کر دیا جائے تو ”فہو“ یہاں ظاہر میں ضمیر مقتول کی طرف راجع ہو رہی ہے لیکن معنی مقتول کے اولیاء کی طرف راجع ہو رہی ہے کہ مقتول کے ولی کو دو اختیار وں میں سے ایک ملے گا جس کو وہ بہتر سمجھے اس کو اختیار کرے۔ ”اما ان يعقل“ یا تو اس کی دیت ادا کی جائے ”واما ان يقاد اهل القتل“ یا پھر اس قاتل کو قصاص کے لئے اہل القتل کے حوالے کر دیا جائے۔

ترکیب کے اعتبار سے یہ جملہ ذرا مشکل لگتا ہے کہ ”يقاد“ کا نائب فاعل بظاہر ”اهل القتل“ ہے لیکن اس صورت میں معنی بگڑ جاتے ہیں کیونکہ پھر ”يقاد اهل القتل“ کے معنی یہ ہوں گے کہ ”اهل القتل“ سے قصاص لیا جائے۔ اس واسطے لوگوں نے کہا کہ یہاں ”يقاد يمکن من القود“ کے معنی میں ہے کہ اہل قتل کو قصاص لینے کی طاقت دی جائے۔

اس کی دوسری ترکیب جو مجھے زیادہ بہتر لگتی ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے شروع میں فرمایا ”فہو بخير النظرين اما ان يقتل واما ان يقاد“ یا تو اس سے دیت لی جائے یا اس سے قصاص لیا جائے، آگے ”اهل القتل“ آپ نے ”ہو“ کا مرجع بیان فرمایا ”فہو بخير النظرين اما ان يقتل واما ان يقاد“ اب سوال پیدا ہوا کہ ”ہو“ کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ”اهل القتل“ کہ اہل القتل کو یہ اختیار ہے کہ چاہے تو وہ دیت لے اور چاہے تو قصاص لے، یہ ترکیب زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے، واللہ اعلم۔

ایک اختلافی مسئلہ

یہاں یہ مسئلہ بھی زیر بحث آیا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال فرمایا ہے کہ اولیاء مقتول کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ چاہیں تو قاتل سے قصاص لیں اور چاہیں تو یہ کہیں کہ ہم قصاص نہیں لیتے، ہمیں دیت دو، یعنی وہ قاتل کو اداء دیت پر مجبور کر سکتے ہیں کہ پیسے لاؤ ہم قصاص نہیں لیتے۔ ۱۳۱

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ قتل عمد کی صورت میں دیت قاتل کی رضا مندی سے واجب ہوگی، قاتل کی رضا مندی کے بغیر دیت واجب نہیں ہوگی، یعنی اگر قاتل یوں کہے کہ قصاص لے لو، دیت نہیں دیتا تو اولیاء مقتول اس کو دیت کی ادائیگی پر مجبور نہیں کر سکتے۔ ۱۳۲

عجیب بات

لوگ کہتے ہیں کہ حنفی بھی عجیب لوگ ہیں! کہتے ہیں کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی آدمی یوں کہے کہ قصاص لے لو اور پیسے نہ لو، دنیا میں ایسا بے وقوف آدمی کون ہوگا جس کو یہ پتا ہو کہ پیسے دے کر میری جان بچ رہی ہے اور وہ پھر بھی اس پر رضا مند نہ ہو۔

لیکن بہر حال یہ ایک احتمال ہے، دنیا میں ایسے بنئے بھی ہوتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ جان لے لو، پیسہ نہیں ہے۔

اور حضور ﷺ کی یہی بات حنفیہ کی توجیہ کی تائید کرتی ہے جس میں یہ فرمایا کہ ان کو اختیار ہے، یہ عام حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے فرمایا کہ جب وہ دیت پیش کریں گے تو قاتل ضرور قبول کر ہی لے گا، اس واسطے آپ ﷺ نے فرمایا ”فہو بغير النظرین“ گویا اس کو ایک طرح سے اختیار مل گیا، ورنہ فی نفسہ قاتل کا اصل موجب قصاص ہے۔ ۱۳۳

قرآن کریم نے قتل عمد میں قصاص موجب قرار دیا اور قتل خطا میں دیت واجب قرار دیا، جب اصل

۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳ قال الشافعی: قوله: ”اعله بین خبرین“ يدل على أن موجب القتل العمد أحد الأمرين: القصاص أو البدية، وتعين أحدهما إلى ولي المقتول، ونحن نقول: إن قوله: ”اعله بین خبرین“، بعد أن يرضى القاتل بالبدية، ويكون ترك هذا القيد بناء على ما عرف من عادة الناس انهم يرضون بالبدية حفظاً لأنفسهم، ويحتمل أن يكون معناه ما قال الشافعی: فلما احتتمل أمرين قلنا: الظاهر هو الاحتمال الأول، لأن القصاص قضاء بالقيمة وحق صاحب الحق في المثل دون القيمة، وإنما يعدل إلى القيمة إما لتعذر الفريقين: هذا هو الأصل، فلا يعدل عنه إلا لدليل هو نص في خلافه، وما نحن فيه ليس كذلك، فلا يعدل عن الأصل الكلي، ويؤول الحديث بنحو ما تأولنا، والله اعلم. (اعلاء السنن، ج: ۱۸، ص: ۷۷، فیض الباری، ج: ۱، ص: ۲۱۳، وعمدة القاری، ج: ۲، ص: ۲۳۶).

موجب عمد میں قصاص ہے تو اس کو واجب سمجھا جائے گا، دیت کو نہیں۔
آگے فرمایا:

فجاء رجل من أهل اليمن فقال: إكتب لي يا رسول الله، فقال: ((اكتبوا لأبي فلان))، فقال رجل من قريش: إلا الإذخر إلا الإذخر يا رسول الله، فإنا نجعله في بيوتنا وقبورنا، فقال النبي ﷺ: ((إلا الإذخر))۔

یہ وہ حصہ ہے، جس کی وجہ سے امام بخاری رحمہ اللہ یہاں پر یہ حدیث لائے ہیں کہ یمن کے ایک صاحب آئے، دوسری روایات میں ان کا نام ابو شاہ یمنی آیا ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعمیٰ تھے۔
فقال: "اكتب لي يا رسول الله" انہوں نے آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ نے خطبہ میں جو احکام بیان فرمائے ہیں وہ مجھے لکھ کر دے دیجئے۔

فقال: "اكتبوا لأبي فلان" آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگو! اس ابو فلاں یعنی ابو شاہ کو لکھ کر دے دو۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت

امام بخاری رحمہ اللہ یہ حدیث اس بات کو ثابت کرنے کے لئے لائے ہیں کہ حضور ﷺ نے اپنی حدیث لکھنے کا حکم دیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترتیب یہ رکھی کہ پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ والی حدیث لائے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کی احادیث کا صحیفہ بنایا ہوا تھا، اس پر کوئی شخص یہ کہہ سکتا تھا اور کہنے کا امکان بھی تھا کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے لکھ لیا تھا، حضور ﷺ نے تو لکھنے کا حکم نہیں دیا۔ اب وہ حدیث لائے ہیں جس میں خود حضور ﷺ نے حکم دیا کہ "اكتبوا لأبي فلان"۔

فقال رجل من القريش: "إلا الإذخر، إلا الإذخر يا رسول الله" یعنی آپ ﷺ نے جو حکم دیا تھا کہ اس کا کوئی درخت نہ کاٹا جائے اور بعض روایتوں میں آیا ہے "لا يختلى شو كها" اس کی گھاس نہ اکھاڑی جائے، تو قریش کے ایک صاحب نے کہا، دوسری روایات میں آیا ہے کہ یہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ تھے، یا رسول اللہ آپ اذخر گھاس کا استثناء فرما دیجئے، یعنی اس کے اکھاڑنے کی اجازت دیجئے اس لئے کہ اذخر یہ ایک خوشبودار گھاس تھی اور وہاں پر بکثرت ہوتی تھی اور برتنوں کی صفائی وغیرہ کے لئے اور دوسرے کاموں کے لئے گھروں میں بکثرت استعمال ہوتی تھی۔

"فإنا نجعله في بيوتنا وقبورنا" یہ گھاس ہم اپنے گھروں میں اور اپنی قبروں میں استعمال کرتے ہیں۔ "فقال النبي ﷺ إلا الإذخر" تو آپ ﷺ نے اذخر کا استثناء فرما دیا۔

اب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس وقت حضرت عباس ؓ نے استثناء کی درخواست کی، اللہ ﷻ نے سنی اور اسی وقت وحی نازل فرمادی کہ ہاں اذخر کا استثناء کیا جاتا ہے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شارع ہونے کے اختیار کے لحاظ سے آپ ؓ نے یہ استثناء خود فرمایا ہو، آپ ؓ کی ایک حیثیت شارع ہونے کی بھی ہے کہ آپ شریعت کے احکام مقرر فرمادیں، اس حیثیت میں آپ ؓ کو یہ اختیار حاصل تھا کہ کسی خاص حکم شرعی میں کوئی استثناء پیدا فرمادیں اور آپ ؓ نے اس اختیار پر متعدد مقامات پر عمل فرمایا۔

ابو بردہ بن نثار نے کہا کہ میں نے چھ مہینے کا جانور قربان کر دیا، آپ ؓ نے فرمایا کہ چلو تمہارے لئے حلال ہے، تمہاری قربانی ہوگئی ”ولا تجزى لاحد بعدک“ تو استثناء کر دیا۔

تو چونکہ آپ ؓ کو یہ اختیار استثناء کا حاصل تھا اس کے تحت آپ ؓ نے اذخر کا استثناء کیا، یہ دونوں احتمال ہیں، اور یہ احتمال منشأ استثناء میں ہے، لیکن چونکہ بعد میں اس کے مخالف کوئی وحی نہیں آئی اس لئے اب یہ استثناء وحی سے ہی مؤید ہے اس کی تقریر کر دی۔

۱۱۳۔ حدثنا علی بن عبد اللہ قال : حدثنا سفیان قال : حدثنا عمرو قال : أخبرني هب بن منبه عن أخيه قال : سمعت أبا هريرة يقول : ما من أصحاب النبي ﷺ أحد أكثر حديثا عنه مني إلا ما كان من عبد الله بن عمرو ، فإنه كان يكتب ولا أكتب . تابعه معمر ، عن همام ، عن أبي هريرة . ۱۳۲، ۱۳۵

”کتاب العلم“ میں امام بخاری رحمہ اللہ نے پہلے دو حدیثیں روایت کی ہیں، اب یہ تیسری روایت حضرت ابو ہریرہ ؓ کی ہے، وہ فرماتے ہیں ”ما من أصحاب النبي ﷺ أحد أكثر حديثا عنه مني“ کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں سے کوئی بھی ایسا شخص نہیں تھا جس کے پاس نبی کریم ﷺ سے مروی احادیث زیادہ ہوں نسبت میرے ”عنه“ کی ضمیر عبد اللہ بن عمرو ؓ کی طرف راجع ہے ”إلا ما كان من عبد الله بن عمرو ؓ، فإنه كان يكتب ولا أكتب“ کیونکہ وہ حضور اقدس ﷺ کی حدیثیں لکھا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا، اس واسطے ہو سکتا ہے کہ ان کے پاس میرے مقابلہ میں حدیثیں زیادہ ہوں۔

یہاں حضرت ابو ہریرہ ؓ نے یہ فرمایا کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو ؓ حضور ﷺ کی احادیث لکھا کرتے

۱۳۲ لا يوجد للحديث مكررات

۱۳۵ بیان من أخرجه غيره : وفي سنن الترمذی ، کتاب العلم عن رسول اللہ ، باب ماجاء فی الرخصة فيه ، رقم : ۲۵۹۲ ، و کتاب المناقب عن رسول اللہ ، باب مناقب أبي هريرة ، رقم : ۳۷۷۶ ، و مسند أحمد ، باقی مسند المکثرین ، باب مسند أبي هريرة ، رقم : ۸۰۸۴ و ۸۸۶۳ ، و سنن الدارمی ، کتاب المقدمة ، باب من رخص فی كتابة العلم ، رقم : ۴۸۳ .

تھے اور یہ بات دوسرے دلائل سے بھی ثابت ہے، انہوں نے اپنے صحیفہ کا نام رکھا تھا ”الصحيفة الصادقة“ اور یہ عمل رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہوتا تھا، اس لئے اس سے پتہ چلا کہ حضور اکرم ﷺ نے بعد میں کتابت حدیث کی اجازت دے دی تھی۔ ۱۳۶

سوال: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے زیادہ کسی کے پاس رسول اللہ ﷺ کی حدیثیں نہیں ہیں لیکن اس میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا استثناء فرمایا اور استثناء کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہ لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا، اس سے لوگوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ جب ہم احادیث کی تعداد کی طرف دیکھتے ہیں تو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ احادیث کی تعداد کم ہے نسبت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ احادیث کی تعداد زیادہ ہے پانچ ہزار تین سو چوہتر احادیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں، پھر ان کا یہ کہنا کیسے صحیح ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس مجھ سے زیادہ حدیثیں ہیں۔

جواب: اس کا جواب محدثین نے عام طور سے یہ دیا ہے کہ حدیث کا موجود ہونا اور بات ہے اور اس کا روایت کرنا اور بات ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق اگرچہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس ان کے مقابلہ میں حدیثیں زیادہ تھیں، لیکن حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو حدیثیں روایت کرنے کا اتنا موقع نہیں ملا جتنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ملا ہے۔

کثرت مرویات ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی پہلی وجہ

اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس وقت مدینہ منورہ علم کا مرکز تھا جو شخص بھی حدیث حاصل کرنا چاہتا وہ پہلے مدینہ منورہ آتا تھا، اس لئے طالبین علم حدیث کا جتنا بڑا اجتماع مدینہ منورہ میں تھا اتنا کسی اور جگہ میں نہیں تھا اور چونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی مدینہ منورہ میں مقیم تھے اس لئے ان کی مرویات کی تعداد بڑھ گئی۔ ۱۳۷

دوسری وجہ

دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایات حدیث کا مستقل مشغلہ بنایا ہوا تھا، اس مشغلہ بنانے کی وجہ سے انہوں نے خاص طور سے اس کا اہتمام کیا کہ جو حدیثیں میرے پاس ہیں وہ دوسروں تک

۱۳۶۔ وهو ان عبد الله بن عمرو من افاضل الصحابة، رضى الله تعالى عنهم، كان يكتب ما يسمعه من النبي ﷺ، ولولم تكن الكتابة جائزة لما كان يفعل ذلك، فاذا قلنا: فعل الصحابي حجة فلا نزاع فيه، وإلا فلا استدلال على جواز الكتابة يكون بتقرير الرسول ﷺ، كتابة. عمدة الباری، ج: ۲، ص: ۲۳۷، مطبع دار الفكر بيروت.

۱۳۷۔ وانما قلت الرواية عنه ما كثرة ما حمل عن النبي ﷺ لانه سكن مصر، وكان الوارد من اليها قليلا بخلاف ابي هريرة فانه استوطن المدينة، وهي مقصد المسلمين من كل جهة، عمدة القاری، ج: ۲، ص: ۲۳۸.

پہنچا دوں۔

قلت مرویات ابن عمروؓ کی پہلی وجہ

اس کے برعکس حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے یہ مستقل مشغلہ نہیں بنایا تھا کہ وہ احادیث روایت کریں بلکہ جب موقع ہوتا روایت کر دیتے، باقاعدہ کوئی حلقہ درس ہو یا حدیثیں روایت کرنے کا اہتمام کیا ہو، ایسا نہیں تھا، جس کی دو وجہیں تھیں۔

ایک وجہ یہ تھی کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ اس حدیث سے ڈرتے تھے جس میں فرمایا گیا ہے ”من کذب علی متعمداً فلیتبعہ من النار“ اس واسطے وہ احتیاط کرتے تھے کہ زیادہ احادیث نہ روایت کروں، تاکہ غلطی کا امکان کم رہے۔

دوسری وجہ

دوسری وجہ یہ تھی کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ ان حضرات صحابہؓ میں سے تھے جن کا خصوصی ذوق عبادت کا تھا، وہ عبادت میں زیادہ مشغول رہتے تھے، اس واسطے انہوں نے زیادہ حدیثیں روایت نہیں کیں، اگرچہ ان کے پاس حضرت ابو ہریرہؓ سے زیادہ احادیث تھیں مگر روایت حضرت ابو ہریرہؓ کے مقابلہ میں کم کیں، اس واسطے یہ نتیجہ نکلا کہ ان کی روایت کم رہیں اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایات کی تعداد بڑھ گئی۔

ایک توجیہ

میری سمجھ میں ایک بات یہ بھی آتی ہے ”واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم“ کہ جس وقت حضرت ابو ہریرہؓ یہ ارشاد فرما رہے ہیں ظاہر ہے کہ وہ گن کر تو نہیں فرما رہے ہیں کہ انہوں نے پہلے اپنی حدیثوں کو گنا ہو، دونوں کی گنتی کے بعد انہوں نے یہ بات کہی ہو، ایسا نہیں ہے، لہذا انہوں نے یہ بات کوئی جزم اور وثوق کے ساتھ حتمی طور پر نہیں کہی بلکہ یہ ایک گمان کے طور پر کہی ہے، یعنی اس وقت ان کو گمان یہ تھا کہ کسی اور صحابیؓ کے پاس تو مجھ سے زیادہ حدیثیں نہیں ہیں، لیکن شاید عبداللہ بن عمروؓ کے پاس ہوں، کیونکہ وہ لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا اور جو تعبیر اختیار کی ہے اس تعبیر میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے اس لئے کہ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ”الا من عبد اللہ بن عمروؓ“ بلکہ یہ فرمایا ”الا ماکان من عبد اللہ بن عمروؓ“ یہ تعبیر عام طور سے اس وقت اختیار کی جاتی ہے جب کہنے والے کو اتنی پر مکمل بھروسہ نہ ہو بلکہ وہ اس کو بطور احتمال ذکر کر رہا ہو، یعنی جب انہوں نے یہ کہا کہ کسی صحابیؓ کے پاس مجھ سے زیادہ حدیثیں نہیں ہیں تو یہ ایک بہت بڑا دعویٰ تھا،

خیال ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا دعویٰ غلط ہو اس لئے جن صحابی کے بارے میں یہ خیال تھا کہ ہو سکتا ہے ان کے پاس مجھ سے زیادہ حدیثیں ہوں ان کا ذکر اس انداز سے کر دیا کہ الایہ کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس ہوں تو ہوں ”الا ما کان من عبداللہ بن عمرو“ کا مفہوم ایسا ہے جیسا کہ اردو میں کہتے ہیں ”ہاں اگر عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس ہوں تو ہوں“ اس میں جزم یا وثوق نہیں ہوتا، حتیٰ دعویٰ نہیں ہوتا بلکہ احتمال ہوتا ہے تاکہ اس احتمال کو ظاہر کر کے اپنے کلام کو صدق کے دائرے میں رکھا جائے اور اس میں غلط بیانی کا اندیشہ نہ ہو۔ جب محض گمان اور احتمال ہے تو پھر اگر بعد میں جن لوگوں نے گنتی کی، انہوں نے یہ کہا کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی مرویات کم ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرویات زیادہ ہیں، تو اس سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول سے کوئی تعارض نہیں لازم آتا کیونکہ انہوں نے جزم سے نہیں کہا تھا۔

سوال: اس روایت پر دوسرا اشکال یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نہیں لکھا کرتے تھے، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ لکھا کرتے تھے، لیکن مستدرک حاکم میں ایک روایت آتی ہے جس میں یہ آتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ایک شاگرد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ آپ نے مجھے یہ حدیث سنائی تھی یا نہیں؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو یاد نہ آیا کہ میں نے سنائی ہے یا نہیں سنائی، اس لئے انہوں نے فرمایا کہ اچھا میں اپنے پاس صحیفے میں دیکھتا ہوں کہ یہ حدیث اس میں لکھی ہوئی ہے یا نہیں، کیونکہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث روایت کرتا تھا یا سنتا تھا وہ میں لکھ لیتا تھا اگر میں نے یہ حدیث روایت کی ہوگی تو میرے پاس لکھی ہوئی شکل میں موجود ہوگی۔ ۱۳۸

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خود لکھا کرتے تھے، اور یہاں یہ فرما رہے ہیں کہ وہ لکھا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا، اس روایت اور حدیث باب میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔

جواب: اگر وہ روایت سنداً قابل اعتماد ہو تو اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ شروع میں نہیں لکھتے تھے جیسے کہ حدیث باب میں کہا گیا ہے، لیکن بعد میں جب ان کے پاس بہت حدیثیں اکٹھی ہو گئیں تو پھر انہوں نے لکھا اور ان کو جمع کیا، تو اب عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ اور ان میں فرق یہ ہو گیا کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ تو اسی وقت لکھ لیتے تھے جب سنتے تھے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس وقت نہیں لکھتے تھے، بلکہ سنتے تھے لیکن بعد میں جب

۱۳۸..... قال حدثت عن ابی ہریرۃ بحديث فانكره فقلت انی قد سمعته منك قال ان كنت سمعته منی فانه مكتوب عندي فاعخذ بيدي الی بيته فارانی كتابا من كتبه من حديث رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فوجد ذلك الحديث فقال قد أخبرتك انی ان كنت حدثتك به فهو مكتوب عندي، المستدرک علی الصحیحین، ج: ۳، ص: ۵۸۳، بیروت، ۱۴۱۱ھ وفتح الباری، ج: ۱، ص: ۲۰۷.

بہت سے حدیثیں جمع ہو گئیں تو اکٹھی لکھ لیں، اس طرح دونوں میں تطبیق ہو سکتی ہے۔

۱۱۴۔ حدثنا یحییٰ بن سلیمان بن سلیمان قال : حدثنی ابن وہب قال : أخبرنی یونس عن ابن شہاب ، عن عیید اللہ بن عبد اللہ ، عن ابن عباس قال : لما اشتد بالنبی ﷺ وجعہ قال : ((یتونی بکتاب اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعده)) ، قال عمر : ان النبی ﷺ غلبہ الوجع وعندنا کتاب اللہ حسبنا ، فاختلفوا وکثر اللغظ ، قال : قوموا عنی ولا یبغی عندی التنازع ، فخرج ابن عباس یقول : ان الرزینة کل الرزینة ما حال بین رسول اللہ ﷺ و بین کتابہ . [أنظر : ۳۰۵۳ ، ۳۱۶۸ ، ۴۴۳۱ ، ۴۴۳۲ ، ۵۶۶۹ ، ۷۳۶۶] ۱۳۹

حدیث قرطاس

کتاب العلم کے باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ چوتھی حدیث ذکر کی ہے جو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور اس میں واقعہ قرطاس بیان فرمایا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”لما اشتد بالنبی ﷺ وجعہ قال“ جب نبی کریم ﷺ کی بیماری شدید ہو گئی یعنی مرض وفات ، تو آپ ﷺ نے فرمایا ”اتنونی بکتاب“ مجھے کوئی لکھنے کی چیز لا دو، ”اکتب لکم کتابا“ کہ میں تمہارے لئے ایسی کتاب لکھ دوں ”لا تضلوا بعده“ جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں تشریف فرما تھے انہوں نے فرمایا ”ان النبی ﷺ غلبہ الوجع“ کہ نبی کریم ﷺ پر بیماری اور تکلیف غالب آ گئی ہے، آپ کو زیادہ تکلیف ہے ”وعندنا کتاب اللہ“ اور ہمارے پاس اللہ ﷻ کی کتاب پہلے سے موجود ہے ”حسبنا“ وہ ہمارے لئے کافی ہے، اس لئے اس وقت حضور ﷺ کو لکھنے کی تکلیف نہیں دینی چاہئے۔

”فاختلفوا :“ جو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم موجود تھے ان کی رائے میں اختلاف ہو گیا یعنی بعض حضرات کا کہنا یہ تھا کہ حضور ﷺ فرما رہے ہیں کہ میں لکھنا چاہتا ہوں اس لئے لکھوا لینا چاہئے تاکہ مسلمانوں کے لئے فائدہ مند ہو اور بعض حضرات فرما رہے تھے کہ حضور ﷺ کو تکلیف ہے اور اس تکلیف میں زیادتی کا اندیشہ ہے اس لئے نہ لکھوانا چاہئے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

”وکثر اللغظ“ اور اس کے نتیجہ میں شور زیادہ ہو گیا، ”لغظ“ شور کو کہتے ہیں۔ (اختلاف رائے ہوا اور اس کی وجہ سے شور ہو گیا)۔

قال: ”قوموا عني“ آپ ﷺ نے فرمایا مجھ سے اٹھ کے چلے جاؤ، ”ولا ينبغي عندی التنازع“ اور میرے پاس رہتے ہوئے جھگڑا کرنا مناسب نہیں، چنانچہ لوگ چلے گئے۔

”فخرج ابن عباس“ یہ حدیث سنانے کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نکل کر آئے۔ یہاں یہ مطلب نہیں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس مجلس سے نکل کر آئے، کیونکہ اس مجلس میں یہ موجود ہی نہیں تھے۔ جب حدیث سنائی تو اس کے بعد یہ کہتے ہوئے باہر نکل کر آئے۔

”ان الرزية كل الرزية ما حال بين رسول الله ﷺ وبين كتابه“ کہ مصیبت اور ساری مصیبت جو بات رسول کریم ﷺ اور آپ کی اس کتاب کے درمیان حائل ہو گئی جو آپ ﷺ لکھوانا چاہ رہے تھے، یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ یہ امت کو بڑا نقصان پہنچا کہ رسول کریم ﷺ وہ کتاب نہ لکھوا سکے، جس کو لکھوانے کا آپ ﷺ نے ارادہ فرمایا تھا۔

مقصد بخاری رحمہ اللہ

اس واقعہ کو اس باب کے اندر ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ نے خود فرمایا کہ میرے پاس کتاب لاؤ تاکہ تمہیں کتاب لکھ دوں۔

پچھلی حدیث میں اگرچہ یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما حضور ﷺ کے عہد مبارک میں احادیث لکھا کرتے تھے، لیکن کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا تھا کہ شاید خود حضور ﷺ نے لکھنے کا حکم نہ دیا ہو، اب اس کے بعد ایسی روایت لائے ہیں، جس میں خود آنحضرت ﷺ نے لکھنے کا حکم دیا۔

حدیث قرطاس اور روافض کے اعتراضات

یہ حدیث اس لحاظ سے محل بحث بن گئی کہ روافض نے اس حدیث کی بنیاد پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف طعن و تشنیع اور اعتراضات کی بھرمار کر دی کہ حضور ﷺ تو اتنی بہترین کتاب لکھوانا چاہتے تھے جس کے بعد امت گمراہ نہ ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیچ میں آڑے آ گئے اور انہوں نے یہ لکھوانے سے روک دیا، حالانکہ اگر آپ ﷺ لکھوا دیتے تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت ہوتی اور سارے معاملات صاف ہو جاتے۔

پہلا طعن

بنیادی طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر جو مطاعن روافض کی طرف سے اس واقعہ میں کئے جاتے ہیں ان میں سب سے پہلا طعن یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے حکم کی تعمیل نہیں کی۔

دوسرا طعن

دوسرا طعن یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جو اہم بات لکھوانا چاہتے تھے جس کی وجہ سے امت گمراہی سے بچ جاتی، حضرت عمرؓ اس کے راستہ میں رکاوٹ بن گئے اور امت کو نقصان پہنچایا کہ ایسی بات سے محروم کر دیا۔

تیسرا طعن

تیسرا طعن یہ ہے کہ معاذ اللہ حضرت فاروق اعظمؓ نے حضور اقدس ﷺ کی طرف یادہ گوئی کی نسبت کی ہے، یادہ گوئی کے معنی ہیں ایسی بات کہنا جو بے تکی اور بے کار قسم کی ہو، ۱۴۰

اور اس میں اس حدیث کے دوسرے طریق سے استدلال کیا، حدیث باب میں ہے ”إن النبی ﷺ علیہ الوجل“ لیکن دوسرے طریق میں ہے ”اھجر رسول اللہ ﷺ استفہموہ۔ ہجر یہ ہجر ہجرا“ [بضم الہاء] اس کے معنی ہیں بے ہودہ، فحش اور لغوبات کرنا۔

روافض کا کہنا یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ کہا ”اھجر رسول اللہ ﷺ؟“ کیا رسول اللہ ﷺ نے لغوبات کی ہے، العیاذ باللہ بے ہودہ بات کی ہے، ان سے پوچھو۔

تو حضرت فاروق اعظمؓ نے حضور ﷺ کی طرف یادہ گوئی کی نسبت کی جو نبی کریم ﷺ کی شان میں بہت بڑی گستاخی ہے۔

یہ تین مطاعن ہیں جو اس واقعہ میں حضرت فاروق اعظمؓ پر روافض کی طرف سے کئے جاتے ہیں، لیکن یہ سب بے بنیاد، لغو اور بے ہودہ مطاعن ہیں جن کا کوئی سراور پیر نہیں ہے۔

جواب طعن اول

جہاں تک پہلے طعن کا تعلق ہے کہ انہوں نے حضور اقدس ﷺ کے حکم کی تعمیل نہیں کی تو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے کہ بسا اوقات محبت اور عظمت کا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ بڑا جوابات کہہ رہا ہے اس پر جوں کا توں عمل کرنے کے بجائے اس کو راحت پہنچانے کی کوشش کی جائے۔

صلح حدیبیہ اور حضرت علیؓ کا واقعہ

اس سے بڑی عدم تعمیل کیا ہوگی کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ لکھو

”من محمد رسول الله“ انہوں نے لکھ دیا، اس پر کفار کی طرف سے اعتراض ہوا کہ اگر ہم آپ کو رسول اللہ مان لیں تو پھر جھگڑا ہی ختم ہو جاتا ہے، لہذا ”محمد رسول اللہ“ کی جگہ ”محمد بن عبد اللہ“ لکھو، حضرت علیؑ ”محمد رسول اللہ“ لکھ چکے تھے۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ یہاں سے ”رسول اللہ“ کا لفظ کاٹ دو، حضرت علیؑ نے تعمیل کرنے کے بجائے فرمایا کہ ”واللہ لامحوک“ میں قسم کھاتا ہوں کہ آپ کے نام سے رسول اللہ نہیں مٹاؤں گا۔

اب کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت علیؑ نے حضور ﷺ کی نافرمانی کی، ظاہر ہے یہ حکم کی تعمیل تو نہیں تھی لیکن اس تعمیل نہ کرنے کا مقصد حضور اقدس ﷺ کی محبت اور عظمت تھی، لہذا عدم تعمیل کسی وجہ سے بھی ان پر قابل طعن نہ ہوئی۔

اہل بیت کا ایک واقعہ

اسی طرح حضور ﷺ نے اپنے تمام تیمارداروں سے فرمایا تھا کہ دو امیرے منہ میں مت ڈالنا لیکن تمام اہل بیت نے مل کر یہ سوچا کہ حضور اقدس ﷺ جو منع فرما رہے ہیں یہ ایسے ہی ہے جیسے مریض اکثر و بیشتر دوا سے انکار کرتا ہے، چنانچہ انہوں نے دوا منہ میں ڈال دی۔

جب رسول کریم ﷺ کی صحت نسبتاً بہتر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا سب سے بدلہ لیا جائے گا، سب کے منہ میں دوا ڈال دی جائے۔ ۱۴۱

اب یہاں اہل بیت نے حضور اقدس ﷺ کے حکم کی تعمیل نہیں کی جس کی انہوں نے سزا اٹھائی لیکن کوئی شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ حضور ﷺ کے نافرمان تھے اور انہوں نے یہ عمل بدینتی سے کیا، بلکہ جو کچھ بھی کیا وہ محبت کے تقاضا سے کیا۔

یہاں حضرت عمرؓ بھی جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ محبت کے تقاضا سے کہہ رہے ہیں کہ مرض بڑھ گیا ہے اگر آپ اس حالت میں لکھنے کی زحمت اٹھائیں گے تو مرض کے مزید بڑھنے کا اندیشہ ہے اور ہمارے پاس اللہ ﷻ کی کتاب موجود ہے، لہذا ایسے وقت میں آپ کو یہ زحمت نہ دینی چاہئے۔

تو یہ تعمیل حکم نہ کرنا ان کے لئے کوئی طعن کی بات نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ رائے کی غلطی ہے لیکن اس کو نافرمانی نہیں کہہ سکتا۔

جواب طعن دوم

دوسرا طعن جو انہوں نے کیا کہ حضرت عمرؓ نے رکاوٹ بن کر امت کو ایسی بات سے محروم کر دیا جو رسول کریمؐ امت کے لئے لکھوانا چاہتے تھے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو کچھ آپؐ لکھوانا چاہتے تھے وہ دو حال سے خالی نہیں۔

یا تو وہ امت کے لئے ناگزیر بات تھی جس کے بغیر امت ہدایت نہیں پاسکتی تھی اور آپؐ کے فرائض رسالت کا اہم حصہ تھا کہ آپ اس بات کو لکھوائیں اور یا پھر وہ اتنی اہم بات نہیں تھی، بلکہ محض پہلے کہی ہوئی باتوں کی تاکید تھی۔

اگر اتنی اہم بات نہیں تھی جس کا لکھنا بہت ضروری ہوتا، بلکہ پہلے بتائی ہوئی باتوں کی تاکید تھی تو پھر یہ کہنا کیسے صحیح ہوا کہ حضرت عمرؓ نے امت کو محروم کر دیا، وہ ایسی بات نہیں تھی جس کے بغیر امت گمراہ ہو جاتی، لہذا ایسی صورت میں حضرت عمرؓ پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا۔

اور اگر وہ ایسی بات تھی جس کے بغیر امت کے گمراہ ہونے کا اندیشہ تھا اور رسول کریمؐ کے فرائض رسالت کا حصہ تھی کہ اس کو پہنچائیں جیسا کہ شیعوں کا دعویٰ ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت لکھوانا چاہتے تھے۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ایسی صورت میں تنہا حضرت عمرؓ حضورؐ کو ہرگز فرائض رسالت کی ادائیگی سے نہیں روک سکتے تھے، اگر یہ فرائض رسالت میں سے تھا تو سرکارِ دو عالمؐ اسی کو ہر قیمت پر لکھواتے، حضرت عمرؓ کے ہزار اختلاف کے باوجود آپؐ ان کی بات کو رد کرتے، حضرت عمرؓ کا کوئی اقتدار تو حضورؐ اقدسؐ پر نہیں تھا کہ آپؐ کوئی بات فرمائیں اور وہ رد کریں اور نہ کرنے دیں، ایسے کتنے مواقع آئے ہیں کہ آپؐ نے ان کی باتوں کو رد کر دیا۔

حضرت حاطب بن بلتعہؓ کا واقعہ میں فرمایا: مجھے اس کی گردن مارنے دیجئے، یہ منافقین میں سے ہے، دو مرتبہ کہا، لیکن آپؐ نے منع کر دیا، روک دیا، اس طرح کے بہت سارے واقعات ہیں۔

اگر ساری دنیا مل کر بھی سرکارِ دو عالمؐ کو فرائض رسالت کی ادائیگی سے روکنا چاہے تو سرکارِ دو عالمؐ کے لئے ممکن نہیں ہے کہ آپؐ اس سے رک جائیں اور درحقیقت حضرت عمرؓ پر یہ اعتراض بالواسطہ نبی کریمؐ پر اعتراض ہے کہ آپؐ نے اپنے فرائض رسالت میں کوتاہی فرمائی، العیاذ باللہ۔

پھر اگر بالفرض آپؐ نے اس وقت شور و شغب کی وجہ سے لکھوانا چھوڑ دیا تھا تو ایسا تو نہیں ہے کہ اس واقعہ کے فوراً بعد آپؐ کا وصال ہو گیا ہو، بلکہ اس واقعہ کے بعد آپؐ چار دن زندہ رہے اور چار دن میں سے کسی وقت میں بھی آپؐ نے دوبارہ یہ بات نہیں اٹھائی کہ اس وقت رہ گیا تھا لاؤ اب لکھوادوں حضرت عمرؓ

ﷺ چاروں دن تو موجود نہیں رہے، اگر آپ ﷺ چاہتے تو لکھوا سکتے تھے۔ ۱۲۲

پھر اس مجلس میں سارے اہل بیت موجود تھے اگر حضرت عمرؓ رکاوٹ بن رہے تھے تو آپ ﷺ سے کہہ سکتے تھے کہ یا رسول اللہ لکھواد دیجئے، ہم لوگ لکھنے کے لئے تیار ہیں، لیکن کسی نے بھی یہ بات نہیں کہی۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ بات روایات سے ثابت ہے کہ اس کا اعتقاد یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت تک دنیا سے تشریف نہیں لے جائیں گے جب تک سارے منافقین ختم نہیں ہو جاتے، اس بات کا اظہار انہوں نے اس وقت کیا جب رسول کریم ﷺ کا وصال ہو گیا، تلوار لے کر کھڑے ہو گئے کہ جو کہے گا حضور ﷺ دنیا سے چلے گئے ہیں اس کی گردن مار دوں گا۔

بعد میں جب صدیق اکبرؓ نے آیت کریمہ پڑھی اور حضرت عمرؓ اپنے آپے میں آئے تو اس وقت بعض لوگوں سے کہا کہ اصل میں میرے دماغ میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ جب تک رسول کریم ﷺ منافقین کو فنا نہیں کر دیتے اس وقت تک دنیا سے نہیں جائیں گے، یہ اعتقاد تھا۔

حضرت عمرؓ کو یہاں اندیشہ تو نہیں تھا کہ آنحضرت ﷺ اسی مرض میں دنیا سے تشریف لے جائیں گے، ان کا خیال تو یہ تھا کہ منافقین کو فنا کرنے کے بعد دنیا سے تشریف لے جائیں گے، اس لئے انہوں نے کہا یہ وقت مناسب معلوم نہیں ہوتا پھر کسی وقت جب طبیعت میں نشاط اور بہتری ہو، اس وقت آپ ﷺ جو کچھ لکھوانا چاہتے ہیں لکھوادیتے۔

حضرت عمرؓ کا قول ”حسبنا کتاب اللہ“

رہی یہ بات کہ انہوں نے کہا ”حسبنا کتاب اللہ“ کہ انہوں نے بالکل اس انداز میں کہا جیسے کوئی استاذ بیماری کے عالم میں سبق پڑھانا چاہتا ہو اور جو اس سے محبت کرنے والے شاگرد ہیں وہ کہیں کہ نہیں، آپ کی طبیعت خراب ہے، اس لئے آج آپ سبق نہ پڑھائیں، آپ نے پہلے ہی ہمیں بہت کچھ پڑھا رکھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ ہمیں آپ نے پہلے ہی اللہ ﷻ کی کتاب کی تبلیغ کر دی ہے، اس کی تفسیر بتا دی ہے اس لئے اب ہمارے بارے میں زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، ہمارا فائدہ اس میں ہے کہ آپ اس وقت آرام فرمائیں تاکہ آپ صحت یاب ہوں، اس کے بعد ہم آپ کی مزید تعلیمات سے فائدہ اٹھائیں گے، یہ مقصد تھا، نہ یہ کہ وہ کتاب اللہ کے بعد حضور اقدس ﷺ کے ارشاد کو حجت نہیں مانتے تھے، جیسا کہ بعض لوگوں نے اس سے استدلال کیا ہے۔

یہ واقعہ حضرت علیؓ کے ساتھ بھی پیش آیا

اور مزے کی بات یہ ہے کہ بالکل اسی قسم کا واقعہ مرض وفات کے دوران ہی حضرت علیؓ کے ساتھ بھی پیش آیا۔

مسند احمد میں روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلایا اور کہا ذرا قلم کا غزلے کر آؤ، میں تمہیں کچھ باتیں لکھوادوں۔

حضرت علیؓ نے بھی محسوس کیا کہ اس وقت آپ ﷺ کی طبیعت پر بار ہوگا، اس لئے اس سے منع کر دیا اور کہا، یا رسول اللہ! اس وقت آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، پھر کسی وقت دیکھا جائے گا، مسند احمد میں خود حضرت علیؓ سے یہ بات منقول ہے۔ ۱۴۳

اگر حضرت عمرؓ کی یہ بات غلط تھی تو وہ سارے مطاعن جو شیعوں کی طرف سے حضرت عمرؓ پر کئے گئے ہیں وہ حضرت علیؓ کی طرف لوٹتے ہیں۔ ۱۴۴

تیسرے طعن کا جواب

تیسرا طعن جو حضرت عمرؓ پر کیا ہے کہ انہوں نے کہا ”اھجر رسول اللہ ﷺ الخ“ اس طعن کا مدار اس پر ہے کہ ”ھجر“ کو انہوں نے ”ھجر“ سے نکالا، جس کے معنی یا وہ گوئی کے آتے ہیں، حالانکہ ”ھجر“ جس طرح ”ھجر“ کا فعل ہے اسی طرح ”ھجر“ کا فعل بھی ہے، جس کے معنی ہوتے ہیں چھوڑنا، جدا ہو جانا۔

اگر ”ھجر“ سے نکالا جائے تو اس صورت میں یہ معنی ہوں گے ”اھجر رسول اللہ ﷺ؟“ کیا رسول اللہ ﷺ ہم سے جدا ہو رہے ہیں ”استفہموا“ آپ ان سے پوچھ لیں۔

جیسا کہ پہلے گزرا ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کا یہ اعتقاد تھا کہ آپ ﷺ منافقین کو ختم کئے بغیر دنیا سے تشریف نہیں لے جائیں گے، تو جب آپ ﷺ نے ایسی بات فرمائی جو عام طور پر اس وقت کہی جاتی ہے جب دنیا سے کوئی آدمی رخصت ہو رہا ہوتا ہے، تو حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ایسا نہیں ہے کہ آپ جلدی

۱۴۳.... عن علی بن ابی طالب ؓ قال أمرنی النبی ﷺ أن آتیه بطبق فیہ مالا تضر أمته من بعده قال فحشیت أن تفوتنی نفسہ قال قلت انی أحفظ وأعی الخ، مسند احمد ج: ۱، ص: ۹۰، رقم: ۶۹۳، مؤسسة قرطبہ، مصر۔

۱۴۴ فیہ بطلان ما یندعیه الشیعۃ من وصایۃ رسول اللہ ﷺ بالإمامۃ، لانه لو کان عند علی ؓ عهد من رسول اللہ ﷺ لأحال علیہا کما ذکرہ العینی فی عمدة القاری: ج: ۲، ص: ۲۴۲۔

جانے والے ہوں؟

تو گویا ان کو اپنی رائے پر مکمل جزم بھی نہیں تھا، یعنی یہ خیال تو تھا کہ اس وقت طبیعت ٹھیک نہیں ہے، لہذا آپ کو اس وقت زحمت دینا مناسب نہیں ہے، آپ کسی اور وقت میں بھی یہ کام کر سکتے ہیں، لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی خیال آیا کہ پوچھ لیں کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ آپ جانے والے ہوں اور کوئی ضروری بات لکھوانی ہو ”ہجر الخ“ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں۔

اور یادہ گوئی کا معنی لینا اس واسطے بھی بالکل خلاف ظاہر ہے کہ اول تو حضرت عمرؓ کی ساری زندگی میں حضورؐ کی عظمت و محبت کا جو انداز رہا ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ دوسرا یہ کہ اگر بالفرض یہ معنی ہوتے تو ”استفہموا“ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ آپ نے یادہ گوئی کی ہے آپ سے پوچھو؟ جس آدمی نے یادہ گوئی کی ہو کیا وہ کہے گا کہ میں نے یادہ گوئی کی ہے؟ تو اس صورت میں ”استفہموا“ کا کوئی معنی نہیں رہتا۔ اس واسطے زیادہ ظاہریوں کے ”ہجر“ یہاں ”ہُجر“ سے نہیں بلکہ ”هَجْر“ سے ہے۔

اگر بالفرض ”هَجْر“ [بضم الهاء] سے بھی مانا جائے تب بھی بعض اوقات ”هَجْر“ کا اطلاق کسی ایسی بات پر کر دیا جاتا ہے جو انسان بیماری کی شدت میں کہہ دیتا ہے، سنجیدگی سے وہ بات کہنا مقصد نہیں ہوتی، جیسے بعض اوقات انسان بیماری کی شدت میں کوئی بات بدل دیتا ہے، جو سنجیدگی سے کہنا مقصد نہیں ہوتا، اس کو بھی ”هَجْر“ کہہ سکتے ہیں۔

اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ آپؐ پر تکلیف کا غلبہ ہے، آپ جو بات فرما رہے ہیں وہ سنجیدگی سے فرما رہے ہیں یا یہ بیماری کے غلبہ کا نتیجہ ہے، ذرا یہ بات پوچھ لو۔ یہ معنی صحیح بن سکتے ہیں، لیکن شیعہ لغت میں اس کو تلاش کر کے لائے ”هَجْر“ سے، جس کے معنی یادہ گوئی اور فحش گوئی کے ہیں تا کہ حضرت عمرؓ کے سر تھوپ سکیں، جس کا کوئی جواز نہیں ہے، لہذا یہ تینوں طعن بالکل غلط اور بے سرو پا ہیں، ان کا حضرت عمرؓ سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔

اب یہ بات اپنے اپنے قیاس کی ہے کہ اگر آپ اس وقت لکھوادیتے تو زیادہ بہتر ہونا یا نہ لکھوانا زیادہ بہتر ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مصیبت، آپ امت کے لئے لکھوانے میں حائل ہو گئے، حضرات نے کہا کہ اس کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ اگر آپؐ لکھواتے تو یہ سب جھگڑا ہی نہ پیدا ہوتا۔ یہ جو کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے لئے خلافت لکھوانا چاہتے تھے، اگر آپؐ اس وقت لکھوادیتے تو جھگڑا ہی ختم ہو گیا ہوتا اور کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملتا کہ حضرت علیؓ کی خلافت لکھوار ہے تھے حضرت عمرؓ نے

روک دیا۔

ہو سکتا ہے حضرت صدیق اکبر ؓ کی خلافت لکھواتے اور اسی کا غالب گمان ہے کیونکہ آپ نے ایک مرتبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اظہار فرمایا تھا کہ میرے دل میں آیا تھا تمہارے والد کے لئے خلافت لکھ دوں، لیکن پھر میں نے کہا ”یا بی اللہ والمؤمنون“ کہ اللہ ﷻ اور مسلمان ابوبکر ؓ کے سوا کسی اور پر اتفاق کریں گے بھی نہیں، اس واسطے مجھے لکھوانے کی کوئی ضرورت نہیں۔

تو عین ممکن ہے کہ حضور اقدس ﷺ یہی لکھوانا چاہتے ہوں، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کا منشاء یہ ہوا کہ اگر وہ لکھوا گئے ہوتے تو شیعوں کے جتنے فرقے نکلے ہیں اور جنہوں نے صدیق اکبر ؓ کی خلافت پر طعن کیا ہے، یہ سارے جھگڑے نہ کھڑے ہوتے اور معاملہ صاف ہوتا۔ یہ حدیث قرطاس کا خلاصہ تھا۔

(۴۰) باب العلم والعظة باللیل

رات کو علم اور نصیحت کرنے کا بیان

۱۱۵۔ حدثنا صاۗقة قال: أخبرنا ابن عیینة، عن معمر، عن الزهري، عن هند، عن أم سلمة. وعمر ورویحی بن سعید، عن الزهري، عن هند، عن أم سلمة، قالت: استيقظ النبي ﷺ ذات ليلة فقال: ((سبحان الله! ماذا أنزل اللیة من الفتن، وماذا فُتح من الخزان، أيقظوا صواحب الحجر، فرب كاسية فی الدنيا عارية فی الآخرة)) - [أنظر: ۱۱۲۶، ۳۵۹۹، ۵۸۴۴، ۶۲۱۸، ۷۰۶۹، ۱۳۵]

نبی کریم ﷺ ایک رات نیند سے بیدار ہوئے فقال: ”سبحان اللہ! ماذا أنزل اللیة من الفتن“ آج کی رات میں کیا کیا فتنے اتارے گئے؟ ”وما ذافتح من الخزان“ اور کیسے کیسے خزانے فتح کئے گئے؟ یعنی مقصد یہ تھا کہ اس رات میں مجھے خواب یا بیداری میں اللہ ﷻ کی طرف سے بہت سے فتنوں کی خبریں دی گئی ہیں، جو آئندہ پیش آنے والے ہیں اور بہت سی فتوحات کی خبریں دی گئی ہیں جو آئندہ پیش آنے والی ہیں جن میں سے مسلمانوں کو خزانے حاصل ہوں گے۔

دونوں کو ایک ساتھ جمع کرنے کا منشاء یہ ہو سکتا ہے کہ اگرچہ ظاہری نظر میں تو فتوحات خوشی اور خوشخبری کی چیزیں ہیں لیکن بالآخر یہی فتوحات فتنہ کا ذریعہ بھی بنیں کہ ان فتوحات کے نتیجے میں بعض لوگ دنیا کی طرف مائل

۱۳۵ وفی سنن الترمذی، کتاب الفتن عن رسول اللہ، باب ماجاء ستكون فتن كقطع اللیل المظلم، رقم: ۲۱۲۲، ومسند احمد، باقی مسند الانصار، باب حدیث أم سلمة زوج النبی، رقم: ۲۵۳۳۳، وموطأ مالک، کتاب الجامع، باب ما یکره للنساء لبسه من الثیاب، رقم: ۱۳۲۲۔

ہو گئے اور دنیا طلبی میں پڑ گئے، اس واسطے فتنے اور ان کے ان اسباب کو ایک ساتھ ذکر کر دیا۔
تو بتایا آج رات اللہ ﷻ نے بہت سے فتنے اتارے، فتنے اتارنے کا معنی یہ ہے کہ مجھ پر یہ علم اتارا کہ آئندہ فتنے آئیں گے اور یہ علم اتارا کہ آئندہ مسلمانوں کو بہت سے خزانے ملیں گے۔

جب یہ بات ہے تو فرمایا ”ایقظوا صواحب الحجر“ حجروں میں رہنے والیوں کو جگاؤ، مراد ہے امہات المؤمنین کو جگاؤ کہ یہ رات جس میں اللہ ﷻ کی طرف سے یہ خبریں دی جا رہی ہیں یہ رات اللہ ﷻ کی طرف رجوع کرنے کی اور آپ سے پناہ مانگنے کی ہے، لہذا ان کو جگاؤ کہ وہ اٹھ کر نمازیں پڑھیں اور اللہ ﷻ کی طرف رجوع کریں۔

پھر فرمایا ”کاسیۃ فی الدنیا عاریۃ فی الآخرة“ بعض عورتیں جو دنیا کے اندر لباس پہنے ہوئے ہوتی ہیں وہ آخرت میں برہنہ ہوں گی۔ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں:

ایک معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ انہوں نے دنیا میں ایسا لباس پہنا ہوا ہوتا ہے کہ وہ ہے تو لباس، لیکن لباس کا جو اصل مقصد ہے یعنی ستر عورت، وہ اس سے حاصل نہیں ہو رہا ہے، اتنا چست اور پتلا ہے کہ جس سے جسم چھلکتا ہے، تو یہ معصیت ہے، اس کے نتیجے میں اس کو آخرت میں عذاب ہوگا۔

دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ انہوں نے دنیا میں بڑا بیش قیمت لباس پہنا ہوا ہے، بڑا فیشن ایبل لباس ہے لیکن چونکہ اعمال خراب ہیں، اللہ ﷻ کی اطاعت نہیں ہے اس لئے یہاں قیمتی لباس ہے اور آخرت میں تنگی اٹھائی جائے گی، ان کو پہننے کو کپڑا میسر نہیں آئے گا۔

پہلی صورت میں ”کاسیۃ“ ہی ”عاریۃ“ ہونے کا سبب ہے، کیونکہ ”کاسیۃ“ کا معنی ہے ایسا لباس پہنا ہوا ہے جس سے جسم چھلکتا ہے، یہ معصیت ہے، آخرت میں اس کا عذاب ہوگا۔

دوسری صورت میں ”عاریۃ“ ہونے کا سبب ”کاسیۃ“ نہیں ہے بلکہ بیش قیمت لباس پہنا ہوا ہے جو مباح ہے البتہ وہ اپنے برے اعمال کی وجہ سے ”عاریۃ“ ہوں گی۔

لہذا خواتین کو چونکہ اس کا اندیشہ ہے کہ وہ اس انجام تک نہ پہنچ جائیں اس لئے ان کو چاہئے کہ وہ انھیں اور جتنے فتنوں کی مجھے آج خبر دی گئی ہے ان سے پناہ مانگیں اور اللہ ﷻ کی طرف رجوع کریں۔

(۴۱) باب السمر فی العلم

رات کو علمی گفتگو کا بیان

۱۱۶۔ حدثنا سعید بن عفیر قال: حدثنی اللیث قال: حدثنی عبدالرحمن بن

خالد، عن ابن شہاب، عن سالم، وأبی بکر بن سلیمان بن أبی حشمة: أن عبد اللہ ابن

عمر قال : صلی بنا النبی ﷺ العشاء فی آخر حیاته ، فلما سلم قام فقال : ((أرايتکم لیتکم هذه ، فإن رأس مائة سنة منها لا یبقی ممن هو علی ظهر الأرض أحد)) . [أنظر : ۵۶۴ ، ۶۰۱ ، ۱۴۶]

”سمر“ لغت میں اس چاندنی رات کو کہتے ہیں جس میں چاند کی روشنی خوب پھیلی ہوئی ہو۔ اہل عرب کا طریقہ یہ تھا جب چاندنی رات آتی تو لوگ ایک جگہ جمع ہو جاتے اور قصے کہانیاں سنایا کرتے تھے۔ اس سے ”سمر یسمر“ فعل بنا لیا جس کے معنی ہو گئے قصے کہانیاں، اور چونکہ یہ قصہ گوئی عموماً عشاء کے بعد ہوتی تھی اس لئے ”سمر“ کے معنی ہو گئے عشاء کے بعد قصہ گوئی کرنا۔

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عشاء کے بعد ”سمر“ سے منع فرمایا ہے، اصلاً اگرچہ ”سمر“ کا لفظ قصہ گوئی کے لئے استعمال ہوتا تھا لیکن پھر عشاء کے بعد کوئی بھی گفتگو ہو، چاہے وہ قصہ گوئی نہ ہو تب بھی اس کو ”سمر“ کہنے لگے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے عشاء کے بعد ”سمر“ سے منع فرمایا تو اس سے یہ خیال ہو سکتا تھا کہ شاید درس و تدریس اور وعظ و نصیحت بھی ناجائز ہوگی۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس خیال کی تردید کے لئے یہ باب قائم فرما رہے ہیں کہ رات کے وقت عشاء کے بعد علم کی کوئی بات کی جائے تو وہ جائز ہے بشرطیکہ اس بات کا اہتمام ہو کہ اس کی وجہ سے صبح کی نماز قضاء نہ ہو اور یہی قول عدل ہے، یعنی ”سمر“ اس وقت منع ہے جب اس کے نتیجے میں صبح کی نماز متاثر ہو، اگر نماز متاثر نہ ہو تو پھر اس کی گنجائش ہے۔

یہاں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ فرمایا کہ ”صلی بنا النبی ﷺ العشاء فی آخر حیاته“، ہمیں نبی کریم ﷺ نے اپنی آخری عمر میں نماز پڑھائی ”فلما سلم قام فقال“ : جب سلام پھیر دیا تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور فرمایا ”ارایتکم لیتکم هذه“ یہ ”ارایت“ پہلے بھی گزر چکا ہے ”أخبرنی“ کے معنی میں آتا ہے اور جب ”کم“ بڑھا دیتے ہیں تو اس کے اردو میں تقریباً یہ معنی ہوتے ہیں کہ ”ذرا دیکھو تو اپنی اس رات کو“ ”فإن رأس مائة سنة منها لا یبقی ممن هو علی ظهر الأرض أحد“ کہ اس رات سے جب سو سال پورے ہوں گے تو ان لوگوں میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا جو اس وقت ”ظهر أرض“ پر موجود ہیں۔ یعنی آج کی رات کے بعد جب سو برس پورے ہو جائے گے تو جتنے آدمی

۱۴۶ وفی صحیح مسلم ، کتاب فضائل الصحابة ، باب قوله لا تاتی مائة سنة و علی الأرض نفس منقوسة ، رقم : ۴۵۰۵ ، و سنن الترمذی ، کتاب الفتن عن رسول اللہ ، باب ماجاء فی ذکر ابن صائد ، رقم : ۲۱۷۷ ، و سنن ابی داؤد ، کتاب الملاحم ، باب قیام الساعة ، رقم : ۳۷۸۴ ، و مسند أحمد ، مسند المکثرین من الصحابة ، باب باقی المسند السابق ، رقم : ۵۷۵۵ ، ۵۳۶۰

اس وقت زندہ ہیں ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں رہے گا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ابن حجر رحمہ اللہ نے نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات وصال سے ایک مہینہ پہلے ارشاد فرمائی تھی۔ ۱۴۷۔ بعض لوگ اس سے قیامت کا قائم ہونا مراد لیتے ہیں کہ قیامت قائم ہو جائے گی لیکن یہ معنی صحیح نہیں ہیں، مشاہدہ کے بھی خلاف ہیں اور ویسے بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ قیامت کا وقت کسی کو بھی معلوم نہیں، لہذا آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ سو سال کے بعد قیامت آجائے گی، اس لئے اس سے قیامت کا آنا مراد ہے۔ مقصد اس کا یہ ہے کہ اس وقت جتنے لوگ زندہ ہیں سو سال کے بعد ان میں سے کوئی بھی زندہ باقی نہیں رہے گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری عمر میں یہ بات ارشاد فرمائی اور سب سے آخر میں جن صحابی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، حضرت عامر بن طفیل رضی اللہ عنہ ہیں ۱۰۔ اہ میں ان کا انتقال ہوا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بھی اس کے آس پاس وفات پائی۔

چونکہ آخر عمر ۱۰ اھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات ارشاد فرمائی اور ۱۰ اھ تک تمام صحابہ رضی اللہ عنہم انتقال فرما چکے، لہذا جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسی کے مطابق واقعہ پیش آیا۔

مسئلہ حیات خضر علیہ السلام

بعض حضرات نے اس حدیث سے حضرت خضر علیہ السلام کی وفات پر استدلال کیا ہے۔

یہ مسئلہ علمائے کرام کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں۔ علماء کی بہت بڑی تعداد خاص طور پر صوفیائے کرام رحمہم اللہ یہ کہتے ہیں کہ وہ ابھی زندہ ہیں اور ہماری ملاقاتیں بھی ہوتی ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے عہد صحابہ رضی اللہ عنہم میں حیات خضر پر بہت لمبی بحث کی ہے اور اس میں سب سے قوی روایت حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کی پیش کی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے ساتھ ایک اجنبی سا آدمی چل رہا تھا، لوگوں نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ اس سے پتہ چلا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ حیات خضر علیہ السلام کے قائل تھے۔ بہت سے صوفیاء کہتے ہیں کہ ہماری ان سے ملاقاتیں ہوئی ہیں۔ ۱۴۸۔

بہر حال قرآن وحدیث سے ان کے بارے میں کوئی صریح بات معلوم نہیں ہوتی، لہذا دونوں احتمال ہیں اور دونوں طرف علمائے کرام گئے ہیں، ہمیں اس کی تحقیق کی بہت زیادہ ضرورت بھی نہیں کہ وہ زندہ ہیں یا نہیں؟

اللہ ﷻ ہی بہتر جانتے ہیں کہ وہ زندہ ہیں یا نہیں۔

حدیث باب اس بات پر صریح نہیں ہے کہ وہ وفات پا چکے ہیں، اس لئے کہ یہاں ان انسانوں کا ذکر ہو رہا ہے جو ظہر ارض پر ہیں جبکہ حضرت خضر علیہ السلام آنکھوں سے مستور ہیں اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ان کا مقرزین ہے ہی نہیں، وہ تو سمندری مخلوق ہیں، اس واسطے ظہر ارض والوں میں داخل ہی نہیں ہیں۔

۱۱۷۔ حدثنا آدم قال : حدثنا شعبة قال : حدثنا الحكم قال : سعيد بن جبیر ، عن

ابن عباس قال : بت فی بیت خالتي میمونة بنت الحارث زوج النبی ﷺ وکان النبی ﷺ عندها فی لیلتها ، فصلی النبی ﷺ العشاء ثم جاء إلى منزله فصلی أربع رکعات ثم نام ، ثم قال . ((نام الغلیم)) ، أو كلمة تشبهها ، ثم قام فقمت عن يساره فجعلني عن يمينه فصلی خمس رکعات ، ثم صلی رکعتین ثم نام حتی سمعت غطیطة . أو خطیطة . ثم خرج إلى الصلاة . [أنظر : ۱۳۸ ، ۱۸۳ ، ۲۹۷ ، ۲۹۸ ، ۲۹۹ ، ۲۲۶ ، ۲۲۸ ، ۸۵۹ ، ۱۱۹۸ ، ۲۵۶۹ ، ۳۵۷۰ ، ۳۵۷۱ ، ۳۵۷۲ ، ۵۹۱۹ ، ۶۲۱۵ ، ۶۳۱۶ ، ۷۴۵۲] . ۱۳۹

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا کے پاس ایک رات گزاری تھی ، ان کے گھر میں رات گزارنے کا منشاء یہ تھا کہ رسول کریم ﷺ کے رات کے معمولات معلوم کر سکیں اور ان پر عمل کریں۔

”وکان النبی ﷺ عندها فی لیلتها ، فصلی النبی ﷺ العشاء“ وہ کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھی ، پھر اپنے گھر تشریف لائے ”فصلی أربع رکعات“ گھر میں آپ نے چار رکعات پڑھیں۔

۱۳۹ وفي صحيح مسلم كتاب صلاة المسافرين وقصرها ، باب الدعاء في صلاة الليل وقيامه ، رقم : ۱۲۷۳ ، وسنن الترمذی كتاب الصلاة ، باب ما جاء في الرجل يصلي معه رجل ، رقم : ۲۱۵ ، وسنن النسائي كتاب الغسل والتميم ، باب الأمر بالوضوء من النوم ، رقم : ۳۳۸ ، وكتاب الامامة ، باب موقف الامام والمأموم صبي ، رقم : ۷۹۷ ، وكتاب التطبيق ، باب الدعاء في السجود ، رقم : ۱۱۰۹ ، وكتاب قيام الليل وتطوع النهار ، باب ما ذكر ما يستفتح به القيام ، رقم : ۱۶۰۲ ، وسنن ابی داؤد ، كتاب الطهارة ، رقم : ۵۳ ، وكتاب الصلاة ، باب السواك لمن قام من الليل ، رقم : ۵۱۶ ، ۱۱۳۸ ، ۱۱۵۱ ، ۱۱۵۷ ، ۱۱۵۸ ، ۱۱۶۰ ، ومسند احمد ، ومن مسند بنی هاشم ، باب بداية مسند عبد الله بن العباس ، رقم : ۲۰۵۶ ، ۲۱۳۳ ، ۲۳۱۱ ، ۲۳۵۸ ، ۲۳۶۸ ، ۳۰۰۳ ، ۳۰۲۶ ، ۳۱۰۱ ، ۳۱۳۱ ، ۳۱۵۳ ، ۳۲۹۹ ، ۳۳۱۰ ، ۳۳۲۲ ، وموطأ مالك ، كتاب الدعاء للصلاة ، باب صلاة النبی في الوتر ، رقم : ۲۳۵ ، وسنن الدارمی ، كتاب الصلاة ، باب مقام من يصلي مع الامام اذا كان وحده ، رقم : ۱۲۲۷ .

یہ چار رکعات صحیح قول کے مطابق عشاء کی سنتیں تھیں جن میں دو سنت مؤکدہ ہیں اور دو رکعتیں سنت غیر مؤکدہ ہیں، ”ثم قام“ پھر آپ ﷺ سو گئے ”ثم قام“ پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے یعنی آخری شب میں ”ثم قال“ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ”نام الغلیم أو كلمة تشبهها“ وہ غلیم سو گیا ”غلیم“ غلام کی تصغیر ہے اس سے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مراد ہیں کہ وہ لڑکا سو گیا۔

”ثم قام“ پھر آپ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے ”فقمتم عن يساره“ میں آپ کی بائیں طرف کھڑا ہو گیا ”فجعلني عن يمينه“ آپ ﷺ نے مجھے بائیں طرف سے ہٹا کر دائیں طرف کھڑا کیا ”فصلی خمس ركعات“ پھر آپ ﷺ نے پانچ رکعتیں پڑھیں ”ثم صلی ركعتين“ پھر اس کے بعد دو رکعتیں پڑھیں، یہاں پانچ رکعتوں کا ذکر ہے جبکہ اسی حدیث کے دوسرے طریق میں یہ ذکر ہے کہ چار رکعت آپ پہلے پڑھ چکے تھے اور پانچ یہ پڑھیں اور بعض روایات میں یہ ہے کہ چھ رکعتیں آپ پہلے پڑھ چکے تھے اور پانچ یہ پڑھیں اور آپ ﷺ کا عام معمول بھی گیارہ رکعتیں پڑھنے کا تھا، اس واسطے یہ روایت زیادہ صحیح ہے جس میں چھ رکعتوں کا ذکر ہے۔

اس روایت میں پانچ کا ذکر اس لئے ہے کہ چھ رکعتیں تو آپ ﷺ نے تسلسل کے ساتھ پڑھیں اس طرح کہ سلام پھیر کر پھر دو پڑھیں، پھر سلام پھیرا پھر دو پڑھیں، چھ رکعت پڑھنے کے بعد تھوڑا وقفہ کیا، وقفہ کرنے کے بعد پھر دو رکعتیں تہجد کی پڑھیں اور پھر تین رکعتیں وتر کی پڑھیں، یہ پانچ ہو گئیں اور کل گیارہ ہو گئیں اور جو بعد میں دو رکعتوں کا ذکر ہے وہ فجر کی سنتیں ہیں ”ثم قام“ پھر آپ ﷺ سو گئے، فجر کی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد ”حتى سمعت غطيطة أو خطيطة“ آپ سو گئے یہاں تک کہ میں نے آپ کے سانس کی آواز سنی۔

”غطيطة“ سانس کی اس آواز کو کہتے ہیں جو سوتے ہوئے انسان کے منہ سے نکلتی ہے، اس کو ”خطيطة“ بھی کہا جاتا ہے۔

آپ ﷺ کا یہ معمول تھا کہ فجر کی سنتوں کے بعد تھوڑی دیر آرام فرمایا کرتے تھے کیونکہ رات بھر کی نماز کے بعد تھکن ہو جایا کرتی تھی ”ثم خرج الى الصلاة“ پھر آپ ﷺ نماز کے لئے تشریف لے گئے۔

ترجمة الباب سے مناسبت

اس حدیث کا بظاہر ”باب السمر في العلم“ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے ”نام الغلیم“ فرمایا، یہ بھی رات کے وقت بات کرنا ہے اس سے انام بخاری رحمہ اللہ ”سمر في العلم“ پر استدلال کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن یہ اس لئے درست نہیں ہے کہ یہ چھوٹا سا کلمہ ہے جس کے اوپر ”سمر“ کا اطلاق نہیں ہوتا۔

رانج قول

صحیح بات یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ یہی حدیث کتاب التفسیر میں بھی لائے ہیں اور وہاں یہ ہے ”تحدث مع اہلہ ساعة“ اپنے گھر والوں سے کچھ دیر بات کی، وہاں ”سمر“ کا ثبوت ہوا، اگرچہ وہاں اس بات کی صراحت نہیں ہے کہ علم کی بات کی ہو لیکن دو طریقوں سے ”سمر فی العلم“ ثابت ہو سکتا ہے۔ ایک اس طرح کہ رسول کریم ﷺ جب اپنے اہل سے بھی کوئی بات کرتے تھے وہ بھی علم کی بات ہی ہوتی تھی، آپ ﷺ کا ہر قول و فعل علم ہے جس سے احکام شرعیہ مستنبط ہوتے ہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ جب آپ ﷺ نے عام دنیاوی باتیں کیں اور ان کو جائز قرار دیا تو علم کی بات کرنا بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔

(۴۲) باب حفظ العلم

علم کی باتوں کو یاد کرنے کا بیان

۱۱۸۔ حدثنا عبد العزيز بن عبد الله قال : حدثني مالك ، عن ابن شهاب ، عن الأعرج ، عن أبي هريرة قال : إن الناس يقولون : أكثر أبو هريرة ولولا آيتان في كتاب الله ما حدثت حديثا ثم يتلون ﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ ﴾ إلى قوله: ﴿ الرَّجِيمُ ﴾ [البقرة : ۱۵۹] إن إخواننا من المهاجرين كان يشغلهم الصفاق بالأسواق ، وإن إخواننا من الأنصار كان يشغلهم العمل في أموالهم ، وإن أبا هريرة كان يلزم رسول الله ﷺ لشبع بطنه ويحضر مالا يحضرون ، ويحفظ مالا يحفظون . [أنظر : ۱۱۹ ، ۲۰۴ ، ۲۳۵ ، ۳۶۳ ، ۴۳۵ ، ۴۵۰]

”عن ابی ہریرہ ؓ قال : ان الناس يقولون اكثر“ لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہ ؓ نے بہت زیادتی کر رکھی ہے یعنی ابو ہریرہ ؓ دوسرے صحابہ ؓ کے مقابلے میں بہت زیادہ حدیثیں سناتے ہیں۔ لوگوں کے اس اعتراض کے جواب میں انہوں نے فرمایا ”لولا آیتان فی کتاب اللہ“ اگر اللہ ﷻ کی کتاب میں دو آیتیں نہ ہوتیں تو ”ماحدثنا حدیثا“ میں کوئی حدیث بھی نہ سناتا کیونکہ حدیث سنانے کا معاملہ

۱۵۰۔ وفي صحيح مسلم ، كتاب فضائل الصحابة ، باب من فضائل أبي هريرة الدوسي ، رقم : ۴۵۳۷ ، ۴۵۳۹ ، وسنن ابن ماجه كتاب المقدمة ، باب من سئل عن علم فكمته ، رقم : ۲۵۸ ، ومسند أحمد ، باقي مسند الانصار ، باب مسند أبي هريرة رقم : ۶۹۷۶ ، ۴۳۸۰ ، ۸۰۵۷ .

بواسطین ہے، ذرا بھی غلطی ہو جائے تو وبال کا اندیشہ ہے، دو آیتیں ہیں جن کی وجہ سے میں حدیثیں سناتا ہوں۔
 ”ثم یصلو“ پھر یہ آیت تلاوت کی ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ﴾
 إلی قولہ : الرَّحِيمُ“ کہ وہ لوگ اس چیز کو چھپاتے ہیں جو ہم نے نازل کی یعنی ”بینات“ اور ”ہدی“ (آگے
 وعید مذکور ہے) تو اس آیت کریمہ کی وجہ سے میں حدیثیں سناتا ہوں تاکہ کہیں ”کتمان علم“ کے گناہ میں
 نہ پکڑا جاؤں۔

پھر فرمایا ”إِنْ إِيَّاهُمْ جَرَبْنَاهُمْ يُعْطُوا“ ہمارے بھائی جو مہاجر صحابہ
 تھے ان کو بازاروں میں سودا کرنے نے مشغول کر لیا تھا۔

”صفق“ صفق کی جمع ہے، اس کے لفظی معنی ہیں تالی بجانا، چونکہ جب کوئی بیع و شراء کا معاملہ کرتے تو
 تالی بجاتے تھے اس واسطے بیع و شراء کے معاملہ پر بھی صفق کا اطلاق ہونے لگا۔ تو فرمایا میرے مہاجر بھائی
 بازاروں میں تجارت کرنے اور سودے کرنے میں مشغول ہوتے تھے ”وإن إِيَّاهُمْ جَرَبْنَاهُمْ يُعْطُوا“ اور جو انصاری بھائی تھے ان کو ان کی جائیدادوں نے کام کرنے میں مشغول
 کر رکھا تھا، یعنی ان کے باغات تھے، کھیتی باڑی تھی وہ اس میں مشغول رہتے تھے، اس لئے ان کو حدیث سننے اور
 یاد کرنے کا موقع کم ملتا تھا۔

”وإن أبا هريرة كان يلزم رسول الله ﷺ ليشبع بطنه“ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے
 ساتھ لگا رہتا تھا، چمٹا رہتا تھا اپنی پیٹ بھرائی پر یعنی اس کو تجارت، زراعت سے کوئی دلچسپی نہیں، اس کو پیٹ بھر
 کر کھانا مل جائے اور وہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ رہے، جو کچھ آپ کو کرتا ہوا اور کہتا ہوا دیکھے اس کو یاد کرے۔
 ”ويحضر مالا يحضرون“ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس موقع پر حاضر رہتا تھا جب یہ لوگ حاضر نہیں ہوتے
 تھے ”ويحفظ مالا يحفظون“ اور اس چیز کو یاد کرتا تھا جس کو وہ یاد نہیں کرتے تھے۔

فرماتے ہیں اس واسطے میری حدیثیں زیادہ ہو گئیں، حالانکہ ان کو رسول کریم ﷺ کی زیادہ صحبت بھی نہیں
 ملی، مگر میں اسلام لائے، کل تین ساڑھے تین سال ان کو ملے لیکن چونکہ دن رات حضور اقدس ﷺ کے ساتھ
 رہتے تھے اور ہر حال میں حضور اقدس ﷺ کو دیکھتے رہتے تھے، اس واسطے ان کی حدیثیں زیادہ ہیں۔

۱۱۹۔ حدثنا أحمد بن أبي بكر أبو مصعب قال : حدثنا محمد بن إبراهيم بن دينار ،
 عن ابن أبي ذئب ، عن سعيد المقبري ، عن أبي هريرة قال : قلت : يا رسول الله إني أسمع
 منك حديثاً كثيراً أنساه ، قال : ((ابسط رداءك)) ، فبسطته ، قال : فغرف بيديه ، ثم قال :
 ((ضم)) ، فضمته ، فما نسيت شيئاً بعد . [راجع : ۱۱۸]

حدثنا إبراهيم بن المنذر قال : أخبرنا ابن أبي فديك بهذا ، أو قال : عرف

بیدہ فیہ ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں آپ سے بہت سی حدیثیں سنتا ہوں اور بھول جاتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ابسط رداءک“ اپنی چادر پھیلاؤ ”فبسطتہ“ میں نے چادر پھیلائی قال: ”فغرف بیدیہ“ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں میں کوئی چیز لیکر جیسے چلو میں کوئی چیز لیتے ہیں اس چادر میں ڈال دی۔

ثم قال: ”ضم“ پھر فرمایا کہ اس چادر کو لپیٹ لو ”فصممتہ“ میں نے وہ چادر لپیٹ لی ”فما نسیت شیاً بعد“ اس کے بعد میں کوئی چیز نہیں بھولا۔ یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مجرہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کے نتیجے میں اللہ جل جلالہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حافظہ میں قوت پیدا فرمادی، چنانچہ فرماتے ہیں میں اس کے بعد کوئی چیز نہیں بھولا۔

۱۲۰۔ حدثنا إسماعیل قال: حدثني أخی، عن أبي ذئب، عن سعيد المقبري، عن أبي هريرة، قال: حفظت عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم وعاءين، فأما أحدهما فبسته، وأما الآخر فلو بسته قطع هذا البلعوم . ۱۵۱

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو برتن یاد کئے تھے۔

”وعاءین“ وعاء برتن کو کہتے ہیں یعنی دو قسم کی حدیثیں یاد کی تھیں، ہر قسم کی حدیث کو ایک ”وعاء“ سے تعبیر کیا۔

”فأما أحدهما فبسته“ ان میں سے ایک یعنی ایک قسم کی حدیثیں تو میں نے پھیلا دی ہیں یا روایت کر دی ہیں ”وأما الآخر“ اور دوسری قسم کی جو حدیثیں ہیں ”فلو بسته قطع هذا البلعوم“ اگر میں ان کو پھیلا دوں تو میرا یہ زرخرہ کاٹ دیا جائے۔

”قال أبو عبد الله“ امام بخاری رحمہ اللہ تفسیر کرتے ہیں کہ ”بلعوم، مجرى الدم“ زرخرہ نہیں بلکہ وہ رگ یا نالی ہے جس کے ذریعہ کھانا اندر جاتا ہے، جس کو ”مری“ کہتے ہیں، یعنی وہ مری کاٹ دیا جائے۔ اس میں کلام ہوا ہے کہ یہ جو کہا ہے دوسری قسم کی حدیثیں وہ ہیں کہ اگر میں ان کو پھیلا دوں تو میرا گلا کاٹ دیا جائے ان سے کس قسم کی حدیثیں مراد ہیں؟ اور گلا کاٹنے کا کیا مطلب ہے؟

حضرات صوفیائے کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے طریقت کے حقائق و معارف مراد ہیں کیونکہ ان کا ظاہر کچھ اور ہوتا ہے اور باطنی معنی کچھ اور ہوتے ہیں، ظاہری معنی سے بعض اوقات یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید ارتداد یا کفر کی بات کہدی جالانکہ کفر کی بات مقصود نہیں ہوتی جیسے منصور نے ”انسا الحق“ کہہ دیا، اب ظاہراً یہ کفر کی بات تھی اگرچہ مقصود کفر نہیں تھا۔ اس طرح کی بہت سی باتیں ہوتی ہیں جن کو ظاہر میں کفر کی بات سمجھا جاتا ہے لیکن

حقیقت میں وہ کفر کی بات نہیں ہوتی۔

یہاں تک کہ باطنیہ نے اسی کو آگے بڑھا کر یہ استدلال کیا ہے کہ قرآن و سنت کے ایک ظاہری معنی ہوتے ہیں اور ایک باطنی معنی ہوتے ہیں، پھر انہوں نے اس پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھی کہ اصل مقصود ظاہری احکام نہیں ہیں بلکہ باطنی تعلیمات ہیں۔

بعض حضرات نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول کی یہ توجیہ کی ہے، لیکن زیادہ تر علماء اور محدثین نے فرمایا کہ یہ مراد نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ حدیثیں ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ کے متعلق ارشاد فرمائی ہیں اور ان میں یہ پیشگوئی فرمائی تھی کہ ایسے ایسے فتنے پیش آئیں گے اور ان میں بعض خاص خاص فتنوں کی صریح علامتیں بھی بیان فرمادی تھیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اس زمانہ میں تھے جس زمانہ میں یہ فتنے پیش آچکے تھے یعنی حجاج بن یوسف اور مروان بن حکم کا زمانہ، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا منشاء یہ ہے کہ فتنوں کی جو حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تھیں ان میں سے بعض واضح قرآن موجودہ امراء اور حکام کے بارے میں ہیں، اس لئے اب اگر میں وہ حدیثیں سناؤں تو یہ لوگ میرے دشمن ہو جائیں اور میرا گلا کاٹ دیں، اس حدیث کا یہ مطلب ہے۔

(۴۳) باب الإنصات للعلماء

علماء کی باتیں سننے کے لئے خاموش رہنے کا بیان

۱۲۱۔ حدثنا حجاج قال: حدثنا شعبة قال: أخبرني علي بن مدرک، عن أبي زرعة، عن جرير، أن النبي صلی اللہ علیہ وسلم قال له في حجة الوداع: استنصت الناس، فقال: ((لا ترجعوا بعدى كفارا يضرب بعضكم رقاب بعض)). [أنظر: ۴۴۰۵، ۶۸۶۹، ۱۵۲ [۷۰۸۰]

اس باب میں یہ بتانا مقصود ہے کہ جب علماء تعلیم یا تبلیغ کی کوئی بات کریں تو لوگوں کو چاہئے کہ وہ خاموشی سے سنیں، شور نہ رکیں۔ چنانچہ اس میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجة الوداع کے موقع پر ان سے فرمایا ”استنصت الناس“ لوگوں کو خاموش کراؤ، اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور یہ فرمایا اور یہ

۱۵۲ وفي صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب بيان معنى قول النبي لآلئرجعوا بعدى كفارا يضرب، رقم: ۹۸، وسنن الترمذی، كتاب تحريم الدم، باب تحريم القتل، رقم: ۴۰۶۲، وسنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب لا ترجعوا بعدى كفارا يضرب بعضكم رقاب بعض، رقم: ۳۹۳۲، ومسنند أحمد، أول مسند الكوفيين باب ومن حديث جرير بن عبد الله عن النبي، رقم: ۱۸۳۷۶، ۱۸۳۲۰، ۱۸۳۵۸، وسنن الدارمی، كتاب المناسك، باب في حرمة المسلم، رقم: ۱۸۳۰.

بھی فرمایا کہ ”لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض“۔

(۴۴) باب ما یستحب للعالم إذا سئل : آیا الناس أعلم ؟

فیکل العلم إلى الله

جب کسی عالم سے پوچھا جائے کہ تمام لوگوں میں زیادہ جاننے والا کون ہے؟

تو اس کے لئے مستحب ہے کہ اللہ ﷻ کی طرف اس کے علم کو حوالہ کر دے

اس باب میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ عالم کے لئے مستحب ہے کہ جب اس سے پوچھا جائے کہ سب سے زیادہ علم رکھنے والا کون ہے؟ تو وہ علم اللہ کے سپرد کرے یعنی یہ کہے کہ اللہ ﷻ ہی سب سے زیادہ بہتر جاننے والا ہے نہ یہ کہ خود دعویٰ کرے کہ میں ”أعلم“ ہوں۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ نقل کیا ہے جو پہلے بھی کئی مرتبہ گزرا ہے مگر یہاں ذرا تفصیل کے ساتھ ہے۔

۱۲۲۔ حدثنا عبد الله بن محمد قال : حدثنا سفيان قال : حدثنا عمرو قال

أخبرني سعيد بن جبير قال : قلت لابن عباس : إن نوحاً ألبكالي يزعم أن موسى ليس بموسى بنى إسرائيل ، إنما هو موسى آخر فقال : كذب عدو الله . حدثنا أبي بن كعب عن النبي ﷺ قال : ((قام موسى النبي ﷺ خطيباً في بنى إسرائيل ، فسئل : آیا الناس أعلم ؟ فقال : أنا أعلم ، فعتب الله عليه ، إذ لم يرد العلم إليه ، فأوحى الله إليه أن عبداً من عبادي بمجمع البحرين هو أعلم منك ، قال : رب ، وكيف لي به ؟ فقيل له : إحمل حوتا في مكنل فإذا فقدته فهو ثم ، فأنطلق وأنطلق بفتاه يوشع بن نون وحملاً حوتا في مكنل حتى كانا عند الصخرة وضعا رؤسهما وناما ، فأنسل الحوت من المكنل فاتخذ سبيله في البحر سرباً ، وكان لموسى وفتاه عجباً ، فأنطلقا بقية ليلتهما ويومهما ، فلما أصبح قال موسى لفتاه : آتنا غداءنا لقد لقينا من سفرنا هذا نصباً ، ولم يجد موسى منسا من النصب حتى جاوز المكنان الذي أمر به ، فقال له فتاه : أرايت إذ أرينا إلى الصخرة فإني نسيت الحوت ، قال موسى : ذلك ما كنا نبغي ، فارتدا على آثارهما قصصاً ، فلما أتيا إلى الصخرة إذا رجل مسجى بثوب ، أو قال : تسجى بثوبه ، فسلم موسى فقال الخضر : وأنى بارضك السلام ؟ فقال : أنا موسى ، فقال : موسى بنى إسرائيل ؟ قال : نعم ، قال :

هل أتبعك على أن تعلمني مما علمت رشداً ، قال : إنك لن تستطيع معي صبرا ،
يا موسى إني على علم من علم الله علمنيه ، لا تعلمه أنت ، وأنت على علم علمكه الله لا
أعلمه ، قال ستجدني إن شاء الله صابراً ولا أعصي لك أمراً ، فانطلقا يمشيان على
ساحل البحر ، ليس لهما سفينة فمرت بهما سفينة ، فكلموهم أن يحملوهما فعرف
الخنضر فحملوهما بغير نول ، فجاء عصفور فوقع على حرف السفينة فنقرنقرة أو نقرتين
في البحر ، فقال الخنضر : يا موسى ما نقص علمي و علمك من علم الله إلا كنقرة هذا
العصفور في البحر ، فعمد الخنضر إلى لوح من ألواح السفينة فنزعه ، فقال موسى : قوم
حملونا بغير نول عمدت إلى سفينتهم فخرقتها لتغرق أهلها ؟ قال : ألم أقل : إنك لن
تستطيع معي صبرا ؟ قال : لا تؤاخذني بما نسيت ، فكانت الأولى من موسى نسيانا ،
فانطلقا فإذا غلام يلعب مع الغلمان فأخذ الخنضر برأسه من أعلاه فاقتلع رأسه بيده فقال
موسى : أقتلت نفساً زكية بغير نفس ؟ قال : ألم أقل لك : إنك لن تستطيع معي
صبرا ؟ قال ابن عيينة : وهذا أوكد ، ((فانطلقا حتى أتيا أهل قرية استطعما أهلها فأبوا
أن يضيفوهما ، فوجدا فيها جداراً يريد أن ينقض ، قال الخنضر بيده ، فأقامه ، قال موسى :
لو شئت لا اتخذت عليه أجراً ؟ قال : هذا فراق بيني وبينك)) ، قال النبي ﷺ : ((يرحم
الله موسى ، لو ددنا لو صبر حتى يقص علينا من أمرهما)) . [راجع : ۷۴]

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ
نوف البکالی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جن کا ذکر قرآن کریم میں حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ آیا ہے ”لیس
بموسى بنی اسرائیل“ وہ بنی اسرائیل والے موسیٰ نہیں تھے ”انما هو موسى آخر“ بلکہ وہ کوئی دوسرے
موسیٰ تھے۔

”نوف البکالی“ [بفتح الباء وکسرھا وتخفف الکاف] یہ شام کے اندر ایک عالم تھے ، اور حافظ
ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ یہ کعب الاحبارؒ کے ریب تھے ، ان کے پاس اہل کتاب وغیرہ کی کچھ روایتیں آ جاتی تھیں
یعنی اسرائیلیات ، تو اسرائیلیات کی وجہ سے وہ یہ سمجھے ہوں گے کہ جس موسیٰ کا ذکر قرآن میں حضرت خضر علیہ السلام
کے ساتھ ہے وہ معروف موسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں ، جن کافر عوں سے مقابلہ ہوا تھا بلکہ یہ کوئی دوسرے موسیٰ ہیں۔

فقال : ”کذب عدو الله“ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ جل جلالہ کے دشمن نے جھوٹ
پولا۔ یہاں نوف البکالی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ یہ موسیٰ وہ موسیٰ نہیں ہیں بلکہ کوئی اور ہیں۔ بعض
روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پوتہ موسیٰ بن یثا کو اس واقعے کا مصداق

قراردیدیتے تھے اور پیچھے صفحہ نمبر ۷ پر جو حدیث آئی ہے اس میں ان کے اور حربن قیس فزاری کے درمیان موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی کے بارے میں اختلاف ہوا، جن کے پاس موسیٰ علیہ السلام گئے تھے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ وہ خضر ہیں اور حربن قیس فزاری نے کہا تھا کہ وہ کوئی اور ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس دو قسم کے اختلاف آئے تھے، ایک تو نوف البرکالی کا قول کہ یہ موسیٰ وہ موسیٰ نہیں جو پیغمبر ہیں اور دوسرا حربن قیس فزاری کا قول کہ وہ کہتے تھے جن کے پاس موسیٰ علیہ السلام گئے تھے وہ حضرت خضر علیہ السلام نہیں تھے بلکہ کوئی اور تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ”کذب عندو اللہ“ یہاں ”کذب“ ”اخطا“ کے معنی ہے یعنی اللہ جل جلالہ کے دشمن غلطی کیا ہے۔

عدو اللہ کا مطلب

یہاں ”عدو اللہ“ کا لفظ استعمال کیا، اس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ نوف البرکالی مسلمان نہیں تھے، لیکن یہ بات صحیح نہیں، کیونکہ نوف البرکالی کا مسلمان ہونا مسلم ہے۔

ہوتا یہ ہے کہ بعض اوقات کسی مسئلہ میں اختلاف ہوتا ہے اور کوئی غلط بات پہنچتی ہے تو اس وقت جوش میں زبان سے اس قسم کے کلمات نکل جاتے ہیں، یہ لفظ بھی اسی طرح نکل گیا ہے اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو ان کی صحت اسلام میں شک تھا، چنانچہ انہوں نے حربن قیس کے بارے میں اس قسم کے الفاظ استعمال نہیں فرمائے حالانکہ اختلاف ان سے بھی تھا، لیکن یہ کچھ ضروری نہیں، کیونکہ حربن قیس سے اختلاف دوسری نوعیت کا تھا، وہ یہ کہتے تھے کہ جن صاحب کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام گئے تھے وہ حضرت خضر علیہ السلام نہ تھے، اور چونکہ قرآن کریم میں حضرت خضر علیہ السلام نام کی صراحت نہیں ہے، اس لئے یہ اختلاف اتنا سنگین نہ تھا، اس کے برخلاف نوف البرکالی سے جو اختلاف تھا وہ زیادہ سنگین تھا، کیونکہ قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نام کی صراحت ہے۔ ۱۵۳

”حدثنا أبي بن كعب“ ہمیں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنائی ہے کہ

۱۵۳ قال ابن التين : لم يرد ابن عباس اخراج نوف عن ولاية الله ، ولكن قلوب العلماء تنفر اذا سمعت غير الحق ، فيطلقون امثال هذا الكلام لقصد الزجر والتحذير منه وحقيقته غير مرادة ، قلت : ويجوز أن يكون ابن عباس اتهم نونا في صحة اسلامه ، فلماذا لم يقل في حق الحربن قيس هذه المقالة ما تواردهما عليها . واما تكذيبه فيستفاد منه أن للعالم اذا كان عنده علم بشئ فسمع غيره يذكر فيه شيئا بغير علم أن يكذبه ونظيره قوله صلى الله عليه و كذب أبو السنا بل أي أخبر بما هو باطل في نفس الأمر ، فتح الباری ، ج : ۱ ، ص : ۲۱۹ ، وذكره العيني في العمدة : وحال الغضب تطلق الالفاظ ولا يراد بها حقا نقها ، ج : ۲ ، ص : ۲۷۲ .

”قام موسى النبي صلى الله عليه وسلم خطيباً في بني اسرائيل“
 موسیٰ جو پیغمبر تھے وہ نبی اسرائیل کے درمیان خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ سے پوچھا
 گیا ”ای الناس أعلم؟“ اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ علم رکھنے والا کون ہے؟
 انہوں نے فرمایا:

”أنا أعلم“ میں سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہوں، اور یہ جواب اس لحاظ سے غلط بھی نہیں تھا کہ اس
 وقت موسیٰ علیہ السلام ہی جلیل القدر پیغمبر تھے اور پیغمبر کے پاس جتنا علم ہوتا ہے اتنا علم دنیا میں کسی کے پاس نہیں ہوتا۔
 لیکن ”فعتب الله عليه“ اللہ جلّ جلالہ ناراض ہوئے، اللہ جلّ جلالہ نے موسیٰ علیہ السلام پر عتاب فرمایا ”اذ لم
 يرد العلم اليه“ کیونکہ انہوں نے علم اللہ جلّ جلالہ کی طرف حوالہ نہیں کیا تھا یعنی انہیں یہ کہنا چاہئے تھا کہ اللہ جلّ جلالہ
 ہی بہتر جانتا ہے کہ دنیا میں کون زیادہ علم رکھنے والا ہے؟ لیکن انہوں نے یہ نہیں کہا اس لئے اللہ جلّ جلالہ نے ان پر
 عتاب فرمایا، یہ ”حسنات الأبرار سيئات للمقربين“ والی بات ہے کہ انہوں نے کوئی گناہ کی بات نہیں کی
 تھی لیکن ان کے مرتبہ کے شایان شان یہ بات تھی کہ وہ خود کہنے کے بجائے معاملہ کو اللہ جلّ جلالہ کے سپرد کر دیتے۔
 ”فاوحى الله اليه“ اللہ جلّ جلالہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ

”أن عبدان عبادى بمجمع البحرين هو أعلم منك“۔

کہ میرے بندوں میں سے ایک بندہ اس جگہ پر ہے جہاں دو سمندر مل رہے ہیں وہ آپ سے زیادہ علم
 رکھنے والا ہے۔

مجمع البحرين سے کیا مراد ہے؟

یہ مجمع البحرین کون سا ہے، اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں جن میں سے بعض اقوال جغرافیائی
 حالات پر منطبق نہیں ہوتے، مثلاً بعض نے کہا کہ بحر فارس اور بحر روم مراد ہیں، لیکن بحر فارس اور بحر روم کہیں جا کر
 ملتے ہی نہیں ہیں، لہذا وہاں مجمع البحرین کہنا ممکن ہی نہیں ہے۔

کسی نے کہا کہ یہ فرات کی کوئی جگہ ہے، حالانکہ فرات سمندر ہی نہیں ہے بلکہ دریا ہے، دوسری بات یہ
 ہے کہ فرات کا تعلق موسیٰ علیہ السلام کی جگہ سے نہیں ہے۔

اس میں صحیح اور محقق بات یہ ہے کہ مجمع البحرین، خلیج عقبہ ہے جو مصر اور اردن کے درمیان ہے، بحر احمر
 آگے جا کر بحر روم میں گر رہا ہے اور اس سے پہلے خلیج عقبہ آتی ہے، تو خلیج عقبہ کا وہ حصہ جہاں آگے جا کر خلیج بحر احمر
 کے ساتھ مل رہی ہے اس کو مجمع البحرین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ تو فرمایا کہ مجمع البحرین کی جگہ پر میرا ایک بندہ ہے
 جو ”أعلم منك“ آپ سے زیادہ علم رکھنے والا ہے۔

قال: ”رب، وكيف لي به؟“ موسى عليه السلام نے کہا کہ اے اللہ! میں ان تک کیسے پہنچوں؟
 ”ققليل له“: آپ سے کہا گیا ”احمل حوتافي مکتل“ کہ ایک مچھلی اٹھا کر لے جاؤ چھکرے
 (ٹوکری) میں۔

”فاذا فقدته فهو ثم“ جب تم اس مچھلی کو گم کر دو تو وہ شخص وہیں پر ہوں گے۔
 ”فانطلق وانطلق بفتاه يوشع بن نون“ پس موسیٰ علیہ السلام چلے اور ان کے ساتھ ان کے نو جوان
 ساتھی یوشع بن نون علیہ السلام بھی چلے، جو بعد میں خود بھی پیغمبر ہوئے۔
 ”وحملوا حوتافي مکتل حتى كانا عند الصخرة“ یہاں تک کہ دونوں ایک چٹان کے
 پاس پہنچ گئے ”وضعا رؤوسهما ونا ما“ انہوں نے اپنا سر زمین پر رکھا اور سو گئے۔

”فانسل الحوت من المکتل“ مچھلی ٹوکری سے کھسک کر چلی گئی، ”فانخذ سبيله في
 البحر سربا“ اس نے سمندر میں جانے کیلئے اپنا راستہ بنالیا ”سربا“ اگر یہ ”سرب يسرب“ سے مصدر ہو تو
 اس کا معنی ہے جانا اور اگر اسم ہو تو پھر اس کا معنی ہے سرنگ، تو دونوں معنی ہو سکتے ہیں کہ اس نے سمندر میں جانے
 کے لئے اپنا راستہ بنالیا اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اس نے سمندر کے اندر ایک سرنگ سی بنالی اور چلی گئی۔
 ”وكان لموسى وفتاه عجبا“ اور یہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی کے لئے تعجب کا واقعہ تھا۔
 ”فانطلقا بقية ليلتهما ويومهما“ اور دونوں بقیہ رات اور اگلے دن چلتے رہے ”فلما أصبح“
 جب صبح کا وقت ہوا ”قال موسى لفتاه“ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھی سے کہا ”آتنا غداءنا“ بھائی ہمارا ناشتہ
 لاؤ ”لقد لقينا من سفرنا هذا نصبا“ ہم سفر کے اندر بہت تھک گئے۔

”ولم يجد موسى مسامنا من النصب“ اور موسیٰ علیہ السلام کو تھکن کا کوئی حصہ نہیں پہنچا ”حتى جاوزا
 المكان الذي أمر به“ پہلے تھکن کا احساس نہیں ہوا لیکن جب اس جگہ سے آگے بڑھ گئے جس جگہ کا حکم دیا گیا
 تھا تو پھر تھکن کا احساس ہوا۔

”فقال له فتاه“ اس وقت ان کے ساتھی نے کہا، ”أرايت اذ أوبنا إلى الصخرة فاني نسيت
 الحوت“ یاد رکھئے۔ جب ہم نے اس چٹان کے اوپر ٹھکانہ بنالیا تھا یعنی آرام کیا تھا تو میں اس وقت مچھلی کو بھول گیا۔
 اب یہ عجیب بات ہے کہ یوشع بن نون نے دیکھا کہ مچھلی سمندر میں چلی گئی ہے اور پہلے سے یہ بات بھی
 معلوم تھی کہ وہی جگہ مطلوب ہے جہاں مچھلی گم ہوگئی اس کے باوجود بیدار ہو کر چلنا شروع کر دیا اور موسیٰ علیہ السلام کو
 یہ بتانا بھول گئے کہ مچھلی اس جگہ غائب ہوگئی ہے اور ساری رات اور دن چلتے رہے، جب پوچھا تب یاد آیا، کیونکہ
 یہ تکوینی امور ہیں، بظاہر تو ایک انسان کا فطری رد عمل یہ ہونا چاہئے تھا کہ جو نبی گم ہوئی موسیٰ علیہ السلام کو بتا دیتے، اس
 وقت اگر موسیٰ علیہ السلام سو رہے تھے تو بیدار ہونے پر بتا دیتے لیکن سب بھول گئے، کیونکہ اللہ جل جلالہ کو تکوینی طور پر یہی

منظور تھا کہ اس طرح تھوڑی سی مشقت میں مبتلا کیا جائے، مشقت کے بعد جو چیز حاصل ہوتی ہے اس کی قدر زیادہ ہوتی ہے اس لئے وہ بھول گئے۔

”قال موسیٰ“ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ”ذلک ما کنا نبغی فارتدا علی آثارہما قصصا“ یہ تو وہی چیز ہے جو ہم تلاش کر رہے تھے، چنانچہ وہ اپنے نقش قدم پر واپس لوٹے۔

”فلما آیتا الی الصخرة“ جب وہ اس چٹان کے پاس واپس پہنچے ”اذا رجل مسجی بثوب“ اچانک دیکھا کہ ایک شخص کپڑوں سے لپٹا ہوا بیٹھا ہے ”او قال تسجی بثوبہ ، مسجی بثوب“ کہا ”یا تسجی بثوبہ“ کہا۔

”فسلم موسیٰ“ موسیٰ علیہ السلام نے سلام کیا ”فقال الخضر ، وانی بارضک السلام ؟“ خضر علیہ السلام نے کہا، تمہاری زمین پر سلام کہاں سے آیا ہے یعنی جس جگہ یہ واقعہ پیش آ رہا تھا وہ ساری جگہ کفار کے قبضہ میں تھی، وہاں کوئی مسلمان بھی نہیں تھا، اس لئے خضر علیہ السلام کو تعجب ہوا کہ کون آدمی ہے جو آکر سلام کر رہا ہے؟

فقال : ”انا موسیٰ“ انہوں نے کہا میں موسیٰ ہوں، فقال : ”موسیٰ بنی اسرائیل ؟“ پوچھا، بنی اسرائیل کے موسیٰ؟

”قال : نعم ، قال : ہیل التبعک علی ان تعلمنی مما علمت رشدا ، قال انک لن تستطیع معی صبرا ، یا موسیٰ انی علی علم من علم اللہ علمنیہ ، لا تعلمہ انت“

اے موسیٰ! میرے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسا علم ہے جو اس نے مجھے سکھایا ہے وہ تم نہیں جانتے ”وانت علی علم علمک اللہ لا اعلمہ“ اور تمہارے پاس ایسا علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھایا ہے میں اس کو نہیں جانتا، یعنی آپ کے پاس تشریحات کا علم ہے اور میرے پاس تکوینیات کا علم ہے۔

”قال : سجدنی ان شاء اللہ صابر او لا اعصي لک امرًا فانطلقا یمشیان علی ساحل البحر لیس لهما سفینة“ کنارہ پر چلتے رہے کہ کشتی نہیں تھی، ”فمرت بہما سفینة“، ان کے پاس سے ایک کشتی گزری۔

”فکلموہم ان یحملوہما“ ان سے بات کی کہ ہمیں بھی سوار کرلو ”فعرف الخضر“ حضرت خضر علیہ السلام پہچان لئے گئے، یعنی کشتی والوں نے حضرت خضر علیہ السلام کو پہچان لیا۔

”فحملوہما بغیر نول“ تو ان کو بغیر اجرت کے سوار کر لیا ”فجاء عصفور“ جب کشتی چلی گئی تو ایک چڑیا آئی ”فوقع علی حرف السفینة“ اور کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی ”فنقر نقرۃ او نقرتین فی البحر“ اس نے سمندر کے اندر چونچ ماری، ایک چونچ یا دو چونچیں۔

”فقال الخضر“ حضرت خضر علیہ السلام نے کہا ”یا موسیٰ ما نقص علمی و علمک من علم

اللہ الا کثرة هذا العصفور فی البحر“ میرا اور تمہارا علم مل کر اللہ ﷻ کے علم کے ساتھ وہ نسبت نہیں رکھتا جتنی نسبت اس چڑیا نے چونچ مار کر سمندر سے پانی کا جو قطرہ لیا ہے اس قطرہ کو پورے سمندر سے ہے۔

”مانقص“ کا ترجمہ تو یہ ہے کہ نہیں کم کیا میرے اور تمہارے علم نے اللہ ﷻ کے علم سے، حالانکہ کوئی چیز کم نہیں کر سکتی۔ لیکن مطلب یہ ہے کہ میرے اور تمہارے علم کو اللہ ﷻ کے علم سے وہ نسبت بھی نہیں ہے جو اس پانی کے قطرہ کو پورے سمندر سے ہے۔

”فعمد الخضر الی لوح من الواح السفینة“ حضرت خضر علیہ السلام کشتی کے تختوں میں سے ایک تختہ کی طرف آگے بڑھے ”فزعہ“ اس کو نکال دیا۔

”فقال موسیٰ“ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ”قوم حملونا بغیر نول“ یہ بے چارے وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں بغیر اجرت کے سوار کر لیا ”عمدت الی سفینتهم فخرقتها“ آپ نے ان کی کشتی کی طرف ارادہ کر کے اس کو توڑ ڈالا ”لتفرق اهلها؟“ تاکہ کشتی والے ڈوب کے مر جائیں؟

”قال: ألم اقل انک لن تستطيع معی صبرا؟“

”قال: لا تاخذنی بمانسیت ولا ترهقنی من امری عسرا، فکانت الا ولی من موسیٰ نسیانا“ یعنی موسیٰ یہ بھول گئے تھے کہ میں یہ وعدہ کر چکا ہوں کہ کوئی سوال نہیں کروں گا۔

”فانطلقا“ آگے بڑھے، ”فاذا غلام یلعب مع الغلمان فاخذ الخضر برأسه من اعلاه فافتلع رأسه بیده“ حضرت خضر علیہ السلام نے اس کو اوپر سے پکڑا اور اپنے ہاتھ سے اس کا سر اکھاڑ لیا۔

”فقال موسیٰ: اقلعت نفسا زکیة بغیر نفس“ موسیٰ علیہ السلام نے کہا، ایک معصوم جان کو بغیر کسی جان کے قتل کر دیا۔

”قال: ألم اقل لک انک لن تستطيع معی صبرا؟ قال ابن عیینہ: وهذا او کد“ ابن عیینہ کہتے ہیں اس مرتبہ زیادہ مؤکد جملہ کہا کیونکہ پہلے صرف ”قال ألم اقل“ کہا تھا اب ”الم اقل لک“ کہا، جو زیادہ مؤکد ہے۔

”فانطلقا“ پھر آگے بڑھے ”حتی اتیا اهل قرية استطعما اهلها فابوا ان یضیفوهما، فوجدا فیها جدرا یریدان ینقض قال الخضر بیده، فاقامه“ حضرت خضر علیہ السلام نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اس کو سیدھا کر دیا۔

قال موسیٰ: لو شئت لا اتخذت علیه اجرا؟ قال هذا فراق بینی و بینک۔ قال النبی ﷺ: یرحم اللہ موسیٰ، لو ددنا لو صبر حتی یقص علینا من امرهما: کہ اللہ ﷻ پر رحم فرمائے، ہماری خواہش تھی کہ اگر وہ صبر کرے یہاں تک کہ ہمیں اور

واقعات بیان کئے جاتے ان دونوں کے معاملات میں یعنی حضرت خضر علیہ السلام اس واقعہ میں اور کیا کیا کرتے، ہمیں اس حقیقت کا پتہ لگ جاتا۔

یہ حدیث یہاں یہ بتانے کے لئے لائے ہیں کہ کسی آدمی کو یہ نہیں کہنا چاہئے کہ میں ”أعلم الناس“ ہوں، جب کبھی یہ سوال کیا جائے تو معاملہ اللہ ﷻ کے سپرد کرے کہ اللہ ﷻ ہی بہتر جاننے والے ہیں۔

علم تشریحی اور علم تکوینی

یہاں موسیٰ علیہ السلام کو یہ سبق دیا گیا کہ انہوں نے کہا تھا میں ”أعلم الناس“ ہوں، حالانکہ علم کی ایک وادی ایسی ہے کہ اس کا آپ کو پتہ ہی نہیں ہے اور وہ وادی علم تکوینی ہے۔

اگرچہ دونوں میں انسان کے لحاظ سے علم تشریحی افضل ہے کیونکہ تکوینی کا انسان مکلف ہی نہیں ہے، لہذا اگر دونوں میں موازنہ کیا جائے تو موسیٰ علیہ السلام کا علم افضل تھا، لیکن بتایا یہ ہے کہ انسان کتنا ہی علم حاصل کرے اس کو اپنے علم پر ناز نہ ہونا چاہئے۔ اسی سے معرفت کا بہت بڑا دروازہ بھی کھول دیا گیا کہ اس کائنات میں آپ جو کچھ دیکھ رہے ہیں اس کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور اس کے پیچھے اللہ ﷻ کی حکمت ہوتی ہے، ظاہر کے اعتبار سے اگر کوئی چیز آپ کو بری نظر آ رہی ہے تو اللہ ﷻ کی حکمت بالغہ کے کارخانہ میں کوئی عمل حکمت سے خالی نہیں ہوتا، یہاں تک کہ کافر جو کفر کر رہے ہیں یہ بھی اللہ ﷻ کی مشیت ہی سے ہو رہا ہے، کارخانہ عالم میں جو غلط کام ہو رہے ہیں، وہ بھی سب کام اللہ ﷻ کی مشیت تکوینی کے ماتحت ہو رہے ہیں جب کہ تم ان کی حکمتوں سے باخبر نہیں ہوتے، اس واسطے بعض اوقات کفران نعمت کر بیٹھتے ہو، اللہ ﷻ کی حکمت بالغہ کے تحت سب کام ٹھیک ہو رہے ہیں۔

یہ ساری بات کیا ہے؟ یہ سب دوسو سے کیوں آتے ہیں؟ اس لئے کہ ہم ان باتوں میں غور و خوض کرتے ہیں، جو ہماری عقل سے ماوراء ہیں، بیجاری چھوٹی سی عقل اپنے مفادات کے دائرہ میں رہ کر سوچتی ہے، جہاں سے پوری کائنات کا نظام کنٹرول ہو رہا ہے اس کے لحاظ سے دیکھیں کہ دنیا کے مجموعی مسائل کیا ہیں؟ اسی طرح ڈاکٹر کسی مریض کا آپریشن کرتا ہے، مریض چیختا چلاتا ہے، اب جس شخص کو یہ علم نہ ہو کہ آپریشن کیا چیز ہوتی ہے اور یہ کیوں کیا جاتا ہے وہ ڈاکٹر کو بہت بڑا ظالم سمجھے گا کہ مریض چیخ رہا ہے اور یہ پھر بھی اس کے ساتھ ایسی ظالمانہ حرکت کر رہا ہے، کیونکہ اس کو آپریشن کی حقیقت کا علم نہیں ہے۔

اور جس شخص کو آپریشن کی حقیقت کا علم ہے وہ چیخ بھی رہا ہے، چلا بھی رہا ہے اور ساتھ ساتھ ڈاکٹر کا احسان مند بھی ہو رہا ہے اس کو پیسے بھی دے رہا ہے کہ مجھے چیرنے پھاڑنے کی یہ تیری اجرت ہے کیونکہ اس کو حقیقت کا علم ہے۔

تو اس کائنات میں جتنے ایسے واقعات ہوتے ہیں جن کی مصلحت ہمارے سامنے نہیں ہوتی، ان کے

بارے میں اس قسم کے وساوس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ۱۵۴

ایک عجیب واقعہ

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر میں ”دب العالمین“ کی تفسیر کرتے ہوئے ایک بزرگ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ ایک دن دریا کے کنارے جا رہے تھے، سامنے دیکھا کہ ایک بچھو جا رہا ہے، فرماتے ہیں کہ میرے دل میں خیال آیا کہ اللہ ﷻ نے جو بھی مخلوق پیدا کی ہے وہ کسی نہ کسی مصلحت کے تحت کی ہے اور اس کائنات کے اندر جو بھی عمل ہو رہا ہے کسی نہ کسی حکمت کے تحت ہو رہا ہے، آج میں دیکھوں گا کہ یہ بچھو کہاں جاتا ہے، کیا کرتا ہے، چنانچہ میں نے اس کا تعاقب شروع کر دیا، آگے آگے بچھو پیچھے پیچھے میں، چلتے رہے چلتے رہے، آگے ایک جگہ آئی جہاں سے بچھو نے اپنا رخ دریا کی طرف کر دیا اور دریا کے کنارے کھڑا ہو گیا، میں بھی کھڑا ہو گیا، تھوڑی دیر بعد دیکھا کہ دریا میں ایک کچھو ابھتا ہوا آ رہا ہے اور کنارہ پر آ کر کھڑا ہو گیا، بچھو اس کی پشت پر سوار ہو گیا۔

میں نے کہا اللہ ﷻ نے اس کے لئے کشتی بھیج دی، اب وہ کچھو اس کو لے کر چلا، چونکہ میں نے تہیہ کیا ہوا تھا کہ آج میں دیکھوں گا کہ یہ کیا کرتا ہے، اس لئے میں نے بھی ایک کشتی پکڑ لی تاکہ دیکھوں کچھو اس کو کہاں لے کر جاتا ہے؛ کچھو اس کو لے کر چلتا رہا یہاں تک کہ دریا کے دوسرے کنارہ پر پہنچ گیا اور کنارہ کے ساتھ لگ گیا، بچھو اس سے اچھل کر دوسرے کنارہ پر اتر گیا، میں نے کشتی روک دی اور میں بھی اتر گیا، اب وہ چلا، میں بھی اس کے پیچھے چلنے لگا۔

چلتے چلتے دیکھا کہ سامنے ایک درخت ہے اس کے نیچے ایک آدمی سو رہا ہے، میں نے سوچا کہ اب یہ بچھو اس کو کاٹے گا لیکن میں نے دیکھا کہ اچانک اس سونے والے شخص پر ایک سانپ حملہ آور ہوا، سانپ اپنا پھن کھڑا کر کے اس کو ڈسنے ہی والا تھا کہ اتنے میں یہ بچھو پہنچ گیا اور اس نے سانپ کو ڈس لیا، سانپ تیوری کھا کر زمین پر گر پڑا۔

بچھو اس سانپ کو زمین پر گرا کر جانے لگا اتنے میں اس آدمی کی آنکھ کھل گئی، اس نے دیکھا کہ میرے قریب سے بچھو جا رہا ہے پتھر اٹھا کر بچھو کو مارنا چاہا، میں نے جا کر ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ یہ بچھو تیرا بڑا محسن ہے اگر یہ نہ ہوتا تو آج تو موت کے گھاٹ اتر گیا ہوتا، پھر میں نے اس آدمی کو سارا واقعہ سنایا کہ اللہ ﷻ نے اس کو کہاں

۱۵۴۔ وفي قصة موسى والخضر من الفوائد أن الله تعالى يفعل في ملكه ما يريد، ويحكم في خلقه بما يشاء مما ينفع أو يضر، فلا مدخل للعقل في المعالاة ولا معارضة لأحكامه، بل يجب على الخلق الرضا والتسليم، فإن إدراك العقول لاسرار الربوبية فلا يتوجه على حكمه لما ولا كيف، كما لا يتوجه عليه في وجوده أين وحيث... الخ، فتح الباری، ج: ۱، ص: ۲۲۱.

سے بھیجا اور سانپ سے تیری حفاظت فرمائی۔

واقعہ بیان کر کے وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ یہ تو آدھا گھنٹہ یا ایک گھنٹہ میں نے اس بچھوکا تعاقب کیا، اس کے نتیجے میں اتنی بات پتہ لگ گئی، اب آگے کیا کرے گا؟ ساری عمر کوئی اس کا تعاقب نہیں کر سکتا، جو شخص سو رہا تھا وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ مجھے کاٹ لے گا اس لئے اس کو مارنے کے لئے دوڑ پڑا تھا۔

اب وہ سانپ کیوں آیا؟ اس نے ڈسنے کا اقدام کیوں کیا؟ اس کے پیچھے کیا کیا حکمتیں ہیں؟ کیا فلسفہ ہے اس کی کوئی تحقیقات نہیں کر سکتا، اس کا تعلق تکوینیات سے ہے اور تکوینیات کا جو کارخانہ چل رہا ہے وہ دراصل انسان کی عقل سے ماوراء چیز ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں اللہ جل جلالہ کو اس کی ایک جھلک دکھانا مقصود تھی کہ ہمارے تکوینیات کے نظام کی بھی ایک جھلک دیکھ لو کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے، باقی اس کی پوری حقیقت سمجھنا تمہارے بس کا کام نہیں ہے، تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ اپنی تشریعیات میں لگے رہو اور اسی کے مطابق عمل کرو۔

اس لئے علمائے کرام نے فرمایا کہ خضر علیہ السلام نے بچے کو جو اس نیت سے قتل کیا کہ یہ بڑا ہو کر کافر بنے گا اس نیت سے بھی قتل کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے کہ نابالغ بچے کو اس بنا پر قتل کر دیا جائے، جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ دیکھا کہ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے تو سمجھ گئے کہ ان کے ساتھ چلنا میرے بس کا کام نہیں ہے یہ دوسرے عالم کا آدمی ہے میں ان کے ساتھ چل کر برداشت نہیں کر سکتا، لہذا اس وقت یہ کہہ دیا کہ اگر دوسرا کوئی واقعہ پیش آیا تو میرے بس سے باہر ہے، میں آپ کے ساتھ نہیں چل سکتا، جو مقصد تھا وہ حاصل ہو گیا، پتہ چل گیا کہ یہ بھی ایک دنیا ہے اور یہ بھی ایک عالم ہے جس کے ہم مکلف نہیں ہیں، اگر یہ تکوینیات کا علم جو آپ کو حاصل ہے مجھے بھی حاصل ہو گیا تو میرے کام کا نہیں ہے کیونکہ میں تشریعیات کا مکلف ہوں، چنانچہ فرمایا ”ان سالتک عن شیء بعدھا فلا تصاحبنی“۔

تیسری بار جب دیوار کا واقعہ پیش آیا تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا ”لو شئت لاتبعدت علیہ اجرًا“ یہ سوچ کر کہا تھا کہ ان کے ساتھ چلنا میرے بس کی بات نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ آگے نہیں چلے۔ اسی میں یہ سبق دینا مقصود ہے کہ کائنات میں جو واقعات پیش آرہے ہیں ان کی حکمت اور مصلحت کے بارے میں تجسس میں پڑنا یہ تمہارے بس کا کام نہیں ہے۔

نظام تکوینیات

کہتے ہیں کہ یہ نظام جو حضرت خضر علیہ السلام سے چلا تھا اللہ جل جلالہ کی طرف سے کائنات میں اس کا پورا نظام ہے، اس کا قرآن و سنت میں تو کوئی ثبوت نہیں لیکن بہت سے صوفیائے کرام رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ ہماری ایسے لوگوں سے ملاقات ہوئی جو تکوینیات پر مامور ہیں، جن کو صوفیائے کرام کی اصلاح میں اصحاب خدمت کہا جاتا

ہے، دیکھنے میں وہ پاگل سے نظر آتے ہیں لیکن اللہ ﷻ کی طرف سے ان کو کچھ تکوینیات سپرد ہوتی ہیں اور حضرت نظر الطیب کے واقعہ کے پیش نظر ان کا وجود کچھ بعید نہیں ہے۔

ایک واقعہ

ہمارے ہاں آرام باغ میں ایک مجذوب تھا جو دیوانگی کی حالت میں رہتا تھا، ایک مرتبہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو فجر کے وقت میرے بھائی مسجد میں گئے تو مسجد سنسان تھی، دیکھا کہ وہ پر جوش انداز میں تقریر کر رہا ہے اور لیاقت علی خان پر غصہ ہو رہا ہے کہ تو نے یہ کیا وہ کیا، اب میری طرف سے تم سے سب کام سلب کر لئے گئے، اسی دن اس کو راولپنڈی میں گولی مار دی گئی اور وہ شہید ہو گئے۔

تو قرآن و سنت میں نہ اس قسم کے واقعات کا ثبوت ہے اور نہ ان پر نکیر ہے، لیکن حضرت خضر کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر اس طرح کا کوئی نظام اللہ ﷻ نے الگ سے مقرر کیا ہوا ہو تو کچھ بعید نہیں ہے، لیکن نہ اصحاب خدمت پر ایمان لانا ضروری ہے، نہ اس کی اتباع ضروری ہے، نہ اس کو صحیح سمجھنا ضروری ہے۔

سوال: جس وقت مچھلی نے سمندر میں راستہ بنایا اس وقت موسیٰ علیہ السلام آرام فرما رہے تھے پھر یہ کہنا کہ ”وكان لموسى وقتاً عجيباً“ کیسے صحیح ہو سکتا ہے، حالانکہ موسیٰ علیہ السلام نے راستہ بناتے وقت نہیں دیکھا تھا؟

جواب: یہ بعد کا ذکر ہو رہا ہے یعنی جس وقت حضرت یوشع علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ ”واخذ سبيله في البحر عجبا“ تو یہاں عجیب ہونا یوشع علیہ السلام کے لئے تھا پھر جوں رہے تھے ان کے لئے تھا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے تھا، یہ نہیں کہ اسی وقت تعجب ہوا ہو کیونکہ اس وقت تو ان کو پتہ ہی نہیں چلا۔

سوال: یہ جو تیسرا واقعہ ہے کہ دیوار ٹھیک کر دی اور اس پر اجرت نہیں لی، اس میں تو کوئی بات شرائع کے خلاف نہیں تھی، زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ احسان کیا اور کسی کے ساتھ احسان کر دینا یہ شریعت کے خلاف معاملہ تو نہیں ہے بلکہ شریعت کے عین مطابق ہے، اس موقع پر حضرت موسیٰ کے لئے شریعت کے نکتہ نظر سے اعتراض کرنے کا کوئی موقع نہیں تھا؟

اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں:

ایک جواب یہ ہے کہ ایسے موقع پر بعض اوقات احسان کرنا شرعاً گناہ بھی ہو جاتا ہے، جب انسان حالت غصہ میں ہوتا ہے، اس کے پاس کھانے کو کوئی چیز نہیں ہے بھوک سے مرنے والا ہے، اس وقت آدمی مزدوری کر کے کما سکتا ہے اگر وہ مزدوری کرے اور پھر بھی کمانے کے بجائے احسان کر کے کسی کی دیوار درست کر دے تو یہ شریعت کے خلاف ہے، یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر اس حالت تک نہ پہنچے ہوں تو اس صورت میں شریعت کے خلاف تو نہیں ہوگا لیکن

مصالح بشری کے خلاف ہے یعنی آپ اگرچہ حالتِ منحصرہ میں نہیں پہنچے لیکن پھر بھی بشری ضرورت تو ہے، حاجت مند تو ہے، اس حاجت کو دور کرنے کے لئے ایسی قوم کے ساتھ احسان کرنا جو مہمانی نہیں کر رہی ہے اگرچہ اس وقت ہلاک نہ ہوں لیکن اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو آئندہ ہلاکت کا اندیشہ ہے، تو مصالحِ بشری کے خلاف ہے۔ تو یہاں دونوں چیزیں دکھانی منظور ہیں کہ ایک تو کچھ کام صریح شریعت کے خلاف کئے اور کچھ کام ایسے کئے جو صریح شریعت کے خلاف چاہے نہ ہوں لیکن مصالحِ بشریت کے خلاف ہیں۔

(۴۵) باب من سأل وهو قائم عالما جالسا

اس شخص کا بیان جو کھڑے کھڑے کسی بیٹھے ہوئے عالم سے سوال کرے

اس باب میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ اگر کوئی عالم بیٹھا ہو اور سوال کرنے والا کھڑا ہو اور کھڑے ہو کر سوال کرتے تو ایسا کرنا جائز ہے۔

اس کے بیان کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ایک طرف حدیث میں یہ آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:

”من سره أن يتمثل له الرجال قياماً فليتبوأ مقعده من النار“۔ ۱۵۵

کہ جو شخص یہ پسند کرتا ہو کہ وہ بیٹھا ہو اور لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے، چونکہ اس میں یہ اندیشہ تھا کہ اگر عالم بیٹھا ہو اور مسائل کھڑا ہو تو وہ بھی اس وعید میں داخل نہ ہو اس لئے اس شبہ کو دور کرنا مقصود ہے کہ اگر عالم کی طرف سے اعجاب بالنفس نہیں ہے اور تکبر میں مبتلا ہونے کا اندیشہ بھی نہیں ہے تو پھر ایسا کرنا جائز ہے۔

دوسری طرف یہ شبہ بھی ہو سکتا تھا کہ مسائل کا کھڑے ہو کر بیٹھے ہوئے عالم سے سوال کرنا شاید ادب کے خلاف ہو، ادب کا تقاضہ یہ ہونا چاہئے کہ پہلے قریب جا کر بیٹھ جائے، پھر سوال کرے، تو یہ بتا دیا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

۱۲۳۔ حدثنا عثمان قال : أخبرني جرير، عن منصور، عن أبي وائل، عن أبي

موسی قال : جاء رجل إلى النبي ﷺ فقال : يا رسول الله، ما القتال في سبيل الله؟ فإن أحدنا يقاتل غضبا، ويقاتل حمية، فرفع إليه رأسه قال : وما رفع إليه رأسه إلا أنه كان فائما فقال : ((من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا، فهو في سبيل الله عز وجل)). [أنظر:

۲۸۱، ۳۱۲، ۳۵۸]۔

اس میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی حدیث نقل کی کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ قال فی سبیل اللہ کیا ہوتا ہے؟ اس وجہ سے کہ ہم میں سے ایک شخص غصہ کی وجہ سے قال کرتا ہے اور کوئی شخص حمیت کی وجہ سے قال کرتا ہے، حمیت سے مراد ہے قومی عصبيت وغیرہ کی وجہ سے، تو کیا یہ قال فی سبیل اللہ میں داخل ہو گا یا نہیں؟ آپ ﷺ نے سراقہؓ اس طرف اٹھایا اور فرمایا، راوی کہتے ہیں ”وما رفع الیہ را سہ الا انہ کان قائما“ یعنی آپ ﷺ کا سر اٹھا کر جواب دینا اس وجہ سے تھا کہ سوال کرنے والا کھڑا ہوا تھا، اگر کھڑا نہ ہوتا تو سر اٹھانے کی ضرورت نہیں تھی اور یہی ترجمۃ الباب سے مقصود ہے۔

”فقال“: حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ”من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ہی العلیا فہو فی سبیل اللہ عز وجل“۔

(۴۶) باب السؤال والفتيا عند رمی الجمار

رمی جمار کے وقت مسئلہ پوچھنے کا بیان

۱۲۲۔ حدثنا أبو نعیم قال: حدثنا عبد العزیز بن أبی سلمة عن الزہری، عن عیسیٰ بن طلحة، عن عبد اللہ بن عمرو قال: رأیت النبی ﷺ عند الجمرة وهو یسأل فقال رجل: یا رسول اللہ نحررت قبل أن أرمی؟ قال: ((ارم ولا حرج))، قال آخر: یا رسول اللہ خلقت قبل أن أنحر؟ قال: ((انحر ولا حرج))، فما سئل عن شیء قدم ولا آخر إلا قال: ((افعل ولا حرج))۔ [راجع: ۸۳]

یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے، اس میں چونکہ یہ مذکور ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے جمرہ کے قریب سوال کیا گیا تھا، اس واسطے ترجمۃ الباب قائم کیا ”باب السؤال والفتيا عند رمی الجمار“ اگرچہ حدیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ جس وقت آپ ﷺ سے سوال کیا گیا تھا اس وقت آپ ﷺ رمی فرما رہے تھے بلکہ صرف اتنا مذکور ہے کہ آپ ﷺ جمرہ کے پاس موجود تھے لیکن اس کے عموم سے امام بخاری رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ جمرہ کے پاس موجود ہونے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ آدمی رمی کر رہا ہو، دوسرا یہ کہ رمی نہ کر رہا ہو بلکہ ویسے ہی کھڑا ہو، تو عموم سے دونوں صورتوں کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

(۴۷) باب قوله: ﴿وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ [الاسراء: ۸۵]

اللہ ﷻ کا فرمان کہ: تمہیں صرف تھوڑا علم دیا گیا

اس آیت کریمہ کی بنیاد پر جواب قائم کیا ہے، اس میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ انسان علم کے کسی بھی بلند

اس لئے خاموش ہوئے ہیں کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ فقمت، میں کھڑا ہو گیا ”فلما الجلیٰ عنہ“ جب آپ ﷺ سے وہ کیفیت زائل ہو گئی، یعنی نزول وحی کے وقت آپ ﷺ پر جو ایک خاص کیفیت طاری ہوتی تھی جب وہ زائل ہو گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتُوا مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾

ترجمہ: ”اور تجھ سے پوچھتے ہیں روح کو کہہ دے روح ہیں روح ہے۔ میرے رب کے حکم سے اور تم کو علم دیا ہے تھوڑا سا۔“

اس میں یہ صاف بتا دیا گیا کہ روح ایسی چیز ہے جو خاص اللہ ﷻ کے حکم سے پیدا ہوتی ہے، اس کی حقیقت اور کنہ کا ادراک کرنا تمہارے بس کا کام نہیں ہے، آج تک کوئی انسان یہ ادراک نہیں کر سکا کہ یہ کس طرح جسم سے خارج اور رخصت ہوتی ہے۔

بہت سے سائنسدانوں نے قریب الموت شخص کو اٹھا کر شیشے کے گلوب میں رکھا جو چاروں طرف سے بند تھا تا کہ جب انتقال ہو جائے تو دیکھیں اس میں سے کیا چیز نکلتی ہے لیکن پھر بھی کچھ پتہ نہ لگا، تو یہ ایسی چیز ہے جس کے بارے میں ”لوگنا مشکل“ ہے اس لئے اس تحقیق میں پڑنا ہی فضول ہے۔

اس کے باوجود فلاسفہ اس کی کھوج میں لگے رہے کہ اس کی حقیقت اور کنہ کیا ہے؟ لمبی چوڑی بحثیں ہوئیں، کتابیں لکھی گئیں، لیکن جب قرآن کریم نے کہہ دیا:

وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا اب اس کے بعد پھر کسی تحقیق و تفتیش میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔

(۴۸) باب من ترک بعض الاختیار مخافة أن یقصر

فہم بعض الناس عنہ فیقعوا فی أشد منه.

اس شخص کا بیان جس نے بعض جائز چیزوں کو اس خوف سے ترک کر دیا کہ

بعض نا سمجھ لوگ اس سے زیادہ سخت بات میں مبتلا ہو جائیں

یہ باب اس شخص کے بارے میں ہے جو کسی پسندیدہ چیز کو چھوڑ دے، اختیار کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کو

پسند کرنا۔

بعض ایسی چیزیں ہوتی ہیں جن میں انسان کے پاس دو راستے ہوتے ہیں ان میں سے ایک رائج ہوتا ہے اور دوسرا مرجوح، وہ رائج راستہ کو اس وجہ سے چھوڑ دیتا ہے کہ بعض لوگوں کی فہم اس رائج راستہ سے سنگین میں مبتلا ہو جائیں گے۔

اور برائی میں مبتلا ہو جائے گا: یہ علم کا بہت عظیم باب ہے جس کی طرف امام بخاریؒ نے توجہ دلائی ہے۔ ایک تو وہ ہوتا ہے جس میں شرعاً ایک چیز حلال ہوتی ہے اور دوسری چیز حرام، اس میں تو کلام کی گنجائش نہیں ہے، حلال کو اختیار کیا جائے گا حرام کو ترک کیا جائے گا، لیکن بعض مرتبہ دو راستے ہوتے ہیں ان میں سے ایک مباح ہوتا ہے اور دوسرا مستحب، ایک رائج ہوتا ہے دوسرا مرجوح، معصیت کسی جانب میں بھی نہیں ہے ایسی صورت میں رائج یا مستحب عمل کے کرنے میں اگر فتنے کا اندیشہ ہو یعنی اس بات کا اندیشہ ہو کہ لوگ اس کو صحیح طور پر نہیں سمجھ پائیں گے یا اس کی حکمت سے باخبر نہیں ہوں گے اور اس کے نتیجہ میں وہ ترک مستحب سے کسی بڑی برائی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ ترک مستحب تو ایک ایسی بات ہے جس کو زیادہ سے زیادہ خلاف اولیٰ کہیں گے، لیکن اندیشہ ہے کہ وہ ترک مستحب سے زیادہ بڑی اور سنگین برائی میں مبتلا ہو جائیں گے، ایسی صورت میں مستحب کام کو بھی چھوڑ دینا چاہئے، رائج کام کو بھی چھوڑ دینا چاہئے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس میں اس واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ بات ارشاد فرمائی کہ قریش نے جب کعبہ کی تعمیر کی تھی تو انہوں نے اپنے اوپر یہ شرط لگائی تھی کہ ہم کعبہ کے اوپر حلال کمائی ہی خرچ کریں گے اور چونکہ حلال کمائی زیادہ نہیں تھی اس لئے انہوں نے کعبہ کا کچھ حصہ چھوڑ دیا تھا جس کو حجر یا حطیم کہا جاتا ہے، پیسوں کی کمی کی وجہ سے اس کو کعبہ میں شامل نہیں کیا بلکہ باہر چھوڑ دیا۔ دوسری طرف انہوں نے یہ کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعمیر میں کعبہ میں دو دروازے تھے، ایک مشرقی جانب تھا دوسرا مغربی جانب تھا۔ انہوں نے پیسوں کی کمی وجہ سے مغرب والا دروازہ بند کر دیا، صرف مشرق والا دروازہ رہنے دیا جواب بھی موجود ہے۔

تو حضور اقدس ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ کعبہ کو از سر نو تعمیر کروں اور بناء ابراہیمی پر بناؤں، جس کا حاصل یہ ہوا کہ حطیم کو بھی اس میں شامل کر لوں اور دو دروازے بناؤں، ایک مشرقی اور ایک مغربی تاکہ لوگ ایک طرف سے داخل ہوں اور دوسری طرف سے نکلیں۔

لیکن میں ایسا اس لئے نہیں کرتا کہ تمہاری قوم ابھی نو مسلم ہے، کفر کا زمانہ ابھی زیادہ دور نہیں گزرا، اگر میں کعبہ کو منہدم کر کے اس میں دو دروازہ رکھوں گا یا اس کو از سر نو بناء ابراہیمی پر تعمیر کروں گا تو فتنہ پیدا ہو سکتا ہے، لوگ کہیں گے کہ نبی نے کعبہ توڑ دیا اور ہمارے آباؤ اجداد کی بنا کو ختم کر دیا، اس میں تغیر و ترمیم کر دی، اس فتنہ کے اندیشہ کی وجہ سے میں یہ کام نہیں کر رہا ہوں۔

اب یہاں یہ بات واضح ہے کہ کعبہ کو از سر نو بننا ابراہیمی پر تعمیر کرنا ایک مستحب کام تھا، رسول کریم ﷺ کی خواہش بھی تھی اور یقیناً اس کی فضیلت میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا کہ اسی بنا پر قائم ہو جو اصل بنا تھی جو اصل ڈھانچہ تھا، اسی کے مطابق اس کو تعمیر کیا جائے لیکن آنحضرت ﷺ نے اس مستحب کام کو ترک کر دیا، اس واسطے کہ فتنہ کا اندیشہ تھا اور ترک مستحب میں کوئی معصیت نہیں ہے اور مستحب کے کرنے سے بہت سے لوگوں کے مرتد ہو جانے اور بہت سے لوگوں کے معصیت میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے کہ وہ رسول ﷺ کے فعل پر نکیر کرنے لگیں گے اور اس سے وہ فسق یا کفر میں مبتلا ہو جائیں گے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے یہ اصول نکلا کہ ”من ترک بعض الاختیار“ بعض مختار چیزوں کو، پسندیدہ چیزوں کو اس ڈر سے چھوڑ دے کہ لوگ اس سے زیادہ شدید بات میں نہ مبتلا ہو جائیں یہ علم کا بہت بڑا باب ہے، اس سے علمائے کرام نے بہت سے موقعوں پر کام لیا ہے۔
یہ نہیں کہ ایک مستحب کام ہے آپ اسے کرنے لگیں یہ دیکھیے بغیر کہ دوسرے لوگوں کیلئے اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ لیکن اس میں بھی وہی بات ہے جو بار بار گزر چکی ہے کہ اس بات کا فیصلہ کرنا کہ آیا یہ مستحب کام اس خاص حالت میں قابل ترک ہے یا نہیں؟ اور واقعہً اس سے فتنہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور وہ فتنہ قابل احتراز ہے یا نہیں جس کی وجہ سے مستحب کو چھوڑا جائے۔

یہ ساری باتیں فہم سلیم اور تفقہ فی الدین چاہتی ہیں یہ محض کتابوں سے حاصل نہیں ہوتی اس کے لئے کسی کی صحبت کی ضرورت ہوتی ہے۔

۱۲۶۔ حدثنا عبيد الله بن موسى ، عن إسرائيل ، عن أبي إسحاق ، عن الأسود قال: قال لي ابن الزبير: كانت عائشة تسر إليك كثيرا ، فما حدثتك في الكعبة؟ فقلت: قالت لي: قال النبي ﷺ: ((يا عائشة لولا قومك حديث عهدهم - قال ابن الزبير: بكفر - لنقضت الكعبة فجعلت لها بابين: بابا يدخل الناس وبابا يخرجون))
ففعله ابن الزبير. [أنظر: ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۳۳۶۸، ۳۳۸۴،

۱۵۷ [۷۲۴۳]

۷۷۱۔ وفي صحيح مسلم ، كتاب الحج ، باب نقض الكعبة وبنائها ، رقم: ۲۳۷۲، وسنن الترمذی ، كتاب الحج عن رسول الله ، باب ماجاء في كسر الكعبة ، رقم: ۸۰۱، وسنن النسائی ، كتاب مناسك الحج ، باب بناء الكعبة ، رقم: ۲۸۵۱، ۲۸۵۳، ۲۸۶۱، وسنن ابن ماجه ، كتاب المناسك ، باب الطواف بالحجر ، رقم: ۲۹۴۶، ومسند احمد ، باقي مسند الانصار ، باب حديث السيدة عائشة ، رقم: ۲۳۱۶۲، ۲۳۲۸۸، ۲۳۳۷۵، ۲۳۵۶۸، ۲۳۶۸۳، ۲۳۸۹۷، ۲۴۲۶۶، ۲۴۲۹۰، ۲۴۳۸۳، ۲۴۴۰۵، ۲۴۴۹۵، ۲۴۵۵، وموطأ مالك ، كتاب الحج ، باب ماجاء في بناء الكعبة ، رقم: ۷۱۰،

وسنن الدارمی ، كتاب المناسك ، باب الحجر من البيت ، رقم: ۱۷۹۳، ۱۷۹۴.

بنائے تعمیر کعبہ

اسود بن یزید یہ کبار تابعین میں سے ہیں، ان کی روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ”قال لی ابن الزبیر“ مجھ سے حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ نے کہا ”كانت عائشة تسرا ليک کثیراً“ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ سے خفیہ طور پر بہت سی باتیں کرتی تھیں۔

حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہیں اور صحابی ہیں اور اسود بن یزید تابعی ہیں، لیکن حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ فرما رہے ہیں کہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ سے چپکے سے بہت سی باتیں کرتی تھیں۔

”فما حدثک فی الکعبۃ“؟ یہ بتائیں کہ انہوں نے کعبہ کے بارے میں آپ کو کیا باتیں بتائی تھیں، کیا حدیثیں سنائی تھیں؟ یہ بات حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ نے حضرت اسود بن یزید سے پوچھی۔ مصنف ابن شیبہ کی روایت میں ہے کہ اس موقع پر حضرت اسود بن یزید نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کعبہ کے بارے میں مجھے جو باتیں بتائی تھیں ان میں سے کچھ مجھے یاد ہیں اور کچھ بھول گیا ہوں۔ ۱۵۸۔ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ نے کہا کہ جو تم بھول گئے ہو، ہو سکتا ہے کہ میں تمہیں یاد دلادوں، اس پر میں نے کہا:

”فلقت قائلت لی: قال النبی ﷺ: یا عائشة لولا قومک حدیث عہدہم“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے کہا تھا، اے عائشہ! اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تمہاری قوم قریب العہد ہے، ان کا زمانہ قریب ہے، میں نے اتنا ہی کہا تھا آگے والا لفظ نہیں کہا تھا ”قال ابن الزبیر: بکفر“ عبداللہ بن زبیر ؓ نے اس میں اضافہ کیا ”بکفر“ کہ ان کا زمانہ کفر کے قریب ہے، یعنی کفر کا لفظ ان الفاظ میں سے تھا جو اسود کو یاد نہیں رہے تھے عبداللہ بن زبیر ؓ نے یاد دلایا، اور کہا ”بکفر“۔

”لنقصت الکعبۃ“ میں کعبہ کو توڑ دیتا ”فجعلت لہا بابین: باباً یدخل الناس وباباً یدخلون، ففعلہ ابن الزبیر“ تو اس کے دو دروازے بنا دیتا، ایک دروازہ سے لوگ داخل ہوتے اور دوسرے سے نکلتے۔

آپ ﷺ کی خواہش کی تعمیل

بعد میں حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ نے ایسا ہی کر دیا یعنی شروع میں حضور اقدس ﷺ نے توفیقہ کے خوف

سے ایسا نہیں کیا تھا لیکن جب مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کی خلافت قائم ہوئی تو انہوں نے یہ سوچا کہ حضور اقدس ﷺ کی خواہش تھی لیکن چونکہ اس وقت ایک عارض تھا کہ لوگ ”حدیث العهد بالكفر“ تھے اب وہ عارض دور ہو گیا ہے، لہذا انہوں نے حضور اقدس ﷺ کی خواہش کی تعمیل میں ایسا ہی کر دیا یعنی کعبہ کو دوبارہ بنا ابراہیمی پر تعمیر کر دیا۔

بعد میں جب مکہ مکرمہ پر حجاج بن یوسف حملہ آور ہوا، حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ شہید ہو گئے اور حجاج بن یوسف مسلط ہو گیا، اس نے (اللہ بچائے) جس وقت حملہ کیا تھا اس کی تحقیق کے بہت سارے گولے بیت اللہ شریف پر بھی لگے جس کی وجہ سے بیت اللہ شریف کی چھت اور دیواروں میں شگاف پڑ گئے۔

لہذا جب حجاج بن یوسف نے اس کو دوبارہ تعمیر کرنے کا ارادہ کیا تو اس کو یہ پتہ نہیں تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ نے تعمیر میں یہ تبدیلی کس وجہ سے کی تھی، چونکہ وہ عبداللہ بن زبیر ؓ کا مخالف تھا اس لئے اس نے سوچا کہ عبداللہ بن زبیر ؓ نے بنا میں اپنی طرف سے یہ اضافہ کیا ہے کہ حطیم کو شامل کر لیا، اور دروازہ بنالیا، لہذا میں اس کو دوبارہ اسی طریق پر لاؤں گا جس طریق پر رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں تھا، چنانچہ اس نے دوبارہ حطیم کو نکال دیا اور دروازہ ایک کر دیا۔

بعد میں جب بنو عباس کا زمانہ آیا تو ان میں سے بعض خلفاء یعنی ہارون الرشید نے ارادہ کیا کہ وہ دوبارہ بناء ابراہیمی پر تعمیر کرے جیسا کہ حضور اقدس ﷺ کی خواہش تھی اور جیسا کہ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ نے کیا تھا لیکن جب امام مالک رحمہ اللہ کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے ہارون الرشید کو اس سے روکا اور کہا کہ بس اب خدا کیلئے یہ اقدام نہ کریں، اس واسطے کہ اگر یہ سلسلہ چل گیا تو بادشاہ کعبہ کو ایک کھلونا بنالیں گے، ہر ایک اپنا نام پیدا کرنے کے لئے اپنی مرضی کے مطابق کی از سر نو تعمیر کرے گا اور کعبہ محض ایک کھلونا بن کر رہ جائے گا۔ اس واسطے جیسا ہے ویسا ہی رہنے دیجئے، اس میں مزید تصرف نہ کیجئے گا۔

یہاں پر بھی انہوں نے مصلحت کی وجہ سے مستحب کام کو چھوڑ دیا، چنانچہ اس وقت سے ابھی تک وہی تعمیر چلی آ رہی ہے کہ حطیم باہر ہے اور ایک دروازہ بھی بند ہے۔ ۱۵۹۔

۱۵۹ قال الشيخ قطب الدين: قالوا: بنى البيت خمس مرات بنى الملائكة، ثم ابراهيم عليه الصلاة والسلام، ثم قريش في الجاهلية، وحضر النبي ﷺ هذا البناء وهو ابن خمس وثلاثين، وقيل: خمس وعشرين، ولله سقط على الارض حين رفع ازاره، ثم بناء ابن الزبير، ثم بناء حجاج بن يوسف واستمر، وروى أن هارون سأل مالكا عن هدمها وردعها إلى بناء ابن الزبير للاحاديث المذكورة، فقال مالك: نشتك الله يا أمير المؤمنين أن لا تجعل هذا البيت لعبة للملوك، لا يشاء أحد إلا نفضه وبناء فلهب هيبته من صدور الناس. انتهى

قلت: بنى الملائكة أولا، ثم ابراهيم عليه الصلاة والسلام ثم العمالة، ثم جرهم، ثم قريش ورسول الله ﷺ يومئذ رجل شاب، ثم ابن الزبير، ثم حجاج. ذكره العيني في عمدة القاری، ج: ۲، ص: ۲۸۸.

(۳۹) باب من خص بالعلم قوما دون قوم

کراهیۃ أن لا يفهموا،

جس شخص نے ایک قوم کو چھوڑ کر دوسری قوم کو علم کے لئے مخصوص کر لیا یہ خیال کر کے کہ

یہ لوگ بغیر تخصیص کے پورے طور پر نہ سمجھیں گے

”وقال علی : حدثوا الناس بما يعرفون أتحبون أن يكذب الله ورسوله؟“

یہ دوسرا باب ہے جو عالم اور معلم کے لئے اہم ہے، اس میں فرمایا کہ ”من خص بالعلم قوما دون قوم“ کہ ایک عالم کوئی بات بتانے کیلئے کچھ لوگوں کو مخصوص کر لیتا ہے دوسرے لوگوں کو نہیں بتاتا، ایک بات ایک قوم کے سامنے بیان کی دوسری قوم کے سامنے بیان نہیں کی ”کراهیۃ أن لا يفهموا“ اس ڈر سے کہ وہ لوگ جن کے سامنے بیان نہیں کی وہ اس کی حقیقت نہیں سمجھیں گے اور نہ سمجھنے کی وجہ سے غلطی میں مبتلا ہو جائیں گے۔

علماء ہر بات عوام کو نہ بتائیں

معلوم ہوا کہ عالم کا کام یہ نہیں ہے کہ اس کو جو کچھ بھی معلوم ہے ہر جگہ اس کو بیان کرتا پھرے یہ دیکھے بغیر کہ سننے والے اس بات کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں یا نہیں اور اس سے کہیں فتنہ میں تو مبتلا نہیں ہو جائیں گے، کیونکہ ہر انسان کی فہم کی استطاعت جدا ہوتی ہے۔

اصولوں کی رعایت ضروری ہے

ایک مولوی صاحب عوام کے مجمع میں گئے اور انہوں نے یہ مسئلہ بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ جس روضہ اقدس میں تشریف فرما ہیں وہ کعبہ اور عرش سے افضل ہے۔

اب یہ بات غلط نہیں تھی، صحیح تھی اس واسطے کہ جہاں رسول ﷺ کا جسد اطہر موجود ہے وہ مکان ہے جسد اطہر کے لئے، لہذا اس جگہ کو تلبیس مکانی حاصل ہے، بخلاف کعبہ اور عرش کے کہ وہ اللہ ﷻ کے لئے مکان نہیں ہے بلکہ ان کی اللہ ﷻ کی طرف نسبت محض تشریفی ہے، لہذا مولوی صاحب کی یہ بات غلط نہیں تھی لیکن جب عوام کے مجمع میں یہ بات کہی تو ان میں یہ صلاحیت نہیں تھی کہ وہ اس بات کو سمجھ سکیں اس لئے وہ مولوی صاحب کے پیچھے پڑ گئے کہ یہ کیا کہہ دیا یہاں تک کہ جھگڑا ہو گیا اور جھگڑے کے نتیجے میں ان سے پوچھا، میں نے کہا بھائی! ایسی بات کرنے کی کیا ضرورت ہے، جس کا معلوم ہونا عوام کے لئے کچھ ضروری نہیں، نہ اس کے بارے میں ان

سے سوال ہوگا، نہ ایمانیات و عقائد سے کوئی تعلق ہے۔

دوسری بات یہ کہ ایسی جگہ جہاں لوگ اس کی حقیقت نہ سمجھتے ہوں اس طرح کی بات کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ اس لئے دیکھنا یہ چاہئے کہ کس وقت کون سی بات لوگوں کے سامنے کہی جائے جس سے ان کو فائدہ ہو، اور ان کے حق میں مضر نہ ہو۔ اس کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔

”وقال علی : حدثوا الناس بما يعرفون“ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ لوگوں کو ایسی بات بتاؤ جس کو وہ سمجھ سکیں۔

”اتحبون أن یکذب الله ورسوله“ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کی جائے؟

یعنی تم اللہ ﷻ اور اس کے رسول کی طرف سے کوئی ایسی بات عوام کے سامنے کرو گے جو ان کے فہم سے بالاتر ہو، اس کے نتیجہ میں وہ اس بات کو جھٹلائیں گے تو وہ اللہ اور رسول کو جھٹلانا ہوگا، تو اللہ اور رسول کی بھی ایسی کوئی بات نہ سناؤ جو ان کے فہم سے بالاتر ہو۔ تو ہر بات ہر آدمی کے سامنے کرنے کی نہیں ہوتی، فہم کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے۔

ہمارے ہاں لوگ ان اصولوں کی بھی رعایت نہیں رکھتے خاص طور پر فضائل کے اندر، فضائل اعمال میں بہت ساری حدیثیں آتی ہیں، بعض احادیث کا مفہوم لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہوتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس کا انکار کر دیتے ہیں۔ اب انکار کرنے کے نتیجہ میں اللہ بچائے تکذیب اللہ اور تکذیب رسول ﷺ تک بات پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس میں امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل کی ہے۔

۱۲۷۔ حدثنا عبید اللہ بن موسیٰ، عن معروف بن خربوذ، عن ابی الطفیل، عن

علی بذلک ۱۶۰

اگر دیکھا جائے تو یہ بھی امام بخاری رحمہ اللہ کی ثلاثیات میں سے ہے، چونکہ امام بخاریؒ اور صحابیؒ کے درمیان صرف دو ہی واسطے ہیں، ایک عبید اللہ بن موسیٰ، دوسرا معروف بن خربوذ اور وہ روایت کرتے ہیں ابو الطفیلؒ سے جنہوں نے صحابہ کرامؓ میں سب سے طویل عمر پائی۔ ۱۱ھ میں ان کا انتقال ہوا، اور سوائے اس حدیث کے ان سے کوئی روایت نہیں ہے، یہاں وہ حضرت علیؓ سے روایت کر رہے ہیں۔ یہ حضرت علیؓ کے مقولہ کی سند تھی جو ابھی گزرا، آگے حدیث کو مسند روایت کرتے ہیں۔

۱۲۸۔ حدثنا إسحاق بن إبراهيم قال : حدثنا معاذ بن هشام قال : حدثنی

ابی عن قتادة قال : حدثنا أنس بن مالك أن رسول الله ﷺ ومعاذ رديفه علی الرحل

قال : ((یا معاذ بن جبل)) ، قال : لبيك يا رسول الله وسعديك ، قال : ((یا معاذ)) ، قال : لبيك يا رسول الله وسعديك ، ثلاثاً ، قال : ((ما من أحد يشهد أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله ، صدقاً من قلبه إلا حرمه الله على النار)) ، قال : يا رسول الله ، أفلا أخبر به الناس فيستبشروا ؟ قال : ((إذا يتكلموا)) ، وأخبر بها معاذ عند موته ثانياً . [أنظر : ۱۲۹] ۱۶۱

۱۲۹۔ حدثنا مسدد قال : حدثنا معتمر قال : سمعت أبي قال : سمعت أنسا قال : ذكر لي أن النبي ﷺ قال لمعاذ : ((من لقي الله لا يشرك به شيئاً دخل الجنة)) ، قال : ألا أبشرك الناس ؟ قال : ((لا ، أخاف أن يتكلموا)) . [راجع : ۱۲۸]

اصل میں یوں تھا ”ان النبي ﷺ قال : ومعاذ رديفه على الرحل“ آپ ﷺ نے یہ بات اس حالت میں ارشاد فرمائی کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے کجاوے پر سوار تھے۔ ”رحل“ اصل میں کجاوے کو کہتے ہیں یہاں اونٹ مراد ہے یعنی اونٹ پر سوار تھے۔

آپ ﷺ نے فرمایا ”یا معاذ بن جبل“ اے معاذ بن جبل ”قال لبيك يا رسول الله وسعديك“ لبيك کا معنی ہے میں حاضر ہوں اور ”سعديك“ کا معنی ہے آپ کے حکم کی تعمیل و اطاعت کے لئے تیار ہوں ، آپ ﷺ نے تین مرتبہ ان کو آواز دی اور تین مرتبہ انہوں نے جواب دیا۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا ”ما من أحد يشهد أن لا اله إلا الله وأن محمداً رسول الله“ جو شخص بھی شہادت دے کہ اللہ ﷻ کے سوا کوئی معبود نہیں اور جناب محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں ”صدقاً من قلبه“ اپنے سچے دل سے ”الاحرمه الله على النار“ مگر اللہ ﷻ اس کو آگ پر حرام کر دیتا ہے۔ یعنی جو بھی سچے دل سے توحید اور رسالت پر قائل ہو جائے اللہ ﷻ اس پر آگ کو حرام فرمادیتے ہیں ”صدقاً من قلبه“ سے مراد ہے جو ”مقرون بالطاعة“ ہو اس پر آگ حرام ہوگی ، لہذا اس سے مرجیہ کا استدلال صحیح نہ ہوا ”قال يا رسول الله ! أفلا أخبر به الناس“ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ! میں یہ بات لوگوں کو نہ بتاؤں کہ آپ نے اتنی بڑی خوشخبری دی ”فيستبشروا؟“ تاکہ وہ خوش ہو جائیں ؟ ”قال : إذا يتكلموا“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مت بتاؤ ، کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں اور کوئی عمل نہ کریں۔

۱۶۱ وفی صحیح مسلم ، کتاب الايمان ، باب الدليل على أن مات على التوحيد دخل الجنة قطعاً ، رقم : ۴۷ ، ومسند

أحمد ، باقی مسند المکثرین ، باب مسند انس بن مالک ، رقم : ۱۱۸۸۲ ، ۱۲۱۳۵ ، ۱۳۲۳۵ ، ومسند الأنصار ، باب

حدیث معاذ بن جبل ، رقم : ۲۰۹۸۷۔

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں یہ استدلال کر رہے ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو تین مرتبہ متوجہ کر کے یہ بات فرمادی تھی، لیکن دوسروں کو بیان کرنے سے روکا، کیونکہ ان کے بارے میں یہ اندیشہ نہیں تھا کہ یہ اس حدیث کو سن کر عمل سے غافل ہو جائیں گے لیکن اگر دوسرے لوگوں کے سامنے بیان کی جائے گی تو وہ اس کی حقیقت کو نہیں سمجھیں گے اور اسی پر بھروسہ کر کے اعمال سے غافل ہو جائیں گے، کیونکہ وہ یہ سمجھیں گے کہ حضور ﷺ نے محض شہادتین کے پڑھ لینے سے دخول جنت کا پیغام دیدیا، لہذا ہمیں نہ کسی عمل کی ضرورت ہے نہ گناہ سے بچنے کی ضرورت ہے، اس واسطے آپ ﷺ نے دوسروں کی سامنے بیان کرنے سے منع کر دیا۔

”أحبر بها معاذ عند موته تأثما“:

اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے انتقال کے وقت یہ واقعہ بیان فرمایا گناہ سے بچنے کے لئے، یعنی یہ اندیشہ تھا کہ میں کتمان علم کا گناہ گار نہ ہو جاؤں، لہذا ساری عمر تو اس لئے بیان نہیں کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ لوگ بھروسہ کر کے بیٹھ جائیں اور آخر میں اس لئے بیان کیا کہ کہیں کتمان علم کا مجرم نہ بن جاؤں، اس واسطے بیان کر دیا، ظاہر ہے ایسے لوگوں کے سامنے بیان کیا ہوگا جو غلط مطلب نہ سمجھیں، تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے دونوں مصلحتوں کو جمع کر لیا کہ پیغام بھی پہنچا دیا اور حضور اقدس ﷺ کے حکم کی تعمیل میں اس کو دوسروں کے سامنے عام بھی نہیں کیا۔

(۵۰) باب الحياء في العلم

علم کے حصول میں شرمانے کا بیان

”وقال مجاهد: لا يتعلم العلم مستحى ولا مستكبر، وقالت عائشة: نعم النساء

نساء الأنصار لم يمنعهن الحياء أن يتفقهن في الدين“.

اس باب میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ حصول علم میں حیاء مانع نہ ہونی چاہئے اور اگر کوئی سوال پیدا ہوا ہے تو اس کا جواب معلوم کرنا چاہئے تاکہ جہالت دور ہو، لیکن بعض جگہوں پر حیاء بڑی بھی نہیں ہوتی اور وہ ایسی جگہ ہے جہاں حیاء کے تقاضوں پر عمل کرنے سے اپنا کوئی عملی نقصان نہ ہو۔

امام بخاریؒ یہاں پر دونوں باتیں بیان فرمانا چاہتے ہیں۔

ضروری علم کے حصول میں حیاء مانع نہ ہونی چاہئے

پہلی بات تو یہ ہے کہ ضروری علم حاصل کرنے سے حیاء مانع نہ ہونی چاہئے، اس کے بارے میں پہلے مجاہد رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ ”لا يتعلم العلم مستحى ولا مستكبر“ کہ جو شرماتا ہے اور جو شخص متکبر

ہو وہ علم حاصل ہی نہیں کر سکتا۔

اگر علم حاصل کرنے سے شرماتا ہو تو علم کیسے حاصل کرے گا، سوال کرنے سے شرماتا ہے کہ میری جہالت واضح ہو جائے گی تو وہ علم حاصل ہی نہیں کر سکتا، یا بولنے سے شرماتا ہے کہ میری غلطی پکڑی جائے گی، تو اس میں شرمائے کی کوئی بات نہیں، علم حاصل کرنے کے لئے آئے ہی اس لئے ہیں تاکہ غلطی پکڑی جائے اور اس کی اصلاح ہو۔

اس طرح متکبر جو تکبر کرتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہوا استاذ کوئی ایسی بات کہہ دے جس سے میری تذلیل ہو جائے، تو وہ شخص بھی علم نہیں حاصل کر سکتا، اس واسطے کہ ”العلم عز لا ذل فیہ و یحصل بذل لا عز فیہ“ جب تک آدمی اپنے آپ کو فنانہ کر دے، اپنی انا کو خاک میں نہ ملا دے اس وقت تک علم حاصل نہیں ہوتا، جب تک دماغ میں فرعونیت رہے گی، تکبر رہے گا اور انا باقی رہے گی اس وقت تک علم کی حقیقت حاصل نہیں ہوگی۔

اس واسطے بزرگوں نے فرمایا کہ اپنے آپ کو مٹانا پڑتا ہے تب جا کر علم حاصل ہوتا ہے۔

”وقالت عائشة : نعم النساء نساء الانصار“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انصار کی عورتیں بڑی اچھی عورتیں ہیں ”لم یمنعنہن الحیاء ان یتفقہن فی الدین“ ان کی حیاء نے ان کو دین کی سمجھ حاصل کرنے سے نہیں روکا، یعنی کوئی ایسی بات نہیں ہے جو انہوں نے اس وجہ سے نہ پوچھی ہو کہ شرم آرہی ہے کیسے پوچھیں؟ بلکہ پوچھا ہے۔

اسی ذیل میں یہ حدیث لائے ہیں کہ حضرت زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے، یہ حدیث معروف ہے اور کئی جگہ گزری ہے۔

۱۳۰۔ حدثنا محمد بن سلام قال : أخبرنا أبو معاوية قال : حدثنا هشام ، عن أبيه ، عن زينب ابنة أم سلمة عن أم سلمة قالت : جاء ت أم سليم إلى رسول الله ﷺ فقالت : يا رسول الله ، إن الله لا يستحي من الحق ، فهل على المرأة من غسل إذا احتلمت ؟ فقال رسول الله ﷺ : ((إذا رأت الماء)) فغطت أم سلمة - تعنى وجهها - و قالت : يا رسول الله وتحتلم المرأة ؟ قال : ((نعم ، تربت يمينك ، فبم يشبهها ولدها ؟)) . [أنظر : ۲۸۲ ، ۳۳۲۸ ، ۶۰۹۱ ، ۶۱۲۱ ، ۶۲۰۱]

۱۲۲ و فی صحیح مسلم ، کتاب الحيض ، باب وجوب الغسل على المرأة بخروج المني منها ، رقم : ۴۷۱ ، وسنن الترمذی ، کتاب الطهارة عن رسول الله ، باب ماجاء في المرأة ترى في المنام مثل ما يرى الرجل ، رقم : ۱۱۳ ، وسنن النسائي ، کتاب الطهارة باب غسل المرأة ترى في منامها ما يرى الرجل ، رقم : ۱۹۵ ، وسنن ابن ماجه ، کتاب الطهارة وسننها ، باب ماجاء في المرأة ترى في منامها ما يرى الرجل ، رقم : ۵۹۲ ، وسنن أحمد ، باقي مسند الانصار ، باب حديث أم سلمة زوج النبي ، رقم : ۲۵۲۹۵ ، ۲۵۳۶۷ ، ۲۵۳۹۷ ، ۲۵۸۶۵ ، وموطأ مالك ، کتاب الطهارة ، باب أول مسند عمر بن الخطاب ، رقم : ۱۰۶ .

”قالت: جاءت أم سليم إلى رسول الله ﷺ فقالت: يا رسول الله، إن الله لا يستحي من الحق، فهل على المرأة من غسل إذا احتلمت؟ فقال رسول الله ﷺ: ((إذا رأت الماء))“ یعنی آپ ﷺ نے فرمایا جب وہ پانی دیکھیں تو غسل واجب ہے۔

”فغطت أم سلمة - تعني وجهها“ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے شرم کے مارے اپنا چہرہ چھپا لیا اور ترمذی اور ابوداؤد میں مذکور ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا ”فضحت النساء یا أم سليم“ اے ام سلمہ رضی اللہ عنہا! تو نے عورتوں کو رسوا کر دیا اس لئے آپ نے ایسا سوال پوچھا ہے جس سے عورتوں کی کثرت شہوت پر دلالت ہوتی ہے کیونکہ احتلام کثرت شہوت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے تو شرم کی وجہ سے منہ چھپا لیا کہ انہوں نے کیسی بات پوچھی ہے لیکن ساتھ خود ہی حضور اقدس ﷺ سے یہ پوچھ بھی لیا کہ ”یا رسول اللہ وتحتلم المرأة؟“ کیا عورتوں کو بھی احتلام ہوتا ہے؟ ”قال: نعم، تربت يمينك“ ہاں ہوتا ہے ”تربت يمينك“ یہ جملہ بے تکلفی میں استعمال ہوتا ہے، بد دعا مراد نہیں ہوتی ”فبم يشبهها ولدها؟“ اسی بنا پر بچہ عورت کے مشابہ ہوتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر عورت میں مادہ منویہ نہ ہوتا تو بچہ کو والدہ سے مشابہت کیسے حاصل ہوتی؟ کیونکہ دوسری حدیث میں آتا ہے کہ ماں باپ میں سے جس کا مادہ سبقت کر جاتا ہے بچہ اس کے مشابہ ہوتا ہے، اس واسطے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مادہ منویہ نہ ہوتا تو مشابہت کیسے پیدا ہوتی ہے؟ اور جب مادہ منویہ اس کے اندر موجود ہے تو پھر احتلام بھی ہو سکتا ہے، اگرچہ طبی طور پر یہ عورتوں میں کم ہوتا ہے لیکن بڑی عمر کی عورتوں میں بھی احتلام ہونا ثابت ہے۔

اسی سے طبی مسئلہ کی بھی تحقیق ہو جاتی ہے، کیونکہ اس میں کلام ہوا ہے کہ آیا عورت کے اندر مادہ منویہ ہوتا ہے یا نہیں؟

بعض اطباء کا خیال یہ تھا کہ عورت کے اندر مادہ منویہ ہوتا ہی نہیں ہے اور عورت کا جو انزال ہے وہ استکمال لذت کا نام ہے بس، انزال یعنی خروج المنی اس میں ہوتا ہی نہیں ہے، لیکن اطباء کا دوسرا گروہ کہتا ہے کہ عورت میں بھی مادہ منویہ ہوتا ہے اور اس کا انزال محض استکمال لذت نہیں ہے بلکہ خروج مادہ ہے، البتہ اکثر اوقات وہ خروج داخل ہی داخل میں رہتا ہے خارج کی طرف نہیں ہوتا، اس واسطے لوگوں کو پتہ نہیں لگتا اور وہ انکار کر دیتے ہیں، البتہ بعض استثنائی حالتوں میں باہر کی طرف بھی خروج ہو جاتا ہے اور اسی میں یہ احتلام کی صورت بھی ہے۔ ۱۶۳

۱۳۱۔ حدثنا إسماعيل قال: حدثني مالك، عن عبد الله بن دينار، عن عبد الله ابن عمر أن رسول الله ﷺ قال: ((إن من الشجر شجرة لا يسقط ورقها وهي مثل

المسلم ، حدثونی ما هی ؟)) فوق الناس فی شجر البادية ، ووقع فی نفسی أنها النخلة ، قال عبد الله : فاستحييت ، فقالوا : یا رسول الله أخبرنا بها ، فقال رسول الله ﷺ : ((هی النخلة)) قال عبد الله : فحدثت أبی بما وقع نفسی فقال : لأن تكون قلتها أحب إلى من أن یکون لی کذا وکذا . [راجع : ۳۱]

یہ واقعہ پہلے گزر چکا ہے ، یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما خاموش رہے باوجود یہ کہ یہ جواب ان کے دل میں آ گیا تھا اور خاموش رہنے کی وجہ یہ بیان کی کہ ”فاستحييت“ مجھے حیاء آئی کہ میرے بڑے موجود ہیں ان کی موجودگی میں میرا بولنا اچھا نہیں ہے اور جیسا میں نے عرض کیا کہ نہ بولنے میں کوئی نقصان بھی نہیں تھا کیونکہ اسی مجلس میں مسئلہ حل ہو جاتا تھا چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے بتا بھی دیا ، تو علمی نقصان کچھ بھی نہیں تھا ، چونکہ علمی نقصان بھی کچھ نہیں تھا اور بڑوں کے ادب کی وجہ سے خاموش رہے ، اس لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے ۔ اگرچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بھی کہہ دیا کہ ”لأن تكون قلتها أحب إلى من أن یکون لی کذا وکذا“ کہ اگر تم بتا دیتے تو مجھے فلاں فلاں کام سے بہتر لگتا ، مجھے زیادہ محبوب ہوتا کہ تو اس سوال کا جواب دے رہا ہے جو اوروں کی سمجھ میں نہیں آیا ، میرے لئے یہ ایک فخر کی بات ہوتی ۔

معلوم ہوا کہ حیاء بھی اپنی جگہ درست تھا لیکن اگر بول پڑے اور بتا دیتے جبکہ اور لوگ خاموش تھے کسی نے جواب نہیں دیا تھا تو اس میں بھی کوئی گناہ کی بات نہیں تھی ، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر کہتے تو اچھا ہی تھا ، تو دونوں باتیں درست ہیں حیاء رک جانا بھی اور کسی وقت موقع ہو تو کہہ دینا بھی درست ہے ۔

(۵۱) باب من استحیا فامر غیرہ بالسؤال

اس شخص کا بیان جو خود شرمائے اور دوسروں کو مسئلہ پوچھنے کا حکم دے

۱۳۲۔ حدثنا مسدد قال : حدثنا عبد الله بن داود ، عن الأعمش ، عن منذر

الثوري ، عن محمد بن الحنفية ، عن علي قال : كنت رجلا مذاء ، فأمرت المقداد أن

يسأل النبي ﷺ فسأله فقال : ((فيه الوضوء)) . [أنظر : ۱۷۸ ، ۲۶۹ ، ۲۷۴]

۱۷۴ وفی صحیح مسلم ، کتاب الحيض ، باب المذی ، رقم : ۳۵۸ ، وسنن الترمذی ، کتاب الطهارة عن رسول الله باب

ما جاء فی المنی والمذی رقم : ۱۰۶ ، وسنن النسائی ، کتاب الطهارة ، باب ما ينقض الوضوء وما لا ينقض الوضوء من المذی ،

رقم : ۱۵۲ ، وکتاب الغسل والتیمم ، باب الوضوء من المذی ، رقم : ۳۳۱ ، وسنن ابی داؤد ، کتاب الطهارة ، باب فی المذی ،

رقم : ۱۷۸ ، ومسند احمد ، مسند العشرة المبشرين بالجنة ، باب ومن مسند علی بن أبی طالب ، رقم : ۵۷۲ ، ۵۷۳ ، ۶۲۶ ،

رقم : ۷۷۰ ، ۸۰۶ ، ۸۱۳ ، ۸۲۶ ، ۹۳۰ ، ۹۶۰ ، ۹۷۶ ، ۱۰۸۱ ، ۱۱۲۱ ، ۱۱۷۴ ، أول مسند الکوفیین باب حدیث عمار بن یاسر ،

رقم : ۱۸۱۳ ، وموطأ مالک ، کتاب الطهارة ، باب الوضوء من المذی ، رقم : ۷۶۰ .

یہ حیا میں داخل نہیں

یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ اگر کوئی شخص طبعاً اتنا شرمیلا ہے کہ خود سوال کرتے ہوئے اس کو شرم محسوس ہوتی ہے اس لئے وہ دوسرے سے کہہ دیتا ہے کہ بھائی تم پوچھ لو، تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے اور یہ حیا فی العلم میں داخل نہیں ہے کیونکہ مقصود یہ ہے کہ علم حاصل ہو جائے اور علم حاصل ہونے کا ایک ذریعہ یہ بھی ہے کہ اگر خود نہیں پوچھتا تو دوسرے کے ذریعے پوچھ لیا جائے، جیسے حضرت علیؓ نے حضرت مقداد بن الاسودؓ کے ذریعہ یہ مسئلہ پوچھا اور وجہ صرف یہ تھی کہ حضرت علیؓ کے نکاح میں حضور اقدسؐ کی صاحبزادی تھی، اس واسطے ان کو یہ مسئلہ پوچھتے ہوئے شرم معلوم ہو رہی تھی، لہذا حضرت مقداد بن الاسودؓ کے ذریعہ اس کا جواب حاصل کیا۔

(۵۲) باب ذکر العلم والفتیاء فی المسجد

مسجد میں مسائل علمی کا بتانا جائز ہے

اس باب سے یہ بتانا مقصود ہے کہ علم کی بات اور فتویٰ دینا مسجد میں بھی ہو سکتا ہے۔

اس کو بیان کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بعض لوگوں کے ذہن میں یہ خیال تھا کہ مسجد صرف نماز و عبادت کیلئے وضع کی گئی ہے اس لئے اس میں کوئی دوسرا کام نہ ہونا چاہئے، اسی طرح بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا تھا کہ مسجد کو مدرسہ نہیں بنانا چاہئے، اس لئے اس کا جواب دے رہے ہیں کہ مسجد کے اندر استفتاء کرنا اور اس کا جواب دینا جائز ہے، علم کی بات بھی جائز ہے۔

اگرچہ فقہائے حنفیہ رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ اجرت کے ساتھ مسجد میں پڑھانا جائز نہیں ہے، کیونکہ اجرت کے ساتھ پڑھانا یہ اجارہ ہے، جس طرح بیع مسجد کے اندر جائز نہیں اسی طرح اجارہ بھی جائز نہیں، البتہ بغیر اجرت کے فی سبیل اللہ اگر کوئی پڑھا رہا ہے تو یہ جائز ہے۔ ۱۶۵

۱۳۳۔ حدیثنا قتیبہ قال: حدثنا الليث بن سعد قال: حدثنا نافع مولى عبد الله بن

عمر بن الخطاب، عن عبد الله بن عمر أن رجلاً قام في المسجد فقال: يا رسول الله، من أين تأمرنا أن نهمل؟ فقال رسول الله ﷺ: ((يهمل أهل المدينة من ذي الحليفة،

۱۶۵۔ ای أن المسجد وإن بنى للصلاة لكن العلم والفتوى أيضاً من أمور الآخرة فيجوز أيضاً والقضاء أيضاً يجوز عندنا دون الشافعي رحمه الله تعالى لأنه ذكر وإقامة الحد لا يجوز لأنه من المعاملات ويجوز تعليم الأطفال إذا لم يأخذ عليه أجراً. فيض

ویہل اہل الشام من الجحفة ، ویہل اہل نجد من قرن)) وقال ابن عمر : ویز عمون أن رسول الله ﷺ قال : ((ویہل اہل الیمن من یلملم)) ، وکان ابن عمر یقول : لم أفقه هذه من رسول الله ﷺ . [أنظر : ۱۵۲۲ ، ۱۵۲۵ ، ۱۵۲۷ ، ۱۵۲۸ ، ۱۶۶]

اس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص مسجد میں کھڑا ہوا اور عرض کیا ”یا رسول اللہ من این تأمرنا أن نهل؟“ یا رسول اللہ! آپ ہمیں کہاں سے حکم دیتے ہیں کہ ہم تلبیہ پڑھیں؟ ”اہلال“ کے معنی ہیں تلبیہ پڑھنا، اور مراد احرام باندھنا ہے کیونکہ احرام کی حالت تلبیہ سے شروع ہوتی ہے۔ ”فقال رسول الله ﷺ : ((یہل اہل المدینة من ذی الحلیفة ، ویہل اہل الشام من الجحفة ، ویہل اہل نجد من قرن))“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اہل مدینہ ذوالحلیفہ سے احرام باندھیں گے اور اہل شام جحفہ سے اور اہل نجد قرن سے احرام باندھیں گے۔

”وقال ابن عمر : ویز عمون أن رسول الله ﷺ قال“:

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ لوگ سمجھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اہل یمن یلملم سے احرام باندھیں گے۔ ”وکان ابن عمر یقول : لم أفقه هذه من رسول الله ﷺ“ لیکن ساتھ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کرتے تھے کہ یمن والوں کے لئے یلملم ہے، میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے نہیں سنی کسی اور سے سنی ہے۔

(۵۳) باب من أجاب السائل بأكثر مما سألہ

سائل کو اس کے سوال سے زیادہ بتانے کا بیان

۱۳۴۔ حدثنا آدم قال : حدثنا ابن أبي ذئب ، عن نافع ، عن ابن عمر رضي الله

عنهما عن النبي ﷺ ، وابن أبي ذئب ، وعن الزهري ، عن سالم عن ابن عمر عن النبي ﷺ أن رجلا سألہ : ما يلبس المحرم ؟ فقال : ((لا يلبس القميص ولا العمامة ولا السراويل

۱۶۶ وفي سنن الترمذی ، کتاب الحج عن رسول الله ﷺ ، باب ما جاء في مواقيت الاحرام لاهل الآفاق ، رقم ۷۶۱ ، وسنن النسائی ، کتاب مناسك الحج ، باب المواقيت ميقات اهل المدينة ، رقم ۲۶۰۳ ، وسنن أبي داود ، کتاب المناسك ، باب في المواقيت ، رقم ۱۴۷۶ ، وسنن ابن ماجه ، کتاب المناسك ، باب مواقيت اهل الآفاق رقم ۲۹۰۵ ، ومسند احمد ، مسند المكشورين من الصحابة ، باب مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب ، رقم ۳۲۲۳ ، ۳۳۲۷ ، ۳۳۵۶ ، ۳۸۱۵ ، ۳۸۲۶ ، ۳۸۳۳ ، ۳۹۲۵ ، ۳۹۲۵ ، ۵۰۷۱ ، ۵۲۳۵ ، ۵۲۷۳ ، ۵۵۸۹ ، ۵۸۶۶ ، ۵۹۷۵ ، ۶۱۰۱ ، وموطا مالك ، کتاب الحج ، باب مواقيت الالهلال ، رقم ۶۳۰ ، ۶۳۱ ، وسنن الدارمی ، کتاب المناسك ، باب المواقيت في الحج ، رقم ۱۷۲۳ .

كتاب الوضوء

٢٤٧-١٣٥

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۴۔ کتاب الوضوء

وضو کا بیان

(۱) باب ماجاء فی الوضوء،

وقول الله عز وجل :

﴿ إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ
وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ
وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ ﴾ [المائدة: ۶]

”قال أبو عبد الله: وبين النبي ﷺ أن فرض الوضوء مرة مرة ، وتوضا أيضا
مرتين مرتين وثلاثا ، ولم يزد على ثلاث وكره أهل العلم الإسراف فيه ، وأن
يجاوزوا فعل النبي ﷺ“.

لفظ ”وضو“ کا معنی اور وجہ تسمیہ

وضو کا لفظ ”وضاءة“ سے نکلا ہے، اس کے معنی ”روشنی“ کے آتے ہیں اور وضو کو وضو اس لئے کہا جاتا
ہے کہ اس کے ذریعہ سے قیامت کے دن اعضاء وضو میں روشنی پیدا ہوگی، اور روشنی میں چونکہ صفائی اور ستھرائی
ہوتی ہے، اس واسطے وضو کا اطلاق مطلق صفائی اور ستھرائی پر بھی ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ وضو صفائی اور ستھرائی پر
مشتمل ہے۔

آیت وضو

امام بخاری رحمہ اللہ نے ”کتاب الوضوء“ سے متعلق یہاں پہلا باب قائم کیا ہے ”باب ماجاء فی

الوضوء وقول الله عز وجل:

﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ
وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ
وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ [المائدة: ۶]

اس آیت کریمہ میں وضو کا طریقہ بیان کیا گیا ہے اور اس کے ارکان کی نشاندہی کی گئی ہے، یہ آیت سورہ مائدہ کی ہے اور نبی کریم ﷺ کی بعثت کے اٹھارہ سال بعد نازل ہوئی ہے۔

بحث اول

بعض حضرات نے اس آیت کریمہ کی وجہ سے یہ سمجھا کہ وضو کی فرضیت ہی اٹھارہ سال بعد ہوئی ہے، لیکن یہ بات درست نہیں ہے۔

وضو نماز کے لئے پہلے ہی دن سے شرط قرار دیا گیا تھا جس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے اگرچہ سنداً یہ روایت ضعیف ہے، لیکن بعض دوسری روایتوں سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ جب جبریل امین علیہ السلام نماز کی تعلیم کے لئے بھیجے گئے اس وقت انہوں نے خود بھی وضو کیا تھا اور نبی کریم ﷺ کو بھی وضو کرایا تھا، بلکہ روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تھی اس وقت بھی جبریل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کو وضو کر کے بتایا تھا۔ ۲

نیز روایات سے ایسا کوئی زمانہ نہیں ملتا جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وضو کے بغیر نماز پڑھی ہو، لہذا صحیح یہ ہے کہ وضو کی فرضیت نماز کی فرضیت کے ساتھ ہی ہو گئی تھی، البتہ سورہ مائدہ والی آیت بعد میں نازل ہوئی اور ایسا ہونا ممکن ہے کہ حکم پر عمل پہلے شروع ہو گیا ہو اور اس کے بارے میں قرآن کریم کی آیت بعد میں نازل ہوئی ہو۔

دوسری بحث

دوسری بحث اس آیت کے بارے میں یہ ہے کہ ”إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ“ کے معنی تقریباً سب ہی مفسرین نے ”إِذَا اردتم الصَّلَاةَ“ کے بیان کئے ہیں۔ ”قام إليه“ ایک محاورہ ہوتا ہے جس کے اندر

۲..... عن النبي صلى الله عليه وسلم ان جبريل عليه السلام اتاه في أول ما أوحى اليه فعلمه الوضوء والصلاة فلما فرغ من الوضوء أخذ غرفة من ماء فنضح بها فرجه. رواه أحمد في مسنده: ج: ۴، ص: ۱۶۱، رقم: ۵۱۵۵، مؤسسة قرطبة، مصر، والدار قطنی فی ”سننہ“ ج: ۱، ص: ۱۱۱، باب فی توضیح الماء علی الفرج بعد الوضوء، مطبع دار المعرفة، بيروت، وفيض الباری، ج: ۱، ص: ۲۳۱.

حقیقتاً کھڑا ہونا مراد نہیں ہوتا بلکہ کسی کام کا ارادہ کرنا ہوتا ہے، تو ”إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ“ کے معنی ”اذا اردتم الصلاة“ کے ہوئے۔

سوال: اب اس پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب آدمی نماز کا ارادہ کرے تو اس وقت یہ کہا گیا کہ اپنے چہرے اور ہاتھ وغیرہ کو دھوؤ، اگر کسی نے پہلے وضو کیا ہوا ہو اور نماز کا ارادہ کرنے تو کیا پھر بھی وضو کرنا ضروری ہے؟
جواب: ظاہر ہے کہ اگر پہلے سے حالت حدث میں نہیں ہے تو پھر وضو کرنا ضروری نہیں ہے۔

سوال: سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر آیت کریمہ میں یہ کیوں نہیں کہا گیا کہ جب تم حالت حدث میں ہو تو پھر وضو کرو، مطلق نماز کے ارادہ پر وضو کے حکم کو معلق کیا گیا ہے؟
جواب: اس کے جواب میں علماء کرام نے تین طریقے اختیار کئے ہیں:

پہلا طریقہ

بعض حضرات نے کہا کہ اگرچہ یہاں لفظاً ”اذا قمتم إلى الصلاة وانتم محدثون“ مذکور نہیں ہے لیکن معنی یہ ملحوظ ہے، مراد یہی ہے کہ جب تم ارادہ کرو اور تم حالت حدث میں ہو تو چہرے اور ہاتھوں کو دھولو۔ اور معنی ملحوظ ہونے کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اٹھارہ سال سے وضو کے حکم پر عمل کرتے چلے آ رہے تھے اور یہ آیت بعد میں نازل ہوئی، تو اتنی بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر پہلے ہی سے واضح تھی کہ وضو کرنا اس وقت ضروری ہے جب آدمی حالت حدث میں ہو، یہ پہلے سے معلوم اور معروف بات تھی اس لئے اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

اس کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ جہاں تیمم کا بیان آیا ہے وہاں نوافض وضو کا بھی ذکر ہے جیسے:
”وان كنتم مرضى أو على سفر أو جاء أحد منكم من الغائط أو لامستم النساء فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيداً طيباً... الآية“

اس آیت میں تیمم کے لئے پہلے سے ذکر کیا گیا کہ ”أو جاء أحد منكم من الغائط... صعيداً طيباً“ تو تیمم کو حالت حدث پر معلق کیا گیا ہے۔

”أو جاء أحد منكم من الغائط... الخ“ سے حدث اصغر کی طرف اشارہ ہے کہ جب ان میں سے کسی حدث کی حالت میں ہو تو پھر تیمم کرو، جب تیمم کے اندر حدث کی حالت کا ذکر ہے تو تیمم وضو کا خلیفہ ہے، لہذا وضو کے اندر بھی یہی بات ہوگی، ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اگرچہ یہ شرط ملفوظ نہیں ہے لیکن ملحوظ ہے۔

دوسرا طریقہ

اس سوال کے جواب میں بعض حضرات نے دوسرا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ اگرچہ آیت کریمہ ”وانتم

محدثون“ کی شرط سے خالی ہے، نہ شرط کا ذکر ہے اور نہ نفی کا ذکر ہے لیکن نبی کریم ﷺ نے احادیث کے ذریعہ اس شرط کو بیان فرمایا ہے کہ یہ حکم اس وقت لاگو ہوگا کہ جب آدمی حالت حدث میں ہو۔

تیسرا طریقہ

بعض حضرات نے تیسرا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ ابتدا میں جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس وقت ”وانتم محدثون“ کی شرط نہ تو ملحوظ تھی اور نہ ملحوظ تھی اور نہ اس کو شرط کے طور پر ذکر کرنا منظور تھا بلکہ شروع میں حکم یہی تھا کہ جب کوئی آدمی نماز کا ارادہ کرے، چاہے پہلے سے حالت حدث میں ہو یا نہ ہو، ہر حالت میں اس کے ذمہ وضو کرنا واجب تھا، بعد میں یہ وجوب منسوخ کر دیا گیا۔

اس کی تائید ابوداؤد کی اس روایت سے ہوتی ہے جس میں یہ آیا ہے کہ ”کان النبی ﷺ یأمرنا بالوضوء طاهراً او غیر طاهر“ آپ ﷺ شروع میں ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم وضو کریں، طاہر ہوں یا غیر طاہر ہوں، بعد میں یہ حکم منسوخ کر دیا گیا اور اس کو حالت حدث کے ساتھ خاص کر دیا گیا۔ ۳۔
لہذا اگر کوئی شخص پہلے سے طاہر ہو تو اس کے لئے وضو کا وجوب منسوخ ہو گیا، البتہ استحباب اب بھی باقی ہے، اس آیت کریمہ میں قید اس لئے نہیں لگائی تاکہ اس کا استحباب باقی رہے، یعنی ”فاغسلوا وجوهکم“ کے امر کو اگر حالت حدث سے متعلق کیا جائے گا تو یہ امر وجوب کے لئے ہوگا اور اگر اس کو حالت طہارت کے ساتھ متعلق کیا جائے گا تو یہ امر استحباب کے لئے ہوگا، اور ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک ہی لفظ کسی ایک نسبت سے ایک معنی کیلئے ہو اور دوسری نسبت سے دوسرے معنی کے لئے ہو۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی توجیہ

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے ”فیض الباری“ میں اسی صورت کو اختیار کیا ہے کہ یہاں پر ”وانتم محدثون“ کی قید لگانے کی ضرورت نہیں ہے، حکم یہی ہے کہ جب بھی نماز کا ارادہ کرو تو وضو کرو، البتہ اگر حالت حدث ہے تو حکم وجوب کے لئے ہے اور اگر حالت حدث نہیں ہے تو پھر یہ حکم استحباب کے لئے ہے۔ ۴۔

یہ آیت کریمہ نقل کرنے کے بعد امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں قال ابو عبد اللہ: ”وبین النبی ﷺ ان فرض الوضوء مرة مرة“ کہ کتاب اللہ کے اجمال کی تفسیر سنت سے معلوم ہوتی ہے، کتاب اللہ میں مطلق ”غسل وجہ“ کا بیان ہے اور ”غسل ایدی وغسل أرجل“ کا بیان ہے لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ کتنی

۳۔ انظر: سنن أبی داؤد، ج: ۱، ص: ۱۲، رقم: ۳۸، و فیض الباری، ج: ۱، ص: ۲۳۷۔

۴۔ أقول معنی الأمر بالوضوء لمن كان محدثاً بالوجوب والا فعلى الاستحباب الخ، فیض الباری، ج: ۱، ص: ۲۳۱۔

مرتبہ دھویا جائے۔

اس اجمال کا بیان نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ وضو کے اندر ایک مرتبہ دھونا فرض ہے ”وتوضاً ایضاً مرتین مرتین وثلاثاً“ اور دود اور تین تین مرتبہ بھی دھوئے ہیں جیسا کہ آگے روایات میں آئے گا ”ولم یزد علی ثلاث“ اور تین مرتبہ سے زیادہ آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔

اسراف وضو میں بھی منع ہے

”وکرہ اهل العلم الإسراف فيه“ اور اہل علم نے اس موقع پر اسراف کو مکروہ سمجھا ہے ”وأن یجاوزوا فعل النبی ﷺ“ اور اس بات کو مکروہ سمجھا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا جو فعل مذکور ہے اس سے تجاوز کریں۔ زیادہ سے زیادہ تین مرتبہ دھونا ہے اس سے زیادہ منع ہے، روایات میں اس کی ممانعت آئی ہے فرمایا کہ ”فمن زاد علی هذا أو نقص فقد أساء أو ظلم وأساء وظلم“

(۲) باب : لا تقبل صلاة بغير طهور

کوئی نماز بغیر طہارت کے مقبول نہیں ہوتی

۱۳۵۔ حدثنا إسحاق بن إبراهيم الحنظلي قال : أخبرنا عبد الرزاق قال : أخبرنا معمر عن همام بن منبه أنه سمع أبا هريرة يقول : قال رسول الله ﷺ : ((لا تقبل صلاة من أحدث حتى يتوضأ)) ، قال رجل من حضر موت : ما الحدث يا أبا هريرة ؟ قال : فساء أو ضراط . [أنظر : ۶۹۵۳] ۶۶

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے ایسی روایت کو ترجمۃ الباب بنایا ہے جو انہوں نے خود تو روایت نہیں کی لیکن مسلم شریف اور سنن اربعہ میں موجود ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”لا تقبل صلاة بغير طهور“ ترمذی شریف کی پہلی حدیث بھی یہی ہے۔

یہ حدیث اگرچہ صحیح ہے لیکن چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط کے مطابق نہیں ہے اس لئے اس کو مسنداً ذکر نہیں فرمایا بلکہ اس کو ترجمۃ الباب بنا دیا اور اس میں اس کے ہم معنی ایک حدیث ذکر کر دی۔

۵ راجع: فیض الباری ج: ۱، ص: ۲۳۹، حاشیہ: ۱، وسنن أبی داؤد، ج: ۱، ص: ۳۳، رقم: ۱۳۵، باب الوضوء ثلاثاً ثلاثاً.

۶ ولای صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب وجوب الطہارۃ للصلاة، رقم: ۳۳۰، وسنن الترمذی، کتاب الطہارۃ عن رسول اللہ، باب ماجاء فی الوضوء من الريح، رقم: ۷۱، وسنن أبی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب فرض

الوضوء، رقم: ۵۵، ومسند احمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند أبی هريرة، رقم: ۷۸۷۵، ۷۷۳۲۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ”لا تقبل صلاة من أحدث حتى يتوضأ“ جو شخص حالت حدث میں ہو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی جب تک کہ وہ وضو نہ کرے۔

قبول کے معنی

قبول کے دو معنی ہوتے ہیں:

ایک قبول اصابت، اور

دوسرا قبول اجابت۔

یہاں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں، چونکہ نماز بغیر وضو کے نہ اس معنی میں قبول ہوتی ہے کہ وہ صحیح ہو اور نہ اس معنی میں قبول ہوتی ہے کہ اس پر ثواب ملے، دونوں احتمال موجود ہیں۔

حضرموت کے ایک شخص نے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو سناتے وقت موجود تھا، سوال کیا ”ما الحدث یا ابا ہریرہ؟“ اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ! حدث کیا چیز ہوتی ہے؟ کیونکہ آپ نے کہا تھا کہ جو حالت حدث میں ہو، اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے تشریح کرتے ہوئے کہا ”فساء أو ضراط“ خارج ہونے والی ریح اگر آواز کے ساتھ ہو تو ضراط اور اگر بغیر آواز کے ہو تو فساء ہے، فرمایا کہ یہ حدث ہے۔

سوال: یہاں یہ سوال پیدا ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدث کو ان ہی دو چیزوں میں کیوں منحصر کیا جبکہ اور بھی بہت ساری چیزیں حدث ہیں؟ حنفیہ کے نزدیک خون نکلنا، قے کا آنا اور بول و براز وغیرہ بھی حدث ہے۔
جواب: بعض حضرات نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہ انہوں نے بطور مثال ذکر کیا ہے اور ساتھ یہ بات بھی ہے کہ جب فساء اور ضراط کو حدث قرار دے دیا گیا جو بذات خود نجس نہیں بلکہ محض ایک ہوا ہے تو جو چیزیں بذات خود نجاست ہیں ان کے خروج سے بطریق اولیٰ حدث لاحق ہوگا۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی توجیہ

حضرت شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ نے اس کی ایک اور توجیہ بھی کی ہے کہ حدیث ”لا تقبل صلاة من أحدث“ نقل کرتے وقت لفظ ”احدث“ استعمال کیا۔

”احدث یحدث احداثاً“ اس کا حاصل مصدر حدث ہوتا ہے، حدث کے دو معنی ہوتے ہیں۔

ایک تو حدث انتقاض وضو کے معنی میں آتا ہے اور ایک بدعت کے معنی میں آتا ہے، جیسا کہ حدیث:

”من احدث فی امرنا فهو رد“ اور حدیث ”کل محدثة بدعة“ وغیرہ میں آیا ہے۔

لہذا حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ کا منشاء یہ ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص حدث کرے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی، پوچھنے والے نے پوچھا کہ حدث سے کیا مراد ہے؟
 حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ اس شخص کو حدث کے دونوں معنی معلوم ہیں، لہذا انہوں نے دونوں معنوں میں سے ایک معنی کو متعین کرنے کے لئے مثال کے طور پر فساء اور ضراط کا ذکر فرمایا کہ یہاں حدث سے بدعت مراد نہیں ہے بلکہ نقض وضو مراد ہے اور اس نقض وضو پر دلالت کرنے کے لئے بطور مثال وہ چیز ذکر کر دی جو کثیر الوقوع ہے اور جس کا حدث ہونا زیادہ معروف ہے۔

(۳) باب : فضل الوضوء والغر المحجلون

من آثار الوضوء

وضو کی فضیلت کا بیان اور یہ کہ قیامت کے دن لوگ وضو کے نشانات کے سبب سے

سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں والے ہوں گے

۱۳۶ - حدثنا یحییٰ بن بکیر قال : حدثنا الليث ، عن خالد ، عن سعید بن أبی ہلال ، عن نعیم المجمر قال : رقیق مع أبی ہریرۃ علی ظہر المسجد فتوضأ فقال : إني سمعت رسول اللہ ﷺ يقول : ((إن أمتی یدعون یوم القيامة غرا محجلین من آثار الوضوء ، فمن استطاع منکم أن یطیل غرته فلیفعل)) .
 یہ باب وضو کی فضیلت اور وضو کے آثار سے ”غر محجل“ ہونے کے بیان میں ہے۔

”غر محجل“ کی تشریح

”غر، اغر“ کی جمع ہے اور ”اغر“ اصل میں اس گھوڑے کو کہتے ہیں جس کی پیشانی پر سفیدی ہو اور سفیدی کو ”غرہ“ کہتے ہیں اور ”محجل“ اس گھوڑے کو کہا جاتا ہے جس کے پاؤں میں سفیدی ہے۔
 اسی حدیث میں مذکور ہے کہ قیامت کے دن جب وضو کرنے والے مسلمان اٹھائے جائیں گے تو ان کی پیشانیاں اور ان کے ہاتھ پاؤں وضو کے آثار سے چمک رہے ہوں گے، اسی کو ترجمۃ الباب میں ذکر کیا ہے۔

۱ - وفی صحیح مسلم ، کتاب الطہارۃ ، باب استحباب اطالۃ الغرۃ والتجلیل فی الوضوء ، رقم : ۳۶۲ ، وسنن ابن ماجہ ، کتاب الزہد ، باب ذکر الحوض ، رقم : ۴۲۹۶ ، ومسنند أحمد ، باقی مسند المکثرین ، باب باقی المسند السابق ، رقم : ۸۰۶۱ ، ۸۳۸۶ ، ۸۸۲۸ ، ۱۰۳۶۰ ، وموطا مالک ، کتاب الطہارۃ ، باب جامع الوضوء ، رقم : ۵۳ .

اس میں روایت ذکر کی ہے کہ :

”عن نعیم المجرم قال: رقیبت مع أبی هريرة علی ظهر المسجد الخ“

یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں، فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کی چھت پر تھا، انہوں نے وضو کیا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن میری امت کو اس حال میں بلایا جائے گا کہ ان کی پیشانیاں اور ان کے ہاتھ پاؤں وضو کے آثار سے چمک رہے ہوں گے، پس جو شخص تم میں سے یہ چاہے کہ اپنے غرہ کو طویل کرے یعنی سفیدی کو جسم کے زیادہ حصے تک پھیلائے تو وہ ایسا کرے۔

شافعیہ کا استدلال

اس آخری جملہ سے شافعیہ نے اس پر استدلال کیا ہے کہ اگرچہ اعضا وضو میں غسل کی مقدار مفروض تو مقرر ہے کہ چہرہ میں پیشانی سے لے کر ذقن کے اسفل تک اور کانوں کی لو تک اور ہاتھوں میں مرفقین تک اور پاؤں میں کعبین تک ہے، لیکن اس مقدار مفروض سے آگے تک دھونے کو اطالہ غرہ کہتے ہیں، اصطلاح میں کہتے ہیں ”اطالت الغرة“ یعنی اس نے غرہ کو آگے لمبا کیا، بڑھایا۔

چنانچہ کہتے ہیں ہاتھوں کو بازوؤں کے نصف تک دھونا مستحب ہے اور پاؤں کا نصف ساق تک دھونا مستحب ہے اگرچہ مقدار مفروض پاؤں میں ٹخنوں تک اور ہاتھوں میں کہنیوں تک ہے لیکن اگر نصف ساق وغیرہ تک دھوئے تو یہ مستحب ہے اور یہ اطالہ غرہ ہے اس سے قیامت کے دن اس کا غرہ آگے بڑھ جائے گا، کیونکہ یہاں الفاظ یہ ہیں کہ تم میں سے جو شخص غرہ کو لمبا کرنا چاہے تو وہ کرے۔ ۵۔

بعض حنفیہ نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے، البتہ اطالہ غرہ کی کوئی تحدید نہیں کی بلکہ یہ کہا کہ تھوڑا بہت

آگے بڑھ جائے تو بہتر ہے۔ ۹۔

حضرات مالکیہ اطالہ غرہ کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اطالہ غرہ کوئی چیز نہیں ہے، جتنی مقدار مفروض مذکور

۵۔ واختلفوا فی قدر المستحب علی أوجه: أحدها: أنه يستحب الزيادة فوق المرفقين والكعبين من غير توقیت والثانی: يستحب الی نصف العضد والساق والثالث: يستحب الی المنکبین، والرکبتین وأحادیث الباب تقتضی هذا كله. شرح النووی علی صحیح مسلم، ج: ۳، ص: ۱۳۴، بیروت، ۱۳۹۲ھ۔

۹۔ قلت: قد ثبت اطالة التحجيل من فعله صلی اللہ علیہ وسلم فی حدیث الباب، وقول الصحابی حجة عندنا اذا لم يخالفه مرفوع فلا يضر ادراج ذلك الكلام فی مقصود الباب، ولی رد المحتار، ج: ۱، ص: ۳۵، ولی البحر: واطالة الغرة تكون بالزيادة علی النحد المحدود، ولی الحلیة: والتحجيل يكون فی الیدین والرجلین، وهل له حد؟ لم أقف فیہ علی شی لأصحابنا، إعلاء السنن، ج: ۱، ص: ۱۲۶، وحاشیة ابن عابدین، ج: ۱، ص: ۱۳۰، دار الفکر، بیروت، ۱۳۸۶ھ۔

ہے اس پر عمل کرنا چاہئے اس سے زائد آگے دھونا درست نہیں۔ ۱۰۔
علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی زاد المعاد میں بھی یہی موقف اختیار کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ
حنابلہ کے نزدیک بھی یہی مسلک ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ اگرچہ غیر مقلد ہیں لیکن بکثرت حنابلہ کے قول کو اختیار کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوا
کہ حنابلہ کے نزدیک بھی اطالہ غرہ کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے، وہ بھی اس بارے میں مالکیہ کے ہم خیال ہیں
کہ اطالہ غرہ کو مستحب نہیں مانتے۔ ۱۱۔

اب شوافع اور بعض حنفیہ اطالہ غرہ کو مستحب مانتے ہیں۔

وہ حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں کہ جہاں وضو کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ وضو کرنے والے
”غرمحجل“ ہو کر قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے وہاں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ”فمن استطاع منکم أن
یطیل غرته فلیفعل“، گویا اطالہ غرہ کی ترغیب دی گئی ہے۔ ۱۲۔

جو حضرات اطالہ غرہ کو مشروع نہیں قرار دیتے جیسے مالکیہ، حنابلہ اور بعض حنفیہ ان کا کہنا یہ ہے کہ
”فمن استطاع“ والا جملہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ادراج ہے، حدیث مرفوع کا حصہ نہیں ہے۔ ۱۳۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی یہ دلیل پیش کی ہے کہ ”غرمحجل“ والی حدیث دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم
سے مروی ہے اور ان میں سے کوئی بھی صحابی رضی اللہ عنہ اس حدیث کے ساتھ یہ فقرہ روایت نہیں کرتا، سب کی حدیثیں
”من آثار الوضوء“ پر ختم ہو گئی ہیں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہ حدیث متعدد تابعین نے روایت کی ہے
لیکن سوائے ”نعیم المعجم“ کے اور کوئی بھی اس حدیث میں یہ فقرہ روایت نہیں کرتا۔ ۱۴۔

نیز ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح مشکوٰۃ میں حافظ منذری رحمہ اللہ سے بھی نقل کیا ہے کہ وہ اس جملے کو
مدرج قرار دیتے تھے۔ ۱۵۔

۱۰۔ ولا تندب اطالة الغرة كان أبو هريرة أحب أن أطيل غرتي قال عياض والناس مجمعون على خلافه. التاج والإكليل
ج: ۱، ص: ۲۶۶، دار الفكر، بيروت، ۱۳۹۸ھ.

۱۱۔ وعنه لا يستحب قال الامام احمد لا يغسل ما فوق المرفق قال في الفائق ولا يستحب الزيادة على محل الفرض في
نص الروايتين اختاره شيخنا. الانصاف للمرداوي، ج: ۱، ص: ۱۶۸، بيروت.

۱۲۔ ۱۳۔ ۱۴۔ وقد روى هذا الحديث عشرة من الصحابة وليس في رواية واحد منهم هذه الجملة، وكذا رواه جماعة عن
أبي هريرة وليس في رواية أحد منهم غير ما وجد في رواية نعیم عنه فهذا كله أمانة الإدراج، والله أعلم، عمدة القاری
ج: ۲، ص: ۳۵۳، وفتح الباری، ج: ۱، ص: ۲۳۶.

۱۵۔ فممن استطاع أن يطيل غرة فليفعل. رواه البخاری ومسلم وقد قيل أن قوله من استطاع إلى آخره إنما هو مدرج.
الترغيب للمندري، ج: ۱، ص: ۹۰، دار المكتبة العلمية، بيروت ۱۴۱۷ھ، وإعلاء السنن، ج: ۱، ص: ۱۲۵.

اس سے معلوم ہوا کہ یہ فقرہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا اور ارجح ہے، انہوں نے جب ”غرمحجلین“ والی حدیث سنائی تو اپنے اجتہاد سے یہ کہا کہ جو شخص غرہ کو آگے بڑھانا چاہے تو بڑھالے، کسی اور صحابی رضی اللہ عنہ سے مروی نہیں ہے کہ وہ اطالہ غرہ کرتے ہوں اور مقدار مفروض سے زیادہ حصہ دھویا کرتے ہوں، صرف عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے جس میں یہ صراحت ہے کہ وہ تھوڑا سا آگے تک دھویا کرتے تھے لیکن ساتھ ”فی الصیف“ کی بھی صراحت ہے کہ وہ ایسا گرمی کے موسم میں کرتے تھے اور ”فی الصیف“ کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ وہ یہ کام گرمی میں ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے کرتے تھے بطور استحباب نہیں کرتے تھے۔ ۱۶

بعض روایتوں میں جہاں یہ آتا ہے ”حتى أشرع في العضد، حتى أشرع في الساق“ اس کو بعض حضرات اطالہ غرہ کے لئے پیش کرتے ہیں، لیکن حقیقت میں یہ اطالہ غرہ نہیں بلکہ مٹی براحتیاط ہے کہ اطمینان حاصل ہو جائے کہ مرفق، کعب وغیرہ کا کوئی حصہ رہ نہ جائے، اس اطمینان کے حصول کیلئے تھوڑا سا آگے بڑھ جاتے تھے، لہذا یہ عمل اس سلسلے میں حجت نہیں ہو سکتا۔ ۱۷

سوال: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اپنا ہاتھ نصف عضو اور پاؤں نصف ساق تک دھوتے تھے اس کا کیا جواب ہے؟

جواب: ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اجتہاد سے ایسا کر رہے ہوں، کوئی حدیث مرفوعہ ان کے پاس نہیں تھی۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مسلم شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عضو اور ساق تک دھو کر وضو کیا تو ان کے شاگرد ابو حازم رحمہ اللہ نے دیکھ کر پوچھا ”یا ابا ہریرۃ ما هذا الوضوء؟“ انہوں نے جواب میں فرمایا: ارے بنی فروخ! تم یہاں موجود ہو، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم یہاں موجود ہو تو میں ایسا نہ کرتا۔ ۱۸ مطلب یہ ہے کہ وہ عام لوگوں کے سامنے بنا براحتیاط ایسا وضو کرنا پسند نہیں کرتے تھے تاکہ لوگ مقدار مفروض میں تصرف نہ کرنے لگیں، البتہ تنہائی میں ایسا کر لیتے تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آثار وضو

۱۶ تنبيه ادعى بن بطلان في شرح البخاري وتبعه القاضي عياض تفرد أبي هريرة بهذا..... قال بن أبي شيبة حدثنا وكيع عن العمري عن نافع أن بن عمر كان ربما بالغ بالوضوء إبطيه في الصيف. تلخيص الحبير، ج: ۱، ص: ۸۸، مدينة المنورة ۱۳۸۲ھ.

۱۷ صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب استحباب اطالة الغرة والتحجيل في الوضوء، رقم: ۳۶۲.

۱۸ عن أبي حازم قال كنت خلف أبي هريرة وهو يتوضأ للصلاة فكان يمد يده حتى تبلغ إبطه فقلت له يا أبا هريرة ما هذا الوضوء فقال يا بني فروخ أنتم ههنا لو علمت أنكم ههنا ماتوضأت هذا الوضوء سمعت خليلي صلى الله عليه وسلم يقول تبلغ الحلية من المؤمن حيث يبلغ الوضوء. صحيح مسلم، باب تبلغ الحلية حيث يبلغ الوضوء رقم: ۲۵۰، ج: ۱، ص: ۲۱۹، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

سے لوگ ”غیر محجل“ کر کے اٹھائے جائیں گے تو ان کے دل میں خیال ہوا کہ میں آگے بڑھا لوں، کیونکہ اس میں احتمال تو ہے شاید اس کی بدولت اللہ ﷻ میرا غرہ لمبا کر دیں اور اس کو عام نہیں کرنا چاہتے تھے تاکہ ایسا نہ ہو کہ مقدار مفروض اور غیر مفروض میں التباس ہو جائے اور لوگ مسئلہ شرعیہ کی حدود کو پامال نہ کر دیں۔

خلاصہ بحث

اس ساری تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اطالہ غرہ کوئی شرعی حکم نہیں ہے، اس کا مستحب ہونا بھی ثابت نہیں ہے، البتہ اگر کوئی بطور احتمال ایسا کرے تو اس کی گنجائش ہے بشرطیکہ اس احتمال کو احتمال کے درجہ میں ہی رکھے، اس سے آگے نہ بڑھائے۔

شریعت کا مزاج

شریعت کا مزاج یہ ہے کہ شریعت نے جو حدود متعین کر دی ہیں عام حالات میں ان حدود سے آگے بڑھنے کو ناپسند کیا گیا ہے، وضو کے باب میں بھی تین مرتبہ دھونے کو پسند کیا گیا ہے اور اس سے زیادہ دھونے کو ”فقد اساء وظلم“ فرمایا۔

روزہ کے اندر افطار وغروب آفتاب کے وقت ہے، کوئی آدمی اس میں تاخیر کرے تو اس کو مکروہ قرار دیا گیا ہے کیونکہ شریعت کی مقرر کردہ حد پر اس نے اضافہ کر دیا۔ سحری کا ایک وقت مقرر ہے اس میں تعجیل کرنے کو برا سمجھا گیا ہے کیونکہ مقدار صوم میں اپنی طرف سے اضافہ کر رہا ہے۔

اس مزاج کے تحت صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ آگے بڑھنا پسندیدہ نہیں ہے، حضرت ابو ہریرہؓ اپنے اجتہاد سے بنا بر احتیاط ایسا کرتے تھے، اس واسطے ان کے لئے جائز تھا، کسی اور شخص پر بھی اس قسم کا غلبہ ہوا اور وہ ان حدود کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسا کرے تو شاید اس کو ناجائز نہیں کہیں گے لیکن اس سے اس کو زیادہ بڑھانا اور مستحب کا درجہ دینا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

(۴) باب لا يتوضأ من الشك حتى يستيقن

اگر بے وضو ہو جانے کا شک ہو محض شک کی بناء پر وضو کرنا ضروری نہیں جب تک یقین حاصل نہ ہو

۱۳۷۔ حدثنا علی قال : حدثنا سفیان قال : حدثنا الزهري ، عن سعيد بن

المسيب ، عن عباد بن تميم ، عن عمه ، أنه شكاً إلى رسول الله ﷺ الرجل الذي ينخل إليه أنه يجد الشيء في الصلاة ؟ فقال : ((لا ينفلت - أو : لا ينصرف - حتى يسمع صوتاً

أو یجد ریحاً)) [أنظر: ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹]

حضرت عباد بن تمیم اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک ایسے شخص کی شکایت کی جس کے دل میں یہ خیال ہوتا تھا کہ وہ نماز میں کوئی چیز پارہا ہے، یعنی نماز کے دوران اس کو یہ وسوسہ ہوتا تھا کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا ہے، کوئی جدت لاحق ہو رہا ہے، تو وہ کیا کرے؟

آپ ﷺ نے فرمایا ”لا یفتل“ اس کو چاہئے کہ وہ نماز چھوڑ کر نہ جائے، یا فرمایا کہ ”لا ینصرف حتی یسمع صوتاً أو یجد ریحاً“ یہاں تک کہ وہ کوئی آواز سن لے یا بو محسوس کرے۔

آواز محسوس کرنا یا بو محسوس کرنا یہ یقین حدیث سے کنایہ ہے، ضروری نہیں ہے کہ ہر مرتبہ آدمی آواز سنے یا بو بھی محسوس کرے، یہاں یہ الفاظ خاص طور پر اس لئے فرمائے گئے کہ معاملہ ایک وہی شخص کا تھا اس کو اگر مگر سے جواب دیا جائے تو اس کے وہم کا علاج نہیں ہوتا، اس لئے اس کو ایک لگی بندھی دو ٹوک بات کہنی ہوتی ہے تب جا کر اس کے وہم کا ازالہ ہوتا ہے، تو اس کے وہم کو زائل کرنے کے لئے آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ آواز یا بو ہو تو تمہارا وضو ٹوٹ جائے گا، تمہارے دل میں جو خیالات آتے رہے ہیں محض ان خیالات سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس بات پر سب کا اجماع ہے کہ اس سے یقین حدیث مراد ہے۔

حصول علم کے لئے استاذ کی ضرورت

بعض لوگ جو بے استاذ ہوتے ہیں بغیر استاذ کے حدیث پڑھتے ہیں، ان میں سے ایک صاحب مجھے ملے تھے، انہوں نے یہ حدیث خود ہی پڑھ لی تھی، وہ کہتے ہیں کہ ہم تو کسی سے پڑھنے کے قائل نہیں ہیں، ہم تو خود ہی حدیث پڑھتے ہیں۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ کسی صاحب نے مجھ سے ایسا ہی مسئلہ پوچھا، میں نے کہا جب یقین ہو جائے تب وضو ٹوٹتا ہے بغیر یقین کے نہیں ٹوٹتا، اور آواز سننا اور بو پانا کوئی ضروری نہیں ہے۔ اس پر وہ صاحب ناراض ہو گئے کہ آپ حضور ﷺ کی حدیث کے خلاف بات کر رہے ہیں، حدیث میں تو یہ ہے۔

معلوم ہوا کہ جناب ساری عمر اسی پر عمل فرماتے رہے کہ بغیر بو اور بغیر آواز کے کبھی اپنے آپ کو محدث نہیں سمجھا۔ تو جو آدمی استاذ کے بغیر حدیث پڑھتا ہے اس کا یہی انجام ہوتا ہے۔ لہذا اس پر سب کا اجماع ہے اور

۱۹۔ وفی صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب جواز أكل المحدث الطعام وأنه لا كراهة في ذلك وأن الوضوء ليس على الفور، رقم: ۵۴۰، وسنن النسائي، كتاب الطهارة، باب الوضوء من الريح، رقم: ۱۶۰، وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب إذا شك في الحدث، رقم: ۱۵۰، وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب لا وضوء إلا من حدث، رقم: ۵۰۶، ومسند أحمد، أول مسند المدینین أجمعین، باب حدیث عبد اللہ بن زید بن عاصم المازنی، رقم: ۱۵۸۳۔

حدیث کے الفاظ بھی یہ بتا رہے ہیں کہ یہ ایک وہی شخص کے جواب میں فرمایا گیا ہے، اس لئے اس کے ظاہری معنی مراد نہیں، یہ یقین حدیث سے کنایہ ہے۔

الیقین لایزول بالشک

اسی سے فقہائے کرام نے یہ اصول نکالا ہے کہ ”الیقین لایزول بالشک“ پہلے سے جو یقین حاصل ہے وہ محض شک کی بنا پر زائل نہیں ہوتا۔ پہلے سے طہارت کا یقین ہے، اب شک ظاہر ہو رہا ہے کہ طہارت ہے یا نہیں، یہ شک اس طہارت کو زائل نہیں کرے گا۔ ۲۰

(۵) باب التخفيف فی الوضوء

وضو میں تخفیف کرنے کا بیان

یہ باب تخفیف فی الوضوء کے بیان میں ہے کہ وضو کے اندر جائز ہے کہ آدمی تخفیف سے کام لے، معنی یہ ہے کہ ہر عضو کو تین تین مرتبہ دھونے کے بجائے ایک مرتبہ دھو لے یا صرف دو دو مرتبہ دھو لے، یہ مراد نہیں ہے کہ جتنے اعضاء کو دھونا ضروری ہے ان میں سے کچھ کو چھوڑ دے، مَرَاتِ غَسَل کے اندر تخفیف کرنا مراد ہے۔

۱۳۸ - حدثنا علی بن عبد اللہ قال : حدثنا سفیان عن عمرو قال : أخبرني

كريب عن ابن عباس أن النبي ﷺ نام حتى نفخ ثم صلى ، وربما قال : اضطجع حتى نفخ ثم قام فصلى ، ثم حدثنا به سفیان مرة بعد مرة عن عمرو ، عن كريب ، عن ابن عباس قال : بت عند خالتي ميمونة ليلة فقام النبي ﷺ من الليل ، فلما كان في بعض الليل قام النبي ﷺ فتوضأ من شن معلق وضوء اخفيفا ، يخففه عمرو ويقلله ، وقام يصلي فتوضأت نحو ما توضأ ، ثم جئت فقمت عن يساره - و ربما قال سفیان : عن شماله - فحولني فجعلني عن يمينه ، ثم صلى ماشاء الله ، ثم اضطجع فنام حتى نفخ ثم أتاه المنادي فأذنه بالصلاة ، فقام معه إلى الصلاة ، فصلى ولم يتوضأ ، قلنا لعمرو : إن ناسا يقولون إن رسول الله ﷺ تنام عينه ولا ينام قلبه قال : عمرو : سمعت عبيد بن عمير يقول : رؤيا الأنبياء وحى ، ثم قرأ : ﴿ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ ﴾ [الصافات : ۱۰۲] - [راجع : ۱۱۷]

اس میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے، یہ وہی ایک رات کا واقعہ ہے جسے حضرت

عبداللہ بن عباس ؓ نے مختلف مواقع پر بیان فرمایا ہے، بخاری میں بھی یہ واقعہ مختلف روایتوں سے جگہ جگہ آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ سو گئے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے سانس کی آواز آنے لگی، پھر آپ ﷺ نے نماز پڑھی۔ اور بعض مرتبہ روایت کرتے ہوئے ”نام حتی نفخ“ کے بجائے ”اضطجع حتی نفخ“ کہا تھا۔

علی بن مدینی کہتے ہیں کہ اس کے بعد پھر سفیان نے کئی مرتبہ ہمیں عمرو بن دینار اور انہوں نے کریب سے یہ حدیث سنائی کہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کہتے تھے کہ میں نے ایک دفعہ اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر رات گزاری۔ نبی کریم ﷺ رات کے وقت کھڑے ہوئے اور جب رات کا بعض حصہ گزرا تو آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور ایک مشکیزے سے وضو فرمایا جو لٹکا ہوا تھا۔

”شن“ کے معنی مشکیزے کے ہیں ”خفیفاً“ ہلکا وضو، مراد یہ ہے کہ اس میں ہر عضو کو تین تین مرتبہ دھونے کا اہتمام نہیں تھا۔

”یخففہ عمرو ویقللہ“ عمرو بن دینار اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے اس وضو کو خفیف اور قلیل قرار دے رہے تھے یعنی تین تین مرتبہ نہیں دھویا، کم دھویا، مطلب یہ کہ اس میں پانی کم خرچ کیا ”وقام یصلی“ اس کے بعد آپ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوئے ”فتوضأت نحواً مما توضأ“ عبداللہ بن عباس ؓ کہتے ہیں کہ میں نے بھی ویسا ہی وضو کیا جیسا کہ حضور ﷺ نے کیا تھا۔

”ثم جئت فقمتم عن يساره“ میں آ کر بائیں طرف کھڑا ہو گیا، وربما قال سفیان: ”عن شماله“ بعض مرتبہ ”يسار“ کا لفظ استعمال کیا اور بعض مرتبہ ”شمال“ کا لفظ استعمال کیا۔

”فحولنی“ آپ ﷺ نے مجھے پھیر دیا ”فجعلنی عن یمینہ ثم صلی ما شاء اللہ“ پھر جتنا اللہ ﷻ نے چاہا اتنی حضور ﷺ نے نماز پڑھی، پھر آپ ﷺ لیٹ گئے ”حتى نفخ“ پھر سو گئے یہاں تک کہ آپ ﷺ کے سانس کی آواز آنے لگی۔

”ثم اتاه المنادی فأذنه بالصلاة“ پھر آپ کے پاس منادی آیا، اس نے آ کر نماز کی اطلاع دی کہ نماز کا وقت قریب ہے ”فقام معه الى الصلاة“ اس کے بعد آپ ﷺ اٹھ کر نماز کے لئے تشریف لے گئے، پھر آپ ﷺ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں فرمایا، کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام کی نیند ناقض وضو نہیں ہوتی۔ قلنا لعمرؤ: چنانچہ ہم نے اپنے استاذ عمرو بن دینار سے کہا ”ان ناسا يقولون“ کہ لوگ یوں کہتے ہیں ”ان رسول اللہ ﷺ تمام عینہ ولا ینام قلبہ“۔

عمرو نے کہا یعنی اس بات کی تائید کی کہ ہاں یہ بات صحیح ہے اور میں نے عبید بن عمیر کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ”رویا الانبیاء وحی“ انبیائے کرام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔

یعنی اس کی وجہ بتادی کہ انبیاء کا نوم ناقض وضو اس لئے نہیں ہے کہ انبیاء کا دل حالت نوم میں بھی بیدار

یہ عبد اللہ بن مسلمہ کی روایت نقل کی ہے کہ وہ امام مالکؒ سے وہ موسیٰ بن عقبہ سے وہ حضرت کرب سے وہ عبد اللہ بن عباسؓ سے اور وہ اسامہ بن زیدؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں (اسامہ بن زیدؓ) نے رسول اللہؐ سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ آپؐ عرفہ سے روانہ ہوئے، یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے، عرفات میں توقف فرمانے کے بعد مزدلفہ کے لئے روانہ ہوئے یہاں تک کہ جب گھاٹی کے پاس پہنچ گئے (یہ کوئی خاص گھاٹی ہوگی جس کی طرف اشارہ کیا ہے) تو وہاں اترے پھر پیشاب فرمایا پھر وضو کیا اور اسباغ نہیں کیا۔

اسباغ نہ کرنے کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ایک ایک مرتبہ عضو کو دھویا اور ایک سے زیادہ مرتبہ نہیں دھویا اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ تمام اعضائے وضو کو نہیں دھویا صرف ہاتھ منہ دھویا، کیونکہ کبھی کبھی رسول اللہؐ کو جب اس وضو سے کوئی نماز وغیرہ پڑھنا مقصود نہ ہوتا تو کبھی کبھی ایسا بھی کرتے تھے، یہ احتمال بھی موجود ہے۔ لیکن زیادہ تر محدثین نے پہلے معنی مراد لئے ہیں کہ اعضاء کو ایک ایک مرتبہ دھویا۔

حضرت اسامہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ”الصلوة یا رسول اللہ“ یا رسول اللہ! نماز پڑھئے۔ ”فقال: الصلاة امامک“ آپؐ نے فرمایا کہ نماز آگے ہوگی کیونکہ اس وقت مغرب کی نماز عرفہ میں نہیں پڑھتے بلکہ مزدلفہ جا کر عشاء کے ساتھ پڑھتے ہیں، لہذا آپؐ سوار ہوئے اور جب مزدلفہ پہنچے تو وہاں اتر کر وضو فرمایا اور اسباغ کیا۔

اگر پہلی جگہ عدم اسباغ سے ایک ایک دفعہ دھونا مراد تھا تو یہاں اسباغ سے مراد تین تین دفعہ دھونا ہے اور اگر پہلے عدم اسباغ سے مراد یہ ہے کہ صرف ہاتھ منہ دھویا تھا تو یہاں اسباغ سے مراد یہ ہے کہ مکمل وضو کیا، پھر نماز کھڑی کی گئی، آپؐ نے مغرب کی نماز پڑھی، مغرب کی نماز کے بعد ہر شخص نے اپنے اپنے اونٹ کو اپنی منزل پر بٹھادیا، پھر عشاء کی نماز ادا کی گئی۔

ایسا لگتا ہے کہ پہلے اترتے ہی نماز شروع کر دی اور اونٹوں کو کھڑا رکھا جس کی وجہ سے وہ سامنے گڑبڑ کرنے لگے ہوں گے، لہذا انہوں نے سوچا کہ یہ اونٹ بٹھا دیں کیونکہ یہ خلل انداز ہو رہے ہیں پھر عشاء پڑھیں، چنانچہ انھیں بٹھا کر نماز پڑھی اور مغرب اور عشاء کے درمیان کوئی نماز نہیں پڑھی یعنی سنتیں وغیرہ نہیں پڑھیں۔

(۷) باب غسل الوجه بالیدین من غرفة واحدة

اعضاء وضو کو صرف ایک ایک چلو سے دھونا بھی منقول ہے

۱۴۰۔ حدثنا محمد بن عبد الرحیم قال: أخبرنا أبو سلمة الخزاعی منصور بن

سلمة قال: أخبرنا ابن بلال یعنی سلیمان عن زید بن أسلم، عن عطاء بن یسار، عن ابن

عباس: أنه توضأ فغسل وجهه، أخذ غرفة من ماء فمضمض بها واستنشق، ثم أخذ غرفة

من ماء فجعل بها هكذا أضفاً إليها إلى يده الأخرى ، فغسل بها وجهه ثم أخذ غرفة من ماء فغسل بها يده اليمنى ، ثم أخذ غرفة من ماء فغسل بها يده اليسرى ، ثم مسح برأسه ثم أخذ غرفة من ماء فرش على رجله اليمنى حتى غسلها ، ثم أخذ غرفة أخرى فغسل بها رجله اليمنى اليسرى ، ثم قال : هكذا رأيت رسول الله ﷺ يتوضأ . ۲۲

فرماتے ہیں کہ چہرہ کو دو ہاتھوں سے ایک ہی چلو کے ذریعہ دھونا جائز ہے ، یعنی ایک ہی چلو میں پانی لیا اور اس سے دوسرے ہاتھ کو ملا کر اس میں ڈال کر اسی سے منہ دھونا جائز ہے ۔
اس کے ثبوت میں یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ عطاء بن یسار ، عبد اللہ بن عباس ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ”انہ توضأ“ عبد اللہ بن عباس ؓ نے وضو کیا اپنا چہرہ دھویا ، پانی کا ایک چلولیا ، اس سے کلی کی اور استشق کیا ۔

شافعیہ کا مسلک

اس سے امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک کے لئے دلیل ملتی ہے کہ وہ کہتے ہیں مضمضہ اور استشق غرفة واحدہ بالوصل سے ہوتا ہے اور یہی افضل ہے ۔

حنفیہ کا مسلک

حنفیہ کے ہاں اگرچہ یہ طریقہ بھی جائز ہے لیکن افضل یہ ہے کہ چھ غرفات ہوں ، تین مضمضہ کے لئے اور تین استشق کے لئے ۔

اس سلسلے میں دونوں طرف سے بڑی کھینچ تان ہوئی ہے حالانکہ اس کی ضرورت نہیں ، کیونکہ مختلف طریقے مختلف روایات سے ثابت ہیں اور کسی طریقہ کی مشروعیت کا کوئی بھی انکار نہیں کرتا ۔ حنفیہ اگر یہ کہتے ہیں کہ مضمضہ اور استشق کیلئے چھ غرفات ہونے چاہئیں تو وہ یہ نہیں کہتے کہ ایک غرفہ سے کرنا جائز ہے یا ایک غرفہ سے کرنا منع ہے یا وضو نہیں ہوتا ، وضوان کے نزدیک بھی ہو جاتا ہے اور جائز ہے ، لہذا اگر کسی روایت سے غرفہ واحدہ کا ثبوت ہو رہا ہے تو یہ حنفیہ کے خلاف حجت نہیں ، لہذا یہ روایت بھی حنفیہ کے خلاف حجت نہیں ۔ ۲۳

۲۲ وفی سنن النسائی ، کتاب الطهارة ، باب مسح الأذنین مع الرأس وما يستدل به علی أنهما من الرأس ، رقم : ۱۰۰ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب الطهارة ، باب الوضوء مرتین ، رقم : ۱۱۸ ، وسنن ابن ماجہ ، کتاب الطهارة وسننہا ، باب المضمضة والاستشقاق من کف واحد ، رقم : ۳۹۷ ، ومسند أحمد ، ومن مسند بنی ہاشم ، باب بدایة مسند عبد اللہ بن العباس ، رقم : ۲۲۹۱ ، ۳۲۷۱ ، وسنن الدارمی ، کتاب الطهارة ، باب الوضوء مرة مرة ، رقم : ۶۹۳ ۔

پھر ایک چلو پانی اور لیا اور اس سے اس طرح کیا ”اضا فہا الی یدہ الأخری“ کہ اس میں سے کچھ پانی دوسرے ہاتھ پر ڈال کر ”فغسل بها وجهہ“ اپنے چہرہ کو دونوں ہاتھوں سے دھویا، یہی ترجمۃ الباب کا منشا ہے۔

”ثم أخذ غرفة من ماء“ پھر پانی کا ایک چلو لیا ”فغسل بها یدہ الیمنی ثم أخذ غرفة من ماء فغسل بها یدہ الیسری.... فرش علی رجلہ الیمنی“

”رش“ کے لفظی معنی: چھینٹنا مارنے کے ہیں لیکن یہ غسل خفیف کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس سے حنفیہ کے بول غلام کے مسئلہ کی تائید ہوتی ہے، حنفیہ ”رش“ کو غسل خفیف پر محمول کرتے ہیں لہذا یہاں بھی ”رش“ اسی معنی میں ہے۔

(۸) باب التسمیۃ علی کل حال وعند الوقاع

بسم اللہ ہر حال میں کہنا چاہیے یہاں تک کہ صحبت سے پہلے بھی

۱۴۱۔ حدثنا علی بن عبد اللہ قال: حدثنا جریر، عن منصور، عن سالم بن ابی الجعد، عن کریب، عن ابن عباس: يبلغ به النبی ﷺ قال: ((لو أن أحدکم إذا أتى أهله قال: بسم اللہ اللہم جنبنا الشیطان، وجنب الشیطان ما رزقتنا، فقصی بینہما ولد لم یضرہ)). [أنظر: ۳۲۷۱، ۳۲۸۳، ۵۱۶۵، ۶۳۸۸، ۷۳۹۶] ۲۴

جماع کے وقت بسم اللہ پڑھنا

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس جماع کے ارادہ سے جائے، اگر وہ اس وقت یوں کہے ”بسم اللہ اللہم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان ما رزقتنا“ اللہ جل جلالہ کے نام سے اور دعا کرے کہ اے اللہ! ہمیں شیطان سے محفوظ رکھے اور شیطان کو اس چیز سے الگ کر دیجئے جو آپ ہمیں عطا فرمائیں یعنی اگر کوئی شیطان وغیرہ ہے تو اس کو دور فرما دیجئے۔

۲۴۳۔ وفي صحيح مسلم، كتاب النکاح، باب ما يستحب أن يقول عند الجماع، رقم: ۲۵۹۱، وسنن الترمذی، كتاب النکاح عن رسول اللہ، باب ما يقول إذا دخل علی أهله، رقم: ۱۰۱۲، وسنن أبی داؤد، كتاب النکاح، باب فی جامع النکاح، رقم: ۱۸۳۶، وسنن ابن ماجه، كتاب النکاح، باب ما يقول الرجل إذا دخلت علیہ أهله، رقم: ۱۹۰۹، ومسنند أحمد، ومن مسند بنی هاشم، باب بداية مسند عبد اللہ بن العباس، رقم: ۱۷۷۰، ۱۸۰۹، ۲۰۶۹، ۲۳۲۳، ۲۳۶۶، وسنن الدارمی، كتاب النکاح، باب القول عند الجماع، رقم: ۲۱۱۵.

یہ دعا پڑھ لینے سے اگر ان کی تقدیر میں کوئی بچہ لکھا گیا ہو ”لم یضرہ“ تو شیطان اس کو یا بچہ کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو لا کر اس پر ترجمہ الباب یہ قائم کیا ہے کہ ”باب التسمیۃ علی کل حال وعند الوقاع“ بسم اللہ پڑھنا ہر حال میں اور جماع کے وقت میں۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہ دعا کشف عورت سے پہلے پڑھنی ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ اس کو لا کر یہ ثابت کر رہے ہیں کہ اس حدیث میں صراحۃً عند الوقاع موجود ہے کہ جماع کے وقت آدمی کو یہ دعا پڑھنی چاہئے اور اللہ جلّالہ کا نام لینا چاہئے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب ایسے کام کے لئے اللہ جلّالہ کا نام لینے کا حکم دیا گیا ہے جو شرم اور برہنگی کا کام ہے تو جو کام ایسی شرم اور برہنگی پر مشتمل نہ ہو تو اس میں اللہ جلّالہ کا نام لینا بطریق اولیٰ مشروع ہوگا، اس سے یہ استدلال کرنا چاہتے ہیں کہ وضو کے شروع میں بھی بسم اللہ پڑھنا چاہئے اور دخول خلاء سے پہلے بھی ”بسم اللہ اللہم انی أعوذ بک من الخبث والخبائث“ پڑھنا چاہئے۔

وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنے پر جو حدیثیں وارد ہیں ان میں سے کوئی ایسی نہیں تھی جو امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط کے مطابق ہو اس لئے ان میں سے کوئی حدیث نہیں لائے، البتہ اس کی جگہ ایسی حدیث لے کر آئے جو ہر حالت میں بسم اللہ پڑھنے پر دلالت کرتی ہے۔

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود تسمیۃ قبل الوضو یا عند الوضو کی مشروعیت بیان کرنا ہے اور اس سے کوئی تعرض نہیں ہے کہ یہ واجب ہے یا نہیں، اگرچہ بعض حضرات نے ان کی طرف وجوب کی نسبت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ باب اسی لئے قائم کیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ اس سے وجوب نہیں بلکہ استحباب معلوم ہوتا ہے، اس میں صیغہ امر نہیں ہے، محض فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا کرے تو شیطان اس کے بچہ کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔

امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ تسمیۃ کے وجوب کے قائل ہیں اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی ایک روایت بھی ان کے مطابق ہے۔

حنفیہ میں سے علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے اگرچہ ان کے شاگرد علامہ قاسم ابن قطلوبغا ”تفردات شیخی غیر مقبولة“ کہتے ہیں۔

البتہ جمہور کا مسلک استحباب کا ہے، حنفیہ کے ہاں ایک روایت سنت ہونے کی ہے اور ایک مستحب ہونے کی ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ مستحب ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نہ قرآن میں کہیں تسمیۃ کا حکم دیا گیا ہے نہ حدیث میں کسی صحیح روایت میں اس کا حکم ہے اور ”لا وضوء لمن لا یسم“ والی حدیث سند اقویٰ نہیں ہے اور اگر قویٰ

ہو بھی تب بھی کتاب اللہ پر زیادتی ممکن نہیں، اس واسطے اس سے وجوب ثابت نہیں ہوتا۔ ۲۵

مؤمن کی شان

یہ حدیث یہ سبق دے رہی ہے کہ جماع کا وقت ایسا ہے جس میں انسان اپنی نفسیاتی خواہش پوری کرتا ہے اور ایسی حالت ہے جس کا کسی دوسرے کے سامنے ذکر کرتے ہوئے بھی شرماتا ہے چہ جائیکہ اس میں کسی سے بات کرے، تو ایسے وقت میں بھی اللہ ﷻ کا نام لینے، دعا پڑھنے اور اللہ ﷻ کی طرف رجوع کرنے کی تلقین کی گئی، بتانا یہ مقصود ہے کہ مؤمن کا دل ہر وقت اللہ ﷻ سے لگا رہنا چاہئے اور ہر قدم پر اس کو رجوع الی اللہ کرنا چاہئے، یہی وہ ایک چیز ہے جو مؤمن کو غیر مؤمن سے ممتاز کرتی ہے کہ مؤمن کوئی کام غفلت میں نہیں کرتا، بلکہ اپنے اللہ ﷻ کو یاد کر کے کرتا ہے اور اس کے نتیجہ میں اللہ ﷻ کی یاد اس کے دماغ میں پیوست ہو جاتی ہے اور یہی یاد انسان کو گناہوں سے بچاتی ہے۔

دوسری طرف اس بات کا بھی اعتراف ہے کہ انسان جو کچھ کر رہا ہے یہ اس کے قوت بازو کا کرشمہ نہیں ہے اور نہ اس کے استحقاق کا حصہ ہے بلکہ جو کچھ ہو رہا ہے یہ سب اللہ ﷻ کی عطاء نعمت ہے اور اس کی توفیق کے بغیر وہ کسی کام پر قادر نہیں ہو سکتا۔

جب بندہ ہر قدم پر یہ اعتراف کرے گا تو ایک طرف اپنی بندگی، عاجزی اور شکستگی کا اظہار ہوگا اور دوسری طرف اللہ ﷻ کی نعمتوں پر شکر ہوگا، نتیجہ اللہ ﷻ کی اطاعت کا جذبہ مستحکم اور قوی ہوگا، اس لئے مختلف اوقات میں پڑھنے کا جو کہا گیا ہے یہ کوئی معمولی بات نہیں، اگر آدمی اسے دھیان سے انجام دے تو یہ بہت بڑا اور عظیم الشان عمل ہے۔

(۹) باب ما يقول عند الخلاء

بیت الخلا جاتے وقت کیا پڑھے

یہ باب بیت الخلا میں جاتے وقت کچھ پڑھنے کے سلسلے میں ہے۔

۱۲۲۔ حدثنا آدم قال : حدثنا شعبة عن عبد العزيز بن صهيب قال : سمعت

أنساً يقول : كان النبي ﷺ إذا دخل الخلاء قال : ((اللهم إني أعوذ بك من الخبث

والخبائث)) تابعه ابن عمر ، عن شعبة ، وقال غندر ، عن شعبة : ((إذا أتى الخلاء)) .

وقال موسى عن حماد : ((إذا دخل)) ، وقال سعيد بن زيد : حدثنا عبد العزيز : ((إذا

اراد أن يدخل)). [انظر: ۶۳۲۲] ۲۶

اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے، فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب خلاء میں داخل ہوتے تو ”اللہم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث“ فرماتے۔

”الخبث“ خبیث کی جمع ہے اور ”الخبائث“ خبیثہ کی جمع ہے، خبث سے ذکر شیاطین اور خبائث سے اناث شیاطین مراد ہیں، دونوں سے اللہ ﷻ کی پناہ مانگی اور اس کی وجہ ابو داؤد میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ”الحشوش محتضرة“ یعنی قضاء حاجت کی جگہوں میں شیاطین حاضر رہتے ہیں اور ایک روایت میں آتا ہے کہ ”تلعب بمقاعد بنی آدم“ تو اس کے ازالہ کے لئے یہ دعا تلقین فرمائی گئی اور اس بات کے لئے بھی کہ جب آدمی کو کوئی اندیشہ لاحق ہو تو اس وقت مؤمن کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ ﷻ کی پناہ طلب کرے۔

جب بیت الخلاء میں جا رہا ہے تو اس بات کا اندیشہ لاحق ہے کہ کہیں شیاطین (ذکور و اناث) مجھے جسمانی یا روحانی نقصان نہ پہنچائیں، اس لئے اس سے بچنے کے لئے پناہ لینے کی تعلیم دی گئی، اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ انسان کو مستقبل میں اگر کسی نقصان، بیماری یا تنگ دستی کا اندیشہ ہو تو ایسے موقعوں پر بھی اللہ ﷻ کی پناہ مانگنی چاہئے۔ یہ سب باتیں کرنے کی ہیں میاں! محض سننے سے کچھ نہیں ہوتا، اس بات کی عادت ڈالیں کہ جب کوئی خطرہ یا اندیشہ دل میں آئے تو فوراً اللہ ﷻ کی پناہ مانگیں، عادت بنا لینے کے بعد کوئی لمحہ اللہ ﷻ کی طرف رجوع سے خالی نہیں ہوتا۔

چنانچہ ماضی کے خیالات پر استغفار، حال میں اگر حالت اچھی ہے تو شکر الحمد للہ اور بری ہے تو صبر، مستقبل میں کوئی کام کرنا ہے تو بسم اللہ الرحمن الرحیم، اور اگر کوئی اندیشہ ہے تو ”اللہم انی اعوذ بک“ پڑھ کر اللہ ﷻ کی طرف رجوع کرنا چاہئے، جب آدمی اس کی عادت ڈال دے گا تو اس کا ہر زمانہ چاہے ماضی ہو، حال ہو یا مستقبل ہو رجوع الی اللہ کا مظہر ہوگا اور اس کے ذریعہ اللہ ﷻ سے رابطہ اور تعلق قائم ہو گیا۔ مگر یاد رہے یہ بات عمل کرنے سے آتی ہے محض تقریر میں لوگوں کو سنانے اور ان سے واہ واہ کہلوانے سے نہیں ہوتی۔

۲۶ وفی صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب ما يقول اذا اراد دخول الخلاء، رقم: ۵۶۳، وسنن الترمذی، کتاب الطهارة عن رسول الله، باب ما يقول اذا دخل الخلاء، رقم: ۵، وسنن النسائي، کتاب الطهارة، باب القول عند دخول الخلاء، رقم: ۱۹، وسنن أبي داؤد، کتاب الطهارة، باب ما يقول الرجل اذا دخل الخلاء، رقم: ۴، وسنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننهما، باب ما يقول الرجل اذا دخل الخلاء، رقم: ۲۹۲، وسنن أحمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند انس بن مالک، رقم: ۱۵۰۹، ۱۵۳۵، ۱۳۳۸، وسنن الدارمی، کتاب الطهارة، باب ما يقول اذا دخل المخرج، رقم: ۶۶۷.

خلاء میں دعا پڑھنے کا وقت کون سا ہے؟

اب یہ بحث کہ خلاء میں جاتے وقت دعا پڑھنے کا خاص وقت کون سا ہے؟ اس سلسلے میں حنفیہ کہتے ہیں کہ اگر عمارت ہے تو ”قبیل الدخول“ پڑھنا چاہئے اور کھلی جگہ ہے تو ”قبیل کشف العورة“ پڑھنی چاہئے اور اگر کوئی شخص داخل ہوتے وقت پڑھنا بھول گیا یا کشف العورة کر لیا اور نہیں پڑھا تو دل ہی دل میں پڑھ لے، دونوں صورتوں میں زبان سے تلفظ نہ کرے۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر حالت میں پڑھ لے، اگرچہ داخل ہوا ہو۔ ان کا استدلال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث سے ہے کہ ”کان النبی ﷺ الخ“ لیکن یہ استدلال تام نہیں ہے اس لئے کہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ عین قضاء حاجت کے وقت بھی پڑھ لے اور اس کے امام مالک رحمہ اللہ بھی قائل نہیں ہیں، لہذا معلوم ہوا کہ ”کل“ اکثر کے معنی میں ہے یا ذکر قلبی مراد ہے، ذکر لسانی مراد نہیں ہے۔ ۷۷

اس حدیث میں امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن صہیب کی جو روایت سعید بن زید رحمہ اللہ کے واقعہ سے بیان کی ہے اس میں ”اذا اراد ان یدخل“ سے حنفیہ کے موقف کی تائید ہو رہی ہے۔

(۱۰) باب وضع الماء عند الخلاء

بیت الخلا جانے کے وقت پانی رکھ دینے کا بیان

۱۴۳۔ حدثنا عبد اللہ بن محمد قال : حدثنا ہاشم بن القاسم قال : حدثنا ورقاء ،

عن عبيد اللہ بن ابي یزید ، عن ابن عباس أن النبی ﷺ دخل الخلاء فوضعت له وضوءا ،

قال : من وضع هذا ؟ فآخبر ، فقال : ((اللهم فقهه فی الدین)) . [راجع : ۷۵]

حضرت عبد اللہ بن عباس رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ خلاء میں داخل ہوئے تو میں نے آپ کے لئے وضو کا پانی بھر کر رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے بھرے بھرائے لوٹے سے آرام محسوس کرنے کے بعد پوچھا کہ یہ کس نے رکھا ہے؟ بتایا گیا کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رحمہ اللہ نے رکھا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اے اللہ! ان کو دین میں تفقہ اور سمجھ عطا فرما۔ اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب پر استدلال فرمایا کہ خلاء میں وضو کی تیاری کے لئے پہلے سے پانی رکھ دینا جائز ہے۔

افضل خدمت

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے کسی بڑے کی ایسی خدمت کر دینا جس کا اس نے حکم نہیں دیا لیکن یقین ہے کہ وہ اس کیلئے راحت کا سبب ہوگی، فضیلت کی بات ہے۔

ایک تو وہ خدمت ہے جو مخدوم کے کہنے سے کی جائے، اس نے کہا کہ میرا یہ کام کر دو، خادم نے کر دیا، اس میں بھی بہت بڑی فضیلت ہے لیکن کوئی ایسی خدمت کرنا جس کا اس نے کہا نہیں تھا خود سے یہ خیال آیا کہ میں یہ کام کر دوں جس سے اسے راحت ملے گی تو یہ اور زیادہ فضیلت کی بات ہے، اس لئے کہ اس سے مخدوم کو وہ راحت ملے گی جس کی پہلے سے اس کو توقع نہیں تھی۔

ایک وہ راحت ہے جس کی پہلے سے توقع ہو اس سے بھی خوشی حاصل ہوتی ہے لیکن ایک وہ راحت ہے جس کی پہلے سے توقع نہ ہو اس سے زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے، زیادہ آرام ملتا ہے۔ تو خادم اگر مخدوم کا ایسا کام کر دے جو اس کی توقع سے زیادہ ہو تو اس کو زیادہ خوشی اور راحت ملے گی اور خادم کو اجر و ثواب اور فضیلت بھی زیادہ حاصل ہوگی۔

لیکن یہ اسی وقت ہے، جب یقین ہو کہ میری اس خدمت سے مخدوم کو راحت ملے گی اور یہ جاننے کے لئے فہم سلیم کی ضرورت ہے، یہ نہیں کہ اپنی طرف سے ایسی خدمت کر دی جس سے الٹی تکلیف پہنچ گئی حالانکہ راحت پہنچانے کا ارادہ تھا، تو ایسی صورت میں جبکہ تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہو خدمت نہ کرنا بہتر ہے۔

خدمت کے لئے عقل کی ضرورت ہے

ایک مرتبہ ہم مسجد میں گئے اور جوتے باہر چھوڑ گئے، نماز پڑھ کر باہر آئے تو دیکھا کہ جوتے غائب ہیں، ساتھی تلاش کرنے لگے کوئی ادھر دوڑ رہا ہے کوئی ادھر دوڑ رہا ہے میں سمجھا کوئی بیچارہ اٹھا کر مسجد میں لے گیا ہوگا، ایسے واقعات پیش آتے ہی رہتے ہیں، جب پانچ سات منٹ ہو گئے تو ایک صاحب اندر سے ٹہلتے ہوئے تشریف لائے اور کہا کہ جی باہر رکھے ہوئے تھے میں نے اس خیال سے اٹھا کر اندر رکھ دیئے کہ چوری نہ ہو جائیں۔

اب اس بیچارہ نے اپنی دانست میں تو بھلائی کی کہ چوری سے بچانے کے لئے اندر لے جا کر رکھ دیئے لیکن بے چارہ عقل سے پیدل تھا اس واسطے اس نے یہ کام کر دیا اور بتایا نہیں کہ کہاں رکھے ہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ بجائے فائدہ پہنچنے کے نقصان پہنچ گیا، تو خدمت کیلئے بھی عقل اور سمجھ چاہئے بغیر فہم و عقل کے جو خدمت کی جائے گی وہ فائدہ کے بجائے نقصان کا سبب بن جاتی ہے، ایک تو یہ بات معلوم ہوئی۔

مخدوم کی ذمہ داری

دوسری بات یہ ہے کہ جب کسی مخدوم کو ایسے کسی خادم سے کوئی راحت پہنچے تو اس مخدوم کے لئے سنت یہ ہے کہ خادم کے حق میں دعا کرے یعنی اس کی خدمت کا حق یہ ہے کہ اس کو تھوڑا سا خوش کیا جائے، خوش کرنے کا ایک طریقہ یہ ہوگا کہ محض تعریف کر دے کہ بڑا اچھا کام کیا، اس سے بھی آدمی خوش ہو جاتا ہے اس کی حوصلہ افزائی ہو جاتی ہے لیکن اس سے صرف اتنا ہی فائدہ حاصل ہوا کہ سن کر تھوڑا سا دل خوش ہو گیا۔

لیکن اگر اس کے حق میں دعا کر دیں تو دعا ایسی چیز ہے جو دنیا و آخرت میں اس کیلئے نافع ہے، نبی کریم ﷺ نے بھی یہاں دعادی اور دعا بھی ایسی کہ جو چیز (تفقه فی الدین) سالہا سال کی مشقت سے بھی مشکل سے حاصل ہوتی ہے اس کی دعا فرمادی اور سید الانبیاء ﷺ کی دعا سے بڑی نعمت اور کیا ہے؟

اس واسطے معلوم ہوا کہ مخدوم خدمت لے کر خاموش نہ بیٹھا رہے بلکہ اس کا کام ہے کہ خادم کو دعادے، کم از کم ”جزاک اللہ“ ہی کہہ دے تاکہ اللہ ﷻ اس کو دنیا و آخرت میں اس کا بدلہ عطا فرمائیں۔

پیر صاحبان تو خدمت کو اپنا حق سمجھتے ہیں، یہ سمجھ ہوئے ہوتے ہیں کہ اگر کوئی خادم خدمت کر رہا ہے تو وہ ہمارا قرضہ چکارہا ہے، لہذا نہ شکر یہ ادا کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہمت افزائی کی حاجت ہے بلکہ الٹا ڈانٹ پھینکا رہی چلتی رہتی ہے، تو یہ طریقہ سنت کے مطابق نہیں ہے، سنت یہ ہے کہ اپنے خادم کی حوصلہ افزائی کرے اور یہ حوصلہ افزائی دعا کے ذریعہ کرے کیونکہ یہ خدمت کو اپنا حق سمجھ رہا ہے تاکہ حق ہونے کی بات اس کے ذہن سے نکل جائے، اس لئے کہ دعا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ میرا حق نہیں ہے اللہ ﷻ ہی آپ کو اس کا بدلہ دیں۔

افراط و تفریط نہ ہونا چاہئے

یہ باتیں اس لئے ذکر کر رہا ہوں کہ ان میں بڑی افراط و تفریط ہوتی رہتی ہے، ابھی تو آپ یہاں طالب علم ہیں، خادم بن کر رہتے ہیں لیکن جب استاذ بن کر جائیں گے تو پھر دماغ میں تھوڑا سا ”خناس“ آ جائے گا کہ میں محتاج الیہ ہوں اور جو سامنے بیٹھے ہیں وہ محتاج ہیں، لہذا یہ خادم ہیں اور میں مخدوم ہوں، تو شاگردوں کے ساتھ معاملہ کبھی کبھار تکبر کی حدود میں آ جاتا ہے اور بعض اوقات دل شکنی کی صورت میں آ جاتا ہے، طالب علم بے چارہ کہے یا نہ کہے۔

اور اگر خدا نخواستہ پیر بن گئے تو اللہ اکبر، پھر تو چھوٹی سی خدائی ہے، جتنے مریدین ہیں بے چارے سب بندے بن گئے، اللہ بچائے، پھر اس کی کھال اور چڑی بھی حلال، ان کا مال اور آبرو بھی حلال۔ تو یہ سب باتیں حضور اقدس ﷺ کی سنت کو نہ سمجھنے اور عمل نہ کرنے کی وجہ سے ہیں۔

(۱۱) باب لا تستقبل القبلة ببول ولا غائط

إلا عند البناء، جدار أو نحوه

بیت الخلا میں قبلہ کی طرف منہ نہ کرے البتہ عمارت یا دیوار ہو یا اس کے مثل

کوئی اور چیز آڑ کی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں

۱۴۴۔ حدثنا آدم قال: حدثنا ابن أبي ذئب قال: حدثني الزهري، عن عطاء بن يزيد

الليثي، عن أبي أيوب الأنصاري قال: قال رسول الله ﷺ: ((إذا أتى أحدكم الغائط فلا

يسقبل القبلة ولا يولها ظهره، شرقوا أو غربوا)). [أنظر: ۳۹۴] ۲۸

امام بخاری رحمہ اللہ کا اس باب میں یہ مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے کہ بول و براز کے وقت قبلہ کا استقبال و

استدبار دونوں ناجائز ہیں۔

اس میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”إذا

أتى أحدكم الغائط فلا يسقبل القبلة ولا يولها ظهره“ اور آگے فرمایا ”شرقوا أو غربوا“ یعنی

بول و براز کے وقت مشرق کا رخ کیا کرو یا مغرب کا رخ کرو۔

چونکہ مدینہ منورہ کے اندر قبلہ جنوب کی طرف تھا اس لئے اگر جنوب کا رخ کریں تو قبلہ کا استقبال لازم

آتا ہے اور شمال کا رخ کریں تو قبلہ کا استدبار لازم آتا ہے، لہذا فرمایا کہ مشرق یا مغرب کی طرف رخ کرو تا کہ

استقبال یا استدبار لازم نہ آئے۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث بالکل صریح بھی ہے اور ”اصح منافی الباب“ بھی ہے جس میں

استقبال و استدبار دونوں کی ممانعت مطلقاً مذکور ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر جو ترجمہ الباب قائم کیا

ہے اس میں ایک استثناء بڑھا دیا ہے کہ قبلہ کا استقبال غائط یا بول کے وقت نہ کیا جائے ”الا عند البناء“ مگر جب

کسی عمارت کے اندر بول و براز کر رہا ہو، دیوار یا کوئی اور عمارت ہو، اس حالت کو انہوں نے ممانعت سے مستثنیٰ

قرار دیا اور شافعیہ و مالکیہ کا مسلک اختیار کیا ہے۔

۲۸ وفي صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب الاستطابة، رقم: ۳۸۸، وسنن النسائي، كتاب الطهارة، باب النهي عن استدبار

القبلة عند الحاجة، رقم: ۲۱، وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب كراهية استقبال القبلة عند قضاء الحاجة، رقم: ۸، وسنن

ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب النهي عن استقبال القبلة بالغائط والبول، رقم: ۳۱۴، ومسند أحمد، باقي مسند

الأنصار، باب حديث أبي أيوب الأنصاري، رقم: ۲۲۳۱۴، ۲۲۳۲۴، ۲۲۳۵۷، ۲۲۳۷۴.

شافعیہ و مالکیہ کا مسلک

شافعیہ و مالکیہ کے نزدیک استقبال و استدبار کی ممانعت اسی صورت میں ہے جب آدمی کھلی فضا میں قضاء حاجت کر رہا ہو، اگر کسی عمارت میں ہے تو پھر ان کے نزدیک استقبال و استدبار منع نہیں ہے۔

انہی کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب قائم کیا ہے، حالانکہ جو حدیث روایت کی ہے اس میں کوئی استثناء موجود نہیں ہے، البتہ لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استثناء نکالا ہے جو اگلے باب میں آرہی ہے، لیکن اس باب میں جو حدیث روایت کی ہے اس میں کوئی استثناء نہیں ہے۔

بعض حضرات نے یہ توجیہ کی ہے کہ اس حدیث میں لفظ ”غائط“ آیا ہے اور ”غائط“ کے اصلی معنی نشیبی زمین کے ہیں اور عام طور پر قضاء حاجت کے لئے نشیبی زمین کو استعمال کیا جاتا تھا، تو چونکہ ”غائط“ کے اصلی معنی کھلے میدان کے ہیں، اس لئے ممانعت اس صورت میں ہے کہ جب آدمی نشیبی زمین کے اندر قضاء حاجت کر رہا ہو، لہذا اگر کوئی شخص بناء کے اندر قضاء حاجت کر رہا ہو تو وہ اباحت اصلہ کے تحت مباح ہوگی اور ممانعت میں داخل نہیں ہوگی، یہ امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال ہے۔

مسئلہ کی فقہی تفصیل

جہاں تک مسئلہ کی فقہی تفصیل کا تعلق ہے تو وہ تفصیل ترمذی اور ابوداؤد میں آجائے گی، درس ترمذی میں جو آٹھ مذاہب بیان کئے گئے ہیں یہاں ان کی تفصیل کی حاجت نہیں، صرف اتنا ذکر کر دینا کافی ہے کہ امام ابوحنفیہ رحمہ اللہ کے نزدیک استقبال و استدبار کی ممانعت علی الاطلاق ہے، چاہے صحرا میں ہو، چاہے آبادی میں ہو اور حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کی حدیث حضرات حنفیہ کی بڑی مستحکم دلیل ہے۔

جو حضرات جواز کے قائل ہیں جیسے امام بخاری، امام شافعی اور امام مالک رحمہم اللہ ان کا استدلال حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے، جو آگے آرہی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی چھت پر سے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شام کی طرف رخ کر کے قضاء حاجت کر رہے ہیں، شام کی طرف رخ کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کعبہ کی طرف استدبار ہوگا، اس لئے انہوں نے بنیان کے اندر استقبال کو جائز قرار دیا۔

حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کا جواب

حنفیہ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ حضرت ابویوب رضی اللہ عنہ کی حدیث حکم شرعی کلی بیان کرنے کے لئے ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ایک واقعہ جزئیہ ہے، نیز اس میں بہت سے احتمالات ہو سکتے ہیں۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھنے میں غلط فہمی ہوئی ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑا سا انحراف کئے بیٹھے

ہوں گے، جس کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے محسوس نہیں کیا یا بیان نہیں کیا ہو۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے استدبار کو مکروہ تنزیہی قرار دے کر اس حدیث کو بیان جواز پر محمول کیا ہے۔ علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ کا رجحان بھی اسی جانب ہے اور انہوں نے ”فضل الباری“ میں اس پر مضبوط دلیل دی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے کلام سے اس کی کچھ تائید ہوتی ہے ”کما فی فیض الباری“ دراصل جب یہ انحراف ہو جائے تو استقبال و استدبار ختم ہو جاتا ہے، لہذا ان احتمالات کی بنیاد پر حضرت ابویوب انصاریؓ کی حدیث کا موازنہ نہیں ہو سکتا۔ ۲۹

(۱۲) باب من تبرز علی لبنتین

اس شخص کا بیان جو دو اینٹوں پر بیٹھ کر قضاے حاجت کرے

یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ قضاے حاجت دو اینٹوں پر اس طرح بیٹھ کر کرنا چاہیے کہ چھینٹیں وغیرہ پڑنے کا احتمال نہ رہے، اگر آدمی بالکل زمین سے لگ کر بیٹھے گا، تو اس میں تلبس کا زیادہ احتمال ہے۔ ”لبنتین، لبنة“ کا تشبیہ ہے۔

۱۳۵۔ حد ثنا عبد اللہ بن یوسف قال : أخبرنا مالک ، عن يحيى بن سعيد ، عن محمد بن يحيى بن حبان ، عن عمه واسع بن حبان ، عن عبد الله بن عمر أنه كان يقول : إن ناسا يقولون : إذا قعدت على حاجتك فلا تستقبل القبلة ولا بيت المقدس ، فقال عبد الله بن عمر : لقد ارتقيت يوماً على ظهر بيت لنا فرأيت رسول الله ﷺ على لبنتين مستقبلاً بيت المقدس لحاجته ، وقال : لعلك من الذين يصلون على أوراكهم فقلت : لا أدرى والله ، قال مالک : يعنى الذى يضلّى ولا يرتفع عن الأرض يسجد وهو لا صق با لأرض [انظر: ۱۳۸، ۱۳۹، ۳۱۰۲، ۳۰]

۲۹ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: درس ترمذی، ج: ۱، ص: ۱۸۳، و فیض الباری، ج: ۱، ص: ۲۳۵، و فضل الباری، ج: ۲، ص: ۲۲۸۔

۳۰ و فی صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب الاستطابۃ، رقم: ۳۹۰، و سنن النسائی، کتاب الطہارۃ، باب الرخصة فی ذلک فی البیوت، رقم: ۲۳، و سنن أبی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب الرخصة فی ذلک، رقم: ۱۱، و سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ و سننہا، باب الرخصة فی ذلک فی الکئیف و إباحته ذون الصحاری، رقم: ۳۱۷، و مسند أحمد، مسند المکثرین من الصحابة، باب مسند عبد اللہ بن عمر بن الخطاب، رقم: ۳۷۷۷، ۳۷۷۸، و موطأ مالک، کتاب النداء للصلاة، باب الرخصة فی استقبال القبلة لبول أو غائط، رقم: ۴۰۸، و سنن الدارمی، کتاب الطہارۃ، باب الرخصة فی استقبال القبلة، رقم: ۶۶۵۔

اس میں واسع بن حبان کی وہ روایت نقل کی ہے جو انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ بہت سے لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب تم اپنی حاجت کے لیے بیٹھو تو قبلہ کا استقبال بھی نہ کرو اور بیت المقدس کا استقبال بھی نہ کرو۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اپنے گھر کی چھت پر چڑھ کر آپ ﷺ کو دو اینٹوں پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔

یہاں انہوں نے ہمارے گھر کی چھت کہا ہے جبکہ دوسری روایات میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی صراحت ہے، لیکن بہن کے گھر کو عام طور پر اپنا ہی گھر کہا جاتا ہے اس لئے یہاں اپنا گھر کہہ دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے قضاء حاجت کے وقت بیت المقدس کا رخ کیا ہوا تھا، یہاں یہ حدیث ختم ہوگئی۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا (واسع بن حبان کی روایت میں) کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جو اپنے کولہوں پر نماز پڑھتے ہیں، تو میں (واسع بن حبان) نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں کہ میں ان میں سے ہوں یا نہیں۔

اس مسئلہ کا تعلق استقبال قبلہ سے نہیں ہے بلکہ دوسری روایت سے (جو مسلم میں آئی ہے) معلوم ہوتا ہے کہ واسع بن حبان نماز پڑھ رہے تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دیکھا کہ وہ سجدہ اس طرح کر رہے ہیں جیسے ہمارے ہاں عورتیں کرتی ہیں کہ رانیں پیٹ سے ملا لیتی ہیں اور پاؤں باہر نکال لیتی ہیں۔

یہاں استقبال بیت المقدس کا مسئلہ بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ایسا لگتا ہے تم ان لوگوں میں سے ہو جن کو اتنا پتہ نہیں ہے کہ سجدہ کس طرح کیا جاتا ہے ”اوراک“ یعنی کولہوں کے اوپر سجدہ کرتے ہو۔

”قال مالک“ یہاں سے امام مالک رحمہ اللہ کی ”اوراک“ کی تشریح ذکر کر دی ہے کہ مراد یہ ہے کہ آدمی نماز پڑھے اور زمین سے بلند نہ ہو، سجدہ اس حالت میں کرے کہ زمین سے چپکا ہوا ہو۔

(۱۳) باب خروج النساء إلى البراز

عورتوں کا قضاے حاجت کے لئے باہر نکلنے کا بیان

اس باب میں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ عورتوں کے لیے اپنے گھروں سے قضاے حاجت کے لیے نکلنا جائز ہے۔

۱۴۶۔ حدثنا يحيى بن بكير، قال : حدثنا الليث قال : حدثني عقيل ، عن ابن شهاب، عن عروة ، عن عائشة : أن أزواج النبي ﷺ كن يخرجن بالليل إذا تبرزن إلى المناصع ، وهو سعيد أفيح فكان عمر يقول للنبي ﷺ : أحجب نسائك ، فلم يكن رسول

اللہ ﷻ يفعل، فخرجت سود بنت زمعة زوج النبي ﷺ ليلة من الليالي عشاء، وكانت امرأة طويلة، فناداها عمر: ألا قد عرفناك يا سود: حرصا على أن ينزل الحجاب فأ نزل الله الحجاب. [أنظر: ۱۳۷، ۴۷۹۵، ۵۲۳۷، ۶۲۳۰] ۳۱

۱۳۷۔ حدثنا زكريا قال: حدثنا أبو أسامة، عن هشام بن عروة عن أبيه، عن عائشة عن النبي ﷺ قال: ((قد أذن أن تخرجن في حاجتك)) قال هشام: تعني البراز [راجع: ۱۳۶]

اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج براز کی حاجت کے لئے رات کے وقت نکلا کرتی تھیں۔

”إلى المناصع: مناصع“ کے بارے میں دو قول ہیں:

ایک یہ کہ یہ ایک جگہ کا نام ہے، جو مسجد نبوی کی مشرقی جانب بقیع کی طرف ایک کھلا میدان تھا، اس کو مناصع کہتے تھے۔ چنانچہ راویوں نے یہاں اس کی تفسیر وہی ”صعيد أفصح“ سے کی ہے، صعيد کے معنی مٹی اور أفصح کے معنی کشادہ کے ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہ جگہ کا نام نہیں ہے بلکہ یہ لفظ ہی ان میدانوں کے لئے بولا جاتا ہے جو عام طور پر لوگ قضاء حاجت کے لئے استعمال کرتے ہیں اور عام طور پر بستیوں کے آس پاس اس طرح کی جگہیں ہوتی ہیں جنہیں اس مقصد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، لہذا یہ صرف اس خاص جگہ کا نام نہیں بلکہ جہاں بھی لوگ کھلے میدان کو اس مقصد کے لئے استعمال کریں اس کو مناصع کہا جائے گا، چنانچہ ازواج مطہرات رات کے وقت اس میں نکلا کرتی تھیں۔

دوسری طرف حضرت عمرؓ نبی کریم ﷺ سے کہتے تھے کہ ”أحجب نسائك“ اپنی خواتین کو پردے کا حکم دیجئے، نبی کریم ﷺ پردے کا حکم نہیں دیتے تھے، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا جو طویل قامت والی خاتون تھیں، ایک دفعہ رات کو عشاء کے وقت نگلیں، حضرت عمرؓ نے ان کو پہچان لیا اگر چہ وہ چادر میں نگلی ہوں گی، انہوں نے آواز دے کر کہا ”ألا قد عرفناك يا سودة“ اے سودہ! ہم نے آپ کو پہچان لیا ہے، یہ بات حضرت عمرؓ نے اس حرص میں کہی تاکہ حجاب کا حکم آجائے، چنانچہ اس کے بعد حجاب کا حکم نازل ہوا۔

حدیث کو لانے کا منشأ

یہاں اس حدیث کو لانے کا منشأ صرف یہ ہے کہ خواتین براز کی حاجت کے لئے باہر جاتی تھیں اور

حضور ﷺ نے ان کو اجازت دے دی تھی اور یہی بات ترجمۃ الباب سے ثابت کرنا مقصود ہے اور یہاں اس واقعہ کو بیان کرنے کا حاصل مقصد یہ ہے کہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کا نکلنا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ان کو آواز دینا یہ نزول حجاب سے پہلے کا واقعہ ہے، حجاب کا حکم بعد میں نازل ہوا۔

لیکن یہی حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب التفسیر میں ہشام بن عروہ کے طریق سے اس طرح بیان کی ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ واقعہ نزول حجاب کے بعد کا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آواز دے کر ان سے کہا کہ آپ ہم سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی ہیں، چنانچہ اس وقت نبی کریم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں تشریف فرما تھے، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے جا کر ان کو بتایا کہ نکلنے کے دوران میرے ساتھ اس طرح کا واقعہ پیش آیا۔ اس پر آپ ﷺ نے کچھ انتظار فرمایا، یہاں تک کہ وحی نازل ہوئی اور وحی نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں حاجت کے لئے باہر نکلنے کی اجازت ہے۔

دونوں روایتوں میں تعارض

یہاں ان دونوں روایتوں میں کئی پہلوؤں سے تعارض نظر آتا ہے:

ایک تو یہ کہ یہ واقعہ نزول حجاب سے پہلے کا ہے، اس کے بعد حجاب کا حکم نازل ہوا، جبکہ وہاں یہ ہے کہ یہ واقعہ نزول حجاب کے بعد کا ہے۔

دوسرا یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا ”ہم نے آپ کو پہچان لیا ہے“ یہ حجاب کا حکم آنے کی حرص میں تھا اور پھر ان کی یہ خواہش پوری کر دی گئی اور حجاب کا حکم نازل کر دیا گیا۔

دوسری طرف کتاب التفسیر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ خواہش حجاب پوری نہیں ہوئی کیونکہ وہ تو نکلنے ہی کو منع کر دینا چاہتے تھے جبکہ آپ ﷺ نے وحی کا انتظار کرنے کے بعد ان کو حاجت کے لئے باہر نکلنے کی اجازت دے دی۔ تو یہ سنگین قسم کے تعارض روایات میں نظر آتے ہیں۔

رفع تعارض

اس تعارض کو رفع کرنے کے لئے لوگوں نے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں۔ کسی نے کہا کہ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں، ایک نزول حجاب سے پہلے کا اور ایک بعد کا ہے، کسی نے کچھ اور کہا۔

میرے نزدیک اس کی سب سے بہتر توجیہ وہ ہے جو حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اختیار فرمائی اور وہ یہ کہ نزول حجاب کے دوسرے حلے ہیں۔

نزول حجاب کے مراحل

مرحلہ اولیٰ: پہلا مرحلہ یہ ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ولیمہ کے موقع پر آیات حجاب نازل ہوئیں اور واقعہ یوں ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور اقدس ﷺ سے ہوا، ولیمہ کے لئے آئے ہوئے لوگ دیر تک بیٹھے رہے، جس سے آپ ﷺ کو تکلیف ہوئی، اس موقع پر آیات حجاب نازل ہوئیں، فرمایا گیا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ
إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرٍ نَاظِرِينَ إِيَّاهُ
وَلَكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ
فانتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ ، إِنَّ ذَلِكُمْ
كَانَ يُؤْذَى النَّبِيَّ فَيَسْتَخِي مِنْكُمْ ، وَاللَّهُ
لَا يَسْتَخِي مِنَ الْحَقِّ ، وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا
فَسَأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ﴾ [الاحزاب: ۵۳]

ترجمہ: اے ایمان والو! امت جاؤ نبی کے گھروں میں مگر جو تم کو حکم ہو کھانے والے کے واسطے نہ راہ دیکھنے والے، اس کے پکڑنے کی لیکن جب تم کو بلائے تب جاؤ پھر جب کھا چکو تو اٹھ کر چلے جاؤ اور نہ آپس میں جی لگا کر بیٹھو باتوں میں، اس بات سے تمہاری تکلیف تھی نبی کو پھر نبی تم سے شرم کرتا ہے اور اللہ شرم نہیں کرتا ٹھیک بات بتلانے میں اور جب مانگنے جاؤ بیبیوں سے کچھ چیز کام کی تو مانگ لو پردے کے باہر سے۔

یہاں حجاب کا حکم تو آیا، لیکن اس نوعیت کا ہے کہ جب کوئی شخص ازواج مطہرات ﷺ کے پاس جائے تو ان سے کس طرح بات کرے، چنانچہ فرمایا کہ ایسی صورت میں پردہ کے پیچھے سے بات کرے۔ اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ اگر خود ازواج مطہرات ﷺ باہر نکلیں تو کس طرح نکلیں، تو یہ واقعہ ”وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَسَأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ“ والی آیات کے نزول کے بعد کا ہے، اس وجہ سے کتاب التفسیر میں کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ نزول حجاب کے بعد کا ہے۔

لیکن اگر عورتیں خود باہر نکلیں تو کس طرح نکلیں اس بارے میں آیت نازل ہوئی جس میں حجاب کا

ذکر ہے:

﴿يُذْنِبْنَ عَلَيْهِنَ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ﴾. [الاحزاب: ۵۹]

ترجمہ: سر سے نیچے لٹکا لیا کریں اپنی تھوڑی سی چادریں۔

اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ باہر نکلتے وقت اپنی جلباب کو اپنے اوپر ڈال کر نکلیں۔ تو بات یہ ہے کہ حضرت سودہؓ کے واقعہ کے دوران یہ جلباب والی آیت نازل نہیں ہوئی تھی، اسی کو یہاں قبل نزول الحجاب کہا جا رہا ہے، البتہ ”وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ الْخ“ والی آیت نازل ہو چکی تھی۔

جب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نکلیں تو اگرچہ وہ کچھ نہ کچھ چھپی ہوں گی مگر اس کے باوجود حضرت عمرؓ نے ان کو پہچان لیا اور ان کا منشأ یہ تھا کہ نکلیں ہی نہیں اگرچہ یہ حکم پہلے آچکا تھا کہ اگر لوگ ملنے کے لئے جائیں تو کس طرح بات کریں، لیکن جب یہ باہر نکلیں تو ان کے لئے حجاب کا حکم ابھی تک نہیں آیا تھا۔ حضرت عمرؓ کی خواہش جزوی طور پر پوری کر دی گئی یعنی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يُذْنِبْنَ عَلَيْهِنَ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ﴾. [الاحزاب: ۵۹]

اس میں نکلتے سے تو نہیں روکا، لیکن حجاب کا حکم دے دیا گیا جیسا کہ کتاب التفسیر میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے لئے حاجت کے وقت باہر نکلتے کی اجازت ہے۔ تو دونوں میں پردہ ہی کا حکم ہے، ایک میں گھر کی حالت کا بیان ہے اور دوسری میں خصوصیت سے ایک مزید قید کے ساتھ باہر کی حالت کا بیان ہے۔ ۳۲

(۱۴) باب التبرز فی البيوت

گھروں میں قضائے حاجت کرنے کا بیان

۱۴۸۔ حدثني إبراهيم بن المنذر قال: حدثنا أنس بن عياض، عن عبيد الله، عن محمد بن يحيى بن حبان، عن واسع بن حبان، عن عبد الله بن عمر، قال: ارتقيت فوق ظهر بيت حفصة لبعض حاجتي، فرأيت رسول الله ﷺ يقضي حاجته مستدبر القبلة مستقبل الشام. [راجع: ۱۴۵]

۱۴۹۔ حدثنا يعقوب بن إبراهيم قال: حدثنا يزيد قال: أخبرنا يحيى بن محمد بن يحيى بن حبان: أن عمه واسع بن حبان، أخبره: أن عبد الله بن عمر أخبره، قال: لقد ظهرت ذات يوم على ظهر بيتنا فرأيت رسول الله ﷺ قاعداً على لبنتين، مستقبل بيت المقدس. [راجع: ۱۴۵]

یہ حدیث گزر چکی ہے اور اس سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ گھر کے اندر بیت الخلاء بنانا جائز ہے اور ان لوگوں کی تردید کرنا مقصود ہے جو اس کو گندگی کا باعث سمجھتے ہیں اور گھر میں بنانا جائز نہیں سمجھتے ہیں لہذا اس بات کو رد کر دیا اور فرمایا کہ یہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔

(۱۵) باب الاستنجاء بالماء

پانی سے استنجا کرنے کا بیان

۱۵۰۔ حدثنا أبو الوليد هشام بن عبد الملك قال : حدثنا شعبة عن أبي معاذ ، واسمه عطاء بن أبي ميمونة قال : سمعت أنس بن مالك يقول : كان النبي ﷺ إذا خرج لحاجته أجىء أنا و غلام معنا إداوة من ماء ، يعني يستنجي به . [أنظر : ۱۵۱ ، ۱۵۲ ، ۱۲۷ ، ۵۰۰] ۳۳

اس باب سے استنجاء بالماء کا ثبوت مقصود ہے اور ان لوگوں کی تردید ہے جو استنجاء بالماء کے بالکل قائل نہیں ہیں اور یہ مسئلہ ابن حبیب مالکی کی طرف منسوب ہے، جو کہتے ہیں کہ اس سے ہاتھ خراب ہوتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب حاجت کے لئے باہر نکلتے تو میں اور ایک لڑکا جو ہمارے ساتھ ہوتا تھا، استنجاء کے لئے پانی کا ایک برتن لے کر آتے۔ اس میں صاف موجود ہے کہ آپ ﷺ پانی سے استنجاء فرماتے تھے۔

(۱۶) باب من حمل معه الماء لطهوره،

کسی شخص کے ہمراہ اس کی طہارت کے لئے پانی لے جانا جائز نہیں ہے؟

وقال أبو الدرداء : أليس فيكم صاحب النعلين والطهور والوساد؟

۱۵۱۔ حدثنا سليمان بن حرب قال : حدثنا شعبة ، عن عطاء بن أبي ميمونة ، قال : سمعت أنس يقول : كان رسول الله ﷺ إذا خرج لحاجته تبعته أنا و غلام منا معنا إداوة من ماء . [راجع : ۱۵۰]

۳۳۔ وفی صحیح مسلم ، کتاب الطہارۃ ، باب الاستنجاء بالماء من التبرز ، رقم : ۳۹۹ ، ومن النساء ، کتاب الطہارۃ ، باب الاستنجاء بالماء ، رقم : ۳۵ ، ومن ابی داؤد ، کتاب الطہارۃ ، باب فی الاستنجاء بالماء ، رقم : ۳۹ ، ومن احمد ، باقی مسند المکثرین ، باب مسند انس بن مالک ، رقم : ۱۲۲۹۳ ، ۱۲۶۳۶ ، ۱۳۲۲۱ ، ۱۳۵۱۵ ، ومن الدارمی ، کتاب الطہارۃ ، باب الاستنجاء بالماء ، رقم : ۶۷۳ ، ۶۷۴ .

یہاں وہی حدیث دوبارہ بیان کر کے ترجمۃ الباب قائم کیا ہے کہ بطہارت کے لئے پانی لے جانا جائز ہے۔ یہ بتانا مقصود ہے کہ اگر آدمی بڑا ہے، بزرگ ہے تو کسی چھوٹے کو اس کے ساتھ وضو یا استنجاء کے لئے پانی کا لوٹا لے جانا جائز ہے اور اس میں کسی سے خدمت لینا صحیح ہے۔ یہ مسئلہ ان لوگوں پر رد ہے جو وضو کے وقت کسی کی استعانت کے قائل نہیں ہیں۔

اس میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا ایک اثر امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیقاً روایت کیا ہے ”الیس فیکم صاحب النعلین والطہور والوساد“۔

واقعہ اس طرح ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد کوفہ میں رہتے تھے، ایک مرتبہ شام چلے گئے تھے، شام جاتے ہوئے انہوں نے کہا، اے اللہ! میری ایسے بزرگ سے ملاقات کر دیجئے جو اچھا ہمنشین ہو اور میں ان سے دین کے علم کی باتیں سیکھ لوں۔ چنانچہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات ہو گئی۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا تمہارے درمیان وہ صاحب النعلین، صاحب الطہور اور صاحب الوساد نہیں ہیں، اس سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مراد تھے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے اٹھاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پانی اور تکیہ اٹھاتے تھے، ان کے ہوتے ہوئے کسی اور کے پاس جانے کی حاجت نہیں ہے، یہاں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو صاحب الطہور کہا یعنی وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پانی اٹھایا کرتے تھے، اس سے اس کا جواز معلوم ہوا۔

(۱۷) باب حمل العنزة مع الماء فی الاستنجاء

استنجاء کے لئے پانی کے ساتھ نیزہ لے جانے کا بیان

۱۵۲۔ حدثنا محمد بن بشار قال : حدثنا محمد بن جعفر قال : حدثنا شعبة ، عن عطاء بن أبي ميمونة ، سمع أنس بن مالك يقول : كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يدخل الخلاء فأحمل أنا و غلام إداوة من ماء وعنزة يستنجى بالماء . تابعه النضر و شاذان عن شعبة ، العنزة : عصا عليه زج . [راجع : ۱۵۰]

استنجاء کو جاتے وقت ایک چھڑی کا اٹھالینا

”عنزة“ اصل میں اس چھڑی کو کہتے ہیں، جس کے سرے پر لوہے کی دھاری دار چیز لگی ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب غلاء کے لئے تشریف لے جاتے تھے، تو میں اور ایک لڑکا پانی کا ایک برتن اور چھڑی ساتھ لے جاتے تھے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چھڑی کے ساتھ لے جانے کا استنجاء سے کیا تعلق ہے؟
بعض لوگوں نے کہا کہ اس لئے تاکہ راستہ میں اگر کوئی موذی جانور وغیرہ آجائے تو اس کو ہٹا سکیں
اور مار سکیں۔ بعض نے کہا کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اس کو وہاں کھڑا کر کے گاڑھ لیں اور اس کے اوپر سے پردہ
ڈال دیں تاکہ اس طرح سے ستر ہو جائے۔

بعض نے بتایا کہ نماز پڑھتے وقت سترے کا کام دے، یہ سب مقاصد ہو سکتے ہیں۔
بعض علماء نے فرمایا کہ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی، یہ سارے کام تو آدمی کرتا ہی ہے لیکن یہاں پر امام
بخاری رحمہ اللہ نے جو باب قائم کیا ہے اس سے ”جمع بین الاحجار والماء“ ثابت کرنا مقصود ہے جسے
بعض لوگ غلط قرار دیتے ہیں، یعنی استنجاء میں پتھر اور پانی دونوں کو جمع کرنا، کیونکہ یہ ”عنزۃ“ اس لئے ساتھ لے
جاتے تھے تاکہ زمین کھود کر ڈھیلے نکالے جائیں اور ان سے استنجاء کیا جائے اور ساتھ پانی بھی لے جایا جا رہا ہے،
جس سے پتہ چلا کہ ڈھیلے سے بھی استنجاء فرماتے تھے، پھر پانی بھی استعمال فرماتے تھے۔ یہ روایت اس پر دلیل
بن سکتی ہے کہ ”جمع بین الاحجاز والماء“ مشروع اور ثابت ہے۔

عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ”جمع بین الاحجار والماء“ کا ثبوت سوائے قباء والے واقعہ کے
کہیں نہیں ہے۔ اگرچہ اس کی سند اتنی مضبوط نہیں ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ ”من كان من
قبلکم تبعرون بعرا و انتم تثلطون ثلطا فاتبعوا الحجارة بالماء“ لیکن اس کا منشا بظاہر اس کے سوا
اور کوئی نہ ہوگا کہ اس سے ڈھیلے نکالے جائیں۔

(۲۰) باب الإستنجاء بالحجارة

پتھروں سے استنجاء کرنے کا بیان

۱۵۵۔ حدثنا أحمد بن محمد المکی قال : حدثنا عمرو بن يحيى بن سعيد بن
عمرو المکی ، عن جده ، عن أبي هريرة قال : اتبعت النبي ﷺ و خرج لحاجته فكان لا
يلتفت ، فدنوت منه قال : ((ابغني أحجاراً أستنفض بها . أو نحوه . ولا تأتني بعظم ولا
روث)) ، فأتيت به أحجار بطرف ثيابي فوضعتها إلى جنبه وأعرضت عنه ، فلما قضى أتبعه
بهن . [أنظر : ۳۸۶۰ : ۳۴]

۳۴ و فی سنن النسائی ، کتاب الطهارة ، باب النهی عن الاستطابة بالروث ، رقم : ۴۰ ، و سنن ابی داؤد ، کتاب
الطهارة ، باب کراهیة استقبال القبلة عند قضاء الحاجة ، رقم : ۷ ، و سنن ابن ماجه ، کتاب الطهارة و سننہا ، باب
الاستنجاء بالحجارة و النهی عن المروث و الرمة ، رقم : ۳۰۹ ، و مسند أحمد ، باقی مسند المکثرین ، باب مسند ابی
هريرة رقم : ۷۰۶۳ ، ۷۱۰۲ ، و سنن الدارمی ، کتاب الطهارة ، باب الاستنجاء بالاحجار ، رقم : ۶۷۲ .

حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ؐ کے پیچھے چلا، آپ ؐ حاجت کے لئے نکلے تھے اور آپ چلتے وقت ادھر ادھر نہیں دیکھتے تھے، میں آپ کے قریب آگیا، آپ ؐ نے فرمایا میرے لئے کچھ پتھر تلاش کر کے لاؤ تا کہ میں ان سے استنجاء کروں۔

”استنفض بہا“ اس کے وہی معنی ہیں جو استنجاء کے ہیں یعنی میں اس سے صفائی حاصل کروں یا اس قسم کا کوئی اور لفظ استعمال فرمایا، لیکن ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ہڈی اور گوبر (روث) نہ لاؤ۔ پس میں اپنے کپڑوں کے کنارہ میں کچھ پتھر لایا اور آپ ؐ کے برابر رکھ دیئے اور آپ سے منہ موڑ لیا چنانچہ جب آپ ؐ فارغ ہوئے تو ان پتھروں کو استعمال فرمایا۔

(۲۱) باب لا یستنجی بزوث

گوبر سے استنجاء نہ کرے

۱۵۶۔ حدثنا ابو نعیم قال : حدثنا زہیر عن ابی اسحاق قال : لیس ابو عبیدہ ذکرہ، ولكن عبد الرحمن بن الأسود عن أبيه : أنه سمع عبد الله : يقول أتى النبي ؐ الغائط فأمرني أن أتيه بثلاثة أحجار ، فوجدت حجرين ، والتمست الثالث فلم أجد ، فأخذت روثه فأتيته بها فأخذ الحجرين والقي الروثه ، وقال : هذا ركس . وقال إبراهيم ابن يوسف عن أبيه عن أبي اسحاق : حدثني عبد الرحمن . ۳۵، ۳۶

اس باب میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ استنجاء کے لئے گوبر کے ٹکڑے استعمال کرنا منع ہے۔ اس میں مشہور واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ؐ نے استنجاء کے لئے تین پتھر لانے کا حکم دیا، میں دو پتھر لے آیا، تیسرا تلاش کے باوجود نہیں ملا، لہذا میں تیسرے پتھر کی جگہ گوبر کا ٹکڑا لے کر آیا اور حضور اقدس ؐ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ ؐ نے پتھر رکھ دیئے اور گوبر کو پھینک دیا اور فرمایا ”ہذا رکس“ کہ یہ نجاست ہے، اس سے استنجاء کرنا درست نہیں۔

۳۵ لا یوجد للحديث مکورات.

۳۶ بیان من أخرجه غيره : وفي سنن الترمذی ، کتاب الطہارۃ عن رسول اللہ ، باب ماجاء فی الاستنجاء بالحجرین ، رقم : ۱۷۰ ، وسنن النسائی ، کتاب الطہارۃ ، باب الرخصة فی الاستطابة بالحجرین ، رقم : ۴۲ ، وسنن ابن ماجہ ، کتاب الطہارۃ وسننہا ، باب الاستنجاء بالحجارة والنہی عن الروث والرمۃ ، رقم : ۳۱۰ ، ومسند أحمد ، مسند المکثرین من الصحابة ، باب مسند عبد اللہ بن مسعود ، رقم : ۳۵۰۲ ، ۳۷۷۰ ، ۳۸۵۰ ، ۴۲۰۳ .

گوبر سے استنجا کرنے کا حکم

اس حدیث میں کئی مباحث ہیں، جن میں سے ایک کی طرف خود امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں اشارہ فرمایا کہ روٹ سے استنجا جائز نہیں اور یہی اس حدیث کی عبارت النص ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے روٹ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا۔ یہ حدیث دو مسئلوں میں حنفیہ کی دلیل ہے۔

”بول مایؤ کل لحمہ“ اور مسلک حنفیہ

ایک مسئلہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے گوبر کے ٹکڑے کو پھینکتے ہوئے فرمایا ”ہذا رکس“ اور ”رکس“ کے معنی نجاست کے ہیں، اس کی تائید ابن ماجہ ۳ کی ایک روایت سے ہوتی ہے کہ وہاں ”رکس“ کی جگہ ”رجس“ کا لفظ ہے اور ”رجس“ کے معنی نجاست کے ہیں، اس سے پتہ چلا کہ ”روثہ“ نجس ہے، لہذا یہ حنفیہ کی مالکیہ کے مذہب کے خلاف دلیل ہوگئی، جو یہ کہتے ہیں کہ ”مایؤ کل لحمہ“ کا بول و براز پاک ہوتا ہے۔ ۳۸

بعض مالکیہ کی طرف سے جواب

بعض مالکیہ نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ حضور ﷺ نے ”رکس“ فرمایا ہے (بالکاف) اور ”رکس“ کے معنی نجاست کے نہیں ہوتے بلکہ ”رکس“ کے معنی گوبر کے ہیں یہ ”ادکس — یرکس ارکاسا“ سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں لوٹا دینا، لہذا ”رکس“ کے معنی ہیں ”غذا سے متقلب ہونے والی چیز“، اس کے معنی میں نجاست کا مفہوم نہیں ہے، بلکہ مطلق گوبر کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ آپ ﷺ نے ان سے صرف یہ فرمایا کہ یہ گوبر ہے، اب یہ نجس ہے یا نہیں، یہ آپ ﷺ نے نہیں فرمایا۔

جواب کا رد

لیکن دوسرے حضرات نے فرمایا کہ ”رکس“ نجاست کے معنی میں ہے اور اس کی تائید ابن ماجہ کی روایت سے ہوتی ہے، جس میں ”رکس“ کی جگہ ”رجس“ آیا ہے، اس کے علاوہ متعدد اہل لغت نے یہ بتایا

۳۷ سنن ابن ماجہ، ج: ۱، ص: ۱۱۳، رقم: ۳۱۴، دار الفکر، بیروت۔

۳۸ قلت: قد اختلف العلماء فی صفة نجاسة الارواث، فعند ابی حنیفة: ہی نجس مغلط، وبہ قال زفر، وعند ابی یوسف ومحمد: نجس مخفف، وقال مالک: الروث طاهر، عمدة القاری، ج: ۲، ص: ۳۳۲۔

ہے کہ ”رکس“ اور ”رجس“ دونوں کا ایک معنی ہے، لہذا اس سے استدلال درست نہیں۔ ۳۹

استنجاء میں تین پتھروں کا استعمال اور مسلک حنفیہ

دوسرا مسئلہ جس میں یہ حدیث حنفیہ کی دلیل بن رہی ہے یہ ہے کہ تین پتھروں سے استنجاء کرنا واجب نہیں، یہاں حضور اقدس ﷺ نے گوبر کو پھینک دیا اور دو پتھر لے لئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دو پتھروں سے بھی استنجاء کرنا جائز ہے اور یہی حنفیہ کا مسلک ہے کہ اصل چیز انقاء ہے یعنی صفائی، اگر صفائی تین پتھروں سے کم میں حاصل ہو جائے تو مقصود حاصل ہو گیا اور واجب ادا ہو گیا، اس لئے تین پتھروں کو واجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، البتہ تثلیث مسنون ہے اور ایثار مستحب ہے اور تثلیث کا ذکر ان کے نزدیک احادیث میں اس لئے آتا ہے کہ عموماً اس عدد سے انقاء ہو جاتا ہے۔ ۴۰

اس مسئلہ میں وہ احادیث بھی حنفیہ کے دلائل ہیں جو اصحاب سنن نے روایت کی ہے: ”من استجمرة

فلیؤثر، من فعل فقد أحسن، ومن لا فلا حرج“۔ ۴۱

اس سے معلوم ہوا کہ اصل مقصد ہے کافی ہونا، تین پتھروں کا عدد مقصود نہیں ہے، اور حدیث میں جو حضور

اقدس ﷺ نے دو پتھر استعمال کئے اور تیسرا چھوڑ دیا، اس سے بھی پتہ چلا کہ دو پتھروں سے استنجاء درست ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس سے ایثار کا استحباب ثابت ہوتا ہے نہ کہ تثلیث کا۔ ۴۲

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس پر دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ اس حدیث میں ایثار سے مراد ایثار مافوق

الثلاث ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ اسی حدیث کے آخر میں یہ اضافہ ہے کہ ”فان الله وتر يحب الوتر“

۳۹ وقال ابن النین: الرجس والركس فی هذا الحديث، قيل: النجس، وقيل: القدر وقال ابن بطلال: يمكن أن يكون

معنى: ركس رجس وقال داؤد: يحتمل أن يرید بالركس: النجس. وقال الأزهري الرجس اسم لكل ما استقدر من

العمل الخ، عمدة القاری، ج: ۲، ص: ۴۳۱.

۴۰ وأن المراد الانقاء لا الثلاث، وهو قول عمر بن الخطاب رضى الله تعالى عنه، حكاه العبدري، وأليه ذهب

ابو حنيفة ومالك وداؤد، وهو وجه للشافعية أيضاً، عمدة القاری، ج: ۲، ص: ۴۳۳.

۴۱ عن أبي هريرة عن النبي ﷺ: من استجمرة فليؤثر، من فعل فقد أحسن، ومن لا فلا حرج، مختصر رواه أبو داؤد،

ج: ۱، ص: ۹، وتسكت عنه، ورواه أيضاً ابن ماجه، وأخرجه أحمد في ”مسنده“ والبيهقي في ”سننه“ وابن حبان في ”

صحيحه“، إعلاء السنن، ج: ۱، ص: ۴۲۷.

۴۲ عن أبي هريرة أن النبي ﷺ قال إذا استجمرا حدكم فليؤثر فان الله وتر يحب الوتر أما ترى السموات سباعا

الارضين سباعا والطواف ذكر أشياء. سنن البيهقي الكبرى، ج: ۱، ص: ۱۰۴، رقم: ۵۰۹، باب الايتار في الاستجمار، مكتبة

اماتری السموات سبعا والارضین سبعا“۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی متدرک میں روایت کی ہے، اس کے تحت حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ”منکر“ والحارث لیس بعمدة۔

دوسرا جواب حافظ زیلعی رحمہ اللہ نے نصب الراية میں دیا ہے کہ اگر اس حدیث سے استدلال درست ہو تب بھی سات آسمانوں کے ذکر سے یہ لازم نہیں آتا کہ پیچھے جس ایثار کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد مافوق الثلث ہے، کیونکہ اگر ایسا ہو تو مانا پڑے گا کہ سات پتھروں سے مسنون و مستحب ہے، حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں اس لئے یہ روایت قابل استدلال نہیں ہے۔ ۳۳

حدیث کی سند پر بحث

تیسری بحث اس حدیث کی سند سے متعلق ہے۔ سند میں امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا: حدثنا أبو نعیم قال: حدثنا زهير عن أبي إسحاق قال: ليس أبو عبيدة ذكره، ولكن عبد الرحمن بن الأسود عن أبيه“۔

اس حدیث کا دار و مدار ابوالاسحق سبعی پر ہے اور ابوالاسحق سے یہ حدیث بہت سے شاگردوں نے روایت کی ہے ان شاگردوں میں آپس میں اختلاف ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس پر بہت مفصل کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث میں اضطراب ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے ابوالاسحق رحمہ اللہ سے روایت کرنے والے مختلف شاگردوں کی روایتیں بیان کر کے ان میں سے اسرائیل بن یونس کی روایت کو رائج قرار دیا ہے، اس لئے کہ یہ خود ابوالاسحق سبعی کے پوتے ہیں اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے متعدد محدثین کے اقوال نقل کئے ہیں کہ ابوالاسحق کی روایتوں کے معاملے میں اسرائیل بن یونس سب سے زیادہ ثقہ ہیں، اس لئے ان کو ترجیح دی۔

امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے زبانی اس بارے میں پوچھا تھا، لیکن

۳۳ قال البيهقي بعد ان رواه وهذا الحديث ان صح فانما أراد وتر بعد الثلث ثم استدل على هذا التاويل بحديث أخرجه عن أبي هريرة مرفوعاً اذا استجمراً أحدكم فليوتر فان الله وتر يحب الوتر أماتري السموات سبعا والارضین سبعا والطواف ذكر اشيا انتهى۔ وهذا فيه نظر اما قوله ان صح فقد ذكرنا ان بن حبان رواه في صحيحه وما تاويله بوتر يكون بعد ثلاث فدعوى من غير دليل ولو صح ذلك يلزم منه أن يكون الوتر بعد الثلث مستحباً لأمره عليه السلام به على مقتضى هذا التاويل وعندهم لو حصل النقاء بالثلاث فالزيادة عليها ليست مستحبة بل هي بدعة الخ (نصب

انہوں نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا، لیکن بخاری میں انہوں نے اسرائیل کی روایت نقل نہیں کی بلکہ زہیر بن معاویہ کی روایت نقل کی ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کی تردید کی ہے کہ زہیر کی روایت کو ترجیح دینا مناسب نہیں، اس لئے کہ ابوالحسن سمیع کی روایتوں میں زہیر اتنے قابل اعتماد نہیں، کیونکہ زہیر نے ابوالحسن سمیع سے آخر میں جا کر حدیثیں سنی تھیں، جس زمانہ میں وہ ضعیف ہو گئے تھے، اس واسطے ان کی روایت کا اتنا بھروسہ نہیں ہے، جتنا کہ اسرائیل کی روایت کا بھروسہ ہے۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ اسرائیل کی وہ روایت جس کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ترجیح دی ہے اس میں امام ابوالحسن سمیع کے استاذ ابو عبیدہ ہیں اور ابو عبیدہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کے بیٹے ہیں، لیکن یہ بہت کم عمر تھے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا انتقال ہو گیا۔ اب اس معاملہ میں کلام ہے کہ آیا ابو عبیدہ کا سماع حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے ہوا ہے یا نہیں؟ امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہاں پر یہی کہا ہے کہ ابو عبیدہ کا حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے سماع نہیں ہے، لیکن جب ابوالحسن سمیع نے زہیر کو یہ حدیث سنائی، تو ساتھ ساتھ یہ بھی کہا کہ میں اس وقت ابو عبیدہ کے طریق سے روایت نہیں کر رہا ہوں بلکہ عبدالرحمن بن الاسود کے طریق سے روایت کر رہا ہوں۔ ۴۳۔

اس سے معلوم ہوا کہ زہیر کو حدیث سناتے وقت ابوالحسن کے ذہن میں ابو عبیدہ والی روایت بھی موجود تھی لیکن اس سے اعراض کر کے عبدالرحمن بن الاسود کے طریق کو اختیار کیا، جس سے پتہ چلا کہ ان کے نزدیک یہ طریق رائج ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ابو عبیدہ کے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے سماع میں کلام تھا، جب یہی حدیث ان کو براہ راست عبدالرحمن بن الاسود سے مل گئی اور عبدالرحمن بن الاسود کا سماع اپنے والد سے ہے اور اسود کا سماع حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے ہے، اس لئے اس طریق میں اتصال موجود ہے، کسی انقطاع کا شائبہ نہیں، اس واسطے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو ترجیح دی۔

پھر آگے اس کا ایک متابع بھی ذکر کر دیا کہ ”وقال ابراہیم بن یوسف عن ابیہ عن اسی إسحق“: اس میں ابوالحسن سے روایت کرنے والے یوسف ہیں جو زہیر کی متابعت کر رہے ہیں، تو اس متابع میں ابوالحسن نے براہ راست صراحتہ کہا کہ ”حدثنی عبدالرحمن“، کیونکہ ابوالحسن بعض اوقات تدلیس کرتے ہیں، اس واسطے ان کی عنعنہ میں کلام ہو سکتا ہے، لیکن جب انہوں نے صراحتہ ”حدثنی عبدالرحمن“ کہہ دیا تو تدلیس کا شائبہ بھی ختم ہو گیا، اس واسطے امام بخاری رحمہ اللہ نے زہیر کی روایت کو ترجیح دی۔ اب بعد کے محدثین کا اس میں کلام ہوا ہے کہ آیا امام بخاری رحمہ اللہ کا موقف زیادہ صحیح ہے یا امام ترمذی رحمہ اللہ کا موقف۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام بخاری رحمہ اللہ کے موقف کو زیادہ صحیح قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ جو وجوہ ترجیح امام ترمذی رحمہ اللہ نے بیان کی تھیں، ان کے مقابلہ میں زہیر کی وجوہ ترجیح زیادہ قوی اور مضبوط ہیں اور بظاہر یہی موقف زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔ ۴۵

(۲۲) باب الوضوء مرة مرة

وضو میں اعضاء کو ایک، ایک مرتبہ دھونے کا بیان

۱۵۷۔ حدثنا محمد بن يوسف قال: حدثنا سفيان عن زيد بن أسلم، عن عطاء

ابن يسار، عن ابن عباس قال: توضأ النبي ﷺ مرة مرة. ۴۶

(۲۳) باب الوضوء مرتين مرتين

وضو میں اعضاء کو دو، دو مرتبہ دھونے کا بیان

۱۵۸۔ حدثنا الحسين بن عيسى قال: حدثنا يونس بن محمد قال: حدثنا فليح

بن سليمان، عن عبد الله بن أبي بكر بن عمرو بن حزم، عن عباد بن تميم، عن عبد الله بن زيد أن النبي ﷺ توضأ مرتين مرتين. ۴۷

(۲۴) باب الوضوء ثلاثاً ثلاثاً

وضو میں اعضاء کو تین، تین مرتبہ دھونے کا بیان

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ تین ابواب قائم کئے ہیں ”مرة مرة، مرتين مرتين، ثلاثاً ثلاثاً“ بتلانا یہ ہے کہ فرض ایک مرتبہ دھونا ہے اور سنت تین مرتبہ دھونا ہے اور دو مرتبہ بھی جائز ہے، حضور اکرم ﷺ سے تینوں طریقے ثابت ہیں۔

۴۶ وفی سنن الترمذی، کتاب الطہارۃ عن رسول اللہ، باب ماجاء فی الوضوء مرة مرة، رقم: ۴۰، وسنن النسائی، کتاب الطہارۃ، باب الوضوء مرة مرة، رقم: ۷۹، وسنن أبی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب الوضوء مرة مرة، رقم: ۱۱۹، ومسنند أحمد، ومن مسند بنی ہاشم، باب بدایۃ مسند عبد اللہ بن العباس، رقم: ۷۹۱، ۱۹۶۸، ۲۹۳۱، ۲۹۳۷، وسنن الدارمی، کتاب الطہارۃ، باب الوضوء مرة مرة، رقم: ۶۹۲.

۴۷ وفی مسند أحمد، أول مسند المدینیین أجمعین، باب حدیث عبد اللہ بن زید بن عاصم المازنی، رقم:

۱۵۸۳۶، ۱۵۸۵۷، وسنن الدارمی، کتاب الطہارۃ، باب الوضوء مرتين مرتين، رقم: ۶۹۱.

۱۵۹۔ حدثنا عبدالعزيز بن عبد الله الأويسی قال : حدثني ابراهيم بن سعد ، عن ابن شهاب أن عطاء بن يزيد أخبره أن حمران مولى عثمان . أخبره أنه رأى عثمان بن عفان دعا بإناء ، فأفرغ على كفيه ثلاث مرار فغسلهما ، ثم أدخل يمينه في الإناء فمضمض واستنثر ثم غسل وجهه ثلاثاً ويديه إلى المرفقين ثلاث مرار ، ثم مسح برأسه ، ثم غسل رجليه ثلاث مرار إلى الكعبين ، ثم قال : قال رسول الله ﷺ : ((من توضأ نحو وضوئي هذا ثم صلى ركعتين لا يحدث فيهما نفسه غفر له ما تقدم من ذنبه)) . [أنظر : ۱۶۰ ، ۱۶۴ ، ۱۹۳۳ ، ۶۲۳۳ ، ۴۸]

یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا کہ انہوں نے برتن منگوایا اور وضو کر کے دکھایا، تین مرتبہ اپنے ہاتھوں پر پانی ڈالا، پھر اپنا دایاں ہاتھ برتن میں داخل کیا اور مضمضہ کیا اور استنثار کیا، پھر تین مرتبہ چہرہ دھویا، پھر مرفقین تک تین مرتبہ ہاتھ دھوئے، پھر مسح فرمایا، یہاں تین مرتبہ کا ذکر نہیں ہے۔ یہی حنفیہ کی دلیل ہے کہ مسح رأس ایک مرتبہ ہوگا، تین مرتبہ نہیں ہوگا، لہذا یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف حجت ہے، جو تین مرتبہ مسح کرنے کو مسنون کہتے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں تین مرتبہ مسح کا ذکر ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال ابو داؤد میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے ہے، جس میں انہوں نے آنحضرت ﷺ نے وضو کی حکایت کرتے ہوئے فرمایا: ”مسح رأسہ ثلاثاً“۔

لیکن جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث شاذ ہے، کیونکہ اس ایک حدیث کے علاوہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تمام روایات صرف ایک مرتبہ مسح پر دلالت کرتی ہیں، چنانچہ امام ابو داؤد رحمہ نے ثلاثاً والی حدیث کو یہ کہہ کر رد کر دیا: ”احادیث عثمان الصحاح کلھا تدل علی مسح الرأس أنه مرة فانهم ذكروا الوضوء ثلاثاً وقالوا فيها و مسح رأسه ولم يذكروا عدداً في غير“۔

اور اگر بالفرض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس ثلاثاً والی روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو بھی وہ بیان جواز پر محمول ہو سکتی ہے، چنانچہ حنفیہ میں سے بعض محققین نے تثلیث کو جائز کہا ہے، اگرچہ بعض حضرات نے اس کو مکروہ

۴۸ وفی صحیح مسلم ، کتاب الطہارۃ ، باب صفۃ الوضوء و کمالہ ، رقم : ۳۳۱ ، و سنن النسائی ، کتاب الطہارۃ ، باب المضمضة والاستنشاق ، رقم : ۸۳ ، و سنن أبی داؤد ، کتاب الطہارۃ ، باب صفۃ وضوء النبی ، باب الوضوء ثلاثاً ، رقم : ۹۶ ، و سنن ابن ماجہ ، کتاب الطہارۃ و سننہا ، باب ثواب الطہور ، رقم : ۲۸۱ ، و مسند أحمد ، مسند العشرة المبشرين بالجنة ، باب مسند عثمان بن عفان ، رقم : ۳۸۳ ، ۴۲۹ ، ۴۴۲ ، ۴۴۸ ، ۴۸۵ ، ۵۲۲ ، و سنن الدارمی ، کتاب الطہارۃ ، رقم : ۶۹۰۔

اور بدعت قرار دیا ہے، اور اس کی وجہ صاحب ہدایہ نے یہ بیان کی ہے کہ اگر تین مرتبہ ماء جدید لے کر مسح کیا جائے تو وہ مسح نہ رہے گا بلکہ غسل بن جائے گا، اس سے واضح ہے کہ اگر اس طرح تثلیث کی جائے کہ وہ غسل کی حد تک نہ پہنچے تو ایسی تثلیث حنفیہ کے نزدیک بھی جائز ہوگی، بلکہ امام اعظم رحمہ اللہ کی ایک روایت جو حسن بن زیاد سے مروی ہے وہ تثلیث کے استحباب پر دلالت کرتی ہے، لیکن صاحب ہدایہ نے اسے رد کیا ہے۔ ۴۹

”ثم غسل رجلیه ثلاث مرار إلى الکعبین، ثم قال: قال رسول الله ﷺ: ”من توضأ نحو وضوئی هذا ثم صلی رکعتین لا یحدث فیہما نفسہ غفرلہ ما تقدم من ذنبہ“
جو شخص میرے وضو کی طرح وضو کرے، پھر دو رکعت پڑھے، اس سے تحیۃ الوضوء مراد ہے اور اس میں وہ اپنے نفس سے باتیں نہ کرے تو ”غفرلہ ما تقدم من ذنبہ“ اس میں تحیۃ الوضو کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

”تحیۃ الوضوء“ کی فضیلت

تحیۃ الوضو کی فضیلت ایک اور واقعہ سے بھی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات جنت میں تمہارے پاؤں کی آہٹ سنی ہے، تمہارا کونسا وہ عمل ہے جس کی وجہ سے اللہ ﷻ نے تمہیں یہ مقام عطا فرمایا ہے۔ حضرت بلالؓ نے فرمایا کہ میں جب بھی وضو کرتا ہوں تو دو رکعت نماز پڑھتا ہوں، اس سے بھی تحیۃ الوضو کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ ۵۰

اس حدیث میں جو یہ آیا ہے ”لا یحدث فیہما نفسہ“ دو رکعتیں اس طرح پڑھے کہ ان میں اپنے نفس سے باتیں نہ کر رہا ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ خیالات، معصیت کے خیالات اپنی طرف سے نہ لارہا ہو۔ اس تفسیر میں علماء کرام کا تھوڑا سا اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ ”لا یحدث فیہما نفسہ“ کا معنی یہ ہے کہ آدمی نماز کے علاوہ کوئی دوسرا خیال نہ لائے، چاہے وہ خیال فی نفسہ اچھا ہی کیوں نہ ہو، کسی اور عبادت یا طاعت کا خیال ہی کیوں نہ ہو، وہ بھی اس ”لا یحدث فیہما نفسہ“ کے منافی ہے، جیسے نماز پڑھ رہا ہے اور ساتھ سبق بھی یاد کر رہا ہے، تو اگرچہ وہ خیالات فی نفسہ طاعت ہیں لیکن چونکہ وہ ماسوا صلوة ہیں اس لئے وہ بھی اس خشوع و خضوع کے منافی ہیں جو مطلوب ہے، یہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا موقف ہے۔

سوال: اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کا مشہور اثر ہے جو انشاء اللہ ”کتاب الصلاة“ میں آئیگا کہ میں نماز کے اندر اپنا لشکر تیار کرتا ہوں، صف بندی کرتا ہوں یعنی نماز کے اندر یہ خیال آتا

۴۹ راجع للتفصیل: اعلیٰ السنن، ج: ۱، ص: ۱۰۹، وفتح الباری، ج: ۱، ص: ۲۶۰۔

۵۰ وقال النبی ﷺ: سمعت دف نعلیک بین یدی فی الجنة. انظر: صحیح البخاری، ۶۲. کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ (۲۳) باب مناقب بلال بن رباح مولى ابی بکر رضی اللہ عنہما.

کہ میں کس طرح لشکر بناؤں گا، کس طرح صف بندی کروں گا وغیرہ۔ تو اشکال یہ ہے کہ اگر یہ ممنوع ہے تو حضرت عمرؓ کیوں کرتے تھے؟

جواب: علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ حضرت عمرؓ کے اثر سے یہ لازم نہیں آتا کہ ایسا کرنا مطلوب ہے، بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ حضرت عمرؓ اپنی عدیم الفرستی کو بیان کرتے ہوئے یہ فرما رہے ہیں کہ مجھے اتنا وقت نہیں ملتا تھا کہ لشکر کی تیاری کے متعلق سوچ سکوں، مجبوراً نماز کے اندر سوچتا ہوں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ کوئی فضیلت کی چیز ہے، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اس کے نتیجے میں حضرت فاروق اعظمؓ کی نماز کے اندر کچھ نہ کچھ نقص ضرور واقع ہوگا۔

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ایسا نہ کرتے تو اس صورت میں نماز کا اجر و ثواب اور اس کے انوار و برکات زیادہ ہوتے، اس لئے اس اثر سے یہ لازم نہیں آتا کہ آدمی نماز میں دوسری طاعات کا خیال بھی لاسکتا ہے۔

دوسرے حضرات کا کہنا ہے کہ اگر نماز میں دوسرے خیالات دنیوی نہیں ہیں بلکہ وہ بھی طاعت ہیں تو ایسے خیالات کا آنا خشوع صلوٰۃ کے منافی نہیں ہے، خود سے آجانا تو ہے ہی نہیں لیکن اگر آدمی جان بوجھ کر لے آئے تب بھی منافی نہیں ہے اور یہ موقف حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ نے بھی اختیار کیا ہے اور اس کے اندر تفصیل سے بحث کی ہے کہ درحقیقت بات یہ ہے کہ منع یہ ہے کہ منافی طاعت کوئی کام کیا جائے یا اس کا خیال لایا جائے لیکن اگر آدمی طاعت کا خیال لا رہا ہے تو یہ خشوع کے منافی نہیں ہے، لہذا وہ کہتے ہیں کہ تجہیز و تہیہ چونکہ جہاد کا کام ہے اور یہ بھی ایک عظیم طاعت ہے اس لئے نماز کے اندر اس کا خیال لانا منافی نہیں ہے۔ ۱۵۱

اس واسطے حضرت رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نماز کے اندر علمی مسئلہ سوچ رہا ہے یا طالب علم کسی سوال میں مشغول ہے تو یہ منافی خشوع نہیں کیونکہ یہ بھی طاعت ہے، منافی خشوع یہ ہے کہ یہ سوچے کہ کھانا کیا کھاؤں گا، بازار میں خرید و فروخت کیسے کروں گا، اس قسم کے کام جن کا براہ راست طاعت سے تعلق نہیں ہے۔

۱۶۰۔ و عن ابراہیم قال : قال صالح بن کیسان : قال ابن شہاب : ولكن عروة يحدث عن حمران : فلما تروضا عثمان قال : ألا أحدثکم حدیثا لولا آية ما حدثتکموه ، سمعت النبی ﷺ یقول : ((لا يتوضأ رجل یحسن وضوءه ، ویصلی الصلاة إلا غفر له

اھ فاذا حدث نفسه فيما یصلق بامور الآخرة : کالفکر فی معانی المتلوم من القرآن العزیز والمذکور من الدعوات والاذکار ، اوفی امر محمود او مندوب الیہ لا یضر ذلک ، وقد ورد عن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، انه قال : لأجهز الجیش وأنا فی الصلاة او کما قال عمدة القاری ، ج : ۲ ، ص : ۴۴۱ .

ما بینہ و بین الصلاة حتی یصلیہا))۔ قال عروہ: الآیۃ ﴿إِنَّ الدِّينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا﴾ [البقرة: ۱۵۹] [راجع: ۱۵۹]

ابراہیم کہتے ہیں کہ صالح بن کینان نے ابن شہاب کے ذریعہ کہا یعنی وہی سند ہے جو پیچھے گزری ہے، وہاں زہری عطاء بن یزید سے روایت کر رہے تھے اور یہاں زہری کہتے ہیں کہ عروہ عطاء بن یزید کے بجائے حمران سے روایت کر رہے ہیں۔

عروہ، حمران سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وضو کر لیا اور وضو سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے کہا کہ میں تم کو ایک ایسی حدیث سناؤں گا کہ اگر قرآن کی ایک آیت نہ ہوتی تو میں نہ سنا تا۔

وہ حدیث یہ ہے: ”سمعت النبی ﷺ يقول: ”لا يتوضأ رجل يحسن وضوءه، و یصلی الصلاة إلا غفر له ما بینہ و بین الصلاة حتی یصلیہا“۔

اور جس آیت کی وجہ سے یہ حدیث سنائی وہ آیت بھی بتادی کہ ”إِنَّ الدِّينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا“ یعنی کتمان علم کا خوف نہ ہوتا تو نہ سنا تا، اور نہ سنانے کی وجہ یہ ہے کہ یا تو ویسے ہی ڈرتے تھے کہ کہیں اس میں غلطی نہ ہو جائے اور یا یہ کہ اس میں مغفرت کا ذکر ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ غلط سمجھیں اور یہ سمجھ بیٹھیں کہ گناہ کرتے رہو، وضو کرو اور چھٹی، گناہ کرتے رہو اور وضو کر کے دو رکعت پڑھ لو، سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔ کہیں لوگ اس غلط فہمی میں نہ مبتلا ہو جائیں، اس وجہ سے انہوں نے یہ خیال شاید ظاہر کیا کہ میں نہ سناؤں، لیکن چونکہ قرآن اور حدیث میں کتمان علم کی ممانعت ہے اس لئے سنا دی۔

خشوع کیا ہے؟

خشوع کو حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی نماز کے دوران جو الفاظ زبان سے نکال رہا ہے ان الفاظ کی طرف دھیان دے، خشوع کا درجہ یہی ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خشوع اسی میں منحصر ہے بلکہ دوسری جگہ یہ تفصیل فرمائی ہے اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے قول پر یہی بحث گزری ہے کہ اگر آدمی کوئی طاعت کا خیال لاتا ہے تو وہ ایک طریقہ، اور ایک طریقہ یہ ہے کہ الفاظ پر دھیان رکھے، دونوں میں کوئی منافات نہیں ہے، سوائے اس کے کہ وہ اکمل ہے اور یہ خشوع کا حصہ ہے۔

(۲۵) باب الإستنثار فی الوضوء

وضو میں ناک صاف کرنے کا بیان

ذکرہ عثمان، و عبد اللہ بن زید، و ابن عباس عن النبی ﷺ۔

۱۶۱۔ حدثنا عبدان : أخبرنا عبد الله قال : أخبرنا يونس عن الزهري قال :

أخبرني أبو ادريس أنه سمع أبا هريرة عن النبي ﷺ أنه قال : ((من توضأ فليستثر و من استجمر فليوتر)). [أنظر: ۱۶۲] ۵۲

یہ باب استنار پر قائم کیا ہے، استنار ناک صاف کرنے کو کہتے ہیں۔ ایک استنشاق ہوتا ہے جس کے معنی ہیں پانی ناک کے اندر اوپر تک لے جانا اور استنار کہتے ہیں اس کو باہر نکالنا، تو یہاں باب استنار کا قائم کیا ہے لیکن چونکہ یہ استنشاق کو مستلزم ہے اس لئے اس سے استنشاق بھی ثابت ہوتا ہے۔

”ذکرہ عثمان و عبد اللہ بن زید، و ابن عباس“ یہ استنشاق کی روایت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ذکر کی ہے جو پیچھے گزر گئی ہے اور عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث آگے آرہی ہے، باب المضمضہ کے اندر بھی موجود ہے۔ عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث بہت جگہ روایت کی گئی ہے ان سب میں استنار موجود ہے، ساتھ ہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی جو کہ قولی حدیث ہے فرمایا ”من توضأ فليستثر و من استجمر فليوتر“ جو وضو کرے وہ استنار کرے۔

بعض حضرات نے صیغہ امر سے اس کے وجوب پر استدلال کیا ہے جیسا کہ امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے اور امام احمد رحمہ اللہ کی بھی ایک روایت اس کے مطابق ہے کہ استنار واجب ہے، جمہور اس کو سنت کہتے ہیں اور دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں کہیں بھی استنار اور استنشاق کا ذکر نہیں ہے اور وہ استدلال کرتے ہیں ترمذی و مستدرک حاکم کی حدیث سے جس میں ہے ”توضأ كما أمرک اللہ“۔

اس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”من توضأ كما أمرک اللہ“ اس سے پتہ چلا کہ واجب صرف وہی افعال ہیں جن کا اللہ جل جلالہ نے قرآن کریم میں حکم دیا ہے، باقی واجب نہیں ہیں، لہذا یہ امر وجوب کے لئے نہیں ہے بلکہ استحباب کے لئے ہے۔

”و من استجمر فليوتر“ زیادہ تر لوگوں نے یہاں استنار کے معنی استنجاء کے قرار دیئے ہیں، کیونکہ جمرہ پتھر کو کہتے ہیں اور استنار کے معنی ہیں پتھر کو استعمال کرنا یعنی استنجاء کرنا، اس میں استنار کا استحباب بھی معلوم ہوتا ہے۔

۵۲ وفی صحیح مسلم ، کتاب الطہارۃ ، باب الايتار فی الاستنار والاستجمار ، رقم : ۳۴۸ ، وسنن النسائی ، کتاب الطہارۃ ، باب الامر بالاستنار ، رقم : ۸۷ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب الطہارۃ ، باب الاستنار فی الخلاء ، رقم : ۳۲ ، وسنن ابن ماجہ ، کتاب الطہارۃ وسننہا ، باب الارتیاد للغائط والبول ، رقم : ۳۳۲ ، ومسند احمد ، باقی مسند المکثرین ، باب مسند أبی ہریرۃ ، ۲۹۲۳ ، ۷۱۳۰ ، ۷۲۰۵ ، ۷۸۱۸ ، ۸۲۵۷ ، ۸۳۲۳ ، ۸۳۶۸ ، ۸۴۸۳ ، ۸۶۶۸ ، ۸۸۳۳ ، ۹۵۹۰ ، وموطأ مالک ، کتاب الطہارۃ ، باب العمل فی الوضوء ، رقم : ۳۰ ، وسنن الدارمی ، کتاب الطہارۃ ، باب التستر عند الحاجة ، رقم : ۶۶۰ ، ۶۹۷ .

بعض حضرات نے یہاں استجمار کے معنی دھونی دینے کے لئے ہیں، دھونی دینے کا مطلب ہوتا ہے خوشبو وغیرہ کا دھواں دینا، بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ وتر استعمال کرو۔ ۵۳

(۲۶) باب الاستجمار وتراً

طاق پتھروں سے استنجا کرنے کا بیان

۱۶۲۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال : أخبرنا مالك عن أبي الزناد ، عن الأعرج ، عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ قال : ((إذا توضأ أحدكم فليجعل في أنفه ماء ثم لينثر ، ومن استجمر فليوتر ، وإذا استيقظ أحدكم من نومه فليغسل يده قبل أن يدخلها في وضوئه فإن أحدكم لا يدري أين باتت يده)) [راجع : ۱۶۱]
یہ مشہور حدیث ہے کئی مرتبہ گزر چکی ہے۔ اس لئے اس میں بحث کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲۷) باب غسل الرجلين ولا يمسح على القدمين

دونوں پاؤں دھونے کا بیان اور دونوں قدموں پر مسح نہ کرے

۱۶۳۔ حدثني موسى قال : حدثنا أبو عوانة عن أبي بشر ، عن يوسف بن ماهك ، عن عبد الله بن عمرو قال : تخلف النبي ﷺ عنا في سفر فآدر كنا وقد أرقنا العصر فجعلنا نتوضأ ونمسح على أرجلنا فنأدى بأعلى صوته : ((ويل للأعقاب من النار)) مرتين أو ثلاثاً . [راجع : ۶۰]
یہ حدیث بھی پہلے گزر گئی ہے یہاں لانے کا منشا یہ ہے کہ رجلین کا وضو میں غسل ہے نہ کہ مسح جیسا کہ روافض کہتے ہیں۔

وضو کا معنی

یہ یاد رکھیں کہ ”وضو“ [بفتح الواو] کے معنی ہیں وضو کا پانی اور ”وضو“ [بضم الواو] کے معنی ہیں وضو کرنا اور ”وضو“ [بکسر الواو] کے معنی ہیں وہ برتن جس میں وضو کا پانی ہو، اس سے یہ مقولہ مشہور ہے کہ:

۵۳ قلت : الذين أوجبوا الاستنقاء هم : أحمد وإسحاق وأبو عبيد وأبو ثور وابن المنذر ، واحتجوا بظاهر الأمر ، ولكنه للندب عند الجمهور بدليل ما رواه الترمذي محسناً والحاكم مصححاً من قوله ﷺ للأعرابي ”توضأ كما أمرك الله تعالى“ فاحاله على الآية وليس فيها ذكر الاستنقاء الخ ، عمدة القاری ، ج : ۲ ، ص : ۴۵۲ .

”وضوء اور وضو کردہ وضو کن“، یہاں پہلا وضو (بالفتح) بمعنی پانی اور دوسرا وضو (بالکسر) برتن اور تیسرا (بالضم) عمل وضو ہے۔

(۲۹) باب غسل الأعقاب

ایڑیوں کے دھونے کا بیان

وكان ابن سيرين يغسل موضع الخاتم إذا توضأ.

۱۶۵۔ حدثنا آدم بن أبي إياس قال: حدثنا شعبة قال: حدثنا محمد بن زياد قال:

سمعت أبا هريرة وكان يمر بنا والناس يتوضئون من المطهرة، قال: أسبغوا الوضوء، فإن أبا القاسم رضي الله عنه قال: ((ويل للأعقاب من النار)) ۵۳

یہاں اگرچہ دوبارہ وہی حدیث ”ویل للأعقاب من النار“ لائے ہیں لیکن اس پر پہلے باب قائم کیا تھا ”باب غسل الرجلین ولا یمسح علی القدمین“ اور یہاں ہے ”باب غسل الأعقاب“ یعنی وہاں مقصود بالترجمہ یہ مسئلہ بیان کرنا تھا کہ رجلین کا وظیفہ غسل ہے نہ کہ مسح اور یہاں مقصود بالترجمہ یہ بیان کرنا ہے کہ غسل کے اندر بھی استیعاب کرنا چاہئے تاکہ کوئی حصہ خشک نہ رہے۔

چنانچہ امام ابن سیرین رحمہ اللہ کا اثر بیان کیا ہے کہ ”وكان ابن سيرين يغسل موضع الخاتم إذا توضأ“ وہ جب بھی وضو فرماتے تو انگلی کی جگہ کو بھی دھویا کرتے تھے یعنی انگلی پہنی ہوتی تو اس کو بھی ہلا کر اس کے نیچے کی جگہ تک پانی پہنچانے کا اہتمام کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ ہر جگہ تک پانی کا پہنچانا ضروری ہے۔

(۳۰) باب غسل الرجلین فی النعلین ولا یمسح علی النعلین

نعلین پہنے ہوئے ہو تو دونوں پاؤں کا دھونا ضروری ہے، نعلین پر مسح نہیں ہو سکتا

پاؤں کا جوتوں میں دھونا، اس ترجمہ الباب کے دو معنی ہو سکتے ہیں اور دونوں صحیح ہیں۔

ایک معنی تو یہ ہے کہ آدمی جوتے پہنے ہوئے ہے اور جوتے پہنے پہنے پاؤں دھوئے، آج کل جو بوٹ

۵۴۔ وفی صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب وجوب غسل رجلین یکمالہما، رقم: ۳۵۶، وسنن الترمذی، کتاب الطہارۃ عن رسول اللہ، باب ماجاء ویل للأعقاب من النار، رقم: ۳۹، وسنن النسائی، کتاب الطہارۃ، باب ایجاب غسل الرجلین، رقم: ۱۰۹، ومسند احمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند أبی ہریرۃ، رقم: ۶۸۲۵، ۴۳۵۹، ۴۳۸۲، ۸۸۹۷، ۸۹۳۶، ۹۱۸۶، ۹۶۳۲، ۹۷۱۱، ۹۸۵۸، ۹۸۵۳، ۱۰۰۵۳، وسنن الدارمی، کتاب الطہارۃ، باب ویل للأعقاب من النار، رقم: ۷۰۱۔

وغیرہ ہیں ان میں تو یہ نہیں ہو سکتا البتہ جو چپل وغیرہ ہیں ان میں ہو سکتا ہے کہ آدمی چپل پہنے ہوئے ہے اور پہنے پہنے پاؤں دھو لے، یہ اس صورت میں جائز ہے جب پاؤں کے تمام حصوں تک پانی کا پہنچنا متیقن ہو جائے۔

دوسرے معنی یہ ہیں اور بظاہر امام بخاری رحمہ اللہ کا یہی مقصود ہے کہ جب آدمی جوتے پہنے ہوئے ہو تو اس حالت میں اس کے پاؤں کا وظیفہ غسل ہی رہتا ہے مسح کی طرف منتقل نہیں ہوتا جیسا کہ ”لا بس الخفین“ کا وظیفہ غسل سے مسح کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، تو ”باب غسل الرجلین فی النعلین“ کا معنی یہ ہے کہ ”باب غسل الرجلین حال کون الرجل لا بسا النعلین ولا یمسح علی النعلین“ چنانچہ آگے اس کی تشریح کر دی کہ نعلین پر مسح درست نہیں۔

اس سے ان بعض روایات کی تردید کر دی جن میں نبی کریم ﷺ کی طرف یہ منسوب ہے کہ آپ ﷺ نے نعلین پر مسح فرمایا۔

”مسح علی نعلیه“ اس سے بعض اہل ظاہر نے یہ کہہ دیا کہ اگر جوتے پہنے ہوں تو مسح کرنا کافی ہے غسل کی ضرورت نہیں، یہاں اس کی تردید کر دی کہ اگر جوتے پہنے ہوں تب بھی غسل ہی کرنا ہو گا مسح کرنا جائز نہیں، اس لئے کہ جن روایتوں میں نعلین کا ذکر آیا ہے سارے ذخیرہ احادیث میں یہ کل تین احادیث ہیں:

ایک حضرت بلال سے مروی ہے، ایک حضرت ابوموسیٰ اشعری سے اور ایک حضرت مغیرہ بن شعبہ سے۔ حضرت بلال سے روایت کی حدیث ”معم صغیر طبرانی“ میں ہے اور حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت کی ”ابن ماجہ“ اور ”بیہقی“ میں روایت کی ہے، لیکن حافظ زیلعی رحمہ اللہ نے ان دونوں کے بارے میں ثابت کیا ہے کہ یہ دونوں سنداً ضعیف ہیں۔ ۵۵

حضرت ابوموسیٰ سے روایت کی حدیث کے بارے میں تو بوداؤ رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ”لیس بالمتصل ولا بالقوی“۔ ۵۶

حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت کی حدیث کا معاملہ بھی یہ ہے اگرچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کو ”حسن صحیح“ کہا ہے لیکن دوسرے جلیل القدر محدثین نے امام ترمذی رحمہ اللہ کے اس قول پر سخت تنقید کی ہے، جن حضرات نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے اگر ان میں ہر ایک تنہا ہوتا تب بھی وہ امام ترمذی پر مقدم ہوتا، اس کے علاوہ یہ بھی قاعدہ ہے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہوتی ہے، اور حفاظ حدیث اس کی تضعیف پر متنق ہیں، لہذا امام ترمذی رحمہ اللہ کا یہ قول کہ یہ ”حسن صحیح“ ہے قابل قبول نہیں۔ ۵۷

۵۵، ۵۶، نصب الرایۃ، ج: ۲، ص: ۱۸۵، واعلاء السنن، ج: ۱، ص: ۳۲۷۔

۵۷، ان شئت فطالع: ”مروجہ موزوں پر مسح کا حکم“، فقہی مقالات جلد: ۲، ص: ۱۱۱۔ ۲۳، ونصب الرایۃ، ج: ۱، ص: ۱۸۵، واعلاء

آج کل لوگ آسانی کے پیچھے پھرتے ہیں، ائمہ میں سے کسی کے ہاں بھی جو رہن پر مسح کرنا جائز نہیں ہے، صرف ابن قیم، ابن تیمیہ اور ابن حزم جائز کہتے ہیں، اس مسئلہ میں انہوں نے اپنے مسلک پر کچھ دلیل بھی نہیں دی۔ لوگوں نے اس میں آسانی دیکھی اس لئے اس طرف چل پڑے اور اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ خاص طور پر مغربی ملکوں امریکہ، برطانیہ وغیرہ میں یہ بات بہت پھیلی ہوئی ہے کیونکہ وہاں سردی ہوتی ہے انہوں نے کہا یہ آسان کام ہے اس لئے اسی پر عمل کرنے لگتے ہیں جب کہ یہ قرآن و سنت سے کہیں ثابت نہیں ہے۔

بنیادی طور پر یہ بات سمجھ لیں کہ قرآن کریم نے غسل و طیفہ قرار دیا ہے اب اکادکا احادیث کی بنیاد پر اور وہ بھی ضعیف احادیث، کوئی بھی قوی نہیں ہے اس غسل کے وظیفہ کو ترک نہیں کیا جاسکتا، لہذا یہ موقف صحیح نہیں ہے۔

۱۶۶۔ حدثنا عبد اللہ بن یوسف قال: أخبرنا مالک عن سعید المقبری، عن عبيد ابن جریج أنه قال لعبد الله بن عمر: يا أبا عبد الرحمن رأيتك تصنع أربعاً لم أر أحداً من أصحابك يصنعه يصنعها، قال: وما هي يا ابن جریج؟ قال: رأيتك لا تمس من الأركان إلا اليمانيين، ورأيتك تلبس النعال السبتية، ورأيتك تصبغ بالصفرة، ورأيتك إذا كنت بمكة أهل الناس إذا رأوا الهلال ولم تهل أنت حتى كان يوم التروية، قال عبد الله: أما الأركان فإني لم أر رسول الله ﷺ يمس إلا اليمانيين، وأما النعال السبتية فإني رأيت رسول الله ﷺ يلبس النعال التي ليس فيها شعر ويتوضأ فيها، فإني أحب أن ألبسها، وأما الصفرة فإني رأيت رسول الله ﷺ يصبغ بها، فإني أحب أن أصبغ بها، وأما الإهلال فإني لم أر رسول الله ﷺ يهل حتى تنبعث به راحلته. [أنظر: ۵۸۱، ۱۵۵۲، ۱۶۰۹، ۲۸۶۵، ۵۸۵۱، ۵۸]

اس باب میں یہ روایت بیان کی گئی ہے ”حدثنا عبد الله بن عمر عن عبيد بن جریج أنه قال لعبد الله بن عمر: “يا ابن جریج رأيتك تصنع أربعاً لم أر أحداً من أصحابك يصنعه يصنعها، قال: وما هي يا ابن جریج؟ قال: رأيتك لا تمس من الأركان إلا اليمانيين، ورأيتك تلبس النعال السبتية، ورأيتك تصبغ بالصفرة، ورأيتك إذا كنت بمكة أهل الناس إذا رأوا الهلال ولم تهل أنت حتى كان يوم التروية، قال عبد الله: أما الأركان فإني لم أر رسول الله ﷺ يمس إلا اليمانيين، وأما النعال السبتية فإني رأيت رسول الله ﷺ يلبس النعال التي ليس فيها شعر ويتوضأ فيها، فإني أحب أن ألبسها، وأما الصفرة فإني رأيت رسول الله ﷺ يصبغ بها، فإني أحب أن أصبغ بها، وأما الإهلال فإني لم أر رسول الله ﷺ يهل حتى تنبعث به راحلته. [أنظر: ۵۸۱، ۱۵۵۲، ۱۶۰۹، ۲۸۶۵، ۵۸۵۱، ۵۸]

۵۸۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الحج، باب الإهلال من حيث تنبعث الراحلة، رقم: ۲۰۳۵، وسنن النسائي، كتاب مناسك الحج، باب ترك استلام الركنين الآخرين، رقم: ۲۹۰۳، وسنن أبي داود، كتاب المناسك، باب في وقت الاحرام، رقم: ۱۵۰۹، وكتاب اللباس، باب في المصبوغ بالصفرة، رقم: ۳۵۳۲، ومسند احمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، رقم: ۴۳۸۹، ۴۳۹۰، ۴۳۹۱، وموطأ مالك، كتاب الحج، باب العمل في الإهلال، رقم: ۶۲۷، وسنن الدارمي، كتاب المناسك، باب في استلام الحجر، رقم: ۱۷۷۷.

کنیت ہے ”رأيتك تصنع أربع لم أر أحداً من أصحابك يضعها“ میں نے آپ کو چار ایسے کام کرتے ہوئے دیکھا ہے جو آپ کے ساتھیوں میں سے کسی کو بھی کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔

قال : وما هي يا ابن جريج؟ قال : رأيتك لا تمس من الأركان إلا اليمانيين . پہلی بات تو آپ میں یہ دیکھی ہے کہ کعبہ کے جوارکان (کونے) ہیں ان میں سے آپ صرف دو یعنی کنوئوں کو چھوتے ہیں یعنی جوشمال کی سمت واقع ہیں، ایک حجر اسود اور دوسرا جس کو رکن یمانی کہا جاتا ہے اور جو رکن عراقی اور شامی ہیں آپ ان کو نہیں چھوتے۔

”ورأيتك تلبس النعال السبعة“ اور میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ سستی جوتے پہنتے ہیں، سستی جوتے وہ ہوتے ہیں جو بغیر بال کے چمڑے کے بنائے جاتے ہیں، پہلے جو جوتے بنائے جاتے تھے اس میں بال ہوتے تھے اور یہ بغیر بال کے بنائے جاتے تھے ان کو نعال سبتہ کہتے تھے۔

”ورأيتك تصبغ بالصفرة“ اور میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ آپ اپنے بالوں میں زرد رنگ کا بھی استعمال کرتے ہیں۔

”ورأيتك إذا كنت بمكة أهل الناس إذا راوا الهلال ولم تهل أنت حتى كان يوم التروية“

اور میں نے دیکھا کہ جب آپ مکہ مکرمہ میں ہوتے تھے تو لوگ تو اس وقت سے احرام باندھ لیتے اور تلبیہ پڑھنے لگتے جب وہ ذی الحجہ کا چاند دیکھ لیتے اور آپ تلبیہ نہیں پڑھتے تھے یہاں تک کہ یوم الترویہ نہ آجائے۔

عبداللہ بن عمر ؓ نے جواب میں فرمایا کہ ”اما الأركان“ جو تم نے کعبہ کے ارکان کی بات کی تھی تو ”فإني لم أر رسول الله ﷺ يمس إلا اليمانيين“ میں نے رسول اللہ ﷺ کو جو رکن چھوتے ہوئے دیکھا ہے میں بھی وہی چھوتا ہوں۔

”واما النعال السبعة“ اور یہ جو تم نے سستی جوتے کا پوچھا ہے ”فإني رأيت رسول الله ﷺ يلبس النعال التي ليس فيها شعر“ میں نے آپ ﷺ کو ایسے جوتے پہنے ہوئے دیکھا جن میں بال نہیں ہوتے تھے ”ويتوضأ فيها“ اور آپ ﷺ ان کو پہن کر وضو بھی فرمایا کرتے تھے۔ اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ پہنے پہنے وضو فرما لیتے تھے اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اس حالت میں وضو کرتے تھے کہ وہ پہنے ہوئے ہوتے تھے، ان کو اتار کر پاؤں کو دھویا اور پھر پہن لئے ”فإني أحب أن البسها“ میں بھی پسند کرتا ہوں کہ میں وہ جوتے پہنوں۔

”وَأَمَّا الْإِهْلَالُ“ اور جہاں تک تلبیہ پڑھنے کا تعلق ہے ”فإني لم أَر رسول الله ﷺ يهمل حتى تسبعت به راحلته“ تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو تلبیہ پڑھتے ہوئے نہیں سنا جب تک آپ کی سواری آپ ﷺ کو لے کر اٹھ نہ جاتی، یعنی آپ ﷺ سفر کے آغاز کے وقت تلبیہ پڑھتے تھے۔ آپ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے اور جب آپ ﷺ کی سواری ذوالحلیفہ سے روانہ ہوئی تو اس وقت آپ ﷺ نے تلبیہ پڑھا، میں بھی اس وقت تلبیہ پڑھتا ہوں، جب مکہ مکرمہ سے منی کے لئے روانہ ہو رہا ہوتا ہوں، پہلے سے تلبیہ پڑھنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

(۳۱) باب التيمن في الوضوء والغسل

وضوء اور غسل میں دائیں طرف سے شروع کرنے کا بیان

یہ باب قائم کیا ہے کہ وضوء اور غسل کے اندر ”ابتدا بالتيامن“ یعنی دائیں طرف سے شروع کرنا مسنون ہے۔

۱۶۷۔ حدثنا مسدد قال : حدثنا إسماعيل قال : حدثنا خالد ، عن حفصة بنت

سیرین ، عن ام عطية قالت : قال رسول الله ﷺ : لهن في غسل ابنته : ((ابدآن بميا منها و مواضع الوضوء منها)) . [أنظر : ۱۲۵۳ ، ۱۲۵۴ ، ۱۲۵۵ ، ۱۲۵۶ ، ۱۲۵۷ ، ۱۲۵۸ ، ۱۲۵۹ ، ۱۲۶۰ ، ۱۲۶۱ ، ۱۲۶۲ ، ۱۲۶۳] ۵۹

اس میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خواتین سے فرمایا جو ان کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو غسل دے رہی تھیں ”ابدآن بميا منها و مواضع الوضوء منها“ کہ دائیں طرف سے ابتدا کرنا اور جو مواضع وضوء ہیں ان کو شروع میں دھونا۔

جب آپ ﷺ نے میت کو غسل دیتے وقت تیا من کی تاکید فرمائی تو جو زندہ ہیں ان کے لئے بطریق اولیٰ یہ حکم ہے۔

۱۶۸۔ حدثنا حفص بن عمر قال : حدثنا شعبة قال : أخبرني أشعث بن سليم

قال : سمعت أبي ، عن مسروق عن عائشة قالت : كان النبي ﷺ يعجبه التيمن في تنعله ،

۵۹ وفی صحیح مسلم ، کتاب الجنائز ، باب فی غسل الميت ، رقم : ۱۵۵۷ ، ۱۵۶۱ ، و سنن الترمذی ، کتاب الجنائز

عن رسول الله ﷺ ، باب ماجاء فی غسل الميت ، رقم : ۹۱۱ ، و سنن النسائی ، کتاب الجنائز ، باب میامن الميت و مواضع

الوضوء منه ، رقم : ۱۸۶۱ ، و سنن أبی داؤد ، کتاب الجنائز ، باب کیف غسل الميت ، رقم : ۲۷۳۵ ، و سنن ابن ماجه ،

کتاب ماجاء فی الجنائز ، باب ماجاء فی غسل الميت ، رقم : ۱۴۳۸ ، و مسند أحمد ، من مسند القبائل ، باب حدیث أم

عطية الأنصارية اسمها نسبية ، رقم : ۲۶۰۳۴ .

(٣٢) باب التماس الوضوء إذا حانت الصلاة

تلاش کیا گیا جب نہیں ملا تو پھر تیمم کا حکم آیا۔

۱۶۹۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال : أخبرنا مالك ، عن إسحاق بن عبد الله بن أبي طلحة ، عن أنس بن مالك قال : رأيت النبي ﷺ ، وحانت صلاة العصر فالتمس الناس الوضوء فلم يجدوا ، فأتى رسول الله ﷺ بوضوء فوضع رسول الله ﷺ في ذلك الاناء يده ، وأمر الناس أن يتوضؤا منه ، قال : فرأيت الماء ينبع من تحت أصابعه حتى توضؤا من عند آخرهم . [أنظر : ۱۹۵ ، ۲۰۰ ، ۳۵۷۲ ، ۳۵۷۳ ، ۳۵۷۴ ، ۳۵۷۵] ۶۱
اس میں حضرت انس بن مالک ؓ کی روایت نقل کی ہے کہ نماز عصر کا وقت آچکا تو میں نے آپ ﷺ کو دیکھا ”فالتمس الناس الوضوء فلم يجدوا“ پانی نہیں ملا۔

”فأتى رسول الله ﷺ بوضوء“ تلاش کرنے کے نتیجے میں تھوڑا سا پانی رسول اللہ ﷺ کے پاس لایا گیا ”فوضع رسول الله ﷺ في ذلك الاناء يده“ آپ ﷺ نے اپنا دست مبارک اس میں رکھا ”وأمر الناس أن يتوضؤا منه“ اور لوگوں سے کہا کہ اس میں سے وضو کرو۔

قال : ”فرأيت الماء ينبع من تحت أصابعه حتى توضؤا من عند آخرهم“ پانی آپ ﷺ کی انگلیوں سے ابل رہا تھا۔

یہ معجزہ تھا کہ آخری آدمی تک سب نے اس پانی سے وضو کر لیا حالانکہ وہ تھوڑا سا پانی تھا، لیکن پورے لشکر کے وضو کے لئے کافی ہو گیا۔

(۳۳) باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان

جس پانی سے آدمی کے بال دھوئے جائیں

وكان عطاء لا يرى به بأسا : أن يتخذ منها الخيوط والجبال ، وسؤر الكلاب وممرها في المسجد ، وقال الزهري : إذا ولغ الكلب في إناء ليس له وضوء غيره يتوضأ به ، وقال سفيان : هذا الفقه بعينه ، بقول الله تعالى : ﴿ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا ﴾ [النساء : ۴۳] وهذا ماء وفي النفس منه شيء يتوضأ به ويتيمم .

۱۱۔ وفي صحيح مسلم ، كتاب الفضائل ، باب في معجزات النبي ، رقم : ۴۲۲۵ ، وسنن الترمذی ، كتاب المناقب عن رسول الله ، باب في آيات اثبات نبوة النبي ، رقم : ۳۵۶۲ ، وسنن النسائي ، كتاب الطهارة ، باب الوضوء من الاناء ، رقم : ۷۵ ، ومسند احمد ، باقي مسند المكثرين ، باب مسند انس بن مالك ، رقم : ۱۱۸۹۸ ، ۱۲۰۳۰ ، ۱۲۲۳۳ ، وموطا مالك ، كتاب الطهارة ، باب جامع الوضوء ، رقم : ۵۷۰ .

یہاں سے امام بخاری رحمہ اللہ پانی کی طہارت اور نجاست کو بیان کرنے کے لئے کچھ تراجم قائم کر رہے ہیں۔ پہلا ترجمہ یہ قائم کیا کہ وہ پانی جس سے انسان کے بال کو دھویا جائے وہ پاک ہے یا نہیں ہے؟ اس باب کو قائم کرنے کا بظاہر امام بخاری رحمہ اللہ کا منشا امام شافعی رحمہ اللہ کی ایک روایت کا رد کرنا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا ایک قول یہ ہے کہ انسان کے جسم سے جب بال الگ ہو جائے تو وہ نجس ہو جاتا ہے، بال جب تک جسم پر لگا ہوا ہے اس وقت تک وہ پاک ہے لیکن جب جسم سے الگ ہو جائے تو پھر وہ میتہ کے حکم میں ہو جاتا ہے، لہذا ناپاک ہوتا ہے، اگر وہ پانی کے اندر پڑ جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا، یہ امام شافعی رحمہ اللہ کی ایک روایت ہے جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کی دوسری روایت جمہور کے مطابق ہے اور حنفیہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ انسان کا بال چاہے جسم سے لگا ہوا ہو یا جسم سے الگ ہو جائے دونوں صورتوں میں پاک رہتا ہے اور اگر پانی میں پڑ جائے تو وہ پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

اس باب سے امام بخاری رحمہ اللہ جمہور کی تائید کرنا چاہتے ہیں کہ یہ بال پاک ہے اگر پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک نہیں ہوتا، اور یہ اس لئے بیان کیا کہ یہ مسئلہ خاصا کثیر الوقوع ہے کہ اگر آدمی کسی برتن میں وضو کر رہا ہے بسا اوقات وضو کرتے وقت داڑھی یا سر کا بال پانی کے اندر گر جاتا ہے، بتلانا یہ مقصود ہے کہ اس سے پانی کی طہارت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ۶۲

استدلال کے طور پر حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کا ایک اثر روایت کیا ہے فرمایا:

”وكان عطاء لا يرى به بأساً: أن يتخذ منها الخيوط والجبال، وسور الكلاب

وممرها في المسجد“

کہ حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ اس بارے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے ہیں کہ انسان کے بالوں سے دھاگے یا رسیاں بنالی جائیں۔

یہ عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کا مسلک تھا، اس سے یہ بات تو واضح ہو گئی کہ اگر ان کے نزدیک بال ناپاک ہوتے تو ان سے دھاگہ یا رسی بنانے کا کوئی جواز نہیں تھا لیکن ساتھ ساتھ یہ مسئلہ پیدا ہو گیا کہ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کا مسلک یہ تھا کہ جائز ہے، لیکن جمہور جن میں حنفیہ بھی داخل ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ بال پاک ہیں لیکن جزو آدمی ہونے کی وجہ سے ان میں ایک کرامت ہے اور اس کرامت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کو اس قسم کے کاموں میں استعمال نہ کیا جائے۔

فرمان باری ہے: ”ولقد کرّمنا بنی آدم“۔ الآیۃ کہ اللہ ﷻ نے بنی آدم کی تکریم کی ہے، اس کے

۶۲ وقال ابن بطال: اراد البخاری بهذه الترجمة رد قول الشافعی: ان شعر الانسان اذا فارق الجسد نجس، واذا وقع في الماء

نجسه، اذ لو كان نجساً لما جاز اتخاذه خيوطاً وحبالاً وملهب أبی حنیفة أنه طاهر، الخ، عمدة القاری، ج: ۲، ص: ۴۸۰.

کسی بھی جز سے انتفاع کرنا جس سے اہانت ہوتی ہو، منع کیا گیا ہے۔

آگے اسی کے ساتھ امام بخاری رحمہ اللہ نے دوسری چیز ذکر فرمائی ”وسور الکلاب“ اس میں کتے کے جھوٹے کا حکم بیان کرنا مقصود ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک اختیار فرمایا ہے، امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پانی وقوع نجاست سے اس وقت تک نجس نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے اوصاف میں تغیر پیدا نہ ہو، لہذا ان کے نزدیک اگر پانی میں کتا منہ ڈال دے تو کتے کا جھوٹا نجس نہیں ہوتا، یہ اور بات ہے کہ اس کو سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا گیا جیسا کہ آگے حدیث میں آئے گا۔

امام مالک رحمہ اللہ اس کو حکم تعبیدی قرار دیتے ہیں، تعبیدی کا مطلب یہ ہے کہ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ دھونا ضروری نہ ہو کیونکہ نجاست متحقق نہیں ہوئی لیکن پھر بھی اس کو دھونے کا حکم آیا ہے، لہذا فرماتے ہیں کہ یہ حکم تعبیدی یعنی خلاف قیاس ہے اور ایسا لگتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ انہی کی تائید کرنا چاہتے ہیں اور یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر ”سور الکلاب“ پانی کے اندر شامل ہو جائے تو اس سے پانی نجس نہیں ہوتا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر استدلال کیا ہے ”وممرها فی المسجد“ کہ کتوں کا مسجد میں سے گزرنا، آگے اس کی حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں کتے مسجد میں آیا جایا کرتے تھے ”کانت الکلاب تقبل وتدبر فی المسجد الخ“ استدلال اس طرح ہے کہ جب وہ کتے آتے تھے تو ظاہر ہے کہ ان کا لعاب بھی مسجد میں گرتا ہوگا اور حدیث کے اندر ہے کہ مسجد کو نہیں دھویا جاتا تھا، اس سے پتہ چلا کہ ان کا لعاب نجس نہیں ہے۔

حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ زمین خشک ہونے سے پاک ہو جاتی ہے اس لئے دھونے کی ضرورت نہیں۔ ۶۳۔

آگے فرماتے ہیں:

”وقال الزهري: إذا ولغ الكلب في أناء ليس له وضوء غيره يتوضأ به“

امام زہری رحمہ اللہ نے فرمایا اگر کتا کسی برتن میں منہ ڈالے ”ولغ بلغ ولو غا“ کے معنی ہیں منہ ڈالنا اگر کتا منہ ڈال دے اور آدمی کے پاس اس پانی کے علاوہ اور پانی نہ ہو تو ایسی صورت میں اس سو رکلب سے ہی

۶۳۔ قال عكرمة ومالك في رواية عنه: ان سور الكلب طاهر (والأمر بالفعل تعبدي) وقال الجمهور: انه نجس، ثم اختلفوا في عدد الفسلات الوجبة للتطهر منه، فقال الشافعي وأحمد بن حنبل ومالك والاوزاعي وإسحاق وأبو ثور وأبو عبيد وداؤد إلى انها سبعة، وذهب المعتزلة والحنفية إلى عدم الفرق بين لعاب الكلب وغيره من النجاسات، ملخص من نيل الأوطار، ج: ۱، ص: ۳۰، ۳۱، باب أسرار البهائم، أنظر: إعلاء السنن، ج: ۱، ص: ۲۸۸.

وضو کر لے۔

وقال سفیان: هذا الفقه بعينه، بقول الله تعالى: ﴿فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا﴾

اور امام سفیان رحمہ اللہ نے امام زہری رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کر کے فرمایا کہ ”هذا الفقه بعينه“ یعنی امام زہری رحمہ اللہ نے جو فرمایا ہے فقہ کا بعینہ یہی تقاضا ہے، کیونکہ اللہ ﷻ نے فرمایا ”فَبِمَا لَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا“ اگر تم پانی نہ پاؤ تو یتیم کرو، لہذا کتے نے جس میں منہ ڈالا ہے وہ پانی ہے اور قرآن کریم میں پانی نہ ملنے کی صورت میں یتیم کا حکم دیا گیا ہے اس لئے پانی کی موجودگی میں یتیم جائز نہ ہوگا۔

تو اس آیت کریمہ سے استدلال کیا کہ اگر کتے نے پانی میں منہ ڈال دیا ہے اور دوسرا پانی نہیں ہے تو اسی پانی سے وضو کرے، یہی فقہ کا تقاضا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوا کہ اگر کتے کا سوا رطابہ ہے تو پھر ”لیس له وضو غیرہ“ کی قید کیوں لگائی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان کے نزدیک یہ قید نظافت کی ہے کہ جب اچھا پانی موجود ہے، نظیف بھی ہے اور اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے تو ظاہر ہے اسے ترجیح دینی چاہئے لیکن جب دوسرا پانی موجود نہ ہو تو پھر اسی پانی سے وضو کر لینا چاہئے کیونکہ اس پر ”ماء“ کے لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔

سفیان ثوری رحمہ اللہ نے یہ تو کہہ دیا کہ ”هذا الفقه بعينه“ لیکن ساتھ یہ بھی کہا کہ ”وهذا ماء وفي النفس منه شيء يتوضأ به ويتيمم“ امام زہری رحمہ اللہ کا قول فقہ کے تقاضے کے مطابق ہے لیکن میرے دل میں اس کے بارے میں کچھ تردد ہے، اسی تردد کی وجہ سے کہتے ہیں کہ اگر کسی کے پاس سوا رطب کے علاوہ کوئی اور پانی نہیں ہے تو بہتر ہے کہ وہ یوں کرے کہ پہلے اس سے وضو کرے، جب وضو کر لیا تو پانی ختم ہو گیا اور ”فلم تجدوا ماء“ میں داخل ہو گیا اس لئے اب یتیم کر لے، تو دونوں چیزوں کو جمع کر لے تاکہ شک سے نکل جائے، یہ سفیان ثوری رحمہ اللہ کا قول ہے۔

اگرچہ علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ زہری رحمہ اللہ سے عام طور پر روایت کرنے والے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ ہوتے ہیں لیکن دوسری بعض روایتوں میں صراحت ہے کہ یہاں سفیان ثوری رحمہ اللہ مراد ہیں۔ ۶۴۔ سوال: یہاں ان کے قول پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ایک طرف تو بڑی تاکید سے کہہ رہے ہیں کہ ”هذا الفقه بعينه“ اور دوسری طرف کہہ رہے ہیں ”وفي النفس منه شيء“ کہ اس میں تردد ہے۔

جواب: درحقیقت وہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ دلیل کے لحاظ سے امام زہری رحمہ اللہ کا قول فقہ کے عین مطابق

۶۴ سفیان هذا هو الثوري، لأن الوليد بن مسلم لما روى هذا الأمر الذي رواه الزهري ذكر عقيبة قبوله: فذكرت ذلك لسفيان الثوري، فقال: هذا والله الفقه بعينه، ولو لا هذا التصريح لكان المتبادر إلى الذهن أنه سفيان بن عيينة لكونه معروفاً بالرواية عن الزهري دون الثوري ذكره العيني في العمدة، ج: ۲، ص: ۴۸۳۔

ہے لیکن ایک ہوتا ہے دلیل کے مطابق ہونا اور ایک ہوتا ہے اس پر دل کا مطمئن ہونا، دونوں میں فرق ہے۔
دلیل کے نقطہ نظر سے آدمی بعض اوقات دوسرے کو لا جواب کر دیتا ہے، وہ تو لا جواب ہو گیا لیکن خود اس پر مکمل اطمینان نہیں ہوتا، تو دلیل کے نقطہ نظر سے امام زہری رحمہ اللہ کا قول صحیح ہے لیکن ساتھ ساتھ دل میں ابھی تک تردد ہے اور اس تردد کا تقاضا یہ ہے کہ وضو بھی کر لے اور تیمم بھی کر لے۔

سورکلب اور مسلک جمہور

جمہور کے نزدیک سورکلب نجس ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس کا لعاب نجس ہے اور لعاب جب پانی میں مل جائے گا اور پانی قلیل ہوگا تو وہ بھی نجس ہو جائے گا۔ ۶۵

جمہور کی دلیل

جمہور کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ”ماء قلیل“ کے بارے میں سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا، بعض روایتوں میں اس کی صراحت ہے ”طهور اثناء أحدکم إذا ولغ فیہ الکلب أن یغسلہ سبع مرات“۔
طہور سے یہ صراحت ہے کہ جب تک سات مرتبہ نہیں دھوئے گا برتن پاک نہیں ہوگا، لہذا یہ حدیث سورکلب کی نجاست پر جمہور کی دلیل ہے۔

۱۷۰۔ حدثنا مالک بن اسماعیل قال: حدثنا إسرائيل، عن عاصم عن ابن سيرين قال: قلت لعبيدة: عندنا من شعر النبي ﷺ أصبنا من قبل أنس، أو من قبل أهل أنس، فقال: لأن تكون عندي شعرة منه أحب إلي من الدنيا وما فيها. [أنظر: ۱۷۱] ۶۶
یہ روایت ”باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان“ سے متعلق ہے۔

محمد بن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے عبیدہ سلمانی رحمہ اللہ سے کہا، یہ خضر مین میں سے ہیں جو حضور ﷺ کے زمانہ میں پیدا ہو چکے تھے لیکن ان کی زیارت نہ ہو سکی، میں نے ان سے کہا:
”عندنا من شعر النبي ﷺ أصبنا من قبل أنس أو من قبل أهل أنس، فقال: حضرت عبیدہ نے کہا ”لأن تكون عندي شعرة منه أحب إلي من الدنيا وما فيها“

۶۵ اعلاء السنن، ج: ۱، ص: ۲۸۸۔

۶۶ وفي صحيح مسلم، كتاب الحج، باب بيان ان السنة يوم النحر أن يرمى ثم يتحرق ثم يحلق، رقم: ۲۳۰۰، وسنن الترمذی، كتاب الحج عن رسول الله، باب ماجاء بأى جانب الرأس يبدأ فى الحلق، رقم: ۸۳۶، وسنن أبی داؤد، كتاب المناسك، باب الحلق والتقصير، رقم: ۱۶۹۱۔

کہ اگر میرے پاس ان میں سے ایک بال بھی آجائے تو وہ میرے لئے دنیا و ما فیہا سے زیادہ محبوب ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس سے استدلال کرنا چاہ رہے ہیں کہ ظاہر ہے یہ بال حضور اقدس ﷺ کے جسد اطہر سے الگ ہو چکے تھے، لہذا پتہ چلا کہ جسم سے الگ ہونے کے باوجود بال پاک رہتے ہیں۔

لیکن یہ استدلال پوری طرح تام نہیں ہوتا، اس واسطے کہ رسول کریم ﷺ کے موئے مبارک کے بارے میں کون کہے گا کہ یہ ناپاک ہوتے ہیں، ایک بہت بڑی جماعت تو آپ ﷺ کے فضلات کو بھی پاک قرار دینے کی قائل ہے، چہ جائیکہ موئے مبارک کو کوئی ناپاک کہے، اس واسطے استدلال تام نہیں ہوتا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے۔

اگرچہ العیاذ باللہ غالی قسم کے شوافع نے یہاں تک کہہ دیا کہ رسول اکرم ﷺ کے موئے مبارک جسم سے الگ ہونے کے بعد پاک نہیں رہتے۔

علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری میں اس پر شدید رد کیا ہے کہ مجھے اس کے ایمان کے بارے میں خطرہ ہے جو یہ کہے کہ حضور اقدس ﷺ کے موئے مبارک پاک نہیں ہیں۔ ۶۷

بہر حال اکثر شوافع کے نزدیک رسول کریم ﷺ کے موئے مبارک پاک ہیں۔ وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس حدیث سے عام انسانوں کے بالوں کی پاکی معلوم نہیں ہو سکتی لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کا منشا اس حدیث کو لانے کا یہ ہے کہ اگر کوئی حکم رسول کریم ﷺ کے موئے مبارک کے بارے میں معلوم ہو رہا ہے تو دوسروں کے لئے اس کے ثابت نہ ہونے پر کوئی دلیل ہونی چاہئے یا یوں کہہ لیجئے کہ خصوصیت پر کوئی دلیل ہونی چاہئے اور وہ نہیں ہے، لہذا جو حکم آپ ﷺ کے بالوں کا ہے وہی دوسروں کے بالوں کا بھی ہوگا۔

یہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک ہے جس کی وجہ سے وہ یہاں اس حدیث کو لے کر آئے ہیں۔

۱۷۳۔ حدثنا اسحاق قال: أخبرنا عبد الصمد قال: حدثنا عبد الرحمن بن

عبد اللہ بن دینار قال: سمعت أبا، عن أبي صالح، عن أبي هريرة عن النبي ﷺ ((أن رجلاً رأى كلباً يأكل الثرى من العطش، فأخذ الرجل خفه فجعل يغرف له به حتى أرواه فشكر الله فادخله الجنة)). [انظر: ۲۳۶۳، ۲۳۶۶، ۶۰۰۹، ۶۸]

۶۷ عمدۃ القاری، ج: ۲، ص: ۳۸۱۔

۶۸ وفی صحیح مسلم، کتاب السلام، باب فضل سقی البہائم المحترمة واطعامها، رقم: ۴۱۶۲، وسنن أبی داؤد، کتاب الجہاد، باب ما یؤمر به من الیقام علی الدواب والبهائم، رقم: ۲۱۸۷، ومسند أحمد، باقی مسند المکثرین، باب باقی المسند السابق، رقم: ۸۵۱۹، ۱۰۲۸۱، ۱۰۳۳۳، وموطأ مالک، کتاب الجامع، باب جامع ما جاء فی الطعام واشرب، رقم: ۱۳۵۵۔

یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے کتے کو دیکھا جو شدت پیاس کی وجہ سے مٹی کھا رہا تھا ”فأخذ الرجل خفه فجعل يغرف له به حتى أرواه“ اس شخص نے پاؤں سے موزہ نکالا اور اس کے ذریعہ اس کو پانی بھر کر دینے لگا، ڈول وغیرہ نہیں تھا اس لئے موزہ سے کام لیا، یہاں تک کہ کتے کو سیراب کر دیا ”فشكر الله له فادخله الجنة“ اللہ ﷻ نے اس کی قدر کی اور اس کو جنت میں داخل کر دیا۔

سورکلب کی عدم نجاست پر پہلی دلیل

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ کا اس حدیث کو لانے کا منشا یہ ہے کہ یہاں موزہ میں پانی بھر کر باقاعدہ کتے کو پلایا گیا۔ استدلال یہ کرنا چاہتے ہیں کہ اگر سورکلب نجس ہوتا تو اس عمل پر اتنا ثواب نہ ملتا کیونکہ یہ تو پانی کو ناپاک کرنا ہوا کہ اس میں کتے کا منہ ڈلوایا۔

اب یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے بڑا عجیب سا استدلال کیا ہے کیونکہ ایک کتا پیاس سے مر رہا ہے اس آدمی نے موزہ میں پانی بھر کر اس کو پلادیا، اب کیا ضروری ہے کہ بعد میں اسی موزہ میں نماز پڑھی ہو یا بغیر موزہ کو دھوئے نماز پڑھ لی ہو یا اس بچے ہوئے پانی سے وضو کیا ہو، اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو استدلال صحیح ہوتا، لیکن ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے۔ یہاں تو صرف یہ کہا جا رہا ہے کہ اس نے پانی پلا کر اس بے چارہ کی پیاس کو دور کر دیا، مخلوق پر رحم کرنے کی وجہ سے اللہ ﷻ نے اس کی مغفرت کر دی، سورکلب سے اس حدیث کا کوئی جوڑ نہیں بنتا۔

بعض اوقات امام بخاری رحمہ اللہ پر تعجب ہوتا ہے کہ استدلال کے طور پر ایسی حدیث لاتے ہیں جس سے استدلال بہت ہی ضعیف اور بدیہی طور پر غلط یا کمزور ہوتا ہے، اس وقت اشکال ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ جیسا جلیل القدر محدث اور امام اس طرح کیسے استدلال کر سکتا ہے۔

میری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ درحقیقت امام بخاری رحمہ اللہ کا منشا یہ نہیں ہوتا کہ اس سے بالکل یہ استدلال کریں بلکہ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ایک باب سے متعلق دور دراز سے بھی حدیث ملے اس کو روایت کر دیا جائے، چاہے اس سے استدلال تام ہو یا نہ ہو رہا ہو، لیکن اس کو ذکر کر دیتے ہیں تاکہ اگر اس سے کوئی مسئلہ متنبہ کرنا چاہے تو کر لے، یہاں بدیہی طور پر استدلال تام نہیں ہے۔

۴۷۱۔ وقال احمد بن شبيب : حدثنا أبي، عن يونس، عن ابن شهاب قال :

حدثني حمزة بن عبد الله، عن أبيه قال : كانت الكلاب تقبل و تدبر في المسجد في زمان رسول الله ﷺ فلم يكونوا يرشون شيئاً من ذلك.

دوسری دلیل

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے تعلیقاً روایت ہے فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں کتے مسجد میں آتے جاتے رہتے تھے اور زمین پر کوئی پانی وغیرہ نہیں بہایا جاتا تھا۔

اشکال

یہ استدلال کسی حد تک قابل نظر ہے کہ جب کتے آتے تھے تو ظاہر بات ہے ان کا لعاب بھی وہاں گرتا ہوگا پھر مسجد کو دھویا بھی نہیں جاتا تھا، معلوم ہوا کہ ان کا لعاب نجس نہیں ہوتا۔ اس کے دو جواب ہیں، ایک الزامی اور ایک تحقیقی۔

الزامی جواب

الزامی جواب یہ ہے کہ اسی حدیث کے بعض طرق میں جو ابو داؤد کے اندر صراحۃً آئے ہیں ۶۹ اور بخاری کے ایک نسخہ میں بھی ہیں ان میں ”قبول“ کے لفظ بھی ہیں ”كانت الكلاب تبول وقدير الخ“ اگر اس حدیث سے ان کے لعاب پر استدلال ہو سکتا ہے تو ان کے پیشاب پر بھی ہونا چاہئے، حالانکہ پیشاب کی طہارت کا کوئی بھی قائل نہیں ہے، لہذا جو جواب آپ کا پیشاب کے سلسلے میں ہوگا وہی جواب ہمارا لعاب کے سلسلے میں بھی ہوگا۔

تحقیقی جواب

تحقیقی جواب یہ ہے کہ بول ہوا لعاب دونوں نجس ہیں لیکن حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ پیشاب ہو، لعاب ہو یا کوئی اور نجاست ہو اگر وہ زمین پر گر جائے تو زمین خشک ہو جانے سے پاک ہو جاتی ہے اور یہ حدیث اس کی دلیل ہے، اس کے علاوہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار بھی ہیں جن میں فرمایا گیا ہے کہ ”زكوة الأرض يبسها“۔

در حقیقت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے فرمانے کا منشا یہ نہیں کہ کتے کا پیشاب یا لعاب پاک ہے بلکہ منشا یہ بیان کرنا ہے کہ باوجود کتے آئے، تھے اور اگرچہ ان کا لعاب نجس ہوتا تھا لیکن مجرد خشک ہو جانے سے طہارت کا حکم لگایا جاتا تھا۔ ۷۰

۶۹ سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب فی طہور الارض اذا یست، رقم: ۳۲۵۔

۷۰ قلت: انما تأول الخطابی بهذا التأویل حتی لا یكون الحدیث حجة للحنفۃ فی فرائضهم، لان اصحابنا استدلوا به علی أن الارض اذا اصابها نجاسة فحفت بالشمس أو بالهواء فذهب أثرها تطهر فی حق الصلوة، خلافاً للشافعی وأحمد وزفر، والدلیل علی ذالک ان أبا داؤد وضع لهذا الحدیث: باب طہور الارض اذا یست، وایضاً قوله: فلم یكونوا یرشون شیئاً اذا عدم الرش یدل علی جفاف الارض وطہارتها، عمدة القاری، ج: ۲، ص: ۳۹۳۔

۱۷۵۔ حدثنا حفص بن عمر قال : حدثنا شعبة ، عن ابن أبي السفر ، عن الشعبي ، عن عدي بن حاتم قال : سألت النبي ﷺ فقال : " إذا أرسلت كلبك المعلم فقتل فكل ، وإذا أكل فلا تأكل فانما أمسك على نفسه " قلت : أرسل كلبی فأجد معه كلباً آخر ؟ قال : فلا تأكل ، فانما سميت على كلبك ولم تسم ولم تسم على كلب آخر " . [أنظر : ۲۰۵۴ ، ۵۴۷۵ ، ۵۴۷۶ ، ۵۴۷۷ ، ۵۴۸۳ ، ۵۴۸۴ ، ۵۴۸۵ ، ۵۴۸۶ ، ۵۴۸۷ ، ۵۳۹۷]

تیسری دلیل

امام بخاری رحمہ اللہ یہ تیسری دلیل بیان فرما رہے ہیں کہ سور کلب نجس نہیں ہے اور یہ ان کی سب سے قوی دلیل ہے۔

حضرت عدی بن حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے شکار کے مسائل کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "اذا أرسلت كلبك المعلم فقتل فكل" اور وہ شکار کو قتل کر دے تو تم کھا سکتے ہو، "وإذا أكل فلا تأكل" اور جب کتے نے اس میں سے کھایا پھر تم مت کھاؤ "فانما أمسك على نفسه" کیونکہ اس نے یہ شکار اپنے لئے کیا ہے۔

"قلت أرسل كلبی فأجد معه كلباً آخر؟ قال : فلا تأكل فانما سميت على كلبك ولم تسم على كلب آخر" اب یہ پتہ نہیں کہ وہ شکار تمہارے کتے کی وجہ سے مرا ہے یا دوسرے کتے کی وجہ سے مرا ہے، جب معلوم نہیں تو جانور میں اصل حرمت ہے لہذا حرام ہوگا جب تک یقین سے معلوم نہ ہو جائے کہ آپ کے کتے نے مارا ہے۔

اس حدیث کو لانے کا منشا یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے کتے کے شکار کو حلال قرار دیا حالانکہ کتا جب کسی کو ہلاک کرے گا تو لامحالہ اس کو اس کا لعاب لگے گا، اگر وہ لعاب نجس ہوتا تو آپ ﷺ اس کو حلال نہ قرار دیتے،

ایک وفی صحیح مسلم ، کتاب الصيد والذبائح وما يؤكل من الحيوان ، باب الصيد بالكلاب المعلمة ، رقم : ۳۵۶۳ ، ۳۵۶۰ ، وسنن الترمذی ، کتاب الصيد عن رسول الله ، باب ماجاء فیمن یرمی الصيد فیحدہ میتا فی الماء ، رقم : ۱۳۸۹ ، وسنن النسائی ، کتاب الصيد والذبائح ، باب الأمر بالتسمیة عند الصيد ، رقم : ۴۱۹۰ ، ۴۱۹۸ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب الصيد ، باب فی الصيد ، رقم : ۲۳۶۳ ، ۲۳۶۸ ، ۲۳۷۱ ، وسنن ابن ماجہ ، کتاب الصيد ، باب صید الکلب ، رقم : ۳۱۹۹ ، ومسند أحمد ، أول مسند الکوفیین ، باب حدیث عدی بن حاتم الطائی ، رقم : ۱۷۵۳۳ ، ۱۷۵۳۴ ، ۱۷۵۳۵ ، ۱۸۵۶۳ ، وسنن الدارمی ، کتاب الصيد ، باب التسمیة عند ارسال الکلب وصيد الکلاب ، رقم : ۱۹۱۸ .

جب حلال قرار دیا تو معلوم ہوا کہ کتے کا لعاب نجس نہیں ہے۔

جواب: جمہور کی طرف سے اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ اولاً تو اس حدیث سے یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ اگر شکار کے دوران شکار پر کتے کا لعاب لگ گیا ہے تو اس کو دھوئے بغیر کھانا جائز ہے، یہاں یہ بات کہی جا رہی ہے کہ شکار حلال ہو گیا یعنی زکوٰۃ شرعیہ حاصل ہو گئی۔ تو یہاں بیان کرنا مقصود ہے کہ کتے سے زکوٰۃ شرعیہ مستحق ہو جاتی ہے نہ یہ کہ کتے کا لعاب پاک ہوتا ہے۔ ۲۔

دوسری بات یہ ہے کہ کتے کے ذریعہ جانور کے حلال ہونے کا جو حکم ہے یہ غیر مدرک بالقیاس ہے، امر تعبدی ہے، قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ حلال نہ ہوتا کیونکہ ”ما اکل السبع“ میں داخل ہے یا یوں کہہ لیں کہ ”مفترس البیہیمہ“ میں داخل ہے، اس قاعدہ سے وہ حلال نہ ہوتا، لیکن ضرورت کی وجہ سے خلاف قیاس اللہ ﷻ نے اس کو حلال قرار دیا، چونکہ یہ خود خلاف قیاس ہے اس لئے دوسری چیزوں کو اس پر قیاس نہیں کر سکتے، لہذا اس سے استدلال صحیح نہیں ہے۔

(۳۴) باب من لم یر الوضوء إلا من المخرجین

من القبل والدبر،

سلف میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو صرف پاخانہ، پیشاب کے بعد وضو کو فرض سمجھتے ہیں

لقولہ تعالیٰ: ﴿أَوْجَاءَ أَحَدٌ مِّنْكَم مِّنَ الْفَاطِطِ﴾ [المائدہ: ۶]

”وقال عطاء فيمن يخرج من دبره الدود، أو من ذكره نحو القملة: يعيد الوضوء، وقال جابر بن عبد الله: إذا ضحك في الصلاة أعاد الصلاة لا الوضوء، وقال الحسن: إن أخذ من شعره أو أظفاره أو خلع خفيه فلا وضوء عليه، وقال أبو هريرة: لا وضوء إلا من حدث، ويذكر عن جابر أن النبي ﷺ كان في غزوة ذات الرقاع فرمى رجل بسهم فنزفه الدم، فركع وسجد، ومضى في صلاته، وقال الحسن: ما زال المسلمون

۲۔ واجاب الاسماعيلي بأن الحديث سيق لتعريف أن قتله ذكاته وليس فيه إنبات نجاسته ولا نفيها، ولذلك لم يقل له: اغسل الدم إذا خرج من جرح ناب، وفيه نظر، لأنه يحتمل أن يكون وكل إليه ذلك كما تقرر عنده من وجوب غسل الدم، ويدفع ذلك بأن المقام مقام التعريف، ولو كان ذلك واجباً لبينه، عليه الصلاة والسلام، وقال الكرماني: وجه ارتباط هذا الحديث بالترجمة على ما في بعض النسخ من لفظ: ”وأكلها“ بعد لفظ المسجد كما ذكر مالك عند قوله: ”وسور الكلاب وممرها في المسجد“ عمدة القاري، ج: ۲، ص: ۳۹۶.

یصلون فی جراحاتهم، وقال طائوس، و محمد بن علی، وعطاء وأهل الحجاز: ليس فی الدم وضوء، وعصر ابن عمر بشرة فخرج منها الدم ولم يتوضأ، و بزق ابن أبی أوفی دما فمضى فی صلاته، وقال ابن عمر والحسن فیمن یحتجم: ليس علیه إلا غسل محاجمه۔
 ”باب من لم یر الخ“ یہ بات اس شخص کے دلائل کے بیان میں ہے جو وضو کے ٹوٹنے کا قائل نہیں ہے مگر مخرجین (قبل اور دبر) سے، یعنی اس باب میں امام بخاری امام شافعی رحمہما اللہ کی تائید کرنا چاہتے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک وضو اسی وقت واجب ہوتا ہے جب سبیلین سے کوئی چیز خارج ہو، اگر سبیلین کے علاوہ کسی اور جگہ سے نجاست وغیرہ خارج ہوتی ہے تو ان کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹتا۔ ۳۷
 امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک یہ مسئلہ ہے کہ انتقاض وضو کے لئے مخرج کا مقدار ہونا ضروری ہے اور مخرج مقدار سبیلین ہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مخرج اور خارج دونوں کا مقدار ہونا ضروری ہے، لہذا مخرج مقدار سے کوئی غیر مقدار چیز خارج ہو جیسے استخاضہ، تو امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ناقض وضو نہیں ہے کیونکہ مخرج مقدار ہے خارج مقدار نہیں ہے۔

حنفیہ اور حنابلہ کا مسلک

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک نہ مخرج کا مقدار ہونا ضروری ہے نہ خارج کا مقدار ہونا ضروری ہے بلکہ نجاست کا خروج جہاں سے بھی ہو وہ ناقض وضو ہے چاہے خون ہو، رعاف ہو، پیپ ہو یا تھے ہو۔ ۳۸
 یہاں امام بخاری رحمہ اللہ بظاہر امام شافعی رحمہ اللہ کے مسلک کی تائید کرنا چاہتے ہیں، بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی آگے چلے گئے ہیں، کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ”مس امرأة“ اور ”مس ذکر“ ناقض وضو ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک دونوں ناقض وضو نہیں ہیں۔

۳۷ والخارج من غیر السبیلین بالفصد والمحمجمة والقی والقہقهة فی الصلاة وغیرھا کل ذلک لا ینقض الوضوء خلافاً لأبی حنیفة ولا وضوء مما مسته النار خلافاً لأحمد الخ الوسیط، ج: ۱، ص: ۳۱۴، دار السلام، القاہرہ، سنة النشر، ۱۴۷۱ھ۔

۳۸ شرح العمدة، ج: ۱، ص: ۲۹۵۔

”مس مرأة“ کے ناقض وضو نہ ہونے کی ”کتاب التفسیر“ ”اولا مستم النساء“ میں تشریح کی ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ ”مس ذکر“ میں امام شافعی رحمہ اللہ کی بات نہیں مانتے۔

گویا ان کے نزدیک وضو ٹا سیلیں میں سے کسی ایک سے کوئی چیز نکلنے پر منحصر ہے اگر مخرجین کے علاوہ کہیں اور سے کوئی چیز نکلے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ آگے اس پر دلائل بیان کرتے ہیں۔

پہلے کہا ”أَوْجَاء أَحَدُكُمْ مِنَ الْغَائِطِ“ اللہ ﷻ نے حدیث اکبر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں سے کوئی غائط سے آیا ہو، امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سیلیں سے بول و براز کے خارج ہونے سے کٹنا یہ ہے، اس سے معلوم ہوا کہ بول و براز ناقض ہے۔ ظاہر ہے اس سے استدلال تام نہیں ہے کیونکہ اس میں حدیث کی ایک قسم بیان کی گئی ہے، یہ نہیں کہا گیا کہ انقراض وضو اسی صورت میں منحصر ہے۔

”وَقَالَ عطاءُ فِيمَنْ يَخْرُجُ مِنْ دُبُرِهِ الدُّودُ، أَوْ مِنْ ذَكَرِهِ نَحْوُ الْقَمَلَةِ: يَعِيدُ الْوُضُوءَ“
عطاء بن ابی رباح اس شخص کے بارے میں فرماتے ہیں جس کے دبر سے کیڑا یا اس کے ذکر سے کوئی چیز نکلے جو ”قملہ“ یعنی جوں جیسی ہو ”يعيد الوضوء“ وہ وضو کا اعادہ کرے۔ یہاں عطاء بن ابی رباح نے سیلیں سے نکلنے والے کیڑے اور جوں کو ناقض وضو قرار دیا ہے۔

حنفیہ بھی کہتے ہیں کہ جو کیڑا وغیرہ نکلے گا اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ نجاست خارج ہوگی، اس لئے ناقض وضو ہے، لیکن یہ نہیں کہا گیا کہ وضو کا ٹوٹنا اس پر منحصر ہے، اس سے باب کا مقصد پوری طرح حاصل نہیں ہوتا۔

”وَقَالَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ: إِذَا ضَحَكَ فِي الصَّلَاةِ أَعَادَ الصَّلَاةَ لَا الْوُضُوءَ“
جب کوئی نماز میں ہنس پڑے تو نماز کا اعادہ کرے گا وضو کا اعادہ نہیں کرے گا۔ اس سے حنفیہ کی تردید مقصود ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اگر نماز میں کوئی قہقہہ مار کر ہنس پڑے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، لیکن یہ استدلال اس لئے تام نہیں ہے کہ اس میں ضحک کا حکم بیان فرمایا ہے، قہقہہ کا نہیں اور ضحک اور قہقہہ میں فرق ہے۔

ضحک اور قہقہہ میں فرق

ضحک وہ ہے جو آدمی خود سے اور قہقہہ وہ ہے جس کو دوسرا بھی سنے۔

یہاں ”ضحک“ کا ذکر ہے قہقہہ کا نہیں ہے، اگر آدمی خود تنہا اپنا قہقہہ سنے تو نماز کا اعادہ کرے گا، وضو کا نہیں۔ حنفیہ بھی یہی کہتے ہیں اور قہقہہ کی صورت میں حنفیہ کہتے ہیں کہ وضو ٹوٹ جاتا ہے اور اس کی بنیاد ایک حدیث ہے جس میں یہ آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نماز پڑھا رہے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، ایک نابینا قسم کے صحابی آئے، آگے ایک گڑھا تھا وہ اس میں گر گئے۔ بعض اوقات گرنے کی ہیئت ایسی ہوتی

ہے کہ آدمی بے ساختہ ہنس پڑتا ہے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو دیکھ کر ہنس پڑے۔ جب نماز ختم ہوئی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو ہنسا ہو وہ وضو اور نماز کا اعادہ کرے۔

بعض روایتوں میں ”من ضحك منكم فقهه“ کا لفظ آیا ہے، دارقطنی کی روایت ہے، اور اس میں شک نہیں کہ دارقطنی کی یہ روایت سند کے اعتبار سے اتنی قوی نہیں ہے، اس میں ضعف ہے لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس حدیث کے سترہ طرق ہیں جن میں سے سات مرسل اور دس مسند ہیں۔ ۵۔

اگر سب کے سب کو ضعیف مان لیں تب بھی تعدد طرق کی وجہ سے یہ ”یقوی بعضها بعضاً“ کے مصداق ہوں گے اور ان کو بالکل بے اصل نہیں کہا جاسکتا۔ رہی یہ بات کہ یہ تو بالکل غیر معقول بات ہے کہ ہم یوں کہیں کہ ایک صاحب گڑھے میں گر گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہنسنے لگے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے تھوڑا ہی تھے کہ اس طرح لوگوں پر ہنسنے لگیں، اس لئے یہ بات درست نہیں۔

لیکن اس طرح اگر احادیث کو رد کر دیا جائے تو پھر ہر کوئی اپنے قیاس کی بنا پر احادیث کو رد کرے گا، لہذا جب روایتیں بہت ہیں تو یہ کہنا کہ یہ نہیں ہو سکتا، محض قیاس آرائی ہے اور یہ عین ممکن ہے کیونکہ وہ بھی انسان تھے، بعض اوقات گرنے کی ہیئت ایسی ہوتی ہے کہ اس پر بے ساختہ ہنسی آجاتی ہے، اس وجہ سے حدیث کو رد کرنا درست نہیں۔ ۶۔

سوال: اگر فقہیہ ناقض وضو ہے تو پھر یہ صرف نماز کے اندر کیوں ناقض وضو ہے خارج نماز بھی ناقض وضو ہونا چاہئے، قیاس کا تقاضا یہی ہے۔

جواب: یہ الزام تو حنفیہ پر ہے کہ وہ حدیث کے مقابلے میں قیاس سے کام چلاتے ہیں مگر یہاں وہ لوگ نص کے مقابلے میں قیاس لا رہے ہیں، اور حقیقت یہ ہے جیسا کہ بعض فقہاء حنفیہ مثلاً صاحب البحر الرائق وغیرہ نے فرمایا کہ یہ وضو روج نجاست کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ تخریراً ہے، اس لئے اس پر کوئی اشکال نہ ہونا چاہئے۔ ۷۔

۵۔ ولفی هذا الباب أحد عشر حديثاً عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم منها أربعة مرسله وسبعة مسنده. عمدة القاری، ج: ۲، ص: ۳۹۹.

۶۔ وبہ قال أبو حنیفہ وأصحابہ والفری والأوزاعی مستدلین بالحديث الذي رواه الدارقطني عن أبي الملیح عن أبيه: ”بینا نحن نصلی خلف رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم، اذ أقبل رجل ضریب البصر، فوقع فی حفرة، فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: من ضحك منكم فليعد الوضوء والصلاة، ورواه أيضاً من حديث أنس وعمران بن حصین وأبی هريرة، وضعفها كلها، قلت: ملهه أبي حنیفہ ليس كما ذكره، وإنما ملهه مثل ما روی عن جابر أن الضحك يبطل الصلاة ولا يبطل الوضوء، والقهقهة تبطلهما جميعاً، والتبسم لا يبطلهما والضحك ما يكون مسموعاً له دون جبرانه الخ. عمدة القاری، ج: ۲، ص: ۳۹۹.

۷۔ قوله: فقہه مصل بالغ أي ينقضه فقہه وهی فی اللغة معروفة الخ وقال بعضهم إنها ليست حدثاً فانما یجب الوضوء بها عقوبة وزجر أو هو ظاهر كلام جماعة منهم القاضي أبو زيد الدبوسی فی الاسرار وهو موافق للقياس لأنها ليست خارجاً نجسا بل هی صورت كالبكاء والكلام. (البحر الرائق، ج: ۱، ص: ۳۲).

”وقال الحسن : إن أخذ من شعره أو أظفاره أو خلع خفيه فلا وضوء عليه.“
اور حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنے بال کاٹے یا اپنے ناخن کاٹے یا اپنے نखین اتارے تو اس پر وضو واجب نہیں۔

اس میں جو پہلا حصہ ہے بال اور ناخن کاٹنا، اس میں بعض تابعین پر رد مقصود ہے، جن کا مسلک یہ تھا کہ اگر کوئی شخص حالت حدث میں تھا اور اس نے اپنے ناخن یا اپنے بال کاٹ لئے تو وہ کہتے ہیں کہ وہ دوبارہ وضو کریگا۔ حدث ناخن کے اندر چھپا ہوا تھا جب بال اور ناخن کاٹ لئے تو حدث لوٹ کر آئے گا، لہذا دوبارہ وضو کرے۔ اس پر حسن بصری رحمہ اللہ نے تردید فرمائی کہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص بال کاٹے یا ناخن کاٹے یا اپنے نखین اتارے تو وہ وضو کا اعادہ کرے، یعنی وضو نہیں ہے۔

حنفیہ کہتے ہیں نखین اتارنے کی صورت میں اگرچہ پورا وضو تو واجب نہیں ہے لیکن کم از کم پاؤں دھونے ضروری ہیں۔

”وقال أبو هريرة : لا وضوء إلا من حدث الخ“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حدث پر وضو ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ اس کو ”خروج من السبيلين“ پر محمول کر رہے ہیں۔
ہم کہتے ہیں کہ یہ ”مصادرة على المطلوب“ ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں بتایا کہ ”حدث ما خرج من السبيلين“ میں منحصر ہے، لہذا اس سے استدلال درست نہیں۔
آگے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹا چند آثار نقل کئے ہیں۔
چنانچہ فرمایا:

”ويذكر عن جابر أن النبي ﷺ كان في غزوة ذات الرقاع فرمى رجل بسهم“
حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ غزوہ ذات الرقاع میں تھے کہ ایک شخص کو تیر مارا گیا ”فنزفه الدم“ اس سے خون بہہ نکلا ”فنزفه الدم“ اس وقت کہتے ہیں جب خون بہت کثیر تعداد میں نکلے۔
”فركع وسجد“ انہوں نے رکوع اور سجدہ کیا اور نماز کو جاری رکھا۔

نماز میں تیر لگنا

یہ حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے ابوداؤد میں اس کی تفصیل آئی ہے کہ حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ غزوہ ذات الرقاع کے موقع پر پہرہ دے رہے تھے اور پہرہ دینے کے دوران وہ نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک تیر آ کر ان کو لگا اور ان کے جسم سے خون نکل آیا، انہوں نے اس کے باوجود اپنی نماز کو جاری رکھا، منقطع نہیں کیا۔ ۸۷

امام بخاری رحمہ اللہ اس سے استدلال فرما رہے ہیں کہ اگر خون نکلنا ناقض وضو ہوتا تو یہ نماز جاری نہ رکھتے بلکہ وضو کرنے کے بعد نماز کا استیناف کرتے، اس سے معلوم ہوا کہ خون نکلنا ناقض وضو نہیں ہے۔ ۹۔

حنفیہ کی طرف سے جواب

حنفیہ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت سے استدلال درست نہیں، جس کی ایک وجہ تو بالکل ظاہر ہے کہ اگر اس روایت سے کوئی شخص خون کے ناقض وضو نہ ہونے پر استدلال کرے گا تو اسی سے خون کی طہارت پر بھی استدلال کیا جاسکتا ہے، کیونکہ خون نکلا تو ظاہر ہے اس سے کپڑے بھی ملوث ہوئے لیکن اس کے باوجود انہوں نے نماز جاری رکھی، کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ خون نجس نہیں ہوتا اور خون اگر کپڑوں پر لگا ہوا ہو تب بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے؟

ظاہر ہے امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ بھی اس بات کے قائل نہیں، یہ الزامی جواب ہوا۔ ۱۰۔

علامہ خطابی رحمہ اللہ کی عجیب توجیہ

علامہ خطابی رحمہ اللہ نے اس موقع پر عجیب و غریب بات کہی ہے، انہوں نے کہا کہ ہوسکتا ہے خون دھار کی شکل میں نکلا ہو اور اس سے کپڑے ملوث نہ ہوئے ہوں۔

ظاہر ہے یہ جواب ناقابل قبول اور بعید جواب ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جو خود شافعی ہیں انہوں نے کہا کہ یہ بالکل ہی عجیب و غریب قسم کی بات ہے، یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ آدمی سے خون نکلے اور کپڑے نجس نہ ہوں۔ ۱۱۔

اس حدیث سے استدلال درست نہیں

لہذا اس حدیث سے دو وجہ سے استدلال درست نہیں ہے:-

ایک وجہ تو یہ ہے کہ احادیث میں یہ مذکور نہیں کہ اس واقعہ کی اطلاع نبی کریم ﷺ کو ہوئی ہو اور آپ ﷺ نے اس کی تقریر فرمائی ہو، جب تک رسول اللہ ﷺ سے تقریر ثابت نہ ہو تو اس وقت تک اس سے استدلال درست

۹۔ و أراد المصنف بهذا الحديث الرد على الحنفية في أن الدم السائل ينقض الوضوء. (فتح الباری، ج: ۱، ص: ۲۸۱)۔

۱۰۔ دلائل کی تفصیل کیلئے ملاحظہ فرمائیں: اعلاء السنن، ج: ۱، ص: ۱۲۶۔

۱۱۔ فان قيل: كيف معنى في صلاته مع وجود الدم في بدنه أو ثوبه واجتناب النجاسة فيها واجب؟ اجاب الخطابي بانه يستحيل أن يكون الدم جري من الجوارح على سبيل البدق بحيث لم يصب شيئاً من ظاهر بدنه ولثابه، وفيه بعد الخ، فتح

الباری، ج: ۱، ص: ۲۸۱۔

نہیں ہوگا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ابوداؤد کی روایت میں صراحت ہے کہ انہوں نے جب اپنا واقعہ بیان کیا تو ساتھ یہ بھی کہا کہ میں قرآن کریم کی ایک سورۃ شروع کر چکا تھا میں نے اس کو پسند نہیں کیا کہ اس کو قطع کروں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت میں اس قدر محو تھے اور اس میں ان کو اتنا لطف آ رہا تھا کہ انہوں نے نماز کو قطع کرنا مناسب نہیں سمجھا، تو یہ دل کی ایک کیفیت بھی ہو سکتی ہے، جب آدمی غلبہ حال میں ہو تو پہلے گزر چکا ہے کہ وہ حالت قابل تقلید نہیں ہوتی اور اس سے کوئی حکم شرعی نہیں مستنبط کیا جاسکتا۔ ۸۲۔ یہ ساری تفصیل اس تقدیر پر ہے کہ جب اس روایت کو سند کے اعتبار سے قوی مانا جائے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو صیغہ تملیض کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ ”ویلدکو عن جابر الخ“ اس سے معلوم ہوا کہ اس کے اندر کچھ ضعف ہے ورنہ اس کو صیغہ تملیض کے ساتھ ذکر نہ کرتے۔ لہذا اگر ضعیف ہے تو پھر کوئی بات ہی نہیں ہے اور اگر قوی مانا جائے تو پھر یہ جوابات ہوں گے۔

آگے فرمایا ”وقال الحسن: ما زال المسلمون يصلون في جراحاتهم“ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ مسلمان ہمیشہ اپنے زخموں کے اندر نماز پڑھتے رہے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال

امام شافعی رحمہ اللہ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ جب یہ بات چلی آئی ہے کہ مسلمان زخموں کی حالت میں نماز پڑھتے رہے ہیں تو زخموں سے خون بھی نکلتا ہے، معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے خون نکلنے کی حالت میں بھی نماز جاری رکھی ہے، لہذا خون ناقض وضو نہیں ہوتا۔ ۸۳۔

علامہ عینی نے اس کے جواب میں فرمایا کہ حضرت حسن رحمہما اللہ کے اس مقولہ کی تاویل ضروری ہے۔ ۸۴۔

۸۲ قال: كنت في سورة فاجئت أن لا أقطعها، أخرجه أبو داود، كذا ذكره الحافظ في الفتح، ج: ۱، ص: ۲۸۱، وأعلاه السنن، ج: ۱، ص: ۱۴۵، وعمدة القاری، ج: ۲، ص: ۵۰۲۔

۸۳ احتج الشافعي ومن معه بهذا الحديث: أن خروج الدم وميلانه من غير نال السبيلين لا ينقض الوضوء، فإنه لو كان ناقصاً للطهارة لكانت صلاة الأنصاري به تفسد أول ما أصابه الرمية، ولم يكن يجوز له بعد ذلك أن يركع ويسجد وهو محدث، الخ (عمدة القاری، ج: ۲، ص: ۵۰۳)۔

۸۴ هذا الذي روى عن الحسن باسناد صحيح هو مذهب الحنفية، وحجة لهم على الخصم، لبطل ذلك قول القائل المذكور، ولولم يظهر الجواب..... الى آخره، ولم يكن المراد من أثر الحسن ما ذهب اليه فهمه بل وهمه، فذلك مع علمه ووقوفه على الذي رواه ابن أبي شيبة في ”مصنفه“ المذكور تركه، ولم يذكره لكونه يرد عليه ما ذهب اليه، ويطلب ما أعتمد عليه، وليس هذا شأن المنصفين وإنما هذا دأب المعالدين المتعصبين الذين يدقون الحديد البارء على السندان، عمدة القاری، ج: ۲، ص: ۵۰۳۔

اس واسطے کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں خود حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا اپنا مسلک یہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کے نزدیک دم سائل ناقض وضو ہوتا ہے، جب وہ خود دم سائل کے ناقض ہونے کے قائل ہیں تو یہاں یقیناً اس کا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ لوگ دم سائل کے باوجود نماز پڑھتے رہتے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایسے زخم سے جس سے خون نہ بہہ رہا ہو، نماز پڑھتے ہیں۔ ۸۵۔

میری سمجھ میں یہ بات آتی ہے کہ ان کا مقصد درحقیقت یہ بیان کرنا ہے کہ اگر انسان کے زخم لگے ہوئے ہوں اور ان کے اوپر پٹی بندھی ہوئی ہو تو ایسی حالت میں لوگ ان کے اوپر مسح کر کے نماز پڑھتے رہے ہیں، یہ مسئلہ زیر بحث نہیں ہے کہ دم سائل ناقض وضو ہے یا نہیں بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ زخم پر پٹی بندھی ہو تو مسح کر لینا کافی ہے، اس کو دھونا ضروری نہیں، لہذا یہ محل نزاع میں داخل ہی نہیں ہے۔ آگے فرمایا:

”وقال طاؤس ومحمد بن علی وعطاء و اهل الحجاز ليس في الدم وضوء“.

حضرت طاؤس بن کیسان حضرت محمد بن علی باقر رحمہم اللہ، یہ حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ کے والد ہیں اور عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ اور اہل حجاز یہ کہتے ہیں کہ خون کے اندر وضو نہیں ہے۔ یہ تینوں تابعی ہیں اور تابعین کا اپنا اجتہاد ہے اور تابعین کا قول احادیث مرفوعہ کے مقابلے میں حجت نہیں ہوتا۔

حنفیہ کی دلیل حدیث مرفوعہ ہے جو حافظ زیلعی رحمہ اللہ نے ”نصب الراية“ میں کامل ابن عدی رحمہ اللہ کے حوالے سے ذکر کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”الوضوء من كل دم سائل“.

حافظ زیلعی رحمہ اللہ نے اس حدیث کی تحقیق کر کے یہ بتایا کہ یہ قابل استدلال ہے، لہذا اس حدیث کی موجودگی میں تابعین کے قول سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ ۸۶۔

”وعصر ابن عمر بشرة فخرج منها الدم ولم يتوضأ“ بشرة: ایک چھوٹی سی پھنسی کو کہتے

ہیں، اس کے اوپر ایک دانہ سا ہو جاتا ہے اس کو نچوڑا تو اس میں سے خون نکلا اور انہوں نے وضو نہیں کیا۔ اب اس میں یہ احتمال موجود ہے کہ وہ پھنسی چھوٹی سی ہو جس سے خون صرف ظاہر ہوا ہو اور بہا نہ ہو، اگر ایسا ہے تو یہ حنفیہ کے خلاف نہیں ہے۔

دوسرا احتمال بعض حضرات نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک اگر خون خود نکلے تب تو وہ ناقض وضو ہے لیکن اگر کوئی شخص دبا کر نکالے تو پھر وہ ناقض وضو نہیں ہوتا یعنی اگر اسے نہ دبا تا تو وہ نہ نکلتا، دبانے کی وجہ

۸۵ والدلیل علیہ مارواه ابن ابی شیبہ فی ”مصنفہ“ عن هشام عن یونس عن الحسن: انه كان لا يرى الوضوء من الدم

إلا ما كان سائلاً، مصنف ابن ابی شیبہ، رقم: ۱۳۸۹، ج: ۱، ص: ۱۲۷، مكتبة الرشد، الرياض، ۱۴۰۹ھ.

۸۶ نصب الراية، ج: ۱، ص: ۳۷، دار النشر، دار الحديث، مصر، ۱۳۵۷ھ، واعلاء السنن، ج: ۱، ص: ۱۵۴.

سے نکلا ہے تو وہ ناقض وضو نہیں ہے، لیکن یہ بات اس لئے صحیح نہیں ہے کہ مفتی بہ قول کے مطابق خود نکلے یا نکالا جائے، دونوں صورتوں میں ناقض وضو ہے، لہذا یہ جواب صحیح نہیں ہے۔

تیسرا احتمال یہ ہو سکتا ہے کہ یہ جو کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے وضو نہیں کیا، اس کا یہ مطلب ہے کہ فوری طور پر وضو نہیں کیا بعد میں جب نماز وغیرہ پڑھی ہوگی تو شاید اس وقت وضو کر لیا ہو۔ اور اگر یہ سب تو جہات نہ ہوں تو یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنا اجتہاد ہے جو حدیث مرفوع کے مقابلے میں حجت نہیں بن سکتا۔ ۸۷

آگے فرمایا ”وبزق ابن ابی اوفی دما فمضی فی صلاتہ“۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے خون تھوکا اور اپنی نماز کو جاری رکھا۔

اب حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے جو خون تھوکا اگر یہ خون تھوک کے اوپر غالب آگیا تھا تب تو یہ حنفیہ کے خلاف ہوگا لیکن اگر خون اس طرح تھوکا کہ وہ غالب نہیں تھا، تھوک کا رنگ نہیں تبدیل ہوا تھا بلکہ تھوک غالب اور خون مغلوب تھا تو پھر یہ حنفیہ کے نزدیک بھی ناقض وضو نہیں ہوتا اس صورت میں یہ حنفیہ کے خلاف نہیں ہوگا۔ اگر پہلی صورت ہو کہ جو خون غالب تھا تو پھر حنفیہ کی طرف سے وہی جواب ہے کہ یہ حدیث مرفوع کے مقابلے میں حجت نہیں ہے۔

اور یہ بات بھی ہو سکتی ہے کہ اگر آدمی حالت عذر تک پہنچ جائے، خون یا زخم ایسا ہو کہ مستقل جاری ہو اور اتنا وقت بھی نہ ملے کہ چار رکعت پڑھ سکے تو ایسا شخص معذور ہے، معذور ہونے کے بعد وقت کے شروع میں وضو کر کے سارے وقت میں اس وضو سے نمازیں پڑھ سکتا ہے، خون نکلنے سے اس کا وضو نہیں ٹوٹتا، اس کو اس پر بھی محمول کر سکتے ہیں۔

”وقال ابن عمر والحسن فیمن یحتجم : لیس علیہ إلا غسل محاجمہ“۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حسن رحمہ اللہ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس نے کچھنے لگوائے ہوں، حجامت کرائی ہو کہ اس کے اوپر واجب نہیں مگر اپنے محاجم کو دھونا، یعنی جہاں کچھنے نشتر لگا ہے صرف اس حصہ کا دھولینا کافی ہے۔

اس کے یہ معنی بھی لے سکتے ہیں کہ ان کا مقصد یہ ہو کہ غسل کرنا ضروری نہیں، اس حصہ کو دھولینا کافی ہے یعنی وضو کی نفی نہیں بلکہ غسل کی نفی ہے اور اگر وضو کی نفی مقصود ہو تو پھر جواب وہی ہے کہ یہ ان کا اپنا اجتہاد ہے جو

۸۷۔ وأجاب العینی بأن هذا الأثر حجة للحنفية لأن الدم الخارج بالعصر لا ينفق الوضوء عندهم، لأنه مخرج والنقص يضاف إلى الخارج دون المخرج كما هو مقرر في كتبهم، فإن فرح أحد من الخصوم أنه حجة على الحنفية فهي فرحة غير مستمرة، انظر: أعلا السنن، ج: ۱، ص: ۱۵۳، وعمدة القاری، ج: ۲، ص: ۵۰۵.

حدیث مرفوع کے مقابلے میں حجت نہیں بن سکتا۔ ۸۸

۱۷۶۔ حدثنا آدم بن أبي إياس قال: حدثنا ابن أبي ذئب قال: حدثنا سعيد المقبري، عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ((لا يزال العبد في صلاة ما كان في المسجد ينتظر الصلاة ما لم يحدث)) فقال رجل أعجمي: ما الحدث يا أبا هريرة؟ قال: الصوت، يعني الضرطة. [أنظر: ۴۳۵، ۴۷۷، ۶۳۷، ۶۴۸، ۶۵۹، ۲۱۱۹، ۳۲۲۹، ۳۷۱۷، ۸۹]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت پہلے بھی آچکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”لا يزال العبد في صلاة ما كان في المسجد ينتظر الصلاة ما لم يحدث“ بندہ جب تک مسجد میں بیٹھا نماز کا انتظار کر رہا ہو تو وہ نماز کی حالت میں ہی رہتا ہے جب تک کہ اس کو حدث لاحق نہ ہو۔

”فقال رجل أعجمي“: ایک عجیب شخص نے پوچھا ”ما الحدث يا أبا هريرة؟“ انہوں نے فرمایا ”الصوت“ یعنی ”الضرطة“ یہاں بھی وہی بات ہے جو پہلے گزری کہ حدث کی انہوں نے جو تشریح کی ہے، حدث اسی میں منحصر نہیں، اگر یوں کہا جائے کہ حدث اسی میں منحصر ہے یعنی ”الصوت“ تو پھر یہ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام بخاری رحمہ اللہ کے بھی خلاف ہے اس واسطے کہ ان کے نزدیک بھی حدث صرف ”ضرطة“ کے اندر منحصر نہیں بلکہ بول و براز وغیرہ اور دوسری بہت سی چیزیں جو سبیلین سے خارج ہوتی ہیں اس میں داخل ہیں، اس لئے یہ تشریح تمام صورتہائے حدث کے لئے جامع نہیں ہوگی۔

لہذا یہاں حدث سے مراد ہر وہ چیز ہوگی جو ناقض وضو ہو، اس صورت میں اس حدیث سے دم سائل کے ناقض وضو نہ ہونے پر استدلال ”مصادرة على المطلوب“ ہوگا جو درست نہیں حدث کے مفہوم میں وہ سب چیزیں داخل ہوں گی جن سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

۸۸ فسقط الاحتجاج بما علقه البخاري..... والشافعي فليس فيه ما ينفي الوضوء وكذا أثر الحسن بلفظ ابن أبي شيبة لا يدل على عدم انقراض الوضوء أيضاً، إلا أن يقال بالمفهوم. وهو ليس بحجة عندنا. كذا في العمدة للعبسي ج: ۲، ص: ۵۰۵، ۵۰۶، واعلاء السنن، ج: ۱، ص: ۱۵۳.

۸۹. وفي صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة وانتظار الصلاة، رقم: ۱۰۶۱، وسنن النسائي، كتاب المساجد، باب الترغيب في الجلوس في المسجد وانتظار الصلاة، رقم: ۷۲۵، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في فضل القعود في المسجد، رقم: ۳۹۶، ۳۹۸، ۴۷۲، وسنن أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أبي هريرة، رقم: ۷۱۲۱، ۷۷۷۳، ۸۷۵۶، ۹۰۰۵، ۹۰۰۹، ۱۰۱۱۶، ۱۰۳۱۳، ۱۰۳۶۱، وموطأ مالك، كتاب النداء للصلاة، باب انتظار الصلاة والمشى إليها، رقم: ۳۳۳.

حنفیہ کے قول کی دلیل حضرت ابوالدرداء ؓ اور حضرت ثوبان ؓ کی حدیث بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے قے قربائی اور پھر وضو فرمایا ”قاء وتوضاً“ اور قے غیر سبیلین سے خارج ہوتی ہے آپ ﷺ نے اس کو ناقض وضو قرار دے کر وضو فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ غیر سبیلین سے نکلنے والی نجاست بھی ناقض وضو ہوتی ہے۔

۱۷۷۔ حدثنا أبو الوليد قال : حدثنا ابن عيينة ، عن الزهري ، عن عباد بن تميم عن عمه عن النبي ﷺ قال : ((لا ينصرف حتى يسمع صوتا أو يجد ريحا)) .

[راجع: ۱۳۷]

یہ حدیث پہلے بھی گذری ہے لیکن یہاں اس کو لانے کا منشا یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب تک یہ دو باتیں نہ ہوں اس وقت تک آدمی نماز نہ توڑے۔

اس کا جواب وہی ہے کہ یہاں نواقض وضو کی تمام صورتوں کا بیان اور انحصار مقصود نہیں بلکہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ خروج ریح اس وقت تک ناقض وضو نہیں جب تک خروج ریح کا یقین نہ ہو جائے، باقی نواقض وضو سے یہاں کوئی بحث نہیں ہے، لہذا دم سائل کے ناقض وضو نہ ہونے پر اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

۱۷۸۔ حدثنا قتيبة قال : حدثنا حريز ، عن الأعمش ، عن منذر أبي يعلى الثوري ، عن محمد بن الحنفية ، قال : قال علي : كنت رجلاً مذاء فاستحييت أن أسأل رسول الله ﷺ فأمرت المقداد بن الأسود فسأله فقال : ((فيه الوضوء)) . ورواه شعبة عن الأعمش .

[راجع: ۱۳۲]

حضرت علی ؓ فرماتے ہیں کہ ”كنت رجلاً مذاء“ میں ایسا شخص تھا کہ مجھے بہت مذی آتی تھی، مجھے شرم آئی کہ میں اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے پوچھوں، کیونکہ مذی کا خروج عام طور پر بیوی کے ساتھ ملاعبت کی وجہ سے ہوتا ہے اور حضرت علی ؓ کی بیوی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس واسطے شرم محسوس ہوئی۔

تو فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت مقداد بن الاسود ؓ کو پوچھنے پر مامور کیا، انہوں نے حضور اقدس ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”فيه الوضوء“ کہ مذی کے خروج سے وضو واجب ہے۔

اس سے یہ بتلانا چاہ رہے ہیں کہ سبیلین سے جو چیز بھی نکلے اس سے وضو واجب ہو جاتا ہے، صرف بول و براز کی یہ خصوصیت نہیں ہے، مذی جو ذکر سے خارج ہوتی ہے اس سے بھی وضو واجب ہو جاتا ہے۔

۱۷۹۔ حدثنا سعد بن حفص قال : حدثنا شيبان ، عن يحيى ، عن أبي سلمة أن عطاء بن يسار ، أخبره أن زيد بن خالد أخبره أنه سأل عثمان بن عفان قلت : أرايت إذا جامع فلم يمن؟ قال عثمان : يتوضاً كما يتوضاً للصلاة . ويفسل ذكره قال عثمان : سمعته من النبي ﷺ فسألت عن ذلك علياً ، والزبير ، وطلحة ، وأبى ابن كعب ، فأمروه

بذلک۔ [أنظر: ۲۹۲: ۹۰]

حضرت زید بن خالدؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان بن عفانؓ سے پوچھا کہ ”أرأيت إذا جامع فلم يمن“؟ اگر کوئی شخص اپنی عورت سے جماع کرے اور منی خارج نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

”قال عثمان يتوضأ كما يتوضأ للصلاة“ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ وہ وضو کرے جیسا کہ نماز کے لئے وضو کیا جاتا ہے ”ویغسل ذکوره“ اور اپنے ذکر کو دھوئے۔ یہ حضرت عثمانؓ کا قول تھا کہ اگر کوئی شخص جماع کرے اور انزال نہ ہو تو اس سے غسل واجب نہیں ہوتا صرف وضو واجب ہو جاتا ہے۔

یہاں اس حدیث کو لانے کا منشا یہ ہے کہ جب آدمی جماع کرتا ہے اگر منی خارج نہ ہوئی ہو تو یہاں پھر بھی وضو کا حکم ہے، کیونکہ اگر انزال کے بغیر بھی ذکر کو خارج کرے گا تو اس کے ساتھ فرج کی کوئی رطوبت وغیرہ لگ کر آئے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا، اسی لئے غسل ذکر کا حکم بھی دیا اور وضو کا حکم بھی دیا، لیکن یہ حکم حضرت عثمانؓ نے بتایا ہے درحقیقت ان کو نص کا پتہ نہیں چلا، چنانچہ آگے یہ بات بیان کی ہے کہ ”قال عثمان سمعته من النبی ﷺ“ حضرت عثمانؓ نے زید بن خالدؓ سے کہا کہ میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے اور یہ اسی طرح سنی ہوگی جیسا کہ آگے حضرت عثمان بن مالکؓ کا واقعہ آرہا ہے فرماتے ہیں کہ میں اپنی بیوی کے ساتھ مشغول تھا اتنے میں حضور اقدس ﷺ تشریف لائے، میں جلدی میں انزال کے بغیر چلا آیا، اب میرے لئے کیا حکم ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا ”إنما الماء من الماء“ کہ ماء یعنی غسل واجب ہوتا ہے ماء یعنی منی کے خروج سے، جب منی خارج نہیں ہوئی تو غسل واجب نہیں۔

لیکن یہ حکم ابتدا میں تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا اور اب ”إنما الماء من الماء“ کا حکم صرف احتلام کی صورت میں ہے کہ احتلام اس وقت موجب غسل ہوگا جب خروج منی ہو، اگر خروج منی نہ ہو تو احتلام سے غسل واجب نہیں ہوتا۔

اس کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دلیل ہے کہ آپ نے فرمایا:

”إذا جلس بين شعبها الأربع ومس الختان الختان فقد وجب الغسل“۔

اس حدیث کی بنا پر اب اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ وجوب غسل کے لئے انزال ضروری نہیں، بلکہ یہ مجاوزت اگر مع الاکسال ہو تب بھی غسل واجب ہے، البتہ عہد صحابہؓ میں اس کے بارے میں کچھ اختلاف رہا ہے، لیکن حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ازواج مطہرات سے رجوع کے بعد تمام صحابہؓ کا اس پر اجماع

منعقد ہو گیا کہ محض التقاء ختائین موجب غسل ہے۔

چنانچہ زید بن خالد ؓ کہتے ہیں کہ میں نے پھر یہ مسئلہ حضرت علی، زبیر، طلحہ اور ابی بن کعب ؓ سے پوچھا ”فامروہ بذلک“ سب نے یہی حکم دیا کہ غسل کیا جائے۔ ۹۱۔
یہ قول ”فامروہ بذلک“ غسل کی طرف بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے غسل کا حکم دیا یعنی حضرت عثمان ؓ کے قول کے خلاف، اور اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ انہوں نے بھی وہی حکم دیا جو عثمان ؓ نے دیا تھا یعنی وضو کا، اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ ان سب حضرات کو اس نسخ کا علم نہیں تھا، بعد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کے منسوخ ہونے کا علم حاصل ہوا۔ ۹۲۔

۱۸۰۔ حدثنا إسحاق هو ابن منصور قال : أخبرنا النضر قال : أخبرنا شعبة ، عن الحكم ، عن ذكوان أبي صالح ، عن أبي سعيد الخدري أن رسول ﷺ أرسل إلى رجل من الأنصار فجاء ورأسه يقطر ، فقال النبي ﷺ : ((لعلنا أعجلناك)) . فقال : نعم ، فقال رسول الله ﷺ : ((إذا أعجلت أو قحطت فعليك الوضوء)) تابعه وهب قال : حدثنا شعبة . قال أبو عبد الله : ولم يقل غندر ويحيى عن شعبة : ((الوضوء)) . ۹۳۔

حضرت ابوسعید خدری ؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے انصار کے ایک صحابی ؓ سے فرمایا ”فجاء ورأسه يقطر“ وہ اس حالت میں آئے کہ ان کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”لعلنا أعجلناك“ شاید ہم نے تم کو جلدی میں مبتلا کر دیا، یعنی وہ اپنی بیوی کے ساتھ مشغول تھے، اس لئے فرمایا کہ ہم نے تمہیں بلایا تو تم جلدی آ گئے۔

”فقال : نعم ، فقال رسول الله ﷺ : ”إذا أعجلت أو قحطت فعليك الوضوء“۔

جب تمہیں جلدی میں مبتلا کر دیا جائے یا جب تم بغیر انزال کے جماع سے اتر آؤ، ”قحطت“ کے معنی ہیں مٹی کا خروج نہ ہونا، جیسے بارش نہ ہو تو کہتے ہیں قحط ہو گیا، اسی طرح جب جماع کے باب میں قحط کا لفظ آئے تو معنی ہوگا انزال نہ ہوا ہو ”فعليك الوضوء“ تو آپ پر وضو واجب ہے۔

۹۱ باب وجوب الغسل من التقاء الختائین ولولم ينزل ، رقم : ۱۶۳ ، ج : ۱ ، ص : ۲۱۸ ، أعلا السنن .

۹۲ قلت : نعم لا يلزم أن يدل كل حديث في الباب إلى آخره ، لكن الحديث منسوخ بالاجماع فلا يناسبه الترجمة لأن الباب معقود فليمن لم ير الوضوء إلا من المخرجين وههنا لا خلاف فيه . عمدة القاری ، ج : ۱ ، ص : ۵۰۹ .

۹۳ وفي صحيح مسلم ، كتاب الحيض ، باب إنما الماء من الماء ، رقم : ۵۲۱ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب الطهارة وسننهما . باب الماء من الماء ، رقم : ۵۹۸ ، ومسنند أحمد ، باقي مسند المكثرين ، باب مسند أبي سعيد الخدري ، رقم : ۱۰۷۳۶ ، ۱۰۷۷۵ ، ۱۰۷۷۹ ، ۱۱۳۵۹ .

إلى الشعب“ جب رسول اللہ ﷺ عرفات سے مزدلفہ کی طرف تشریف لائے تو راستہ سے ذرا شعب کی طرف ہٹ گئے ”فقضی حاجتہ“ وہاں آپ ﷺ نے قضائے حاجت فرمائی۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پیشاب کیا تھا۔

”قال أسامة: فجعلت أصب عليه و يتوضأ“ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے اوپر پانی ڈال رہا تھا اور آپ ﷺ وضو فرما رہے تھے۔

یہ دوسری صورت ہے اور اسے جو خلاف اولیٰ کہا تھا وہ عام حالات میں ہے، حضور اکرم ﷺ کی خدمت کرنا تو بڑی عظیم سعادت ہے، اس واسطے اس کو خلاف اولیٰ بھی نہیں کہہ سکتے۔ ۹۴

”فقلت يا رسول الله أتصلي؟“ میں نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ مغرب کی نماز پڑھیں گے؟
”فقال: المصلي أمامك“ فرمایا کہ نماز پڑھنے کی جگہ تمہارے آگے آنے والی ہے، کیونکہ مغرب کی نماز وہاں نہیں پڑھی جاتی بلکہ مغرب اور عشاء مزدلفہ میں جمع کی جاتی ہیں۔

۱۸۲۔ حدثنا عمرو بن علي قال: حدثنا عبد الوهاب قال: سمعت يحيى بن سعيد قال: أخبرني سعد بن ابراهيم أن نافع بن جبير بن مطعم أخبره أنه سمع عروة ابن المغيرة بن شعبة، يحدث عن المغيرة بن شعبة، أنه كان مع رسول الله ﷺ في سفر، وأنه ذهب لحاجة له وأن مغيرة جعل يصب الماء عليه وهو يتوضأ، فغسل وجهه و يديه ومسح برأسه ومسح على الخفين. [أنظر: ۲۰۳، ۲۰۶، ۳۶۳، ۳۸۸، ۲۹۱۸، ۴۴۲۱، ۵۷۹۸، ۵۷۹۹] ۹۵

۹۴ ماقالہ النور: فیہ دلیل علی جواز الاستعانة فی الوضوء، وہی علی ثلاثة أقسام: أحدها: أن يستعين فی إحضار الماء فلا كراهية فیہ. والثانی: أن يستعين فی غسل الأعضاء ویبا شر الأجنبي بنفسه غسل الأعضاء فهذا مكروه إلا لحاجة. والثالث: أن یصب علیه، فهذا مكروه فی أحد الوجهین، والاولی تركه.

قلت: فیہ حزاۃ لأن ما فعل رسول الله ﷺ علیه الصلاة والسلام، لا یقال فیہ: الاولی تركه لأنه علیه الصلاة والسلام لا یتحری الا ما فعله اولی الخ، عمدة القاری، ج: ۲، ص: ۵۱۶.

۹۵ وفی صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفين، رقم: ۴۰۳، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۱۲، وسنن الترمذی، کتاب الطهارة عن رسول الله ﷺ، باب ماجاء فی المسح علی الخفين ظاهرهما، رقم: ۹۱، وسنن النسائی، کتاب الطهارة باب صب الخادم الماء علی الرجل الوضوء، رقم: ۷۸، وسنن أبی داؤد، کتاب الطهارة، باب المسح علی الخفين، رقم: ۱۲۸، ۱۳۰، وسنن ابن ماجه، کتاب الطهارة و سننها، باب ماجاء فی المسح علی الخفين، رقم: ۵۳۸، ومسند أحمد، اول مسند الکوفیین، باب حدیث المغيرة بن شعبة، رقم: ۱۷۳۳۲، ۱۷۳۳۰، ۱۷۳۵۳، ۱۷۳۶۱، ۱۷۳۶۹، ۱۷۳۷۶، ۱۷۳۷۷، و موطأ مالک، کتاب الطهارة، باب ماجاء فی المسح علی الخفين، رقم: ۶۳، وسنن الدارمی، کتاب الطهارة، الباب فی المسح علی الخفين، رقم: ۷۰۷.

یہاں پر بھی حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا پانی بہانا مذکور ہے اور یہی موضع ترجمہ ہے۔

(۳۶) باب قراءة القرآن بعد الحدث وغیره

اگر وضو نہ ہو تو قرآن کی تلاوت کرنے کا بیان

”وقال منصور عن ابراهيم : لا بأس بالقراءة في الحمام ويكتب الرسالة على

غير وضوء، وقال حماد عن ابراهيم : إن كان عليهم إزار فسلم وإلا فلا تسلم“.

اس باب میں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ حدث کی حالت میں قرآن کریم کی تلاوت کرنا جائز نہیں اور حدث کے ساتھ انہوں نے یہاں کوئی قید نہیں لگائی کہ حدث اصغر ہو یا حدث اکبر ہو۔

اگرچہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ حدث اصغر کے اندر بھی تلاوت جائز ہے اور حدث اکبر کے اندر یعنی حالت جنابت یا حیض کی حالت میں بھی تلاوت کرنا جائز ہے لیکن اس مقصد کے لئے وہ کتاب الحیض کے اندر الگ باب قائم کریں گے اور وہاں اس کو بیان کریں گے۔ ظاہر ہے یہاں حدث اصغر کا بیان مقصود ہے، حدث اصغر کی حد تک تو یہ معاملہ متحمل ہے لیکن حدث اکبر میں اختلاف ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے جو موقف اختیار کیا ہے وہ جمہور سے بالکل ہٹا ہوا ہے، البتہ حدث اصغر کے بارے میں یہ بات قابل تحمل ہے کہ اگر کسی کو حدث اصغر لاحق ہو تو وہ بغیر مس مصحف کے تلاوت کر سکتا ہے، مس مصحف میں اختلاف ہے۔

”وغیرہ“ کا مرجع اور معنی

آگے فرمایا ”وغیرہ“ اب یہ ”وغیرہ“ (بالکسر) ہے یا ”وغیرۃ“ (بالضم) ہے؟
شرح حدیث نے اس کو مختلف طریقوں سے پڑھا ہے اور اس کے مختلف معانی بیان کئے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی توجیہ

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کو ”بعد الحدث“ وغیرہ“ (بالکسر) پڑھتے ہیں اور ”وغیرہ“ کی ضمیر کو حدث کی طرف لوٹاتے ہیں یعنی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قرآن کریم کی قراءۃ حدث کے بعد بھی جائز ہے اور غیر حدث کے بعد بھی جائز ہے اور غیر حدث سے ان کی مراد وہ صورتیں ہیں جن میں اگرچہ حدث نہیں، حقیقت میں وضو نہیں ٹوٹتا، لیکن مظنۃ حدث ہوتا ہے، یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید وضو ٹوٹ گیا ہو مثلاً نوم خفی جس میں یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ شاید میرا وضو ٹوٹ گیا ہو حالانکہ حقیقت میں وضو نہیں ٹوٹتا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حالت میں بھی قرآن کرنا جائز ہے۔ ۹۶۔
لیکن یہ توجیہ کچھ اچھی نہیں لگتی۔ علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نوع اول میں داخل ہوگا یا نہیں ہوگا، اگر حدیث ہوگا تو حدیث میں داخل ہوگا اور اگر نہیں ہوگا تو اس کے ذکر کی کیا ضرورت ہے، یہ بات کچھ صحیح بھی ہے۔ ۹۷۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ کی توجیہ

علامہ کرمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا عطف ”قرآن“ پر ہوگا یعنی ”باب قراءة القرآن بعد الحدث وغير القرآن“ لہذا قرآن پڑھنا اور غیر قرآن پڑھنا یعنی دعا و اذکار وغیرہ۔
کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جب حالت حدیث میں قرآن کریم کی تلاوت جائز ہے تو اذکار و ادعیہ جو قرآن میں ہیں ان کا پڑھنا بطریق اولیٰ جائز ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ کی توجیہ

علامہ عینی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کو وغیرہ (بالضم) پڑھا جائے گا یعنی اس کا عطف ”قراءة“ پر ہوگا، اگر اس کو ”باب قراءة القرآن بعد الحدث وغيره“ اضافت کے ساتھ پڑھیں تو ”وغیرہ“ پڑھیں گے، اس صورت میں اس کی ضمیر کا مرجع ”قراءة“ ہوگا یعنی قرآن کا پڑھنا وغیرہ ”وغیرہ“ میں کتابت بھی داخل ہوگئی یعنی جس طرح حالت حدیث میں قرآن کو پڑھنا جائز ہے اسی طرح قرآن کریم کی کتابت بھی جائز ہے۔
چنانچہ تعلیق بخاری میں اس کی صراحت ہے۔ علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ توجیہ زیادہ رائج ہے۔
”وقال منصور عن ابراهيم“ : منصور بن معمر، ابراہیم نخعی رحمہم اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ”لا باس بالقراءة في الحمام“۔

حمام میں قرآن کرنے سے کوئی حرج نہیں، حمام سے مراد وہ جگہ ہے جہاں وضو غسل کیا جاتا ہے۔

”قراءة القرآن في الحمام“ اور مسلک حنفیہ

حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ حمام میں قرآن کی تلاوت کرنا مکروہ ہے، اس لئے کہ وہاں ماء مستعمل ہوتا ہے، ماء مستعمل اگرچہ ظاہر تو ہے لیکن نظیف اور مطہر نہیں، اس لئے ایسی جگہ جہاں ماء مستعمل کی کثرت ہو وہاں

قرآن کریم کی تلاوت کرنا ادب کے خلاف ہے۔

یہ حکم اس صورت میں ہے جب صرف حمام ہی حمام ہو، آج کل جیسے رواج ہو گیا ہے کہ حمام کے ساتھ بیت الخلاء بھی ہوتا ہے ایسی جگہ سب کے نزدیک تلاوت قرآن منع ہے۔ ۹۸

”ویکتب الرسالة علی غیر وضوء“ اسی طرح ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ بے وضو کی حالت میں خط لکھنا جائز ہے۔

بسم اللہ کی جگہ ”۷۸۶“ لکھنے کا حکم

مسلمان جب بھی خط لکھتا ہے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھتا ہے۔ آج کل بکثرت دیکھا ہے کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے اہل علم بھی بسم اللہ کے بغیر خط لکھ دیتے ہیں اور یہ رواج بہت پھیل گیا ہے کہ ۷۸۶ جو بسم اللہ کے اعداد ہیں وہ لکھ دیتے ہیں یاد رکھیں کہ اس سے سنت ادا نہیں ہوتی، پورا بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھنا چاہئے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ بسم اللہ لکھنے میں یہ اندیشہ ہے کہ اگر کوئی خط ادھر ادھر پھینک دے گا تو اس سے بسم اللہ کی توہین ہوگی اس واسطے نہ لکھو، یہ بات صحیح نہیں، اگر یہ بات درست ہوتی تو حضور اقدس ﷺ غیر مسلموں کو خطوط لکھواتے وقت بسم اللہ نہ لکھواتے۔

البتہ اگر کوئی شخص زبان سے بسم اللہ پڑھ کر ۷۸۶ ہندسوں میں لکھ دے تو کم از کم ترک سنت کے وبال سے محفوظ رہے گا، لیکن سنت یہی ہے کہ خط کے اندر صراحت کے ساتھ پوری بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی جائے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ ۷۸۶ کا ہندسہ مسلمانوں میں شیعوں نے چلایا ہے اور اس کا معنی کچھ اور نکلتا ہے، بہر حال جس نے بھی چلایا ہو اس سے سنت ادا نہیں ہوتی جب تک زبان سے بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ پڑھی جائے۔

تو حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بغیر وضو کے خط لکھنا جائز ہے، جب خط لکھے گا تو بسم اللہ بھی لکھے گا اور بسم اللہ قرآن کی آیت ہے، لہذا معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی آیت بغیر وضو کے لکھنا جائز ہے۔

اختلاف ائمہ

اس مسئلہ میں حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے درمیان اختلاف ہے۔

۹۸ قلت: إنما كره أبو حنيفة قراءة القرآن في الحمام لأن حكمه حكم بيت الخلاء، لأنه موضع النجاسة والماء المستعمل في الحمام نجس عنده، وعند محمد طاهر، فلذلك لم يكرها. عمدة القاری، ج: ۲، ص: ۵۲۰.

کی آخری دس آیتیں تلاوت فرمائیں، لہذا یہ تلاوت حالت حدیث میں ہوئی۔
بعض حضرات نے کہا کہ حضور اقدس ﷺ کی نوم ناقض وضو نہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو کیسے
حالت حدیث کہہ دیا؟ اس کے دو جواب ہیں:

بعض لوگوں نے یہ جواب دیا کہ اگرچہ نوم ناقض وضو نہیں تھی لیکن ساری رات سونے میں غالب گمان یہ
ہے کہ کوئی اور بھی ناقض پیش آیا ہوگا کیونکہ جب انسان سوتا ہے تو کوئی نہ کوئی ناقض پیش آ ہی جاتا ہے، اس لئے
اس کو حالت حدیث کہہ دیا۔

بعض حضرات نے اس کی یہ توجیہ کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں ”صنعت مثل ما صنع“ کہ میں نے بھی
ویسا ہی کیا جیسا حضور اقدس ﷺ نے کیا تھا۔ میں نے بھی اپنی آنکھوں سے نیند کو دور کیا اور پھر اسی حالت میں سورۃ
آل عمران کی آخری دس آیات تلاوت کیں۔ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو حالت حدیث
میں تلاوت کرتے ہوئے دیکھا لیکن پھر بھی منع نہیں کیا یہ استدلال بھی ہو سکتا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حدیث میں ہے آپ ﷺ وتر پڑھنے کے بعد لیٹ گئے یہاں تک کہ
جب مؤذن فجر کے لئے آیا تو آپ ﷺ نے دو خفیف رکعتیں یا فجر کی سنتیں پڑھیں اور نماز کے لئے نکل گئے۔
اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ فجر کے بعد لیٹنا یہ نبی کریم ﷺ کی سنت مستمرہ نہیں تھی کیونکہ یہاں ہے
کہ وتر کے بعد لیٹے اور سنت فجر پڑھتے ہی نماز کے لئے نکل گئے۔

لہذا جیسے بعض اہل ظاہر نے کہا ہے کہ فجر کے بعد لیٹنا سنت مؤکدہ ہے اس سے اس کی تردید ہوتی ہے،
اور اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کا فجر کی سنتوں کے بعد لیٹنا عادتاً تھا کیونکہ رات کافی دیر تک تہجد پڑھتے
تھے جس کی وجہ سے تھک جاتے تھے اس لئے تھوڑی دیر کے لئے لیٹ جاتے تھے۔

البتہ اگر کوئی شخص عادت سمجھ کر اس پر عمل کرنا چاہے تو سبحان اللہ، ان شاء اللہ اس پر بھی اجر ملے گا، لیکن
ان کو سنت تعبدی سمجھنا درست نہیں ہے۔

(۳۷) باب من لم يتوضأ إلا من الغشي المثقل

ایسے علماء بھی ہیں جو معمولی غشی کی وجہ سے وضو جاتے رہنے کے قائل نہیں ہیں،

ان کے نزدیک جب تک شدید غشی کا دورہ نہ ہو وضو باقی رہتا ہے

۱۸۴۔ حدثنا إسماعيل قال : حدثني مالك ، عن هشام بن عروة ، عن امرأته

فاطمة ، عن جدتها أسماء بنت أبي بكر أنها قالت : أتيت عائشة زوج النبي ﷺ حين

خسفت الشمس فإذا الناس قيام يصلون. وإذا هي قائمة تصلى فقلت: ما للناس؟ فأشارت بيدها نحو السماء، وقالت: سبحان الله، فقلت: آية؟ فأشارت: أن نعم، فقممت حتى تجلاني الغشي وجعلت أصب فوق رأسي ماء، فلما انصرف رسول الله ﷺ حمد الله وأثنى عليه، ثم قال: ((ما من شيء كنت لم أره إلا قد رأيته في مقامى هذا حتى الجنة والنار، ولقد أوحى إلى أنكم تفتون في القبور مثل أو قريبا من فتنة الدجال)). لا أدرى أى ذلك قالت أسماء. يؤتى، أحدكم فيقال له: ما علمك بهذا الرجل؟ فاما المؤمنون أو الموقنون. لا أدرى أى ذلك قالت أسماء. فيقول: هو محمد رسول الله جاءنا بالبينات والهدى فأجبنا وآمنا واتبعنا، فيقال: نعم صالحاً فقد علمنا إن كنت لموقناً. وأما المنافق أو المرتاب. لا أدرى أى ذلك قالت أسماء. فيقول: لا أدرى، سمعت الناس يقولون شيئاً فقلته. [راجع: ۸۶]

یہ حدیث پہلے تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے، یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ وضو غشی مثقل سے ٹوٹتا ہے ایسی غشی کہ جب وہ طاری ہو جائے تو آدمی کو بالکل بے خبر کر دے اور جو غشی غیر مثقل ہو یعنی اس میں آدمی کو بے خبری نہ ہو تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا، یہ مسئلہ متفق علیہ ہے۔ بعض حضرات نے یہاں بھی چوں و چرا کی ہے کہ فلاں کی تردید مقصود ہے، فلاں کی مقصود ہے لیکن بات بنتی نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ بات متفق علیہ ہے اس میں کوئی شک و شبہ اور اختلاف کی گنجائش نہیں ہے کہ غشی بالاجماع اسی وقت ناقض وضو ہوتی ہے جب انسان کو بے خبر کر دے، جب بے خبر نہ کرے تو وہ ناقض وضو نہیں۔

چنانچہ روایت نقل کی کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ”فقممت حتى تجلاني الغشي“ کہ میرے اوپر غشی آگئی ”وجعلت أصب فوق رأسي ماء“ اور میں اپنے سر کے اوپر پانی ڈال رہی تھی۔

اگر یہاں غشی مثقل ہوتی تو اپنے اوپر پانی کیسے ڈال سکتی تھیں؟ معلوم ہوا کہ غشی مثقل نہیں تھی چنانچہ وہ نماز بھی پڑھتی رہیں، اس سے پتہ چلا کہ وہ ناقض وضو بھی نہیں ہے۔ بس اتنی سی بات ہے زیادہ چوں و چرا کی حاجت نہیں۔

(۳۸) باب مسح الرأس كله،

پورے سر کا مسح کرنے کا بیان

”لقوله تعالى: ﴿وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ﴾ (المائدة: ۶) وقال ابن المسيب: المرأة

بمنزلة الرجل، تمسح على رأسها، وسئل مالك: أيجزئ أن يمسح بعض الرأس؟ فاحتج

بحديث عبد الله بن زيد“.

مقدار مسح رأس واختلاف فقهاء

یہاں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مسح رأس کی کتنی مقدار فرض ہے۔
اس مسئلہ میں فقہاء کرام کا مشہور اختلاف ہے:

امام مالک رحمہ اللہ کا قول

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سارے سر کا مسح فرض ہے اگر ذرا سا حصہ بھی چھوڑ دیا تو وضو نہیں ہوگا۔ البتہ مالکیہ میں اہلب کا قول یہ ہے کہ بعض رأس کا مسح کافی ہے۔ اور بعض مالکیہ نے ثلث رأس کا مسح کو فرض قرار دیا ہے۔ ۱۰۰

امام شافعی رحمہ اللہ کا قول

امام شافعی رحمہ اللہ سے مختلف روایتیں ہیں ایک یہ بھی ہے کہ تین بالوں کی حد تک مسح کرنا مفروض ہے اور باقی سنت ہے۔ ۱۰۱

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ایک روایت میں فرماتے ہیں کہ مرد کے لئے استیغاب ضروری ہے اور عورت کے لئے مقدم رأس کا مسح کرنا کافی ہے۔ اور ان کی ایک روایت امام مالک کے مطابق ہے۔ ۱۰۲

حنفیہ کا قول

حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ ”مقدار ناصیہ“ یعنی چار انگل کا مسح فرض ہے اور استیغاب سنت ہے۔ ۱۰۳

۱۰۰ وہی مسح الرأس والمشهور من المذهب أن مسح بجمیعہ واجب فان ترک بعضہ لم یجزہ (مواہب الجلیل، ج: ۱، ص: ۲۰۲، دار الفکر، بیروت منہ النشر ۱۳۹۸ھ، وعمدة القاری، ج: ۲، ص: ۵۳۰).

۱۰۱ وكان معقولا في الآية أن من مسح من رأسه شيئا فقد مسح برأسه ولم تحتل الآية إلا هذا وهو أظهر معانيها أو مسح الرأس كله قال فدللت السنة على أن ليس على المرء مسح رأسه كله وإذا دلت السنة على ذلك فمعنى الآية أن من مسح شيئا من رأسه أجزأه أحكام القرآن للشافعي، ج: ۱، ص: ۳۳، والأم، ج: ۱، ص: ۲۶.

۱۰۲ ”ونقل عن أحمد أنه قال يكفي المرأة مسح مقدم رأسها (عمدة القاری، ج: ۳، ص: ۱۰۰).

۱۰۳ فقال أصحابنا: ذلك البعض هو ربع الرأس: من أراد التفصيل فليراجع: عمدة القاری، ج: ۲، ص: ۵۳۰، والبحر

الرائق، ج: ۱، ص: ۱۸۲.

امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک اور استدلال

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک اختیار کیا ہے جو سارے سر کے مسح کو ضروری کہتے ہیں چنانچہ فرمایا ”باب مسح الرأس كله“ كلہ: کا لفظ بڑھا کر اشارہ کر دیا کہ ان کے نزدیک امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک راجح ہے۔

”لقولہ تعالیٰ: وامسحوا برؤسکم“ آیت کریمہ سے استدلال فرمایا، کہنا چاہ رہے ہیں کہ ”ب“ زائدہ ہے اور ”رؤس“ ”وامسحوا“ کا مفعول بہ ہے، کہ مسح کرو اپنے سروں کا اور ”رأس“ کا اطلاق پورے سر پر ہوگا، یہ نہیں کہ ”رأس“ کہہ کر تھوڑے سے حصہ پر اس کا اطلاق کریں بلکہ اس سے سارا سر مراد ہو گا۔ لہذا ”وامسحوا برؤسکم“ کی آیت کریمہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ پورے سر کا مسح کرنا ضروری ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ”ب“ تبعیض کے لئے ہے ”وامسحوا برؤسکم“ یعنی ”بعض رؤسکم“ میں ”ب“ تبعیض کے لئے ہے تو پھر کل کا مسح کرنا ضروری نہیں بلکہ بعض کا کر لینا کافی ہے اس پر مسح رأس کا اطلاق ہو جائے گا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا استدلال

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ ”ب“ الصاق کے لئے ہے کہ مسح کا سر سے الصاق کرو اور الصاق کے ضمن میں تبعیض کے معنی بھی آجاتے ہیں۔

فقہاء حنفیہ نے یہ بھی کہا کہ اگر ”ب“ آلہ پر داخل ہو تب تو اس میں استیعاب مراد ہوتا ہے اور اگر یہ محل پر داخل ہو تو پھر استیعاب محل مقصود نہیں ہوتا بلکہ استیعاب آلہ مقصود ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص یہ کہے کہ ”مسحت بالأرض“ تو یہاں ارض کا استیعاب مراد نہیں ہوگا بلکہ آلہ کا استیعاب مراد ہوگا۔ اسی طرح جب یہ کہا جائے کہ ”مسحت بالرأس“ تو چونکہ یہاں ”ب“ محل پر داخل ہے اس لئے یہاں استیعاب آلہ مقصود ہوگا نہ کہ استیعاب محل، اس کا معنی ہوگا کہ میں نے اپنے سر کا مسح کیا ”بکل الید“ اب ”وامسحوا برؤسکم“ میں بھی ”مسح بکل الید“ ہے اور وہ مقدار ناصیہ ہے۔ تو یہ لغت کی تشریح ہے۔

بہت ساری احادیث سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ نبی کریم نے مقدار ناصیہ پر مسح فرمایا۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ کی متعدد حدیثیں ترمذی، ابوداؤد وغیرہ میں ہیں، جن میں حضور اقدس ﷺ کا

مقدار ناصیہ پر مسح کرنا مذکور ہے۔ اس سے پتہ چلا کہ مقدار ناصیہ فرض ہے اور استیعاب سنت ہے۔ ۱۰۴
آگے امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”وقال ابن المسيب: المرأة بمنزلة الرجل، تمسح على رأسها“ عورت مرد کی طرح ہے یہ بھی اپنے سر پر مسح کرے گی۔
اس سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی تردید کرنا چاہ رہے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ مرد کے لئے تو استیعاب ہے اور عورت کے لئے صرف مقدم رأس کا مسح کافی ہے۔ کہتے ہیں کہ سعید بن المسیب رحمہ اللہ نے صراحت کر دی کہ مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

”وسئل مالک: أيجزئ أن يمسح بعض الرأس؟“

امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا یہ جائز ہے کہ آدمی سر کے کچھ حصہ کا مسح کرے؟
”فاحتج بحديث عبد الله بن زيد“ انہوں نے ”کل رأس“ کے مسح کرنے پر حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی جس حدیث سے استدلال کیا ہے وہ یہ ہے:

۱۸۵۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال: أخبرنا مالک، عن عمرو بن يحيى السمانى، عن أبيه أن رجلاً قال لعبد الله بن زيد، وهو جد عمرو بن يحيى: أتستطيع أن ترينى كيف كان رسول الله ﷺ يتوضأ؟ فقال عبد الله بن زيد: نعم، فدعا بماء فأفرغ على يديه فغسل مرتين، ثم مضمض واستنثر ثلاثاً، ثم غسل وجهه ثلاثاً، ثم غسل يديه مرتين مرتين إلى المرفقين، ثم مسح رأسه بيديه فأقبل بهما وأدبر، بدأ بمقدم رأسه حتى ذهب بهما إلى قفاه، ثم ردهما إلى المكان الذى بدأ منه، ثم غسل رجليه. [انظر: ۱۸۶، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۹، ۲۰۵]

ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ سے کہا ”وہو جد عمرو بن يحيى“ اور وہ عمرو بن يحيى کے دادا تھے ”أتستطيع أن ترينى الخ“

۱۰۴۔ فقال أصحابنا: ذلك البعض هو ربع الرأس، واستدلوا المغيرة بن شعبة لأن الكتاب مجمل فى حق المقدار فقط الخ، عمدة القارى، ج: ۲، ص: ۵۳۰، وأعلأ السنن، ج: ۱، ص: ۴۳۔
۱۰۵۔ وفى صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب فى وضوء النبى، رقم: ۳۳۶، وسنن الترمذى، كتاب الطهارة عن رسول الله، باب ماجاء فى مسح الرأس أنه يبدأ بمقدم الرأس الى مؤخره، رقم: ۹۶، ۹۷، وسنن أبى داؤد، كتاب الطهارة، باب صفة وضوء النبى، رقم: ۱۰۳، وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة ومنهها، باب ماجاء فى مسح الرأس، رقم: ۴۲۸، ومسند أحمد، أول مسند المتدينين أجمعين، باب حديث عبد الله بن زيد بن عاصم المازنى، رقم: ۱۵۸۳۲، ۱۵۸۳۳، وموطأ مالک، كتاب الطهارة، باب العمل فى الوضوء، رقم: ۲۹، وسنن الدارمى، كتاب الطهارة، باب الوضوء مرتين مرتين رقم: ۶۹۱۔

اس حدیث میں صاف صاف موجود ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر اقدس کا مسح فرمایا ”فأقبل بهما وأدبر“ ان ہاتھوں کو آگے کی طرف لائے اور پیچھے کے طرف لے گئے۔

”اقبال بالیدین“ کے معنی ہوئے پیچھے سے آگے لانا اور ”ادبار“ کا معنی ہے آگے سے پیچھے لے جانا، اگرچہ ترتیب یوں ہے کہ ”ادبار“ پہلے ہوتا ہے اور ”اقبال“ بعد میں ہوتا ہے لیکن یہ اہل عرب کا طریقہ گفتگو ہے کہ جب دو چیزیں جمع ہوں ایک اقبال اور دوسرا ادبار تو اگر وقوعاً ادبار مقدم ہو لیکن ذکر اقبال کو مقدم کرتے ہیں۔

امرؤ القیس گھوڑے کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے۔

مکراً مفراً مقبلاً مدبراً معاً

کجلمود صخر حظہ السیل من علی

ترجمہ: نہایت حملہ آور، تیزی سے پیچھے سے ہٹنے والا، سرعت سے آگے

بڑھنے والا، پشت پھیرنے والا، اس کی رفتار مثل اس پتھر کے ہے

جس کو سیلاب اونچائی سے گرا رہا ہو۔

حالانکہ مدبر میں اگرچہ ادبار وقوعاً مقدم ہے۔ لیکن ذکر میں اقبال کو مقدم کیا اور ادبار کو مؤخر کیا۔ یہاں

بھی اسی طرح ہے کہ اگرچہ ”وقوعاً ادبار“ مقدم تھا لیکن ”ذکراً اقبال“ کو مقدم کیا ”فأقبل بهما وأدبر“۔

آگے فرمایا ”بدأ بمقدم رأسه حتى ذهب بهما إلى قفاه“ اپنے سر کے آگے سے شروع کیا

یہاں تک کے پیچھے ”قفاه“ کی طرف لے گئے۔

”ثم ردهما إلى المكان الذي بدأ منه“۔

امام مالک رحمہ اللہ نے اس سے اس بات پر استدلال کیا کہ حضور اقدس ﷺ نے پورے سر کا مسح

فرمایا اس طریقے سے کہ ہاتھ آگے سے پیچھے کی طرف لے گئے اور پیچھے سے آگے کی طرف لائے۔

(۳۹) باب غسل الرجلین إلى الکعبین

دونوں پاؤں ٹخنوں تک دوھونے کا بیان

۱۸۶۔ حدثنا موسى بن إسماعيل قال: حدثنا وهيب، عن عمرو، عن أبيه :

شهدت عمرو بن أبي حسن سأل عبد الله بن زيد عن وضوء النبي ﷺ فدعا بتور من ماء،

فتوضأ لهم وضوء النبي ﷺ فأكفأ على يده من التور فغسل يديه ثلاثاً، ثم أدخل يده في

التور فمضمض واستنشق واستنثر ثلاث غرفات، ثم أدخل يده فغسل وجهه ثلاثاً، ثم غسل يديه مرتين إلى المرفقين، ثم أدخل يده فمسح رأسه فأقبل بهما وأدبر مرة واحدة، ثم غسل رجله إلى الكعبين [راجع : ۱۸۵]

دوبارہ پھر حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث لائے ہیں اور اس پر ترجمہ قائم کیا ہے ”باب غسل الرجلین إلى الكعبین“ اس میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ رجلین کے غسل کی غایت کعبین ہے، اس میں اور کوئی نئی بات نہیں ہے سوائے لفظ کے ”تور“ کا معنی ہے تشلہ۔

(۴۰) باب استعمال فضل وضوء الناس

لوگوں کے وضو کے بچے ہوئے پانی کا استعمال کرنے کا بیان

”وَأَمْرُ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَهْلُهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ بِفَضْلِ سِوَاكَه“۔

یہ باب فضل وضو کے استعمال کے بیان میں ہے۔

”وضوء“ [بفتح الصاد] وضو کے پانی کو کہتے ہیں۔

”فضل الوضوء“ کے دو معنی ہیں:

ایک معنی تو یہ ہے کہ وضو کے لئے پانی استعمال کرنے کے بعد برتن میں جو پانی بچ جائے اس کو کہتے ہیں۔

دوسرا معنی ماء مستعمل بھی ہے، جو پانی جسم کے اعضاء سے مستعمل ہونے کے بعد گرا ہے اس پر بھی فضل

الوضو کا اطلاق ہو جاتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہاں پر دونوں کو بیان کرنا ہے۔

ماء مستعمل اور اختلاف فقہاء

ماء مستعمل کے بارے میں فقہاء کرام کا مشہور اختلاف ہے۔

خفیہ کا قول

خفیہ کے ہاں اس بارے میں تین روایتیں ہیں:

ایک امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مشہور قول ہے کہ ماء مستعمل نجس ہوتا ہے۔

دوسرا امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا مذہب ہے کہ ماء مستعمل طاهر بھی ہے اور مطہر بھی۔

اور

تیسرا امام محمد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ وہ طاهر ہے مطہر نہیں ہے اور فتویٰ امام محمد رحمہ اللہ کے قول پر ہے اور

اسی کو فقہاء نے اختیار کیا ہے۔ ۱۰۶۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے نجس کیوں قرار دیا؟

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے ماء مستعمل کو نجس کیوں قرار دیا؟

علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ نے ”المیزان الکبریٰ“ میں اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ صاحب کشف تھے، وضو کرنے سے لوگوں کے جو گناہ دھلتے تھے وہ ان پر منکشف ہو جاتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص وضو کر رہا تھا، امام صاحب رحمہ اللہ نے دیکھا تو فرمایا کہ تم ”عقوق الوالدین“ کے گناہ سے توبہ کرو۔

ایک شخص سے آپ نے فرمایا کہ زنا سے توبہ کرو۔ بعد میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اللہ ﷻ سے دعا کی کہ مجھ پر لوگوں کے عیوب منکشف نہ فرمائیے، چنانچہ پھر یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ علامہ عبدالوہاب شعرانی رحمہ اللہ شافعی ہیں اور بڑے درجے کے صوفیاء کرام میں سے ہیں اور وہ یہ بات فرما رہے ہیں۔

امام ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ کی دلیل

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے فرمایا کہ اگر ماء مستعمل کو نجس قرار دیا جائے تو وضو کرتے وقت جو پانی جسم یا کپڑے پر لگ جائے اس سے جسم اور کپڑا بھی نجس ہو جائے گا جبکہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ماء مستعمل کے گرنے کی وجہ سے جسم یا کپڑے کو دھونے کا کوئی اہتمام نہیں کیا جاتا تھا، اس سے پتہ چلا کہ وہ نجس نہیں ہے، یہ بات تو دونوں نے فرمائی۔

البتہ امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ طاہر تو ہے لیکن مطہر نہیں ہے اس لئے کہ اگر ہم عرب کے ماحول کو سامنے رکھیں تو وہاں پانی بہت کم تھا اور قلت ماء کے واقعات بکثرت پیش آتے تھے، اگر ماء مستعمل سے دوبارہ وضو کرنا درست ہوتا تو ایک ہی برتن کے پانی سے سینکڑوں آدمی وضو کر سکتے تھے، لیکن کہیں بھی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا۔ اس واسطے معلوم ہوا کہ ماء مستعمل مطہر نہیں ہے لیکن طاہر ہے اور طاہر کو اگر وضو اور غسل کے علاوہ کسی اور مقصد کیلئے استعمال کیا جائے تو اس کی گنجائش ہے اور یہی بات آگے آنے والی احادیث سے ثابت ہو رہی ہے۔

”وَأَمْرُ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَهْلَهُ أَنْ يَتَوَضَّأَ بِفَضْلِ سِوَاكَه“

۱۰۶۔ واختلف الفقهاء فيه؛ فعن أبي حنيفة ثلاث روايات: فروى عنه أبو يوسف أنه نجس مخفف، وروى محمد بن الحسن وزفر وعافية القاضي أنه طاهر غير طهور، وهو اختيار المحققين من مشايخ ما وراء النهر. وفي المحيط: وهو الأشهر الأقيس. وقال في المفيد: وهو الصحيح، وقال الأصبهاني: وعليه الفتوى. عمدة القارى، ج: ۲، ص: ۵۳۳.

اور حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر والوں کو حکم دیا کہ وہ ان کے سواک سے بچے ہوئے پانی سے وضو کریں۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس اثر کا ترجمہ الباب سے کوئی تعلق نہیں ہے، انہوں نے کہا کہ پر تکلف تعلق جوڑنے سے کچھ حاصل نہیں۔ یہ ترجمہ الباب کا ”مترجم بہ“ ہے ”مترجم لہ“ نہیں ہے۔ دوسرے حضرات نے یہ مناسبت بیان فرمائی ہے کہ اصل روایت یوں ہے کہ حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے سواک کیا اور اس کے بعد اس کو پانی میں ڈال دیا اور جس پانی میں ڈالا تھا اس سے اپنے گھر والوں کو وضو کرنے کا حکم دیا۔

وہ فرماتے ہیں کہ سواک تو پہلے استعمال کر چکے تھے اور اس پر کچھ پانی لگا ہوا تھا جس سے کلی کی ہوگی اس واسطے سواک ماء مستعمل کے ساتھ مخلوط تھا، اس کو پانی کے اندر ڈال دیا اور اس پانی سے وضو کا حکم دیا، معلوم ہوا کہ ماء مستعمل طاہر ہوتا ہے۔

رہی یہ بات کہ مطہر ہوتا ہے یا نہیں؟

تو اسی سے استدلال ہے کہ مطہر بھی ہے اسی واسطے اس سے وضو کا حکم دیا۔

امام محمد رحمہ اللہ جواب دیتے ہیں کہ وہ طاہر تو تھا لیکن چونکہ قلیل مقدار میں تھا اور جس پانی کے ساتھ اس کو ملایا گیا وہ کثیر مقدار میں تھا، لہذا کثیر کا اعتبار ہوگا قلیل کا نہیں ہوگا۔ ۱۰۷

۱۸۷۔ حدثنا آدم قال : حدثنا شعبة قال : حدثنا الحكم قال : سمعت أبا جحيفة

يقول : خرج علينا رسول الله ﷺ بالهاجرة فأتى بوضوء ، فتوضأ فجعل الناس يأخذون من فضل وضوئه فيتمسحون به ، فصلى النبي ﷺ الظهر ركعتين والعصر ركعتين وبين يديه عنزة . [أنظر : ۳۷۶ ، ۴۹۵ ، ۴۹۹ ، ۵۰۱ ، ۶۳۳ ، ۶۳۴ ، ۳۵۵۳ ، ۳۵۶۶ ،

۵۷۸۶ ، ۵۸۵۹] ۱۰۸

۱۸۸۔ وقال أبو موسى : دعا النبي ﷺ بقدر فيه ماء فغسل يديه ووجهه فيه

ومج فيه ثم قال لهما : ((اشربا منه وأفرغا على وجوهكما ونحوركما)) .

۱۰۹ راجع : عمدة القاری ، ج : ۲ ، ص : ۵۳۳ .

۱۰۸ وفي صحيح مسلم ، كتاب الصلاة ، باب ستر المصلي ، رقم : ۷۷۷ ، ۷۷۹ ، وسنن النسائي ، كتاب الصلاة ، باب صلاة الظهر في السفر ، رقم : ۴۶۶ ، وسنن أبي داود ، كتاب الصلاة ، باب ما يستر المصلي ، رقم : ۵۹۰ ، ومسنند أحمد ، اول مسند الكوفيين ، باب حديث أبي جحيفة ، رقم : ۱۷۹۹۳ ، ۱۸۰۰۳ ، وسنن الدارمي ، كتاب الصلوة ، باب الصلاة الى ستره ، رقم : ۱۳۷۳ .

[انظر: ۱۹۶، ۳۳۲۸]

یہ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ ”خرج علينا النبي ﷺ الخ“

رسول کریم ﷺ دوپہر کے وقت ہمارے پاس تشریف لائے، آپ ﷺ کے پاس وضو کا پانی لایا گیا، آپ ﷺ نے وضو فرمایا اور لوگوں نے آپ ﷺ کے فضل سے وضو کرنا شروع کیا اور اپنے جسم پر ملنا شروع کیا۔ یہاں ظاہر ہے کہ فضل وضو سے ماء مستعمل مراد ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ماء مستعمل ظاہر ہے اور نبی کریم ﷺ کا پانی تو ظاہر بھی ہے، اور مطہر بھی ہے۔

پھر آپ ﷺ نے ظہر کی بھی دو رکعتیں پڑھیں اور عصر کی بھی دو رکعتیں پڑھیں، یعنی سفر کی حالت میں تھے اس لئے قصر فرمایا، اور آپ ﷺ کے سامنے ایک چھڑی کھڑی تھی۔

نبی کریم ﷺ نے ایک پیالہ منگوایا جس میں پانی تھا اور اپنا دست مبارک اور چہرہ مبارک اس میں دھویا اور اس میں کلی بھی کی، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم اس کو پیو اور اپنے چہرے اور سینوں پر انڈیلو، چنانچہ انہوں نے ایسا کیا۔ اس سے بھی ماء مستعمل کی طہارت پر استدلال کیا گیا ہے۔

۱۸۹۔ حدثنا علي بن عبد الله قال : حدثنا يعقوب بن إبراهيم بن سعد قال : حدثنا أبي ، عن صالح ، عن ابن شهاب ، قال : أخبرني محمود بن الربيع قال : وهو الذي مع رسول الله ﷺ في وجهه وهو غلام من بنوهم ، وقال عروة عن المسور وغيره يصدق كل واحد منهما صاحبه : وإذا توضأ النبي ﷺ كانوا يقتتلون على وضوئه . [راجع : ۷۷]

تبرکات کا ثبوت

يعقوب بن ابراهيم رحمه الله کہتے ہیں کہ مجھے محمود بن الربیع نے بتایا اور یہ وہی بزرگ ہیں جو جب بچے تھے تو نبی کریم ﷺ نے ان کے چہرے پر کلی فرمائی تھی۔ یہاں وہ روایت نہیں نقل کی صرف اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ نبی کریم ﷺ نے اس کے چہرے پر کلی فرمائی تھی۔

اس سے ماء مستعمل کی طہارت پر استدلال کیا، آگے تعلقاً دوسری روایت نقل کی ہے کہ ”وقال عروة عن المسور الخ“ اس حدیث میں صلح حدیبیہ کا واقعہ بیان کرنا مقصود ہے کہ نبی کریم ﷺ جب وضو فرماتے تو قریب تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس وضو کے بچے ہوئے پانی کے بارے میں قتال کرتے تاکہ ہر ایک اس پانی کو لے کر تبرک کا اپنے چہرے پر مل لے۔

باب :

۱۹۰۔ حدثنا عبد الرحمن بن یونس قال : حدثنا حاتم بن إسماعیل عن الجعد قال : سمعت السائب بن یزید يقول : ذهبت بی خالتي إلى النبی ﷺ فقالت : یا رسول الله ، إن ابن أختی وقع ، فمسح رأسی ودعا لی بالبركة ، ثم توضأ فشربت من وضوئه ، ثم قمت خلف ظهره فنظرت إلى خاتم النبوة بین كتفيه مثل زر الحجلة . [أنظر : ۳۵۴۰ ، ۳۵۴۱ ، ۵۶۷۰ ، ۶۳۵۲] ۱۰۹

یہ باب بغیر ترجمہ کے ہے، اس میں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس تھے۔

”فقالت یا رسول الله، إن ابن أختی وقع“۔

اس لفظ کو ”وقع“ [بفتح الواو وکسر الواو] صیغہ ماضی پڑھیں تو اس کا معنی ہے بیمار ہو گیا اور ”وقع“ پڑھیں تو صیغہ صفت ہے، بمعنی [بفتح الواو وکسر الحیم والتنوين وجع] یعنی بیمار، بعض روایتوں میں ”وجع“ بھی آیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا دی، آپ ﷺ نے وضو فرمایا پھر میں نے آپ ﷺ کے وضو کے پانی سے پانی پیا، پھر میں آپ ﷺ کے پیچھے کھڑا ہو گیا اور مہر نبوت کو دیکھا جو آپ ﷺ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان تھی ”مثل زر الحجلة“۔

”زر الحجلة“ کی تشریح

”زر الحجلة“ کے دو معنی بیان کئے ہیں :

”زر“ کا ایک معنی ہے انڈا، اور ”حجلة“ ایک پرندے کا نام ہے، جس کو ”چکور“ کہتے ہیں تو معنی ہوا چکور کے انڈے کی طرح۔

دوسرا معنی یہ بیان کیا گیا ہے ”حجلة“ پاکی کو اور ”زر“ اس کی گھنڈی کو کہتے ہیں یعنی بٹن، جیسے پہلے زمانے میں پاکی میں بٹن لگائے جاتے تھے تو ”زر الحجة“ کے معنی ہوئے پاکی کا بٹن۔

(۴۱) باب من مضمض واستنشق من غرفة واحدة

ایک ہی چلو سے کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کا بیان

۱۹۱۔ حدثنا مسدد، قال: حدثنا خالد بن عبد الله، قال: حدثنا عمرو بن يحيى عن أبيه، عن عبد الله بن زيد: أنه أفرغ من الإناء على يديه فغسلهما، ثم غسل أو مضمض واستنشق من كفة واحدة، ففعل ذلك ثلاثاً فغسل وجهه ثلاثاً ثم غسل يديه إلى المرفقين مرتين مرتين، ومسح برأسه ما أقبل وما أدبر، وغسل رجليه إلى الكعبين. ثم قال: هكذا وضوء رسول الله ﷺ. [راجع: ۱۸۵]

یہ حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے برتن سے اپنے ہاتھوں پر پانی اٹھایا اور ہاتھوں کو دھویا ”ثم غسل أو مضمض الخ“ پھر اپنے منہ وغیرہ کو دھویا۔ راوی کو شک ہے کہ ”غسل“ کہا تھا یا ”مضمض“ کہا تھا، کلی کی اور استنشاق کیا ایک ہی کف سے، یہاں ”کفة واحدة“ میں ”ة“ تانیث کی نہیں ہے بلکہ تاء وحدۃ ہے، تین مرتبہ کیا، اسی طرح باقی پورا وضو فرمایا۔

یہاں اس حدیث کو لانے کا منشاء یہ ہے کہ ایک ہی کف سے مضمضہ بھی کیا اور استنشاق بھی کیا اور اسی وجہ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے باب بھی قائم کیا کہ ”باب من مضمض واستنشق من غرفة واحدة“ اور یہ عمل تین مرتبہ کیا، یہ عمل بالاتفاق جائز ہے، امام شافعی رحمہ اللہ اسی طریقے کو افضل قرار دیتے ہیں۔

حنفیہ کے نزدیک یہ طریقہ جائز تو ہے لیکن افضل یہ ہے کہ ایک کف سے ”مضمضہ“ اور ایک سے ”استنشاق“ کیا جائے، گویا چھ غرفات ہو گئیں مضمضہ کے لئے اور تین استنشاق کے لئے اور افضل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ابوداؤد شریف میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے اسی طرح منقول ہے اور ابوداؤد ہی میں ”باب فی الفرق بین المضمضة والاستنشاق“ کے تحت ”طلحہ بن مصرف عن أبيه عن جده“ کی روایت موجود ہے، یہ حدیث حنفیہ کے مسلک پر صریح ہے، لیکن اس حدیث پر دو اعتراضات کئے گئے ہیں:

ایک یہ کہ طلحہ بن مصرف عن أبيه کی سند ضعیف ہے، کیونکہ ابوداؤد رحمہ اللہ نے ”باب صفة وضوء النبی ﷺ“ میں پوری تفصیل یہ حدیث ذکر کی ہے اور اس کے بعد کہا ہے: ”سمعت أحمد يقول ان ابن عينية زعموا انه كان ينكره و يقول ايش هذا طلحہ عن أبيه عن جده“۔

دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ یہ حدیث بن ابی سلیم سے مروی ہے جنہیں ضعیف قرار دیا گیا۔ تو اس کی سند پر کلام تو ہے مگر اتنا حصہ جس میں افراد المضمضہ اور افراد الاستنشاق کا ذکر ہے وہ صحیح اور قابل استدلال ہے اور حدیث باب اس لئے حنفیہ کے خلاف نہیں ہے کہ جواز تو ہر طریقہ میں ہے، یہ طریقہ بھی

جائز ہے؛ نبی کریم ﷺ نے اس طرح بھی کیا ہے اور اس طرح بھی کیا ہے۔ ۱۱۰

(۴۲) باب مسح الرأس مرة

سر کا مسح ایک مرتبہ کرنے کا بیان

۱۹۲۔ حدثنا سليمان بن حرب قال: حدثنا وهيب قال: حدثنا عمرو بن يحيى عن أبيه قال: شهدت عمرو بن أبي حسن سأل عبدالله بن زيد عن وضوء النبي ﷺ فذاعا بتور من ماء فتوضأ لهم، فكفأ على يديه فغسلهما ثلاثاً ثم أدخل يده في الإناء، فمضمض واستنشق واستنثر ثلاثاً بثلاث غرفات من ماء، ثم أدخل يده فغسل وجهه ثلاثاً، ثم أدخل يده في الإناء فغسل يديه إلى المرفقين مرتين مرتين، ثم أدخل يده فمسح برأسه، فأقبل بيده وأدبر بها، ثم أدخل يده فغسل رجله. حدثنا موسى قال: حدثنا وهيب قال: مسح رأسه مرة. [راجع: ۱۸۵]

اس حدیث میں وضو کے جتنے افعال ذکر کئے ہیں ان میں عدد کا ذکر فرمایا ہے۔

”فغسلهم ثلاثاً، واستنشق واستنثر ثلاثاً..... غسل يديه إلى المرفقين مرتين مرتين الخ“ لیکن جب ”مسح برأسه“ کا ذکر آیا تو اس میں نہ ”ثلاثاً“ کا ذکر ہے اور نہ ”مرتين“ کا ذکر ہے، اس سے پتہ چلا کہ ”مسح رأس“ ایک مرتبہ ہوگا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی پر ترجمۃ الباب قائم کیا ہے اور یہ جمہور کا مسلک ہے، حنفیہ بھی اس کے قائل ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ تین مرتبہ مسح کے قائل ہیں اور ان کا استدلال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سے ہے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث معلول ہے، امام ابو داؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تمام صحیح حدیثیں متفق ہیں کہ مسح ایک مرتبہ ہوگا۔

(۴۳) باب وضوء الرجل مع امرأته، وفضل وضوء المرأة،

وتوضأ عمر بالحميم من بيت نصرانيه

مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ وضو کرنا اور عورت کے وضو کا بچا ہوا پانی استعمال کرنا

۱۹۳۔ حدثنا عبدالله بن يوسف قال: أخبرنا مالك عن نافع، عن عبدالله بن

عمر، أنه قال: كان الرجال والنساء يتوضون في زمان رسول الله ﷺ جميعا. ۱۱۱
اس باب میں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ مرد کا اپنی عورت کے ساتھ مل کر وضو کرنا اور اگر عورت نے وضو کیا ہو تو عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا، دونوں صورتیں جائز ہیں۔

”فضل طهور المرأة“ کا حکم

اس باب کو قائم کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بعض روایتوں میں فضل طهور المرأة استعمال کرنے کی ممانعت آئی ہے، اس لئے بعض حضرات نے اس ممانعت کی وجہ سے یہ سمجھا کہ عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنا جائز نہیں ہے۔

لیکن اس کے برخلاف دوسری روایات بھی ہیں، چنانچہ ترمذی میں ہے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے غسل کیا تھا ان کے بچے ہوئے پانی سے رسول کریم ﷺ نے وضو یا غسل فرمانے کا ارادہ کیا، حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں جنابت کی حالت میں تھی اور یہ جو پانی بچا ہے غسل جنابت کے بعد بچا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا پانی جنبی نہیں ہوتا، اس سے پتہ چلا کہ فضل مرأة سے وضو کرنا جائز ہے۔ ۱۱۲

ممانعت والی حدیث کی توجیہ

اب رہی یہ بات کہ جس حدیث میں ممانعت آئی ہے اس کا کیا مقصد ہے؟ اس کی بہت سی توجیہات کی گئی ہیں، کسی نے کہا کہ یہ نہی تنزیہی ہے، اس لئے کہ جب مرد اس کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرے گا تو شہوانی خیالات آسکتے ہیں اور اچھا یہ ہے کہ اس قسم کے خیالات نہ آئیں۔
بعض نے کہا کہ عورتیں بعض اوقات نظافت کا خیال نہیں رکھتیں، اس وجہ سے میاں بیوی میں لڑائی ہونے کا اندیشہ ہے، لہذا منع فرمایا۔ ۱۱۳

۱۱۱ وفي سنن النسائي، كتاب الطهارة، باب وضوء الرجال والنساء جميعا، رقم: ۷۰، وسنن ابی داؤد، كتاب الطهارة، باب لوضوء بفضل وضوء المرأة، رقم: ۷۲، وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب الرجل والمرأة يتوضان من اناء واحد، رقم: ۳۷۵، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب، رقم: ۴۲۵۱، ۵۵۲۷، ۵۶۵۸، ۶۰۰۱، وموطأ مالك، كتاب الطهارة، باب لا بأس به إلا أن يرى على فمها نجاسة، رقم: ۴۰.

۱۱۲ عن ابن عباس قال حدثني ميمونة قالت كنت اغتسل انا ورسول الله ﷺ من اناء واحد من الجنابة..... كذا أخرجه الترمذی فیہ أبواب الطهارة عن رسول الله ﷺ، باب فی وضوء الرجل والمرأة من اناء واحد.

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی توجیہ

سب سے بہتر توجیہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے فرمائی ہے کہ اصل میں اس کا طہارت اور نجاست سے تعلق نہیں ہے، بتلانا یہ مقصود ہے کہ اگر فرض کریں کہ عورت وضو کر رہی ہے تو ایک طریقہ تو یہ ہے کہ اس کے فارغ ہونے کا انتظار کیا جائے تاکہ وہ وضو سے فارغ ہو جائے پھر مرد وضو کرے۔ تو فرمایا کہ اس کے فارغ ہونے کا انتظار ضروری نہیں بلکہ اس کے ساتھ مل کر وضو کر لو، اس سے وقت بھی بچے گا اور آپس میں محبت اور موانست بھی پیدا ہوگی۔

چنانچہ حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ اور میں ایک برتن میں غسل کرتے تھے کبھی آپ ﷺ فرماتے ”دع لی دع لی“۔ ۱۱۴
تو یہ موانست کا ایک طریقہ ہے ایسا کرنا چاہئے، چنانچہ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ ابو داؤد کی روایت میں مرد کو عورت کے فضل وضوء سے اور عورت کو مرد کے فضل وضوء سے منع فرمایا اور ساتھ ہی اس میں یہ لفظ بھی آیا ہے ”ولیفتر فاجمعا“ دونوں اکٹھے پانی بھریں۔ پتہ چلا کہ فضل طہور سے ممانعت اس معنی میں نہیں ہے کہ اس میں کوئی نجاست پیدا ہوگئی ہے بلکہ درحقیقت مقصود یہ ہے کہ ساتھ وضو کریں اور جب ساتھ وضو کریں گے تو ایک دوسرے کے انتظار کی ضرورت نہیں۔

آگے فرمایا ”وتوضاً عمری بالحمیم من بیت نصرانیة“۔

اب بظاہر اس اثر کا ”وضوء الرجل مع امراته“ سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔ چنانچہ بہت سے شارحین نے ہتھیار ڈال دیئے کہ اس کی ترجمہ الباب سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔

کسی نے کہا کہ یہ مستقل حصہ ہے جس میں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ گرم پانی سے وضو کرنا جائز ہے اور نصرانیہ کے گھر سے پانی لے کر وضو کرنا بھی جائز ہے ”فضل وضوء المرأة“ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

لیکن بعض حضرات نے یہ مناسبت بیان کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نصرانیہ کے گھر سے گرم پانی لے کر وضو کیا، جب پانی گرم تھا تو وہ عورت نے ہی گرم کیا ہوگا، کیونکہ عام طور پر یہ کام عورتیں ہی انجام دیتی ہیں، لہذا اس پانی کو عورت نے مس کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پانی سے وضو جائز سمجھا حالانکہ عورت اجنبی اور نصرانیہ تھی، جب اس کے پانی سے وضو کرنے میں کوئی قباحت نہیں تو خود اپنی بیوی اور مسلمان عورت کے فضل وضو میں کیا قباحت ہو سکتی ہے، یہ استدلال ہے۔

آگے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”کان الرجال والنساء يتوضون فی زمان رسول

۱۹۵۔ حدثنا عبد الله بن منير، سمع عبد الله بن بكر قال: حدثني حميد، عن أنس قال: حضرت الصلاة فقام من كان قريب الدار إلى أهله، وبقي قوم فأتى رسول الله ﷺ بمخضب من حجارة فيه ماء، فصغر المخضب أن يبسط فيه كفه، فتوضأ القوم كلهم قلنا: كم كنتم؟ قال: ثمانين وزيادة. [راجع: ۱۶۹]

اس باب میں یہ بتانا مقصود ہے کہ کوئی بھی برتن ہو، اس سے وضو کرنا جائز ہے۔

الفاظ کی تشریح

”مخضب“ دیکھ کر کہتے ہیں ”قدح“ پیالہ کو کہتے ہیں، یہ دونوں خواہ لکڑی کے ہوں یا پتھر کے ہوں۔ عام طور پر قدح لکڑی کا اور ”مخضب“ پتھر کا ہوتا ہے، بتانا یہ مقصود ہے کہ کسی بھی مادے کے بنے ہوئے برتن خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے، ان سے وضو کرنا جائز ہے۔

اس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی کہ ”حضرت الصلوٰۃ“ نماز کا وقت آگیا۔ (یہ کسی سفر کا واقعہ ہے) ”فقام من كان قريب الدار إلى أهله“ وہ لوگ جن کا گھر قریب تھا وہ کھڑے ہو گئے اور وضو کے لئے اپنے گھر والوں کے پاس چلے گئے کچھ لوگ باقی رہ گئے جن کے گھر قریب نہیں تھے۔ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پتھر کی بنی ہوئی ایک دیکھی لائی گئی، جس میں پانی تھا، وہ مخضب چھوٹا ہو گیا کہ آپ ﷺ اس میں ہاتھ داخل کر سکیں۔

حضور اکرم ﷺ کا معجزہ

یہاں روایت مختصر ہے، دوسری جگہ تفصیل ہے کہ اس میں کف مبارک تو داخل کرنا ممکن نہیں تھا آنحضرت ﷺ نے اس میں اپنی انگلی مبارک داخل کی، چنانچہ آپ ﷺ کی انگلی مبارک سے پانی پھوٹنے لگا، اس پانی سے سب لوگوں نے وضو کیا جن کی تعداد اسی سے بھی زیادہ تھی۔ ویسے پانی اتنا کم تھا کہ ایک آدمی کا وضو کرنا بھی دشوار ہو رہا تھا لیکن نبی کریم ﷺ کے معجزہ کی بنیاد پر اللہ ﷻ نے اسی سے زیادہ آدمیوں کا وضو کرا دیا۔

۱۹۸۔ حدثنا أبو اليمان قال: أخبرنا شعيب عن الزهري قال: أخبرني عبيد الله ابن عبد الله بن عتبة، أن عائشة قالت: لما ثقل النبي ﷺ واشتد به وجعه استأذن أزواجه في أن يمرض في بيتي فأذن له، فخرج النبي ﷺ بين رجلين تخط رجلاه في الأرض، بين عباس ورجل آخر، قال عبيد الله: فأخبرت عبد الله بن عباس فقال: أتدري من الرجل الآخر؟ قلت: لا، قال: هو علي، وكانت عائشة تحدث أن

النبي ﷺ قال بعد ما دخل بيته واشتد وجعه: ((هريقوا علي من سبع قرب لم تحلل أو كيتهن، لعلي أعهد إلى الناس))، وأجلس في مخضب لحفصة زوج النبي ﷺ ثم طفقنا نصب عليه من تلك القرب حتى طفق يشير إلينا أن قد فعلت، ثم خرج إلى الناس. [أنظر: ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۷۹، ۶۸۳، ۶۸۷، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۶، ۷۵۸۸، ۷۵۹۹، ۳۳۸۴، ۳۳۴۲، ۳۳۴۵، ۵۷۱۴، ۷۳۰۳، ۷۱۶]

مرض وفات کا ایک واقعہ

یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کی مرض الوفات کا واقعہ بیان فرما رہی ہیں جس کی تفصیل ان شاء اللہ ”کتاب المعازی“ میں آئے گی، یہاں اس کا خلاصہ مذکور ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ”لما ثقل النبي ﷺ واشتد به وجعه“ جب آپ ﷺ بیماری میں گراں بار ہو گئے اور آپ ﷺ کی بیماری شدید ہو گئی تو آپ ﷺ نے ازواج مطہرات سے اجازت مانگی کہ آپ ﷺ کی تیمارداری میرے گھر میں کی جائے۔ اگرچہ نبی کریم ﷺ کے ذمہ قسم واجب نہیں تھا قرآن مجید میں ”فلا جناح علیہ“ فرمایا ہے لیکن آپ ﷺ نے ساری عمر قسم کے احکام پر عمل فرمایا ہے، چنانچہ اس وقت ازواج مطہرات سے اجازت مانگی کہ آپ ﷺ کی تیمارداری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں کی جائے۔

دوسری روایت میں آتا ہے کہ جب آپ ﷺ روزانہ پوچھتے کہ ”این غدا؟“ میں کل کہاں ہوں گا؟ تو ازواج مطہرات سمجھ گئیں کہ آپ ﷺ کا منشا کیا ہے چنانچہ انہوں نے اجازت دے دی۔

”فخرج النبي ﷺ بين رجلين الخ“ آپ ﷺ دو آدمیوں کے درمیان اس طرح تشریف لائے کہ آپ ﷺ کے دونوں پاؤں زمین پر لکیر بنا رہے تھے یعنی گھسٹتے ہوئے تشریف لارہے تھے، خود چلنے کی طاقت نہیں تھی۔ جن دو حضرات نے سنبھالا ہوا تھا ”بین عباس ورجل آخر“ ان میں سے ایک طرف حضرت

۱۱۱ وفی صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب الاستخلاف الامام اذا عرض له عذر من مرض وسفر الخ، رقم: ۲۶۹-۲۳۵، وسنن الترمذی، کتاب المناقب عن رسول اللہ، باب فی مناقب ابی بکر وعمر کلہما، رقم: ۳۶۰۵، وسنن ابن ماجہ، کتاب إقامة الصلاة والسنة فیہا، باب ماجاء فی صلاة رسول اللہ فی مرضہ، رقم: ۱۲۲۲-۱۲۲۳، وکتاب ماجاء فی الجنائز، باب ماجاء فی ذکر مرض رسول اللہ، رقم: ۱۶۰۷، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، باب مسند عبد اللہ بن عمر بن الخطاب، رقم: ۳۸۹۳، باقی مسند الانتصار، باب حدیث السيدة عائشة، رقم: ۲۲۹۳۲، ۲۲۹۷۴، ۲۳۵۷۹، ۲۳۶۹۰، ۲۳۹۴۲، وسنن الدارمی، کتاب الصلاة، باب فیمن یصلی خلف الامام والامام جالس، رقم: ۱۲۲۹.

عباس ؓ تھے اور دوسری طرف ایک صاحب تھے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نام نہیں لیا، مراد حضرت علی ؓ ہیں جیسے آگے آ رہا ہے۔

”قال عبيد الله الخ“ حدیث کے راوی کہتے ہیں کہ میں نے یہ واقعہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے سنا تو انہوں نے فرمایا ”أندري من الرجل الآخر؟“ میں نے کہا مجھے نہیں پتہ۔ ”قال: هو علي“ انہوں نے فرمایا وہ علی بن ابی طالب ؓ تھے۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نام اس لئے نہیں لیا کہ واقعہ افک کی وجہ سے ان کی طبیعت کی طرف سے تھوڑی سی کدورت پیدا ہو گئی تھی۔ واقعہ افک میں جب حضور ﷺ نے حضرت علی ؓ سے مشورہ طلب کیا تو حضرت علی ؓ نے فرمایا کہ ان کے علاوہ بہت عورتیں ہیں۔

ظاہر بات ہے کہ بشری تقاضا ہے کہ جب اس طرح کی بات ہوتی ہے تو طبیعت میں تھوڑی سی رنجش پیدا ہو جاتی ہے اسی رنجش کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نام نہیں لیا۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کو گناہ کہا جائے یا اس کی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر کوئی الزام عائد کیا جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا واقعہ بیان کرتی ہیں کہ جب آپ ﷺ اپنے گھر تشریف لے آئے اور بیماری شدید ہو گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا میرے اوپر سات مٹکے بہاؤ جن کی رسیاں نہ کھولی گئی ہوں۔ دوسری روایت میں آتا ہے یہ سات مٹکے سات مختلف کنوؤں سے لائے گئے تھے، ان کی رسیاں نہ کھولی جائیں تاکہ ان پر کوئی خارجی دھواں مٹی وغیرہ نہ پڑے۔

سات مشکوں کا حکم کیوں دیا؟

آپ ﷺ نے سات مشکوں کا حکم کیوں دیا اور وہ بھی مشکیں جن کی رسی نہ کھولی گئی ہو؟ اللہ ہی بہتر جانتے ہیں لیکن یہ کوئی عمل تھا جو آپ ﷺ نے اپنی بیماری کے لئے فرمایا، آپ ﷺ پر زہر کا اثر ہوا تھا اور آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اسی زہر کے نتیجے میں اب میرا وقت قریب آ رہا ہے، تو زہر کی مدافعت کے لئے مختلف طریقے اپنائے جاتے ہیں، ان میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ سات مختلف کنوؤں سے پانی لے کر مریض کو غسل دیا جائے اسی بنا پر نبی کریم ﷺ نے ایسا کیا۔

”لعلی أعهد إلى الناس“ سات مشکوں کے پانی سے مجھے غسل دے دیں شاید میں لوگوں کو کچھ وصیت کر سکوں اور آپ ﷺ کو ایک لگن میں بٹھا دیا گیا جو آپ ﷺ کی ازواج مطہرہ کا تھا پھر ہم نے سات مشکوں کا پانی بہانا شروع کیا یہاں تک کہ آپ ﷺ ہماری طرف اشارہ فرمانے لگے کہ بس آپ نے جو کام کرنا تھا وہ پورا ہو گیا۔ پھر آپ ﷺ لوگوں کی طرف تشریف لے آئے۔ تفصیلی واقعہ انشاء اللہ ”کتاب المغازی“ میں آئے گا۔

۲۰۰۔ حدثنا مسدد قال : حدثنا حماد ، عن ثابت ، عن أنس أن رسول الله ﷺ دعا بإناء من ماء ، فأتى بقدر حرحراح فيه شيء من ماء فوضع أصابعه فيه ، قال أنس : فجعلت أنظر إلى الماء ينبع من بين أصابعه ، قال أنس : فحزرت من توضأ منه ما بين السبعين إلى الثمانين . [راجع : ۱۶۹]

یہ وہی واقعہ ہے جو پہلے گزرا ہے ”فاتی بقدر حرحراح، حرحراح“ اس کو کہتے ہیں جو پھیلا ہوا ہو اور گہرائی میں کم ہو جسے اُتھلا کہتے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اندازہ لگایا کہ اس سے وضو کرنے والے ستر سے اسی آدمی تھے۔

(۴۷) باب الوضوء بالمد

ایک مد پانی سے وضو کرنے کا بیان

۲۰۱۔ حدثنا أبو نعيم قال : حدثنا مسعر قال : حدثني ابن جبر قال : سمعت أنساً يقول : كان النبي ﷺ يغسل أو كان يغتسل بالصاع إلى الخمسة أمداد ويتوضأ بالمد . ۱۷، ۱۸

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک صاع سے پانچ مد تک غسل فرماتے تھے یعنی کبھی ایک صاع سے، کبھی پانچ مد سے۔ راوی کو شک ہے کہ ”یغسل“ کا لفظ استعمال کیا ہے یا ”یغتسل“ کا۔ ”ويتوضأ بالمد“ اور مد سے وضو فرماتے تھے۔

یہاں دو باتوں میں فقہاء امت میں اتفاق ہے:

ایک تو یہ کہ حضور اقدس ﷺ کا عام معمول یہ تھا کہ ایک مد پانی سے وضو فرماتے تھے اور ایک صاع سے غسل فرماتے تھے۔

دوسرا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ کوئی تحدید شرعی نہیں ہے کہ ہمیشہ ایک ہی مد سے وضو اور ایک صاع سے

۱۷ لا یوجد للحديث مكررات .

۱۸ بیان من أخرجه غيره: وفي صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة، وغسل الرجل والمرأة في اناء واحد الخ، رقم: ۴۹۰، وسنن النسائي، كتاب المياه، باب القدر الذي يكفي به الانسان من الماء للوضوء، رقم: ۳۳۳، وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب ما يجزئ من الماء في الوضوء، رقم: ۸۷، ومسند أحمد، باقی مسند المكثرين، باب مسند أنس بن مالك، رقم: ۱۱۶۲، ۱۱۷۱۳، ۱۳۲۸۸، وسنن الدارمی، كتاب الطهارة، باب كم يكفي في الوضوء من الماء، رقم: ۶۸۶.

غسل کیا جائے بلکہ اسراف سے بچتے ہوئے وضو اور غسل کے لئے جتنا پانی ضروری ہو وہ استعمال کیا جاسکتا ہے۔

مداور صاع کی پیمائش میں اختلاف

آگے مداور صاع کی پیمائش میں اہل عراق اور اہل حجاز کا اختلاف ہے۔

اہل عراق کہتے ہیں کہ مددور رطل ہوتا ہے اور اہل حجاز کہتے ہیں کہ مد ایک رطل اور ثلث رطل ہوتا ہے اسی سے صاع کو ضرب دیں تو پانچ رطل اور ثلث رطل ہو جاتا ہے۔ اس کو مد حجازی اور صاع حجازی اور مد عراقی اور صاع عراقی کہا جاتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ، اہل حجاز اور ایک روایت کے مطابق امام محمد رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ ایک مد ایک رطل اور ایک ثلث رطل یعنی صحیح ایک بٹا تین رطل کا ہوتا ہے، لہذا صاع اس حساب سے پانچ رطل اور ایک ثلث رطل کا ہوگا، یعنی پانچ صحیح ایک بٹا تین رطل کا ایک صاع ہوتا ہے۔

اس کے برخلاف امام ابو حنیفہ، امام محمد رحمہما اللہ، اہل عراق اور ایک روایت کے مطابق امام احمد رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہ ہے کہ ایک مد دو رطل کا اور ایک صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے۔

شافعیہ وغیرہ اہل مدینہ کے تعامل سے استدلال کرتے ہیں، کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ کے زمانہ میں مدینہ طیبہ کے اندران کے مسلک کے مطابق ایک مد مساوی ایک صحیح ایک بٹہ چار رطل کا اور ایک صاع مساوی پانچ صحیح ایک بٹا تین رطل کا ہوتا ہے۔

حنفیہ کا استدلال حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے جو مسند احمد میں آئی ہے کہ ”کان رسول اللہ ﷺ يتوضأ بالمدر طلين وبالصاع ثمانية ارطال“۔

اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے، لیکن تعدد طرق کی بناء پر یہ قابل استدلال ہے اس کا جز اول امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے ”کان النبی ﷺ يتوضأ باناء يسع رطلين“۔

امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے اس پر سکوت کیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ روایت ان کے نزدیک صحیح ہے۔ اور اس سے بھی احناف کا استدلال تام ہو جاتا ہے۔ ۱۱۹

ایک اشتباہ

مد عراقی اور صاع عراقی سے بعض اوقات یہ اشتباہ ہو جاتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ مدینہ منورہ میں تھے، لہذا مد عراقی اور صاع عراقی کا اطلاق نبی کریم ﷺ کی احادیث میں صحیح نہ ہونا چاہئے کیونکہ وہ عراق والوں کا مد اور صاع تھا۔

جواب: اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مد عراقی صرف عراق میں جاری تھا حجاز میں نہیں تھا بلکہ حضور اکرم ﷺ

ﷺ کے عہد میں مد عراقی اور صاع عراقی رائج تھے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث مسند احمد میں آئی ہے کہ ”کان رسول اللہ ﷺ يتوضأ بالمد رطلین وبالصاع ثمانية ارطال“ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی اسی پیمانہ کا مد اور صاع موجود تھا۔

(۴۸) باب المسح علی الخفین

موزوں پر مسح کرنے کا بیان

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں ”مسح علی الخفین“ کے دلائل بیان فرمانا چاہتے ہیں۔ یہ بات اہل سنت کے نزدیک متفق علیہ ہے کہ ”مسح علی الخفین“ مشروع ہے بلکہ اس کو اہل سنت کے شعائر میں قرار دیا گیا ہے۔ مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا قول مروی ہے: ”قال حدثنی سبعون من اصحاب رسول اللہ ﷺ انه كان يمسح علی الخفین“ الخ۔

علامہ بدر الدین عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ میں اسی (۸۰) سے زائد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسح علی الخفین کو نقل کرتے ہیں؛ اسی لئے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مشہور قول ہے کہ ”ما قلت بالمسح علی الخفین حتی جائی مثل ضوء النهار“ میں نے ”مسح علی الخفین“ کا قول اس وقت اختیار نہیں کیا جب تک کہ میرے سامنے اتنے دلائل نہیں آگئے جو دن کی روشنی کی طرح واضح تھے۔

یہی وجہ ہے کہ ”مسح علی الخفین“ کا قائل ہونا اہل سنت کی علامات میں سے ہے، بلکہ ایک زمانہ میں تو یہ اہل سنت کا شعار بن گیا تھا۔

چنانچہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے: ”نحن نفضل الشیخین، ونحب الختین، ونری

المسح علی الخفین“ ۱۲۰۔

۱۲۰۔ فیہ جواز المسح علی الخفین ولا ینکرہ إلا المبتدع الضال۔ وقالت الخوارج: لا يجوز وقال صاحب البدائع: المسح علی الخفین جائز عند عامة الفقهاء، وعامة الصحابة۔ ثم قال: وروی عن الحسن البصری أنه قال: أدركت سبعین بدریاً من الصحابة کلهم یرى المسح علی الخفین، ولهذا رآه ابو حنیفة من شرائط أهل السنة والجماعة۔ فقال: نحن نفضل الشیخین، ونحب الختین، ونری المسح علی الخفین۔ وروی عنه أنه قال: ما قلت بالمسح حتی جائی مثل ضوء النهار، فكان الجحدود رداً علی كبار الصحابة، ورضی الله تعالی عنهم، ونسبته إياهم الی الخطأ فكان بدعة ولهذا قال الکرخی: أخاف الکفر علی من لا یرى المسح علی الخفین، ولأمة لم تختلف أن رسول الله ﷺ مسح۔ وقال ابو عمر بن عبد البر: مسح علی الخفین سائر أهل بدر والحدیبة وغیرهم من المهاجرین والانصار وسائر الصحابة والتابعین وفقها المسلمين، وقد أشرنا علی رواية ست وخمسين من الصحابة فی المسح فی شرحنا (لمعانی الآثار) للطحاوی، فمن أراد الوقوف علیہ فلیراجع الیه۔ کذا ذکره العینی فی العمدة، ج: ۲، ص: ۵۶۸، وفتح الباری، ج: ۱، ص: ۳۰۶۔

”مسح علی الخفین“ اور روافض

روافض ایک طرف تو رجلیں کے مسح کے قائل ہیں دوسری طرف ”مسح علی الخفین“ کے قائل نہیں ہیں۔

”مسح علی الخفین“ کی احادیث معنی متواتر ہیں، اس کے جواز پر اجماع ہے اس لئے جمہور نے اس کو مشروع قرار دیا۔

۲۰۲۔ حدثنا أصبغ بن الفرّج، عن ابن وهب قال: حدثني عمرو، قال: حدثني أبو النضر، عن أبي سلمة بن عبد الرحمن، عن عبد الله بن عمر، عن سعد بن أبي وقاص عن النبي ﷺ أنه مسح علي الخفين، وأن عبد الله بن عمر سأل عمر عن ذلك فقال: نعم. إذا حدثك شيئا سعد عن النبي ﷺ فلا تسأل عنه غيره، وقال موسى بن عقبة: أخبرني أبو النضر أن أبا سلمة أخبره أن سعداً حدثه فقال عمر لعبد الله نحوه ۱۲۱، ۱۲۲.

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس میں پہلی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت کی ہے کہ وہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت کرتے ہیں اور وہ نبی کریمؐ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے خفین پر مسح فرمایا۔
”وأن عبد الله بن عمر سأل عمر عن ذلك“ اور یہ بات بھی بتائی کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت عمرؓ سے بھی اس بارے میں سوال کیا تھا۔

اس کی تفصیل موطاٰ امام مالک میں آئی ہے اور واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو فہ گئے تھے، کوفہ میں اس وقت حضرت عمرؓ کی طرف سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ گورنر تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دیکھا کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ خفین پر مسح فرما رہے ہیں، ان کو کچھ تعجب ہوا، لہذا ان سے پوچھا کہ کیا آپ خفین پر مسح کرتے ہیں؟ حضرت سعدؓ نے جواب میں یہ حدیث سنائی کہ میں نے نبی کریمؐ کو ”مسح علی الخفین“ کرتے ہوئے دیکھا ہے اور ساتھ یہ بھی کہا کہ اب اگر آپ مدینہ جائیں تو اپنے والد سے اس بارے میں پوچھنا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب مدینہ منورہ آئے تو حضرت عمرؓ سے پوچھا۔

فقال: ”نعم“ حضرت عمرؓ نے فرمایا، ہاں، رسول اللہؐ نے ”مسح علی الخفین“ فرمایا

۱۲۱ لایوجد للحديث مكررات۔

۱۲۲ وفي سنن النسائي، كتاب الطهارة، باب المسح علي الخفين، رقم: ۱۲۰، ومسند أحمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، باب أول مسند عمر بن الخطاب، رقم: ۸۳، ۱۳۷، وموطأ مالك، كتاب الطهارة، باب ماجاء في المسح علي الخفين، رقم: ۶۵.

ہے ”اذا حدثك شيئاً ساعد عن النبي ﷺ لا تسأل عنه غيره“ جب سعد جیسے آدمی تمہیں رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث سنائیں تو پھر کسی اور سے نہ پوچھو۔ یعنی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اتنے قابل اعتماد ہیں کہ اگر تم نے ان سے حدیث سنی ہے تو اس کے بعد کسی شک کی گنجائش نہیں ہے اور کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ۱۲۳۔

سوال: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خود جلیل القدر صحابی ہیں اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی طویل صحبت اٹھائی ہے انہیں ”مسح علی الخفین“ کے مسئلے میں تردد کیوں پیدا ہوگا؟ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو مسح کرتے ہوئے دیکھا تو ان کے دل میں اشکال کیوں پیدا ہوا؟ کیا ساری عمر انہوں نے رسول کریم ﷺ کو ”مسح علی الخفین“ کرتے یا ”مسح علی الخفین“ کو بیان کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ”مسح علی الخفین“ کے قائل تھے اور یہ خود ”مسح علی الخفین“ کی حدیث کے راوی ہیں لیکن وہ شاید یہ سمجھتے ہوں کہ ”مسح علی الخفین“ صرف حالت سفر میں مشروع ہے، حالت حضر میں مشروع نہیں، جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو حضر کی حالت میں ”مسح علی الخفین“ کرتے ہوئے دیکھا تو ان کے دل میں اشکال پیدا ہو گیا۔ آگے امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وقال موسى بن عقبة: أخبرني أبو النضر أن أبا سلمة أخبره أن سعداً حدثه“ آگے پھر روایت محذوف ہے ”عن السعد رضی اللہ عنہ رواه عن النبي ﷺ انه مسح علی الخفین“ گویا پہلی روایت کے مطابق ذکر کر دیا ”فقال عمر لعبد الله نحوه“

۲۰۵۔ حدثنا عبدان قال: أخبرنا عبد الله قال: أخبرنا الأوزاعي، عن يحيى، عن أبي سلمة، عن جعفر بن عمرو، عن أبيه قال: رأيت النبي ﷺ يمسح علی عمامته وخفيه. وتابعه معمر، عن يحيى، عن أبي سلمة، عن عمرو، قال: رأيت النبي ﷺ. [راجع: ۲۰۴]

”رأيت النبي ﷺ يمسح علی عمامته وخفيه“:

اس روایت میں حضرت عمرو بن الضمری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ عمامہ اور خفین پر مسح فرما رہے تھے۔ خفین کا مسئلہ تو واضح ہے اور وہی ترجمۃ الباب کا مقصود ہے، لیکن یہاں انہوں نے عمامہ پر مسح کا اضافہ کیا ہے۔

مسح علی العمامہ اور اختلاف فقہاء

امام اوزاعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق رحمہم اللہ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ ”مسح علی العمامہ“ بھی جائز ہے۔

جمہور کا مسلک

جمہور کے نزدیک مسح علی العمامہ مشروع نہیں ہے یعنی اس سے مسح رأس کا فریضہ ادا نہیں ہوتا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ مسح علی العمامہ کا ثبوت چند اخبار آحاد سے ہوتا ہے جبکہ قرآن کریم میں صاف صاف مسح علی الرأس کا حکم دیا گیا ہے ”وامسحوا برؤسکم“ لہذا قرآن کریم پر اضافہ یا اس کی تنقید یا تخصیص خبر واحد کے ذریعے نہیں ہو سکتی، یہ حنفیہ کا معروف اصول ہے، لہذا حنفیہ نے یہ کہا کہ اس کو مسح علی الخفين پر قیاس نہیں کر سکتے کیونکہ مسح علی الخفين کی احادیث معنی متواتر ہیں، ان سے کتاب اللہ پر زیادتی درست ہے لیکن مسح علی العمامہ کی احادیث متواتر نہیں ہیں، اس لئے اخبار آحاد سے کتاب اللہ پر زیادتی نہیں ہو سکتی۔

حدیث باب کی توجیہات

حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ جن روایات میں مسح علی العمامہ کا ذکر آیا ہے وہ محتمل التأویل ہیں، ان میں متعدد احتمالات ہیں:

ایک احتمال یہ ہے کہ حافظ زیلعی رحمہ اللہ کے بقول جس جگہ رسول اللہ ﷺ سے مسح علی العمامہ کا ثبوت مذکور ہے وہاں اختصار ہے، اصل میں ”مسح علی ناصیئہ و عمامتہ“ تھا جس کی مختصر شکل صرف ”علی عمامتہ“ بن گئی، یہ مراد نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے صرف عمامہ پر مسح فرمایا بلکہ مراد یہ ہے کہ سر کی مقدار مفروض پر مسح فرمایا اور باقی ہاتھ عمامہ کے اوپر پھیر دیا، مثلاً مقدار ناصیہ پر مسح فرمایا اور باقی ہاتھ عمامہ پر پھیر لیا اور یہ صورت بیان جواز کے لئے تھا، کیونکہ مسح مفروض ادا ہو جاتا ہے، بعض روایات میں اس کی صراحت بھی آئی ہے ”مسح علی ناصیئہ و عمامتہ“ کہ آپ ﷺ نے سر پر اور عمامہ پر مسح فرمایا۔

دوسرا جواب موطا امام محمد میں امام محمد رحمہ اللہ نے دیا ہے فرمایا ”بلغنا أن المسح علی العمامة كان فترک“ ہمیں یہ خبر ملی ہے کہ مسح علی العمامہ شروع میں تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام محمد رحمہ اللہ کے بلاغات مسند ہیں، اگر یہ بات صحیح ہو تو بات بالکل ہی صاف ہو جاتی ہے

اور مسح علی العمامۃ کی احادیث کا بہترین جواب بن جاتا ہے کہ مسح علی العمامۃ منسوخ ہو چکا ہے۔ ۱۲۴
تو یہ دونوں احتمال موجود ہیں، ان احتمالات کی موجودگی میں خبر واحد کے ذریعے کتاب اللہ کے حکم مسح
الرأس پر اضافہ یا اس کی تخصیص و تقیید نہیں کی جاسکتی۔ ۱۲۵
علامہ ابن بطال رحمہ اللہ نے اصیلی سے نقل کیا ہے کہ اس روایت میں ”وعمامتہ“ کا اضافہ امام
اوزاعی رحمہ اللہ کا وہم ہے، واللہ اعلم۔ ۱۲۶

(۴۹) باب إذا أدخل رجله وهما طاهر تان

موزوں کا وضو کی حالت میں پہننے کا بیان

۲۰۶۔ حدثنا أبو نعيم قال : حدثنا زكريا ، عن عامر ، عن عروة بن المغيرة ، عن
أبيه قال : كنت مع النبي ﷺ في سفر ، فأهويت لأنزع خفيه فقال : ((دعهما فإني
أدخلتهما طاهرتين)) فمسح عليهما . [راجع : ۱۸۲]
حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک سفر میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا (وضو کا وقت آیا ہوگا
اس لئے فرمایا میرا ارادہ ہوا کہ میں نبی کریم ﷺ کے نھین اتار دوں تاکہ آپ ﷺ وضو فرمائیں۔
فقال : ”دعهما“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں چھوڑ دو ”فإني أدخلتهما طاهرتين“ کیونکہ میں نے
دونوں پاؤں کو ان میں اس حالت میں داخل کیا تھا کہ پاؤں پاک تھے، ”فمسح عليهما“ اس کے بعد آپ
ﷺ نے دونوں پاؤں پر مسح کیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر باب قائم کیا ہے کہ ”باب إذا دخل رجله وهما

۱۲۲ قال صاحب التعليق الممجد لم نجد إلى الآن ما يدل على كون المسح العمامة منسوخاً لكن ذكروا أن بلاغات
محمد مسندة فلعل عنده وصل باسنادة تحفه الأحوذى، ج: ۱، ص: ۲۹۵.

۱۲۵ وما في الحديث من المسح العمامة فقال محمد في موطنه: بلغنا أن المسح على العمامة كان فترك
— وقد اختلف السلف في معنى المسح على العمامة: فقليل إنه كمل عليها بعد مسح الناصية، وقد تفردت رواية ”مسلم
“مما يدل على ذلك. وإلى عدم الاختصار على المسح عليها ذهب الجمهور، وقال الخطابي: فرض الله مسح
الرأس، والحديث في مسح العمامة متحمل للتأويل، فلا يترك المتيقن للمحتمل اهـ. مفصل اور ثانی بحث کیلئے ملاحظہ
فرمائیں، اعلاء السنن، ج: ۱، ص: ۳۳-۶۳.

۱۲۶ وقال ابن بطال: قال الاصيلي ذكر العمامة في هذا الحديث من خطأ الازواعي، عمدة القاري، ج:
۲، ص: ۵۷۳، وفيض الباری، ج: ۱، ص: ۳۰۲، وفتح الباری، ج: ۱، ص: ۳۰۸.

طہریان“ جب آدمی اپنے پاؤں کو موزوں میں اس حالت میں داخل کرے کہ وہ دونوں پاک ہوں تو بعد میں ان پر مسح کر سکتا ہے اور یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔
اس کی تھوڑی سی تفصیل یہ ہے کہ اگر ایک شخص پہلے پاؤں دھو لے اور پھر خفین پہن لے اور اس کے بعد حدث سے پہلے بقیہ اعضاء کو دھو لے تو اس صورت میں خفین کا پہننا اور ان پر مسح کرنا درست ہے۔

شافعیہ کا قول

شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر پہلے پاؤں دھو کر موزے پہن لے اور پھر باقی اعضاء کو دھویا تو ان کے نزدیک وضو صحیح نہیں ہوا، لہذا بعد میں موزوں پر مسح نہیں کر سکتا۔

اختلاف کی دوسری تعبیر

اسی اختلاف کی دوسری تعبیر یوں بھی کر سکتے ہیں کہ ”مسح علی الخفین“ کے جواز کے لئے یہ بات متفق علیہ طور پر ضروری ہے کہ خفین طہارت کاملہ کے ساتھ پہنے گئے ہوں، البتہ طہارت کاملہ کس وقت ضروری ہے؟
اس میں اختلاف ہے:

حنفیہ کا مسلک

حنفیہ کہتے ہیں کہ طہارت کاملہ ”عند اللبس“ ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ ”عند الحدث“ ہونا کافی ہے، جس وقت موزے پہن رہا ہے اس وقت طہارت کاملہ ضروری نہیں ہے۔ اگر صرف پاؤں دھو لئے تو کافی ہے، بعد میں اگر حدث پیش آنے سے پہلے باقی اعضاء کو دھولیا تو یہ طہارت کاملہ سمجھی جائے گی۔ اس کے بعد جب حدث لاحق ہوگا وہ طہارت کاملہ پر لاحق ہوگا اس لئے مسح کرنا درست ہو جائے گا۔ ۱۲۷

۱۲۷ وقال بعضهم: قال صاحب الهداية من الحنفية: شرط اباحه المسح لبسهما على طهارة كاملة: قال والمراد بالكاملة وقت الحدث لا وقت اللبس، وانما الخلاف في أنه يشترط الكمال عند اللبس أو عند الحدث؟ فعندنا عند الحدث، وعند الشافعي عند اللبس، وتظهر ثمرته فيما اذا غسل رجله أولاً ولبس خفيه، ثم أتم الوضوء قبل أن يحدث ثم أحدث جازله المسح عندنا، خلافاً له. وكذا لو توضأ فرتب لكن غسل إحدى رجله ولبس الخف ثم غسل الأخرى ولبس الخف الآخر يجوز عندنا خلافاً له الخ، الهداية شرح البداية، ج: ۱، ص: ۲۸، وعمدة القاري، ج: ۲،

شافعیہ کا مسلک

شافعیہ کہتے ہیں کہ طہارت کاملہ ”عند اللبس“ ضروری ہے، لہذا ان کے نزدیک پورا وضو کر کے پہننا ضروری ہے۔ دوسری طرف ان کے نزدیک وضو میں ترتیب ضروری ہے اس لئے اگر پہلے پاؤں دھولے اور پھر باقی اعضاء دھولے تو ان کے نزدیک وضو درست نہیں ہوگا کیونکہ ترتیب واجب ہے۔

فرض کریں ایک شخص نے پہلے پاؤں دھولے اور خفین پہن لئے بعد میں دوسرے اعضاء دھولے تو اس نے ترتیب فوت کر دی، جس کی وجہ سے اس کا وضو درست نہ ہوا۔ ۱۲۸

جب وضو درست نہ ہوا تو اس نے موزے طہارت کاملہ کے ساتھ نہ پہنے، جب طہارت کاملہ کے ساتھ نہیں پہنے گئے تو آگے جب حدیث لاحق ہوگا تو اس میں موزوں پر مسح کرنا جائز نہ ہوگا۔

حنفیہ کے ہاں چونکہ ترتیب مسنون ہے، لہذا اگر کسی نے پہلے پاؤں دھو کر خفین پہن لئے اور پھر باقی اعضاء کو دھویا تو اگرچہ ترتیب فوت ہوگئی، لیکن وضو درست ہو گیا اور اس پر طہارت کاملہ کا اطلاق ہو گیا۔

اسی طرح اگر وضو ترتیب سے کیا، مگر ایک پاؤں دھو کر موزہ پہن لیا، پھر دوسرا پاؤں دھو کر دوسرا موزہ پہنا تو ہمارے نزدیک جائز ہے، مگر علامہ عینی رحمہ اللہ کے فرمانے کے مطابق امام شافعی رحمہ اللہ کے یہاں مسح جائز نہیں، کیونکہ پہلا موزہ طہارت کاملہ کے ساتھ نہیں پہنا گیا ہے۔

اس ترجمۃ الباب سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مسئلے میں حنفیہ کے قول کو ترجیح دی ہے اور یہ کہا ہے کہ جب اپنے پاؤں طاہر ہونے کی حالت میں خفین میں داخل کئے تو اس کے لئے آئندہ ان پر مسح کرنا جائز ہے۔ اور حدیث کے الفاظ سے بھی ظاہر ایسی بات معلوم ہوتی ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا ”انسی ادخلتہما طاہرتین“ یہ نہیں فرمایا ”انسی لبستہما بعد الوضوء“ کہ میں نے وضو کر کے پہنے تھے، اس سے بھی حنفیہ کی تائید ہوتی ہے۔

(۵۰) باب من لم يتوضأ من لحم الشاة والسويق

بکری کا گوشت اور ستوکھانے سے وضو نہ کرنے کا بیان

”وَأَكَلَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعِثْمَانُ ۖ فَلَمْ يَتَوَضَّأَا“

۱۲۸ احتجت الشافعية على أن شرط جواز المسح لبسها على طهارة كاملة قبل لبس الخف، لأن الحدث جعل الطهارة قبل لبس الخف شرطاً لجواز المسح، والمعلق بشرط لا يصح إلا بوجود ذلك الشرط، عمدة القارى، ج: ۲، ص:

یہاں سے ”وضو من ما مسته النار“ کا مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے۔ چنانچہ باب قائم کیا ”باب من لم يتوضأ من لحم الشاة والسويق“۔
 یہ باب ان لوگوں کی دلیل کے بیان میں ہے جو بکری کا گوشت اور ستو وغیرہ کھانے سے وضو نہیں کرتے۔ بکری کے گوشت کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا کہ بکری کا زیادہ رواج تھا ورنہ مراد ”ما مسته النار“ ہے: تمام قسم کے لحم کا۔

احادیث میں تعارض

اس بارے میں مختلف حدیثیں آئی ہیں۔ صدر اول میں صحابہ کرام ؓ کے عہد مبارک میں اس مسئلہ میں کچھ اختلاف تھا۔
 بعض حضرات یہ فرماتے تھے کہ ”ما مسته النار“ سے وضو واجب ہے اور بعض حضرات یہ فرماتے تھے کہ ”ما مسته النار“ سے وضو واجب نہیں۔
 بالآخر اجماع منعقد ہو گیا کہ ”ما مسته النار“ سے وضو واجب نہیں ہے، اب اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں، جمہور کی طرف سے اس جیسی دوسری احادیث کے تین مختلف جوابات دیئے گئے ہیں:

احادیث کے جوابات

جن روایتوں میں ”ما مسته النار“ سے وضو کا حکم آیا ہے، ان کے تین جوابات دیئے گئے ہیں:
 بعض حضرات نے فرمایا کہ شروع میں یہ حکم تھا بعد میں منسوخ ہو گیا۔ اور اس کی دلیل ابو داؤد میں حضرت جابر ؓ کی روایت ہے: ”قال كان اخيرا الامر من رسول الله ﷺ ترك الوضوء مما غيرت النار“ ۱۲۹۔
 بعض حضرات نے فرمایا کہ وجوبی حکم نہیں تھا بلکہ یہ استحباب پر محمول تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے وضو بھی ثابت ہے اور ترک وضو بھی اور یہ استحباب کی علامت ہے۔
 بعض حضرات نے فرمایا کہ ”وضو ما مسته النار“ سے وضو اصطلاحی مراد نہیں ہے بلکہ وضو لغوی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ صرف ہاتھ منہ دھولیا جائے، پورا وضو مقصود نہیں ہے۔ اس کی حضرت عکراش بن زویب ؓ کی روایت ہے، جس میں ایک عورت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں..... ”يساعكراش هذا الوضوء مما غيرت النار“۔

میرارحمان

محدثین و فقہاء نے تین مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں، لیکن تمام روایتوں کو دیکھنے کے بعد جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ تینوں توجیہات بیک وقت درست اور صحیح ہیں، یعنی ”وضوء مما مست النار“ سے وضو لغوی مراد ہے، جیسا کہ عکراش بن زویب رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے اور یہ وضوء (عمل) مستحب تھا، واجب کبھی نہیں رہا، لیکن نظافت کی غرض سے شروع میں اس کا زیادہ اہتمام کیا جاتا تھا، بعد میں جب یہ خطرہ ہوا کہ اس اہتمام کے نتیجے میں اس وضو کو واجب سمجھ لیا جائے گا یا وضو سے مراد وضو شرعی لے لیا جائے گا، تو اس کا استحباب بھی منسوخ کر دیا گیا، اس کی تائید مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے۔ ۱۳۰

یہی روایت مجمع الزوائد میں تفصیل کے ساتھ آئی ہے۔ ۱۳۱ اس حدیث میں ہے..... فان تهرنی..... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رد فرما دیا تھا اور رد کرنے کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ اگر میں ہر مرتبہ ایسا کروں تو لوگ اس کو واجب سمجھنے لگیں گے۔ معلوم ہوا کہ یہ واجب نہیں تھا۔

تیسری بات حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں ”کان آخر الأمرین من رسول اللہ وهو ترک الوضوء مما مست النار“ ۱۳۲ اس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی منسوخ ہو گیا۔ ۱۳۳

تو تینوں باتیں اپنی جگہ درست ہیں۔

”وأكل أبو بكر، وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم فلم يتوضؤا“ ان حضرات نے گوشت کھایا اور وضو نہیں کیا۔ یہاں ترجمۃ الباب میں سونق کا ذکر بھی ہے۔ سونق، ستو کو کہتے ہیں لیکن اس ترجمۃ الباب میں جو حدیث لائے ہیں اس میں سونق کا ذکر موجود نہیں ہے، البتہ اگلے باب میں سونق کا ذکر آ رہا ہے اور یہ پہلے بتایا

۱۳۰ عن المغيرة بن شعبه أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم أكل طعاماً ثم أقيمت الصلاة وقد كان توضأ قبل ذلك فأتته بما ليتوضأ فالتهرنى وقال وراءك ولو فعلت ذلك فعل الناس بعدى. مصنف ابن أبي شيبة، رقم: ۵۳۱، ج: ۱، ص: ۵۲.

۱۳۱ مجمع الزوائد، باب ترك الوضوء مما مست النار، ج: ۱، ص: ۲۵۱، القاهرة، بيروت، ۱۴۰۷ھ.

۱۳۲ سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في ترك الوضوء مما مست النار، رقم: ۱۶۴.

۱۳۳ واحتججت الجماعة الأولى بأحاديث منها: حديث ابن عباس، وحديث عمرو بن أمية وغيرهما، وأحاديث هؤلاء منسوخة بما روى عن جابر رضى الله تعالى عنه، قال ”كان آخر الأمرين من رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو ترك الوضوء مما مست النار“ أخرجه الطحاوى وأبو داود والسائى وابن حبان فى ”صحيحه“ وقالوا أيضاً: يجوز أن يكون المراد من الوضوء فى الأحاديث الأولى غسل اليد لا وضوء الصلاة، فإن قلت: روى توضأ، وروى لم يتوضأ. قلت: هو دائر بين الأمرين، فحديث جابر بين أن المراد الوضوء الذى هو غسل اليد. كذا ذكره العيني فى العمدة، ج: ۲،

ص: ۵۷۹، وإعلاء السنن، ج: ۱، ص: ۱۷۱-۱۷۵.

جاچکا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ ایک باب کی بات بعض اوقات دوسرے باب کے اندر ذکر کر دیتے ہیں۔

۲۰۷۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال : أخبرنا مالك ، عن زيد بن أسلم ، عن عطاء بن يسار ، عن عبد الله بن عباس أن رسول الله ﷺ أكل كتف شاة ثم صلى ولم يتوضأ . [أنظر : ۵۴۰۴ ، ۵۴۰۵]

یہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر کی کہ ”ان رسول اللہ ﷺ اکل کتف شاة ثم صلی ولم يتوضأ“

(۵۱) باب من مضمض من السويق ولم يتوضأ

ستو کھانے کے بعد کلی کر کے نماز پڑھنا اور وضو نہ کرنا

۲۰۹۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال : أخبرنا مالك ، عن يحيى بن سعيد ، عن بشير بن يسار مولى بني حارثة أن سويد بن النعمان أخبره أنه خرج مع رسول الله ﷺ عام خيبر حتى إذا كانوا بالصهباء . وهي أدنى خيبر . فصلى العصر ، ثم دعا بالأزواد فلم يؤت إلا بالسويق ، فأمر به فثرى فأكل رسول الله ﷺ وأكلنا ، ثم قام إلى المغرب فمضمض و مضمضنا ، ثم صلى ولم يتوضأ . [أنظر : ۲۱۵ ، ۲۹۸۱ ، ۴۱۷۵ ، ۴۱۹۵ ، ۵۳۸۲ ، ۵۳۹۰ ، ۵۴۵۵ ، ۵۴۵۲ ، ۵۴۳۴]

حضرت سويد بن النعمان رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ وہ خیبر کے سال نبی کریم ﷺ کے ساتھ نکلے ”حتی إذا كانوا بالصهباء فأمر به فثرى“ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کو بھگودیا جائے ”ثری“ کے معنی ہیں بھگولیا گیا۔

”فأكل رسول الله ﷺ وأكلنا“ آپ ﷺ نے اس کو کھایا اور ہم نے بھی کھایا۔

”ثم قام إلى المغرب“ پھر آپ ﷺ مغرب کی نماز کے لئے کھڑے ہوئے ”فمضمض و مضمضنا“ آپ ﷺ نے کلی کی ، ہم نے بھی کلی کی ”ثم صلى ولم يتوضأ“ پھر آپ ﷺ نے نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

اس ترجمۃ الباب سے یہ بات بتلانا مقصود ہے کہ کھانے کے بعد منہ کے اندر کھانے کے جو اثرات رہ

۳۳ وفی سنن النسائی، کتاب الطهارة، باب المضمضة من السويق، رقم: ۱۸۶، وسنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننہا، باب الرخصة فی ذلک، رقم: ۳۸۵، ومسند أحمد، مسند المکین، باب حدیث سويد بن النعمان، رقم: ۱۵۲۳۸، ۱۵۲۴۱، وموطأ مالک، کتاب الطهارة، باب ترک الوضوء مما مسته النار، رقم: ۴۵.

جاتے ہیں وہ کھلی کرنے سے زائل ہو جاتے ہیں۔

۲۱۰۔ وحدثنا اصبع قال: أخبرنا ابن وهب . قال : أخبرني عمرو عن بكير، عن كريب ، عن ميمونة أن النبي ﷺ أكل عندها كتفا ثم صلى ولم يتوضأ .
سوال: اس حدیث میں سویق یا مضمضہ کا ذکر نہیں ہے جبکہ ترجمۃ الباب میں ”مضمض من السویق“ ہے۔

جواب: یہاں یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ حضور ﷺ نے جو مضمضہ فرمایا تھا جس کا پچھلی حدیث میں ذکر ہے، وہ کوئی واجب نہیں تھا۔ چنانچہ حضرت ميمونة رضی اللہ عنہا کی حدیث ذکر کی کہ آپ ﷺ نے کف شاة تناول فرمایا پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔ یہاں مضمضہ کا بھی ذکر نہیں ہے، حالانکہ کف شاة میں سویق کی بنسبت چکناہٹ زیادہ ہوتی ہے، لیکن یہاں پر آپ ﷺ نے کھلی نہیں فرمائی۔ معلوم ہوا کہ یہ کھلی کرنا واجب نہیں، زیادہ سے زیادہ مستحب اور اولیٰ ہے۔

(۵۲) باب هل يمضمض من اللبن

کیا دودھ پینے کے بعد کھلی کرے

۲۱۱۔ حدثنا يحيى بن بكير وقتيبة قال: حدثنا الليث ، عن عقيل ، عن ابن شهاب عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة ، عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ شرب لبنا فمضمض وقال : ((إن له دسما)). تابعه يونس وصالح بن كيسان عن الزهري .
[أنظر: ۵۶۰۹، ۱۳۵]

آپ ﷺ نے دودھ پینے کے بعد کھلی فرمائی اور فرمایا کہ دودھ کے اندر دوسمت یعنی چکناہٹ ہے۔ اس سے منہ کی صفائی مقصود ہے۔ اس میں چکناہٹ ہوتی ہے۔ اس لئے کھلی کر لینی چاہئے۔

۱۳۵ وفی صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب نسخ الوضوء مما مست النار، رقم: ۵۳۷، وسنن الترمذی، کتاب الطهارة عن رسول الله، باب فی المضمضة من اللبن، رقم: ۸۲، وسنن النسائی، کتاب الطهارة، باب المضمضة من اللبن، رقم: ۱۸۷، وسنن أبی داؤد، کتاب الطهارة، باب فی الوضوء من اللبن، رقم: ۱۶۸، وسنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننہا، باب المضمضة من شرب اللبن، رقم: ۴۹۱، ومسند أحمد، من مسند بنی ہاشم، باب بدایة مسند عبد الله بن العباس، رقم: ۱۸۵۰، ۱۹۰۳، ۲۸۹۳، ۲۹۵۷، ۳۳۵۷.

(۵۳) باب الوضوء من النوم ،

ومن لم ير من النعسة والنعستين أو الخفقة وضوءا

نیند سے وضو کرنے کا بیان

اور جس شخص نے ایک دو بار اوگھنے سے یا ایک آدھ جھونکا لینے سے وضو لازم نہیں سمجھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس ترجمۃ الباب میں دو باتیں بیان فرمائی ہیں:

ایک بات تو یہ ہے کہ نیند سے وضو واجب ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ نیند غالب العقل ہو۔

ساتھ ساتھ دوسرا مسئلہ یہ بیان فرمایا کہ ”ومن لم ير من النعسة والنعستين أو الخفقة وضوءا

۱“ یہ اس شخص کی دلیل ہے جو ایک آدھ مرتبہ اوگھ جانے یا جھونکا کھا لینے سے وضو کے قائل نہیں۔

”نعست“ کے معنی ہیں اوگھ، اوگھ کہتے ہیں کہ بیٹھے بیٹھے یا کسی بھی حالت میں بخارات دماغ کی طرف

چڑھتے ہیں جن کی وجہ سے آنکھیں بند ہونے لگتی ہیں، یہ نیند کا بالکل ابتدائی حصہ ہوتا ہے اس کو ”نعسة“ کہتے ہیں۔

”خفقه“ کے معنی ہیں جھونکا کھانا ”نعسة“ کے نتیجے میں بعض اوقات انسان اپنے سر پر قابو نہیں رکھ

پاتا جس کی وجہ سے جھٹکا لگ جاتا ہے اور سر نیچے کی جانب گر جاتا ہے اس کو ”خفقه“ کہتے ہیں۔

تو فرمایا کہ ”نعسة، نعستين“ اور ”خفقه“ سے وضو واجب نہیں ہوتا، البتہ جب نیند غالب ہو

جائے اور اس کی وجہ سے آدمی بے خبر ہو جائے تو پھر وضو واجب ہو جاتا ہے۔

۲۱۲۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال : أخبرنا مالك ، عن هشام ، عن أبيه ، عن

عائشة أن رسول الله ﷺ قال : ((إذا نعس أحدكم وهو يصلي فليرقد حتى يذهب عنه النوم

، فإن أحدكم إذا صلى وهو ناعس لا يدرى لعله يستغفر فيسب نفسه))۔ ۱۳۶

۱۳۶۔ وفي صحيح مسلم ، كتاب صلاة المسافرين وقصرها ، باب أمر من نعس في صلاته أو استعجم عليه القرآن أو

الذكر الخ ، رقم : ۱۳۰۹ ، وسنن الترمذی ، كتاب الصلاة ، باب ماجاء في الصلاة عند النعاس ، رقم : ۳۲۳ ، وسنن

النسائی ، كتاب الطهارة ، باب النعاس ، رقم : ۱۶۲ ، وسنن ابی داؤد ، كتاب الصلاة ، باب النعاس في الصلاة ، رقم : ۱۱۱۵ ،

وسنن ابن ماجه ، كتاب اقامة الصلاة والسنن فيها ، باب ماجاء في المصلي اذا نعس ، رقم : ۱۳۶۰ ، ومسند أحمد ،

باقی مسند الانصار ، باب حديث السيدة عائشة ، رقم : ۲۳۱۵۲ ، ۲۳۳۸۱ ، ۲۳۵۱۷ ، ۲۵۰۳۱ ، ۲۵۱۰۵ ، وموطأ

مالك ، كتاب النداء للصلاة ، باب ماجاء في صلاة الليل ، رقم : ۲۳۹ ، وسنن الدارمی ، كتاب الصلاة ، باب كراهية الصلاة

اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی کہ ”ان رسول اللہ ﷺ قال : اذا نعت احدکم وهو یصلی فلیرقد“ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی نماز پڑھ رہا ہو اور اس کو نیند آجائے تو اس کو چاہئے کہ وہ سو جائے ”حتی یدھب عنه النوم“ یہاں تک کہ اس کی نیند بھاگ جائے یعنی نیند کا تقاضا پورا ہو جائے۔

”فان احدکم اذا صلی وهو ناعس لا یدری لعلہ یستغفر فیسب نفسه“ تم میں سے کوئی اونگھ کی حالت میں نماز پڑھے گا تو اس کو پتہ نہیں ہوگا، وہ استغفار کرنا چاہ رہا ہوگا لیکن نیند کی وجہ سے اٹل اپنے کو برا بھلا کہنا شروع کر دے، گالیاں دینا شروع کر دے کیونکہ نیند کی حالت میں اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ کچھ کہنا چاہ رہا ہو اور منہ سے کچھ اور نکل جائے، لہذا فرمایا کہ اگر نیند آرہی ہے تو پہلے سو جاؤ اور سونے کے بعد جب نیند کا تقاضا پورا ہو جائے، پھر اٹھ کر دوبارہ نماز پڑھو۔

اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ”نعسۃ“ کے غیر ناقض وضو ہونے پر استدلال کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں نماز پڑھتے پڑھتے اونگھ آجائے تو سو جاؤ۔

اب ظاہر ہے یہ مقصود تو نہیں کہ جس نماز کے اندر اونگھ آئی ہے وہیں لیٹ جاؤ بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس نماز کو پوری کرو اور پھر سو جاؤ، تو جو نماز اونگھ کی حالت میں پوری کی وہ درست ہوئی، اگر وہ درست نہ ہوتی تو آپ ﷺ فرماتے اس نماز کو دہراؤ، یہ باطل ہے، لیکن آپ ﷺ نے اس کے بطلان کا حکم نہیں دیا بلکہ فرمایا کہ اس کو پورا کر لو پھر سو جاؤ۔ جب اونگھ کی حالت میں نماز درست ہوئی تو اس سے معلوم ہوا کہ اونگھ کی حالت میں وضو نہیں ٹوٹتا، البتہ اگر نیند غالب آجائے جن کا معیار فقہاء کرام نے یہ تجویز کیا ہے کہ ”تماسک المقعد علی الارض“ ختم ہو جائے یعنی انسان اپنے اعضاء پر قابو نہ رکھ سکے، اس صورت میں وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ہاں اس کی مختلف حالتیں بیان کی ہیں۔

ہمارے فقہاء حنفیہ نے فرمایا کہ اگر ”متکا“ سور رہا ہے تو ”لو زال لسقط“ کی کیفیت ہو، یا اگر آدمی ”مضطجعاً“ سور رہا ہے تو اس حالت میں وضو ٹوٹ جائے گا، کیونکہ اضطجاع کی حالت میں استرخاء مفصل محقق ہو جاتا ہے۔ ۱۳۷

یہ جو حکم ہے کہ سو جائے اور جب نیند پوری ہو جائے پھر نماز پڑھو، یہ اس شخص کے لئے ہے جس پر اتفاقاً نیند طاری ہوگئی ہو اور اس کو اس بات کا اطمینان ہو کہ میں سو کر بیدار ہونے کے بعد نماز پڑھ لوں گا، لیکن جس کو ہمیشہ نماز میں نیند آتی ہو اور اگر سو جائے تو پھر یہ بھر سہ نہیں کہ واپس لوٹے یا نہ لوٹے، نماز پڑھے یا نہ پڑھے تو اس کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔

ایسے شخص کو چاہیے کہ اس وقت نیند کا مقابلہ کر کے نماز پوری کرے، نیند کا کوئی علاج کرے، پھر نماز شروع کر دے، لہذا ہر شخص یہ سمجھ کر کہ حضور ﷺ نے نماز کی چھٹی دے دی لہذا سو جائے، یہ بات صحیح نہیں ہے۔

بغرض علاج جگہ کی تبدیلی

جس وقت نیند آئے اس وقت سب سے پہلا کام یہ کرے کہ جس جگہ نیند آئی ہے، اس جگہ کو تبدیل کر دے، حدیث میں اس کا علاج یہ آیا ہے کہ اس جگہ کو تبدیل کر لینی چاہیے۔

(۵۴) باب الوضوء من غیر حدث

بغیر حدث کے وضو کرنے کا بیان

۲۱۴۔ حدثنا محمد بن یوسف قال : حدثنا سفیان ، عن عمرو بن عامر قال : سمعت أنساح :

قال : وحدثنا مسدد قال : حدثنا يحيى عن سفیان قال : حدثني عمرو ابن عامر ، عن أنس قال : كان النبي ﷺ يتوضأ عند كل صلاة ، قلت : كيف كنتم تصنعون ؟ قال : يجزئ أحدنا الوضوء ما لم يحدث . ۱۳۸، ۱۳۹

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہر نماز کے وقت وضو فرماتے، چاہے حدث لاحق نہ ہو۔ میں نے (حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد سے) پوچھا ”کیف كنتم تصنعون؟“ آپ حضرات کیسے کیا کرتے تھے؟

”قال“: انہوں نے فرمایا کہ ہمارے لئے وضو کافی ہوتا ہے جب تک اس کو حدث لاحق نہ ہو، یعنی ہمارے لئے ضروری نہیں تھا کہ ہر نماز کے لئے وضو کریں، ایک وضو کرنے کے بعد اگر حدث نہیں لاحق ہو تو اس وضو سے ہم لوگ دوسری نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔

۱۳۸ لا يوجد للحديث مكررات.

۱۳۹ وفي سنن الترمذی، كتاب الطهارة عن رسول الله، باب ماجاء في الوضوء لكل صلاة، ۵۳، وسنن أبي داؤد، كتاب الطهارة ، باب الرجل يصلی الصلوات بوضوء واحد، رقم: ۱۳۶، وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب الوضوء لكل صلاة والصلوات كلها بوضوء واحد ، رقم : ۵۰۲، ومسند أحمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند أنس بن مالک، رقم: ۱۱۸۹۶، ۱۲۱۰۶، ۱۲۵۳۷، ۱۳۲۳۷، وسنن الدارمی، كتاب الطهارة، باب الوضوء لكل صلاة، رقم: ۷۱۳.

بعض حضرات نے کہا کہ ہر نماز کے لئے وضو کرنا حضور ﷺ کے لئے واجب تھا۔ ۱۴۰
بعض حضرات نے کہا کہ واجب تو نہیں تھا لیکن آپ ﷺ حصول فضیلت کے لئے ایسا کرتے تھے، تاکہ ہر نماز نئے وضو کے ساتھ ادا ہو۔

اس کی اس بات سے بھی تائید ہوتی ہے کہ بعض جگہوں پر نبی کریم ﷺ نے پہلے ہی وضو سے دوسری نماز بھی پڑھی ہے، اگر نیا وضو واجب ہوتا تو آپ ﷺ ایسا نہ کرتے۔ چنانچہ اگلی حدیث اس بارے میں آرہی ہے۔

۲۱۵۔ حدثنا خالد بن مخلد قال : حدثنا سليمان قال : حدثني يحيى بن سعيد قال : أخبرني بشير بن يسار قال : أخبرني سويد بن النعمان قال : خرجنا مع رسول الله ﷺ عام خيبر حتى إذا كنا بالصهباء صلي لنا رسول الله ﷺ العصر فلما صلي دعا بالأطعمة فلم يؤت إلا بالسويق فأكلنا و شربنا ثم قام النبي ﷺ إلى المغرب فمضمض ثم صلي لنا المغرب ولم يتوضأ. [راجع : ۲۰۹]

اس حدیث میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے وضو نہیں فرمایا، معلوم ہوا واجب نہیں تھا۔

(۵۵) باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله

پیشاب سے احتیاط نہ کرنا کبیرہ گناہ ہے

پیشاب سے نہ بچنے اور چغلخوری پر عذاب قبر

یہ بات کبائر میں سے ہے کہ آدمی اپنے بول سے استتر نہ کرے۔
بول سے استتر نہ کرنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں :

ایک معنی یہ ہے کہ آدمی اس طرح پیشاب کرے کہ ستر عورت کا اہتمام نہ ہو، دوسروں کے سامنے پیشاب کرے، ظاہر ہے بول کے لئے کشف عورت لازم ہے، لیکن کشف عورت صرف اپنی حد تک ہو، حتی الامکان تستر سے کام لے، جو یہ نہ کرے گا وہ ”لا يستتر من بوله“ میں داخل ہے۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ پیشاب کے چھینٹوں سے احتراز نہ کرے۔

۱۴۰ وذهب طائفة إلى أن الوضوء واجب لكل صلاة مطلقاً من غير حدث. ومذهب أكثر العلماء من الأئمة الأربعة وأكثر أصحاب الحديث وغيرهم: أن الوضوء لا يجب إلا من حدث. وقالوا: لأن آية الوضوء نزلت في إيجاب الوضوء من الحدث عند القيام إلى الصلاة، الخ، عمدة القاری، ج: ۲، ص: ۵۹۰۔

چنانچہ بعض روایتوں میں یہاں ”یتسنّزہ“ آیا ہے کہ پیشاب کی چھینٹیں آرہی ہیں، ان سے احتراز کرنا ممکن بھی ہے پھر بھی پرواہ نہیں کر رہا ہے اور چھینٹیں جسم پر لگ رہی ہیں۔ تو یہ دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔

۲۱۶۔ حدثنا عثمان قال: حدثنا جرير، عن منصور، عن مجاهد، عن ابن عباس، قال: مر النبي ﷺ بحائط من حيطان المدينة أو مكة، فسمع صوت إنسانين يعذبان في قبورهما فقال النبي ﷺ: ((يعذبان وما يعذبان في كبير))، ثم قال: ((بلى، كان أحدهما لا يستتر من بوله، و كان الآخر يمشي بالنميمة))، ثم دعا بجريدة فكسرها كسرتين، فوضع على كل قبر منهما كسرة، فقليل له: يا رسول الله لم فعلت هذا؟ قال ﷺ: ((لعله أن يخفف عنهما ما لم تيبسا)). [أنظر: ۲۱۸، ۱۳۶۱، ۱۳۷۸، ۶۰۵۵، ۶۰۵۲، ۱۳۷۸]

اس میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک باغ کے پاس سے گزرے ”من حيطان المدينة أو مكة“ راوی کو شک ہے کہ یہ باغ مدینہ کا تھا یا مکہ مکرمہ کا تھا۔
”فسمع صوت انسانين“ آپ ﷺ نے دو انسانوں کی آواز سنی ”يعذبان في قبورهما“ جن کو قبر میں عذاب ہو رہا تھا۔

عذاب قبر اور اس کی وجہ

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”يعذبان وما يعذبان في كبير“ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور عذاب کسی بڑی بات میں نہیں ہو رہا ہے۔

”ثم قال: بلى“ پھر فرمایا کیوں نہیں، جس چیز کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے واقعی وہ بڑی تھی۔
بعض نے فرمایا کہ جس وقت آپ ﷺ نے یہ فرمایا ”وما يعذبان في كبير“ اس وقت آپ کو اس کے کبیرہ ہونے کا علم نہیں دیا گیا تھا، بعد میں بذریعہ وحی بتایا گیا کہ کبیرہ ہے اس لئے ”بلى“ کہہ کر اس کی تردید فرمائی۔

۱۴۱۔ فی صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب الدلیل علی نجاسة البول ووجوب الاستبراء منه، رقم: ۴۳۹، وسنن الترمذی، کتاب الطہارۃ عن رسول اللہ، باب ماجاء فی التشدید فی البول، رقم: ۶۵، وسنن النسائی، کتاب الجنائز، باب وضع الجريدة علی القبر، رقم: ۲۰۴۱، وسنن أبی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب وضع الاستبراء من البول، رقم: ۱۹، و سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ و سننہا، باب التشدید فی البول، رقم: ۳۴۱، و مسند أحمد، و من مسند بنی ہاشم، باب بدایۃ مسند عبداللہ بن العباس، رقم: ۱۸۷۷، و سنن الدارمی، کتاب الطہارۃ، باب الاتقاء من البول، رقم: ۷۳۲۔

لیکن زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ پہلے جو فرمایا تھا ”وما یعذبان فی کبیر“ اس میں اس کے گناہ کبیرہ ہونے کی نفی کرنا مقصود نہیں تھا بلکہ مقصود یہ تھا کہ یہ کوئی بڑی بات نہیں تھی، کوئی ایسی بات نہیں تھی جس سے بچنا مشکل ہو، جیسے اردو میں کہتے ہیں، یہ کوئی بڑی بات تو نہیں ہے، کیا مطلب؟ کہ اس سے احتراز کرنے یا اس کی تعمیل میں کوئی دشواری اور مشقت نہیں ہے اور جہاں یہ کہا ”بلی“ تو وہاں معنی یہ ہیں کہ یہ گناہ کبیرہ ہے۔

”کان احدہما لا یستتر من بولہ“ ان میں سے ایک تو اپنے پیشاب سے استتار نہیں کرتے تھے۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پیشاب کی چھینٹوں سے عدم تحرز کو عذاب قبر سے کیا مناسبت ہے؟ اس کی حقیقت اللہ ﷻ ہی بہتر جانتے ہیں، البتہ علامہ ابن نجیم نے ”البحر الرائق“ میں اس کا یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ طہارت عن البول عبادات اور طاعات کی طرف پہلا قدم ہے، دوسری طرف قبر عالم آخرت کی پہلی منزل ہے، قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا، اور طہارت چونکہ نماز سے مقدم ہے، اس لئے منازل آخرت کی پہلی منزل یعنی قبر میں طہارت کے ترک پر عذاب دیا جائیگا۔ ۱۲۲۔

اس کی تائید معجم طبرانی کی ایک مرفوع روایت سے بھی ہوتی ہے۔ ۱۲۳۔

”وکان الآخر یمشی لنمیمہ“ اور دوسرے صاحب چغل خوری کیا کرتے تھے۔

”نمیمہ“ چغل خوری کو کہتے ہیں، ایک کی بات دوسرے کو پہنچانا، جسے لگائی بھائی کہتے ہیں۔

چغل خوری کیا ہے؟

چغل خوری کہتے ہیں دوسرے کو نقصان پہنچانے کے لئے بدخواہی کے پیش نظر ایک شخص کی بات دوسرے تک پہنچانا۔ اگر اصلاح مقصود ہو تو ”نمیمہ“ نہیں ہے، دل میں یہ خواہش ہو کہ بیچارہ غلطی پر ہے، اس کی اصلاح ہو جائے اور رجوع کر لے اور اس کی اصلاح سے خوش بھی ہو تو ایسی صورت میں ایسے شخص اس کے والدین، استاذ یا شیخ سے شکایت کر سکتا ہے جو اقتلاً اس کی اصلاح کر سکتا ہو۔ اور جہاں اصلاح مقصود نہ ہو بلکہ ذلیل کرنا یا پٹائی کروانے کا جذبہ ہو تو پھر یہ ”نمیمہ“ ہے۔ ۱۲۴۔

۱۲۲۔ وفي معراج الدراریہ وجہ مناسبة عذاب القبر مع ترک استنواہ البول هو أن القبر أول منزل من منازل الآخرة والاستنواہ أول منزل من منازل الطهارة والصلاة أول ما يحاسب به المزیوم القيامة فكانت الطهارة أول ما يعذب عندها فی أول منزل من منازل الآخرة الخ، البحر الرائق، ج: ۱، ص: ۱۲۰، وفیض الباری، ج: ۱، ص: ۳۱۰۔

۱۲۳۔ المعجم الاوسط للطبرانی، ج: ۲، ص: ۲۳۰، رقم: الحديث ۱۸۵۹۔

۱۲۴۔ ہی نقل کلام الناس۔ والمراد منه هنا ما كان بقصد الاضرار، فاما ما اقتضى فعل مصلحة أو ترک مفسدة فهو مطلوب۔ قال النووي: وهي نقل کلام الغير بقصد الاضرار، وهي من أقبح القبائح، فتح الباری، ج: ۱، ص: ۳۱۹۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں افشاء راز بھی اسی میں داخل ہے، اگر کسی کا راز فاش کیا کہ وہ اپنی بات کسی وجہ سے چھپانا چاہتا ہے، آپ نے کہا ہم سے چھپاتا ہے ہم اس کو ساری دنیا میں مشہور کر دیں گے، تو یہ بھی ”نمیمہ“ ہے۔

قبر پر شاخ گاڑنا

”ثم دعا بجريدة يكسرها كسرتين“ پھر آپ ﷺ نے ایک شاخ منگوائی اور اس کے دو ٹکڑے کئے ”فوضع على كل قبر منهما كسرة“ اور ہر ایک قبر پر ایک شاخ گاڑ دی۔

فقليل له: يا رسول الله لم فعلت هذا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”لعله أن يخفف عنهما ما لم ييبسا“ شاید ان سے عذاب میں تخفیف کر دی جائے جب تک کہ یہ خشک نہ ہوں۔ تو فرمایا کہ تر شاخ جب تک تر ہے اللہ ﷻ کی تسبیح کرتی ہے، جب وہ تسبیح کرے گی تو اس کا فائدہ صاحب قبر کو بھی پہنچے گا لیکن یہ سب قیاسی توجیہات و تاویلات ہیں جس کی حدیث سے کوئی دلیل نہیں ہے۔

سیدھی سی بات یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے یہ عمل فرمایا اور آپ کو یہ اور علم عطا فرمایا گیا کہ ان شاخوں کے گاڑنے کی وجہ سے اللہ ﷻ کی طرف سے عذاب میں تخفیف کا امکان اور احتمال ہے۔ چونکہ یہ علم حاصل کرنے کا کسی کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے اس لئے یہ بات قابل تقلید بھی نہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی بھی نہیں۔ اس روایت کو بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔ ۱۳۵

لیکن کسی سے یہ مروی نہیں ہے کہ انہوں نے مرنے والے کی قبر پر شاخ گاڑنے کا اہتمام کیا ہو، سوائے حضرت بریدہؓ کے کہ ان سے شاخ گاڑنے کی بات منقول ہے۔

میرے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر حدیث کو اس کے محل پر رکھنا چاہئے جس حد تک وہ ثابت ہے، محل یہ ہے کہ سارے ذخیرہ حدیث میں ایک یا دو واقعہ آیا ہے جہاں آپ ﷺ نے شاخیں گاڑیں۔ حضور اقدس ﷺ کے عہد مبارک میں کتنے ہی لوگ وفات پاتے رہے، آپ ﷺ ان کی تنہیں و تکفین میں بھی شریک ہوئے لیکن کہیں یہ عمل مذکور نہیں ہے، صرف ایک یا دو جگہ اس طرح اور وہاں بھی آپ ﷺ نے بطور احتمال فرمایا ہو ”لعله أن يخفف عنهما ما لم ييبسا“ اس سے یہ بات واضح طور پر ثابت

۱۳۵ وأخرجه مسلم في الطهارة عن أبي سعيد الأشج وأبي كريب وإسحاق بن إبراهيم ثلاثهم عن وكيع به. وأخرجه الترمذي فيه عن قتيبة وهناد وأبي كريب، ثلاثهم عن وكيع به. وأخرجه أبو داود في حديث عن زهير بن حرب وهناد بن السري. كلاهما عن وكيع به. وأخرجه النسائي فيه، وفي التفسير عن هناد عن وكيع به وفي الجناز عن هناد عن معاوية به. وأخرجه ابن ماجه في الطهارة عن أبي بكر بن أبي شيبة عن أبي معاوية ووكيع به.

ہو جاتی ہے کہ یہ عمل اگرچہ جائز ہے، لیکن سنت جاریہ اور عادت مستقلہ بنانے کی چیز نہیں۔
 اگر کوئی شخص زندگی میں ایک آدھ مرتبہ ایسا کرے تو کوئی حرج نہیں، اس احتمال کے تحت شاید اللہ ﷻ اس کی برکت سے عذاب میں تخفیف فرمادیں۔ ایک آدھ مرتبہ کر لینے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس کو معمول بنالینا، سنت سمجھ لینا اور شاخوں سے آگے بڑھ کر پھولوں تک پہنچ جانا اور پھولوں سے آگے بڑھ کر پھولوں کی چادر تک پہنچ جانا، اس کا کوئی ثبوت اور جواز نہیں۔

(۵۶) باب ما جاء فی غسل البول

پیشاب کے دھونے کے متعلق کیا منقول ہے

”وقال النبی ﷺ لصاحب القبر: ((کان لا یستتر من بولہ)) ولم یذکر سوی بول

الناس“.

اس باب میں بول کی نجاست کا بیان کرنا مقصود ہے اور یہ بیان کرنا کہ اس نجاست کا ازالہ غسل کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اس میں تعلیقاً اسی حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جو پہلے گزر چکی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک صاحب قبر کے بارے میں فرمایا تھا ”کان لا یستتر من بولہ“.

امام بخاری رحمہ اللہ نے آگے ایک جملہ بڑھا دیا ”ولم یذکر سوی بول الناس“ کہ نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا کہ یہ اس شخص کو عذاب ہو رہا ہے جو اپنے پیشاب سے احتراز نہیں کرتا تھا ”من بولہ“ فرمایا، تو انسان کے بول کا ذکر کیا ہے جانوروں کے بول کا ذکر نہیں کیا۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس سے اس بات پر استدلال کرنا چاہتے ہیں کہ انسان کا بول تو ناپاک ہے، لیکن دوسرے دواب کا بول ناپاک نہیں ہے، اس بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ آگے مستقل باب قائم کریں گے، وہاں اس کی تفصیل آجائے گی۔

۲۱۷۔ حدثنا یعقوب بن ابراہیم قال : حدثنا إسماعیل بن ابراہیم قال : حدثنی

روح ابن القاسم قال : حدثنی عطاء بن ابي ميمونة عن أنس بن مالک قال : کان النبی ﷺ

إذا تبرز لحاجته أتیتہ بماء فیغتسل بہ . [راجع : ۱۵۰]

پیشاب ناپاک ہے انسان کا ہو یا حیوان کا

یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ جب اپنی حاجت کے لئے تشریف لے جاتے تو میں آپ ﷺ کے پاس پانی لے جاتا تھا، آپ ﷺ اس سے دھوتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ

پیشاب نجس ہے اور اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو غسل کیا جائے اور یہ ترجمۃ الباب کا مقصود ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ آپ ﷺ نے حدیث عذاب قبر میں صرف انسان کے بول کا ذکر فرمایا، تو اس سلسلے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہاں صرف انسان کے بول کا ذکر تھا، دوسرے دواب کے بول کا ذکر وہاں پر غیر متعلق تھا، اس واسطے آپ ﷺ نے اس کا ذکر نہیں فرمایا، لیکن دوسرے دلائل میں بول کا لفظ عموم کے معنی میں استعمال ہوا ہے، ہر قسم کے پیشاب کے لئے یہی حکم دیا گیا ہے جیسے ”استنزھوا من البول فان عامة عذاب القبر منه“ مستدرک حاکم کی روایت ہے، ۱۴۶

لہذا حدیث باب سے دواب کے بول کے پاک ہونے پر استدلال ضعیف اور کمزور ہے۔ ۱۴۷

باب:

۲۱۸۔ حدثنا محمد بن المثنی قال : حدثنا بن خازم قال : حدثنا الأعمش ، عن مجاهد ، عن طاؤس ، عن ابن عباس قال : مر النبي ﷺ بقبرین فقال : ((إنهما لیعذبان وما یعذبان فی کبیر ، أما أحدهما فکان لا یستتر من البول ، وأما الآخر فکان یمشی بالنمیمة)) ثم أخذ جریدة رطبة فشقها نصفین فغرز فی کل قبر واحدة ، قالوا : یا رسول الله لم فعلت ؟ قال : ((لعله یخفف عنهما ما لم یبسا)) قال ابن المثنی : وحدثنا وکیع قال : حدثنا الأعمش قال : سمعت مجاهدا مثله . [راجع : ۲۱۶]

پہلے امام اعمش رحمہ اللہ نے ”عن مجاہد“ کہا تھا اب یہاں دوسرا متابع ذکر کر دیا کہ ”سمعت مجاہدا“، اعمش رحمہ اللہ نے سماع کی تصدیق کی ہے، اعمش رحمہ اللہ چونکہ مدلس ہیں، اس لئے اس روایت کا ایک متبع ذکر کر دیا جس میں صراحت ہے کہ اعمش رحمہ اللہ نے یہ حدیث مجاہد رحمہ اللہ سے سنی ہے، یہاں چونکہ تدلیس کا کوئی شائبہ نہیں ہے اس لئے ذکر کر دیا۔

(۵۷) باب ترک النبی ﷺ والناس الأعرابی

حتى فرغ من بوله فی المسجد

نبی ﷺ اور سب لوگوں کا اعرابی کو مہلت دینا تا کہ وہ اپنے پیشاب سے

۱۴۶ عن ابی ہریرۃ أن رسول الله ﷺ قال استنزھوا من البول فان عامة عذاب القبر منه ، المستدرک علی

الصحيحین، ج: ۱، ص: ۲۹۳، رقم: ۶۵۳.

۱۴۷ سنن الدارقطنی، ج: ۱، ص: ۱۲۸، رقم: ۷.

جو مسجد میں کر رہا تھا فارغ ہو جائے

یہ باب قائم کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ اور دوسرے لوگوں کا مسجد میں اعرابی کو چھوڑ دینا یہاں تک کہ وہ پیشاب سے فارغ ہو جائے۔

۲۱۹۔ حدثنا موسى بن إسماعيل، قال: حدثنا همام قال: أخبرنا إسحاق، عن أنس أن النبي ﷺ رأى أعرابيا يبول في المسجد فقال: ((دعوه)) حتى إذا فرغ، دعا بماء فصبه عليه. [أنظر: ۲۲۱، ۲۵۰، ۶۰۲، ۱۳۸]

یہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اس میں وہ مشہور واقعہ ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک اعرابی کو مسجد میں پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا ”دعوه“ اس کو چھوڑ دو۔

اس روایت میں ہے کہ جب پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تو لوگوں نے اس کو برا بھلا کہنا شروع کیا، آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو ”حتی إذا فرغ دعا بماء فصبه عليه“ آپ ﷺ نے پانی منگوا یا اور اس جگہ پر بہا دیا۔

یہاں مقصود یہ ہے کہ ایک ناواقف آدمی، دیہاتی اور ان پڑھ ایک غلطی کا ارتکاب کر بیٹھا کہ اس نے مسجد کے اندر پیشاب کرنا شروع کر دیا، لوگوں نے جب اس کو ڈانٹنا شروع کیا تو آنحضرت ﷺ نے ان کو منع فرمایا اور فرمایا کہ پانی بہا دو۔

اگلی حدیث میں آرہا ہے کہ فرمایا ”انما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین“ تمہیں آسانی پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے تنگی کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے۔

اس کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اگر کوئی مسجد میں پیشاب کرنے بیٹھے تو اس کو منع نہ کیا جائے بلکہ مقصود ”اہون البلیتین“ کو اختیار کرنا ہے، وہ شخص پیشاب کرنا شروع کر چکا تھا اور پیشاب کرنے کا مقصد جان بوجھ کر مسجد کی بے حرمتی کرنا نہیں تھا، بلکہ اس نے ناواقفیت کی وجہ سے یہ کام کیا تھا۔

۱۳۸۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب وجوب غسل البول وغيره من النجاسات الخ، رقم: ۴۲۷-۴۲۹، وسنن الترمذی، كتاب الطهارة عن رسول الله، باب ماجاء في البول يصيب الأرض، رقم: ۱۳۷، وسنن النسائي، كتاب الطهارة، باب ترك التوقيت في الماء، رقم: ۵۴، وكتاب المياه، باب التوقيت في الماء، رقم: ۳۲۷، وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب آخر وقت المغرب، رقم: ۵۲۱، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أنس بن مالك، رقم: ۱۶۳۹، ۱۶۸۹، ۱۲۳۸، ۱۲۵۱۵، ۱۲۸۸۹، وموطأ مالك، كتاب الطهارة، باب ماجاء في البول قائما وغيره، رقم: ۱۲۹، وسنن الدارمي، كتاب الطهارة، باب البول في المسجد، رقم: ۷۳۳۔

اب دور راستے تھے ایک راستہ تو یہ تھا کہ اس کو بیچ میں ہی روکا جاتا یعنی پیشاب سے فارغ ہونے سے پہلے ہی اسے کہا جاتا کہ یہاں سے ہٹو، اس صورت میں ایک اندیشہ تو خود اس کے لئے تھا کہ پیشاب بند ہونے کی تکلیف ہوتی اور دوسرا اندیشہ یہ تھا کہ جب یہ اٹھ کر جائے گا تو ایک جگہ تو ملوث ہو چکی ہے جب یہ جائے گا تو تقاطر ہوگا جس کی وجہ سے دوسری جگہیں بھی ملوث ہوں گی۔

دوسرا راستہ یہ تھا کہ جب اس نے شروع کر دیا ہے تو اب اس کو پورا کرنے دیں اور پورا کرنے کے بعد اس کا مداوا کریں، یہ ”بلية“ پہلے کی بہ نسبت ”اھون“ تھا، اس واسطے آنحضرت ﷺ نے ”اھون البلیتین“ کو اختیار فرمایا۔

نیز ڈانٹنے سے بھی اس لئے منع فرمایا کہ وہ شخص جان بوجھ کر مسجد کی بے حرمتی نہیں کر رہا تھا، بلکہ ناواقفیت میں کر رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ جو شخص ناواقفیت میں پہلی مرتبہ کوئی غلطی کر رہا ہو تو اس کو ڈانٹنا نہیں چاہئے بلکہ سمجھا بجا کر فہمائش کے ذریعے اس کو صحیح بات بتانی چاہئے۔

(۵۸) باب صب الماء علی البول فی المسجد

پیشاب پر مسجد میں پانی ڈالنے کا بیان

۲۲۰۔ حدثنا أبو الیمان قال : أخبرني شعيب ، عن الزهري ، قال : أخبرني عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود : أن أبا هريرة قال : قام أعرابي ، فبال في المسجد ، فتناوله الناس ، فقال لهم النبي ﷺ : ((دعوه وهرقوا على بوله سجلا من ماء ، أو ذنوبا من ماء ، فإنما بعثتم ميسرين ولم تبعثوا معسرين)) . [أنظر : ۶۱۲۸، ۱۳۹]

۲۲۱۔ حدثنا عبد ان قال : أخبرنا عبد الله قال : أخبرنا يحيى بن سعيد قال : سمعت أنس بن مالك عن النبي ﷺ .
یہ وہی واقعہ ہے اور اس میں نسبتاً زیادہ تفصیل ہے۔

۱۳۹ ولی سنن الترمذی، کتاب الطہارۃ عن رسول اللہ، باب ماجاء فی البول یصیب الأرض، رقم: ۱۳۷، و سنن النسائی، کتاب الطہارۃ، باب ترک التوقیت فی الماء، رقم: ۵۶، و کتاب المیاہ، باب التوقیت فی الماء، رقم: ۳۲۸، و سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب الأرض یصیبها البول، رقم: ۳۲۳، و سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ و سننہا، باب الأرض یصیبها البول کیف تغسل، رقم: ۵۲۲، و مسند أحمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند ابی ہریرۃ، رقم:

باب یهريق الماء على البول

پیشاب پر پانی بہانے کا بیان

وحدثنا خالد قال : وحدثنا سليمان ، عن يحيى بن سعيد قال : سمعت أنس بن مالك قال : جاء أعرابي فبال في طائفة المسجد ، فزجره الناس ، فنهاهم النبي ﷺ فلما قضى بوله ، أمر النبي ﷺ بذنوب من ماء فهريق عليه .
”ذنوب“ کے معنی ڈول کے ہیں۔

(۵۹) باب بول الصبيان

بچوں کے پیشاب کا بیان

۲۲۲۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال : أخبرنا مالك ، عن هشام بن عروة ، عن أبيه ، عن عائشة أم المؤمنين ، أنها قالت : أتى رسول الله ﷺ بصبي فبال على ثوبه ، فدعا بماء فاتبعه إياه . [أنظر : ۵۴۶۸ ، ۶۰۰۲ ، ۶۳۵۵ ، ۱۵۰]
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک بچہ لایا گیا، اس بچے نے آپ ﷺ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا آپ ﷺ نے پانی منگوایا ”فاتبعه إياه“ لفظی معنی ہیں اس پانی کو اس کے پیچھے لگایا یعنی اس پانی سے کپڑے کو دھویا۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ یہ بچہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تھے اور بعض روایات میں حضرت حسینؑ میں سے کسی کا ذکر آیا ہے بہر صورت کوئی بھی ہوں، آپ ﷺ نے پانی منگوایا اور اس پیشاب کو دھویا۔

۲۲۳۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال : أخبرنا مالك عن ابن شهاب ، عن عبيد الله بن عبد الله بن عتبة ، عن أم قيص بنت محصن : أنها أتت بابن لها صغير لم يأكل الطعام ، إلى رسول الله ﷺ فأجلسه رسول الله ﷺ في حجره ، فبال على ثوبه ، فدعا بماء فنضحه ،

۱۵۰۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب حكم بول الطفل الرضيع وكيفية غسله، رقم: ۴۳۰، وسنن النسائي، كتاب الطهارة، باب بول الصبي الذي لم يأكل الطعام، رقم: ۳۰۱، وسنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في الصبي يولد فيؤذن في أذنه، رقم: ۴۴۲، وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب ماجاء في بول الصبي الذي لم يطعم، رقم: ۵۱۶، ومسند أحمد، باقي مسند الانصار، باب حديث السيدة عائشة، رقم: ۲۳۰۶۲، ۲۳۱۲۲، ۲۳۵۸۶، وموطأ مالك، كتاب الطهارة، باب ماجاء في بول الصبي، رقم: ۱۲۷.

ولم يغسله. [انظر: ۵۶۹۳: ۱۵۱]

حضرت ام قیس بن محسن ؓ اپنے چھوٹے بچے کو لے کر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آئیں جس نے ابھی کھانا نہیں شروع کیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کو اپنی گود میں بٹھایا، اس بچے نے آپ ﷺ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا، آپ ﷺ نے پانی منگوایا ”فنضحه ولم يغسله“ اس پر آپ ﷺ نے ”نضح“ فرمایا ”غسل“ نہیں فرمایا۔

اس حدیث کی وجہ سے امام شافعی رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ وہ بچہ جس نے ابھی کھانا نہ شروع کیا ہو، دودھ پیتا ہو، ایک روایت کے مطابق اس کا پیشاب ناپاک ہی نہیں ہے اور ایک روایت کے مطابق ناپاک ہے لیکن اس کی طہارت کے لئے غسل ضروری نہیں، چھینٹا مار دینا کافی ہے کیونکہ یہاں ”نضح“ کا ذکر آیا ہے۔ ۱۵۲ حنفیہ کے نزدیک ایسے بچے کا پیشاب ناپاک ہے اور ”نضح“ غسل خفیف کے معنی میں ہے یعنی معمولی دھولینا بھی کافی ہے، خوب اچھی طرح مل کر دھونے کی ضرورت نہیں۔

بعض روایتوں میں یہ تفصیل بھی ہے ”ینضح بول الغلام ویغسل بول الجاریہ“ بچی کے پیشاب کو دھونا چاہئے اور بچہ کے پیشاب کو ”نضح“ کرنا چاہئے۔
حنفیہ کہتے ہیں کہ بول غلام میں ”نضح“ سے غسل خفیف مراد ہے اور بول جاریہ میں غسل شدید مراد ہے، یعنی ایسا غسل جس میں دلک بھی شامل ہو۔

دونوں میں فرق یہ ہے کہ بہ نسبت لڑکے کے پیشاب کے لڑکی کے پیشاب میں رطوبت زیادہ ہوتی ہے اس واسطے لڑکی کے بارے میں غسل شدید کا حکم دیا گیا اور لڑکے کے بارے میں غسل خفیف کا۔ ۱۵۳

۱۵۱ وفی صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب حکم بول الطفل الرضيع وکیفۃ غسله، رقم: ۴۳۲، وکتاب السلام، باب التداوی بالعود الہندی وهو الکست، رقم: ۴۱۰۳، وسنن الترمذی، کتاب الطہارۃ عن رسول اللہ، باب ماجاء فی نضح بول الغلام قبل أن یطعم، رقم: ۶۶۰، وسنن النسائی، کتاب الطہارۃ، باب بول الصبی الذی لم یأکل الطعام، رقم: ۳۰۰، وسنن أبی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب بول الصبی یصیب الثوب، رقم: ۳۱۹، وسنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ وسننہا، باب ماجاء فی بول الصبی الذی لم یطعم، رقم: ۵۱۷، ومسند أحمد، باقی مسند الانصار، باب حدیث ام قیس بنت محسن اخت عکاشۃ بن محسن، رقم: ۲۵۷۶، وموطا مالک، کتاب الطہارۃ، باب ماجاء فی بول الصبی، رقم: ۱۲۸، وسنن الدارمی، کتاب الطہارۃ، باب بول الغلام الذی لم یطعم، رقم: ۷۳۴۔

۱۵۲ المجموع، ج: ۲، ص: ۵۴۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۷ھ۔

۱۵۳ عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ”قلت: قوله ﷺ: صبوا علیہ الماء صبا“ صریح فی ما ذهب الیہ أبو حنیفۃ من وجوب غسل بول الغلام، لمافیہ من الأمر بالصب بالمبالغة والصب نوع من الغسل كما قلنا. اعلاء السنن، ج: ۱، ص: ۴۱۰، وشرح معانی الآثار، ج: ۱، ص: ۹۲، مطبوعہ دار المکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۳۹۹ھ۔

جن روایتوں میں ”نضح“ کا لفظ ہے حنفیہ کہتے ہیں کہ یہ غسل خفیف کے معنی میں ہے، جس کی دلیل یہ ہے کہ آگے ”باب غسل الدم“ میں حضرت اسماء کی حدیث آرہی ہے ”جاءت امرأة النبي ﷺ فقالت: أرايت أحدا نأ تحيض في الثوب كيف تصنع؟ قال: تحته ثم تقرصه بالماء و تنضحه و تصلی فیہ“۔

یہاں ”نضح“ کا لفظ آیا ہے لیکن امام شافعی رحمہ اللہ بھی یہاں ”نضح“ سے غسل مراد لیتے ہیں، فرق اتنا ہے کہ بول کے بارے میں آگے ”لم يغسله“ کہا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ غسل میں مبالغہ نہیں کیا، غسل خفیف کیا ہے۔

(۶۰) باب البول قائما و قاعدا

کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر پیشاب کرنے کا بیان

۲۲۴۔ حدثنا آدم قال: حدثنا شعبة، عن الأعمش، عن أبي وائل، عن حذيفة قال: أتى النبي ﷺ سباطة قوم فبال قائما، ثما دعا بماء فجثته بماء فتوضأ. [أنظر: ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸]

حضرت حذیفہ ؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک قوم کی سباط پر تشریف لے گئے۔

”سباطہ“ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کوڑے وغیرہ کا ڈھیر ہوتی ہے۔ وہاں تشریف لائے اور کھڑے ہو کر پیشاب کیا، پھر پانی منگوا یا اور وضو فرمایا ”بال قائما“ سے معلوم ہوا کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی بھی اجازت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”نہی عن البول قائما“ کے بارے میں کوئی بھی حدیث صحیح ثابت نہیں ہے، بول قائم کی نفی یا نہی سے متعلق جتنی روایات آئی ہیں وہ سب ضعیف ہیں۔ البتہ اتنی بات ثابت ہے جیسا کہ ترمذی میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ”ما كان يبول الا قاعدا“ کہ

۱۵۳۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب المسح على الخفين، رقم: ۴۰۲، وسنن الترمذی، كتاب الطهارة عن رسول الله، باب الرخصة في ذلك، رقم: ۱۳، وسنن النسائي، كتاب الطهارة، باب الرخصة في ترك ذلك، رقم: ۲۶، ۱۸۔ ۲۸، وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب البول قائما، رقم: ۲۱، وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة و سننها، باب ماجاء في البول قائما، رقم: ۳۰۱، ومسند أحمد، باقي مسند الانصار، باب حديث حذيفة بن اليمان عن النبي، رقم:

۲۲۱۵۷، ۲۲۲۵۵، ۲۲۳۲۳، وسنن الدارمي، كتاب الطهارة، باب في البول قائما، رقم: ۶۶۶۔

آپ ﷺ ہمیشہ بیٹھ کر ہی پیشاب کرتے تھے۔ ۱۵۵

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اگرچہ قابل استدلال ہے لیکن اس میں آپ ﷺ کی عادت کا بیان ہے، نہ کہ ممانعت کا، لہذا زیادہ سے زیادہ کراہت تنزیہی ہی ثابت ہوگی، البتہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ چونکہ ہمارے زمانے میں یہ غیر مسلموں کا شعار بن چکا ہے اس لئے اس کی شاعت بڑھ گئی۔ ۱۵۶

تو عام عادت تو آپ ﷺ کی بیٹھ کر پیشاب کرنے کی تھی لیکن کبھی کبھڑے ہو کر کرنا بھی ثابت ہے جیسے یہاں پر ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر دونوں طرح پیشاب کرنا جائز ہے، البتہ عام معمول چونکہ نبی کریم ﷺ کا بیٹھ کر پیشاب کرنے کا تھا اس واسطے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو مکروہ تنزیہی کہا گیا ہے۔

یہاں آنحضرت ﷺ نے کھڑے ہو کر جو پیشاب کیا وہ یا تو بیان جواز کے لئے کیا یا بیٹھنے میں ”تلبیس فی النجاست“ کا اندیشہ تھا اور بیہقی کے اندر ایک روایت آئی ہے جس کے اندر یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے مابض میں درد تھا، مابض گھٹنے کے نیچے والے حصے کو کہتے ہیں۔ اس درد کی وجہ سے بیٹھنا مشکل تھا، اس لئے آپ ﷺ نے عذر کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔ ۱۵۷

بہر حال جو بات بھی پیش آئی معلوم یہ ہوا کہ عام عادت تو بیٹھ کر کرنے کی تھی اس لئے عام حالات میں بیٹھ کر پیشاب کرنا چاہئے البتہ اگر کبھی کھڑے ہو کر کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو اس کی بھی گنجائش ہے اور یہ بھی جائز ہے۔

(۶۱) باب البول عند صاحبه والتستر بالحائط

اپنے ساتھی کے پاس پیشاب کرنا اور دیوار سے آڑ کر لینے کا بیان

۲۲۵۔ حدثنا عثمان بن أبي شيبة قال: حدثنا جرير عن منصور، عن أبي

۱۵۵ ویدل علیہ حدیث عائشہ قالت: ما بال رسول الله ﷺ قائماً منذ أنزل عليه القرآن، رواه أبو عوانة في صحيحه والحاكم، فتح الباری، ج: ۱، ص: ۳۲۸، وبحديثها أيضاً "من حدثكم أنه كان يبول قائماً فلا تصدقوه، ما كان يبول الا قاعداً، والصواب أنه غير منسوخ، فتح الباری، ج: ۱، ص: ۳۳۰۔

۱۵۶ وفي الشامي أنه جائز، قلت: ويبلغى أضيف فيه في زماننا لأنه من شعار النصارى الخ، فيض الباری، ج: ۱، ص: ۳۱۷۔

۱۵۷ عن أبي هريرة أن النبي ﷺ قال قائماً من جرح كان بماضيه قال الامام رحمه الله تعالى وقد قيل كانت العرب تستشفى لوجع الصلب بالبول قائماً فلعله كان به إذ ذاك وجع الصلب الخ، سنن البيهقي الكبرى، ج: ۱، ص: ۱۰۱، مطبوعه مكتبة دار الباز، ۱۴۱۲ھ۔

وائل، عن حذيفة قال: رأيتني أنا و النبي ﷺ نتماشئ، فأتى سباطة قوم خلف حائط فقام كما يقوم أحدكم فبال، فانتبذت منه، فأشار إلي فجثته فقمتم عند عقبه حتى فرغ. [راجع: ۲۲۴]

”فانتبذت منه“ یعنی میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ پیشاب کرنا چاہتے ہیں تو میں آپ سے الگ ہو گیا ”فأشار إلي“ آپ نے مجھے اشارہ فرمایا ”فجثته“ میں آپ ﷺ کے پاس آ گیا ”فقمتم عند عقبه“ آپ کی اڑھیوں کے پاس کھڑا ہوا ”حتى فرغ“۔

(۶۲) باب البول عند سباطة قوم

کسی قوم کے گھورے (کوڑا کرکٹ) کے پاس پیشاب کرنے کا بیان

۲۲۶۔ حدثنا محمد بن عرعة قال: حدثنا شعبة، عن منصور، عن أبي وائل قال: كان أبو موسى الأشعري يشدد في البول ويقول: إن بني إسرائيل كان إذا أصاب ثوب أحدهم قرضه، فقال حذيفة: ليته أمسك، أتى رسول الله ﷺ سباطة قوم فبال قائماً. [راجع: ۲۲۴]

حدیث باب کی تشریح

حضرت ابو وائل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”کان أبو موسى الأشعري يشدد في البول“ حضرت ابو موسیٰ اشعری رحمہ اللہ بول کے بارے میں بہت تشدد کیا کرتے تھے اور مسلم کی روایت میں ہے کہ وہ اتنی تشدد کیا کرتے تھے کہ ایک شیشی ساتھ رکھتے تھے اور اس شیشی میں پیشاب کیا کرتے تھے تاکہ چھینٹیں وغیرہ پڑنے کا کوئی اندیشہ نہ ہو اور یہ کہتے تھے ”إن بني إسرائيل كان إذا أصاب ثوب أحدهم قرضه“ کہ بنی اسرائیل میں سے جب کسی کے کپڑے پر پیشاب لگ جاتا تھا تو وہ اس کو کاٹ دیتا تھا یعنی بنی اسرائیل کے لئے یہی حکم تھا کہ اگر کسی کے کپڑے پر پیشاب لگ جائے تو اس کو کاٹے بغیر اس کی طہارت نہیں ہوتی تھی، بلکہ بعض روایتوں میں یہاں تک آیا ہے کہ جسم پر لگ جاتا تو اس کو بھی کاٹتے، کاٹے بغیر طہارت نہیں ہوتی تھی۔

لیکن حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے، وہاں یہ حکم نہیں تھا کہ اگر جسم کو پیشاب لگ جائے تو اس کو کاٹیں بلکہ روایت میں اس کا ذکر آیا ہے کہ ان کے لئے عذاب یہ تھا کہ اگر انہیں پیشاب یا پاخانہ لگ جائے اور وہ اس کی صفائی نہیں کریں تو قبر میں ان کی جلد کو کاٹا جاتا تھا۔ ۱۵۸

۱۵۸ قولہ: قرضه وفي بعض الروايات الصحيحة قرض الجلد ايضاً كما مر وقد تحقق عندی أن هذا القرض يكون في القبر تعديلاً لأنه كان في الدنيا تشرعاً، فيض الباری، ج: ۱، ص: ۳۱۹۔

اور یہ بات مصنف ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ کی ایک روایت میں صراحۃً موجود بھی ہے کہ ایک یہودی عورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی، اس نے کہا کہ ہمارے ہاں یہ بات معروف ہے کہ اگر کوئی شخص پیشاب سے احتیاط نہ کرتا تو اس کو قبر میں یہ عذاب ہوتا ہے کہ اس کی جلد کاٹی جاتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پر تعجب کا اظہار کیا، رسول اللہ ﷺ نے آکر اس عورت کی تصدیق فرمائی کہ ہاں یہ عورت صحیح کہہ رہی ہے، اس لئے اس کاٹنے کا تعلق عذاب قبر سے ہے، یہ نہیں کہ دنیا میں یہ حکم ہو کہ ناپاکی لگ جائے تو جلد کو کاٹو۔ ۱۵۹۔

”فَقَالَ حَدِيْفَةُ“: حضرت حدیفہ بن یمان ؓ نے جب یہ سنا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ اتنا تشدد کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا ”لیتہ امسک“ کاش ابوموسیٰ اشعری ؓ اپنی اس بات سے رک جائیں، یہ جو تشدد کرتے ہیں کہ قاروۃ کے اندر پیشاب کرتے ہیں، کہیں اور نہیں کرتے، کاش کہ وہ اس سے رک جائیں اور پھر خود دلیل پیش کی کہ ”اَتَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ سَبَاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ“ رسول اللہ ﷺ ایک قوم کے کوڑے کے ڈھیر کے پاس آئے اور وہاں کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔

جب آپ ﷺ کا اس طرح کرنا ثابت ہے تو کسی اور کا تشدد کرنا بے معنی ہے، ان کو ایسا نہیں کرنا چاہئے، حضرت حدیفہؓ کا یہ مطلب ہے۔

ترجمۃ الباب سے مقصود بخاری رحمہ اللہ

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر جواب قائم کیا ہے ”بَابُ الْبَوْلِ عِنْدَ سَبَاطَةِ قَوْمٍ“ کسی قوم کے سباطہ کے پاس پیشاب کرنا، اس سے وہ ایک اشکال کا جواب دینا چاہتے ہیں اور ایک مسئلہ مستبط کرنا چاہتے ہیں۔

غیر کی ملکیت میں تصرف!

اشکال یہ ہوتا ہے کہ آپ سباطہ کے پاس تشریف لے آئے اور سباطہ کی اضافت قوم کی طرف ہے جس نے معلوم ہوتا ہے کہ سباطہ اس قوم کی ملکیت تھی، تو کسی دوسرے کی ملکیت میں تصرف کرنا، پیشاب کرنا کیسے درست ہوا؟

جواب

امام بخاری رحمہ اللہ اس کا جواب دے رہے ہیں کہ جب کوئی قوم کوئی جگہ سباطہ کے طور پر بناتی ہے تو

اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہاں کوڑا کرکٹ، نجاستیں اور پلید چیزیں ڈالی جائیں، جب مقصد ہی اس جگہ کا یہی ہے تو وہاں پیشاب کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ وہ جگہ وضع ہی اسی کام کے لئے ہے، اس سے پتہ چل گیا کہ اگر کسی قوم نے کوئی جگہ اس غرض کے لئے بنائی ہے کہ وہاں نجاستیں ڈالی جائیں اور لوگ وہاں پر قضاء حاجت کریں تو اس میں اجازت کی ضرورت نہیں ہے، یہ بیان کرنا مقصود ہے۔

لمحہ فکر یہ

اس سے اس بات کا اندازہ لگائیے کہ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے رسول کریم ﷺ کے ایک سباط پر پیشاب کرنے کے بارے میں یہ سوال اٹھایا کہ دوسرے کی ملکیت میں تصرف کرنا کیسے جائز ہوا؟ حالانکہ یہ ایک معمولی سی بات تھی لیکن پھر بھی سوال اٹھایا اور اس کا جواب بھی دیا، اس سے پتا چلا کہ شریعت میں دوسرے کی ملکیت میں تصرف کرنے کا معاملہ کتنا سنگین ہے اور کتنا بڑا گناہ ہے ”والناس عنه غافلون“۔
خاص طور پر جو ساتھی اکٹھے رہتے ہیں وہ اس چیز کا خیال نہیں رکھتے کہ دوسرے کی ملکیت میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف نہ ہو، زبردستی اور بغیر اجازت کے بھی تصرف کر لیتے ہیں، یہ سب گناہ ہے اور ناجائز ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔

(۶۳) باب غسل الدم

خون دھونے کا بیان

خون پاک کرنے کا طریقہ

بول کے بعد اب دم کے غسل کا ذکر ہے کہ دم بھی ناپاک ہے اور اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو دھویا جائے۔

۲۲۷۔ حدثنا محمد بن المثنی قال : حدثنا يحيى ، عن هشام ، قال : حدثني فاطمة ، عن أسماء قالت : جاءت امرأة النبي ﷺ فقالت : أرايت إحدانا تحيض في الشرب كيف تصنع ؟ قال : ((تحته ثم تفرصه بالماء و تنضحه و تصلي فيه)) .
[أنظر : ۳۰۷ [۶۰]

۱۶۰۔ وفي صحيح مسلم ، كتاب الطهارة ، باب نجاسة الدم و كيفية غسله ، رقم : ۴۳۸ ، وسنن الترمذی ، كتاب الطهارة عن رسول الله ، باب ما جاء في غسل دم الحيض ، رقم : ۱۲۸ ، وسنن النسائي ، كتاب الطهارة ، باب دم الحيض يصيب الثوب ، رقم : ۲۹۱ .

حدیث کی تشریح

اس میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی روایت نقل کی کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آکر کہا ”اِیْتِ اِحْدَانَا تَحِیْضُ فِی الثَّوْبِ“ یہ بتائیے کہ ہم میں سے کسی عورت کے کپڑے پر حیض لگ جاتا ہے ”کیف تصنع؟“ تو وہ کیا کرے؟

”قال: تحته ثم تقررہ بالماء و تنضحه و تصلی فیہ“۔

آپ ﷺ نے فرمایا پہلے وہ اس کو رگڑے ”حت یحت“ کے معنی ہیں رگڑنا، پھر فرمایا ”تقررہ“ پھر اس کو کھرچے، پھر اس کے اوپر پانی ڈالے اور پھر اس میں نماز پڑھ لے۔ یہاں ”تنضحه“ کے معنی پانی سے دھونے کے ہیں اور بول غلام اور جاریہ میں حنفیہ نے اسی سے غسل مراد لیا ہے، یہ حنفیہ کی تائید ہے۔

۲۲۸۔ حدثنا محمد قال: حدثنا أبو معاوية قال: حدثنا هشام بن عروة؟

عن أبيه، عن عائشة قالت: جاءت فاطمة ابنة أبي حبيش إلى النبي ﷺ فقالت: يا رسول الله، إنني امرأة أستحاض فلا أطهر، أفأدع الصلاة؟ فقال رسول الله ﷺ: ((لا، إنما ذلك عرق وليس بحيض، فإذا أقبلت حيضتك فدعي الصلاة، وإذا أدبرت فاغسلي عنك الدم ثم صلي)) قال: وقال أبي: ((ثم توضئي لكل صلاة حتى يجيء ذلك الوقت))۔ ۱۶۱

یہ حدیث اصل میں باب استحاضہ کی ہے وہاں دوبارہ آئے گی یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ”وإذا أدبرت فاغسلي عنك الدم ثم صلي“ خون کے دھونے کا حکم دیا۔ معلوم ہوا کہ خون ناپاک ہے اور اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو دھویا جائے۔

۱۱۱۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب المستحاضة وغسلها وصلاتها، رقم: ۵۰۱، وسنن الترمذی، كتاب الطهارة عن رسول الله، باب ما جاء في المستحاضة، رقم: ۱۱۶، وسنن النسائي، كتاب الحيض والاستحاضة، باب ذكر الاقراء، رقم: ۳۵۵، وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب من روى أن الحيضة إذا أدبرت لا تدع الصلوة، رقم: ۲۴۴، وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء في المستحاضة التي قد عدت أيام أقرانها، رقم: ۶۱۶، ومسنند أحمد، باقي مسند الأنصار، باب حديث السيدة عائشة، رقم: ۲۳۰۱۶، ۲۳۴۴۳، ۲۳۵۰۰، ۲۳۶۷۵، ۲۳۸۱۲، وموطأ مالك، كتاب الطهارة، باب المستحاضة، رقم: ۱۲۲، وسنن الدارمی، كتاب الطهارة، باب في غسل المستحاضة، رقم: ۷۷۷، ۷۷۸۔

(۶۴) باب غسل المنی وفرکھ وغسل ما یصیب من المرأة

منی دھونے اس کے رگڑنے اور اس تری کے دھونے کا بیان جو کہ عورت سے لگ جائے

منی کا دھونا اور اس کا کھرچ ڈالنا

بول اور دم کے بعد اب منی کا ذکر کرتے ہیں کہ منی کو بھی دھونا اور کھرچنا ضروری ہے اور عورت کے جسم سے اگر کوئی رطوبت لگ جاتی ہے تو اس کو بھی دھونا ضروری ہے۔

منی کی طہارت اور نجاست کے متعلق اختلاف

اس میں امام بخاری رحمہ اللہ نے جمہور کا مسلک اختیار کیا ہے، فرمایا ہے کہ جو یہ کہتے ہیں کہ منی ناپاک ہے اور اس کا دھونا ضروری ہے، حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ تینوں اس بات پر متفق ہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

طہارت منی پر شوافع کے دلائل

امام شافعی رحمہ اللہ منی کو طاهر کہتے ہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ بہت سی جگہوں پر منی کو کپڑے سے صاف کرنے کے لئے پانی کا استعمال نہیں کیا گیا بلکہ اس کو کھرچ کر صاف کر دیا گیا ہے، اگر یہ ناپاک ہوتی تو ہر حالت میں دھونے کا حکم ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے ایک اثر سے بھی استدلال کرتے ہیں جو ترمذی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے فرمایا ”المنی بمنزلة المخاط فامطه عنک ولو باذخرة“ کہ منی ناک کی ریزش کی طرح ہوتی ہے، تم اس کو اپنے پاس سے زائل کر دو، چاہے اذخر گھاس کے ایک ٹکڑے کے ذریعے کیوں نہ ہو۔ انہوں نے اس کو مخاط سے تشبیہ دیا اور مخاط بالاتفاق پاک ہے، لہذا منی بھی پاک ہے۔ ۱۶۲ اور استدلال بالقیاس کے طور پر امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہم منی کو کس طرح نجس کہہ سکتے ہیں، جبکہ انبیاء کرام جیسی مقدس اور پاکیزہ شخصیات کی تخلیق اسی سے ہوئی ہے، اور اللہ ﷻ نے حضرت آدم علیہ السلام کو

طہارتین یعنی الماء والطین سے پیدا کیا، لہذا ان کی نسل کی تخلیق بھی شئی طاہرہ ہی سے ہوگی، جو منی ہے۔ ۱۶۳۔

احناف کے دلائل

حنفیہ کا استدلال ان تمام مجموعہ روایات سے ہے جن میں منی کے فرک یا غسل، حت یا سلت کا حکم دیا گیا ہے، اس مجموعہ روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ منی کو کپڑے پر چھوڑنا گوارا نہیں کیا گیا، اگر یہ ناپاک نہ ہوتی تو کہیں نہ کہیں بیان جواز کے لئے یہ ثابت ہوتا کہ اُسے کپڑے یا جسم پر چھوڑ دیا گیا، اور شافعیہ کا ”فرک“ کو نظافت پر محمول کرنا اس لئے بعید ہے کہ اگر منی طاہر ہوتی تو پورے ذخیرہ احادیث میں کسی نہ کسی جگہ کم از کم بیان جواز ہی کیلئے اس کو قوالاً یا فعلاً طاہر قرار دیا جاتا۔

قرآن کریم میں منی کو ماء مہین کہا گیا ہے، یہ بھی اس کی نجاست کے لئے مؤید ہے۔ قیاس بھی مسلک حنفیہ ہی کو راجح قرار دیتا ہے کیونکہ ان کا کہنا یہ ہے کہ منی ناپاک ہے جس کی واضح دلیل یہ ہے کہ جن چیزوں کے خروج سے وضو واجب ہوتا ہے وہ سب بالاتفاق نجس ہیں، بول و براز، حیض، استحاضہ، مذی وغیرہ، تو جن چیزوں کے خروج سے غسل واجب ہوتا ہے وہ بطریق اولیٰ نجس ہوں گی۔

شوافع کے دلائل پر احناف کا جواب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس ایک اثر کے مقابلے میں دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار موجود ہیں جن میں غسل کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت انسؓ وغیرہم رضی اللہ عنہم سے اس قسم کے آثار منقول ہیں اور اس بارے میں سب سے زیادہ صریح اثر حضرت عمر بن الخطابؓ کا ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ میں مروی ہے۔ ۱۶۴۔

۲۲۹ — حدثنا عبدان قال : أخبرنا عبد الله . قال : أخبرنا عمرو بن ميمون

۱۶۴ قال الشافعي فإن قال قائل فما المعقول في أنه ليس بنجس فإن الله عز وجل بدأ خلق آدم من ماء وطين وجعلهما جميعا طهارة الماء والطين في حال الاعواز من الماء طهارة وهذا أكثر ما يكون في خلق أن يكون طاهراً وغير نجس وقد خلق الله تبارك وتعالى بني آدم من الماء الدافق فكان جل ثناؤه أعز وأجل من أن يبعث خلقاً من نجس مع ما وصفت مما دلت عليه سنة رسول الله ﷺ الخ، كتاب الأم، ج: ۱، ص: ۵۶.

۱۶۴ عن خالد بن ابى عزة قال سأل رجل عن عمر بن الخطاب فقال انى احتلمت على طنفسه فقال ان كان رطباً فاغسله وان كان يابساً فاحككه وان خفى عليك فارششه، مصنف ابن أبى شيبه، ج: ۱، ص: ۸۲، رقم: ۹۲۸، والدرایة فی تخریج احادیث الہدایة، ج: ۱، ص: ۹۲، ونصب الرایہ، ج: ۱، ص: ۲۱۰.

الجزری، عن سلیمان بن یسار، عن عائشة قالت: كنت أغسل الجنابة من ثوب النبي ﷺ فيخرج إلى الصلاة وإن بقع الماء في ثوبه. [أنظر: ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۵]

۲۳۰۔ حدثنا قتيبة قال: حدثنا يزيد قال: حدثنا عمرو عن سليمان قال: سمعت عائشة ح:

وحدثنا مسدد قال: حدثنا عبد الواحد قال: حدثنا عمرو بن ميمون عن سليمان بن يسار قال: سألت عائشة عن المني يصيب الثوب؟ فقالت: كنت أغسله من ثوب رسول الله ﷺ فيخرج إلى الصلاة وأثر الغسل في ثوبه بقع الماء. [راجع: ۲۲۹]

حدیث کی تشریح

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ دو حدیثیں لائے ہیں جن میں اس بات کی صراحت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب رسول کریم ﷺ کے کپڑوں پر مٹی لگ جاتی تھی تو آپ یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کو اس طرح دھوتی تھیں اور دھونے کے نشان رسول اللہ ﷺ کے کپڑوں پر ہوتے تھے اور آپ ﷺ اسی حالت میں نماز کے لئے تشریف لے جاتے تھے، تو یہاں پر دھونا ثابت ہوا۔

اب رہی یہ بات کہ بعض جگہ مٹی کا ”فرک“ بھی ثابت ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مٹی کا ظاہر ہونا لازم نہیں آتا بلکہ نجس ہونے کے بعد چیزوں کی تطہیر کے طریقے مختلف ہو سکتے ہیں، ضروری نہیں کہ کوئی چیز صرف دھونے سے ہی پاک ہو، بہت سی چیزیں دوسرے طریقے سے بھی پاک ہوتی ہیں مثلاً روئی ہے اگر روئی ناپاک ہو جائے تو اس کے پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو دھن دیا جائے، دھن دینا اس کی پاکی ہے۔ مٹی بھی ہے تو ناپاک لیکن اس کے پاک کرنے کے لئے ضروری نہیں کہ دھویا جائے اگر وہ مٹی غلیظ ہے اور گاڑھی ہے اور خشک ہو گئی ہے تو خشک ہونے کے بعد اس کا ”فرک“ کر دینا بھی کافی ہے، اگر وہ تر ہے یا رکیک ہے تو دھونا ضروری ہے۔

تو جن روایتوں میں ”فرک“ کا لفظ آیا ہے اس سے مراد یہ صورت ہے جب مٹی غلیظ ہو اور حضرت

۲۵۵ وفي صحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب حكم المني، رقم: ۴۳۶، وسنن الترمذی، كتاب الطهارة عن رسول الله، باب غسل المني من الثوب، رقم: ۱۰۹، وسنن النسائي، كتاب الطهارة، باب غسل المني من الثوب، رقم: ۲۹۳، وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب المني يصيب الثوب، رقم: ۳۱۸، وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة، باب المني يصيب الثوب، رقم: ۵۲۹، ومسند أحمد، باقي مسند الانصار، باب حديث السيدة عائشة رقم: ۲۳۰، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰

عبداللہ بن عباس ؓ کی یہی مراد ہے جو انہوں نے فرمایا ہے کہ ”المنی بمنزلة المخاط“ کہ وہ اس کو مخاط سے تشبیہ دے رہے ہیں کہ جس طرح نزول مخاط ہوتی ہے اسی طرح منی بھی ہوتی ہے اور جس طرح مخاط کو کھرچ کر الگ کیا جاسکتا ہے اسی طرح منی کو بھی کھرچ کر الگ کیا جاسکتا ہے، تو وہ تشبیہ صرف اس حد تک ہے۔

اس سے آگے نجاست اور طہارت میں تشبیہ دینا مقصود نہیں ہے۔ اس واسطے صحیح بات یہی ہے کہ منی ناپاک ہے اور عام حالات میں اس کو دھونا ہی ضروری ہے، الا یہ کہ کوئی منی غلیظ ہو اور خشک ہوگئی ہو۔

پہلے زمانہ میں لوگوں کی غذا ایں، خوراکیں خشک ہوتی تھیں اس واسطے منی بھی غلیظ ہوا کرتی تھی اور اس کا جرم ہوتا تھا اس لئے وہاں ”فروک“ کافی ہو جاتا تھا لیکن بعد میں منی کی رقت شائع ہوگئی اس واسطے اب دھونا ہی ضروری ہے۔ چنانچہ حدیث نقل کی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں جنابت کو دھویا کرتی تھی، جنابت سے مراد جنابت کا اثر ہے یعنی منی ”من ثوب النبی ؐ، فیخرج إلى الصلاة وإن بقع الماء فی ثوبہ“ آپ ؐ نماز کے لئے تشریف لے جاتے تھے جبکہ پانی کے دھبے آپ ؐ کے کپڑوں پر ہوتے تھے۔

”بَقْعَ - بَقْعَ“ کی جمع ہے اور ”بقع“ کے اصل معنی جگہ کے ہوتے ہیں، مراد وہ نشان ہے جو دھونے سے کسی چیز پر پڑ جاتا ہے، تو نشانات آپ ؐ کے کپڑوں پر موجود ہوتے تھے اور اس حالت میں آپ ؐ نکل جاتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے نزدیک منی یا بس کے لئے فرق بھی ایک قسم کا طریقہ تطہیر ہے، لیکن یہاں یہ واضح رہے کہ فرق منی کا جواز اس زمانہ سے متعلق تھا جبکہ منی غلیظ ہوتی تھی، جب سے رقت منی کا شیوع ہوا ہے اس وقت سے حنفیہ نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اب ہر حال میں غسل ضروری ہے۔ جواز فرق منی میں مذکورہ تفصیل ثوب سے متعلق ہے۔

لیکن اگر بدن پر منی خشک ہو جائے تو اس میں احناف کا اختلاف رہا ہے، صاحب ہدایہ نے دو قول نقل کئے ہیں:

پہلا قول جواز کا ہے، اور اسی کو صاحب درمختار نے اختیار کیا ہے۔

دوسرا قول عدم جواز کا ہے، کیونکہ روایات میں مسئلہ فرق میں صرف ثوب کا ذکر ہے، نیز حرارت بدن جاذب ہوتی ہے جس کی وجہ سے منی جسم میں جذب ہو جاتی ہے، اس لئے وہاں غسل ہی سے طہارت ہو سکے گی، علامہ شامی رحمہ اللہ نے اسی کو پسند کیا ہے، اور ہمارے مشائخ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، یہ تفصیل بھی اسی صورت میں ہے جبکہ منی غلیظ ہو، ورنہ رقت منی کے شیوع کے بعد غسل کے ضروری ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ ۱۶۶

۱۶۶ اعلیٰ السنن، ج: ۱، ص: ۳۸۱-۳۹۱، والہدایہ شرح البدایہ، ج: ۱، ص: ۳۵، والمبسوط للسرخسی، ج: ۱،

ص: ۸۱، والدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ، رقم: ۸۱، ج: ۱، ص: ۹۱۔

(۶۵) باب: إذا غسل الجنابة أو غيرها فلم يذهب أثره

جنابت وغیرہ کو دھوئے، مگر اس کا دھبہ نہ جائے

۲۳۱ - حدثنا موسى بن إسماعيل المنقري قال : حدثنا عبد الواحد قال : حدثنا عمرو بن ميمون قال : سمعت سليمان بن يسار في الثوب تصيبه الجنابة قال : قالت عائشة : كنت أغسله من ثوب رسول الله ﷺ ثم يخرج إلى الصلاة وأثر الغسل فيه بقع الماء. [راجع : ۲۲۹]

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ وہی مسئلہ بیان کرنا چاہتے ہیں جو ابھی بیان ہوا کہ کپڑے پر کوئی بھی نجاست لگی ہو اس کو دھونا ضروری ہے لیکن دھونے کے اندر اتنا کافی ہے کہ کپڑوں سے اس نجاست کا جرم ختم ہو جائے لیکن اگر دھونے کے باوجود اس کا تھوڑا بہت نشان رہ جائے تو وہ طہارت کے منافی نہیں، یہی اس ترجمۃ الباب سے مقصود ہے کہ اگر جنابت یعنی منیٰ کو دھویا ”او غیرہا“ یا اس کے علاوہ کسی اور نجاست کو دھویا ”فلم يذهب أثره“ اور دھونے کا نشان نہ گیا تو بھی کپڑا پاک ہو جاتا ہے۔

(۶۶) باب ابوال ابل والدواب والغنم ومرايضها

اونٹوں، چوپایوں اور بکریوں کے پیشاب کا بیان اور بکریوں کے باڑوں کا

”وصلی ابو موسی فی دار البرید والسرقرین والبرية الى جنبه ، فقال : ما هنا

و ثم سواء“.

پیچھے یہ بات گزری تھی کہ امام بخاری رحمہ اللہ غیر انسان کے بول کے سلسلے میں مستقل باب قائم کریں گے وہ یہ باب ہے کہ ابل کے ابوال اور دوسرے دواب، چوپایوں کے ابوال اور غنم کے ابوال و مرايضها اور غنم کے باڑوں میں نماز پڑھنے کا حکم؟

مقصود بخاری رحمہ اللہ

یہاں اس باب کے قائم کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ما کول اللحم (جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے) ابل اور غنم وغیرہ کے جو پیشاب ہیں وہ نجس نہیں ہوتے۔ اس مسئلے میں فقہاء کرام کے چار مذاہب ہیں: پہلا مذہب اکثر حنفیہ، اکثر شافعیہ اور اکثر حنابلہ کا ہے کہ پیشاب خواہ کسی بھی جانور کا ہو نجس ہے، پاخانہ کسی بھی جانور کا ہو نجس ہے ماسوائے پرندوں کی بیٹ کے۔

دوسرا مذہب اہل ظاہر کا ہے جو اس کے بالکل برعکس ہے، وہ کہتے ہیں انسان کے علاوہ جتنے بھی چوپائے ہیں ان میں سے کسی کا پیشاب بھی نجس نہیں ہے، یہاں تک کہ ماکول اللحم کی قید بھی نہیں لگاتے، ماکول اللحم ہو یا غیر ماکول اللحم ہو کسی کا پیشاب نجس نہیں ہے۔

تیسرا مذہب مالکیہ، بعض حنابلہ اور بعض شافعیہ کا ہے وہ کہتے ہیں کہ ماکول اللحم جانوروں کا پاخانہ اور پیشاب دونوں پاک ہیں، لہذا گائے، بکری، اونٹ اور اونٹنی ان سب کے پیشاب بھی پاک ہیں اور ان کے گوہر وغیرہ بھی پاک ہیں، یہ امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی ایک روایت بھی اس کے مطابق ہے، شافعیہ میں سے امام اصطخری اور الرویانی کا قول بھی یہی ہے اور حنفیہ میں سے امام محمد بن حسن رحمہ اللہ بھی بول کی حد تک یہی بات کہتے ہیں۔

چوتھا مذہب امام محمد رحمہ اللہ کا ہے جو بول و براز میں فرق کرتے ہیں کہ بول پاک ہے، براز پاک نہیں

ہے۔ ۱۶۷

اب بعض حضرات نے کہا کہ امام بخاری رحمہ اللہ یہاں امام مالک رحمہ اللہ کی تائید کرنا چاہتے ہیں اور دواب سے ان کی مراد ”ماکول اللحم“ دواب ہیں کہ اہل اور دواب جو ”ماکول اللحم“ ہیں ان کا پیشاب بھی پاک ہے، لیکن علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی ظاہری عبارت سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہل ظاہر کی تائید کرنا چاہتے ہیں یعنی ان کے نزدیک پیشاب کے پاک ہونے کے لئے جانور کا ”ماکول اللحم“ ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ ”غیر ماکول اللحم“ کے پیشاب کو بھی پاک کہتے ہیں۔ ۱۶۸

یہی وجہ ہے کہ پہلے بھی دو باب آیا تھا اس میں یہ کہا تھا کہ ”ولم يذكر سوى بول الناس“ تو بول الناس کے علاوہ جتنے بول ہیں ان کا ذکر نہیں کیا، اس لئے کہنا چاہتے ہیں کہ انسانوں کے بول کے علاوہ جتنے بول ہیں سب پاک ہیں۔ اور یہاں بھی اہل کا نام لیا اور آگے دواب کا لفظ مطلق استعمال کیا جس میں ”ماکول اللحم“ اور ”غیر ماکول اللحم“ کی کوئی تخصیص نہیں فرمائی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اہل ظاہر کے مسلک پر عامل ہیں۔

۱۶۷ أن مالكاً استدلل بهذا الحديث على طهارة بول ما يؤكل لحمة، وبه قال أحمد ومحمد بن الحسن والاصطخري الروياني الشافعيان. وقال أبو داود بن علي: بول كل حيوان ونحوه، وإن كان لا يؤكل لحمة، طاهر غير بول آدمي. وقال أبو حنيفة والشافعي وأبو يوسف وأبو ثور وآخرون كثيرون: الأبول كلها نجسة إلا ما عفى عنه، عمدة القاری،

ج: ۲، ص: ۶۵۹، وفيض الباری، ج: ۱، ص: ۳۲۵.

۱۶۸ فضل الباری، ج: ۲، ص: ۳۹۹.

آگے اپنے مذہب پر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ایک اثر سے استدلال کیا ہے، فرمایا ”وصلیٰ ابو موسیٰ فی دار البرید والسرّیین والبریۃ الی جنبہ، فقال: ماہنا وثم سواء۔“
یہ ایک واقعہ کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جب کوفہ کے گورنر تھے تو انہوں نے ایک مرتبہ دار البرید میں نماز پڑھی۔

دار البرید کا تعارف

دار البرید اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے خط لے جانے والی اونٹنیاں روانہ کی جاتی تھیں اور خط لانے والی اونٹیوں کو وصول کیا جاتا تھا۔
برید اصل میں اس اونٹی کو کہتے ہیں جو خط یا کوئی پیغام وغیرہ لے کر جائے، پہلے زمانے میں خط بھیجنے کا طریقہ یہی تھا کیونکہ ریل یا ہوائی جہاز وغیرہ تو نہیں تھے، اونٹیوں کے ذریعے خط بھیجے جاتے تھے لیکن یہ بڑی تیز رفتار اونٹنیاں ہوتی تھیں۔

ان کی تیز رفتاری کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب محمد بن قاسم رحمہ اللہ سندھ فتح کرنے کے لئے آئے، اس وقت حجاج بن یوسف بصرہ میں تھا اور محمد بن قاسم رحمہ اللہ سندھ میں جہاد کر رہے تھے، ان کے درمیان ڈاک کا سلسلہ تھا۔

مؤرخین لکھتے ہیں کہ بصرہ سے سندھ اور سندھ سے بصرہ تین دن میں ڈاک پہنچ جاتی تھی۔ آج ہوائی جہاز کے زمانے میں بھی بصرہ سے تیسرے دن خط نہیں پہنچ سکتا، ہفتے لگ جاتے ہیں لیکن ان تیز رفتار اونٹیوں کے ذریعے تیسرے دن ڈاک پہنچ جایا کرتی تھی۔ تو وہ جگہ جہاں پر اونٹنیاں کھڑی ہوتی تھیں، جہاں خطوط وصول کئے جاتے تھے اور روانہ کئے جاتے تھے اس کو ”دار البرید“ کہتے تھے۔

ظاہر ہے جب وہ دار البرید ہے وہاں اونٹنیاں ہوتی تھیں اور جب اونٹنیاں ہوتی تھیں تو ان کی قضاء حاجت کی جگہ بھی وہیں ہوتی تھیں، لہذا وہاں پر ان کا گوبر وغیرہ بھی ہوتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اسی دار البرید میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے نماز پڑھی۔

”والسرّیین والبریۃ الی جنبہ“ یعنی گوبر بھی ساتھ موجود تھا پھر بھی نماز پڑھی جبکہ کھلا صحرا آپؐ کے برابر میں تھا، صاف ستھرا صحرا تھا، بلکہ روایت میں آتا ہے کہ اس وقت کسی نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے کہا بھی کہ حضرت یہاں تو یہ گوبر وغیرہ پھیلا ہوا ہے، ادھر برابر کے صحرا میں چل کر نماز پڑھ لیجئے، لیکن انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ”ہنا و ثم سواء“ یہاں دار البرید میں پڑھنا اور وہاں بریۃ میں یعنی صحرا میں پڑھنا برابر ہے۔

گویا انہوں نے دونوں حکم میں کوئی فرق نہیں سمجھا بلکہ اسی دار البرید میں جہاں سرقین موجود تھا آپ نے نماز پڑھی۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال

امام بخاری رحمہ اللہ اس سے یہ استدلال کرنا چاہتے ہیں کہ وہ گوہر پاک تھا، اگر ناپاک ہوتا تو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ وہاں نماز نہ پڑھتے۔ ۱۶۹

جمہور کا جواب

جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ ظاہر ہے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا وہاں نماز پڑھنا کسی مصلے کے اوپر ہوگا، کوئی مصلیٰ بچھایا ہوگا اور اس پر نماز پڑھی ہوگی، بتانا یہ مقصود تھا کہ وہاں مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھنے اور یہاں مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔

استدلال اس وقت تام ہوگا جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ انہوں نے وہاں مصلیٰ نہیں بچھایا تھا، اور ظاہر یہی ہے کہ مصلیٰ بچھایا ہوگا کیونکہ طہارت و نجاست سے قطع نظر بھی ایک سلیم الطبع شخص گوہر کے ڈھیر پر کچھ بچھائے بغیر ویسے ہی نہیں کھڑا ہوگا، کوئی نہ کوئی چیز بچھائے گا تب ہی نماز پڑھے گا۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے کوئی چیز بچھائی ہوگی۔ ۱۷۰

اور اگر بالفرض کسی روایت سے یہ بات ثابت بھی ہو جائے کہ انہوں نے کچھ نہیں بچھایا تھا تب بھی زیادہ سے زیادہ یہ ابو موسیٰ اشعریؓ کا اپنا عمل ہوگا جبکہ بول سے تترہ کی احادیث مرفوعہ ہیں اور عام ہیں، لہذا ان کا ذاتی عمل احادیث مرفوعہ کے مقابلہ میں حجت نہیں بن سکتا۔ ۱۷۱

۲۳۳۔ حدثنا سليمان بن حرب قال: حدثنا حماد بن زيد، عن ايوب، عن أبي قلابه، عن أنس قال: قدم أناس من عكل أو عرينة فاجتروا المدينة فأمرهم النبي ﷺ بلقاح وأن يشربوا من أبو الهاء وألبانها فانطلقوا فلما صبحوا قتلوا راعي النبي ﷺ واستاقوا

۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱۔ قال ابن بطال: قوله: أبو ال الإبل والدواب، وافق البخاري فيه أهل الظاهر، وقاس بول ما يكون مأكولاً لحمة على بول الإبل، ولذلك قال: وصلى أبو موسى في دار البريد والسرقين، ليدل على طهارة أرواث الدواب وأبو الهاء، ولا حجة له فيها، لأنه يمكن أن يكون صلى على ثوب بسطه فيه أو في مكان يابس لا تعلق به نجاسة. وقد قال عامة الفقهاء: إن من بسط على موضع نجس بساطاً وصلى فيه إن صلاته جائزة، ولو صلى على السرقين بغير بساط لكان مذهباً له، ولم تجز مخالفة الجماعة به الخ، عمدة القاري، ج: ۲، ص: ۶۳۴.

النعم فجاء الخبر في أول النهار فبعث في آثارهم فلما ارتفع النهار جيء بهم ، فأمر بقطع أيديهم وأرجلهم ، وسمرت أعينهم وألقوا في الحرة يستسقون فلا يسقون ، قال أبو قلابة: فهؤلاء سرقوا وقتلوا وكفروا بعد إيمانهم ، وحاربوا الله ورسوله . [أنظر: ۱۵۰۱ ، ۳۰۱۸ ، ۳۱۹۲ ، ۳۱۹۳ ، ۳۶۱۰ ، ۵۶۸۵ ، ۵۶۸۶ ، ۵۷۲۷ ، ۶۸۰۲ ، ۶۸۰۳ ، ۶۸۰۴ ، ۶۸۰۵ ، ۶۸۹۹ ، ۷۷۲]

حدیث کی تشریح

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں عربین کی مشہور حدیث روایت کی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”قدم أناس من عكل أو عرينة“ قبیلہ عكل یا عرينہ کے کچھ لوگ آئے ، روایات کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں قبیلوں کے لوگ تھے ، کچھ قبیلہ عكل کے اور کچھ عرينہ کے تھے۔

دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ آئے تھے تو بڑی فاقہ زدہ حالت میں تھے ، انتہائی لاغر ہو چکے تھے ، ہڈیاں نکلی ہوئی تھیں ، ان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں تھا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ٹھکانہ دے کر مدینہ منورہ میں ٹھہرایا ، ان کی غذا کا انتظام فرمایا یہاں تک کہ ان کی لاغری اور کمزوری دور ہو گئی اور خاصے صحت مند ہو گئے۔

”فاجتوا والمدینة“ جب رہتے ہوئے کچھ دن ہو گئے تو انہوں نے مدینہ منورہ کی آب و ہوا کو ناموافق پایا۔

”اجتوا“ کے ایک معنی تو یہی ہیں یعنی آب و ہوا کا ناموافق ہونا اور اسی معنی کی یہاں تائید ہوتی ہے کہ دوسری روایتوں میں آیا ہے ”استو خموا المدینة“ استخام کے معنی ہوتے ہیں کسی جگہ کا ناموافق ہونا اور

۱۲۱۱ فی صحیح مسلم ، کتاب القسامة والمجاریین والقصاص والديات ، باب حکم المحاربین والمرتدین ، رقم: ۳۱۶۲ ، وسنن الترمذی ، کتاب الطهارة عن رسول الله ، باب ماجاء فی بول ما يؤکل لحمه ، رقم: ۶۷۷ ، وسنن النسائی ، کتاب الطهارة ، باب بول ما يؤکل لحمه ، رقم: ۳۰۳ ، وکتاب تحریم الدم ، باب تأویل قول الله عز وجل انما جزاء الذين يحاربون ، رقم: ۳۹۵۸ ، ۳۹۶۳ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب الحدود ، باب ماجاء فی المحاربة ، رقم: ۳۷۹۸ ، وسنن ابن ماجه ، کتاب الحدود ، باب من حارب وسعی فی الارض فساداً ، رقم: ۲۵۶۸ ، وکتاب الطب ، باب أبوال الإبل ، رقم: ۳۴۹۳ ، ومسند أحمد ، باقی مسند المکثرین ، باب مسند انس بن مالک ، رقم: ۱۱۶۰۰ ،

۱۳۵۷۲ ، ۱۳۵۸۹ ، ۱۲۹۶۱ ، ۱۲۶۵۳ ، ۱۲۵۷۳ ، ۱۲۳۶۸ ، ۱۲۳۵۳ ، ۱۲۲۷۶ ، ۱۲۲۰۷ ، ۱۲۱۷۸

مضرحت ہونا۔

بعض حضرات نے اس کے یہ معنی کئے ہیں کہ ”اجتسوا“ کے معنی ہیں وہ مرض بخاری میں مبتلا ہو گئے، بخاری کے معنی ہیں سوزش اس سے مراد سوزش دماغ ہے۔ دماغ کی سوزش کا ایک یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ آدمی کو پیاس بہت زیادہ لگتی ہے، منکوں کے منکے خالی کر جاتا ہے پھر بھی پیاس نہیں بجھتی، جس کو عرف عام میں استسقاء کی بیماری کہتے ہیں۔ تو بعض لوگوں نے ”اجتسوا“ کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ وہ سوزش کے مرض میں مبتلا ہوئے جس کے نتیجے میں ان کی پیاس نہیں بجھتی تھی۔

”فامرہم النبی ﷺ بلقاح“ نبی کریم ﷺ نے ان کو اونٹنیوں کا حکم دیا اور یہ حکم دیا کہ وہ اونٹنیوں کے

دودھ کو پیئیں۔

دوسری روایات میں صراحت ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو اس جگہ بھیج دیا تھا جہاں صدقہ کے اونٹ رہا کرتے تھے اور یہ مدینہ منورہ کے جنوب میں قباء کی جانب چھ میل کے فاصلہ پر ایک جگہ تھی جس کا نام ذوالجدر تھا، وہاں صدقات کے اونٹ رہتے تھے، خود رسول اللہ ﷺ کی بعض اونٹیاں بھی وہاں رہتی تھیں۔

آنحضرت ﷺ نے ان کو وہاں بھیج دیا کہ وہاں چونکہ ذرا کھلی جگہ ہے، آب و ہوا تبدیل ہو جائے گی، اونٹیاں بھی موجود ہیں ان کا دودھ پیو اور روایات میں یہ بھی ہے کہ فرمایا ان کا پیشاب بھی استعمال کرو۔

”فانطلقوا“ یہ لوگ وہاں چلے گئے ”فلما صبحوا“ جب وہاں جا کر تندرست ہو گئے تو ”قتلو

راعیسی النبی ﷺ“ وہاں صدقات کے اونٹوں پر رسول کریم ﷺ کے جو راعی مقرر تھے، روایات میں ان کا نام یسار ﷺ آتا ہے، انہوں نے ان راعی کو قتل کر دیا ”واستاقوا النعم“ اور جو صدقات کے اور نبی کریم ﷺ کے اونٹ تھے وہ بھگا کر لے گئے۔

”فجاء الخبر فی اول النہار“ دن کے شروع میں رسول کریم ﷺ کے پاس یہ خبر پہنچ گئی ”فبعث

فی آثارہم“ آپ ﷺ نے ان کی تلاش میں لوگ بھیجے۔

روایت میں آتا ہے کہ حضرت کرز بن جابر الفہری ﷺ کو سردار بنا کر ان کی سرکردگی میں آپ ﷺ نے ایک دستہ روانہ کیا جس میں کچھ صحابہ کرام ﷺ تھے۔

چنانچہ اہل سیر اور اہل مغازی اس سریہ کو ”سریہ کرز بن جابر الفہری ﷺ“ کہتے ہیں۔

”فلما ارتفع النہار جمی بہم“ جب دن چڑھا تو ان کو پکڑ کر لایا گیا۔

دوسری روایات میں اس کی تفصیل اس طرح آئی ہے کہ جو حضرات ان کے تعاقب میں گئے تھے وہ دن بھر ان کو تلاش کرتے رہے لیکن ان کو کچھ سراغ نہ ملا، شام کے وقت انہوں نے ایک جگہ پڑاؤ ڈالا اور یہ سوچا کہ ابھی تو نہیں ملے اگلے دن پھر دیکھیں گے۔

جہاں پڑاؤ ڈالا تھا وہاں دیکھا کہ ایک عورت اپنے کندھے پر اونٹ کے کندھے کا تازہ تازہ گوشت لا رہی ہے، انہوں نے فوراً اس سے پوچھا کہ یہ گوشت کہاں سے لے کر آ رہی ہے؟ اس نے کہا کہ سامنے والے پہاڑ کے پیچھے کچھ لوگ ہیں جنہوں نے وہاں اونٹ ذبح کئے ہوئے ہیں اس میں سے انہوں نے مجھے بھی یہ گوشت دیا ہے، وہاں سے لے کر آ رہی ہوں۔ انہوں نے کہا کہ وہ آدمی کہاں ہیں؟ اس عورت نے کہا کہ پہاڑ کے پیچھے جائیں وہاں آپ کو ان کا دھواں نظر آ جائے گا، وہ عیش کر رہے ہیں اونٹ کا گوشت پکا رہے ہیں، مزے کر رہے ہیں۔

یہ حضرات وہاں گئے، جا کر دیکھا کہ دیگ چڑھی ہوئی ہے اور اونٹ ذبح کئے ہوئے ہیں، انہوں نے جا کر سب کو پکڑ لیا اور پکڑ کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔

”فامر بقطع ایدیہم وأرجلہم“ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دئے جائیں ”وسمّرت أعینہم“ اور ان کی آنکھیں داغ دی گئیں ”وألّقوا فی الحرّة“ اور اسی حالت میں ان کو حرہ میں ڈال دیا گیا، یعنی سیاہ پتھروں والی زمین پر جو مدینہ منورہ کے اطراف میں ہے ”یستسقون فلا یسقون“ وہ پانی مانگتے تھے مگر ان کو پانی نہ دیا جاتا تھا۔

حدیث باب سے مقصود بخاری

یہ حدیث حدیث عربین کے نام سے مشہور ہے، بہت سے فقہی مسائل اس سے متعلق ہیں، اور یہاں چار مباحث قابل ذکر ہیں:

۱۔ بول کی طہارت و نجاست۔

۲۔ مداوی بالمحرم کا حکم۔

۳۔ مثلہ حدود

اور

۴۔ مثلہ کا حکم۔

بول کی طہارت و نجاست

امام بخاری رحمہ اللہ کا یہاں اس حدیث کو لانے کا منشا بول مایوکل لحمہ کی طہارت کو ثابت کرنا ہے کیونکہ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ان کو البان ابل اور ابوال ابل پینے کا حکم دیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر ابوال ابل ناپاک ہوتے تو آپ ﷺ پینے کا حکم نہ دیتے۔

اور جمہور کہتے ہیں کہ ابوال اہل ناپاک ہیں۔

وہ اس حدیث کی مختلف توجیہات کرتے ہیں:

ایک توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ ابوال پینے کا حکم بطور علاج تھا، تدای کے طور پر تھا، اور تدای بالحرم اس سورت میں جائز ہے جب یہ معلوم ہو کہ مریض کا اس کے سوا کوئی علاج نہیں ہے۔

رسول کریم ﷺ کو شاید بذریعہ وحی یہ معلوم ہو گیا ہو کہ بجز ابوال اہل کے ان کے لئے کوئی اور دوا

نہیں ہے۔ ۳۷۱

دوسرا جواب بعض حضرات نے یہ دیا ہے کہ ”اشربوا من أبو الہا و البانہا“ میں تضمین ہے۔ اصل

میں یہ کہا کہ ”اشربوا من البانہا واستنشقوا من أبو الہا“ البان پین اور پیشاب سونگھیں، تو تضمین ہو گئی جیسے ”علفہ تبنا و ماء باردا“ اصل میں تھا ”وسقیتہ ماء باردا“۔

تضمین کے معنی ہوتے ہیں عامل مذکور کے معمول کو عامل محذوف کے معمول پر عطف کر دینا۔ تو یہاں بھی تضمین ہے اور اس کی ایک وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ متعدد حکماء مثلاً حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے بوعلی سینا کے حوالے سے لکھا ہے کہ استسقاء کی بیماری میں اونٹ کا پیشاب سونگھنا مفید ہوتا ہے۔ اور اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ بعض روایات میں یہاں سرے سے ابوال کا لفظ ہی نہیں ہے، ”اشربوا من البانہا“ آیا ہے۔ ہو سکتا ہے آپ ﷺ نے صرف البان کے پینے کا حکم دیا ہو ابوال کا ذکر راوی نے بطور تضمین کر دیا ہو۔ ۳۷۲

تیسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اول اسلام کا واقعہ ہو جب ابوال کے بارے میں اتنی تشدید نہیں آئی تھی، اگرچہ عام حالات میں نسخ کے لئے تاریخ کا علم ہونا ضروری ہوتا ہے، لیکن اگر تاریخ معلوم نہ ہو اور قرآن کافی ہوں تو کم از کم احتمال نسخ ثابت ہو جاتا ہے اور احتمال نسخ کی موجودگی میں کسی حدیث سے

۳۷۳ واجابوا عنہ بان ما فی حدیث العربین قد کان للضرورة، فلیس فیہ دلیل علی أنه یباح فی غیر حال الضرورة، لأن لمة أشياء ابیحت فی الضرورات ولم تبیح فی غیرها، كما فی لبس الحریر فانه حرام علی الرجال وقد ابیح لبسه فی الحرب أوللحکة أولشدة البرد اذا لم یجد غیره، وله امثال کثیرة فی الشرع، والجواب المقنع فی ذلک أنه، علیہ الصلاة والسلام، عرف بطریق الوحی شفاهم، والإستشفاء بالحرام جائز عند التیقن بحصول الشفاء، کتناول المیتة فی المنخصة الخ، عمدة القاری، ج: ۲، ص: ۶۳۹۔

۳۷۴ وایضاً عند البخاری فی باب البان الأثن ”قال کان المسلمون یتداوون بها (ای بابواب الابل ولا یرون بہ بأساً ولما عرف من أمر المسلمین أنهم کانوا یتداوون بها فلا سبق الی الذهن أن یرکون ما فی حدیث العربین ایضاً تدایاً وفی کلام بعض الاطباء أن راحة بول الإبل یفید الاستسقاء۔ وقال ابن سینا ان البان الإبل تفیده۔ فیض

استدلال ممکن نہیں رہتا اور یہاں قرائن موجود ہیں۔

قرائن یہ ہے کہ عربین کے واقعہ کے بارے میں اہل سیر و مورخین نے یہ کہا ہے کہ یہ واقعہ ۶ھ میں پیش آیا ہے جبکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۷ھ میں اسلام لائے ہیں، دوسری طرف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے ”استنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه“ یہ مستدرک حاکم میں ہے۔ ۵۷۱۔
اگرچہ حضرات متاخرین یہ کہتے ہیں کہ راوی کا متاخر الاسلام ہونا روایت کے متاخر ہونے کی دلیل نہیں ہے لیکن کم از کم قرینہ ضروری ہے، اس قرینہ کی وجہ سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حکم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے منسوخ ہوگا، لہذا نسخ کے احتمال کے موجود ہوتے ہوئے عمومی دلائل کو اس خاص واقعہ کی وجہ سے رد نہیں کیا جاسکتا۔ ۶۷۱۔

”تداوی بالمحرم“ کا حکم

اس حدیث میں دوسری بحث تداوی بالمحرم کی ہے، اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے۔
امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کا مسلک یہ ہے کہ کسی بھی حرام چیز سے علاج جائز نہیں ہے۔
امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا اصل مسلک بھی یہی تھا جو مذکور ہوا۔
یہ حضرات اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو حدیث میں آئی ہے ”ان الله لم يجعل شفاءكم فيما حرم عليكم“ کہ اللہ ﷻ نے تمہاری شفا کسی حرام چیز میں نہیں رکھی۔ ۷۷۱۔
اس مضمون میں بہت ساری حدیثیں ہیں جو میں نے ”تكملة فتح الملهم“ میں جمع کی ہیں، ان سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں۔
امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسکر کو بطور علاج استعمال کرنا تو کسی حال میں بھی جائز نہیں ہے البتہ محرمات غیر مسکر ہیں ان سے تداوی جائز ہے۔

۷۷۱۔ أخرجه ابن ماجه والدارقطني والحاكم في المستدرک. ورواه الحاكم في المستدرک من طريق أبي عوانة عن الأعمش عن أبي صالح أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أكثر عذاب القبر من البول كذا ذكره الحافظ للزيلعي رحمه الله، ج: ۱، ص: ۱۲۸۔

۷۷۲۔ أنظر: تكملة فتح الملهم، ج: ۲، ص: ۲۹۹۔

۷۷۳۔ وفي صحيح البخاري، باب شرب اللبن بالماء، رقم: ۵۲۸۹، ج: ۵، ص: ۲۱۲۹، دار ابن كثير، اليمامة، بيروت، سنة النشر ۱۴۰۷ھ والمستدرک على الصحيحين، ج: ۴، ص: ۲۳۲، رقم: ۷۵۰۹، دار الكتب العلمية، بيروت ۱۴۱۱ھ۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

متاخرین حنفیہ نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے اس شرط پر کہ اگر کوئی طبیب حاذق یہ فیصلہ کرے کہ تدویٰ بالمحرم کے بغیر بیماری سے چھٹکارا ممکن نہیں ہے، تو پھر اس صورت میں تدویٰ بالمحرم جائز ہوگا اور جو حدیث آئی ہے کہ ”ان الله لم يجعل الخ“ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ حرام ہے اس میں شفا نہیں ہے اور جب اللہ جلّ جلالہ کی طرف سے رخصت مل گئی تو پھر اس میں شفا بھی ہوگی، تو جب حالت ضرورت ہو کہ اور کوئی دوا میسر نہیں ہے تو پھر وہ حرام نہ رہی جب حرام نہ ہوئی تو ”شفاء فی حرام“ نہ ہوئی ”شفاء فی حلال“ ہی ہوئی۔ اس واسطے کہا کہ جب حالت اضطرار ہو تو پھر تدویٰ بالمحرم جائز ہے۔ ۸۷۱

”مثله“ کا حکم

اس حدیث میں تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ان کے ہاتھ پاؤں بھی کاٹے اور ان کی آنکھیں بھی داغیں، گویا اس طرح مثله ہوا۔ مثله عام حالات میں جائز نہیں ہوتا بعد میں منسوخ بھی ہوا۔ یہاں نبی کریم ﷺ نے جو کچھ کیا وہ قصاصاً کیا، ان کے عمل کی پاداش میں کیا، کیونکہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کے چرواہوں کے ساتھ بھی یہی کیا تھا، ان لوگوں نے ان کے ہاتھ پاؤں بھی کاٹے تھے اور ان کی آنکھوں میں کانٹے چھو کر ان کو داغ تھا اور زبان اور ہونٹوں کے اندر کانٹے پرو دیئے تھے۔ اس واسطے آنحضرت ﷺ نے ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ فرمایا یعنی قصاص بالمثل کا، اگرچہ حنفیہ کے نزدیک بعد میں قصاص بالمثل منسوخ ہو گیا لیکن اس وقت منسوخ نہیں تھا۔

اس کے علاوہ حنفیہ کے نزدیک اگرچہ قصاص بالمثل واجب نہیں، لیکن امام کو یہ حق ہے کہ وہ کسی کو سزائے موت دیتے وقت سیارۃ اس کا کوئی خاص طریقہ تجویز کر دے۔ ۸۷۲

اشکال: چوتھی بات یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے ”یستسقون ولا یسقون“ وہ پانی مانگے تھے ان کو پانی نہیں دیا جاتا تھا۔ اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ شرعی حکم یہ ہے کہ جو شخص مستوجب قتل ہو چکا ہو، اس کو سزائے موت سنائی جا چکی ہو، اگر وہ پانی مانگے تو اس کو پانی دینا چاہیے، پانی بند کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں ہے، پھر یہاں پانی کیسے روکا؟

جواب: بعض حضرات مثلاً قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس واقعہ کی تصدیق یا

۸۷۱ ان شئت التفصیل فطالع: تکملة فتح الملہم: ۲، ص: ۳۰۱۔

۸۷۲ والحنفیة علی أنه لا قود الا بالسیف، فیحملون حدیث الباب علی التعزیر والسیاسة الخ، تکملة فتح الملہم ج: ۲، ص: ۳۰۷۔

تقریر حضور ﷺ سے ثابت نہیں ہے، ہو سکتا ہے بعض صحابہ ؓ سے انہوں نے پانی مانگا ہو اور انہوں نے جوش میں آ کر نہ دیا ہو، اور اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ حضور ﷺ کو اس بات کا علم ہو گیا تھا اور پھر بھی آپ ﷺ نے منع نہیں فرمایا تو اس کی یہ توجیہ ہو سکتی ہے کہ یہ بھی قصاصاً کیا گیا ہو یعنی انہوں نے حضور اقدس ﷺ کے چرواہوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا تھا کہ ان کو پانی نہیں دیا تھا۔

اور روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ جن اونٹنیوں کو یہ بھگا کر لے گئے تھے ان میں کچھ اونٹنیاں رسول کریم ﷺ کی اپنی تھیں اور آپ ﷺ کے گھر والوں کے لئے ان کا دودھ آیا کرتا تھا لیکن اس رات اونٹنیاں وہ لے گئے جس کی وجہ سے انہوں نے حضور ﷺ کی آل کو پیسا رکھا آپ ﷺ نے یہ دعا بھی فرمائی ”اللّٰهُمَّ عطش من عطش آل محمد ﷺ“ تو اس کی پاداش میں ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا۔

بہر صورت اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ معاملہ کسی نہ کسی وجہ سے انہی کے ساتھ مخصوص تھا، اب یہی حکم ہے کہ خواہ آدمی کتنے بھی بڑے جرم کا ارتکاب کرے اگر وہ پانی مانگے تو اس کو پانی دیا جائے۔ ۱۸۰

”قال أبو قلابة : فهُؤ لاء سرقوا و قتلوا و كفروا بعد إيمانهم و حاربوا الله و

رسوله“.

انہوں نے بیک وقت اتنے سارے گناہوں کا ارتکاب کیا تھا، چوری کی، قتل کیا، کفر کا ارتکاب کیا، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کی، لہذا یہ بدترین سزا کے مستحق ہوئے۔

۲۳۴۔ حدثنا آدم قال : حدثنا شعبة قال : أخبرنا أبو التياح ، عن أنس قال : كان

النبي ﷺ يصلي قبل أن يبنى المسجد في مرائب الغنم . ۱۸۱

امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال

اس باب میں حضرت انس ؓ سے دوسری روایت نقل کی کہ نبی کریم ﷺ مسجد کی تعمیر سے پہلے بکریوں

۱۸۰۔ إن الاجتماع قام على أن من وجب عليه القتل فاستسقى الماء أنه لا يمنع منه لتلاي اجتماع عليه عذابان؟

الجواب : أنه إنما لم يسقوا هناك معاقبة لجنايتهم، ولأنه صلى الله عليه وسلم دعا عليهم،..... من الجوع

والوخم . عمدة القاری، ج: ۲، ص: ۶۵۲.

۱۸۱۔ وفي صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب ابتداء مسجد النبي، رقم: ۸۱۶، و سنن الترمذی، كتاب

الصلاة، باب ماجاء في الصلاة في مرائب الغنم واعطان الابل، رقم: ۳۱۸، و سنن النسائي، كتاب المساجد، باب نيش

القبور واتخاذ أرضها مسجداً، رقم: ۶۹۵، و مسند أحمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند انس مالک، رقم:

کے باڑوں میں نماز پڑھا کرتے تھے۔

اس سے بھی امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد ترجمۃ الباب کے اس حصہ پر استدلال کرنا ہے کہ ”بول ما یؤکل لحمہ“ یا ”بول الدواب“ پاک ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جب رسول کریم ﷺ کے بارے میں یہ منقول ہے کہ مسجد کی تعمیر سے پہلے بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھتے تھے تو عام طور پر بکریوں کے باڑے ایسے ہوتے ہیں جن میں بول و براز نکھرا ہوا ہوتا ہے اس واسطے اس میں نماز پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ بکریوں کے بول و براز پاک ہیں۔

جو حضرات ”بول ما یؤکل لحمہ“ کو ناجائز اور ناپاک کہتے ہیں وہ اس حدیث کی توجیہ کرتے ہوئے متعدد جوابات دے رہے ہیں:

ایک جواب تو یہ کہ اس بات کا بھی امکان ہے کہ آپ ﷺ کوئی مصلیٰ یا چٹائی وغیرہ بچھاتے ہوں اور اس کے اوپر نماز پڑھتے ہوں یہ بات صحیحین کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی کریم ﷺ نے ان کے گھر میں بوریئے پر نماز پڑھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ چٹائی پر نماز پڑھا کرتے تھے، اس کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے لوگوں کو گھروں میں مسجد بنانے ان کو صاف ستھرا رکھنے اور خوشبو وغیرہ لگانے کا حکم دیا۔

دوسرا جواب ابن حزم رحمہ اللہ نے یہ دیا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے، اس لئے کہ یہ واقعہ مسجد بننے سے پہلے کا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہجرت کے بعد ابتداء کا واقعہ ہے۔

ابن حزم رحمہ اللہ کا نسخ کا دعویٰ پر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابن حزم رحمہ اللہ کا نسخ کا دعویٰ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ پہلے مراہض غنم میں نماز جائز تھی پھر ممنوع ہو گئی۔

یہ بات اس لئے صحیح معلوم نہیں ہوتی کہ مراہض غنم میں نماز کی اجازت حضرت جابر بن سمرہ کی حدیث سے ثابت ہے جو کہ صحیح مسلم میں مروی ہیں۔

لیکن یہ حدیث بکریاں رہنے کی جگہ کی طہارت پر دلالت نہیں کرتی اور اسی حدیث میں اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنے کی ممانعت موجود ہے، اگر مراہض غنم میں نماز کی اجازت والی حدیث طہارت کا تقاضا کرتی ہے تو اونٹوں کے باڑے میں نماز کی ممانعت کی حدیث نجاست کا تقاضا کرے گی، لیکن اس فرق کا کوئی قائل نہیں۔ اس واسطے اس سے استدلال تام نہیں ہوتا۔

اب ایک روایت میں یہ آتا ہے کہ آپ ﷺ نے اونٹوں کے باڑے میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا اور مراہض غنم میں نماز پڑھنے کی اجازت دی۔

ان دونوں میں کیا فرق ہے؟

اس کے بارے میں بعض علماء کرام نے کہا کہ چونکہ اونٹ ذرا شریقہ کا جانور ہے اس لئے اس کے پاؤں میں نماز پڑھنے میں یہ اندیشہ ہے کہ وہ کوئی تکلیف نہ پہنچائے، تکلیف سے بچانا مقصود ہے، اور بکریوں میں چونکہ یہ احتمال نہیں ہے اس واسطے وہاں نماز پڑھنے کی اجازت دی گئی۔

دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ درحقیقت وجہ یہ ہے کہ عرب کے اندر مراض غنم کو ہموار رکھنے کا اہتمام کیا جاتا تھا اور اونٹوں کے پاؤں ناہموار ہوتے تھے اور نماز پڑھنے کے لئے ظاہر ہے کہ ہموار جگہ زیادہ بہتر ہے اس واسطے آپ ﷺ نے اس کی اجازت دی اور اونٹوں کے پاؤں میں پڑھنے سے منع فرمایا، کیونکہ زمین ہموار نہیں ہوتی اور صحیح طرح سے سجدہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ۱۸۲

(۶۷) باب ما يقع من النجاسات في السمن والماء

نجاست گھی اور پانی میں گر جائے تو؟

”وقال الزهري: لا بأس بالماء ما لم يغيره طعم، أو ريح، أو لون، وقال حماد: لا بأس بریش الميتة، وقال الزهري، في عظام الموتى نحو الفيل وغيره: أدرکت ناسا من سلف العلماء يمتشطون بها، ويدهنون فيها، لا يرون به بأسا، وقال ابن سيرين و إبراهيم: لا بأس بتجارة العاج.“

اس باب میں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ اگر گھی اور پانی میں نجاست گر جائے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ آگے امام زہری رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ ”لا بأس بالماء ما لم يغيره طعم أو ريح“ کہ پانی کے استعمال کرنے اور اس سے وضو وغیرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جب تک کہ پانی کے اندر کوئی تغیر پیدا نہ

۱۸۲ والجواب أن في الصحيحين عن أنس أن النبي ﷺ صلى على حصير في دارهم، وضح عن عائشة أنه كان يصلي على الخمرة، وقال ابن حزم: هذا الحديث منسوخ لأن فيه أن ذلك كان قبل أن يبنى المسجد، فاقضى أنه في أول الهجرة، وقد صح عن عائشة أن النبي ﷺ أمرهم ببناء المساجد في الدور، وأن تطيب وتنظف، رواه أحمد وأبو داود وغيرهما، وصححه ابن خزيمة وغيره، ولأبي داود نحوه من حدى سمرة وزاد، أن تطهرها، قال: وهذا بعد بناء المسجد، وما ادعاه النسخ يقضى الجواز ثم المنع، وفيه نظر لأن أذنه ﷺ في الصلاة في مراض الغنم ثابت عند مسلم من حديث جابر بن سمرة. نعم ليس فيه دلالة على طهارة المراض، لكن فيه أيضاً النهي عن الصلاة في معاطن الإبل، فلو اقتضى الإذن الطهارة لاقتضى النهي التجسس، ولم يقل أحد بالفرق، لكن المعنى في الإذن والنهي بشئ لا يتعلق بالطهارة ولا النجاسة وهو أن الغنم من دواب الجنة والابل خلقت من الشياطين. والله أعلم. فتح الباری، ج: ۱، ص: ۳۴۲، وعمدة القاری، ج: ۲، ص: ۶۵۳.

ہوا ہو، یعنی اس کے مزے یا رنگ میں جب تک تغیر نہ پیدا ہوا ہو، اس وقت تک اس پانی کو استعمال کر سکتے ہیں اور اس سے وضو یا طہارت کرنا ممکن ہے۔

پانی کی طہارت اور نجاست کا مسئلہ

امام زہری رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کرنے کی وجہ سے بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود امام مالک رحمہ اللہ کی تائید ہے کیونکہ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں پانی اس وقت تک وقوع نجاست سے نجس نہیں ہوتا جب تک اس کے اوصاف میں تغیر نہ آیا ہو، پانی کے اوصاف تین ہیں: رنگ، بو اور ذائقہ پیشاب پاخانہ جو کچھ بھی گر جائے اگر اوصاف میں تغیر نہیں آیا تو وہ پانی نجس نہیں ہے۔

وہ بیر بضاع کی مشہور حدیث سے استدلال کرتے ہیں جس میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد منقول ہے کہ ”الماء طهور لا ینجسہ شئی“ یہ بیر بضاع ایک معروف کنویں کا نام ہے جو مدینہ طیبہ میں بنو ساعدہ کے محلہ میں واقع تھا اور آج تک موجود ہے۔

صاحب بدائع نے اہل ظاہر کا قول نقل کیا ہے کہ اگر اوصاف میں تغیر آجائے تب بھی اس وقت تک اس سے وضو کرنا جائز ہے جب تک پانی کی رقت اور سیلابی باقی ہے اور یہ مسلک ربیعۃ الرا۱ کی طرف منسوب ہے جو امام مالک رحمہ اللہ کے استاد ہیں۔

بعض حضرات نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف اس کی نسبت کی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تغیر آنے سے نجس ہوتا ہے۔

اور حنفیہ اور شافعیہ کہتے ہیں کہ اگر قلیل ہو تو وقوع نجاست سے نجس ہو جاتا ہے اور کثیر ہو تو وقوع نجاست سے نجس نہیں ہوتا۔

قلیل و کثیر کی تعین میں اختلاف ہے

۱۔۔۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر قلتین سے کم ہے تو قلیل ہے اور قلتین یا اس سے زیادہ ہے تو کثیر ہے۔

۲۔۔۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کوئی تحدید نہیں فرمائی، انہوں نے فرمایا جس کو بتلا یہ کثیر سمجھے وہ کثیر ہے اور جس کو قلیل سمجھے وہ قلیل ہے، جس کا معیار امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے یہ بیان فرمایا کہ ایک جانب سے حرکت دی جائے تو دوسری جانب متحرک ہو جائے وہ قلیل ہے اور اگر متحرک نہیں ہوئی تو کثیر ہے۔ اسی کو صاحب قدوری رحمہ اللہ نے ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے: ”مالم یتحرک بتحریک الطرف الآخر“۔

۳۔۔۔ امام محمد رحمہ اللہ سے جو وہ درود کا قول منقول ہے وہ اس طرح نہیں ہے کہ انہوں نے یہ کہا ہو کہ وہ درود ہو تو کثیر ہے بلکہ اپنی ایک مسجد میں بیٹھے تھے کہا ”کمسجدی هذا“ ابوسلیمان جوزجانی رحمہ اللہ نے اس کو ناپ لیا اندر سے ”ثمانیۃ فی ثمانیۃ“ اور باہر سے ”عشرۃ فی عشرۃ“ تھی احتیاطاً ”عشرۃ فی عشرۃ“ کو اختیار کر لیا گیا اس وجہ سے لوگوں نے کہہ دیا کہ وہ درود کثیر ہے۔ ۱۸۳

لیکن حنفیہ کا اصل مذہب رائے مبتلیٰ بہ کا اعتبار ہے اور اس میں تحریک احد الطرفین سے اگر دوسری جانب متحرک ہوتی ہے تو قلیل ہے اور اگر نہیں ہوتی تو کثیر ہے۔ ۱۸۴

یہاں بعض حضرات نے کہا کہ امام بخاری، امام زہری رحمہما اللہ کا قول لے کر آئے ہیں جس سے ان کا مقصد امام مالک رحمہ اللہ کی تائید ہے لیکن حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میرے خیال میں ان کا وہ مذہب نہیں ہے جو امام مالک رحمہ اللہ کا ہے، بلکہ ان کا مذہب امام احمد کی ایک غیر مشہور روایت کے مطابق ہے۔ یہ روایت حضرت شاہ صاحب کی تقریر میں فتاویٰ ابن تیمیہ سے نقل کی گئی ہے، اور وہ یہ کہ اگر پانی میں کوئی جامد نجاست گرے اور فوراً نکال لی جائے تو وہ پانی کو نجس نہیں کرے گی جب تک اوصاف میں تغیر نہ آئے۔ البتہ اگر گرنے والی نجاست مائع ہے تو وہ پانی نجس کر دے گی۔ اسی لئے امام بخاریؒ نے ”فساۃ“ والی حدیث نجاست جلدہ کا حکم بیان کرنے کے لئے نکالی ہے۔ پھر ”بول فی الماء“ والی حدیث نجاست، مانعہ کے بارے میں ذکر فرمائی ہے۔

لیکن حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے امام احمدؒ کی جس روایت کو غیر مشہور قرار دیکر اُسے امام بخاریؒ کا مسلک بتایا ہے۔ وہ اس تصریح کے ساتھ بندہ کو فتاویٰ ابن تیمیہ میں نہیں ملی۔ نیز حضرت مولانا بدر عالم صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو بھی نہیں ملی۔ ۱۸۵

حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ امام بخاریؒ کے مقصود میں دونوں احتمال ہیں، یہ بھی کہ وہ گرنے والی نجاست کے جامد یا مائع ہونے سے حکم میں فرق کرتے ہیں، جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا، اور یہ بھی کہ وہ حال کے بجائے محل کے مائع یا جامد ہونے میں فرق کرتے ہیں، یعنی اگر محل جامد ہو، چاہے گرنے والی نجاست مائع ہو یا جامد، وہ اُسے نجس نہیں مانتے، تا وقتیکہ تغیر اوصاف نہ ہو، جیسا کہ ججے ہونے لگی کا حکم ”حدیث فادۃ“ میں بیان فرمایا گیا، اور اگر محل مائع ہے تو گرنے والی نجاست چاہے جامد ہو یا مائع، وہ اسے ناپاک قرار دیتے ہیں، جیسا کہ حدیث ”البول فی الماء الراکد“ سے معلوم ہوتا ہے۔

پھر حضرت عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاریؒ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جہاں تک

۱۸۳ وعن ابی سلیمان النجوزی جانی انه اعتبرہ بالمساحة الخ ، عمدة القاری ، ج : ۲ ، ص : ۲۵۶

۱۸۴ اعلاء السنن ، ج : ۱ ، ص : ۲۵۷... ۲۶۶ ، وعمدة القاری ، ج : ۲ ، ص : ۲۵۵ ، ۲۵۶

۱۸۵ انظر : فیض الباری ، ج : ۱ ، ص : ۳۲۵... ۳۳۲

نجاست کی سرایت منظور ہو، وہاں تک گرا دو۔ محل جامد میں چونکہ سرایت کم ہے، اس لئے صرف اس کے ماحول کو گرانے کا حکم دیا، اور پانی میں چونکہ سرایت دور تک ہو سکتی ہے، اس لئے اس میں پیشاب سے منع فرمایا۔ لہذا ان کے نزدیک بھی مدار سرایت پر ہے، جس کی مقدار کو رائے مجتہلی پر چھوڑا گیا ہے اور اس طرح ان کا مسلک بھی امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی طرح ہے۔

بہر حال یہ مختلف قیاسات ہیں، ان کا مذہب کیا ہے؟ یہ اللہ ﷻ ہی بہتر جانتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ کی تائید ہو، یہ بھی ہو سکتا ہے جو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا اور یہ بھی ہو سکتا ہے جو حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے فرمایا۔ ۱۸۶ آگے فرمایا:

”وقال حماد: لا بأس بریش الميتة“.

حماد بن سلیمان جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے استاد ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ مردار کے پر میں کوئی حرج نہیں، یعنی اگر ایک پرندہ مر گیا اور اس کا پر پانی میں گر گیا تو حضرت حماد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اس سے پانی نجس نہیں ہوگا۔

اس سے امام بخاری رحمہ اللہ اس بات پر استدلال کر رہے ہیں کہ وقوع نجاست سے پانی نجس نہیں ہوتا، یا تو امام مالک رحمہ اللہ کے قول کے مطابق یا حضرت عثمانی صاحب رحمہ اللہ کے قول کے مطابق کہ ریش جامد چیز ہے اور جامد چیز کے گرنے سے پانی نجس نہیں ہوگا یا حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے قول کے مطابق۔

لیکن جہور کی طرف سے خاص طور پر حنفیہ کی طرف سے اس کا یہ جواب ہوگا کہ میتہ کا پر نجس ہی نہیں ہوتا کیونکہ مردار کے جسم کے وہ حصے نجس ہوتے ہیں جن کے اندر حیات حلول کرتی ہے اور جن حصوں میں حیات حلول نہیں کرتی وہ حنفیہ کے نزدیک نجس نہیں ہیں، چنانچہ پر ایسی چیز ہے جس میں حیات کا حلول نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ پر کاٹنے سے جانور کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

اسی طرح بال میں بھی حیات حلول نہیں کرتی اس لئے وہ نجس نہیں ہوتے، ہڈی میں بھی حیات حلول نہیں کرتی اس لئے وہ بھی نجس نہیں ہے، لہذا ”ریش الميتة“ کا مسئلہ مانحن فیہ میں داخل نہیں ہے۔ ۱۸۷ آگے امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

۱۸۶ فیض الباری : ج : ۱ ، ص : ۳۳۲ ، وفضل الباری ، ج : ۲ ، ص : ۴۰۸ .

۱۸۷ ولا ینجس الماء الذی وقع فیہ ، سواء کان ریش الماکول لحمہ أو غیرہ ؛ وهذا التعلیق وصلہ عبد الرزاق فی مصنفہ : حدثنا معمر عن حماد بن أبی سلیمان أنه قال : لا بأس بصوف الميتة ، ولكن بفصل ، ولا بأس بریش الميتة ، وهذا مذهب أبی حنیفة ایضاً واصحابہ ، عمدة القاری ، ج : ۲ ، ص : ۶۵۷ .

”وقال الزهري في عظام الموتى نحو الفيل وغيره“.

کہ امام زہری رحمہ اللہ مردار کی ہڈیوں مثلاً ہاتھی وغیرہ کی ہڈیوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ”أدرکت ناسا من سلف العلماء“ علماء سلف کی ایک بڑی جماعت کو میں نے پایا ”یمتشطون بها“ کہ وہ اس سے کنگھی کرتے تھے ”ویدھنون فیہا“ اور اس کے بنے ہوئے برتن میں تیل رکھا کرتے تھے، یعنی ہاتھی دانت کے بنے ہوئے برتن میں تیل رکھتے تھے۔ ”لا یرون بہ بأساً“ اور اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

”وقال ابن سيرين و ابراهيم: لا بأس بتجارة العاج“ محمد ابن سیرین اور ابراہیم نخعی رحمہما اللہ کا قول ہے کہ عاج کی تجارت میں کوئی حرج نہیں ہے۔ عاج کے معنی ہیں ہاتھی دانت۔

ان تمام آثار کو لانے کا مقصد بعض حضرات نے یہ بیان کیا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ باوجود یہ کہ یہ مردار کے حصے ہیں اگر یہ پانی وغیرہ میں گر جائیں تو اس کو نجس نہیں قرار دیا گیا۔ ۱۸۸۔ اس کا جواب حنفیہ کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ یہ نجس ہیں ہی نہیں، لہذا ان کے وقوع سے نجس ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ ان میں حیات حلول نہیں کرتی۔

لیکن مجھے ایسا لگتا ہے کہ ان آثار کو نقل کرنے سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد پانی میں گرنے کے مسئلہ کو بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ وہ مستقلاً یہ مسئلہ بیان کرنا چاہ رہے ہیں کہ سلف نے ان چیزوں کو نجس نہیں سمجھا، جس کی دلیل ہے کہ انہوں نے یہاں امام زہری رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے ”أدرکت ناسا من سلف العلماء الخ“ کہ سلف علماء اس سے کنگھی کرتے تھے اور کنگھی کرنے میں پانی کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

لہذا ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اس باب میں مستقل مسئلہ بیان کرنا چاہتے ہیں، میتہ کے یہ اجزاء جیسے پر، ہڈی یا دانت یہ نجس نہیں ہوتے، اسی واسطے سلف ان کو کنگھی کے طور پر بھی استعمال کرتے رہے ہیں جس میں تیل رکھا جاتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک وہ نجس نہیں ہے اور یہی مسلک حنفیہ کا بھی ہے۔ اس طرح امام شافعی رحمہ اللہ کے اس قول کی تردید ہوگئی جس میں انہوں نے میتہ کی ہڈی کو بھی ناپاک قرار دیا ہے۔

اس کی تائید حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کے ایک اثر سے بھی ہوتی ہے جو دارقطنی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے یہ بتایا کہ ہاتھی کی ہڈی ناپاک نہیں۔ ۱۸۹۔

۱۸۸۔ ان مقصود البخاری من ایراد هذا الحديث تأكيد مذهبه في أن الماء لا يتنجس بمجرد الملاقاة، عمدة القاری،

ج: ۲، ص: ۶۶۲۔

۱۸۹۔ عن ابن عباس انما حرم من الميتة ما يؤكل منها وهو اللحم فاما الجلد والسن والعظم والشعر والصوف

فهو حلال، سنن الدار قطنی، رقم: ۱۸، ج: ۱، ص: ۴۶، دار المعرفۃ، بیروت، سنة النشر ۱۳۸۶ھ۔

اس سے پتہ چلا کہ یہ چیزیں ناپاک نہیں ہیں اور یہی حنفیہ کا مسلک ہے کہ میتہ کے وہ اجزاء جن میں حیات حلول نہیں کرتی جیسے عظم، ظفر اور شعر ہے۔ یہ حصے پاک ہیں اور جن حصوں میں حیات حلول کرتی ہے جیسے گوشت، پٹھے اور کھال، یہ حصے ناپاک ہیں۔ ۱۹۰۔

جلیٹین کا حکم

یہاں ایک مسئلہ اور بھی بیان کر دینا مناسب ہے جس کو جلیٹین کہتے ہیں جو آج کل بہت کثرت سے استعمال ہوتا ہے، عام طور سے دواؤں کے جتنے کپسول ہوتے ہیں وہ جلیٹین سے ہی بنے ہوتے ہیں، جلی اور آسکریم وغیرہ میں بھی استعمال ہوتا ہے بلکہ بہت ساری چاکلیٹوں اور ٹافیاں وغیرہ میں اور دوسری بہت سی کھانے پینے کی اشیاء میں استعمال ہوتا ہے۔

اس میں یہ مسئلہ پیش آیا کہ وہ جلیٹین بعض اوقات گائے کی کھال یا ہڈی سے بنتی ہیں اور بعض اوقات سور کی کھال اور ہڈی سے بھی بنتی ہے، اب کچھ عرصے سے وہ زرع پیداوار کے ذریعے بھی بننے لگی ہے یعنی نباتات سے تو یہ مختلف طریقوں سے بنتی ہے۔

جہاں تک اس جلیٹین کا تعلق ہے جو نباتات سے بنتی ہے، اس کے جواز میں تو کوئی شبہ نہیں ہے، اگر پتہ چل جائے کہ یہ نباتات کی بنی ہوئی ہے یا کسی مذبوح جانور کی ہے جس کو مسلمان ملک کے اندر شرعی طریقہ پر ذبح کیا گیا ہے تو پھر اس کے استعمال میں کوئی کلام نہیں۔

لیکن گفتگو اس جلیٹین میں ہے جو غیر مسلم ملکوں میں بنتی ہو اور زیادہ تر دنیا میں وہی پھیلی ہوئی ہے جو مغربی ملکوں میں بنتی ہے اور وہ بسا اوقات سور کی ہڈی یا کھال سے بناتے ہیں اور بعض اوقات گائے کی ہڈی یا کھال سے بناتے ہیں۔

سو تو ظاہر ہے نجس العین ہے اس لئے وہ حرام ہے، الا یہ کہ انقلاب ماہیت ہو جائے۔ دوسری طرف اگر گائے کی ہوتب بھی اگر وہ گائے شرعی طریقہ پر ذبح نہیں ہوتی تو وہ مردار کے حکم میں ہوتی ہے اس لئے وہ جلیٹین مردار کی کھال سے بنائی جائے گی لہذا وہ بھی نجس ہونی چاہئے، البتہ اگر ہڈی سے بنائی گئی ہے تو وہ نجس نہیں ہے۔

در اصل اس میں حکم کا دار و مدار اس پر ہے کہ اگر وہ سور سے بنائی گئی ہے تو اس کے حلال ہونے کا اس وقت تک کوئی راستہ نہیں ہے جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ سور کی کھال یا ہڈی میں کوئی ایسا عمل کیا گیا ہے جس

۱۹۰ وقال ابن بطال: ريش الميتة وعظم الفيلة ونحوها طاهر عند أبي حنيفة، كانه تعلق بحديث ابن عباس

کے ذریعے اس کی حقیقت تبدیل ہوگئی ہو، انقلابِ ماہیت ہو گیا ہو۔

اگر انقلابِ ماہیت ہو گیا ہو تو حلال ہو جائیگا اور بغیر انقلابِ ماہیت کے حلال نہیں کیونکہ سورنجس العین ہے اور نجس العین حرام العین ہے۔ لہذا اس کو کسی طرح بھی دھو کر پاک کر کے استعمال نہیں کیا جاسکتا الا یہ کہ اس میں انقلابِ ماہیت ہو گیا ہو۔

حنفیہ کے نزدیک انقلابِ ماہیت موجبِ تطہیر ہے اس کا حکم بدل جاتا ہے، جیسے شراب کی ماہیت بدل کر سرکہ ہو جائے تو حلال اور پاک ہو جاتی ہے، یا پاخانہ ہے پڑے پڑے مٹی ہو گیا تو وہ پاک ہو گیا۔ اسی طرح نمک کی کان میں کوئی جانور مر گیا اور پڑے پڑے نمک بن گیا تو وہ پاک ہو جائے گا۔ ۱۹۱

اس اصول کی بنیاد پر فقہائے کرام نے فرمایا کہ صابن میں جو مردار کی چربی استعمال ہوتی ہے، بنا اوقات باہر کے بنے ہوئے صابن میں مردار کی چربی استعمال ہوتی ہے تو چونکہ صابن بناتے وقت اس چربی میں انقلابِ ماہیت ہو جاتا ہے، اس وجہ سے وہ پاک ہو جاتا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ جلیٹین کے اندر جو سور سے بنایا گیا ہو اگر اس میں انقلابِ ماہیت ہو گیا تب تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ پاک اور حلال ہے، لیکن اگر انقلابِ ماہیت نہ ہوا ہو تو اس کو پاک یا حلال قرار دینے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ ۱۹۲

۱۹۱، ۱۹۲ ونظيره في الشرع النطفة نجسة وتصير علقة وهي نجسة وتصير مضغة فتطهر والعصير طاهر فيصير خمراً فينجس ويصير خلا فعر فنا أن استحالة العين تستيع زوال الوصف المرتب عليها وعلى قول محمد فرعوا الحكم بطهارة صابون صنع من زيت نجس. ۱۰۱

وفي المجتبى جعل الدهن النجس في صابون يفتي بطهارته لأنه تغير والتغير يطهر عند محمد ويفتي به للبلوى. وفي الظهيرية ورماد السرقين طاهر عند أبي يوسف خلافاً لمحمد والفتوى على قول أبي يوسف وهو عكس الخلاف المنقول فإنه يقتضي أن الرماد طاهر عند محمد نجس عند أبي يوسف كما لا يخفى وفيها أيضاً العذرات، إذا دفنت في موضع حتى صارت تراباً قيل تطهر كالحمار الميت إذا وقع في المملحة فصار ملتحاً يطهر عند محمد.

وفي الخلاصة فأرة وقعت في دن خمر فصار خلا يطهر إذا رمي بالفأرة قبل التخلل وان تفسخ الفأرة فيها لا يباح. ولو وقعت الفأرة في العصير ثم تخمر العصير ثم تخلل وهو لا يكون بمنزلة مالو وقعت في الخمر هو المختار وكذا لو ولخ الكلب في العصير ثم تخمر ثم تخلل لا يطهر. ۱۰۱

وفي الظهيرية إذا صب الماء في الخمر ثم صارت الخمر خلا تطهر وهو الصحيح وأدخل في فتح القدير التطهير بالنار في الاستحالة ولا ملازمة بينهما فإنه لو أحق موضع الدم من رأس الشاة طهر والتنور إذا رش بماء نجس لا بأس بالخيز فيه الخ، البحر الرائق، ج: ۱، ص: ۲۳۹.

جلیطین بنانے کے مختلف مراحل

جلیطین بنانے کے لئے اسے جس عمل سے گزارا جاتا ہے وہ سارا میں نے خود فیکٹری میں جا کر دیکھا ہے، مجھے ابھی تک اس بات پر انشراح نہیں ہے کہ اس عمل سے انقلاب ماہیت ہو جاتا ہے۔ جتنا عمل کیا جاتا ہے اس کا حاصل کھال اور ہڈی کی صفائی ہے، اس صفائی کے معاملے میں اس کو کافی مختلف مراحل سے گزارا جاتا ہے، پہلے ویسے ہی صفائی کی جاتی ہے، پانی میں ڈالا جاتا ہے، بہت عرصہ تک وہ پانی میں پڑا رہتا ہے اس کے بعد بہت سے مراحل سے گزارا جاتا ہے۔

لیکن ابھی تک مجھ پر یہ بات محقق نہیں ہو سکی کہ انقلاب ماہیت ہوتا ہے یا نہیں، اس واسطے میں اس کے بارے میں یہ کہتا ہوں کہ جب تک انقلاب ماہیت کا ثبوت نہ ہو جائے اس وقت تک خنزیر سے بنی ہوئی جلیطین کا استعمال جائز نہیں۔

ہاں، اگر کسی وقت یہ محقق ہو جائے کہ انقلاب ماہیت ہو جاتا ہے تو پھر جواز کا حکم دیا جاسکتا ہے، لیکن جب تک یہ محقق نہ ہو اس وقت تک اس کی حرمت کا حکم ہی لگائیں گے کیونکہ خنزیر کی حرمت دلائل قطعیہ سے ثابت ہے اس لئے جب تک اتنے ہی یقین کے ساتھ انقلاب ماہیت کا علم نہ ہو جائے اس وقت تک اس کو جائز اور حلال نہیں کہہ سکتے۔

البتہ یہ بات ہے کہ اگر کوئی دوا جلیطین سے بنائی گئی ہو تو اس پر تہ اوہی بالمحرّم کا حکم عائد ہوگا جس کا ذکر گذر چکا ہے کہ حنفیہ کے ہاں مفتی بہ قول یہ ہے کہ اگر کوئی اور علاج ممکن نہ ہو تو پھر اس کو استعمال کر سکتے ہیں، اگر کوئی اور علاج ممکن نہ ہو تو پھر خنزیر کے جلیطین سے بنی ہوئی دوا استعمال کی جاسکتی ہے۔ یہ خنزیر سے بنی ہوئی جلیطین کا حکم ہے۔

گائے سے بنی ہوئی جلیطین کا حکم

جو جلیطین گائے سے بنتی ہے اس کے دو حصے ہیں:

بعض مرتبہ گائے کی کھال سے بنتی ہے اور بعض مرتبہ گائے کی ہڈی سے بنتی ہے۔

اگر گائے کی کھال سے بنائی گئی ہو تو کھال کو جس عمل سے گزارا جاتا ہے اس کے بارے میں ذکر کیا کہ وہ مشکوک ہے ابھی تک یہ بات واضح نہیں ہو سکی کہ اس سے انقلاب ماہیت ہوتا ہے یا نہیں۔

لیکن اس سے دباغت ہو جاتی ہے، دباغت کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ کھال کے اندر جو نجاستیں سرایت کر گئی ہیں وہ نکل جائیں، اس کا عام طریقہ یہ ہوتا ہے کہ دھوپ میں رکھ دیتے ہیں یا نمک لگا دیتے ہیں۔

لیکن فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ ہر وہ طریقہ جس سے اس کی رطوبتیں خشک کر لی جائیں اور اس سے نجاست کے اجزاء نکل جائیں، اس سے دباغت محقق ہو جاتی ہے تو یہ بات واضح ہے کہ جس عمل سے اس کو گذارا جاتا ہے اس سے دباغت محقق ہو جاتی ہے اور جب دباغت محقق ہو جائے تو پھر چاہے مردار کی کھال ہو تب بھی پاک ہو جاتی ہے، لہذا اس کا پاک ہونا متعین ہو گیا۔

آگے اس میں کلام ہے کہ آیا پاک ہونے کے بعد کھانے میں اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک دباغت کے بعد مردار کی کھال کھانا جائز ہے۔

حنفیہ کی بھی ایک روایت یہی ہے لیکن مرجوح ہے، اس پر فتویٰ نہیں ہے۔

حنفیہ کے ہاں فتویٰ اس پر ہے کہ مبیہ کی مدبوغ کھال کھانا جائز نہیں ہے، جبکہ ایک قول جواز کا بھی ہے۔

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جلیثین اگر گائے کی کھال سے بنی ہوئی ہے تو اس صورت میں وہ ناپاک تو نہیں ہے

لہذا اگر کسی کپڑے کو لگ جائے تو اس سے ناپاکی کا حکم نہیں لگائیں گے، نیز اس کا خارجی استعمال بھی جائز ہوگا، جسم کے کسی حصہ پر اس کو استعمال کرنا جائز ہوگا۔

منہ کے ذریعے کھانے میں استعمال کرنے میں مفتی بہ قول کے مطابق جائز نہ ہوگا، البتہ غیر مفتی بہ قول

اور شافعیہ کے قول پر گنجائش ہوگی، اور اگر کہیں حاجت عامہ اور بلوی عام ہو تو ایسی صورت میں امام شافعی رحمہ اللہ کے قول کو اختیار کر لینا یا حنفیہ کے غیر مفتی بہ قول کو اختیار کر لینے کی بھی گنجائش ہے۔

لہذا اگر دوائیں جلیثین سے بنی ہوئی ہیں اور ان کا استعمال کرنا ہے تو اس عموم بلوئی کی وجہ سے اس کی

گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

یہی مسئلہ ہڈی کا بھی ہے کہ مردار کی ہڈی ناپاک نہیں ہوتی بغیر دباغت کے بھی پاک ہے کیونکہ اس میں

حیات حلول نہیں کرتی، لہذا ہڈی سے بنی ہوئی جلیثین بھی ناپاک نہیں ہوگی، لیکن کھانے کا معاملہ یہی ہے کہ راجح

قول کی بنا پر اس کے کھانے کی اجازت نہیں ہے لیکن مرجوح قول کی بنیاد پر گنجائش ہے۔

اس قول مرجوح پر صرف حقیقی حاجت کے وقت عمل کرنے کی گنجائش نکلتی ہے، ویسے نہیں۔

یہ سب اس وقت ہے جب انقلاب ماہیت کا تحقق نہ ہوا ہوا، اگر انقلاب ماہیت کا تحقق ہو جائے تو پھر

اس تفصیل کی حاجت نہیں۔

جلیثین کے بارے میں یہ تفصیل میں نے اس لئے عرض کر دی کہ آج کل کے ماحول میں یہ بات بہت

ہی کثرت سے پھیلی ہوئی ہے اور اس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں بہت سے شکوک و شبہات اور تردد رہتے

ہیں، امید ہے کہ خلاصہ سمجھ میں آ گیا ہوگا۔

۲۳۵۔ حدثنا إسماعیل قال: حدثني مالك، عن ابن شهاب، عن عبيد الله

بن عبد اللہ، عن ابن عباس، عن ميمونة أن رسول الله ﷺ سئل عن فأرة سقطت في سمن، فقال: ((القهوها وما حولها فاطر حوه واكلوا سمنكم)). [أنظر: ۵۵۳۸، ۲۳۶، ۵۵۳۹، ۱۹۳]

رسول اللہ ﷺ سے اس چوہے کے بارے میں سوال کیا گیا جو گھی میں گر گیا ہو، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”القهوها وما حولها فاطر حوه واكلوا سمنكم“ اس چوہے کو نکال پھینکو اور اس کے ارد گرد جو گھی تھا اس کو بھی نکال پھینکو اور باقی گھی کو کھا لو۔

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث کا ایک جز روایت کیا ہے، دوسری روایتوں میں اس کا دوسرا جز بھی آیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر وہ سمن مانع ہو، بہتا ہوا ہو تو اس صورت میں یہ اجازت نہیں دی گئی کیونکہ وہاں پر ماحول (آس پاس کے گھی) کو پھینکنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں پر وہ حصہ روایت نہیں کیا جس کی وجہ بعض حضرات نے یہ بیان کی ہے کہ چونکہ بعض حضرات نے اس کو معلول قرار دیا ہے اس واسطے امام بخاری رحمہ اللہ یہاں پر نہیں لائے ہیں یا یہ کہ امام بخاری رحمہ اللہ یہ بیان فرمانا چاہ رہے ہیں کہ مانع کا بھی وہی حکم ہے جو جامد کا ہے، اسی واسطے یہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک وہی ہے جو امام مالک کا ہے، یعنی وہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ یہاں سمن کا لفظ مطلق ہے، خواہ جامد ہو یا مانع، دونوں کا یہی حکم ہے اور اسی سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سمن مانع ہو تب بھی وہ قوع نجاست سے نجس نہیں ہوتا۔

لیکن جیسا کہ عرض کیا تھا کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے کہ اگر بالفرض امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک وہ حصہ معلول بھی ہو، تب بھی امام بخاری رحمہ اللہ سے یہ بات بعید ہے کہ وہ یہ کہیں کہ سمن مانع کا بھی یہی حکم ہے، اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ”القهوها وما حولها“ اس کو گرد اور اس کے ارد گرد جو حصہ ہے اس کو بھی گردو، اور ارد گرد سے گرانے کا مطلب یہی ہے کہ ظاہر ہے اس کے کچھ اثرات وہاں تک پہنچے ہوں گے۔

۱۹۳۔ وفي سنن الترمذی، کتاب الاطعمة عن رسول الله، باب ماجاء في الفأرة تموت في السمن، رقم: ۱۷۲۰، وسنن النسائي كتاب الفروع والعيرة، باب الفأرة تقع في السمن، رقم: ۴۱۸۵، وسنن أبي داود، كتاب الاطعمة، باب في الفأرة تقع في السمن، رقم: ۳۳۴۳، ومسند أحمد، باقي مسند الأنصار، باب حديث ميمونة بنت الحارث الهلالية زوج النبي، رقم: ۲۵۵۶۹، ۲۵۶۱۲، وموطأ مالك، كتاب الجامع، باب ماجاء في الفأرة تقع في السمن والبدة بالاكل قبل الصلاة، رقم: ۱۵۳۶، وسنن الدارمي، كتاب الطهارة، باب الفأرة في السمن، رقم: ۷۳۱، وكتاب الاطعمة، باب في الفأرة تقع في السمن فماتت، رقم: ۱۹۹۳۔

اب اگر وہ مائع ہے تو ”مباحول“ کا کوئی مطلب نہیں نکلتا کیونکہ ایسا ”ماحول“ جس کے اندر اس کے اثرات پہنچے ہوں، مائع میں اس کی حد نہیں معلوم کی جاسکتی، لہذا امام بخاری رحمہ اللہ کی بات سے یہ مطلب نکالنا صحیح نہیں ہے۔ ۱۹۳

زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ بھی اسی بات کے قائل ہیں کہ یہ حکم جامد ہی کے ساتھ خاص ہے، مائع کے ساتھ خاص نہیں، یہی وجہ ہے کہ آگے باب قائم کر رہے ہیں ”باب البول فی الماء الدائم“ اور اس میں بول کے گرنے سے ماء دائم کے نجس ہونے کا حکم لگایا ہے۔

۲۳۶۔ حدثنا علی بن عبد اللہ قال : حدثنا معن قال : حدثنا مالک عن ابن شہاب ، عن عبيد اللہ بن عبد اللہ بن عتبة بن مسعود ، عن ابن عباس عن ميمونة أن النبي ﷺ سئل عن فارة سقطت في سمن؟ فقال : ((خذوها وما حولها فاطرحوه)) ، قال معن : حدثنا مالک ما لا أحصيه يقول : عن ابن عباس ، عن ميمونة . [راجع : ۲۳۵]

قبال معن : ”حدثنا مالک ما لا أحصيه يقول“ : حضرت معن فرماتے ہیں امام مالک رحمہ اللہ نے ہمیں یہ حدیث اتنی مرتبہ سنائی جس کا میں شمار بھی نہیں کر سکتا، ہر مرتبہ وہ یہ کہتے تھے ”عن ابن عباس، عن ميمونة“ یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے تھے۔

لہذا جن لوگوں نے اس حدیث کو حضرت ميمونة رضی اللہ عنہا کا واسطہ نکال کر مسند ابن عباس رضی اللہ عنہما میں شمار کیا ہے، وہ غلط ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ميمونة رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

۲۳۷۔ حدثنا أحمد بن محمد قال : أخبرنا عبد اللہ قال : أخبرنا معمر ، عن همام بن منبه ، عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال : ((كل كلم يكلمه المسلم في سبيل الله يكون يوم القيامة كهيتها إذ طعنت تفجر دما ، اللون لون الدم ، والعرف عرف المسك)) . [أنظر : ۲۸۰۳، ۵۵۳۳، ۱۹۵]

۱۹۴ فیض الباری، ج: ۱، ص: ۳۳۱... ۳۳۵.

۱۹۵ وفي صحيح مسلم، كتاب الأمانة، باب فضل الجهاد والخروج في سبيل الله، رقم: ۳۳۸۳، وسنن الترمذی، كتاب فضائل الجهاد عن رسول الله، باب ماجاء في من يكلم في سبيل الله، رقم: ۱۵۸۰، وسنن النسائي، كتاب الجهاد، باب من يكلم في سبيل الله عز وجل، رقم: ۳۰۹۶، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند أبي هريرة، رقم: ۶۸۶۰، ۷۸۵۸، ۷۸۶۲، ۸۷۲۵، ۸۸۰۹، وموطأ مالك، كتاب الجهاد، باب الشهداء في سبيل الله، رقم: ۸۷۳، وسنن الدارمی، كتاب الجهاد، باب في فضل من جرح في سبيل الله جرحاً، رقم: ۲۲۹۹.

یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایت نقل کی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

”کَلِّ کَلِمَ وَیکَلِمَہُ الْمُسْلِمَ فِی سَبِيلِ اللّٰہِ“

ہر وہ زخم جو کسی مسلمان کو اللہ ﷻ کے راستہ میں لگتا ہے

”یَکُونُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ کَہِیْتِہَا اِذْ طَعْنَتْ تَفْجُرُ دَمًا“

قیامت کے دن وہ اپنی اصلی شکل میں آئے گا جب وہ زخم لگایا گیا تھا اور اس سے خون پھوٹ رہا ہوگا۔

”اللون لون الدم ، والعرف عرف المسک“

دیکھنے میں رنگ تو خون کا ہوگا لیکن خوشبو مشک کی ہوگی۔

یہاں شراح بڑے حیران ہوئے ہیں کہ یہاں اس حدیث کو لانے کا مقصد کیا ہے اور باب سے اس کی

کیا مناسبت ہے؟ کیونکہ گفتگو پانی میں وقوع نجاست کے مسئلے میں چل رہی ہے اور وہی ترجمۃ الباب بھی ہے پھر

یہاں بیچ میں یہ کیوں لے کر آئے ہیں کہ قیامت کے دن شہید اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کے زخم سے خون

بہہ رہا ہوگا، اس کا رنگ تو خون کی طرح ہوگا اور خوشبو مشک کی طرح ہوگی؟

لوگوں نے اس کی مناسبت معلوم کرنے کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن جو قریب ترین مناسبت

تلاش کی گئی وہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ مشک اصلاً تو خون ہوتا ہے لیکن جب وہ خون دم

بستہ کی شکل میں منقلب ہو جاتا ہے اور مشک بن جاتا ہے تو وہی خون پاک ہو جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تغیر اوصاف کسی شے کی طہارت و نجاست میں مؤثر ہوتا ہے کہ ایک شے اصل میں

نجس تھی لیکن اس میں تغیر ماہیت ہو گیا جس کی وجہ سے وہ پاک ہو گئی۔

اسی کا عکس لے لیں کہ پانی اصلاً طاہر تھا اس میں وقوع نجاست ہو گیا اور اس کے اوصاف اور صورت

بدل کر جس کی وجہ سے وہ نجس ہو جاتا ہے۔

یہ استدلال بالعکس ہے جو علم مناظرہ میں استدلال کی ایک قسم کا نام ہے۔ تو یہ عکس سے استدلال ہوتا

ہے کہ جب ایک نجس شے تغیر اوصاف کی وجہ سے پاک ہو سکتی ہے تو ایک طاہر شے تغیر اوصاف کی وجہ سے نجس

ہو سکتی ہے، اس طرح یہ استدلال بالعکس ہوگا، تو اس وجہ سے اس حدیث کو اس باب میں لائے۔

(۶۸) باب البول فی الماء الدائم

رکے ہوئے پانی میں پیشاب کرنا

۲۳۸۔ حدثنا أبو الیمان قال : أخبرنا شعیب قال : أخبرنا أبو الزناد أن

عبدالرحمن ابن ہرمز الأعرج حدثه أنه سمع أبا هريرة أنه سمع رسول الله ﷺ يقول: ((نحن الآخرون السابقون)). [أنظر: ۸۷۶، ۸۹۶، ۲۹۵۶، ۳۳۸۶، ۶۶۲۳، ۶۸۸۷، ۷۰۳۶، ۷۴۹۵، ۱۹۶]

۲۳۹۔ وبإسناده قال: ((لا يبولن أحدكم في الماء الدائم، الذي لا يجري، ثم يغتسل فيه)).

یہ روایت پہلے عبدالرحمن ابن ہرمز اعرج کے حوالے سے نقل کی کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”نحن الآخرون السابقون“ ہم آخر ہیں اور سبقت لے جانے والے ہیں، یعنی امت محمدیہ علی صاحبہا السلام زمانہ کے اعتبار سے آخر میں آئی ہے لیکن فضیلت کے اعتبار سے سابق ہے۔

پھر اسی سند سے آگے حدیث روایت کی ہے کہ ”لا يبولن أحدكم في الماء الدائم، الذي لا يجري، ثم يغتسل فيه“۔

یہاں پہلا مسئلہ یہ ہے کہ یہ جملہ اس جگہ کیوں لایا گیا کہ ”نحن الآخرون السابقون“۔ بعض حضرات نے یہ سمجھا کہ یہ اسی حدیث کا حصہ تھا، حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ حدیثیں ایک ساتھ سنائیں اس واسطے یہ اکٹھے لے آئے۔

لیکن اگر ایسا ہوتا تو بیچ میں ”بإسناده قال“ کہنے کی ضرورت نہیں تھی، یہ ایک ہی حدیث ہوتی، حالانکہ یہ ایک حدیث نہیں ہے بلکہ الگ الگ ہیں اس لئے ”بإسناده قال“ کہہ رہے ہیں۔

اس کی صحیح وجہ یہ ہے کہ درحقیقت امام بخاری رحمہ اللہ کے پاس عبدالرحمن ابن ہرمز اعرج کا ایک صحیفہ آگیا تھا اس صحیفے کو وہ سند سے روایت کرتے تھے، اس صحیفے میں سب سے پہلی حدیث یہ ہے ”نحن الآخرون السابقون“ تو جب کبھی اس صحیفے کے حوالے سے کوئی حدیث روایت کرتے ہیں تو پہلے ”نحن الآخرون السابقون“ روایت کرتے ہیں یہ بتانے کے لئے کہ میں خود اس صحیفے سے روایت کرتا ہوں جس میں پہلی حدیث ”نحن الآخرون السابقون“ ہے۔

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ امام مسلم رحمہ اللہ جب صحیفہ ہمام بن منبہ سے کوئی حدیث روایت کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ”أنا همام بن منبه قال هذا ما حدثنا أبي هريرة عن النبي ﷺ“

فلذکر احادیث منها وقال رسول الله ﷺ: “

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ جب اس صحیفے سے حدیث روایت کریں گے تو سب سے پہلے وہ حدیث لائیں گے جو اس صحیفے کی پہلی حدیث ہوگی، آگے حدیث نقل کی ہے کہ ”لا یسولن أحدکم فی الماء الدائم“ تم میں سے کوئی شخص رکے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے ”الذی لا یجری“ جو جاری نہ ہو، ”ثم یغتسل فیہ“ پھر اس میں غسل کرے، یعنی یہ دو کام ایک ساتھ کرنا جائز نہیں ہیں کہ اس میں پیشاب بھی کرے اور پھر غسل بھی کرے، اس سے یہی مقصود ہے کہ پیشاب کے گرنے سے پانی نجس ہو جائے گا۔

بعض حضرات نے اس میں تاویل کی ہے کہ یہ اس لئے منع کیا گیا ہے کہ جب ایک شخص پیشاب کرے گا تو دوسرا بھی کرے گا، پھر تیسرا اور چوتھا بھی کرے گا یہاں تک کہ اس کے اوصاف متغیر ہو جائیں گے، لیکن یہ سب لمبی چوڑی اور دراز کا رتا ویلات کرنے کی حاجت نہیں ہے اس واسطے کہ یہ فرمایا جا رہا ہے کہ پیشاب نہ کرو اور پھر اس میں غسل بھی کرو، تو فوراً غسل کا ذکر ہے۔

معلوم ہوا کہ اس میں آٹھ دس آدمیوں کے پیشاب کرنے کا انتظار نہیں ہے اگر کسی ایک شخص کا پیشاب بھی پہنچ گیا تو اس کے ناپاک قرار دینے کے لئے کافی ہے۔

(۶۹) باب إذا ألقى على ظهر المصلي قدر أو جيفة

لم تفسد عليه صلاته

جب نمازی کی پشت پر گندگی یا مردار ڈال دیا جائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی

”وكان ابن عمر إذا رأى في ثوبه دما وهو يصلي وضعه ومضى في صلاته . وقال

ابن المسيب والشعبي : إذا صلى وفي ثوبه دم أو جنابة ، أو لغير القبلة ، أو تيمم وصلى ثم أدرك الماء في وقته : لا يعيد“ .

یہ ترجمہ الباب قائم کیا گیا ہے کہ اگر کسی نماز پڑھنے والے کی پشت پر کوئی گندگی یا مردار لا کر ڈال دیا جائے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

مسلك بخاری رحمہ اللہ

اس ترجمہ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ اپنا مسلک بیان کر رہے ہیں کہ اگرچہ نماز کی ابتدا میں مصلیٰ کے لئے ضروری ہے کہ وہ طہارت کا اہتمام کرے، اس کے جسم یا کپڑے پر کوئی نجاست نہ لگی ہوئی ہو لیکن یہ حکم ابتداء نماز کا ہے، لیکن اگر کوئی شخص طہارت کی حالت میں نماز شروع کر دے اور بیچ میں اس کے اوپر کوئی نجاست

لا کر ڈال دی جائے یا نماز پڑھنے کے درمیان اس کو ویسے ہی کوئی نجاست نظر آجائے تو پھر بقاء اس کے ذمے اس نجاست سے احتراز لازم نہیں ہے اور وہ نماز کو جاری رکھ سکتا ہے، نجاست کے نظر آنے اور نجاست کا علم ہونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، گویا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ابتداء اور بقائیں فرق ہے۔

حالت ابتداء میں ”طہارت عن النجاست“ واجب ہے اس کے بغیر نماز درست نہیں ہوتی اور حالت بقا میں طہارت عن النجاست اس درجے میں واجب نہیں ہے، اگر نماز کے درمیان کوئی نجاست دریافت ہوئی تو اس صورت میں نماز فاسد نہیں ہوتی بلکہ بدستور باقی رہتی ہے اور صحیح ہو جاتی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ اپنا مسلک بیان کیا ہے اور اسی پر ترجمۃ الباب قائم کیا ہے اور اس واقعہ سے استدلال کیا ہے جس میں رسول کریم ﷺ کے کاندھے مبارک پر سجدے کی حالت میں او جڑی لا کر ڈال دی گئی تھی اس کے باوجود آپ ﷺ نے نماز نہیں توڑی بلکہ جاری رکھی۔

جمہور کا مسلک

جمہور کا مسلک جن میں حنفیہ بھی داخل ہیں یہ ہے کہ جس طرح ابتداء نماز میں نجاست سے احتراز ضروری ہے اسی طرح بقاء صلوٰۃ میں بھی ضروری ہے، چنانچہ اگر نماز کے دوران کسی نجاست کا علم ہوا یا کوئی نجاست نظر آئی تو پھر اس نماز کا اعادہ کرنا واجب ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ایک اثر سے استدلال کیا ہے جس کو تعلیقاً نقل کیا ہے، فرمایا ”وکان ابن عمر إذا رأى في ثوبه دما وهو يصلي وضعه ومضى في صلاته“۔
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ معمول نقل کیا ہے کہ جب وہ اپنے کپڑوں پر خون دیکھتے اور وہ نماز کی حالت میں ہوتے تو اس کپڑے کو اتار دیتے تھے اور اپنی نماز کو جاری رکھتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ جو خون اثناء صلوٰۃ میں نظر آیا اس کی وجہ سے وہ نماز کو فاسد نہیں سمجھتے تھے۔

جمہور کا جواب

جمہور کی طرف سے اس اثر کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں اس اثر کا دوسرا جز ذکر نہیں فرمایا، یہ جز تو ذکر فرما دیا کہ کپڑا اتار دیتے اور نماز کو جاری رکھتے، لیکن اسی اثر کے اندر دوسرا حصہ یہ ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مکمل اثر منقول ہے جس میں ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اگر اثناء صلوٰۃ

میں اپنے کپڑے پر خون دیکھتے اور اس کپڑے کو الگ کر دینا ممکن ہوتا تو الگ کر دیتے، آخر میں ”وان لم يستطع خرج فغسله ثم جاء بيني على ما كان صلى“۔

اور اگر اس کپڑے کو الگ کر دینا ممکن نہ ہوتا تو نماز سے نکل آتے اور اس کپڑے کو دھوتے تھے، پھر باقی نماز کا بنا کرتے۔ ۱۹۷

اس اثر کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

ایک مطلب ایسا ہے جس سے امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال درست ہو جاتا ہے اور دوسرا مطلب ایسا ہے جس سے امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال درست نہیں رہتا۔

جس سے امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال درست ہو جاتا ہے یہ ہے کہ ان کو اپنے کپڑے پر خون نظر آیا جس کے بارے میں غالب گمان یہ ہے کہ یہ خون کافی پہلے سے نکلا ہوا تھا، کپڑے پر شروع سے موجود تھا، اس صورت میں اگر یہ سمجھا جائے کہ خون پہلے سے موجود تھا اس کے بعد حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یا تو کپڑا اتار دیتے تھے یا اس کو جاکر دھوتے تھے اور دھو کر پھر پہنا کرتے تھے تو اس سے اس حد تک امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال درست ہوگا کہ شروع سے اب تک خون کے ساتھ جو نماز پڑھی گئی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کو معتبر مانا اور علم ہو جانے کے بعد انہوں نے دھویا۔

لیکن اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خون پہلے سے موجود نہیں تھا بلکہ اسی وقت نکلا تھا، نماز پڑھتے پڑھتے خون نکلا اور اس سے کپڑے پر خون لگ گیا، اور جوں ہی خون نکلا اور کپڑے پر لگا انہوں نے فوراً کپڑا اتار دیا یا جاکر اس کو دھولیا اور دھو کر پھر بنا فرمائی۔

اس صورت میں ایسا کوئی وقت نہیں گزرا جس میں نماز پڑھی جا رہی ہو اور کپڑے پر خون لگا ہوا ہو۔ اگر یہ معنی مراد لئے جائیں تو پھر یہ اثر امام بخاری رحمہ اللہ کی تائید نہیں کرے گا بلکہ جمہور کی تائید کرے گا۔ جب دونوں احتمال ہیں تو پھر ”إذا جاء الإحتمال بطل الاستدلال“ اس سے استدلال درست نہ ہوا۔

احتمال

احتمال تو ہے کہ خون اگر اپنے جسم سے نکلا ہے تب تو وضو بھی کریں گے لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ اپنے جسم سے نہ نکلا ہو کہیں اور سے کپڑے پر لگ گیا ہو تو اس صورت میں وضو کی ضرورت نہیں ہے بلکہ

۱۹۷۔۔۔ عن ابن عمر أنه كان إذا كان في الصلاة فرأى في ثوبه دما فإن استطاع أن يضعه وضعه وإن لم يستطع أن يضعه خرج فغسله ثم جاء بيني على ما كان صلى. مصنف ابن أبي شيبة، باب في الرجل يرى الدم في ثوبه وهو في الصلاة، رقم: ۷۲۷۶، ج: ۲، ص: ۱۲۸، مكتبة الرشد، الرياض، ۱۴۰۹ھ۔

صرف کپڑا اتار لیا یا اس کو جا کر دھو لیا تو یہ کافی ہے۔

احتمال

یہاں پر احتمال ناشی عن غیر دلیل نہیں ہے، دونوں احتمال برابر کے ہیں، کیونکہ روایت کے اندر دونوں میں سے کسی ایک بات کی بھی صراحت نہیں ہے صرف یہ کہا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ خون دیکھتے تو کپڑا اتار دیتے یا اس کو جا کر دھو لیتے، اب یہ بھی احتمال ہے کہ وہ خون پہلے سے موجود تھا اور یہ بھی احتمال ہے کہ ابھی لگا ہو، دونوں احتمال برابر کے ہیں۔ آگے فرمایا:

”وقال ابن المسيب والشعبي: إذا صلى وفي ثوبه دم أو جنابة أو لغيرا لقبله أو تيمم وصلى ثم أدرک الماء في وقته: لا يعيد“.

چار فقہی مسائل

سعید بن المسیب اور شعبی رحمہما اللہ نے یہاں چار مسئلے بیان کئے ہیں:

ایک مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے اس حالت میں نماز پڑھی کہ اس کے کپڑوں پر خون لگا ہوا تھا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اس حالت میں نماز پڑھی کہ اس کے کپڑے پر جنابت یعنی منی لگی ہوئی تھی، کہتے ہیں کہ ان دونوں صورتوں میں نماز پڑھ لی تو اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ دونوں مسئلے امام بخاری رحمہ اللہ کی تائید کرتے ہیں، لیکن یہ سعید بن المسیب اور عامر شعبی رحمہما اللہ کا قول ہے جو تابعین میں سے ہیں اور ان کا قول دوسرے مجتہدین کے خلاف حجت نہیں ہو سکتا کیونکہ حنفیہ اور جمہور کا استدلال قرآن کریم کی آیت ”و ثيابك فطهر“ سے ہے کہ اپنے کپڑوں کو پاک کرو۔ کپڑوں کو پاک کرنے کا حکم قرآن نے دیا ہے اور اس میں ابتداء صلوٰۃ اور انتہاء صلوٰۃ میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ کسی شخص نے غیر قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ لی، بعد میں پتہ چلا کہ جس طرف رخ کر کے نماز پڑھی تھی وہ قبلہ کا رخ نہیں تھا، فرماتے ہیں کہ اس صورت میں نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اس مسئلہ میں حنفیہ کا بھی یہی قول ہے کہ اگر کسی شخص نے تحری کر کے کسی ایک جانب کو قبلہ سمجھا اور اس طرف رخ کر کے نماز پڑھ لی، بعد میں پتہ چلا کہ اس کی تحری غلط تھی اور قبلہ دوسری جانب تھا تب بھی اس کی نماز ہو جائے گی، اگر وقت کے اندر بھی پتہ چل گیا تب بھی اس کے ذمہ نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے۔ ۱۹۸

۱۹۸ فان كان بعد التحري فكل لك المسئلة عندنا وان كان بدون التحري فانه يعيدها عندنا، فيض الباری،

چوتھا مسئلہ بیان کیا کہ ایک شخص کے پاس پانی موجود نہیں تھا اس نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی، بعد میں نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے پہلے اس کو پانی مل گیا، کہتے ہیں کہ اس صورت میں نماز کا اعادہ واجب نہیں ہے، جو نماز تیمم سے پڑھی تھی وہ ادا ہوگئی۔

اس مسئلہ میں بھی حنفیہ ان حضرات کے ساتھ متفق ہیں کہ ہاں اعادہ واجب نہیں ہوگا، البتہ اگر نماز کے دوران پانی نظر آجائے تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی اور پھر وضو کر کے نماز پڑھنا واجب ہوگا۔

۲۴۰۔ حدثنا عبدان قال : أخبرني أبي ، عن شعبة ، عن أبي إسحاق ، عن عمرو ابن ميمون ، عن عبد الله قال : بينا رسول الله ﷺ ساجد ح . وحدثني أحمد بن عثمان قال : حدثنا شريح بن مسلمة قال : حدثنا إبراهيم بن يوسف ، عن أبيه ، عن أبي إسحاق قال : حدثني عمرو بن ميمون : أن عبد الله بن مسعود حدثه أن النبي ﷺ كان يصلي عند البيت ، وأبو جهل وأصحاب له جلوس ، إذ قال بعضهم لبعض : أيكم يجي بسلي جزور بن فلان فيضعه على ظهر محمد إذا سجد؟ فانبعث اشقى القوم ، فجاء به فنظر حتى إذا سجد النبي ﷺ وضعه على ظهره بين كتفيه وأنا أنظر ، لا أغنى شيئا ، لو كانت لي منعة ، قال : فجعلوا يضحكون ويحيل بعضهم على بعض ، ورسول الله ﷺ ساجد لا يرفع رأسه ، حتى جاءته فاطمة فطرحته عن ظهره ، فرفع رأسه ثم قال : ((اللهم عليك بقريش)) ثلاث مرات . فشق عليهم ، إذ دعا عليهم ، قال : وكانوا يرون أن الدعوة في ذلك البلد مستجابة ، ثم سمي : ((اللهم عليك بأبي جهل ، وعليك بعتبة بن ربيعة ، وشيبة بن ربيعة ، والوليد بن عتبة وأمية بن خلف ، وعقبة بن أبي معيط)) وعد السابع فلم نحفظه ، قال : فوالذي نفسي بيده لقد رأيت الذين عد رسول الله ﷺ ضرعى في القليب قليب بدر . [أنظر: ۵۲۰، ۲۹۳۴، ۳۱۸۵، ۳۸۵۴، ۳۹۶۰، ۱۹۹]

عبارت کی تشریح

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی کہ ”بینا رسول اللہ ﷺ ساجد“ اس دوران کہ رسول اللہ ﷺ سجدہ کی حالت میں تھے، پھر آگے یہی حدیث دوسری سند سے روایت کی ہے کہ ”حدثني أحمد

بن عثمان ان النبی ﷺ کان یصلی عند البیت“ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے قریب نماز پڑھ رہے تھے ”وآبو جہل وأصحاب له جلوس“ ابو جہل اور اس کے ساتھی وہاں پر بیٹھے ہوئے تھے ”إذا قال بعضهم لبعض“ ان میں سے بعض نے دوسرے بعض سے کہا ”ایکم یجی بسلی جزور بن فلان فیضعہ علی ظہر محمد إذا سجد؟“

”سلی“ او جھڑی کو کہتے ہیں جو کسی جانور کے پیٹ سے نکلتی ہے اور ”جزور“ اونٹ کو کہتے ہیں، تو معنی یہ ہوئے کہ کون ہے جو بنی فلاں کے اونٹ کی او جھڑی لے کر آئے اور جب نبی کریم ﷺ سجدے میں جائیں تو وہ آپ ﷺ کی پشت پر رکھ دے۔

”فانبعث اشقی القوم“ اس قوم میں جو سب سے زیادہ دشمنی شخص تھا وہ اٹھا۔ یہاں ”اشقی القوم“ سے عقبہ بن ابی معیط مراد ہے کیونکہ یہ حرکت عقبہ بن ابی معیط نے ہی کی تھی، روایت میں اس کو ”اشقی القوم“ کہا گیا ہے کہ یہ بہت بڑی گستاخی کا ارتکاب کیا تھا ”فجاء بہ“ وہ لے کر آیا ”فنظر حتی إذا سجد النبی ﷺ ووضعه علی ظہرہ بین کتفیه وأنا أنظر“ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں یہ سب منظر دیکھ رہا تھا ”لا اغنی شیئاً“ میں کچھ مدد نہیں کر سکتا تھا، میں کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا تھا۔

”أغنی اغناء“ کے معنی ہوتے ہیں بے نیاز کر دینا، فائدہ پہنچانا، مدد کرنا۔ تو کہتے ہیں میں اس معاملے میں مدد کرنے سے قاصر تھا ”لو کانت لی منعة“ کاش میرے پاس قوت ہوتی۔

”منعة“ کے معنی ہیں قوت دفاع، تو کہتے ہیں کاش میرے پاس قوت دفاع ہوتی تاکہ میں ان کو اس حرکت سے روک سکتا لیکن میرے پاس قوت دفاع نہیں تھی اس واسطے میں نہیں روک سکا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قریش کے نہیں تھے بلکہ ان کا تعلق بنو ہزیل سے تھا، چونکہ یہ دوسرے قبیلے کے تھے اس واسطے اگر یہ آگے بڑھ کر کوئی اقدام کرتے تو وہ سب قریش کے لوگ ان کے مقابلے میں آجاتے، جن کا مقابلہ کرنے کی ان میں طاقت نہیں تھی۔

آگے فرماتے ہیں ”فجعلوا یضحکون“ حضور اقدس ﷺ کی پشت مبارک پر او جھڑی رکھنے کے بعد وہ آپس میں ہنسنے لگے۔

”ویحیل بعضهم علی بعض“ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

ایک مطلب تو یہ ہو سکتا ہے کہ ہر ایک شخص اس حرکت کو دوسرے کے حوالے کر رہا تھا یعنی یہ کہتے تھے کہ یہ اس نے کیا ہے اور وہ کہتا تھا کہ اس نے کیا ہے، تو ہر شخص عمل کی نسبت دوسرے کے حوالے کر رہا تھا، جیسا کہ لوگ مذاق میں ایسا کرتے ہیں۔

دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ایک دوسرے پر جھکا جا رہا تھا یعنی ہنسنے کی حالت میں جب آدمی بے قابو

ہو جاتا ہے تو بعض اوقات وہ دائیں یا بائیں طرف جھک پڑتا ہے، تو ان میں سے بھی لوگ ہنسی کے مارے بعض بعض پر جھکے ہوئے تھے۔

”و رسول اللہ ﷺ ساجد لا یرفع رأسہ“ آپ ﷺ سجدہ کی حالت میں تھے، سر نہیں اٹھا رہے تھے ”حتی جاء نہ فاطمة فطرحته عن ظهرہ“ یہاں تک کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حاضر ہوئیں اور اس نجاست کے پلندہ کو آپ ﷺ کی پشت مبارک سے اٹھا کر پھینکا۔

”فوقع رأسہ“ آپ ﷺ نے اپنا سر اٹھایا ”ثم قال: اللہم علیک بقریش، ثلاث مرات“ تین بار یہ بات فرمائی ”فشق علیہم إذا دعا علیہم“۔

جب آپ ﷺ نے ان کے حق میں بددعا کی تو یہ بات ان کو بہت گراں گذری۔ ”قال: وکانوا یرون أن الدعوة فی ذلک البلد مستحابة“ اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس شہر مکہ مکرمہ میں اللہ کے ہاں دعا بہت قبول ہوتی ہے۔

”ثم سمی“ پھر آپ ﷺ نے نام لے کر بددعا کی اور فرمایا ”اللہم علیک بابی جہل“ اے اللہ! آپ ابو جہل کو ہلاک کر دیجئے ”علیک بفلان“ کے لفظی معنی ہیں فلاں کو پکڑ لیجئے ”وعلیک بعتبة بن ربیعة، وشيبة بن ربیعة وعد السابع فلم نحفظہ“ اور ایک ساتویں شخص کا نام بھی لیا تھا جو راوی کو یاد نہیں رہا۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عمارۃ بن الولید بن المغیرۃ کا نام لیا تھا۔

”قال: فوالذی نفسی بیدہ لقد رأیت الذین عد رسول اللہ ﷺ صرعی فی القلب“ قلب بدر“ فرماتے ہیں کہ جن کا نام لے کر رسول کریم ﷺ نے بددعا فرمائی تھی ان سب کو اس اندھے کنویں میں پھینکا ہوا دیکھا جو بدر میں واقع تھا ”صرعی“ صریح کی جمع ہے جس کے معنی ہیں پھینکا ہوا یعنی ہلاک شدہ۔ بدر کے موقع پر سب قتل ہوئے اور اس قلب کے اندر ان کی لاشوں کو ڈالا گیا۔

یہاں اس واقعہ میں دو باتیں قابل ذکر ہیں:

ایک یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں تو نہ اٹھا سکا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آکر اٹھا دیا حالانکہ قوت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے کم تھیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نہیں اٹھا سکے اور حضرت فاطمہؓ نے اٹھا لیا، یہ کیسے ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے جیسا کہ گذرا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا تعلق قبیلہ بنو ہزیل سے تھا، قریش سے نہیں تھا اس لئے وہ ڈرتے تھے کہ اگر میں نے کوئی اقدام کیا تو سب مل کر مجھ پر پل پڑیں گے، بخلاف حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے کہ وہ قریش سے تعلق رکھتی تھیں اس لئے قریش کے لوگ ان پر دست درازی کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔

دوسری بات اس واقعہ میں یہ قابل ذکر ہے کہ یہاں آنحضرت ﷺ کا عام معمول بددعا کرنے کا نہیں تھا۔ بہت سے لوگ جنہوں نے آپ ﷺ کو اس سے بھی زیادہ تکلیف پہنچائیں آپ ﷺ نے ان کے حق میں بھی بددعا نہیں فرمائی جیسا کہ جب آپ ﷺ طائف تشریف لے گئے تو وہاں کے لوگوں نے آپ ﷺ پر پتھر برسائے، آپ ﷺ کے گھٹنے لہولہان ہو گئے، جب آپ ﷺ سے کہا گیا کہ بددعا کریں تو اس کے باوجود آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں بددعا نہیں کر سکتا، ہو سکتا ہے کہ ان میں سے ایسے لوگ پیدا ہو جائیں جو بعد میں مسلمان ہو جائیں، وہاں بددعا کرنے سے انکار فرمایا اور یہاں بددعا فرمائی۔

علماء کرام نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ طائف کے واقعے کی تکلیف حضور اقدس ﷺ کی ذات تک محدود تھی، آپ ﷺ کو تکلیف پہنچائی گئی تھی، آپ ﷺ کے اوپر پتھر برسائے گئے تھے، آپ ﷺ کو زخمی کیا گیا تھا، آپ ﷺ نے محض اپنی ذات کا بدلہ لینا اور اس کے لئے بددعا کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

لیکن یہاں معاملہ اپنی ذات کا نہیں تھا، جس وقت آپ ﷺ نماز میں سجدہ کی حالت میں تھے، اس وقت اللہ ﷻ سے رشتہ جڑا ہوا تھا، اس حالت میں نماز خراب کرنے کی کوشش کی کہ نجاست لا کر رکھ دی، تو یہ ایک طرح سے اللہ ﷻ کی شان میں گستاخی تھی، اس لئے آپ ﷺ نے اس موقع پر بددعا کی۔ ۲۰۰

ترجمۃ الباب سے مناسبت

آخری بات جو اس حدیث سے متعلق ہے وہ ترجمۃ الباب سے مناسبت رکھتی ہے۔ یہاں حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے جسم اطہر پر نجاست رکھی گئی اس کے باوجود آپ ﷺ نے نماز کو قطع نہیں فرمایا بلکہ جاری رکھا اور اس عمل سے نماز کو فاسد قرار نہیں دیا، اس سے امام بخاری رحمہ اللہ اس بات پر استدلال کرنا چاہ رہے ہیں کہ اگر نماز کے دوران نجاست طاری ہو جائے تو وہ مفسد صلوٰۃ نہیں ہوتی۔ جمہور کی طرف سے اس کی مختلف توجیہات کی گئی ہیں:

بعض حضرات نے فرمایا کہ روایت میں اس بات کی صراحت نہیں ہے کہ جو اوچھڑی لا کر رکھی گئی تھی وہ تر تھی، ہو سکتا ہے کہ خشک ہو اور خشک اوچھڑی رکھنے سے کپڑا نخس نہیں ہوتا۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے اس وقت تک نجاست کا رکھنا مفسد صلوٰۃ قرار نہ دیا گیا ہو، یہ حکم

۲۰۰ وفیہ حلیمہ علیہ السلام عن آدماء، لفی رواية الطيالسی عن شعبة فی هذا الحديث أن ابن مسعود قال: لم آره دعا علیہم الا یومئذ. وانما استحقوا الدعاء حیثذ لما اقدموا علیہ من الاستخفاف به حال عبادة ربه. کذا ذکرہ الحافظ فی الفتح، ج: ۱، ص: ۳۵۲، وذكرہ العینی فی العمدة: ... وانما استحقوا الدعاء حیثذ لما اقدموا علیہ من التہکم به حال عبادة لربه تعالیٰ، ج: ۲، ص: ۶۷۷.

بعد میں آیا ہو، مگر حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اخیر ”کتاب التفسیر“ میں ابن المنذر کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے اگر وہ روایت صحیح ہو تو کوئی تکلف اور جواب دہی کی ضرورت ہی نہیں رہتی، جس سے معاملہ صاف ہو جاتا ہے کہ جب یہ واقعہ پیش آیا تو اس کے بعد ”وئسابک فطھر“ نازل ہوئی، تو جب طہارت ثوب کا حکم اس واقعہ کے وقت نہیں تھا جو پھر اشکال ہی نہیں۔ ۲۰۱

لیکن علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے ”فیض الباری“ میں یہ بھی فرمادیا کہ مجھے یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ صحیحین کی متفقہ حدیث سے پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ زمانہ فترۃ وحی کے بعد جب نزول قرآن شروع ہوا تو سب سے پہلے سورۃ مدثر نازل ہوئی جس سے شروع میں یہ آیت ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ زمانہ فترۃ زیادہ سے زیادہ تین سال تھا اس سے زائد کسی کا قول نہیں۔۔۔ لہذا اس روایت کو صحیح ماننا بہت دشوار ہے۔ ۲۰۲

البتہ ایک دوسرا احتمال موجود ہے اور وہ احتمال یہ ہے کہ اگرچہ تطہیر ثوب کے احکامات آچکے تھے لیکن اس وقت ان میں اتنی تشدید نہیں تھی کہ اگر تھوڑی دیر کے لئے بھی نجاست کپڑے پر لا کر رکھ دی گئی تو اس کو مفسد صلوٰۃ قرار دیا جاتا ہو، ہو سکتا ہے کہ بعد میں یہ حکم آگیا ہو۔

اور مجھے یہی زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں محض ایک واقعہ بیان ہوا ہے، یہ بیان نہیں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے بعد میں نماز کا اعادہ فرمایا یا نہیں فرمایا۔ تو عین ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے بعد میں نماز کا اعادہ فرمایا ہو، بلکہ حدیث کے جواظ یہاں مذکور ہیں ان سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شروع میں جب کوئی چیز لا کر رکھی گئی، آپ ﷺ سجدہ کی حالت میں تھے آپ ﷺ کو یہ پتہ بھی نہیں چلا کہ کیا چیز رکھی گئی ہے، آپ ﷺ نے سجدہ جاری رکھا لیکن جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اٹھ لیا اور اٹھانے کے نتیجے میں پتہ چلا کہ یہ اوجھڑی ہے جو ناپاکی ہے۔

تو جو روایت یہاں مذکور ہے اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے اسی وقت نماز توڑ دی، کیونکہ روایت کے الفاظ ہیں ”جاءتہ فاطمۃ فطرحته عن ظہرہ، فرفع رأسہ ثم قال“ آپ ﷺ نے سر اقدس اٹھایا اور پھر فرمایا ”اللہم علیک بقریش“ ظاہر ہے یہ بددعا کے الفاظ آپ ﷺ نماز میں تو نہیں کہہ سکتے تھے، پتہ چلا کہ سر اقدس کو اٹھانے کے بعد جب دیکھا کہ نجاست لا کر رکھ دی گئی تھی اس لئے نماز نہیں ہوئی، لہذا آپ ﷺ نے نماز توڑ دی اور پھر بددعا فرمائی۔

اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے بعد نماز کو جاری نہیں رکھا بلکہ اسی وقت نماز توڑ دی، بعد میں کسی وقت اس کا اعادہ کیا ہوگا، چونکہ راوی کے پیش نظر اس وقت وہ مسئلہ نہیں تھا اس واسطے اس نے

اعادہ کا ذکر نہیں کیا لیکن عدم ذکر سے عدم شے لازم نہیں آتا، لہذا اس سے استدلال درست نہیں ہے۔

(۷۰) باب البزاق والمخاط ونحوہ فی الثوب

کپڑے میں تھوک اور رینٹ (ناک کی ریش) وغیرہ کے لینے کا بیان

”وقال عروة عن المسور و مروان : خرج النبي ﷺ زمن حديبية فذكر الحديث : وما تنخم النبي ﷺ نخامة إلا وقعت فيكف رجل منهم فدلک بها وجهه وجلده“.

۲۴۱۔ حدثنا محمد بن يوسف قال : حدثنا سفيان ، عن حميد ، عن أنس قال :

بزق النبي ﷺ في ثوبه . قال أبو عبد الله : طوله ابن أبي مریم . قال : أخبرنا يحيى بن أيوب قال : حدثني حميد قال : سمعت أنسا عن النبي ﷺ . [أنظر : ۴۰۵ ، ۴۱۲ ، ۴۱۳ ، ۴۱۷ ، ۵۳۲ ، ۵۳۳ ، ۸۲۲ ، ۱۲۱۳] ۲۰۳

اس باب میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ تھوک اور ناک کی ریش نجس نہیں ہوتی اور اگر کپڑوں پر لگ جائے تو اس سے کپڑا بھی ناپاک نہیں ہوتا اور اگر نماز کی حالت میں کپڑے پر لگ جائے تو اس سے نماز کے اندر بھی کوئی نقصان نہیں ہوتا اور یہ بات متفق علیہ ہے۔

”وقال عروة عن المسور و مروان : خرج عروة بن زبير“ مسور بن مخرمہ اور مروان

سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حديبية کے زمانے میں نکلے ”فذكر الحديث“ تو حديبية کی حدیث تفصیل سے ذکر کی۔

اس میں یہ جملہ بھی آیا ہے:

”وما تنخم النبي ﷺ نخامة إلا وقعت في كف رجل منهم فدلک بها وجهه

وجلده“ اور نبی کریم ﷺ نے اپنی ناک کی کوئی ریش نجس نہیں گرائی مگر وہ گری ان میں سے کسی شخص کے ہاتھ پر اور اس نے اس کو اپنے چہرے اور جلد پر ل لیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ نخامہ نجس نہیں ہوتا۔

۲۰۳ وفی سنن النسائی ، کتاب المساجد ، باب تخلیق المساجد ، رقم : ۷۲۰ ، وسنن ابن ماجہ ، کتاب اقامة الصلوة والسنة

فیہا ، باب المصلی یتنخم ، رقم : ۱۰۱۳ ، ومسند أحمد ، باقی مسند المکثرین ، باب مسند انس بن مالک ، رقم : ۱۲۳۹۱ ،

۱۲۵۲۲ ، ۱۳۰۷۸ ، وسنن الدارمی ، کتاب الصلوة ، باب کراهية البزاق فی المسجد ، رقم : ۱۳۶۰ .

(۷۱) باب: لا يجوز الوضوء بالنبیذ ولا المسکر،

نبیذ سے اور نہ کسی اور نشہ لانے والی چیز سے وضو جائز ہے

”وكرهه الحسن و أبو العالیة ، وقال عطاء : التيمم أحب إلى من الوضوء بالنبیذ و اللبن“.

۲۴۲۔ حدثنا علی بن عبد الله قال : حدثنا سفیان قال : حدثنا الزهري عن أبي سلمة عن عائشة عن النبي ﷺ قال : ((كل شراب أسكر فهو حرام)) . [أنظر : ۵۵۸۵ ، ۵۵۸۶] ۲۰۳

نبیذ تمر سے وضو

اس باب میں یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ نبیذ اور شراب مسکر سے وضو جائز نہیں ہے۔ جہاں تک شراب مسکر کا تعلق ہے تو اس سے وضو کا عدم جواز متفق علیہ اور مجمع علیہ ہے کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے البتہ نبیذ غیر مسکر سے وضو کے بارے میں فقہاء کرام کے درمیان اختلاف رہا ہے۔

اختلاف فقہاء

ائمہ ثلاثہ شروع سے اس بات کے قائل ہیں کہ اس سے وضو جائز نہیں ہے، البتہ امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری رحمہما اللہ کی طرف یہ منسوب ہے کہ انہوں نے اس کو جائز قرار دیا ہے کہ سکر پیدا نہ ہوا ہو، صرف مٹھاس آئی ہو اور جب تک رقت اور سیلان باقی ہو، اس وقت تک اس سے وضو جائز ہے۔ ۲۰۵

یہ حضرات اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر پانی کے ساتھ کوئی طاہر شے مل جائے اور اس کے

۲۰۴۔ وفي صحيح مسلم ، كتاب الأشربة ، باب بيان أن كل مسكر خمر وأن كل خمر حرام ، رقم : ۳۷۲۷ ، وسنن الترمذی ، كتاب الأشربة عن رسول الله ، باب ماجاء كل مسكر حرام ، رقم : ۱۷۸۶ ، وسنن النسائي ، كتاب الأشربة ، باب تحريم كل شراب أسكر ، رقم : ۵۴۹۶ ، وسنن أبي داود ، كتاب الأشربة ، باب النهي عن المسكر ، رقم : ۳۱۹۷ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب الأشربة ، باب كل مسكر حرام ، رقم : ۳۳۷۷ ، ومسنند أحمد ، باقي مسند الأنصار ، باب حديث سيلة عائشة ، رقم : ۲۲۹۵۳ ، ۲۳۲۸۷ ، ۲۳۳۹۶ ، وموطأ مالك ، كتاب الأشربة ، باب تحريم الخمر ، رقم : ۱۳۳۱ ، وسنن الدارمی ، كتاب الأشربة ، باب ما قيل في المسكر ، رقم : ۲۰۰۵ .

اوصاف بھی تبدیل کر دے، تب بھی وہ پانی اپنی مائیت سے نہیں نکلتا جب تک کہ اس میں رقت اور سیلان باقی ہے۔ نبیذ میں پانی کے ساتھ جو چیز ملی ہے وہ کھجور ہے جو پاک ہے، اس واسطے اس سے وضو کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

احناف کا استدلال

اس کی تائید عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے جو ابوداؤد اور ترمذی میں ہے۔ اس میں الفاظ ”تمر طيبة ماء طهور“ سے معلوم ہوتا ہے کہ کھجور کی وجہ سے پانی کے وضو پر کوئی اثر نہیں پڑا، جس میں لیلۃ الجن میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نبیذ تمر سے وضو کرنا ثابت ہے۔

احناف کے استدلال پر اشکال

اس حدیث میں محدثین نے کلام کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے ابو یزید ہیں، ان کے سوا کوئی اور روایت نہیں کرتا اور وہ مجہول ہیں۔

علامہ عینی رحمہ اللہ کا جواب

علامہ عینی رحمہ اللہ اس بات کی تردید میں فرماتے ہیں کہ ”انہ روى هذا الحديث أربعة عشر رجلاً عن ابن مسعود كما رواه أبو زيد الخ“ کہ اس روایت کو ابو یزید رضی اللہ عنہ کی طرح چودہ راویوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس لئے ابو یزید کو مجہول کہنا درست نہیں، کیونکہ اس سے جہالت عین مرتفع ہو جاتی ہے۔ ۲۰۶

بہر حال یہ حدیث متکلم فیہ ضرور ہے اور بعد میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا اس مسئلہ سے جمہور کے قول کی طرف رجوع کرنا بھی ثابت ہے۔ جب رجوع ثابت ہے تو پھر ان پر تکلف جوابات کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ امام طحاویؒ اور حافظ زبیلیؒ جیسے حنفی محدثین نے بھی اس حدیث کے ضعف کو تسلیم کیا ہے۔ قرآن کریم میں چونکہ ماء کے لفظ کا اطلاق ہوا ہے اور یہ ماء مطلق کو کہا جائے گا، لہذا اس میں اگر کوئی اور چیز شامل ہو گئی جس کی وجہ سے اس کو ماء نہ کہہ سکتے ہوں تو پھر اس سے وضو درست نہ ہوگا۔ اب اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور دوسرے حضرات کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

”وكرهه الحسن وأبو العالیة“ حسن بصری رحمہ اللہ اور ابو العالیہ نے بھی اس کو مکروہ سمجھا۔

وقال عطاء: "التيمم أحب إلى من الوضوء بالنبيذ واللين" کہ میرے نزدیک تیمم کر لینا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ نبیذ یا دودھ سے وضو کیا جائے، کیونکہ وہ ماء مطلق کی تعریف میں داخل نہیں ہے۔ آگے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "کل شراب أسکر فهو حرام"۔

اس روایت سے دوسرا جز تو ثابت ہو گیا کہ مسکر سے وضو درست نہیں، لیکن نبیذ چونکہ غیر مسکر ہے اس لئے اس کا حکم اس حدیث سے ثابت نہیں ہوتا، چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کو کوئی حدیث مرفوع، کوئی دلیل نہیں ملی اس لئے ذکر نہیں کی۔

(۷۲) باب غسل المرأة أباهما الدم عن وجهه،

عورت کا اپنے باپ کے چہرہ سے خون کو دھونے کا بیان

"وقال أبو العالیہ: أمسحوا علی رجلی فإنها مریضة"۔

۲۳۳ - حدثنا محمد قال: حدثنا سفيان بن عيينة عن أبي حازم، سمع سهل بن سعد الساعدي وسأله الناس وما بيني وبينه أحد: بأى شيء دوى جرح النبي ﷺ فقال: ما بقي أحد أعلم به مني، كان علي يجمع بترسه فيه ماء، وفاطمة تغسل عن وجهه الدم، تأخذ حصير فأحرق فحشى به جرحه. [أنظر: ۲۹۰۳، ۲۹۱۱، ۳۰۳۷، ۴۰۷۵، ۵۲۳۸، ۵۷۲۲، ۶۰۷]

مقصود بخاری رحمہ اللہ

اس باب میں یہ مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے کہ عورت اپنے والد کے چہرے سے خون دھو سکتی ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد اس مسئلہ کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ مس مرأة ناقض وضو نہیں ہوتا یعنی امام شافعی رحمہ اللہ کی تردید کرنا چاہتے ہیں کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ مس مرأة کو ناقض وضو کہتے ہیں اگر کوئی عورت اپنے والد کے چہرے سے خون دھوئے گی تو ظاہر ہے کہ چہرے کو مس کرے گی تو یہ مس ناقض وضو نہیں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس مسئلہ میں حنفیہ کی طرف ہیں۔

۲۰۷ وفی صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسير، باب غزوة أحد، رقم: ۳۳۳۵، وسنن الترمذی، کتاب الطب عن رسول اللہ، باب التداوی بالرماد، رقم: ۲۰۱۱، وسنن ابن ماجہ، کتاب الطب، باب دواء الجراحة، رقم: ۳۳۵۵، ومسند أحمد، باقی مسند الأنصار، باب حدیث ابی مالک سهل بن سعد الساعدي، رقم: ۲۱۷۶۳، ۲۱۷۶۴۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کے چہرہ اقدس کو دھویا اور چہرہ اقدس سے خون صاف کیا لیکن یہ کہیں مذکور نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے آپ ﷺ نے وضو فرمایا ہو حالانکہ آپ ﷺ اکثر اوقات وضو میں رہنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ بعض لوگوں نے امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ مقصود قرار دیا۔

لیکن بظاہر یہ مقصود نہیں ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ طہارت حاصل کرنے میں دوسرے سے مدد لینا جائز ہے اور وہ مدد عورت سے بھی لے سکتے ہیں، مرد سے بھی لے سکتے ہیں، جس کی دلیل یہ ہے کہ اگلا جو اثر روایت کیا ہے اس میں ابو العالیہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میرے پاؤں کا مسح کرو کیونکہ وہ بیمار تھے۔ اب اس اثر کا مس مرآۃ سے تعلق نہیں ہے، بلکہ دونوں کا اس بات سے تعلق ہے کہ پہلی صورت میں مدد کرنے والی خاتون ہیں اور دوسرے اثر میں مدد کرنے والے مرد ہیں، حضرت ابو العالیہ رحمہ اللہ مردوں سے کہہ رہے ہیں کہ میرا پاؤں بیمار ہے تم اس کے اوپر مسح کر دو۔

اس سے معلوم ہوا کی استعانت فی الوضوء جائز ہے چنانچہ اس میں سہل بن سعد الساعدیؒ کی روایت نقل کی کہ ”سمع سہل بن سعد الساعدی و سألہ الناس و ما بینی و بینہ أحد“ لوگوں نے حضرت سہل بن سعدؒ سے سوال کیا جبکہ میرے اور ان کے درمیان فاصلہ نہیں تھا ”بأی شیء دوی جرح النبی ﷺ؟“۔

سوال یہ کیا غزوۂ احد کے موقع پر نبی کریم ﷺ کو جو زخم لگا تھا اس کا علاج کس چیز سے کیا گیا تھا؟ حضرت سہلؒ نے جواب میں فرمایا ”ما بقی أحد أعلم به منی“ اب دنیا میں کوئی بھی شخص مجھ سے زیادہ اس بات کو جاننے والا نہیں رہا، کیونکہ میں اس وقت موجود تھا اور دوسرے لوگ جو موجود تھے دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ ”کان علی یجعی بترسہ فیہ ماء“ حضرت علیؓ اپنی ڈھال لے کر آتے تھے جس میں پانی بھرا ہوتا تھا ”وفاطمۃ تغتسل عن وجہہ الدم“ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے چہرہ انور سے خون کو دھوتی تھیں۔ ”فاخذ حصیر فاحرق فحشی بہ جرحہ“ ایک چٹائی لے کر اس کو جلایا گیا اور اس سے آپ ﷺ کے زخم کو خون روکنے کے لئے بھرا گیا۔

(۷۳) باب السواک

مسواک کرنے کا بیان

”وقال ابن عباس : بت عند النبی ﷺ فاستن“۔

۲۴۴۔ حدثنا أبو النعمان قال : حدثنا حماد بن زید ، عن غیلان بن جریر ، عن

أبی بردۃ ، عن أبیہ قال : أتیت النبی ﷺ فوجدته یستن بسواک بیدہ ، یقول : ((أع ، أع))

والسواک فی فیہ کانہ یتھوع. ۲۰۸

یہ باب مسواک کے بارے میں قائم کیا ہے اور اس میں تعلیقاً وہ حدیث نقل کی ہے جو پہلے کئی مرتبہ روایت کر چکے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رات گزاری ”فاستن“ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسواک سے دانت صاف کئے تھے۔

اس کے بعد حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث مسند روایت کی کہ وہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسواک سے دانت مانجھتے ہوئے پایا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تھی۔

یقول: ”اع، اع“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ میں مسواک تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ”اع، اع“ کہہ رہے تھے یعنی حلق کی آواز آرہی تھی ”کانہ یتھوع“ گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تے کر رہے ہوں۔

یعنی ہوتا یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ دانت مانجھنے کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زبان پر بھی مسواک پھیرتے تھے اور جب آدمی زبان صاف کرنے کے لئے زبان پر ذرا اندر تک مسواک پھیرتا ہے تو اس سے تے کی آواز آنے لگتی ہے، اسی کو راوی نے بیان کیا ہے۔

۲۴۵۔ حدثنا عثمان قال: حدثنا جریر، عن منصور، عن أبی وائل، عن حذیفہ

قال: کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم إذا قام من اللیل یشوص فاه بالسواک. [أنظر: ۸۸۹، ۱۱۳۶]

”شاص۔ یشوص۔ شوصاً“ کے معنی ہوتے ہیں مانجھنا یا رگڑنا، مسواک سے اپنا منہ رگڑتے تھے۔

ایک اشکال

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مسواک کی تین حدیثیں لائے ہیں لیکن عجیب بات یہ ہے کہ وہ مشہور حدیث ”لولا أن أشق علی أمتی أو علی الناس لأمرتهم بالسواک مع کل صلاة“ یہاں درج نہیں کیا حالانکہ یہی موقع محل تھا؟

نقیض جواب

بعض لوگوں نے کہا کہ یہ حدیث اس لئے نہیں لائے کہ وہ ان کی شرط پر نہیں تھی، حالانکہ یہ بات نہیں ہے امام بخاری رحمہ اللہ نے ”کتاب الجمعة“ میں یہ حدیث نکالی ہے ”لولا أن أشق علی أمتی أو علی الناس لأمرتهم بالسواک مع کل صلاة“ ۲۰۹۔

۲۰۸ وفی صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب السواک، رقم: ۳۷۳، وسنن النسائی، کتاب الطہارۃ، باب کیف

یستاک، رقم: ۳، وسنن أبی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب کیف یستاک، رقم: ۴۵۔

۲۰۹ صحیح البخاری، کتاب الجمعة، باب السواک یوم الجمعة، رقم: ۸۳۸۔

لیکن یہاں نہیں لے کر آئے حالانکہ یہ بہترین جگہ تھی، بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا اس مسئلہ میں وہی مسلک ہے جو حنفیہ کا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک مسواک سنت وضو ہے نہ کہ سنت صلوٰۃ۔ اگر امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو یہاں لاتے تو حدیث میں ہے ”لأمرتهم بالسواک عند کل صلوٰۃ“ اس سے شافعیہ کی تائید ہوتی ہے کہ مسواک سنت صلوٰۃ ہے، اس واسطے یہاں نہیں لائے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ کسی حدیث کو اس کے سب سے زیادہ مناسب باب میں نہ لانا اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ اس سے جو مسلک ثابت کیا جاتا ہے ان کے نزدیک اس کے اندر وہ مسلک ثابت نہیں ہے، اس واسطے وہ یہاں نہیں لائے بلکہ ”کتاب الجمعة“ میں لائے ہیں اور مقصود یہ ہے کہ مسواک سنت وضو ہے نہ کہ سنت صلوٰۃ۔

جمہور میں یہ اختلاف ہے کہ مسواک سنت صلاۃ ہے یا سنت وضو؟
امام شافعی رحمہ اللہ اسے سنت صلاۃ قرار دیتے ہیں، ظاہر یہ ہے کہ اس سے بھی ایسا ہی منقول ہے، لیکن حنفیہ اسے سنت وضو کہتے ہیں۔ ۲۱۰

(۷۴) باب دفع السواک إلى الأكبر

مسواک کا بڑے شخص کو دینے کا بیان

۲۴۶۔ وقال عفان: حدثنا صخر بن جويرية، عن نافع، عن ابن عمر أن النبي ﷺ قال: ((أراني أتسوك بسواك فجاءني رجلان: أحدهما أكبر من الآخر، فناولت السواك الأصغر منهما، فقل لي: كبر، فدفعته إلى الأكبر منهما))، قال أبو عبد الله: اختصره نعيم عن ابن المبارك، عن أسامة، عن نافع عن ابن عمر.
امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ روایت حضرت عفان رحمہ اللہ سے تعلیقاً نقل کی ہے اور ”حدثنا“ کی بجائے ”قال: عفان“ کہا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسے پہلے بھی گزرا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کو جب کوئی حدیث بطور مذاکرہ ملتی ہے تو اس وقت وہ ”حدثنا“ نہیں کہتے بلکہ ”قال“ کہتے ہیں۔

۲۱۰۔ وقد اختلف العلماء فيه فقال بعضهم: إنه من سنة الوضوء، وقال آخرون: إنه من سنة الصلاة، وقال آخرون إنه من سنة الدين، وهو الأقوى، نقل ذلك عن أبي حنيفة. وفي ”الهداية“ أن الصحيح استحبابه الخ، عمدة القاری، ج: ۲، ص: ۶۵۱، وفيض الباری، ج: ۱، ص: ۳۴۳.

”عن ابن عمر ان النبی ﷺ قال : أرانی أتسوک بسواک“ میں نے اپنے آپ کو خواب میں دیکھا کہ میں مسواک کر رہا ہوں ”فجاءنی رجلان :“ دو آدمی آئے ”أحدهما أكبر من الآخر“ ایک دوسرے سے بڑا تھا ”فناولت السواک الأصغر منهما“ میں نے مسواک چھوئے کودے دی ”فقیل لی“ : مجھ سے کہا گیا، کوئی آواز آئی بظاہر کسی فرشتے کی آواز تھی، جبرائیل علیہ السلام کی ہوگی۔ ”اکبر“ یعنی چھوئے کے بجائے بڑے کودو ”فدفعته الی الأكبر منهما“ میں نے بڑے کودے دی۔ اس میں ادب سکھائے ہیں کہ جب دو آدمیوں میں سے ایک بڑا اور ایک چھوٹا ہو تو ہر بات میں چھوٹے پر بڑی عمر والے کو ترجیح دینی چاہئے۔

(۷۵) باب فضل من بات علی الوضوء

اس شخص کی فضیلت کا بیان جو با وضورات کو سوائے

۲۴۷- حدثنا محمد بن مقاتل قال : أخبرنا عبد الله قال : أخبرنا سفيان ، عن منصور ، عن سعد بن عبيدة ، عن البراء بن عازب قال : قال لي النبي ﷺ : ((إذا أتيت مضجعك فتوضأ وضوءك للصلاة ، ثم اضطجع على شقك الأيمن ، ثم قل : اللهم أسلمت وجهي إليك ، وفوضت أمري إليك ، وألجأت ظهري إليك رغبة ورهبة إليك ، لا ملجأ ولا منجا منك إلا إليك ، اللهم آمنت بكتابك الذي أنزلت ونبيك الذي أرسلت ، فإن مت من ليلتك ، فانت على الفطرة ، واجعلهن آخر ما تتكلم به)) ، قال : فرددتها على النبي ﷺ ، فلما بلغت : ((اللهم آمنت بكتابك الذي أنزلت)) ، قلت : ورسولك ، قال : ((لا ، ونبيك الذي أرسلت)) . [أنظر : ۶۳۱۱ ، ۶۳۱۳ ، ۶۳۱۵ ، ۷۴۸۸] الخ

۱۱۱- وفي صحيح مسلم ، كتاب الذكر و الدعاء و التوبة و الاستغفار ، باب ما يقول عند النوم و أخذ المضجع ، رقم : ۴۸۸۳ ، و سنن الترمذی ، كتاب الدعوات عن رسول الله ، باب ما جاء في الدعاء اذا أوى إلى فراشه ، رقم : ۳۳۱۶ ، ۳۳۹۸ ، و سنن أبي داود ، كتاب الأدب ، باب ما يقال عند النوم ، رقم : ۴۳۸۹ ، و سنن ابن ماجه ، كتاب الدعاء ، باب ما يدعو به اذا أوى إلى فراشه ، رقم : ۳۸۶۶ ، و مسند أحمد ، أول مسند الكوفيين ، باب حديث البراء بن عازب ، رقم : ۱۷۷۸۲ ، ۱۷۸۲۶ ، ۱۷۸۴۸ ، ۱۷۹۳۲ ، و سنن الدارمی ، كتاب الاستئذان ، باب الدعاء عند النوم ، رقم : ۲۵۶۷ .

با وضو سونے کی فضیلت

یہ باب اس شخص کی فضیلت کے بارے میں ہے جو وضو کی حالت میں رات گزارے، یعنی رات کو وضو کر کے سوئے۔ اس میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”إذا أتیت مضجعک“ جب تم اپنے بستر پر جاؤ تو ”فتوضأ وضوءک للصلوة“ تو پہلے ایسے وضو کرو جیسے نماز کے لئے وضو کرتے ہو ”ثم أضطجع علی شفق الایمن“ پھر اپنی دائیں کروٹ لیٹو ”ثم قل“: پھر کہو ”اللهم أسلمت وجهی الیک، وفوضت امری الیک“ اے اللہ! میں نے اپنا چہرہ آپ کے تابع فرمان بنالیا، آپ کے تابع کر دیا اور اپنا معاملہ آپ کے حوالے کر دیا ”والجأت ظہری الیک“ اور میں نے اپنا بھروسہ آپ ہی کی طرف متوجہ کر لیا۔

”ظہر“: اصل میں تو پشت کو کہتے ہیں لیکن مراد ہے کہ تکیہ اور بھروسہ، یعنی میں نے اپنا بھروسہ آپ کی طرف مستند کر دیا ”رغبة ورهبة الیک“ آپ ہی کی رغبت دل میں ہے اور آپ ہی کا خوف دل میں ہے، آپ کی رضا کی مدد غبت اور آپ کے غضب کا خوف ”لا ملجأ ولا منجا منک إلا الیک“ آپ سے پناہ یا آپ سے فرار کا کوئی راستہ نہیں ہے سوائے آپ ہی کی طرف سے، یعنی اگر آپ ناراض ہو جائیں تو آپ کے علاوہ فرار یا پناہ کی کوئی جگہ نہیں آپ ہی کے پاس پناہ ملے گی۔

”اللهم آمنت بکتابک الذی أنزل ونبیک الذی أرسلت“ یہ الفاظ کہہ لو۔ ”فإن مت من لیلک“ اگر اس رات میں تمہارا انتقال ہو جائے تو ”فانت علی الفطرة“ تو فطرت کی حالت میں انتقال ہوگا ”وأجعلہن آخر ما تتکلم بہ“ اور ان کلمات کو اپنے آخری کلمات بناؤ، اس کے بعد سونے سے پہلے کوئی اور بات نہ کرو، اس طرح سونے کی عادت ڈالو۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کی تعلیم فرمائی ہوئی دعائیں ایسی عجیب و غریب ہیں کہ اگر ساری دنیا مل کر بھی کوشش کرے تو ایسے الفاظ اور ایسی دعائیں نہیں بنا سکتی جو نبی کریم ﷺ سکھا گئے ہیں، ایک ایک کلمہ حچا تلا ہوا اور بندگی کا عظیم الشان مظہر اور اللہ ﷻ کی رحمت کا جالب ہے۔ اس واسطے ان کلمات کی برکت حاصل کرنے کی فکر کرنی چاہئے کہ ہر وقت آدمی نبی کریم ﷺ کی سکھائی ہوئی کوئی نہ کوئی دعا مانگتا رہے، اس سے اللہ ﷻ کے ساتھ تعلق مضبوط ہوتا ہے جو دین کی روح ہے، اللہ ﷻ اپنی رحمت سے ہم سب کا تعلق مضبوط کر دیں۔ (آمین)

”قال: فرددتھا علی النبی ﷺ“ حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ الفاظ نبی کریم ﷺ کے سامنے ہر اے تاکہ یاد ہو جائیں اور ان پر عمل کروں۔ ”فلما بلغت: اللهم آمنت بکتابک الذی أنزلت“ جب میں ان الفاظ پر پہنچا ”قال: ورسولک“ تو میں نے ”و رسولک الذی أرسلت“ کہہ دیا

”قال : لا ونبيك الذي أرسلت“ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں ”ونبيك الذي أرسلت“۔

اب یہاں معنی کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں تھا، آنحضرت ﷺ کو نبی بھی کہہ سکتے ہیں اور رسول بھی کہہ سکتے ہیں، لیکن جو الفاظ نبی کریم ﷺ نے پہلے سکھائے تھے ان میں نبی کا لفظ تھا اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو رسول کے لفظ سے نہ بدلو بلکہ وہی الفاظ استعمال کرو۔

اس سے علماء کرام نے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا کہ جو اذکار و ادعیہ رسول کریم ﷺ سے مأثور ہیں ان میں صرف معنی مطلوب نہیں بلکہ الفاظ بھی مطلوب ہیں کیونکہ بعض الفاظ کی تاثیر دوسرے الفاظ کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے یا مختلف ہوتی ہے، اس واسطے صرف اتنا کہنا کافی نہیں کہ ان کا مفہوم ادا کر دیا جائے بلکہ حتی الامکان ان الفاظ کو بعینہ محفوظ رکھنے کا اہتمام کرنا چاہئے جو آپ ﷺ سے منقول اور مأثور ہیں۔

كتاب الفيل

٢٤٨ - ٢٩٣

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۵۔ کتاب الغسل

”کتاب الغسل“ شروع کرنے کے ساتھ امام بخاری رحمہ اللہ اپنی عادت کے مطابق غسل سے متعلق آیات قرآنی کو ترجمہ الباب میں ذکر فرما رہے ہیں۔
پہلی آیت: وقول الله تعالى:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ط وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُم مِّنَ الْمَغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَ أَيْدِيكُمْ مِنْهُ ط مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ [العائدة: ۶]

اور دوسری آیت: وقوله جل ذكره:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَرَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا ط وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُم مِّنَ الْمَغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً

فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَ
أَيْدِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا غَفُورًا ﴿[النساء: ۴۳]﴾

ذکر فرمائی۔

آیات کی تقدیم و تاخیر کی وجہ

ترتیب کا مقتضی بظاہر یہ تھا کہ سورۃ النساء کی آیت کو مقدم فرماتے اور سورۃ مائدہ کی آیت کو مؤخر فرماتے، لیکن اشارہ اس طرف کر دیا کہ ”وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا“ کا حکم ”اطهروا“ مجمل ہے، اس کے معنی میں مبالغہ فی الطہارۃ حاصل کرنا اور اس مجمل کی تفسیر سورۃ نساء کی آیت میں کی ہے، چونکہ وہاں پر صریح لفظ ”اغتسال“ کا موجود ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا... حَتَّى تَغْتَسِلُوا﴾۔

تو بتلانا یہ مقصود ہے کہ جو مبالغہ فی التطہر کا حکم دیا گیا تھا ”على سبيل الالجمال“ تھا اور اس کی تفسیر سورۃ نساء کی آیت سے فرمائی ہے، جس میں ”حتى تغتسلوا“ کا لفظ آیا ہے تو ”تطہر“ کا معنی تو یہ ہے ”مبالغہ فی التطہر“ کیا جائے۔ اب اس کی تفسیر کیا ہو، کس طرح ”اطہر“ کیا جائے تو اس میں بات مجمل تھی، سورۃ نساء کی آیت نے اس مجمل کی تفسیر کی ہے، لہذا مفسر جو آیت تھی اس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے بعد میں ذکر فرمایا اور مجمل کو مقدم فرمایا۔

(۱) باب الوضوء قبل الغسل

غسل سے قبل وضو کرنے کا بیان

اس باب میں اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے بعض اوقات غسل سے پہلے وضو فرمایا۔

۲۴۸۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال: أخبرنا مالك، عن هشام، عن أبيه، عن عائشة زوج النبي ﷺ أن النبي ﷺ كان إذا اغتسل من الجنابة بدأ فغسل يديه، ثم توضأ كما يتوضأ للصلاة، ثم يدخل أصابعه في الماء فيخلل بها أصول الشعر ثم يصب على رأسه ثلاث غرف بيديه، ثم يفيض الماء على جلده كله. [أنظر: ۲۶۲، ۲۷۲] ۱۔

۱۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة، رقم: ۴۸۲، وسنن النسائي، كتاب الطهارة، باب ذكر غسل الجنب يديه قبل أن يدخلهما الإناء، رقم: ۲۴۳، وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في الغسل من الجنابة، رقم: ۲۱۰۔

وضو قبل الغسل مسنون ہے

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث بتلا رہی ہے:

”كَانَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَأُ فَيُغْسِلُ يَدَيْهِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ الْخ“

یعنی عام عادت یہ تھی کہ غسل شروع کرنے سے پہلے آپ ﷺ وضو فرماتے تھے۔

چنانچہ بہت سے علماء کرام نے غسل سے پہلے وضو کو مستحب قرار دیا ہے۔ بعض نے سنت کہا ہے اور یہ سنت حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے، لیکن ساتھ ساتھ یہ بات بھی فقہاء کرام نے ذکر فرمائی ہے کہ ایسا کرنا واجب نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض روایتوں میں حضور اقدس ﷺ کی غسل کی جو کیفیت بیان فرمائی گئی ہے تو اس میں وضو کا ذکر نہیں ہے بلکہ سارے جسم پر پانی بہانے کا ذکر ہے۔ جب ہمیشہ اس پر دوام ثابت نہیں اور دوسرے کہیں حکم اور دوام نہیں تو اس واسطے فقہاء کرام نے فرمایا کہ ایسا کرنا واجب نہیں ہے البتہ مستحب یا مسنون ضرور ہے۔

غسل مسنون کا طریقہ

اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ذکر فرمائی ہے ”كَانَ إِذَا اغْتَسَلَ مِنَ الْجَنَابَةِ بَدَأُ فَيُغْسِلُ يَدَيْهِ ثُمَّ يَتَوَضَّأُ كَمَا يَتَوَضَّأُ لِلصَّلَاةِ الْخ“ اب یہ جو ذکر فرمایا ہے کہ شروع میں آپ ﷺ نے ہاتھ دھوئے، تو ہاتھ دھونے کی تفسیر بعض شراح نے یوں کی ہے کہ ہاتھ دھونا وہ ہے جس کے بارے میں اس حدیث میں امر آیا ہے کہ جب کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو پانی میں اس وقت تک ہاتھ نہ ڈالے جب تک کہ وہ ہاتھ نہ دھو لے، کیونکہ اندیشہ یہ ہے کہ ہاتھ پر کوئی نجاست لگی ہوئی ہو یا اور کوئی ایسی چیز لگی ہو جو مستقذر ہے۔ تو پھر آپ ﷺ نے ہاتھ دھونے کے بعد وضو فرمایا وضوء صلوٰۃ۔

اور بعض نے کہا ہے کہ غسل یدین سے وہ غسل مراد ہے جو وضو کے آغاز میں کیا جاتا ہے۔

دونوں احتمال ممکن ہیں۔

آگے امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم کیا ہے جس میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ جب آدمی کے ہاتھ پر کوئی نجاست یا گندگی لگی ہوئی ہو تو اس وقت میں حکم یہ ہے کہ آدمی پہلے ہاتھ دھوئے پھر پانی کے اندر ہاتھ ڈالے، پھر وضو کرے اور جہاں نجاست نہ لگی ہوئی ہو یا پھر کوئی مستقذر چیز نہ لگی ہوئی ہو تب ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ہاتھ نہ ڈالے تو مضائقہ نہیں۔

پھر فرمایا ”ثُمَّ يَصُبُّ أَصَابِعَهُ فِي الْمَاءِ فَيُخَلِّلُ بِهَا أَصُولَ الشَّعْرِ“ آپ ﷺ نے پانی میں اپنی

انگی مبارک ڈالی اور اس کے ذریعے آپ ﷺ نے اپنے بالوں کی جڑوں کا خلال فرمایا۔ مقصد یہ تھا کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچ جائے۔

”ثم یصب علی رأسه ثلاث غرف بیده ثم یفیض الماء علی جلدہ کلہ“ پھر آپ ﷺ اپنے پورے جسم اطہر پر پانی بہاتے تھے۔

غسل میں ”دلک“ کی شرعی حیثیت

اس پانی پرانے کے لفظ سے جمہور نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ صحت غسل کے لئے ”دلک“ ضروری نہیں بلکہ پانی بہہ جائے اور جسم کے ہر حصے میں پانی پہنچ جائے تو یہ کافی ہے، ”دلک“ یعنی ہاتھوں سے ملنا ضروری نہیں۔

امام مالک رحمہ اللہ ”دلک“ کو واجب قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تک ”دلک“ نہ ہوگا اس وقت تک غسل نہ ہوگا اور بعض ان روایتوں سے استدلال کرتے ہیں جن میں ”دلک“ کا ذکر آیا ہے۔

لیکن جمہور کا کہنا یہ ہے ”اغسال“ اور ”افاضۃ الماء علی الجسد“ یہ الفاظ قرآن وحدیث میں استعمال ہوئے ہیں اور اس معنی کے اندر ”دلک“ لفظ شامل نہیں، پانی کا بہا دینا کافی ہے۔ ۳۔

۲۴۶۔ حدثنا محمد بن یوسف قال : حدثنا سفیان ، عن الأعمش ، عن سالم بن أبی الجعد ، عن کریب ، عن ابن عباس ، عن میمونۃ زوج النبی ﷺ قالت : توضأ رسول اللہ ﷺ وضوءہ للصلاة غیر رجلیہ ، وغسل فرجہ وما أصابہ من الأذى ، ثم أفاض علیہ الماء ثم نحی رجلیہ فغسلہما ، ہذہ غسلہ من الجنابة . [أنظر : ۲۵۷ ، ۲۵۹ ، ۲۶۰ ، ۲۶۶ ، ۲۷۳ ، ۲۷۶ ، ۲۸۱] ۴۔

اس حدیث میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے بھی نبی کریم ﷺ کی غسل کی کیفیت بیان فرمائی اور فرمایا

۳ عمدة القاری، ج: ۳، ص: ۶۔

۴ وفي صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب صفة غسل الجنابة، رقم: ۴۷۶، وسنن الترمذی، كتاب الطهارة عن رسول اللہ، ماجاء فی الغسل من الجنابة، رقم: ۹۶۱، وسنن النسائی، كتاب الغسل والتیمم، باب إزالة الجنب الأذى عنه قبل افاضۃ الماء علیہ، رقم: ۴۱۵، وسنن أبی داؤد، كتاب الطهارة، باب فی الغسل من الجنابة، رقم: ۲۱۳، وسنن ابن ماجہ، كتاب الطهارة و سننہا، باب ماجاء فی الغسل من الجنابة، رقم: ۵۶۶، ومسنند احمد، باقی مسند الأنصار، باب حدیث میمونۃ بنت الحارث الہلالیۃ زوج النبی، رقم: ۲۵۷۱، وسنن الدارمی، كتاب الطهارة، باب فی الغسل من الجنابة، رقم: ۷۴۰۔

کہ حضور اکرم ﷺ نے پہلے وضو کیا نماز جیسا ”غیر رجلیہ“ یعنی سارا وضو کر لیا، پاؤں نہیں دھوئے اور ”وغسل فرجہ“ اپنی شرمگاہ کو بھی دھویا۔ ”وما اصابہ من الاذى“ اور اس کے اوپر جو کچھ نجاست لگی ہوئی تھی اس کو دھویا۔ پھر آپ ﷺ نے جسم مبارک پر پانی بہایا۔ ”ثم نحى رجلیہ“ اپنے پاؤں کو الگ کیا ”فغسلها“ پھر ان کو الگ سے دھویا۔ ”هذه غسله من الجنابة“ یہ آپ ﷺ کا غسل جنابت کا طریقہ تھا۔

حدیث میمونہ میں دو باتیں قابل ذکر

اس حدیث میں دو باتیں قابل ذکر ہیں:

ایک تو یہ ہے کہ یہاں ”توضا رسول اللہ ﷺ وضوء للصلوة غیر رجلیہ“ پہلے بیان فرمایا۔ ”وغسل فرجہ“ اس کا ذکر بعد میں آیا، لیکن ترتیباً غسل فرج مقدم ہے، وضوء صلوٰۃ کے اوپر اور یہاں واؤ مطلق جمع کے لئے ہے ترتیب کے لئے نہیں۔ چنانچہ فقہاء کرام نے فرمایا کہ پہلے غسل فرج کرنا چاہئے اور پھر وضو کرنا چاہئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث میں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے یہ صراحت فرمائی ہے کہ شروع میں آپ ﷺ نے وضو فرمایا تو اس میں پاؤں نہیں دھوئے ”غیر رجلیہ“ اور پھر آخر میں جب وضو سے فارغ ہو گئے تو اس میں اپنے پاؤں کو الگ کر کے دھویا۔

چنانچہ بعض فقہاء کرام نے اس حدیث کی وجہ سے یہی طریقہ مسنون قرار دیا کہ آدمی کو چاہئے کہ جب وضو کرے تو پہلے پاؤں نہ دھوئے بلکہ غسل کرنے کے بعد پھر آخر میں دھوئے۔

ہمارے فقہاء حنفیہ نے اس میں تفصیل کی ہے، انہوں نے فرمایا ہے کہ جس جگہ انسان غسل کر رہا ہے اگر وہ جگہ ایسی ہے کہ وہاں پر پانی جمع ہوتا ہے اور گندگی وغیرہ پھیلی ہوئی ہے تو اس وقت مناسب یہ ہے کہ آدمی اس وقت پاؤں کو نہ دھوئے بلکہ جب غسل کر چکے پھر بعد میں دھوئے جیسا کہ اس حدیث میں رسول کریم ﷺ سے منقول ہے، لیکن اگر جگہ ایسی ہے کہ پاؤں کے ملوث ہونے کا خطرہ نہیں ہے تو اس صورت میں جس وقت شروع میں وضو کر رہا ہو اس وقت میں پاؤں بھی دھولے، اور پاؤں دھونے کے بعد پھر غسل کرنے، البتہ اس صورت میں بھی بعض فقہاء کرام نے یہ فرمایا کہ پھر بھی بہتر یہ ہے کہ جب غسل سے فارغ ہو تو پھر پاؤں دھولے، کیونکہ بہر حال غسل کے دوران اندیشہ ہے کہ ماء مستعمل، گندہ پانی وغیرہ پاؤں میں لگ گیا ہوگا، لیکن ایسا کرنا ضروری نہیں ہے اور نہ اس کو سنت کہا جائے گا۔

اسی حدیث سے فقہاء کرام نے یہ بات بھی مستنبط کی ہے اور آگے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے لئے باب بھی قائم کیا ہے کہ وضو کے مختلف افعال میں تفریق جائز ہے یعنی وضو کے اعمال میں سے ایک عمل کر لیا اور بیچ میں

کوئی چیز فاصل آگئی اور بعد میں دوسرے عمل کو مکمل کر لیا اور ایسا کرنے کا جواز اس سے معلوم ہوتا ہے، کیونکہ شروع میں آپ ﷺ نے جب وضو فرمایا تو اس میں پاؤں نہیں دھوئے اور بیچ میں پھر غسل کا فاصلہ آ گیا اور آخر میں جا کے پھر پاؤں دھوئے۔ تو اس سے پتہ چلا کہ اس میں فاصلہ آ جانے سے وضو پر کوئی فرق نہیں پڑتا، یہ بات مستقل امام بخاری رحمہ اللہ نے آگے باب بھی قائم کیا ہے۔ وہاں پر اس کی مزید تفصیل آ جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

(۲) باب غسل الرجل مع امرأته

مرد کا اپنی بیوی کے ساتھ غسل کرنا

۲۵۰۔ حدثنا آدم بن أبي إياس قال : حدثنا ابن أبي ذئب ، عن الزهري ، عن عروة ، عن عائشة قالت : كنت أغتسل أنا و النبي ﷺ من إناء واحد ، من قدح يقال له الفرق . [أنظر : ۲۶۱ ، ۲۶۳ ، ۲۷۳ ، ۲۹۹ ، ۵۹۵۶ ، ۷۳۳۹] . ۵

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور نبی کریم ﷺ ایک ہی برتن سے غسل فرمایا کرتے تھے اور وہ برتن کیا تھا، یہ ”من قدح“ بدل ہے ”من إناء واحد“ سے۔ ایک برتن سے جو قدح ہوتا تھا، بڑا پیالہ ہوتا تھا ”یقال له الفرق“ یا ”الفرق“ دونوں لغتیں ہیں۔ یہ ایک ایسا برتن ہوتا تھا فرق یا فرق جس میں تین صاع پانی آتا تھا عام طور سے تین صاع سے قریب پانی آیا کرتا تھا۔ اس کو ”فرق“ یا ”فرق“ کہتے تھے۔

حدیث عائشہؓ سے استنباط مسائل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں اور نبی کریم ﷺ دونوں اس برتن سے غسل کر لیتے تھے۔ اس میں ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ شوہر اور بیوی کا ایک ساتھ غسل کرنا جائز ہے۔ دوسری اسی سے بعض فقہاء کرام نے یہ استدلال کیا ہے کہ زوجین کا ایک دوسری کی شرمگاہوں کو دیکھنا جائز ہے، کوئی گناہ نہیں ہے۔

۵۔ وفی صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب القدر المستحب من الماء في غسل النجاسة، رقم: ۴۷۹، و سنن الترمذی، کتاب العباس عن رسول اللہ، باب ماجاء في الجمعة واتخاذ الشعر، رقم: ۱۶۷۷، و سنن النسائی، کتاب الطهارة، باب ذكر الدلالة على أنه لا وقت في ذلك، رقم: ۲۳۱، و سنن ابن ماجه، کتاب الطهارة و سننہا، باب الرجل والمرأة يغتسلان من إناء واحد، رقم: ۳۷۰، و مسند احمد، باقی مسند الأنصار، باب حديث السيدة عائشة، رقم:

تیسری بات جو اس حدیث سے نکلتی ہے وہ یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ فرمانا چاہتی ہیں کہ غسل کے اندر حتی الامکان اسراف سے بچنا چاہئے۔ آگے امام بخاری رحمہ اللہ نے مستقل باب قائم فرمایا ہے۔

(۳) باب الغسل بالصاع و نحوه

صاع وغیرہ سے غسل کرنے کا بیان

ترمذی شریف میں مذکور ہے کہ :

”كان يتوضأ بالمدو يغتسل بالصاع“.

کہ آپ ﷺ ایک صاع سے غسل فرمایا کرتے تھے اور یہ برتن تین صاع کا تھا اور اس میں دو آدمی غسل کر رہے ہیں تو فی کس ڈیڑھ صاع ہوا اور جس حدیث میں آیا ہے کہ ایک صاع سے غسل فرماتے تھے تو اس میں اور اس میں تعارض نہیں ہے، کیونکہ صاع کوئی ایسی تحدید نہیں ہے کہ جس سے کمی بیشی نہ کی جاسکے تھوڑا بہت آگے پیچھے ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ مقصد صرف یہ ہے کہ اسراف نہ ہونا چاہئے۔

۲۵۱۔ حدثنا عبد الله بن محمد ، قال : حدثني عبد الصمد قال : حدثني شعبة قال :

حدثني أبو بكر بن حفص قال : سمعت أبا سلمة يقول : دخلت أنا وأخو عائشة علي عائشة فسألها أخوها عن غسل النبي ﷺ ؟ فمدت ياناء نحو من صاع فاغتسلت وأفاضت علي رأسها و بيننا و بينها حجاب .

قال أبو عبد الله : قال يزيد بن هارون ، و بهز ، والجدى عن شعبة : قدر صاع ١ . حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھانجے ہیں) کہ میں اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے۔ بعض حضرات نے بھائی کی تفسیر میں کہا ہے کہ یہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ ہیں، جو حضرت عائشہ صدیقہ رحمہ اللہ کے بھائی تھے، لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی تھے، پھر ان کا نام بعض لوگوں نے عبد اللہ بن یزید ذکر کیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ عبد اللہ بن یزید نہیں بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دوسرے بھائی ہیں۔ کے

۱۔ وفي صحيح مسلم ، كتاب الحيض ، باب القدر المستحب من الماء في غسل الجنابة ، رقم : ۴۷۹ ، وسنن

النسائي ، كتاب الطهارة ، باب ذكر القدر الذي يكتفى به الرجل من الماء للغسل ، رقم : ۲۲۷ ، ومسند أحمد ، باقي مسند

الأنصار ، باب حديث السيدة عائشة ، رقم : ۲۳۲۹۳ .

کے فتح الباری، ج: ۱، ص: ۳۶۵.

بہر حال یہ حضرات گئے اور ان کے بھائی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضور اکرم ﷺ کے غسل کے بارے میں سوال کیا کہ آپ ﷺ کیسے کیا کرتے تھے یا یہ پوچھا کہ کتنے پانی سے غسل کیا کرتے تھے؟ ”فدعت بئناء نحو من صاع“ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک برتن منگوا یا جو تقریباً ایک صاع کے برابر تھا۔ ”فاغتسلت“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے غسل کیا ”وافاضت علی رأسها“ اور اپنے سر پر پانی بہایا ”وبیننا وبينها حجاب“ ہمارے اور ان کے درمیان ایک پردہ تھا، اس پردہ کے پیچھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے غسل فرمایا۔

حدیث مذکور پر ایک سوال

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ دونوں حضرات جنہوں نے غسل کے بارے میں سوال کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پردہ کے پیچھے غسل کیا، تو جب غسل پردہ کے پیچھے ہے تو پھر غسل کے طریقے کے بارے میں کیا تعلیم ہو سکتی ہے؟ عملی طریقہ بتانا اس وقت فائدہ مند ہوتا ہے جبکہ معلم اس عملی طریقے کو دیکھ رہا ہو اور یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حجاب کے پیچھے سے یہ غسل فرما رہی ہیں۔ تو تعلیم بالعمل کا مقصد حاصل نہ ہوا یا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا زبانی بتا دیتیں کہ بھی! حضور اقدس ﷺ کا طریقہ یہ تھا؟

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دو مقاصد تھے: ایک مقصد یہ بتانا تھا کہ ایک صاع مقدار کا پانی پورے جسم کے دھونے اور غسل کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ بعض لوگوں کو اس میں شبہ ہوتا بھی ہے جیسا کہ آپ آگے حدیث میں دیکھیں گے کہ ایک صاحب نے شبہ کیا کہ ایک صاع پانی سے غسل کیسے ہو جائیگا؟

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عملاً ان کی موجودگی میں غسل کیا۔ تو وہاں غسل کا طریقہ بیان کرنا مقصد نہیں تھا بلکہ یہ بیان کرنا مقصد تھا کہ ایک صاع پانی غسل کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ تو اس کے بیان کرنے کے لئے پردہ کے پیچھے غسل کر کے دکھا دیا کہ دیکھو میں نے ایک صاع پانی منگوا یا تھا اور اس سے میں نے غسل کر لیا۔

دوسرا مقصد یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پردہ کے پیچھے اگرچہ غسل کیا لیکن سر و سر کے بال نظر آ رہے تھے اور دونوں محرم تھے، ایک رضاعی بھائی اور ایک رضاعی بھانجی تھے، لہذا ان کے سامنے سر کھولنا جائز تھا۔ تو سر پر ڈالنے کا طریقہ کہ کس طرح ڈالا جائے کہ پورا جسم بھیگ جائے اور ایک صاع سے کافی ہو جائے وہ طریقہ عملاً بھی دکھا دیا۔ تو اس طرح یہ دو فائدے اس عمل سے حاصل ہو گئے۔

الفاظ روایت کی تحقیق

”قال أبو عبد الله: قال يزيد بن هارون و بهز، والجدى عن شعبه قدر صاع“
یعنی کہہ رہے ہیں کہ دوسری روایت میں شعبہ نے ”نحو من صاع“ کے بجائے ”قدر صاع“ کا لفظ استعمال کیا۔ یعنی یہ جملہ آیا ہے کہ ”فدعت بآناء نحو من صاع“ تو وہاں ”نحو من صاع“ کے بجائے ”قدر صاع“ آیا ہے۔

دونوں میں فرق یہ ہے کہ ”نحو من صاع“ میں تقریب کا بیان ہے اور ”قدر صاع“ میں تحقیق کا بیان ہے۔ تو امام بخاری رحمہ اللہ نے دونوں روایتوں میں فرق بتا دیا اور یزید بن ہارون، بہز اور جدی ان تین شاگردوں نے شعبہ سے ہی یہ لفظ روایت کیا ہے، اوپر شعبہ سے روایت کرنے والے عبد الصمد ہیں، انہوں نے لفظ استعمال کیا ”نحو من صاع“ کا لیکن باقی تین ثلاثہ نے لفظ ”قدر صاع“ کا استعمال کیا۔

لفظ ”جدی“ کی تحقیق

اور یہ جدی ان کا نام ہے، عبد الملک الجدی۔ یہ جدہ کی طرف منسوب ہے، جس کو آج کل جدہ کہتے ہیں، جو مکہ مکرمہ کا ساحل سمندر، ہوائی اڈہ (ایئر پورٹ) ہے۔ اس کو لوگ جدہ کہتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح لفظ بضم الجیم جدہ۔ ہے۔ لوگوں نے غلط (تصحیف) کر کے جدہ رکھ دیا اور اپنی طرف سے ایک وجہ تسمیہ بھی گھڑ لی اور وہ یہ ہے کہ جدہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہاں حضرت حوا علیہا السلام کا مزار ہے، جدہ میں ایک بڑا احاطہ بنا ہوا مزار ہے، اس کے اندر قبر بنی ہوئی ہے۔ تو کہتے ہیں یہ حضرت حوا علیہا السلام کا مزار ہے۔ تو چونکہ وہ ہم سب کی دادی تھیں، اس وجہ سے پورے شہر کا نام جدہ ہو گیا۔ تو اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور وجہ تسمیہ کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور وہاں حضرت حوا علیہا السلام کا مزار ہونے کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں ہے ایسے ہی شہرت ہو گئی ہے۔ صحیح لفظ جدہ (بضم الجیم) ہے اور اسی نسبت سے اس کو جدی کہا جاتا ہے یعنی عبد الملک الجدی۔

۲۵۲۔ حدثنا عبد الله بن محمد قال : حدثنا يحيى بن آدم قال : حدثنا زهير عن أبي إسحاق قال : حدثنا أبو جعفر أنه كان عند جابر بن عبد الله هو وأبو ه، وعنده قوم، فسألوه عن الفسل؟ فقال : يكفيك صاع فقال رجل : ما يكفيني، فقال جابر : كان يكفي من هو أوفى منك شعرا، وخير منك ثم أمنا في ثوب. [أنظر: ۲۵۵، ۲۵۶] ۵

۵۔ وفی صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب استحباب إفاضة الماء على الرأس وغيره ثلاثاً، رقم: ۴۹۶، وسنن النسائي، کتاب الطهارة، باب ذكر القدر الذي يكفي به الرجل من الماء للغسل، رقم: ۲۳۰، ومسند أحمد، باقي مسند المكثرين، باب مسند جابر بن عبد الله، رقم: ۱۳۵۹۹، ۱۳۶۷۳، ۱۳۹۰۸.

روایت کی تشریح

یہ حضرت ابواسحاق سبعی کہتے ہیں کہ ہمیں ابو جعفر ؓ نے یہ حدیث سنائی۔ یہ ابو جعفر رضی اللہ عنہ محمد الباقر ہیں جو حضرت زین العابدین ؓ کے صاحبزادے ہیں، ان کی کنیت ابو جعفر ہے۔ اس واسطے کہ ان کے بیٹے جعفر صادق ہیں۔

”انہ کان عند جابر بن عبد اللہ ہو“ کہ ایک مرتبہ وہ حضرت جابر بن عبد اللہ ؓ کے پاس تھے۔ ”ہو و ابوہ“ خود محمد باقر اور ان کے والد یعنی زین العابدین۔ ”وعندہ قوم“ اور ان کے پاس اور بھی کچھ لوگ تھے۔

”فسألوه عن الغسل“ انہوں نے حضرت جابر ؓ سے غسل کے بارے میں سوال کیا۔ تو حضرت جابر ؓ نے کہا ”یکفیک صاع“ تمہارے لئے غسل میں ایک صاع کافی ہے۔ فقال: ”رجل ما یکفینی“ ایک شخص نے کہا مجھے یہ ایک صاع کافی نہیں ہے اور اس نے غالباً یہ ذکر کیا تھا (جو دوسری روایت میں آتا ہے) میرے بال بہت زیادہ ہیں اور زیادہ بالوں کی وجہ سے ایک صاع سے غسل نہیں کر سکتا، سارے بال نہیں بھگتے۔

”فقال جابر“ کان یکفی من هو اولیٰ منک شعراً و خیر منک“.

ایک صاع کافی ہو جاتا تھا اس ذات اقدس کو جس کے بال تم سے کہیں زیادہ تھے اور وہ تم سے ہزار درجے بہتر تھے یعنی نبی کریم ؐ کہ آپ ؐ کے بال مبارک بھی زیادہ تھے اور آپ ؐ سب سے زیادہ پاکیزہ تھے، اس کے باوجود آپ ؐ کو ایک صاع کافی ہو جایا کرتا تھا۔ اب تمہارا یہ کہنا ہے کہ مجھے کافی نہیں یہ کہنا درست نہیں۔ گویا کہ ایک طرح سے ان کو تنبیہ کر دی اور تھوڑا سا ڈانٹنے کا انداز اختیار کیا۔

تو معلوم ہوا کہ حکم شریعت کے مقابلہ میں اگر کوئی شخص معارضہ کا انداز اختیار کرے تو اس کے جواب میں تلخ انداز اختیار کیا جاسکتا ہے۔ غیرت دینی کا یہ بھی ایک تقاضہ ہے۔

پھر فرمایا ”ثم امنّا فی ثوب“ پھر حضرت جابر ؓ نے ایک کپڑے کے اندر ہماری امامت فرمائی۔ خود ایک کپڑے کے اندر ملبوس تھے کہ ہماری امامت فرمائی۔ اس سے اس مسئلہ کی طرف اشارہ کر دیا کہ ایک تنہا کپڑے کے اندر اگر آدمی لپٹا ہوا ہو تو اس سے بھی نماز ہو جاتی ہے اور یہ مسئلہ شروع میں مختلف فیہ رہا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آگے کتاب الصلوٰۃ میں یہ بات تفصیل سے آجائے گی۔

۲۵۳۔ حدثنا ابو نعیم قال: حدثنا ابن عیینہ، عن عمرو، عن جابر بن زید، عن

ابن عباس أن النبی ؐ و میمونۃ کانا یغتسلان من إناء واحد قال أبو عبد اللہ: کان ابن

عیبۃ یقول اخیراً : عن ابن عباس عن میمونۃ . والصحیح ما رواہ أبو نعیم .

سند حدیث سے متعلق ایک نفیس بحث

قال أبو عبد الله : كان ابن عيينة يقول أخيراً : عن ابن عباس عن عن میمونۃ .
والصحیح ما رواہ أبو نعیم .

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث دوسرے طریق یعنی عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کی اور ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت میمونہ ایک ہی برتن میں غسل فرماتے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”کان ابن عیینۃ یقول اخیراً عن ابن عباس عن میمونۃ“۔
یعنی یہ حدیث ابن عیینہ سے مروی ہے، لیکن اس میں لفظ یہ ہے کہ ”عن ابن عباس أن النبی ﷺ میمونۃ کانا یغتسلان“ لیکن بعد میں ابن عیینہ اس حدیث کو اس طرح روایت کرنے لگے کہ ”عن ابن عباس عن میمونۃ“۔

محدثین کے ہاں یہ بات تفصیل سے آئی ہے کہ بعض مرتبہ راوی اپنے مروی عنہ کا نام ”عن“ کے ساتھ لیتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ اس آدمی سے روایت کر رہا ہے اور بعض مرتبہ لفظ ”عن“ کہنے کے بجائے ”ان“ کہتا ہے، تو وہاں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ اس نے اس سے روایت سنی، بلکہ وہ روایت تعلیقاً بھی ہو سکتی ہے اور مرسل بھی ہو سکتی ہے جیسے روایت باب میں یہ ضروری نہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہو، وہ تعلیقاً بھی ہو سکتا ہے اور ارسال بھی ہو سکتا ہے۔

معنی یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ایک واقعہ بیان فرما رہے ہیں کہ حضرت اقدس ﷺ اور میمونہ رضی اللہ عنہا ایک ہی برتن سے غسل فرماتے تھے۔ اب یہ واقعہ کہاں سے ملا انہوں نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ براہ راست حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے سنا ہو۔ بیچ میں ایک واسطہ ہو یا دو واسطے ہوں، لیکن جہاں اگر انہوں نے کہا ”عن میمونۃ“ تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا اس کی راوی ہیں۔ دونوں فرق واضح ہو گئے۔

حاصل یہ ہے کہ ان میں دوسرا طریق جو ہے ”عن میمونۃ“ والا نے جہاں راوی کہ ”عن“ استعمال کیا ہے وہ زیادہ قابل اعتماد ہے نسبت ”ان“ کے طریق کے۔ کیونکہ وہاں پر روایت ہو رہی ہے محض واقعہ کا بیان نہیں ہو رہا، تو اس واسطے زیادہ قابل اعتماد ہوتا ہے۔ اس لئے محدثین دونوں میں فرق کرتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں تفصیل بیان فرمادی ہے کہ اگرچہ سفیان بن عیینہ شروع میں ”ان“ کہہ کر

روایت کرتے تھے لیکن آخر میں انہوں نے ”ان“ کے بجائے ”عن میمونہ“ کہہ کر روایت کرنا شروع کر دیا۔ اب سنو کہ ابن عیینہ کے اس عمل سے بعض حضرات محدثین نے یہ استنباط کیا کہ دونوں طریقوں میں کوئی فرق نہیں یعنی ”ان“ کہنے میں اور ”عن“ کہنے میں کوئی فرق نہیں، یہی وجہ ہے کہ سفیان بن عیینہ وہی راوی ہیں۔ پہلے ”ان“ سے روایت کرتے تھے آخر میں ”عن“ سے روایت کرنا شروع کر دیا جبکہ حدیث ایک ہی ہے، تو معلوم ہوا دونوں میں کوئی فرق نہیں۔

لیکن امام بخاری رحمہ اللہ یہاں پر تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ یہ قول صحیح نہیں، دونوں میں فرق ہے اور ابن عیینہ نے جو فرق کیا اس کی وجہ بظاہر یہ ہوگی کہ ابن عیینہ نے دونوں طریقہ سے یہ روایت کی کہ بعض اوقات ”ان“ کہہ کر روایت کر دیا اور بعض مرتبہ ”عن“ کہہ کر روایت کر دیا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں طریقوں میں فرق نہیں ہے، بلکہ فرق ہے اور وہ ابن عیینہ نے مختلف اوقات میں مختلف طریقوں سے بیان کر دیا۔ لیکن امام بخاری رحمہ اللہ آخر میں کہتے ہیں کہ ”والصحيح ما رواه ابو نعيم“ کہ صحیح وہ روایت ہے جو ابو نعیم نے کی ہے۔ یعنی حضرت ابن عیینہ نے جو شروع میں روایت کیا تھا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس کو ”عن“ سے روایت نہیں کرتے تھے بلکہ ”ان“ کہہ کر روایت کرتے تھے۔

(۴) باب من أفاض على رأسه ثلاثا

اس شخص کا بیان جس نے اپنے سر پر تین بار پانی بہایا

سر پر تین بار پانی بہانا۔

۲۵۴۔ حدثنا أبو نعیم قال: حدثنا زهير، عن أبي إسحاق قال: حدثني سليمان ابن صرد قال: حدثني جبیر بن مطعم قال: قال رسول الله ﷺ ((أما أنا فأفيض على رأسي ثلاثا)) وأشار بيديه كليهما. ۹

۲۵۵۔ حدثني محمد بن بشار قال: حدثنا غندر قال: حدثنا شعبة، عن مخول بن راشد، عن محمد بن علي، عن جابر بن عبد الله قال: كان النبي ﷺ يفرغ على رأسه ثلاثا. [راجع: ۲۵۲]

لفظ ”غندر“ کی تحقیق

یہ ”غندر“ اور ”غندر“ دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے، یہ انکا لقب ہے، یہ لقب ان کو شعبہ نے دیا تھا

جوان کے استاد تھے۔ ”غندر“ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو زیادہ شور مچانے والا ہو۔ یہ شعبہ کے پاس سبق پڑھ رہے تھے، بار بار سوال کرتے تھے کبھی کبھی کچھ۔ بعض لوگ ہوتے ہیں ان کو کسی حال میں چین نہیں آتا اور بار بار سوال کر رہے تھے اس واسطے ان کا لقب ”غندر“ رکھ دیا تھا اور فرمایا کہ ”اسکت یا غندر“ تو اس وقت سے ان کا لقب مشہور ہو گیا۔

۲۵۶۔ حدثنا أبو نعیم قال : حدثنا معمر بن یحییٰ بن سام قال : حدثنی أبو جعفر قال : قال لی جابر : أتانی ابن عمک ، یعرض بالحسن بن محمد بن محمد بن الحنفیۃ قال : کیف الغسل من الجنابة؟ فقلت : کان النبی ﷺ یاخذ ثلاثة أكف و یفیضها علی رأسه ، ثم ینفض علی سائر جسده ، فقال لی الحسن : إنی رجل کثیر الشعر ، فقلت : کان النبی ﷺ اکثر منك شعرا . [راجع: ۲۵۲]

حدیث کی تشریح

”عن یحییٰ بن سام قال حدثنی أبو جعفر“ یہ وہی واقعہ ابو جعفر یعنی محمد باقر کا ہے جن کا ذکر پہلے آیا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ”قال لی جابر“ حضرت جابرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ ”أتانی ابن عمک“ کہ ابو جعفر تمہارے چچازاد بھائی میرے پاس آئے تھے ”یعرض بالحسن بن محمد بن محمد بن الحنفیۃ“ ان کا اشارہ تھا ”حسن بن محمد بن حنفیۃ“ کی طرف یہ جو کہا تھا کہ تمہارے چچازاد بھائی آئے تھے اس سے مراد حسن بن محمد بن ابن الحنفیۃ تھے اور یہ درحقیقت ان کے چچازاد بھائی نہیں تھے بلکہ ان کے والد کے چچازاد بھائی تھے، ان کے والد زین العابدین تھے جو حضرت حسینؓ کے صاحبزادے تھے اور یہ حسن بن محمد بن حنفیۃ حضرت علیؓ کے بیٹے محمد بن حنفیۃ کے بیٹے تھے یعنی حسن بن محمد بن حنفیۃ بھی حضرت علیؓ کے پوتے تھے اور حضرت زین العابدین بھی، لہذا دونوں آپس میں چچازاد بھائی تھے، تو اس طرح رشتہ جو تھا وہ ان کے والد کا رشتہ تھا نہ کہ ابن العم کا، لیکن حضرت محمد باقر سے مجازاً کہہ دیا تمہارے چچازاد بھائی جو کہ میرے پاس آئے تھے۔

اور آ کر کہا ”کیف الغسل من الجنابة؟“ یعنی حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ آپ کے چچازاد حسن بن محمد الحنفیۃ میرے پاس آئے تھے اور مجھ سے غسل کا طریقہ پوچھا، فقلت: تو میں نے جواب میں کہا: ”کان النبی ﷺ یاخذ ثلث أكف الخ“ کہ آپ ﷺ تین مٹھیاں لیا کرتے تھے، ”یفیضها علی رأسه ثم ینفض علی سائر جسده“ فقال للحسن الخ“ تو حسن بن محمد بن الحنفیۃ نے مجھ سے کہا میں کثیر الشعر والا آدمی ہوں، تو میں نے اس کا جواب دیا ”کان النبی ﷺ اکثر منك شعرا“۔

یہ واقعہ پچھلے واقعہ سے الگ ہے، پچھلے واقعہ میں خود ابو جعفر گئے تھے یعنی ابو جعفر اپنے والد حضرت زین العابدین کے ساتھ گئے تھے اور ابو جعفر نے خود پوچھا تھا، لیکن اس واقعہ میں حسن بن محمد الحنفیہ پہلے جا چکے تھے اور پہلے سوال کر چکے تھے تو دونوں واقعے الگ الگ ہیں۔ جب وہ دوبارہ گئے تو اس وقت حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے پچھلے واقعہ کا حوالہ دیا کہ حسن بن محمد بن الحنفیہ میرے پاس آئے تھے، مجھ سے سوال کیا تھا اور میں نے اس طرح جواب دیا۔

(۵) باب الغسل مرة واحدة

اعضا کو غسل میں ایک بار دھونے کا بیان

۲۵۷۔ حدثنا موسى قال : حدثنا عبد الواحد ، عن الأعمش ، عن سالم بن أبي الجعد ، عن كريب ، عن ابن عباس قال : قالت ميمونة : وضعت للنبي ﷺ ماء للغسل ، فغسل يده مرتين أو ثلاثا ، ثم أفرغ على شماله فغسل مذاكيره ، ثم مسح يده بالأرض ، ثم مضمض واستنشق وغسل وجهه ويديه ، ثم أفاض على جسده ، ثم تحول من مكانه فغسل قدميه . [راجع : ۲۴۹]

حدیث کی تشریح

یہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی وہی حدیث ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ مختلف طرق سے لے کر آئے ہیں، ہر مرتبہ ایک نیا مسئلہ مستبط فرما رہے ہیں۔ یہاں یہ مسئلہ مستبط فرمایا کہ ایک مرتبہ سارے جسم پانی ڈال دینا کافی ہے اگرچہ پیچھے گزرا ہے کہ آپ ﷺ نے تین مرتبہ پانی ڈالا لیکن ایک مرتبہ کافی ہے اس لئے کہ یہاں آخر میں ہے کہ ”ثم أفاض على جسده“ میں ”ثلاثا“ کا لفظ نہیں ہے۔

حدیث باب سے امام بخاریؒ کا استدلال

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس بات کے اوپر اس سے استدلال کیا کہ ظاہر اس کا یہ ہے کہ ایک ہی مرتبہ پانی بہائے۔ تو معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ پانی بہا دینا بھی کافی ہو سکتا ہے اگر پانی تمام جگہ پہنچ جائے۔
”فغسل مذاكيره“ مذاکیر یہ مذکار کی جمع ہے اور ذکر کے اندر ایک لغت ہے اور جمع اس لحاظ سے ہے کہ عضو اور اس کے متصلات ملا کر مذاکیر جمع استعمال کی گئی ہے۔

(۶) باب من بدأ بالحلاب أو الطيب عند الغسل

حلاب یا خوشبو سے غسل شروع کرنا

مشکل ترین ترجمہ

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ ترجمہ الباب قائم فرمایا ہے، یہ بخاری کے مشکل ترین تراجم میں شمار کیا گیا ہے اور اس کا مقصد سمجھ لینا چاہئے، اس کا مقصد سمجھانے میں شرح کرام بہت حیران ہوئے ہیں اور یہ موضع امتحان میں سے بھی ہے اور اس ترجمہ الباب کے متعلق جو گفتگو ہے وہ سننے اور سمجھنے سے پہلے حدیث دیکھنے کی ضرورت ہے، جو امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کی ہے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ:

۲۵۸۔ حدثنا محمد بن المثنی قال : حدثنا أبو عاصم ، عن حنظلة عن القاسم ، عن عائشة قالت : كان النبي ﷺ إذا اغتسل من الجنابة ، دعا بشيء نحو الحلاب فأخذ بكفه ، فبدأ بشق رأسه الأيمن ثم الأيسر ، فقال بهما على رأسه . ۱۰

حدیث کی تشریح

نبی اکرم ﷺ جب جنابت کا غسل فرمایا کرتے تھے ”دعا بشیء نحو الحلاب“ تو آپ ﷺ کوئی ایسی چیز منگواتے جو حلاب کی طرح ہوتی تھی۔

حلاب کا جو عام معنی ہیں وہ ایسے برتن کے ہیں جن میں بکری کا، گائے کا، بھینس کا دودھ دھویا جائے، اس کو حلاب کہتے ہیں، جو بعد میں پھر مطلق برتن کے لئے استعمال ہونے لگا ہے۔ تو آپ ﷺ جب غسل فرماتے تو ایک برتن منگواتے جو حلاب جیسا ہوتا تھا۔ ”فأخذ بكفه“ تو اپنے چلو سے اس برتن میں سے پانی لیتے ”فبدأ بشق رأسه الأيمن“ کہ پہلے دائیں طرف پانی ڈالتے ”ثم الأيسر“ پھر بائیں طرف ڈالتے۔ ”فقال بهما على وسط رأسه“ اور پھر آپ ﷺ ان دونوں مٹھیوں کو اپنے سر کے بیچ میں ڈال دیتے۔

آپ جانتے ہیں کہ ”قال“ کے بہت سے معنی آتے ہیں۔ ”قال“ یہاں پر ”فعل“ کے معنی میں ہے۔ مراد اس سے ”فعل“ ہے اور اس حدیث میں کوئی خاص بحث نہیں ہے۔

۱۰۔ وفی صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب صفة غسل الجنابة، رقم: ۴۷۸، وسنن النسائي، کتاب الغسل والتيمم، باب استبراء البشرة في الغسل من الجنابة، رقم: ۴۲۱، وسنن أبي داود، کتاب الطهارة، باب في الغسل من الجنابة، رقم: ۲۰۸.

بخاری کے مشکل ترین ترجمہ کی تشریح

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس ترجمہ الباب پر ”أو الطيب“ کا لفظ اضافہ کر دیا۔ اب ”أو الطيب“ کا یہاں کیا عمل ہے، جبکہ حدیث جو آرہی ہے اس میں خوشبو کا کوئی ذکر نہیں تو پھر حلاب کے ساتھ اور ”أو الطيب“ ملا کر ذکر کرنے کا کیا مقصد ہے؟

شرح بخاری کے درمیان یہ مسئلہ بڑا معرکہ الآراء مسئلہ بن گیا ہے۔

- ۱۔ بعض حضرات نے یہ موقف اختیار کیا کہ امام بخاری رحمہ اللہ سے تسامح ہو گیا ہے۔
- ۲۔ بعض حضرات نے یہ موقف اختیار کیا کہ اس میں تصحیف ہوئی ہے یعنی لفظ میں تحریف ہوئی ہے۔
- ۳۔ بعض حضرات نے یہ موقف اختیار کیا کہ نہ امام بخاری رحمہ اللہ سے تسامح ہوا نہ تحریف ہوئی، لیکن اس کا مطلب ذرا دقیق قسم کا ہے۔ وہی مطلب بیان کرنے کی انہوں نے کوشش کی۔

جن حضرات نے کہا کہ تسامح ہوا یا امام بخاری رحمہ اللہ سے وہم ہوا۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ آپ ﷺ غسل کا ارادہ فرماتے تو حلاب منگواتے یا حلاب جیسی چیز منگواتے، تو امام بخاری رحمہ اللہ کو یہ وہم ہو گیا کہ حلاب کے معنی ہیں خوشبو کا برتن اور چونکہ اس کا مطلب خوشبو یا خوشبو کا برتن مراد لیا ہے، اس واسطے ترجمہ الباب میں ”الحلاب أو الطيب“ أو تفسیری لگا کر ”باب من بدأ بالحلاب أو الطيب عند الغسل“ کہہ دیا، حالانکہ امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ خیال درست نہیں، کیونکہ حلاب کے معنی طیب نہیں ہوتا اور نہ یہ طیب کے برتن کے لئے استعمال ہوتا ہے، لہذا اس سے تسامح یا وہم ہو گیا تو خواہ مخواہ بٹھانے کی ضرورت نہیں۔

امام اسماعیلی رحمہ اللہ جنہوں نے بخاری پر مستخرج لکھی ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ ”رحمہ اللہ ابا عبد اللہ یعنی البخاری“ اللہ ﷻ امام بخاری رحمہ اللہ پر رحم فرمائیں، یہاں پر ان سے وہم ہو گیا، اور فرماتے ہیں کہ کونسا بڑا عالم ہے جو وہم سے محفوظ رہتا ہو۔ تو امام بخاری رحمہ اللہ سے بھی وہم ہو گیا۔ بات ختم ہوگئی۔ اسی طرح انہوں نے امام بخاری رحمہ اللہ کی طرف وہم کی نسبت کر کے چھٹی لے لی۔

دوسرا موقف جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے وہ یہ کہ ان سے وہم نہیں ہوا بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ کے کاتب سے وہم ہوا۔ اصل میں یہاں لفظ تھا حلاب، حلاب نہیں تھا۔ ”ح“ کے بجائے ”ج“ تھا، لیکن کاتب نے غلطی سے ”جلاب“ کے بجائے ”حلاب“ لکھ دیا اور حلاب معرب ہے گلاب کا اور بعض اوقات گلاب کا عرق بھی غسل سے پہلے استعمال کیا جاتا تھا تو کاتب سے تصحیف ہوگئی اور اس نے حلاب کے بجائے حلاب لکھ دیا، لیکن صحیح

لقد نسبوا البخاری إلى الوهم والغلط، منهم الإسماعيلي فإنه قال في ”مستخرجہ“: رحمہ اللہ ابا عبد اللہ یعنی

بات یہ ہے کہ یہ کہنا کہ امام بخاری رحمہ اللہ سے وہم ہوا ہے یہ بھی ان کی جلالت شان کے منافی ہے اور یہ سمجھنا کہ حقیقت میں یہاں ”جلاب“ تھا یا ”جلاب“ تھا یہ کسی روایت میں نہیں ہے۔ محض ایک ذہنی اختراع ہے، محض لوگوں نے کہہ دیا۔

اور حدیث کی جو روایت ہوتی ہے تو اس میں رواۃ احادیث کے الفاظ کو منضبط کر کے محفوظ کرتے ہیں، اس میں کہیں جلاب کا لفظ نہیں آیا۔ جس کسی نے بھی جو روایت کی ہے وہ جلاب کی روایت کی ہے۔

ترجمۃ الباب کی توجیہ اول

بہر حال شرح نے مختلف توجیہات کی ہیں، لیکن فی الجملہ ان میں سے چند توجیہات قابل ذکر ہیں:

ان میں سے ایک وہ ہے جو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ”فتح الباری“ میں تمام بحث کرنے کے بعد آخر میں جس کو اختیار کیا اور کہا ہے کہ مجھے امام بخاری رحمہ اللہ کا جو اسلوب اور صنیع ہے اس کے مطابق یہ زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے۔

وہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ جو حدیث یہاں روایت کر رہے ہیں اس میں کہیں طیب کا ذکر نہیں ہے، لیکن اسی کتاب یعنی کتاب الغسل میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث روایت کی ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے احرام باندھنے سے پہلے خوشبو لگائی۔ اس بارے میں مستقل باب میں دو تین حدیثیں آرہی ہیں۔ تو ان حدیثوں کے مجموعے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اس وقت حالت احرام میں داخل ہونے سے پہلے جو غسل فرمایا تو ابتداء خوشبو لگانے سے فرمائی۔

اس سے پتہ چلا کہ غسل کی ابتدا میں خوشبو کا استعمال درست ہے اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، لیکن کوئی شخص اس سے یہ نتیجہ نہیں نکال سکتا کہ بھی خوشبو غسل کے ابتدا میں آپ ﷺ نے جب لگائی تو یہ عمل بھی سنت ہوگا یعنی اس عمل کو بھی سنت قرار دیا جائے کہ ہر غسل سے پہلے آدمی خوشبو لگائے۔

اس خیال کو دفع کرنے کے لئے امام بخاری رحمہ اللہ یہاں پر یہ حدیث لے کر آئے اور اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے غسل سے پہلے کیا منگوایا؟ جلاب، پانی کا برتن منگوایا اور ظاہر ہے کہ پانی کا برتن جو ہے خوشبو سے خالی تھا۔ تو معنی یہ ہوئے کہ کبھی آپ ﷺ نے بغیر خوشبو لگائے بھی غسل فرمایا تو دونوں طرح جائز ہے اور یہی بات زیادہ مناسب ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے صنیع، ان کے لطائف اور ظرائف کے مطابق جو تصرفات ہیں ان کے تجربہ کے پیش نظر میں یہ بات کہتا ہوں کہ یہ بات ہوگئی ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ

نے دونوں باتوں کو جمع کیا اور امام بخاری رحمہ اللہ ایسا کرتے ہیں کہ حدیث میں وہ مذکور نہیں ہوتی لیکن کسی اور حدیث میں ہوتی ہے۔ ۱۲۔

ترجمہ ”أو الطيب“ کے متعلق حضرت شاہ صاحبؒ کی توجیہ

دوسری توجیہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے یوں فرمایا کہ درحقیقت بات یوں ہے کہ حلاب اس برتن کو کہتے ہیں جس میں دودھ دوہا جائے۔ اب جس برتن میں دودھ دوہا جاتا ہے عادتاً اس میں دودھ کی بوسما جاتی ہے تو جب اس کے اندر پانی ڈالا جائے گا تو پھر اس پانی کے اندر بھی دودھ کی بو کا اثر آ جائے گا۔

اصل مقصد امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ ہے کہ حلاب کا لفظ اس بات کے اوپر دلالت کر رہا ہے کہ جس پانی سے انسان غسل کر رہا ہو اگر اس میں کسی شے طاہر کی بو بھی آگئی تو اس سے غسل کرنا جائز ہے یعنی شے طاہر کی خوشبو یا بدبودنوں میں سے جو بھی آ جائے اس سے غسل کرنا جائز ہے۔ بو کا اثر آنے سے پانی کے مطہر ہونے پر اور اس سے غسل کے جائز ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی جو حدیث آرہی ہے اس میں حلاب کا ذکر ہے۔ تو حلاب کے لفظ سے اس بات پر استدلال ہوا کہ پانی جس میں شے طاہر کی خوشبو یا بدبو شامل ہوگئی ہو تو اس سے غسل کیا جاسکتا ہے یہ اشارۃ النص سے براہ راست یہ بات معلوم ہوگئی۔

اسی کے اوپر قیاس کر لو کہ جب دودھ کی بو آگئی اور وہ جائز ہے تو پھر اگر کوئی خوشبو ملا دی گئی ہو تو بطریق اولیٰ جائز ہونا چاہئے۔

ترجمہ الباب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے دودھ کوئی کئے ہیں:

ایک یہ کہ حلاب سے ابتدا کرنا جائز ہے۔

دوسرا یہ کہ طیب سے ابتدا کرنا بھی جائز ہے۔ دونوں دعویٰ میں سے پہلا دعویٰ حدیث کے اشارۃ النص سے نکل رہا ہے اور دوسرا دعویٰ یعنی طیب کا جواز اس پر قیاس سے نکل رہا ہے۔ (قیاس سے یا دلالت النص سے) یعنی حدیث سے جب یہ پتہ چل رہا ہے کہ جس پانی میں کوئی تغیر پیدا ہو گیا ہو کسی شے طاہر کے مل جانے سے تو جب غسل اس سے جائز ہے تو طیب سے بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔ تو اس واسطے اگرچہ طیب کا ذکر حدیث میں نہیں ہے، لیکن اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے استنباط کیا ہے کہ خوشبو ملے ہوئے پانی کا استعمال درست ہے۔ یہ دو توجیہ ہیں یعنی ایک حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور دوسری حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی۔ ۱۳۔

۱۲..... وهذا أحسن الأجوبة عندی والبقها بتصرفات البخاری. والله أعلم فتح الباری، ج: ۱، ص: ۳۷۱۔

۱۳ فیض الباری، ج: ۱، ص: ۳۴۹۔

یہ دونوں توجیہ میرے نزدیک رائج ہیں۔ اس کے علاوہ باقی اور لوگوں نے بھی بناوٹی قسم کی توجیحات کی ہیں مگر وہ پر تکلف ہیں اور ان کے اوپر اطمینان نہیں ہوتا۔

(۷) باب المضمضة والاستنشاق فی الجنابة

غسل جنابت میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا

۲۵۹۔ حدثنا عمر بن حفص بن غیاث قال : حدثنا ابي قال : حدثنا الأعمش قال : حدثني سالم ، عن كريب ، عن ابن عباس قال : حدثنا ميمونة قالت : صببت للنبي ﷺ غسلا فأفرغ يمينه على يساره فغسلهما ، ثم غسل فرجه ، ثم قال بيده الأرض فمسحها بالتراب ، ثم غسلها ثم تمضمض واستنشق ، ثم غسل وجهه ، وأفاض على رأسه ، ثم تنحى فغسل قدميه ، ثم أتى بمنديل فلم ينفذ بها . [راجع : ۲۴۹]

غسل کے بعد تولیہ کا استعمال مباح ہے

آپ ﷺ کے پاس بدن خشک کرنے کے لئے رومال لایا گیا تو آپ ﷺ نے اس سے پانی کو نہیں جھاڑا یعنی خشک نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تولیہ کا استعمال ضروری نہیں ہے اور اس کے بغیر بھی آدمی رہنا چاہے تو رہ سکتا ہے جبکہ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ استعمال فرمایا۔ تو دونوں طریقے جائز ہیں۔ اس لئے اس کے متعلق کسی نے مستحب کہا، کسی نے مکروہ کہا، محقق قول یہ ہے کہ نہ مستحب ہے نہ مکروہ ہے بلکہ مباح ہے، کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہے۔

غسل میں مضمضہ واستنشاق کا وجوب

اس حدیث میں مقصود بالترجمہ وہ حصہ ہے جس میں غسل کے وقت مضمضہ اور استنشاق کا ذکر ہے، یہ بات تو طے شدہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ دونوں عمل غسل میں فرمائے۔ حنفیہ دوسرے دلائل کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ بطور وجوب فرمائے، چنانچہ علامہ عینی رحمہ اللہ نے غسل میں ان دونوں کے واجب ہونے پر ایک استدلال قائم فرمایا: ”ولا شك أن النبي ﷺ لم يتركهما فدل على المواظبة وهي تدل على الوجوب“۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور ﷺ نے ان دونوں کو غسل جنابت میں کبھی ترک نہیں فرمایا، عدم ترک

مواظبت پر دلالت کرتا ہے اور مواظبت و جوہ پر دلالت کرتی ہے۔ ۱۴۔
اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ بطور سنت یا استحباب۔ ۱۵۔

(۸) باب مسح الید بالتراب لتکون انقی

مٹی سے ہاتھ رگڑنے کا بیان تاکہ خوب صاف ہو جائے

۲۶۰۔ حدثنا الحمیدی قال : حدثنا سفیان قال : حدثنا الاعمش ، عن سالم بن
أبی الجعد ، عن ابن عباس ، عن میمونۃ ان النبی ﷺ اغتسل من الجنابة فغسل فرجه بیده
، ثم ذلک بها الحائط ، ثم غسلها ، ثم توضأ وضوءه للصلاة ، فلما فرغ من غسله غسل
رجلیه . [راجع: ۲۴۹]

یہ وہی حدیث ہے کہ ہاتھ کو مٹی سے مل لینا چاہئے تاکہ زیادہ صفائی حاصل ہو۔

(۹) باب هل یدخل الجنب یدہ فی الإناء قبل أن یغسلها

إذا لم یکن علی یدہ قدر غیر الجنابة؟

کیا جنبی اپنا ہاتھ ظرف کے اندر دھونے سے قبل ڈال سکتا ہے،

جب کہ اس کے ہاتھ پر جنابت کے علاوہ کوئی نجاست نہ ہو

”وَأَدْخَلَ ابْنَ عَمْرٍو الْبِرَاءَ بْنَ عَازِبٍ يَدَهُ فِي الطَّهَوْرِ وَلَمْ يَغْسِلْهَا ، ثُمَّ تَوَضَّأَ
وَلَمْ يَرِ ابْنَ عَمْرٍو وَابْنَ عَبَّاسٍ بِأَسَا بِمَا يَنْتَضِحُ مِنْ غَسْلِ الْجَنَابَةِ“.

ترجمہ الباب کی تشریح

ترجمہ الباب یہ قائم کیا ہے کہ کیا جنبی آدمی جنابت کے سوا ہاتھ میں کوئی اور گندگی نہ ہو تو اپنا ہاتھ برتن
میں داخل کر سکتا ہے؟

آگے اپنا رجحان ظاہر کیا ہے ہاں کر سکتا ہے، کیونکہ اس کی تائید میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور

براء بن عازب ؓ کے آثار و روایت بیان کئے کہ ان دونوں نے اپنا ہاتھ طہور میں داخل کیا۔ طہور کے معنی طہارت کا پانی۔ ”طہور“ [بضم الطاء] مصدر ہے اور ”طہور ما یطہر بہ“ کہ پانی کے اندر داخل کیا۔ ”و لم یغسلھا ثم توضأ“۔ اور ہاتھ کو اس وقت تک نہیں دھویا تھا پھر اس کے بعد وضو فرمایا۔

”و لم یرو ابن عمر و ابن عباس یأسا بما ینتضح من غسل الجنابة“۔

اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ عبد اللہ بن عمر ؓ اور عبد اللہ بن عباس ؓ دونوں یہ کہتے تھے کہ آدمی جب کسی بالٹی میں رکھے ہوئے پانی سے غسل کر رہا ہو، تو غسل کرتے وقت اگر غسل کی کچھ چھینٹیں جا کر اس بالٹی میں بھی گر جائیں گی تو اس کے گر جانے سے کوئی حرج نہیں یعنی پانی خراب نہیں ہوتا، حالانکہ جس وقت پانی ڈالا، اس وقت جسم جنابت کی حالت میں تھا تو جنابت کی حالت میں جو جسم ہو اس سے متصل ہونے والا پانی نجس نہیں ہوا۔ اس سے پتہ چلا کہ اگر ہاتھ پر کوئی نجاست لگی ہوئی نہیں ہے، صرف آدمی جنبی ہے تو پانی کے اندر ہاتھ ڈالنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہوگا، کیونکہ اس صورت میں جنابت کی وجہ سے اس کا جسم ظاہری طور پر نجس نہیں ہوتا۔ ان آثار سے استدلال کا یہی مقصد ہے۔

آگے پھر روایت نقل کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضور اقدس ؐ ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے۔

۲۶۱۔ حدثنا عبد الله بن مسلمة قال : أخبرنا أفلح ، عن القاسم ، عن عائشة

قالت : كنت أغتسل أنا و النبی ﷺ من إناء واحد تختلف أیدینا فیہ . [راجع : ۲۵۰]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور حضور اقدس ؐ ایک برتن سے غسل کرتے اور ہمارے ہاتھ یکے بعد دیگرے برتن میں جاتے تھے۔ یہ ”تختلف“ سے استدلال ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ایک پہلے ڈالتا دوسرا بعد میں ڈالتا تو جو سب سے پہلے ڈالا وہ حالت جنابت میں تھا، اگر ہاتھ ڈالنے سے پانی نجس ہو گیا ہوتا تو دوسرے کے لئے ہاتھ ڈالنا جائز نہ ہوتا اور اس سے غسل کرنا جائز نہ ہوتا، حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرما رہی ہیں ”تختلف أیدینا فیہ“ اس سے معلوم ہوا کہ ہاتھ ڈالنے سے پانی نجس نہیں ہوتا اور آگے یہ فرمایا جس میں جنابت کا صراحتاً ذکر ہے کہ:

۲۶۲۔ حدثنا مسدد قال : حدثنا حماد ، عن هشام ، عن أبيه ، عن عائشة

قالت : كان رسول الله ﷺ إذا اغتسل من الجنابة غسل یدہ . [راجع : ۲۴۸]

یہ بظاہر اس کے خلاف ہے کہ آپ ﷺ جب غسل جنابت کا ارادہ فرماتے تو پہلے ہاتھ دھوتے تھے۔ تو امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ پہلی حدیث اس صورت پر محمول ہے جبکہ ہاتھ پر کوئی ایسی چیز لگی ہوئی نہ ہو جو مستقذر ہو اور دوسری حدیث اس حالت پر محمول ہے جبکہ ہاتھ پر کوئی ایسی چیز لگی ہوئی ہو جو مستقذر ہو تو اس

صورت میں پہلے ہاتھ دھولینا چاہئے۔

آگے تیسری روایت جس میں برتن اور غسل جنابت دونوں کا ذکر ہے۔

۲۶۳۔ حدثنا أبو الوليد قال : حدثنا شعبة ، عن أبي بكر بن حفص ، عن عروة ،

عن عائشة : كنت أغتسل أنا والنبي ﷺ من إناء واحد من جنابة . وعن عبد الرحمن ابن

القاسم عن أبيه ، عن عائشة مثله . [راجع : ۲۵۰]

چوتھی روایت جس میں ایک ہی برتن کا ذکر ہے۔

۲۶۴۔ حدثنا أبو الوليد : حدثنا شعبة ، عن عبد الله بن عبد الله بن جبر قال :

سمعت أنس بن مالك يقول : كان النبي ﷺ والمرأة من نساءه يفتسلان من إناء واحد ،

زاد مسلم ووهب عن شعبة : من الجنابة .

(۱۰) باب تفريق الغسل والوضوء

غسل اور وضو میں تفريق کرنے کا بیان

”ویدکر عن ابن عمر أنه غسل قدميه بعد ما جف وضوءه“۔

۲۶۵۔ حدثنا محمد بن محبوب قال : حدثنا عبد الواحد قال : حدثنا الأعمش ،

عن سالم بن أبي الجعد ، عن كريب مولى ابن عباس ، عن ابن عباس قال : قالت ميمونة :

وضعت لرسول الله ﷺ ماء يغتسل به فأفرغ على يديه فغسلهما مرتين ، أو ثلاثاً ، ثم أفرغ

بيمينه على شماله فغسل مذاكيره ، ثم دلك يده ثم مضمض واستنشق ، ثم غسل وجهه

و يديه . و غسل رأسه ثلاثاً ، ثم أفرغ على جسده ثم تنحى من مقامه فغسل قدميه .

اس باب سے اصل مقصود یہ مسئلہ بیان کرنا ہے کہ وضو اور غسل میں موالات فرض نہیں ، اس مسئلہ پر حضرت

ابن عمرؓ کے اثر سے بھی استدلال فرمایا ہے ، اور حدیث مرفوع سے بھی کہ آپ ﷺ نے اپنے پاؤں آخر میں دھوئے۔

وجہ دلالت واضح ہے اور اسی طرح یہ اثر اور حدیث مرفوع امام مالک اور ابراہیم نخعی رحمہما اللہ کے خلاف

جست ہے جو عمد اترک موالات کو مفید وضو قرار دیتے ہیں۔ ۱۶

امام ابو حنیفہ ، امام شافعی اور امام بخاری رحمہم اللہ کے نزدیک موالات واجب نہیں۔ ۱۷

۱۶ وقال ربيعة ومالك إن قرب التفريق بنى وإن طال أعاد . فتح الباری ، ج : ۱ ، ص : ۳۷۵ .

۱۷ قال ابن بطال : اختلفوا في تفريق الوضوء والغسل فأجازاه الشافعي وأبو حنيفة ولم يجوزاه مالک اذا فرقه حتى

يجف فان فرقه يسيراً جازوا ن فرقه ناسياً يجزئه وإن طال وروى ابن وهب عن مالک أن الموالاة مستحبة اختج من

جوز التفريق بهذا الحديث الخ ، شرح الكرماني ، ج : ۳ ، ص : ۱۲۷ ، وعمدة القاری ، ج : ۳ ، ص : ۳۳ .

(۱۱) باب من أفرغ يمينه على شماله في الغسل

غسل میں داہنے ہاتھ سے بائیں ہاتھ پر پانی ڈالنا

۲۶۶۔ حدثنا موسى بن إسماعيل : حدثنا أبو عوانة قال : حدثنا الأعمش ، عن سالم بن أبي الجعد ، عن كريب مولى ابن عباس ، عن ابن عباس ، عن ميمونة بنت الحارث قالت : وضعت لرسول الله ﷺ غسلا وسترة ، فصب على يده فغسلها مرة أو مرتين ، قال سليمان : لا أدرى أذكر الثالثة أم لا ، ثم أفرغ يمينه على شماله فغسل فرجه ، ثم دلك يده ، بالأرض أو بالحائط ، ثم تمضمض واستنشق ، وغسل وجهه ويديه ، وغسل رأسه ، ثم صب على جسده ، ثم تنحى فغسل قدميه ، فناولته خرقة فقال بيده هكذا ولم يردّها . [راجع : ۲۴۹]

میں نے آپ ﷺ کو جسم پونچھنے کے لئے ایک کپڑا دیا۔ ”فقال بيده هكذا“ تو ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا یعنی نہیں چاہئے۔ ”ولم يردّها“ اور آپ ﷺ نے اس کا ارادہ نہیں کیا یعنی اس سے پانی صاف کرے ”ولم يردّها“ استعمال کر کے بتا دیا کہ کپڑے کے رد کرنے کا منشا یہ نہیں تھا کہ اس میں کوئی کراہت تھی لیکن اس وقت آپ ﷺ کا ارادہ نہیں ہوا یا ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے اور کسی وجہ سے یا بیان جواز کے لئے ارادہ نہیں کیا۔

(۱۲) باب: إذا جامع ثم عاد ، ومن دار على نسائه في غسل واحد

جب جماع کر لے پھر دوبارہ کرنا چاہے اور جس نے ایک ہی غسل میں

اپنی تمام بیبیوں کے پاس دورہ کیا

یہ باب قائم فرمایا کہ اگر کوئی شخص جماع کرے پھر دوبارہ جماع کا ارادہ ہو تو آیا دونوں جماع کا ایک ہی غسل کر سکتا ہے یا نہیں؟

”ومن دار على نسائه في غسل واحد“

اور جو شخص اپنے تمام ازواج کے پاس جائے اور آخر میں ایک مرتبہ غسل کر لے تو یہ بھی جائز ہے یا نہیں؟ اس باب سے یہ مراد ہے، اور اس میں حدیث نقل کی ہے:

۲۶۷۔ حدثنا محمد بن بشار قال : حدثنا ابن أبي عدي ويحيى بن سعيد ، عن

شعبة، عن ابراهيم بن محمد بن المنتشر، عن أبيه قال: ذكرته لعائشة فقالت: يرحم الله أبا عبد الرحمن كنت أطيب رسول الله ﷺ فيطوف على نسائه ثم يصبح محرماً ينضح طيباً. [أنظر: ۲۷۰] ۱۸

حدیث کی تشریح

محمد بن المنتشر اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ ”ذکرته لعائشة“ یہاں حدیث میں اختصار ہے۔ مراد یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مسلک یہ تھا کہ جب کوئی شخص احرام باندھنے کا ارادہ کرے تو احرام سے پہلے بھی اس کو خوشبو لگانا جائز نہیں ایسی خوشبو جو احرام کے بعد بھی باقی رہے۔ یہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مسلک تھا۔

منتشر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کیا ”ذکرته“ یہ ”ذکر“ کی ضمیر حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے مسلک کی طرف راجع ہو رہی ہے کہ احرام سے پہلے خوشبو لگانا جائز نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ”یرحمہ اللہ أبا عبد الرحمن“ ابو عبد الرحمن پر اللہ رحم کرے ابو عبد الرحمن حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی کنیت ہے ان پر رحم کرے کہ انہوں نے جو یہ مسئلہ بتایا کہ مسئلہ درست نہیں ہے۔

”كنت أطيب رسول الله ﷺ الخ“ میں رسول اللہ ﷺ کو خود خوشبو لگاتی تھی ”فيطوف على نسائه“ اور آپ ﷺ تمام ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔
”ثم يصبح محرماً“ پھر آپ ﷺ حالت احرام میں ہو جاتے تھے، اس حالت میں کہ ”ينضح طيباً“ کہ آپ ﷺ کی خوشبو ابل رہی تھی ”نضح ينضح“ کے معنی ابلنا۔ قرآن شریف میں آیا ہے:
”فيهما عين نضاختن“. [سورة الرحمن: ۶۶]

۱۸ وفی صحیح مسلم، کتاب الحج، باب الطیب للمحرم عند الاحرام، رقم: ۲۰۵۷، وسنن الترمذی، کتاب الحج عن رسول اللہ، باب ماجاء فی الطیب عند الاحلال قبل الزيارة، رقم: ۸۴۰، وسنن النسائی، کتاب الغسل والتمیم، باب الطواف علی النساء فی غسل واحد، رقم: ۴۲۸، وکتاب مناسک الحج، باب اباحه الطیب عند الاحرام، رقم: ۲۶۲۳، وسنن ابی داؤد، کتاب المناسک، باب الطیب عند الاحرام، رقم: ۱۲۸۳، وسنن ابن ماجه، کتاب المناسک، بان الطیب عند الاحرام، رقم: ۲۹۱۷، ومسند أحمد، باقی مسند الأنصار، باب حدیث السيدة عائشة، رقم: ۲۳۶۱، ۲۳۷۸، ۲۳۸۳، ۲۳۵۱، ۲۳۵۷، ۲۳۵۸، ۲۳۵۹، ۲۳۶۰، ۲۳۶۱، ۲۳۶۲، ۲۳۶۳، ۲۳۶۴، ۲۳۶۵، ۲۳۶۶، ۲۳۶۷، ۲۳۶۸، ۲۳۶۹، ۲۳۷۰، ۲۳۷۱، ۲۳۷۲، ۲۳۷۳، ۲۳۷۴، ۲۳۷۵، ۲۳۷۶، ۲۳۷۷، ۲۳۷۸، ۲۳۷۹، ۲۳۸۰، ۲۳۸۱، ۲۳۸۲، ۲۳۸۳، ۲۳۸۴، ۲۳۸۵، ۲۳۸۶، ۲۳۸۷، ۲۳۸۸، ۲۳۸۹، ۲۳۹۰، ۲۳۹۱، ۲۳۹۲، ۲۳۹۳، ۲۳۹۴، ۲۳۹۵، ۲۳۹۶، ۲۳۹۷، ۲۳۹۸، ۲۳۹۹، ۲۴۰۰، ۲۴۰۱، ۲۴۰۲، ۲۴۰۳، ۲۴۰۴، ۲۴۰۵، ۲۴۰۶، ۲۴۰۷، ۲۴۰۸، ۲۴۰۹، ۲۴۱۰، ۲۴۱۱، ۲۴۱۲، ۲۴۱۳، ۲۴۱۴، ۲۴۱۵، ۲۴۱۶، ۲۴۱۷، ۲۴۱۸، ۲۴۱۹، ۲۴۲۰، ۲۴۲۱، ۲۴۲۲، ۲۴۲۳، ۲۴۲۴، ۲۴۲۵، ۲۴۲۶، ۲۴۲۷، ۲۴۲۸، ۲۴۲۹، ۲۴۳۰، ۲۴۳۱، ۲۴۳۲، ۲۴۳۳، ۲۴۳۴، ۲۴۳۵، ۲۴۳۶، ۲۴۳۷، ۲۴۳۸، ۲۴۳۹، ۲۴۴۰، ۲۴۴۱، ۲۴۴۲، ۲۴۴۳، ۲۴۴۴، ۲۴۴۵، ۲۴۴۶، ۲۴۴۷، ۲۴۴۸، ۲۴۴۹، ۲۴۵۰، ۲۴۵۱، ۲۴۵۲، ۲۴۵۳، ۲۴۵۴، ۲۴۵۵، ۲۴۵۶، ۲۴۵۷، ۲۴۵۸، ۲۴۵۹، ۲۴۶۰، ۲۴۶۱، ۲۴۶۲، ۲۴۶۳، ۲۴۶۴، ۲۴۶۵، ۲۴۶۶، ۲۴۶۷، ۲۴۶۸، ۲۴۶۹، ۲۴۷۰، ۲۴۷۱، ۲۴۷۲، ۲۴۷۳، ۲۴۷۴، ۲۴۷۵، ۲۴۷۶، ۲۴۷۷، ۲۴۷۸، ۲۴۷۹، ۲۴۸۰، ۲۴۸۱، ۲۴۸۲، ۲۴۸۳، ۲۴۸۴، ۲۴۸۵، ۲۴۸۶، ۲۴۸۷، ۲۴۸۸، ۲۴۸۹، ۲۴۹۰، ۲۴۹۱، ۲۴۹۲، ۲۴۹۳، ۲۴۹۴، ۲۴۹۵، ۲۴۹۶، ۲۴۹۷، ۲۴۹۸، ۲۴۹۹، ۲۵۰۰، ۲۵۰۱، ۲۵۰۲، ۲۵۰۳، ۲۵۰۴، ۲۵۰۵، ۲۵۰۶، ۲۵۰۷، ۲۵۰۸، ۲۵۰۹، ۲۵۱۰، ۲۵۱۱، ۲۵۱۲، ۲۵۱۳، ۲۵۱۴، ۲۵۱۵، ۲۵۱۶، ۲۵۱۷، ۲۵۱۸، ۲۵۱۹، ۲۵۲۰، ۲۵۲۱، ۲۵۲۲، ۲۵۲۳، ۲۵۲۴، ۲۵۲۵، ۲۵۲۶، ۲۵۲۷، ۲۵۲۸، ۲۵۲۹، ۲۵۳۰، ۲۵۳۱، ۲۵۳۲، ۲۵۳۳، ۲۵۳۴، ۲۵۳۵، ۲۵۳۶، ۲۵۳۷، ۲۵۳۸، ۲۵۳۹، ۲۵۴۰، ۲۵۴۱، ۲۵۴۲، ۲۵۴۳، ۲۵۴۴، ۲۵۴۵، ۲۵۴۶، ۲۵۴۷، ۲۵۴۸، ۲۵۴۹، ۲۵۵۰، ۲۵۵۱، ۲۵۵۲، ۲۵۵۳، ۲۵۵۴، ۲۵۵۵، ۲۵۵۶، ۲۵۵۷، ۲۵۵۸، ۲۵۵۹، ۲۵۶۰، ۲۵۶۱، ۲۵۶۲، ۲۵۶۳، ۲۵۶۴، ۲۵۶۵، ۲۵۶۶، ۲۵۶۷، ۲۵۶۸، ۲۵۶۹، ۲۵۷۰، ۲۵۷۱، ۲۵۷۲، ۲۵۷۳، ۲۵۷۴، ۲۵۷۵، ۲۵۷۶، ۲۵۷۷، ۲۵۷۸، ۲۵۷۹، ۲۵۸۰، ۲۵۸۱، ۲۵۸۲، ۲۵۸۳، ۲۵۸۴، ۲۵۸۵، ۲۵۸۶، ۲۵۸۷، ۲۵۸۸، ۲۵۸۹، ۲۵۹۰، ۲۵۹۱، ۲۵۹۲، ۲۵۹۳، ۲۵۹۴، ۲۵۹۵، ۲۵۹۶، ۲۵۹۷، ۲۵۹۸، ۲۵۹۹، ۲۶۰۰، ۲۶۰۱، ۲۶۰۲، ۲۶۰۳، ۲۶۰۴، ۲۶۰۵، ۲۶۰۶، ۲۶۰۷، ۲۶۰۸، ۲۶۰۹، ۲۶۱۰، ۲۶۱۱، ۲۶۱۲، ۲۶۱۳، ۲۶۱۴، ۲۶۱۵، ۲۶۱۶، ۲۶۱۷، ۲۶۱۸، ۲۶۱۹، ۲۶۲۰، ۲۶۲۱، ۲۶۲۲، ۲۶۲۳، ۲۶۲۴، ۲۶۲۵، ۲۶۲۶، ۲۶۲۷، ۲۶۲۸، ۲۶۲۹، ۲۶۳۰، ۲۶۳۱، ۲۶۳۲، ۲۶۳۳، ۲۶۳۴، ۲۶۳۵، ۲۶۳۶، ۲۶۳۷، ۲۶۳۸، ۲۶۳۹، ۲۶۴۰، ۲۶۴۱، ۲۶۴۲، ۲۶۴۳، ۲۶۴۴، ۲۶۴۵، ۲۶۴۶، ۲۶۴۷، ۲۶۴۸، ۲۶۴۹، ۲۶۵۰، ۲۶۵۱، ۲۶۵۲، ۲۶۵۳، ۲۶۵۴، ۲۶۵۵، ۲۶۵۶، ۲۶۵۷، ۲۶۵۸، ۲۶۵۹، ۲۶۶۰، ۲۶۶۱، ۲۶۶۲، ۲۶۶۳، ۲۶۶۴، ۲۶۶۵، ۲۶۶۶، ۲۶۶۷، ۲۶۶۸، ۲۶۶۹، ۲۶۷۰، ۲۶۷۱، ۲۶۷۲، ۲۶۷۳، ۲۶۷۴، ۲۶۷۵، ۲۶۷۶، ۲۶۷۷، ۲۶۷۸، ۲۶۷۹، ۲۶۸۰، ۲۶۸۱، ۲۶۸۲، ۲۶۸۳، ۲۶۸۴، ۲۶۸۵، ۲۶۸۶، ۲۶۸۷، ۲۶۸۸، ۲۶۸۹، ۲۶۹۰، ۲۶۹۱، ۲۶۹۲، ۲۶۹۳، ۲۶۹۴، ۲۶۹۵، ۲۶۹۶، ۲۶۹۷، ۲۶۹۸، ۲۶۹۹، ۲۷۰۰، ۲۷۰۱، ۲۷۰۲، ۲۷۰۳، ۲۷۰۴، ۲۷۰۵، ۲۷۰۶، ۲۷۰۷، ۲۷۰۸، ۲۷۰۹، ۲۷۱۰، ۲۷۱۱، ۲۷۱۲، ۲۷۱۳، ۲۷۱۴، ۲۷۱۵، ۲۷۱۶، ۲۷۱۷، ۲۷۱۸، ۲۷۱۹، ۲۷۲۰، ۲۷۲۱، ۲۷۲۲، ۲۷۲۳، ۲۷۲۴، ۲۷۲۵، ۲۷۲۶، ۲۷۲۷، ۲۷۲۸، ۲۷۲۹، ۲۷۳۰، ۲۷۳۱، ۲۷۳۲، ۲۷۳۳، ۲۷۳۴، ۲۷۳۵، ۲۷۳۶، ۲۷۳۷، ۲۷۳۸، ۲۷۳۹، ۲۷۴۰، ۲۷۴۱، ۲۷۴۲، ۲۷۴۳، ۲۷۴۴، ۲۷۴۵، ۲۷۴۶، ۲۷۴۷، ۲۷۴۸، ۲۷۴۹، ۲۷۵۰، ۲۷۵۱، ۲۷۵۲، ۲۷۵۳، ۲۷۵۴، ۲۷۵۵، ۲۷۵۶، ۲۷۵۷، ۲۷۵۸، ۲۷۵۹، ۲۷۶۰، ۲۷۶۱، ۲۷۶۲، ۲۷۶۳، ۲۷۶۴، ۲۷۶۵، ۲۷۶۶، ۲۷۶۷، ۲۷۶۸، ۲۷۶۹، ۲۷۷۰، ۲۷۷۱، ۲۷۷۲، ۲۷۷۳، ۲۷۷۴، ۲۷۷۵، ۲۷۷۶، ۲۷۷۷، ۲۷۷۸، ۲۷۷۹، ۲۷۸۰، ۲۷۸۱، ۲۷۸۲، ۲۷۸۳، ۲۷۸۴، ۲۷۸۵، ۲۷۸۶، ۲۷۸۷، ۲۷۸۸، ۲۷۸۹، ۲۷۹۰، ۲۷۹۱، ۲۷۹۲، ۲۷۹۳، ۲۷۹۴، ۲۷۹۵، ۲۷۹۶، ۲۷۹۷، ۲۷۹۸، ۲۷۹۹، ۲۸۰۰، ۲۸۰۱، ۲۸۰۲، ۲۸۰۳، ۲۸۰۴، ۲۸۰۵، ۲۸۰۶، ۲۸۰۷، ۲۸۰۸، ۲۸۰۹، ۲۸۱۰، ۲۸۱۱، ۲۸۱۲، ۲۸۱۳، ۲۸۱۴، ۲۸۱۵، ۲۸۱۶، ۲۸۱۷، ۲۸۱۸، ۲۸۱۹، ۲۸۲۰، ۲۸۲۱، ۲۸۲۲، ۲۸۲۳، ۲۸۲۴، ۲۸۲۵، ۲۸۲۶، ۲۸۲۷، ۲۸۲۸، ۲۸۲۹، ۲۸۳۰، ۲۸۳۱، ۲۸۳۲، ۲۸۳۳، ۲۸۳۴، ۲۸۳۵، ۲۸۳۶، ۲۸۳۷، ۲۸۳۸، ۲۸۳۹، ۲۸۴۰، ۲۸۴۱، ۲۸۴۲، ۲۸۴۳، ۲۸۴۴، ۲۸۴۵، ۲۸۴۶، ۲۸۴۷، ۲۸۴۸، ۲۸۴۹، ۲۸۵۰، ۲۸۵۱، ۲۸۵۲، ۲۸۵۳، ۲۸۵۴، ۲۸۵۵، ۲۸۵۶، ۲۸۵۷، ۲۸۵۸، ۲۸۵۹، ۲۸۶۰، ۲۸۶۱، ۲۸۶۲، ۲۸۶۳، ۲۸۶۴، ۲۸۶۵، ۲۸۶۶، ۲۸۶۷، ۲۸۶۸، ۲۸۶۹، ۲۸۷۰، ۲۸۷۱، ۲۸۷۲، ۲۸۷۳، ۲۸۷۴، ۲۸۷۵، ۲۸۷۶، ۲۸۷۷، ۲۸۷۸، ۲۸۷۹، ۲۸۸۰، ۲۸۸۱، ۲۸۸۲، ۲۸۸۳، ۲۸۸۴، ۲۸۸۵، ۲۸۸۶، ۲۸۸۷، ۲۸۸۸، ۲۸۸۹، ۲۸۹۰، ۲۸۹۱، ۲۸۹۲، ۲۸۹۳، ۲۸۹۴، ۲۸۹۵، ۲۸۹۶، ۲۸۹۷، ۲۸۹۸، ۲۸۹۹، ۲۹۰۰، ۲۹۰۱، ۲۹۰۲، ۲۹۰۳، ۲۹۰۴، ۲۹۰۵، ۲۹۰۶، ۲۹۰۷، ۲۹۰۸، ۲۹۰۹، ۲۹۱۰، ۲۹۱۱، ۲۹۱۲، ۲۹۱۳، ۲۹۱۴، ۲۹۱۵، ۲۹۱۶، ۲۹۱۷، ۲۹۱۸، ۲۹۱۹، ۲۹۲۰، ۲۹۲۱، ۲۹۲۲، ۲۹۲۳، ۲۹۲۴، ۲۹۲۵، ۲۹۲۶، ۲۹۲۷، ۲۹۲۸، ۲۹۲۹، ۲۹۳۰، ۲۹۳۱، ۲۹۳۲، ۲۹۳۳، ۲۹۳۴، ۲۹۳۵، ۲۹۳۶، ۲۹۳۷، ۲۹۳۸، ۲۹۳۹، ۲۹۴۰، ۲۹۴۱، ۲۹۴۲، ۲۹۴۳، ۲۹۴۴، ۲۹۴۵، ۲۹۴۶، ۲۹۴۷، ۲۹۴۸، ۲۹۴۹، ۲۹۵۰، ۲۹۵۱، ۲۹۵۲، ۲۹۵۳، ۲۹۵۴، ۲۹۵۵، ۲۹۵۶، ۲۹۵۷، ۲۹۵۸، ۲۹۵۹، ۲۹۶۰، ۲۹۶۱، ۲۹۶۲، ۲۹۶۳، ۲۹۶۴، ۲۹۶۵، ۲۹۶۶، ۲۹۶۷، ۲۹۶۸، ۲۹۶۹، ۲۹۷۰، ۲۹۷۱، ۲۹۷۲، ۲۹۷۳، ۲۹۷۴، ۲۹۷۵، ۲۹۷۶، ۲۹۷۷، ۲۹۷۸، ۲۹۷۹، ۲۹۸۰، ۲۹۸۱، ۲۹۸۲، ۲۹۸۳، ۲۹۸۴، ۲۹۸۵، ۲۹۸۶، ۲۹۸۷، ۲۹۸۸، ۲۹۸۹، ۲۹۹۰، ۲۹۹۱، ۲۹۹۲، ۲۹۹۳، ۲۹۹۴، ۲۹۹۵، ۲۹۹۶، ۲۹۹۷، ۲۹۹۸، ۲۹۹۹، ۳۰۰۰، ۳۰۰۱، ۳۰۰۲، ۳۰۰۳، ۳۰۰۴، ۳۰۰۵، ۳۰۰۶، ۳۰۰۷، ۳۰۰۸، ۳۰۰۹، ۳۰۱۰، ۳۰۱۱، ۳۰۱۲، ۳۰۱۳، ۳۰۱۴، ۳۰۱۵، ۳۰۱۶، ۳۰۱۷، ۳۰۱۸، ۳۰۱۹، ۳۰۲۰، ۳۰۲۱، ۳۰۲۲، ۳۰۲۳، ۳۰۲۴، ۳۰۲۵، ۳۰۲۶، ۳۰۲۷، ۳۰۲۸، ۳۰۲۹، ۳۰۳۰، ۳۰۳۱، ۳۰۳۲، ۳۰۳۳، ۳۰۳۴، ۳۰۳۵، ۳۰۳۶، ۳۰۳۷، ۳۰۳۸، ۳۰۳۹، ۳۰۴۰، ۳۰۴۱، ۳۰۴۲، ۳۰۴۳، ۳۰۴۴، ۳۰۴۵، ۳۰۴۶، ۳۰۴۷، ۳۰۴۸، ۳۰۴۹، ۳۰۵۰، ۳۰۵۱، ۳۰۵۲، ۳۰۵۳، ۳۰۵۴، ۳۰۵۵، ۳۰۵۶، ۳۰۵۷، ۳۰۵۸، ۳۰۵۹، ۳۰۶۰، ۳۰۶۱، ۳۰۶۲، ۳۰۶۳، ۳۰۶۴، ۳۰۶۵، ۳۰۶۶، ۳۰۶۷، ۳۰۶۸، ۳۰۶۹، ۳۰۷۰، ۳۰۷۱، ۳۰۷۲، ۳۰۷۳، ۳۰۷۴، ۳۰۷۵، ۳۰۷۶، ۳۰۷۷، ۳۰۷۸، ۳۰۷۹، ۳۰۸۰، ۳۰۸۱، ۳۰۸۲، ۳۰۸۳، ۳۰۸۴، ۳۰۸۵، ۳۰۸۶، ۳۰۸۷، ۳۰۸۸، ۳۰۸۹، ۳۰۹۰، ۳۰۹۱، ۳۰۹۲، ۳۰۹۳، ۳۰۹۴، ۳۰۹۵، ۳۰۹۶، ۳۰۹۷، ۳۰۹۸، ۳۰۹۹، ۳۱۰۰، ۳۱۰۱، ۳۱۰۲، ۳۱۰۳، ۳۱۰۴، ۳۱۰۵، ۳۱۰۶، ۳۱۰۷، ۳۱۰۸، ۳۱۰۹، ۳۱۱۰، ۳۱۱۱، ۳۱۱۲، ۳۱۱۳، ۳۱۱۴، ۳۱۱۵، ۳۱۱۶، ۳۱۱۷، ۳۱۱۸، ۳۱۱۹، ۳۱۲۰، ۳۱۲۱، ۳۱۲۲، ۳۱۲۳، ۳۱۲۴، ۳۱۲۵، ۳۱۲۶، ۳۱۲۷، ۳۱۲۸، ۳۱۲۹، ۳۱۳۰، ۳۱۳۱، ۳۱۳۲، ۳۱۳۳، ۳۱۳۴، ۳۱۳۵، ۳۱۳۶، ۳۱۳۷، ۳۱۳۸، ۳۱۳۹، ۳۱۴۰، ۳۱۴۱، ۳۱۴۲، ۳۱۴۳، ۳۱۴۴، ۳۱۴۵، ۳۱۴۶، ۳۱۴۷، ۳۱۴۸، ۳۱۴۹، ۳۱۵۰، ۳۱۵۱، ۳۱۵۲، ۳۱۵۳، ۳۱۵۴، ۳۱۵۵، ۳۱۵۶، ۳۱۵۷، ۳۱۵۸، ۳۱۵۹، ۳۱۶۰، ۳۱۶۱، ۳۱۶۲، ۳۱۶۳، ۳۱۶۴، ۳۱۶۵، ۳۱۶۶، ۳۱۶۷، ۳۱۶۸، ۳۱۶۹، ۳۱۷۰، ۳۱۷۱، ۳۱۷۲، ۳۱۷۳، ۳۱۷۴، ۳۱۷۵، ۳۱۷۶، ۳۱۷۷، ۳۱۷۸، ۳۱۷۹، ۳۱۸۰، ۳۱۸۱، ۳۱۸۲، ۳۱۸۳، ۳۱۸۴، ۳۱۸۵، ۳۱۸۶، ۳۱۸۷، ۳۱۸۸، ۳۱۸۹، ۳۱۹۰، ۳۱۹۱، ۳۱۹۲، ۳۱۹۳، ۳۱۹۴، ۳۱۹۵، ۳۱۹۶، ۳۱۹۷، ۳۱۹۸، ۳۱۹۹، ۳۲۰۰، ۳۲۰۱، ۳۲۰۲، ۳۲۰۳، ۳۲۰۴، ۳۲۰۵، ۳۲۰۶، ۳۲۰۷، ۳۲۰۸، ۳۲۰۹، ۳۲۱۰، ۳۲۱۱، ۳۲۱۲، ۳۲۱۳، ۳۲۱۴، ۳۲۱۵، ۳۲۱۶، ۳۲۱۷، ۳۲۱۸، ۳۲۱۹، ۳۲۲۰، ۳۲۲۱، ۳۲۲۲، ۳۲۲۳، ۳۲۲۴، ۳۲۲۵، ۳۲۲۶، ۳۲۲۷، ۳۲۲۸، ۳۲۲۹، ۳۲۳۰، ۳۲۳۱، ۳۲۳۲، ۳۲۳۳، ۳۲۳۴، ۳۲۳۵، ۳۲۳۶، ۳۲۳۷، ۳۲۳۸، ۳۲۳۹، ۳۲۴۰، ۳۲۴۱، ۳۲۴۲، ۳۲۴۳، ۳۲۴۴، ۳۲۴۵، ۳۲۴۶، ۳۲۴۷، ۳۲۴۸، ۳۲۴۹، ۳۲۵۰، ۳۲۵۱، ۳۲۵۲، ۳۲۵۳، ۳۲۵۴، ۳۲۵۵، ۳۲۵۶، ۳۲۵۷، ۳۲۵۸، ۳۲۵۹، ۳۲۶۰، ۳۲۶۱، ۳۲۶۲، ۳۲۶۳، ۳۲۶۴، ۳۲۶۵، ۳۲۶۶، ۳۲۶۷، ۳۲۶۸، ۳۲۶۹، ۳۲۷۰، ۳۲۷۱، ۳۲۷۲، ۳۲۷۳، ۳۲۷۴، ۳۲۷۵، ۳۲۷۶، ۳۲۷۷، ۳۲۷۸، ۳۲۷۹، ۳۲۸۰، ۳۲۸۱، ۳۲۸۲، ۳۲۸۳، ۳۲۸۴، ۳۲۸۵، ۳۲۸۶، ۳۲۸۷، ۳۲۸۸، ۳۲۸۹، ۳۲۹۰، ۳۲۹۱، ۳۲۹۲، ۳۲۹۳، ۳۲۹۴، ۳۲۹۵، ۳۲۹۶، ۳۲۹۷، ۳۲۹۸، ۳۲۹۹، ۳۳۰۰، ۳۳۰۱، ۳۳۰۲، ۳۳۰۳، ۳۳۰۴، ۳۳۰۵، ۳۳۰۶، ۳۳۰۷، ۳۳۰۸، ۳۳۰۹، ۳۳۱۰، ۳۳۱۱، ۳۳۱۲، ۳۳۱۳، ۳۳۱۴، ۳۳۱۵، ۳۳۱۶، ۳۳۱۷، ۳۳۱۸، ۳۳۱۹، ۳۳۲۰، ۳۳۲۱، ۳۳۲۲، ۳۳۲۳، ۳۳۲۴، ۳۳۲۵، ۳۳۲۶، ۳۳۲۷، ۳۳۲۸، ۳۳۲۹، ۳۳۳۰، ۳۳۳۱، ۳۳۳۲، ۳۳۳۳، ۳۳۳۴، ۳۳۳۵، ۳۳۳۶، ۳۳۳۷، ۳۳۳۸، ۳۳۳۹، ۳۳۴۰، ۳۳۴۱، ۳۳۴۲، ۳۳۴۳، ۳۳۴۴، ۳۳۴۵، ۳۳۴۶، ۳۳۴۷، ۳۳۴۸، ۳۳۴۹، ۳۳۵۰، ۳۳۵۱، ۳۳۵۲، ۳۳۵۳، ۳۳۵۴، ۳۳۵۵، ۳۳۵۶، ۳۳۵۷، ۳۳۵۸، ۳۳۵۹، ۳۳۶۰، ۳۳۶۱، ۳۳۶۲، ۳۳۶۳، ۳۳۶۴، ۳۳۶۵، ۳۳۶۶، ۳۳۶۷، ۳۳۶۸، ۳۳۶۹، ۳۳۷۰، ۳۳۷۱، ۳۳۷۲، ۳۳۷۳، ۳۳۷۴، ۳۳۷۵، ۳۳۷۶، ۳۳۷۷، ۳۳۷۸، ۳۳۷۹، ۳۳۸۰، ۳۳۸۱، ۳۳۸۲، ۳۳۸۳، ۳۳۸۴، ۳۳۸۵، ۳۳۸۶، ۳۳۸۷، ۳۳۸۸، ۳۳۸۹، ۳۳۹۰، ۳۳۹۱، ۳۳۹۲، ۳۳۹۳، ۳۳۹۴، ۳۳۹۵، ۳۳۹۶، ۳۳۹۷، ۳۳۹۸، ۳۳۹۹، ۳۴۰۰، ۳۴۰۱، ۳۴۰۲، ۳۴۰۳، ۳۴۰۴، ۳۴۰۵، ۳۴۰۶، ۳۴۰۷، ۳۴۰۸، ۳۴۰۹، ۳۴۱۰، ۳۴۱۱، ۳۴۱۲، ۳۴۱۳، ۳۴۱۴، ۳۴۱۵، ۳۴۱۶، ۳۴۱۷، ۳۴۱۸، ۳۴۱۹، ۳۴۲۰، ۳۴۲۱، ۳۴۲۲، ۳۴۲۳، ۳۴۲۴، ۳۴۲۵، ۳۴۲۶، ۳۴۲۷، ۳۴۲۸، ۳۴۲۹، ۳۴۳۰، ۳۴۳۱، ۳۴۳۲، ۳۴۳۳، ۳۴۳۴، ۳۴۳۵، ۳۴۳۶، ۳۴۳۷، ۳۴۳۸، ۳۴۳۹، ۳۴۴۰، ۳۴۴۱، ۳۴۴۲، ۳۴۴۳، ۳۴۴۴، ۳۴۴۵، ۳۴۴۶، ۳۴۴۷، ۳۴۴۸، ۳۴۴۹، ۳۴۵۰، ۳۴۵۱، ۳۴۵۲، ۳۴۵۳، ۳۴۵۴، ۳۴۵۵، ۳۴۵۶، ۳۴۵۷، ۳۴۵۸، ۳۴۵۹، ۳۴۶۰، ۳۴۶۱، ۳۴۶۲، ۳۴۶۳، ۳۴۶۴، ۳۴۶۵، ۳۴۶۶، ۳۴۶۷، ۳۴۶۸، ۳۴۶۹، ۳۴۷۰، ۳۴۷۱، ۳۴۷۲، ۳۴۷۳، ۳۴۷۴، ۳۴۷۵، ۳۴۷۶، ۳۴۷۷، ۳۴۷۸، ۳۴۷۹، ۳۴۸۰، ۳۴۸۱، ۳۴۸۲، ۳۴۸۳،

ترجمہ: ان میں دو چشمے ہیں ابلتے ہوئے۔

مطلب یہ ہے کہ احرام کے بعد بھی آپ ﷺ کے جسم اطہر اور احرام کے کپڑوں سے خوشبو ابل رہی ہوتی تھی اس کے باوجود آپ ﷺ حالت احرام میں ہوتے تھے، تو معلوم ہوا کہ احرام سے پہلے خوشبو لگانا جس کے بعد خوشبو باقی رہے اور کپڑوں اور جسم میں بھی خوشبو آتی رہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

روایات سے ترجمہ کا ثبوت

یہاں ترجمۃ الباب کا مقصود یہ ہے کہ ”فیطوف علی نساءہ“ اور اس کے بعد اگلی حدیث میں بھی اسی کا اعادہ کیا گیا ہے کہ یعنی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں اب یہاں اگرچہ بظاہر صراحۃً یہ مذکور نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تمام ازواج کے پاس جانے کے بعد صرف ایک غسل فرمایا۔

لیکن اول تو اسی حدیث کی (دوسری روایت) دوسرے طرق سے ہے ان میں یہ صراحت آئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تمام ازواج کے پاس جانے کے بعد آخر میں ایک ہی مرتبہ غسل فرمایا، ہر زوجہ مطہرہ کے پاس جانے کے بعد الگ سے غسل نہیں فرمایا۔

دوسرے امام بخاری رحمہ اللہ یہاں استدلال فرما رہے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو خوشبو لگائی پھر آپ ﷺ تمام ازواج کے پاس تشریف لے گئے اور پھر حالت احرام میں آئے تو اس وقت بھی خوشبو مہک رہی تھی، تو اگر ہر زوجہ کے پاس الگ غسل فرماتے تو وہ شروع میں لگائی ہوئی خوشبو محفوظ نہ رہتی اور بعد میں اس خوشبو کا ادراک و احساس نہ ہوتا، بعد میں آپ ﷺ سے خوشبو کا مہکنا یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ ایک ہی غسل فرمایا ہو۔ اس سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے آخر میں ایک غسل فرمایا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس سے یہ مسئلہ استنباط فرمایا ہے کہ اگر ایک شخص کے پاس ایک سے زیادہ ازواج ہوں اور وہ باری باری ہر ایک کے پاس جائے تو ہر مرتبہ الگ غسل کرنا ضروری نہیں بلکہ آخر میں ایک غسل کر لینا کافی ہے۔

اور اسی پر دوسرا مسئلہ قیاس کیا کہ اگر کسی شخص کے پاس ایک سے زائد بیوی نہیں ہے بلکہ ایک ہی بیوی ہے لیکن اسی بیوی سے ایک مرتبہ جماع کرنے کے بعد دوبارہ جماع کرتا ہے تب بھی یہی حکم ہوگا کہ آخر میں ایک غسل کر لینا کافی ہے، کیونکہ جنابت ہر صورت میں حاصل ہوتی ہے چاہے ازواج متعدد ہوں یا ایک ہو۔

لہذا امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں ”اذا جامع ثم عاد“ پہلے ذکر کیا، یہ گویا قیاس سے ثابت کیا اور ”ومن دار علی نساءہ فی غسل واحد“ حدیث سے تقریباً صراحۃً ثابت ہو رہا ہے۔ تو اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ایک ہی غسل کافی ہے ہر ایک جگہ الگ غسل کرنا ضروری نہیں لیکن اگر ہر ایک جگہ مرتبہ

الگ غسل کرے تو یہ زیادہ بہتر ہے اور یہ افضل ہے۔
 اور اس کی دلیل بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے جس میں یہ آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ اپنی تمام ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے:
 ”أَنَّهُ طَافَ ذَاتَ يَوْمٍ عَلَى نِسَائِهِ يَغْتَسِلُ عِنْدَهُنَّ وَعِنْدَ هَذِهِ“
 یعنی ہر ایک کے پاس الگ الگ غسل فرماتے:
 قَالَ قُلْتُ: ”يَا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَلَا تَجْعَلُهُ غَسْلًا وَاحِدًا؟“
 میں نے پوچھا کہ اگر آپ ﷺ ایک ہی غسل کر لیتے تو کیا حرج تھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:
 قَالَ: ”هَذَا أَزْكَى وَأَطْيَبُ وَأَطْهَرُ“
 یہ طریقہ زیادہ ازکی پاکیزہ و اطہر ہے۔
 اس سے معلوم ہوا کہ افضل یہ ہے، البتہ دونوں طریقے آپ ﷺ نے بتا دیئے۔

سوال

اس حدیث میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک رات میں تمام ازواج کے پاس تشریف لے جانا یہ بظاہر قسم (باری) کے احکام کے خلاف معلوم ہوتا ہے کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ جس رات میں سب کے پاس تشریف لے گئے وہ کسی ایک زوجہ کی باری کی رات ہوگی اور ایک زوجہ کی باری میں دوسرے کے پاس جانا یہ قسم کے بظاہر خلاف ہے؟
 شرح، محدثین اور فقہاء نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں:

جواب اول

بعض حضرات نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ پر قسم واجب ہی نہیں تھا جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا:

﴿تُرْجَى مَنْ تَشَاءُ مِنْهُمْ وَتُؤْوَى إِلَيْكَ

مَنْ تَشَاءُ ط﴾ [احزاب: ۵۱]

ترجمہ: پیچھے رکھ دے تو جس کو چاہے ان میں سے اور جگہ دے اپنے پاس جس کو چاہے۔

اس آیت کریمہ میں حضور اقدس ﷺ کو قسم کے احکام سے مستثنیٰ فرما دیا گیا تھا، لہذا اگر آپ ﷺ نے کوئی عمل قسم کے خلاف کیا تو آپ ﷺ کے لئے جائز تھا۔

لیکن یہ اس لئے اطمینان بخش نہیں کہ اگرچہ قسم کے احکام سے اللہ ﷻ نے حضور اقدس ﷺ کو مستثنیٰ فرما دیا تھا لیکن آپ ﷺ نے اس سہولت سے کبھی زندگی بھر فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ اور لوگوں سے کہیں زیادہ قسم اور عمل کے احکام پر عمل فرما کر دکھایا۔ تو ایک ہی واقعہ میں آپ ﷺ سارے احکام کو چھوڑ دیں یہ بات حضور اقدس ﷺ سے بعید معلوم ہوتی ہے۔

جواب ثانی

ایک جواب یہ ہو سکتا ہے کہ جس زوجہ کی باری ہو بے شک اس کا حق ہے کہ رات اس کے پاس گزاری جائے لیکن جہاں تک جماعت ہے اس میں برابری ضروری نہیں بیوتت میں تو برابری ضروری ہے لیکن جماعت کے عمل میں برابری ضروری نہیں۔ اور یہ ضروری نہیں کہ جس رات میں کسی ایک خاتون کی باری ہے اس کے علاوہ دوسری کے ساتھ جماع نہ کیا جائے مثلاً رات کا بڑا حصہ باقی ہے اور اول شب میں دوسری کے پاس جائے تو یہ خلاف قسم بات نہیں ہے جب کہ رات اس کے پاس گزارے اور بالخصوص جماعت بھی اس کے ساتھ کی گئی ہو تو یہ قسم کے منافی نہیں۔

جواب ثالث

تیسرا جواب حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے دیا ہے ایک رات میں آپ ﷺ تمام ازواج کے پاس تشریف لے گئے حضرت نے استقصاء کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ درحقیقت یہ زندگی میں صرف دو مرتبہ پیش آیا ایک مرتبہ اس وقت جب آپ ﷺ حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے جا رہے تھے اور احرام باندھنے سے پہلے جس کا یہاں ذکر آیا ہے۔

اور ایک اس وقت پیش آیا جب آپ ﷺ نے احرام کھولا۔ اور اس میں یہ حکمت تھی جس کے متعلق احادیث کی روشنی میں فقہائے کرام یہ فرماتے کہ جب آدمی احرام باندھنے والا ہو، تو احرام باندھنے سے پہلے اپنی زوجہ کے ساتھ جماعت مستحب ہے۔

اور مستحب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے بعد حالت احرام شروع ہو جائے گی تاکہ اس کے دماغ کو اس کے خیالات پریشان نہ کریں اور حالت احرام میں نہ صرف جماع حرام ہوتا ہے بلکہ دواعی جماع بھی حرام ہوتے ہیں بلکہ رفت کلمات زبان سے نکالنا بھی منع ہوتا ہے تو اس واسطے ایک مرتبہ اس عمل سے ذہن فارغ ہو جائے پھر کیسوئی کے ساتھ آدمی حالت احرام میں رہے۔

احرام کے بعد مجامعت

اسی طرح جب حالت احرام سے فارغ ہو تو اس وقت بھی مستحب قرار دیا گیا تا کہ جب حلت ہو تو حلت تمام افعال سے ہو تو طواف زیارت کے بعد جب عورتیں حلال ہو جاتی ہیں تو اس وقت بھی یہ عمل مستحب ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب یہ عمل مستحب ہے تو مرز اور عورت دونوں کے لئے مستحب ہوا۔ جب دونوں کے لئے مستحب ہے اگر آنحضرت ﷺ اس عمل کو ایک زوجہ کے ساتھ مخصوص فرماتے تو اس کو استحباب حاصل ہو جاتا اور دوسری ازواج جن کے ساتھ یہ عمل نہیں ہوا ان کو یہ استحباب حاصل نہ ہوتا تو آپ ﷺ نے اس رات میں تمام ازواج کے پاس تشریف لے جا کر اس استحباب کے عمل میں ان کو بھی شریک فرمایا۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ دونوں واقعات حج کے سفر کے ہیں۔

اور وہ رات جو سفر کی حالت میں ہوتی ہے وہ قسم سے مستحب ہوتی ہے قسم اس وقت واجب ہے جب انسان حضر میں ہو اور جب سفر میں ہے سفر کے اندر قسم واجب نہیں ہوتا۔

اس واسطے یہ اشکال سرے سے ہی غلط ہے کہ ایک رات میں تمام ازواج کے پاس تشریف لے جانا قسم کے احکام کے خلاف ہے شاہ صاحب رحمہ اللہ کی یہ توضیح بڑی اطمینان بخش ہے۔

۲۶۸۔ حدثنا محمد بن بشار قال : حدثنا معاذ بن هشام قال : حدثني أبي عن قتادة قال : حدثنا أنس بن مالك قال : كان النبي ﷺ يدور على نسائه في الساعة الواحدة من الليل والنهار وهن إحدى عشرة ، قال : قلت لأنس : أو كان يطيقه ؟ قال : كنا نتحدث أنه أعطى قوة ثلاثين .

وقال سعيد عن قتادة : إن أنسا حدثهم : تسع نسوة . [أنظر: ۲۸۳، ۵۰۶۸،

۵۲۱۵] ۱۹

”أو كان يطيقه ؟“

۱۹ وفی صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء له وغسل الفرج الخ. رقم: ۴۶۷، وسنن الترمذی، کتاب الطهارة عن رسول الله، باب ماجاء فی الرجل يطوف علی نسائه بغسل واحد، رقم: ۱۳۰، وسنن النسائی، کتاب الطهارة، باب إتيان النساء قبل أحداث الغسل، رقم: ۲۶۳، وسنن أبي داود، کتاب الطهارة، باب فی الجنب يعود، رقم: ۱۸۸، وسنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب ماجاء فیمن یغتسل من جميع نسائه غسلًا واحدًا، رقم: ۵۸۱، ومسنند احمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند انس بن مالک، رقم: ۱۲۳۹۹، ۱۲۸۷۶، ۱۳۵۹۵، وسنن الدارمی، کتاب الطهارة، باب فی الذی يطوف علی نسائه فی غسل واحد، رقم: ۷۳۶.

یہ راوی نے تعجباً پوچھا، اس واسطے تعجب ہوا کہ حضور اقدس ﷺ کے ازواج گیارہ یا نو تھیں، ایک وقت میں کم از کم نو تو رہیں۔ تو انہوں نے پوچھا کہ ”او کان یطیقه؟“ کہ گیارہ یا نو ازواج کے پاس باری باری تشریف لے جانا کیا ان کو اس کی طاقت تھی؟ تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم آپس میں باتیں کیا کرتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ کو تیس مردوں کی قوتیں عطا کی گئی ہے۔

بعض روایتوں میں چالیس کی روایت بھی آئی ہے۔ ۲۰۔

اور بعض روایتوں میں اس سے زائد بھی ہے۔ ۲۱۔

اس حدیث میں گیارہ کی تعداد بتائی ہے اس لئے کہ جنہوں نے دو ملک عین کو شامل کیا تو انہوں نے گیارہ کہہ دیا اور جنہوں نے دو ملک عین کو شامل نہیں کیا انہوں نے نو کہہ دیا۔

(۱۳) باب غسل المذی والوضوء منه

مذی دھونا اور اس سے وضو لازم ہونا

۲۶۹ — حدثنا أبو الوليد قال: حدثنا زائدة، عن أبي حصين، عن أبي عبد الرحمن، عن علي قال: كنت رجلاً مذاء فأمرت رجلاً أن يسأل النبي ﷺ لمكان إنبته، فسأل فقال: ((توضاً واغسل ذكرک)). [راجع: ۱۳۲]

یہ مذی کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث ترمذی شریف میں گزر چکی ہے تو اس میں آپ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ صرف اتنا کافی ہے کہ آدمی وضو کر لے اور اپنے عضو کو دھو لے، غسل واجب نہیں یہ امر متفق علیہ ہے ۲۲۔

(۱۴) باب من تطيب ثم اغتسل وبقي أثر الطيب

اس شخص کا بیان جس نے خوشبو لگائی پھر غسل کیا اور خوشبو کا اثر باقی رہ جائے

۲۷۰ — حدثنا أبو النعمان قال: حدثنا أبو عوانة، عن إبراهيم بن محمد بن المنتشر، عن أبيه قال: سألت عائشة، فذكرت لها قول ابن عمر: ما أحب أن أصبح

۲۵۔ کل رجل من رجال أهل الجنة... ”چالیس آدمیوں کی قوت سے مراد ان آدمیوں کی قوت ہے جو جنت میں ہر آدمی کو دیکھا جائے گی۔ مسند ابی یعلیٰ، ج: ۵، ص: ۳۵۶، رقم: ۳۱۷۶۔

۲۱۔ کل رجل من أهل الجنة يعطى قوة مائة رجل... جنت کے ہر آدمی میں دنیا کے سو آدمیوں کی قوت ہوگی۔ سنن الترمذی، ج: ۴، ص: ۶۷۷، باب ماجاء فی صفة جماع أهل الجنة، رقم: ۲۵۳۶، دار احیاء التراث، بیروت۔

۲۲۔ فتح الباری، ج: ۱، ص: ۳۸۰۔

محرمًا أنضخ طيبًا. فقالت عائشة: أنا طيبت رسول الله ﷺ ثم طاف في نسائه ثم أصبح محرمًا. [راجع: ۲۶۷]

یہ اوپر والا ہی واقعہ ہے جو زیادہ وضاحت کے ساتھ یہاں پر آگیا کہ منتشر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ذکر کیا تھا کہ ”ما احب أن اصبح محرمًا انضخ طيبًا“ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ حالت احرام میں اس حالت میں ہوں کہ میرے جسم سے خوشبو مہک رہی ہو، تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اس کا جواب دیا البتہ اس کو دوبارہ ذکر کر کے ترجمۃ الباب امام بخاری رحمہ اللہ نے قائم کیا ”باب من تطيب ثم اغتسل وبقي أثر الطيب“ کہ پہلے خوشبو لگا کر پھر غسل کرنا اور پھر خوشبو کا اثر باقی رہ جانا یہ بھی گویا حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے۔

اب اس کو مد نظر رکھتے ہوئے اس ترجمۃ الباب کی طرف غور کریں جو پیچھے گزرا ہے ”باب من بدأ بالحلاب أو الطيب عند الغسل“ تو یہاں حدیث یہ بتا رہی ہے کہ غسل سے پہلے خوشبو کا استعمال فرمایا اور وہاں یہ کہ حلاب منگوا یا اور خوشبو نہیں تھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرما رہے ہیں کہ دونوں طریقے جائز ہیں کہ آدمی پہلے خوشبو استعمال کرے یا نہ کرے، امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ مقصود ہے۔

۲۷۱۔ حدثنا آدم قال: حدثنا شعبة قال: حدثنا الحكم، عن إبراهيم عن الأسود، عن عائشة قالت: كأني أنظر إلى وبيض الطيب في مفرق النبي ﷺ وهو محرم. [انظر: ۵۳۸، ۵۹۱۸، ۵۹۲۳]

یہ فرمایا کہ ایسا لگتا ہے کہ میں اب حضور ﷺ کی مانگ میں خوشبو کی چمک دیکھ رہی ہوں جب کہ آپ ﷺ حالت احرام میں تھے۔ خوشبو پہلے لگائی اور اس کی چمک احرام کے بعد بھی باقی رہی۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف یہ نہیں کہ بعد میں خوشبو کی بو آتی رہے بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ خوشبو کا جرم باقی رہے۔

(۱۷) باب اذا ذكر في المسجد انه جنب خرج كما هو ولا يتيمم

جب مسجد میں یاد آئے کہ وہ جنبی ہے تو اسی حال میں نکل جائے اور تیمم نہ کرے

۲۷۵۔ حدثنا عبد الله بن محمد قال: حدثنا عثمان بن عمر قال: أخبرنا يونس، عن الزهري، عن أبي سلمة، عن أبي هريرة قال: أقيمت الصلاة وعدلت الصفوف قياما فخرج إلينا رسول الله ﷺ فلما قام في مصلاه ذكر أنه جنب، فقال لنا: ((مكانكم))، ثم رجع فاغتسل، ثم خرج إلينا ورأسه يقطر، فكبر فصلىنا معه - تابعه عبد الأعلى، عن

معمر، عن الزهري، ورواه الأوزاعي عن الزهري. [أنظر: ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۳]
حضرت ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نماز کی اقامت ہو گئی صفین سیدھی کر لی گئی۔
”قیاما“ یعنی لوگ کھڑے ہوئے تھے کہ اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے،
جب آپ ﷺ اپنے مصلی پر پہنچ گئے۔

”ذکر انه جنب“ تو آپ ﷺ کو یاد آیا کہ آپ حالت جنابت میں ہیں تو آپ ﷺ نے ہم سے فرمایا
کہ ”مکانکم“ کہ تم اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو۔ پھر واپس تشریف لے گئے۔
غسل فرمایا، پھر آپ ﷺ تشریف لائے اس حالت میں کہ آپ ﷺ کے سر اقدس سے قطرے ٹپک رہے
تھے ”فکبر“ اس وقت آپ نے تکبیر فرمائی ”فصلینا معہ“ تو ہم نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔

مسجد میں جنبی کا حکم

یہ حدیث ہے جس پر امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب قائم کیا ہے کہ ”باب اذا ذكر في
المسجد انه جنب خرج كما هو ولا يتيمم“ کہ اگر آدمی بھولے سے مسجد چلا گیا جب کہ وہ حالت
جنابت میں تھا لیکن یاد نہیں رہا کہ وہ جنبی ہے اب جب یاد آئے تو اس کو چاہیے کہ فوراً جا کر غسل کرے۔ تو جب
واپس جائے گا کچھ وقت ایسا گزرے گا کہ وہ مسجد کے اندر ہوگا اور حالت جنابت یاد بھی ہوگی۔

بعض حنفیہ نے کہا ہے کہ ایسی صورت میں اس کو چاہیے کہ مسجد سے نکلنے کے لئے تیمم کرے اور یہ حکم حنفیہ
اس شخص کا بھی بیان کرتے ہیں جو مسجد میں سویا اور اس کو احتلام ہو گیا، اب بیدار ہوا تو حالت جنابت میں ہے
تو حنفیہ کہتے ہیں کہ اس کو چاہیے کہ فوراً تیمم کرے پھر مسجد سے نکلے کیونکہ جتنا وقت اسکے بعد وہ مسجد میں رہے گا اور
جتنے وقت میں وہ مسجد سے نکلے گا، گزرے گا، اتنا وقت اس کے اوپر حالت جنابت میں مسجد کے اندر رہنے کا گناہ
ہونے کا اندیشہ ہے، تو کم از کم تیمم کر لے پھر جائے۔

یہ حنفیہ کی مشہور روایت ہے جو ان کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے۔ لیکن ایک غیر مشہور روایت یہ ہے کہ تیمم
ضروری نہیں بغیر تیمم کے بھی نکل سکتا ہے۔ ۲۴

۲۳۔ ولی صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب متى يقوم الناس للصلاة، رقم: ۹۵۰، وسنن النسائي، کتاب
الامامة، باب الامام يذكر بعد قيامه في مصلاه انه على غير، رقم: ۷۸۳، وسنن أبي داود، کتاب الطهارة، باب في الجنب
يصل بالفوم وهو ناس، رقم: ۲۰۳، ومسند أحمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند ابي
هريرة، رقم: ۶۹۳۰، ۷۲۰۲، ۷۲۷۱، ۷۲۷۱، ۸۱۱۲، ۸۱۱۰، ۹۴۱۰، ۱۰۳۰۱۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس پر استدلال کر رہے ہیں کہ دیکھو غفور اقدس ﷺ نماز کے لئے تشریف لائے، کھڑے ہو گئے اور اس وقت یاد آیا کہ میں جنابت کی حالت میں ہوں پھر آپ ﷺ نے جب جانے کا ارادہ فرمایا تو تیمم نہیں کیا، تیمم کے بغیر تشریف لے گئے۔ تو معلوم ہوا کہ تیمم کے بغیر تشریف لے جانا جائز ہے۔ اگرچہ حنفیہ کی روایت مشہور یہ ہے کہ تیمم کرنا چاہئے لیکن غیر مشہور روایت یہ بھی ہے کہ بغیر تیمم کے جائز ہے۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک جو غیر مشہور روایت ہے وہ راجح ہے کیونکہ اس حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ ۲۵

اور اصل مسئلہ میں اختلاف حنفیہ اور شافعیہ کے درمیان اس آیت کریمہ کا ہے، جس میں فرمایا کہ:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ

سُكْرَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنْبًا إِلَّا

عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا ط“۔

آیت کریمہ سے شافعیہ کا طرز استدلال

شافعیہ اس کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ اس آیت میں دو حکم بیان کئے گئے ہیں:

ایک تو یہ ہے کہ آدمی کونٹے کی حالت میں نماز کے قریب نہیں جانا چاہئے اور۔

دوسرا حکم یہ بیان کیا گیا ہے کہ جنابت کی حالت میں بھی آدمی کو نماز کی جگہ یعنی مسجد کے قریب نہیں جانا

چاہئے۔ ”الا عابری سبیل الخ“ الا یہ کہ مسجد میں داخل ہونا مقصود نہ ہو بلکہ مسجد سے گزرنا مقصود ہو تو جنابت کی حالت میں گزر سکتا ہے۔

شافعیہ تفسیر کرتے ہیں جو آیت کا ظاہری مراد ہے ”ولا جنباً الا عابری سبیل“ کہ بنابت کی

حالت میں مسجد کے اندر جانا جائز نہیں مگر راستے سے گزرتے ہوئے یعنی اس کا راستہ مسجد سے گزرتا ہے تو مسجد میں سے گزر سکتا ہے، منع جو ہے وہ یہ ہے کہ آدمی حالت جنابت میں مسجد کا قصد کر کے مسجد میں داخل ہو۔

احناف کا انداز استدلال

حنفیہ آیت کریمہ کی تفسیر دوسری طرح کرتے ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ گزرنے کے لئے بھی حالت جنابت

میں گزرنا جائز نہیں۔ اور وہ یہ کہتے ہیں کہ یہاں مسجد کا ذکر نہیں۔ آیت تو یہ ہے کہ:

۲۵ قولہ: ”ولا یتیمم“ ولا يجوز للجنب أن يدخل المسجد عندنا فإن دخل ناسياً یتیمم ثم یخرج وفي رواية غیر مشہورة

یخرج وإن لم یتیمم کذا فی رد المحتار وهي المختارة عندی الخ فیض الباری، ج: ۱، ص: ۳۵۶۔

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَرَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنْبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا ط“

”ولا جنباً“ کا عطف ”سکری“ پر ہو رہا ہے، تو یہ بھی ”لا تقربوا الصلوٰۃ“ ہی کے تحت آئے گا۔ لہذا یہاں مسجد یا موضع صلوٰۃ کا ذکر نہیں ہے بلکہ ذکر صلوٰۃ کا ہے۔ یعنی نماز نہ پڑھو حالت نشے میں اور نماز نہ پڑھو حالت جنابت میں ”الا عابری سبیل“ عابری سبیل کے معنی میں حنفیہ کہتے ہیں کہ جنابت کی حالت میں نماز نہ پڑھو الا یہ کہ تم مسافر ہو، حجاز کے اندر جب آدمی سفر کرتا تھا تو عام طور پر پانی نہیں ملتا تھا تو ”عابری سبیل“ کنایہ ہے اس بات پر کہ جب حالت سفر میں پانی میسر نہ ہو تو اس صورت میں بغیر غسل کے تیمم کر کے تم نماز پڑھ سکتے ہو۔ حنفیہ یہ تفسیر کرتے ہیں۔

حنفیہ کے مذہب میں جنبی آدمی کے لئے اگر عبور یا مرور کے لئے بھی مسجد میں داخل ہونا ہو تو جائز نہیں ہے۔ اسی پر انہوں نے متفرع کیا اس مسئلہ کو کہ اگر کسی شخص کو مسجد میں احتلام ہو گیا تو اس وقت تک نہ نکلے جب تک تیمم نہ کر لے۔ اور اسی پر متفرع کیا کہ اگر کوئی شخص بھول کے داخل ہو گیا تو بعد میں جب نکلے اس وقت بھی تیمم کر لے۔ لیکن اس پر یہ تفریع محل نظر ہے۔ یعنی اصل مسئلہ کہ گزرنے کے لئے بھی مسجد میں نہ جائے یہ تو مسلم ہے لیکن یہ اس وقت ہے جبکہ آدمی ابتداءً مسجد سے گزنا چاہتا ہو۔ لیکن اگر عذر پیش آ گیا جیسے کہ احتلام ہوا اس میں انسان کے اختیار کو کوئی دخل نہیں یا بھول کر گیا تو معذور ہے۔ اب وہاں سے نکلنے کے لئے اس وقت کا جو مرور ہوگا وہ غیر اختیاری جیسا ہے اور مجبوری کا گزرنہ ہے۔ تو اس مجبوری کے گزرنے میں اگر بغیر تیمم کے گزر جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے۔ اور حدیث باب سے اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے تیمم نہیں فرمایا بلکہ بلا تیمم کے مسجد سے باہر تشریف لے گئے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی نفیس بحث

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک حنفیہ کی روایت غیر مشہورہ راجح ہے اور فیض الباری میں حضرت شاہ رحمہ اللہ نے بہترین بحث فرمائی ہے جو مفتیان کرام کے فائدے کی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایتیں دو طرح کی ہیں۔

ایک ظاہر الروایات۔

ایک نوادر الروایات۔

ظاہر الروایات وہ ہے جو امام محمد رحمہ اللہ کی چھ کتابوں سے مشہور ہے اور باقی جو روایتیں ہیں ان کو نوادر

کہتے ہیں۔ عام طور پر مشہور یہ ہے کہ ظاہر الروایات اور نوادر میں تعارض ہو جائے تو ترجیح ظاہر الروایات کی ہوگی۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اس کو قاعدہ کلیہ کے طور پر نہیں مانتا، بلکہ بعض اوقات نوادر کی جو روایتیں ہیں وہ بھی امام ہی کی روایتیں ہیں تو اگر دوسرے سے مؤید ہو جائے یا احادیث سے تائید ہو جائے تو اس صورت میں نوادر کی روایت کو ترجیح دینا بہتر ہے نسبت اسکے کہ آدمی اس ظاہر الروایات کو چمٹا رہے اور حدیث کو چھوڑ دے۔ تو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ قاعدہ کلیہ کے طور پر سمجھ لینا چاہئے کہ ہمیشہ ظاہری روایت مقدم ہوگی نوادر پر یہ کوئی صحیح نہیں ہے بلکہ نوادر کو بھی بعض اوقات مؤید بالذلال ہونے کی بناء پر قبول کیا جاسکتا ہے۔ ۲۶۔

(۲۰) باب من اغتسل عریانا وحده في الخلوۃ،

اس شخص کا بیان جس نے ایک گوشہ میں بحالت تنہائی ننگے ہو کر غسل کیا

ومن تستر فالتستر افضل، وقال بهز، عن أبيه، عن جده عن النبي ﷺ: ((الله أحق أن يستحيا منه من الناس)).

برہنہ غسل کا حکم

یہ باب قائم فرمایا ہے کہ ”باب من اغتسل الخ“ کہ اس شخص کے بیان میں جو تنہائی میں عریاں ہو کر نہائے، غسل کرے۔

”ومن تستر فالتستر افضل“ اور اگر کوئی شخص تستر کرے یعنی تنہائی میں ہونے کے باوجود پھر بھی بالکل عریاں نہ ہو بلکہ زیر جامہ کوئی کپڑا استعمال کرے جیسے لنگی، تہبند وغیرہ باندھ لے تو تستر افضل ہے۔

وقال بهز، عن أبيه، عن جده عن النبي ﷺ: ((الله أحق أن يستحيا منه من الناس)). یہ تعلیقاً روایت نقل کر دی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان سے شرم کی جائے بہ نسبت اور لوگوں کے۔

اس کی تفسیر یہ ہے کہ کسی نے یہ سوال کیا تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا آدمی اگر تنہائی میں برہنہ ہو تو اس کے لئے جائز ہے یا نہیں؟ آپ ﷺ نے اسکے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اللہ ﷻ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ لوگوں کے مقابلہ میں ان سے شرم کی جائے۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ دوسرے لوگ موجود نہیں ہیں لیکن اللہ ﷻ تو ہر جگہ موجود ہے۔ تو اس واسطے ان کے سامنے ہر آدمی کا بلا ضرورت برہنہ ہونا پسندیدہ بات نہیں کیونکہ اللہ ﷻ سے

شرمانا چاہئے۔

استدلال بخاری رحمہ اللہ

اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے استدلال کیا کہ اگرچہ ضرورت غسل کی وجہ سے برہنہ ہونا جائز ہے لیکن اگر آدمی اس بات کو مد نظر رکھے کہ اللہ ﷻ سے زیادہ شرم کرے تو غسل کی حالت میں بھی تستر اختیار کرے یہ زیادہ افضل ہوگا۔

پھر اس اغتسال عربیانا پر دلیل کے طور پر حضرت ابو ہریرہ ؓ کی حدیث ذکر کی ہے:

۲۷۸ - حدثنا إسحاق بن نصر قال : حدثنا عبد الرزاق ، عن معمر ، عن همام بن منبه ، عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال : ((كانت بنو إسرائيل يغتسلون عراة ينظر بعضهم إلى بعض . وكان موسى يغتسل وحده ، فقالوا : والله ما يمنع موسى أن يغتسل معنا إلا أنه آذر ، فذهب مرة يغتسل فوضع ثوبه على حجر ، ففر الحجر بثوبه ، فجمع موسى في أثره يقول : ثوبي يا حجر ، ثوبي يا حجر ، حتى نظرت بنو إسرائيل إلى موسى فقالوا : والله ما بموسى من بأس ، وأخذ ثوبه فطفق بالحجر ضرباً)) فقال أبو هريرة : والله إنه لندب بالحجر ستة أو سبعة ضرباً بالحجر . [انظر: ۳۴۰۲، ۴۷۹۹] ۲۷

حدیث کی تشریح

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ”کانت بنو اسرائیل یغتسلون عراة... الخ“ بنی اسرائیل کے لوگ سب کے سب برہنہ ہو کے غسل کیا کرتے تھے۔

”ینظر بعضهم إلى بعض“ اور ایک دوسرے کو دیکھتے رہتے تھے۔

”وكان موسى يغتسل وحده“ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام تنہا غسل کیا کرتے تھے، وہ اکٹھے باجماعت غسل کے قائل نہ تھے یعنی اسے پسند نہیں فرماتے تھے۔

”فقالوا“ چونکہ موسیٰ علیہ السلام الگ غسل کرتے تھے تو اس واسطے یہ کہتے ہیں کہ جو تک کٹوں میں ناک والا آجائے تو اس ناک والے کو عیب لگایا جاتا ہے۔ تو یہ سب لوگ ایک دوسرے کے سامنے بے حیائی سے غسل کیا

۲۷ وفی صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب جواز الاغتسال عربیانا فی الخلوة، رقم: ۵۱۳، وکتاب الفضائل، باب من فضائل موسیٰ، رقم: ۴۳۷۲، وسنن الترمذی، کتاب تفسیر القرآن عن رسول اللہ، باب ومن سورة الأحزاب، رقم:

۳۱۴۵، ومسند أحمد، باقی مسند المکثرین، باب باقی المسند السابق، رقم: ۷۸۲۶، ۱۰۲۶۲، ۱۰۴۹۳۔

کرتے تھے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام الگ غسل فرمایا کرتے تھے، اس لئے ان پر عیب لگانا شروع کر دیا اور کہا ”واللہ ما یمنع موسیٰ أن یغتسل معنا إلا أنه آدر“ اور قسم کھا کر کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ہمارے ساتھ غسل کرنے سے کوئی چیز نہیں روکتی مگر یہ کہ وہ آدر ہے۔

”آدر“ یعنی جسکے خصیتیں بڑھ جاتے ہیں۔ تو اسکا الزام لگایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں وہ بیماری معلوم ہوتی ہے۔

”فذهب مرة یغتسل“ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام غسل کرنے کے لئے الگ گئے۔ ”فوضع ثوبه علی حجر“ اور اپنے کپڑے ایک پتھر پر رکھ دیئے۔ ”ففر الحجر بثوبه“ وہ پتھر کپڑے لیکر بھاگ کھڑا ہوا۔

”فجمع موسیٰ فی أثره“ تو موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے دوڑے۔ ”فیقول ثوبی یا حجر ثوبی یا حجر“ کہ اے پتھر میرے کپڑے، اے پتھر میرے کپڑے۔ ”حتی نظرت بنو اسرائیل“۔ اسی حالت میں اس کے پیچھے جارہے تھے کہ بنی اسرائیل سامنے آ گئے اور انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ لیا۔ اور کہا کہ ”واللہ ما بموسى من بأس“۔ پتہ چلا کہ ان کے اندر کوئی جسمانی خرابی نہیں ہے۔

”وأخذ ثوبه“ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کپڑے لے لئے۔ ”فطفق بالحجر ضرباً“ اور اس پتھر کو مارنا شروع کیا۔

”فقال أبو هريرة: “واللہ إنه لندب بالحجر ستة أو سبعة ضرباً بالحجر“ کہ اس پتھر کے اوپر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مارنے کے چھ یا سات نشان تھے۔

سوال: اب بظاہر پتھر کو مارنا ایسا عمل معلوم ہوتا ہے جو کہ حکمت سے بعید لگتا ہے کیونکہ لایعقل ہے، درحقیقت پتھر جس طرح سے لایعقل ہوتا ہے اسی طرح منطقیوں کے حساب سے وہ متحرک بالا ارادہ بھی نہیں ہوتا؟

جواب: جب کسی طرح اللہ جل جلالہ کے بنانے سے متحرک بالا ارادہ بن گیا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پتھر سے کہا کہ تو جب متحرک بلا ارادہ بن گیا تو یہی تیری سزا ہے کہ تیری پٹائی ہو اس لئے اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مارا۔ اسی سے پتا چلتا ہے کہ درحقیقت جتنی بھی جمادات ہیں ہمیں دیکھنے میں بلا ارادہ اور غیر متحرک نظر آتی ہیں لیکن حقیقت میں یہ حساس اور متحرک بلا ارادہ ہیں اور یہ جو کچھ بھی ہے اللہ جل جلالہ کی عطا ہے۔ حیوان میں کہاں سے ارادہ آ گیا، انسان میں کہاں سے ارادہ آ گیا۔ دینے والے نے دیا تو وہ اگر کسی پتھر کو دیدے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے، کہ پتھر کو دیدیا!

اور اب تو سائنس میں یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ یہ جو پہلے کہا جاتا تھا کہ پتھر، جمادات وغیرہ جسم نامی

نہیں ہیں اور شجر و زراعت کو جسم نامی کہتے ہیں یہ بات بالکل غلط ثابت ہو گئی، پتھروں کے بارے میں بھی یہ ثابت ہوا ہے کہ وہ نامی ہیں اور بعض پتھروں کے اوپر اسکا تجربہ ہو گیا۔

میں نے خود بعض ایسے پتھر دیکھے ہیں جن کے بارے میں نشان لگا دیا تھا کہ یہ اتنا ہے اور سالہا سال گزرنے کے بعد اس میں اضافہ ہو گیا تو پتہ چلتا ہے کہ انکے اندر بھی نم ہے۔

”وَأَنَّ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِن لَّا

تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيحَهُمْ“۔ [بنی اسرائیل: ۴۴]

ترجمہ: ”اور کوئی چیز نہیں جو نہیں پڑھتی خوبیاں اس کی لیکن تم نہیں سمجھتے ان کا پڑھنا“۔

کسی وقت اللہ ﷻ اس کو خاصیت حیوان عطا فرمادے، تو انہی کی عطا ہے، انہی کی تخلیق ہے۔ نہ اس میں تعجب کا کوئی موقع ہے نہ اس میں کوئی استہزاء کا موقع ہے کہ کیا قصہ ہے کہ صاحب! پتھر کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اللہ ﷻ کی تخلیق کے آگے کچھ بھی مشکل نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ہمام بن منبہ سے دوسری حدیث نقل کر دی ہے کہ:

۲۷۹ - وعن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال : ((بينا أيوب يغتسل عرياناً فخر عليه جراد من ذهب ، فجعل أيوب يحثي في ثوبه ، فناداه ربه : يا أيوب ألم أكن أغنيك عما ترى؟ قال: بلى وعزتك ، ولكن لا غني بي عن بركتك)) ، ورواه إبراهيم ، عن موسى بن عقبة ، عن صفوان ، عن عطاء بن يسار ، عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال : ((بينا أيوب يغتسل عرياناً)) . [أنظر: ۳۳۹۱ ، ۷۴۹۳] ۲۸

حدیث کی تشریح

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”بینا ایوب یغتسل عریاناً“ حضرت ایوب علیہ السلام ایک مرتبہ برہنہ ہو کر نہا رہے تھے ”فخر علیہ جراد من ذهب“ تو اوپر سے سونے کی ٹڈیاں گرنی شروع ہو گئیں۔

”فجعل ایوب یحثی فی ثوبہ“ حضرت ایوب علیہ السلام نے آگے بڑھ کر کپڑے میں ان کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ ”فناداه ربه“ تو اللہ ﷻ نے آواز دی ”یا ایوب ألم أكن أغنيك عما ترى؟“ کیا میں

نے تم کو اس چیز سے بے نیاز نہیں کر دیا جو تم دیکھ رہے ہو یعنی یہ سونا تمہیں پہلے ہی بہت دیدیا، اور تمہیں ساتھ ساتھ دنیا سے زیادہ آخرت کی فکر دیدی۔

تو اس کے بعد تمہارا اس طرف متوجہ ہونا، نہانا اور غسل چھوڑ چھاڑ کر یہ سونے کی ٹڈیوں کے پیچھے دوڑنا اور ان کو جمع کرنا اس کے کیا معنی ہیں؟

بندہ ہر حال میں اللہ ﷻ کا محتاج بن کر رہے

کیا عجیب و غریب جواب دیا، نبی کا جواب ہی ہو سکتا ہے۔ فرمایا ”بللیٰ و عزتک“ آپ کی عزت کی قسم بات تو صحیح ہے کہ آپ نے مجھے غنی کر دیا۔ ”ولکن لا غنی بی عن برکتک“ لیکن آپ کی طرف سے کوئی برکت عطا ہو تو میں اس سے کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ تو یہ چیز آسمان سے ٹپک رہی ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ عطا فرما رہے ہیں تو میں ہاتھ کھینچ کے بیٹھ جاؤں اور اپنے آپ کو بے نیاز ظاہر کروں تو یہ میری بندگی کی شان کے خلاف ہے۔ تو بندے کا کام تو یہ ہے کہ جب اللہ ﷻ کی طرف سے کوئی چیز عطا ہو رہی ہو تو اس سے بے نیازی کا اظہار نہ کرے۔ بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ عاجزی، شکستگی اور اپنی احتیاجی کا اظہار کرے۔ یہ ہے صحیح فکر جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی فکر ہے۔

اگر آسمان سے سونا ٹپک رہا ہو تو ہم اور آپ بھی دوڑ کر اس کو جمع کریں گے؟ لیکن ہماری نیت جو ہوگی وہ کیا ہوگی کہ بھئی بغیر محنت کے مفت کا مال آ رہا ہے اس سے اچھی کیا بات ہوگی کہ مالدار ہو جائیگے۔ اس سے اپنی ضروریات پوری کریں گے۔ یہ ہمارا نقطہ نظر ہوگا۔

لیکن نبی کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اس کی نگاہ درحقیقت سونے پر نہیں بلکہ سونا دینے والے ہاتھ پر ہے کہ کس ذات کی طرف سے عطا ہو رہا ہے، تو اس ذات کی طرف سے کوئی چیز عطا ہو رہی ہے وہ چاہے سونا ہو یا مٹی۔ ایک بندہ کا کام یہ ہے کہ آگے بڑھ کر اس کا استقبال کرے اور اس کو شوق و ذوق سے احتیاج کے ساتھ لے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا قصہ

ہمارے حضرت والد صاحب رحمہ اللہ ﷻ ان کے درجات بلند فرمائیں۔ حضرت والد صاحب کے پاس ایک الماری میں ایک پوٹلی رکھی رہتی تھی، کوئی آدمی کوئی ہدیہ تحفہ لاتا تو والد صاحب اس کو اٹھا کر رکھ دیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی ہم سب بھائی اکٹھے ہوتے تو والد صاحب رحمہ اللہ سے عرض کرتے جنرل پوٹلی دکھائیں اور اس میں سے عطا فرمائیں، تو بعض اوقات اس میں سے کوئی مطلب کی چیز نکل آتی۔ کبھی کوئی قلم، کوئی چھوٹا موٹا کپڑا نکل آیا۔ اور خاص طور پر عید کے موقع پر عیدی دیا کرتے تھے۔ تو ہم سب بھائی الحمد للہ برسرِ روزگار تھے اور

الحمد لله، اللہ ﷻ نے بہت کچھ عطا کیا ہوا تھا لیکن عید کے موقع پر باقاعدہ ان سے فرمائش کرتے تھے کہ حضرت اس سال تو عیدی میں اضافہ ہونا چاہیے اور پہلے دس روپے ملتے تھے تو اب پندرہ روپے ملنے چاہئیں۔ فرماتے تھے نہیں تم ڈاکو چور ہو بھاگو یہاں سے۔ تو اب دس یا پندرہ روپے جو ان سے مانگتے تھے احتیاج کا اظہار کر کے بڑے شوق و ذوق کا اظہار کر کے اس کو مانگا جاتا تھا تو حقیقت میں جو وہ پندرہ روپے تھے وہ مقصود نہیں تھا بلکہ مقصود یہ تھا اس ہاتھ سے کچھ عطا ہو جائے جو اس ہاتھ سے ملے گا وہ ہمارے لئے باعث صد افتخار ہو گا۔ تو نگاہ اس روپے پر نہیں تھی، نگاہ دینے والے ہاتھ پر تھی۔

یہی انبیاء علیہم الصلاۃ کا شیوہ ہوتا ہے کہ جب اللہ ﷻ سے معاملہ ہوتا ہے تو اس پر نگاہ نہیں ہوتی کہ یہ کیا پیز ہے؟ نگاہ اس پر ہوتی ہے کہ اللہ ﷻ کی عطا ہے۔ اس واسطے بندگی کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی اللہ ﷻ سے محتاج بن کر مانگے۔ تو اس واسطے اللہ ﷻ سے مانگنے میں بے نیازی نہ برتے۔

حضور اکرم ﷺ نے دنیا کی مذمت فرمائی، لیکن ساتھ ساتھ اللہ ﷻ سے یہ دعا بھی فرمائی ہے ”اللھم نسئلك علما نافعاً و عملاً صالحاً و رزقاً واسعاً“ رزق واسع مانگ رہے ہیں جبکہ فاقے بھی گزر رہے ہیں اور جو کچھ ہے وہ تقسیم بھی ہو رہا ہے۔ اس کے باوجود اللہ ﷻ سے مانگ رہے ہیں۔ یہ بڑے کام کا نکتہ ہے کہ اللہ ﷻ کے آگے انسان کو کبھی بے نیازی کا اظہار نہیں کرنا چاہئے تو فرمایا کہ ”لا غنی بی عن برکتک“

”ورواه ابراہیم، عن موسیٰ بن عقبہ، عن صفوان، عن عطاء بن یسار، عن ابي

مریوة عن النبی ﷺ قال: ((بینا ایوب یغتسل عریاناً))“

اب دونوں حدیثیں ایک ساتھ ذکر کر دیں تو بتایا کہ دونوں انبیاء کا حالتِ تہجد میں غسل کرنا منقول ہے اس سے معلوم ہوا کہ حالتِ تہجد میں غسل کرنا جائز ہے۔ اور اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ کیونکہ ”شرائع من قبلنا“ ہمارے لئے بھی حجت ہے تاوقتیکہ اسکے خلاف ہماری شریعت میں کوئی حکم نہ آیا ہو۔

نبی کریم ﷺ نے یہ دونوں واقعہ بیان فرمائے اور اس میں اس واقعہ کے خلاف کوئی حکم نہیں دیا تو معلوم ہوا کہ جائز ہے۔

(۲۱) باب التستر فی الغسل عند الناس

لوگوں کے پاس نہانے کی حالت میں پردہ کرنے کا بیان

۲۸۰۔ حدثنا عبد الله بن مسلمة، عن مالك، عن أبي النضر مولى عمر بن

عبید اللہ، ان ابا مرة مولى أم أخبره أنه سمع أم هانئ بنت أبي طالب تقول : ذهبت إلي رسول الله ﷺ عام الفتح فوجدته يفتسل و فاطمة تستره ، فقال : من هذه؟ فقلت : أنا أم هانئ . [أنظر : ۳۵۷ ، ۳۱۷۱ ، ۶۱۵۸] ۲۹

حالت غسل میں کلام کا حکم

فوجدته يفتسل و فاطمة تستره ، فقال : من هذه؟

آپ ﷺ غسل فرما رہے تھے کہ کسی آدمی کے آنے کی آواز سنی تو پوچھا کون ہے؟ آپ ﷺ کا یہ پوچھنا غسل کی حالت میں تھا۔ حضور اقدس ﷺ سے بولنا ثابت ہے، اس سے پتہ چلا کہ غسل کی حالت میں بقدر ضرورت تھوڑا بہت بولنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

(۲۳) باب عرق الجنب وأن المسلم لا ينجس

جنبی کے پسینہ کا بیان اور مؤمن نجس نہیں ہوتا

۲۸۳۔ حدثنا علي بن عبد الله قال : حدثنا يحيى قال : حدثنا حميد قال : حدثنا بكر ، عن أبي رافع ، عن أبي هريرة أن النبي ﷺ لقيه في بعض طريق المدينة وهو جنب ، فأنخنست منه ، فذهب فاغتسل ثم جاء فقال : أين كنت يا أبا هريرة؟ قال : كنت جنباً فكرهت أن أجالسك وأنا على غير طهارة ، فقال : ((سبحان الله ، إن المؤمن لا

۲۹ وفي صحيح مسلم ، كتاب الحيض ، باب تستر المفتسل بثوب ونحوه ، رقم : ۵۰۹ ، وكتاب صلاة المسافرين وقصرها ، باب استحباب صلاة الضحى وأن أقلها ركعتان الخ ، رقم : ۱۱۷۹ ، وسنن الترمذی ، كتاب الاستئذان والآداب عن رسول الله ، باب ماجاء في مرجأ ، رقم : ۲۷۵۸ ، وسنن النسائی ، كتاب الطهارة ، باب ذكر الاستئذان عند الاغتسال ، رقم : ۲۲۵ ، وسنن أبي داود ، كتاب الصلاة ، باب صلاة الضحى ، رقم : ۱۰۹۸ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب الطهارة وسننها ، باب المنديل بعد الوضوء وبعد الغسل ، رقم : ۳۵۸ ، ومسند أحمد ، باقي مسند الأنصار ، باب حديث أم هانئ بنت أبي طالب واسمها فاختة ، رقم : ۲۵۶۲ ، ۲۵۶۲۰ ، ومن مسند القبائل ، باب ومن حديث أم هانئ بنت أبي طالب ، رقم : ۲۶۱۱ ، وموطأ مالك ، كتاب النداء للصلاة ، باب صلاة الضحى ، رقم : ۳۲۳ ، وسنن الدارمی ، كتاب الصلاة ، باب صلاة الضحى ، رقم : ۱۴۱۷ .

ینجس))۔ [أنظر : ۲۸۵] ۳۰

جنبی کا پسینہ ناپاک نہیں ہوتا

یہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے راستے میں حضور اقدسؐ سے ملاقات ہوئی یہ خود حالت جنابت میں تھے۔ آگے فرماتے ہیں کہ:

”فما خنست“ ہمارے نسخے میں یہ لفظ لکھا ہوا ہے، بخاری شریف کے بعض نسخوں میں یہی لفظ آیا ہے، معنی یہ ہیں کہ میں نے اپنے آپ کو نجس سمجھا اور بعض روایتوں میں ”فما نخنست“ اور زیادہ روایتوں میں یہی ہے۔ اسکے معنی ہیں کہ میں کھسک گیا، چپکے سے نکل جانا۔ اس کو (انخناس) اردو میں کھسکنا بولتے ہیں کہ دوسرے کو بتائے بغیر چلے جانا جیسے بعض طالب علم سبق میں سے چلے جاتے ہیں تو وہ انخناس کہلاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ میں حضور اقدسؐ سے کھسک گیا، دور چلا گیا اور پھر غسل کر کے آیا تو آپؐ نے پوچھا کہ کہاں تھے؟ عرض کیا کہ میں حالت طہارت میں نہ تھا اور مجھے پسند نہیں آیا کہ میں آپؐ کے ساتھ اسی حالت میں بیٹھوں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ ”سبحان اللہ“ یہ تعجب کے بعد فرمایا کہ ”ان المؤمن لا ینجس“ مومن نجس نہیں ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ جنابت کی جو نجاست ہے وہ حکمی ہے وہ حقیقی نجاست نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا کہ جنبی کا پسینہ نجس نہیں ہوتا۔

اس سے امام بخاری رحمہ اللہ نے استدلال فرمایا کہ ”باب عرق الجنب“ کہ آپؐ نے فرمایا کہ مومن نجس نہیں ہوتا تو اگر پسینہ بھی آ رہا ہو تو وہ پسینہ نجس نہیں ہوگا اور اگر وہ کپڑوں میں یا کسی کے جسم میں لگ جائے تو اس کو یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ میں نجس ہو گیا۔

(۲۴) باب : الجنب یخرج ویمشی فی السوق وغیرہ،

جنبی کے نکلنے اور بازار وغیرہ میں چلنے کا بیان

”وقال : عطاء : یحتجم الجنب ، ویقلم أظفاره ، ویحلق رأسه وإن لم يتوصأ“

۳۰ وفی صحیح مسلم ، کتاب الحيض ، باب الدلیل علی أن المسلم لا ینجس ، رقم : ۵۵۶ ، وسنن الترمذی ، کتاب الطهارة عن رسول اللہ ، باب ماجاء فی مصافحة الجنب ، رقم : ۱۱۲ ، وسنن النسائی ، کتاب الطهارة ، باب مما سة الجنب ومجالسته ، رقم : ۲۶۹ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب الطهارة ، باب فی الجنب یصافح ، رقم : ۲۰۰ ، وسنن ابن ماجه ، کتاب الطهارة وسننها ، باب مصافحة الجنب ، رقم : ۵۲۷ ، ومسند أحمد ، باقی مسند المکثرین ، باب مسند

ابی هريرة ، رقم : ۶۹۱۳ ، ۸۶۱۰ ، ۹۷۰۴

۲۸۴۔ حدثنا عبد الا علی بن حماد قال : حدثنا یزید بن زریع قال : حدثنا سعید ، عن قتادة أن أنس بن مالک حدثهم أن نبی الله ﷺ کان یطوف علی نسائه فی اللیلة الواحدة وله یومئذ تسع نسوة . [راجع : ۲۶۸]

یہ وہی واقعہ بیان کیا ہے جو پہلے گزر چکا ہے۔ اس پر ترجمۃ الباب یہ قائم کیا ہے کہ جنبی آدمی گھر سے نکلے اور بازار میں جائے تو جائز ہے۔ اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ اپنی تمام ازواج کے پاس ایک رات میں جایا کرتے تھے۔

اس حدیث سے ترجمۃ الباب پر وجہ استدلال یہ ہے کہ ایک خاتون کے پاس سے دوسری خاتون کے پاس جائیں گے تو چلنا پڑیگا یا نہیں؟ تو آپ ﷺ حالت جنابت کی حالت میں چل کر گئے تو معلوم ہوا کہ حالت جنابت میں چلنا، گھر سے باہر نکلنا یا بازار میں چلنا اس میں کوئی مضائقہ نہیں، جائز ہے۔ اور حضور اقدس ﷺ کے اس عمل سے یہ جواز معلوم ہو گیا۔

۲۸۵۔ حدثنا عیاش قال : حدثنا عبد الاعلی قال : حدثنا حمید ، عن بکر ، عن ابی رافع ، عن ابی ہریرۃ قال : لقینی رسول الله ﷺ وأنا جنب ، فأخذ بیدی ، فمشیت معہ حتی قعد . فانسلت فأتیت الرجل فاعتسلت ، ثم جئت وهو قاعد فقال : أين كنت یا أبا ہریرۃ ؟ فقلت له ؛ فقال : ((سبحان الله یا أبا ہریرۃ ، إن المؤمن لا ینجس)) . [راجع : ۲۸۳]

اس حدیث کو ترجمۃ الباب کے تحت لانے کا نشاء یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ جنبی ہونے کے باوجود بازار میں چل رہے تھے، جب ہی تو حضور اقدس ﷺ سے ملاقات ہوئی اور پھر حضور اقدس ﷺ کو پتہ بھی چلا کہ جنابت کی حالت میں بازار میں پھر رہے تھے لیکن آپ ﷺ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی۔ تو معلوم ہوا کہ جنابت کی حالت میں گھر سے نکلنا جائز ہے اور بازار بھی آدمی جاسکتا ہے۔

(۲۵) باب کیئونة الجنب فی البیت إذا توضأ

جنبی کے گھر میں رہنے کا بیان جب کہ غسل سے پہلے وضو کر لے

۲۸۶۔ حدثنا أبو نعیم قال : حدثنا هشام وشیبان ، عن یحیی ، عن ابی سلمۃ قال :

سألت عائشة : أکان النبی ﷺ یرقد وهو جنب ؟ قالت : نعم ، ویتوضأ . [أنظر : ۲۸۸] ۳۱

۱۔ وفی صحیح مسلم ، کتاب الحيض ، باب جواز نوم الجنب واستحباب الوضوء له وغسل الفرج ، رقم : ۴۶۰ ، وسنن النسائی ، کتاب الطهارة ، باب وضوء الجنب اذا اراد أن یأکل ، رقم : ۲۵۵ ، وسنن ابی داؤد ، کتاب الطهارة ، باب الجنب یأکل ، رقم : ۱۹۲ ، وسنن ابن ماجہ ، کتاب الطهارة وسننہا ، باب من قال لا ینام الجنب حتی یتوضأ وضوءه للصلاة ، رقم : ۵۷۷ ، ومسند أحمد ، باقی مسند الانصار ، باب حدیث السیدۃ عائشۃ ، رقم : ۲۲۹۵۳ ، ۲۳۳۱۶ ، ۲۳۳۶۷ ، ۲۳۷۲۷ ، ۲۳۷۵۵ ، ۲۳۸۲۱ ، ۲۳۹۳۰ ، ۲۵۱۷۹ ، وسنن الدارمی ، کتاب الطهارة ، باب الجنب اذا اراد أن ینام ، رقم : ۷۵۰ :

(۲۶) باب نوم الجنب

جنبی کے سونے کا بیان

۲۸۷۔ حدثنا قتيبة قال : حدثنا الليث ، عن نافع ، عن ابن عمر أن عمر بن الخطاب سأل رسول الله ﷺ : أيرقد أحدنا وهو جنب؟ قال : ((نعم إذا توضأ أحدكم فليرقد وهو جنب)) . [أنظر : ۲۸۹ ، ۲۹۰]

(۲۷) باب الجنب يتوضأ ثم ينام

جنبی کا بیان کہ وضو کے بعد سونا چاہیے

۲۸۸۔ حدثنا يحيى بن بكير قال : حدثنا الليث ، عن عبيد الله بن أبي جعفر ، عن محمد بن عبد الرحمن ، عن عروة ، عن عائشة قالت : كان النبي ﷺ إذا أراد أن ينام وهو جنب غسل فرجه وتوضأ للصلاة . [راجع : ۲۸۶]

۲۸۹۔ حدثنا موسى بن إسماعيل قال : حدثنا جويرية ، عن نافع ، عن عبد الله قال : استفتى عمر النبي ﷺ : أيناام أحدنا وهو جنب؟ قال : ((نعم إذا توضأ)) .

۲۹۰۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال : أخبرنا مالك ، عن عبد الله بن دينار ، عن عبد الله بن عمر أنه قال : ذكر عمر بن الخطاب لرسول الله ﷺ بأنه تصيبه الجنابة من الليل؟ فقال له رسول الله ﷺ : ((توضأ واغسل ذكرك ثم نم)) . [راجع : ۲۸۷]

حالت جنابت میں سونے کا حکم

امام بخاری رحمہ اللہ نے ان تین ابواب میں ایک ہی مفہوم کی متعدد حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔ جن کی قدر مشترک بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص رات کے وقت میں جنبی ہو جائے اور سونا چاہے تو حالت جنابت میں اس کو سونے کی اجازت ہے، البتہ ان تمام حدیثوں میں قدر مشترک یہ ہے کہ سونے سے پہلے وضو کر لے۔ اور آخری حدیث میں عضو کے ساتھ غسل ذکر کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اس مفہوم کی احادیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے تین مسائل مستطب فرمائے:

پہلا مسئلہ

پہلے باب ”باب كينونة الجنب في البيت إذا توضأ“ میں یہ مسئلہ مستطب فرمایا کہ جنابت کی

حالت میں اگر آدمی گھر میں رہے تو جائز ہے جبکہ اس نے وضو کر لیا ہو۔

دوسرا مسئلہ

دوسرا مسئلہ دوسرے باب ”باب نوم الجنب“ میں یہ مسئلہ مستبط فرمایا کہ جنابت کی حالت میں سونا جائز ہے۔

تیسرا مسئلہ

تیسرا مسئلہ تیسرے باب ”باب الجنب يتوضأ ثم ينام“ میں یہ فرمایا کہ جب سونے کا ارادہ ہو تو سونے سے پہلے وضو کر لیں۔

جنبی سونے سے قبل وضو کرنے

چنانچہ جمہور فقہاء کے نزدیک ایسی حالت میں سونے سے پہلے وضو کرنا مستحب ہے اور بعض نے اس کو سنت مؤکدہ قرار دیا ہے۔ بعض اہل ظاہر نے واجب بھی کہا ہے۔ لیکن جمہور فقہاء کا قول یا تو استحباب یا سنت کا ہے اور عدم وجوب پر ان کی طرف سے یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ:

جنبی کے استحباب وضو کی دلیل

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جو ترمذی ۳۲ اور ابن ماجہ ۳۳ وغیرہ میں آئی ہے اور اس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”کان رسول اللہ ﷺ ينام وهو جنب ولا يمس ماء“ کہ آنحضرت ﷺ بعض اوقات جنابت کی حالت میں سو جاتے تھے جبکہ آپ ﷺ نے پانی چھوا بھی نہیں ہونا تھا۔ تو معلوم ہوا کہ پانی چھوا بھی نہیں تو معنی یہ ہے کہ وضو بھی نہیں کیا اور غسل بھی نہیں فرمایا۔ تو اس سے پتہ چلا کہ وضوء کرنا واجب نہیں ہے۔ لیکن مستحب اور سنت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نہ صرف اس پر عمل فرمایا بلکہ جو آخری

۳۲ سنن الترمذی، رقم: ۲۰۲۰۱۸۔

۳۳ ورواہ ابن ماجہ: عن عائشة قالت إن رسول الله صلى الله عليه وسلم إن كانت له إلى أهله حاجة فضاءهم ينام

كهينته لا يمس ماء. باب في الجنب ينام كهينته لا يمس ماء، رقم: ۵۸۲، ج: ۱، ص: ۱۹۲۔

حدیث پڑھی گئی اس میں حضرت عمرؓ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”توضاً و اغسل ذکرک ثم نم“ تو ”توضاً“ میں صیغہ امر کا ہے تو ایک طرح سے تاکید فرمائی۔ تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ مستحب ہے یا سنت مودہ ہے لیکن واجب نہیں۔ اگر واجب ہوتا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے جو الفاظ ”لا یمس ماء“ کے آئے ہیں وہ وارد نہ ہوتے۔

حدیث عائشہ صدیقہؓ پر تفرد کا اعتراض

اگرچہ بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ یہ ابواسحاق سبیعی کا تفرد ہے اور یہ ان سے غلطی اور وہم ہوا ہے کہ انہوں نے ”لا یمس ماء“ ذکر کر دیا، لیکن تحقیق سے یہ بات درست معلوم نہیں ہوتی کہ ابواسحاق سے وہم ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ روایت اپنی جگہ پر ثابت ہے اور اس کا تعارض موجودہ روایت سے اس لئے نہیں ہے کہ مسئلہ جائز اور ناجائز کا نہیں ہے، وجوب کا نہیں ہے بلکہ مسئلہ استحباب اور عدم استحباب کا ہے۔ تو کبھی اتفاقاً حضور اقدس ﷺ بیان جواز کے لئے بغیر وضو کے بھی سو گئے ہوں تو اس میں کوئی بُعد نہیں۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ”لا یمس ماء“ مختلف طرق سے شرح معانی الآثار میں روایت کی ہے۔ ۳۴

اور بعض حضرات نے اس کے ایک طریق سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ اس میں ابواسحاق رحمہ اللہ سے غلطی ہو گئی ہے۔ اس طریق میں ایک طرف تو یہ کہا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ”لا یمس ماء“ اور پھر آگے چل کر آپ ﷺ کا معمول بتاتے ہوئے یہ کہا کہ جب آپ ﷺ سونے کا ارادہ کرتے ”یتوضاً وضوہ للصلاة“ کہ ایسا وضو کرتے جیسا کہ نماز کے لئے کرتے تھے۔

تو ایک طرف ”لا یمس ماء“ اور آخر میں ”یتوضاً وضوہ للصلاة“ اس واسطے انہوں نے کہا کہ یہ آخری جملہ اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ شروع میں جو ”لا یمس ماء“ کہا تھا وہ صحیح نہیں ہے۔ لیکن دوسرے حضرات نے کہا کہ دونوں میں تطبیق ہو سکتی ہے اور وہ تطبیق بعض حضرات نے یہ دی ہے کہ ”لا یمس ماء“ کے معنی یہ ہیں کہ ”لا یمس ماء للاغتسال“ یعنی غسل کے لئے پانی نہیں چھوتے تھے لیکن آخر میں وضو کر لیتے تھے، بعض حضرات نے یہ تطبیق دی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا دونوں حالتوں کا بیان مقصود ہے کہ بعض حالتوں میں آپ ﷺ پانی بالکل نہیں چھوتے تھے یعنی وضو نہیں کرتے تھے اور بعض حالتوں میں وضو فرما لیتے تھے۔ تو دونوں باتیں اپنی جگہ درست ہے۔

۳۴ تفصیل کے لئے ملاحظہ : شرح معانی الآثار، ج: ۱، ص: ۱۲۳-۱۲۵، عمدة القاری، ج: ۳، ص: ۷۷-۸۰، و فیض الباری، ج: ۱، ص: ۳۶۵۔

حنفیہ کا اس باب میں یہی حکم ہے کہ وضو کر لینا مستحب ہے۔ لیکن اگر کوئی ترک کر دے تو اس کو ترک واجب کا گناہ نہیں ان شاء اللہ تعالیٰ، لیکن حتی الامکان وضو کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

وضو قبل النوم کے معنی

دوسرا مسئلہ اس میں یہ ہے کہ یہ وضو جو نوم سے پہلے کیا جائے، تو آیا یہ وضو کامل ہوگا جیسا کہ نماز کا وضو ہوتا ہے یا اسکے کچھ اور معنی ہیں؟

امام احمد اور امام اسحاق رحمہما اللہ کہتے ہیں کہ یہاں وضو سے مراد اسکے معنی لغوی ہیں اور مکمل وضو کرنا مراد نہیں ہے۔ لہذا اس میں یہ بات داخل ہے کہ آدمی استنجا کر لے یعنی اعضاء مخصوصہ کو دھو لے اور ہاتھ اور منہ دھو لے۔ چنانچہ اس بات کی تائید اس سے ہوتی ہے جو طحاوی وغیرہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فعل مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وہ جب سونے سے پہلے وضو کرتے تو اس میں پاؤں نہیں دھوتے تھے اور وضو صلوٰۃ مزیل جنابت بھی نہیں ہے، اس لئے ”اکتفا ببعض الاعضاء“ صحیح ہوگا۔ اس سے استدلال کر کے علماء کرام نے یہ فرمایا کہ یہاں وضو سے مراد وضو لغوی ہے، وضو کامل مراد نہیں ہے۔ ۳۵

جمہور کا کہنا ہے کہ نہیں بعض روایتوں میں:

”کان رسول اللہ ﷺ اذا کان جنبا و اراد ان یاکل او ینام توضأ وضوء للصلاة“۔

وضو للصلوٰۃ کے الفاظ کی صراحت آئی ہے۔ تو اس صورت میں وضو لغوی پر محمول نہیں کر سکتے۔ ۳۶

اس مسئلہ میں تمام روایات کو مد نظر رکھنے کے بعد جو بات مجھے سمجھ میں آتی ہے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔ وہ یہ کہ مستحب یہ ہے کہ آدمی مکمل وضو کرے جو نماز کا ہوتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اس پر عمل نہ کر سکے تو بغیر وضو کے سونے سے بہتر یہ ہے کہ کم از کم استنجا کرے، ہاتھ منہ دھو لے تو یہ عمل بغیر وضو کے سونے کے مقابلے میں بہتر ہے۔ تو گویا کہ استحباب وضو کامل کا ہے لیکن اگر اس کا موقع نہ ہو تو وضو ناقص بھی اگر کر لے تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس استحباب سے محرومی نہ ہوگی۔ اور بغیر ہاتھ منہ دھوئے سو جانا بالکل استحباب سے محرومیت ہے۔ تو گویا کہ یہ سب مختلف درجات ہیں اور احادیث و روایت میں ان تینوں درجات کا بیان ہے۔

بعض مرتبہ مکمل درجہ حاصل کر لیا گیا، بعض مرتبہ ناقص درجہ حاصل کر لیا گیا اور بعض مرتبہ بالکل حد جواز تک جو بات پہنچتی ہے وہ یہ کہ آدمی بغیر وضو کے سو جائے تو اس کو گناہ تو نہیں کہیں گے لیکن استحباب سے محرومی

۳۵ شرح معانی الآثار، ج: ۱، ص: ۲۸۔

۳۶ صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب نوم الجنب واستحباب الوضوء له وغسل الفرج اذا اراد ان یاکل او یشرب

او ینام او یشرب، رقم: ۴۶۰۔ وسنن الدارقطنی، باب الجنب اذا اراد ان ینام او یاکل الخ، ج: ۱، ص: ۱۲۵۔

ضرور ہے۔

(۲۸) باب: إذا التقى الختانان ،

اس کا بیان کہ جب دونوں ختان مل جائیں

حدثنا معاذ بن فضالة قال حدثنا هشام ح .

۲۹۱ - و حدثنا أبو نعيم ، عن هشام ، عن قتادة ، عن الحسن عن أبي رافع ، عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال : ((إذا جلس بين شعبها الأربع ثم جهدها فقد وجب الغسل)) تابعه عمرو ، عن شعبه مثله ، وقال موسى : حدثنا أبان قال : حدثنا قتادة قال : أخبرنا الحسن مثله . ۳۷

”قال أبو عبد الله هذا أجود و أوكد و إنما بينا الحديث الآخر لاختلافهم و الغسل أحوط“ .

عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال : إذا جلس بين شعبها الأربع ثم جهدها الخ .
 ”کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کے چار شاخوں کے درمیان بیٹھے“ لفظی ترجمہ ہوا چار شاخوں کے درمیان اس سے مراد بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یدین اور رجلین ہے یعنی ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ ساقین اور فخذین ہے، بہر حال مراد یہ ہے کہ جب کوئی شخص مجامعت کے ارادے سے بیٹھے۔ ”ثم جهدها“ پھر کوشش کرے مراد یہ ہے کہ ”ادخال ذکر“ کرے۔

محض اکسال موجب غسل ہے

”فقد وجب الغسل“ تو غسل واجب ہو گیا۔ اس میں حضور ﷺ نے انزال کی شرط نہیں لگائی، بلکہ ادخال کو موجب غسل قرار دیا اور اب اس مسئلہ پر اجماع ہو گیا۔

صدر اول یعنی دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں اختلاف تھا کہ صرف دونوں یعنی مرد اور عورت کے نعتنے کے مل جانے

۳۷ وفی صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب نسخ الماء من الماء و وجوب الغسل بالتقاء الختانين، رقم: ۵۲۵، وسنن النسائي، کتاب الطهارة، باب وجوب الغسل اذا التقى الختانين رقم: ۱۹۱، وسنن أبي داؤد، کتاب الطهارة، باب فی الاكسال، رقم: ۱۸۶، وسنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب ماجاء فی وجوب الغسل اذا التقى الختانين رقم: ۶۰۲، ومسند أحمد، باقی مسند المکثرين، باب مسند أبي هريرة، رقم: ۶۹۰۰، ۸۲۲۰، ۸۷۴۴، ۹۷۰۲، وسنن الدارمی، کتاب الطهارة، باب فی مس الختان الختان، رقم: ۵۴۰۔

سے غسل واجب نہیں ہوتا، غسل انزال کے بعد ہی واجب ہوتا ہے۔

اس مسئلے میں تحقیقی فیصلہ پر پہنچنے کے لئے حضرت عمر فاروق ؓ نے ایک مجلس منعقد کی، جب ان حضرات کے سامنے یہ مسئلہ آیا تو کسی نے کہا صرف ”التقاء ختانین“ سے غسل واجب ہو جاتا ہے، کسی نے کہا کہ صرف ”التقاء ختانین“ سے غسل واجب نہیں ہوتا، بلکہ مدار غسل انزال ہے۔ اختلاف رائے کی وجہ سے طے پایا کہ ازواج مطہرات کی طرف رجوع کیا جائے، چنانچہ یہ معاملہ پہلے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا تک پہنچا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار فرمایا۔

جب یہ معاملہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تک پہنچا تو اس مسئلہ کی دینی اہمیت کو سمجھ کر واضح الفاظ میں فرمایا: ”اذا جاوز الختان الختان فقد وجب الغسل“۔

جب مرد کے ختنے کی جگہ عورت کے ختنے کی جگہ سے متجاوز ہو جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ تو اس کے بعد تمام صحابہ ؓ اس پر متفق ہو گئے تھے کہ ادخال موجب غسل ہے۔ ۳۸ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بغیر انزال مجرد ادخال سے بھی غسل واجب ہو جاتا ہے، یہ حدیث زیادہ جید اور زیادہ مؤکد ہے۔

”وإنما بينا الحديث الآخر لا اختلافهم“۔

کہتے ہیں کہ جو حدیث ہم بیان کر رہے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ محض ادخال سے غسل واجب نہیں ہوتا بلکہ وجوب غسل کیلئے انزال ضروری ہے، وہ ہم نے صرف اس لئے بیان کر دی کہ اس مسئلہ میں صحابہ ؓ کے درمیان اختلاف تھا، ورنہ عمل اس کے اوپر نہیں ہے۔

”والغسل أحوط“ اور غسل کرنا ایسے بھی احتیاط کا تقاضا ہے کہ اگرچہ انزال نہیں ہوا لیکن مجرد ادخال ہوا ہے، غیور بہت حشفہ متحقق ہوا ہے تو غسل کرنا زیادہ احتیاط کا تقاضا ہے۔

”والغسل أحوط“ سے امام بخاریؒ کی مراد

امام بخاری رحمہ اللہ نے جو کہا ہے کہ ”والغسل أحوط“ اس سے بعض لوگ یہ سمجھے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک غسل واجب نہیں ہے اگر ”التقاء ختانین“ ہو لیکن انزال نہیں ہوا تو امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک غسل واجب نہیں صرف احتیاط کا تقاضا ہے اس لئے ”والغسل أحوط“ کہا ہے۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا منشاء یہ نہیں ہے کہ غسل واجب نہیں، کیونکہ اب اس مسئلہ پر اجماع ہو گیا ہے اور یہ بات بہت بعید ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اجماع کی مخالفت کریں، لہذا مراد یہ نہیں ہے۔

مراد یہ ہے کہ جب دو حدیثوں میں تعارض ہو جائے، ایک حدیث سے وجوب غسل معلوم ہوتا ہو اور دوسری حدیث سے عدم وجوب غسل معلوم ہوتا ہو تو حضرات فقہاء کرام ایسی صورت میں ان احادیث کو اختیار کرتے ہیں جو وجوب غسل پر دلالت کرتی ہیں چونکہ احتیاط کا تقاضا یہی ہے۔

احتیاط پر ایک نفیس فقہی بحث

دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ ایک احتیاط عملی ہوتی ہے اور دوسرا احتیاط اجتہادی ہوتی ہے۔ احتیاط عملی اس کو کہتے ہیں کہ ایک کام کے اندر شرعاً دونوں جانبوں کی گنجائش ہے آدمی کرے یا نہ کرے۔ تو عملاً اس صورت کو اختیار کرے جس میں زیادہ احتیاط ہے۔ یہ احتیاط عملی ہے۔ جیسے ابھی پیچھے گزرا ہے کہ مستحب ہے کہ آدمی سونے سے پہلے وضو کر لے لیکن واجب نہیں ہے۔

احتیاط اجتہادی یہ ہے کہ جہاں مجتہد کے سامنے دو دلیلیں ہوں۔ ایک حرمت پر دلالت کر رہی ہو اور دوسری حلت پر۔ تو احتیاط اجتہادی پر عمل کرتے ہوئے حرمت والی حدیث کو حلت والی حدیث پر ترجیح ہوگی۔ لیکن جب احتیاط اجتہادی پر عمل کر لیا جاتا ہے تو وہ عمل واجب ہو جاتا ہے۔ اس کو پھر مستحب نہیں کہا جاتا۔ مثال کے طور پر امام ابو حنیفہؒ کے سامنے دلائل کا تعارض آیا وہ یہ کہ مسمرہ کے جانوروں میں غیر ہمک حلال ہے یا حرام ہے؟

بعض دلائل اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ حلال ہے اور بعض اس پر دلالت کرتے ہیں کہ حرام ہے۔ تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے ان دلائل کو ترجیح دی جو حرمت پر دلالت کرتے ہیں۔ احتیاط پر عمل کرتے ہوئے ترجیح دی لیکن یہ احتیاط اجتہادی تھی۔ تو احتیاط اجتہادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب ان دلائل کو اختیار کر لیا تو اب یوں نہیں کہیں گے کہ غیر ہمک جائز ہے۔ مگر احتیاط یہ ہے کہ ان کو ترک کر دے بلکہ اب غیر ہمک کو ناجائز کہیں گے، کیونکہ ادلہ حرمت کو ادلہ حلت پر ترجیح دے دی۔ یہ احتیاط اجتہادی ہوئی۔ اب اس کے نتیجے میں جو عمل ہوتا ہے وہ کیا ہوتا ہے؟ وہ واجب ہی ہوتا ہے۔ اس کو مستحب نہیں کہہ سکتے۔

امام بخاری رحمہ اللہ ”والغسل أحوط“ جو کہہ رہے ہیں تو احوط کے معنی ہیں اجتہادی احتیاط یعنی جب دونوں قسم کی حدیثیں موجود ہیں ایک وجوب غسل پر دلالت کرتی ہے اور ایک عدم وجوب غسل پر دلالت کرتی ہے۔ تو وجوب غسل پر دلالت کرنے والی حدیثوں کا لینا یہ مقصود ہے۔ اور جب ان حدیثوں کو لیں گے تو غسل واجب ہو جائے گا نہ یہ کہ مستحب رہے گا۔ لہذا یہ سمجھنا درست نہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک غسل واجب نہیں بلکہ واجب ہے اور واجب ہونا احتیاط اجتہادی کی بناء پر ہے۔

(۲۹) باب غسل ما یصیب من رطوبة فرج المرأة

اس چیز کے دھونے کا بیان جو عورت کی شرم گاہ سے لگ جائے

۲۹۲ — حدثنا أبو معمر : قال : حدثنا عبد الوارث عن الحسين قال يحيى :

وأخبرني أبو سلمة ، أن عطاء بن يسار أخبره أن زيد بن خالد الجهني ، أخبره أنه سأل عثمان بن عفان فقال : أ رأيت إذا جامع الرجل امرأته فلم يمن ؟ قال عثمان : يتوضأ كما يتوضأ للصلاة . ويغسل ذكره ، قال عثمان : سمعته من رسول الله ﷺ فسألت عن ذلك علي بن أبي طالب ، والزبير بن العوام ، وطلحة بن عبيد الله ، وأبي ابن كعب ، فأمروه بذلك ، قال يحيى : وأخبرني أبو سلمة أن عروة بن الزبير أخبره أن أبا أيوب أخبره أنه سمع ذلك من رسول الله ﷺ . [راجع : ۱۷۹]

حدیث کی تشریح

حضرت زید بن خالد الجہنیؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ سے سوال کیا کہ: ”أ رأيت إذا جامع الرجل امرأته فلم يمن ؟“ کے معنی ”أخبرني“ مجھے بتائیں کہ جب کوئی اپنی بیوی سے جماع کرے اور انزال نہ ہو تو کیا حکم ہے؟ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ ”يتوضأ كما يتوضأ للصلاة“ کہ اس کو چاہئے کہ وضو کر لے جیسے نماز کا وضو کرتا ہے۔

”ويغسل ذكره“ اور اپنے ذکر کو دھو لے۔ اور ساتھ ہی حضرت عثمانؓ نے یہ فرمایا کہ میں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔

بعد میں حضرت زید بن خالد الجہنیؓ کہتے ہیں کہ میں اس مسئلہ کو حضرت علی بن ابی طالبؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ سے پوچھا۔ ”فأمروه بذلك“ انہوں نے بھی یہ حکم دیا کہ وضو کر لے اور اپنے ذکر کو دھو لے۔

حضرت ابوسلمہؓ فرماتے ہیں کہ عروہ بن زبیرؓ نے ان کو بتایا کہ ابوایوب انصاریؓ نے ان کو بتایا کہ انہوں نے یہ بات رسول اللہ ﷺ سے سنی ہے۔ معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، ابی بن کعبؓ اور حضرت ایوب انصاریؓ ان سب حضرات کا مذہب یہ بیان کیا کہ ایسی صورت میں جب جماع کرے لیکن انزال نہ ہوا ہو تو وضو کر لے اور ذکر کو دھو لے یہی کافی ہے۔

لیکن یہ تمام باتیں اس وقت کی ہیں جبکہ صحابہ کرامؓ کا اس مسئلہ پر اجماع نہیں ہوا تھا اور بعد میں

حضرت عمرؓ کے زمانے میں اس پر تمام صحابہ کرامؓ متفق ہو گئے اور پہلے میں عرض کر ہی چکا ہوں کہ ابتداء اسلام میں اکسال کے بارے میں یہ حکم تھا کہ یہ موجب غسل نہیں تھا لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا، اس نسخ کا علم بعض صحابہؓ کو ہوا اور بعض کو نہیں ہوا اور جن کو حکم نہیں ہوا وہ پہلے جیسے حکم پر عمل کرتے چلے آئے، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا، انہوں نے مشاورت کی اور اسکے نتیجہ میں اب اجماع ہو گیا کہ غسل واجب ہے۔

۲۹۳ - حدثنا مسدد قال : حدثنا يحيى عن هشام بن عروة قال : أخبرني أبي قال : أخبرني أبو أيوب قال : أخبرني أبي بن كعب أنه قال : يا رسول الله ، إذا جامع الرجل المرأة فلم ينزل ؟ قال : ((يغسل ما مس المرأة منه ، ثم يتوضأ ويصلي)) قال أبو عبد الله : الغسل أحوط ، وذلك الأخير ، إنما بينا لإختلافهم . والنماء انقضى . ۳۹

حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ اگر ایک شخص عورت سے جماع کرے اور انزال نہ ہو تو کیا کرے؟

آپؐ نے ارشاد فرمایا ”یغسل ما مس المرأة منه“ یعنی اس کے عضو میں جو حصہ عورت سے چھوا تھا اس کو دھو لے اور پھر وضو کر کے نماز پڑھ لے۔ یہاں پر بھی آپؐ نے غسل کا حکم نہیں دیا۔ یہ بھی انہی احادیث میں سے ہے جو عدم وجوب غسل پر دلالت کرتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے ان دونوں حدیثوں پر باب قائم نہیں کیا کہ ”باب ترک الغسل“۔ اگر امام بخاری رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہوتا کہ ترک غسل جائز ہے اور غسل کرنا محض افضل اور احوط ہے تو ان دونوں حدیثوں پر باب قائم کرتے کہ ”باب ترک الغسل یا ترک الاغتسال بعد الاکسال“ لیکن یہ باب قائم نہیں کیا بلکہ باب قائم کیا ہے کہ ”باب غسل ما یصیب من فرج المرأة“ کہ انسان کے جسم پر عورت کے فرج کی رطوبت لگ جائے تو اس کو دھونا چاہئے، چنانچہ ان دونوں حدیثوں میں اس کے دھونے کا حکم ہے۔

رطوبت فرج المرأة کے اقسام کا حکم

رطوبت فرج کے بارے میں حکم یہ ہے کہ رطوبتیں فرج کی تین قسم کی ہوتی ہیں: ایک رطوبت وہ ہوتی ہے جو پسینہ کے درجے میں ہوتی ہے۔ وہ بالاتفاق پاک ہے، اس کے پاک ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

۳۹ وفی صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب انما الماء من الماء، رقم: ۵۲۲، ومسنند أحمد، مسند العشرة المبشرين

بالجنة، باب مسند عثمان بن عفان، رقم: ۴۲۰، ومسنند الانصار، باب حديث أبي أيوب الأنصاري، رقم: ۲۰۱۷۵.

دوسری رطوبت وہ ہوتی ہے جس کا منبع رحم ہوتا ہے کہ رحم سے نکلی اور باہر کی طرف خارج ہوئی ہے یا رحم کے اندر رہی ہے تو اندرون رحم کی رطوبت وہ باتفاق نجس ہے۔
اور تیسری رطوبت وہ ہے جو فرج داخل میں ہوتی ہے، لیکن رحم سے پہلے ہوتی ہے، باہر تک نہیں پہنچتی بلکہ مابین رحم و فرج الخارج ہوتی ہے۔

اس رطوبت کے بارے میں اختلاف ہے۔
بعض فقہاء کرام اس کو پاک کہتے ہیں، بعض ناپاک کہتے ہیں۔
حنفیہ کے یہاں مفتی بہ قول پاک ہونے کا ہے اس کو ناپاک نہیں کہتے، لیکن یہاں پر آدمی جب جماع کرتا ہے تو اس کا عضو اندر تک پہنچتا ہے جسکے نتیجہ میں رحم والی رطوبت اس کو لگ جاتی ہے تو اس واسطے اس کو دھونے کا حکم دیا۔

”قال أبو عبد الله: الغسل أحوط و ذلك الأخير“
کہتے ہیں کہ غسل احوط ہے اور یہی آخری عمل ہے کہ نبی کریم ﷺ کا آخری ارشاد بھی یہی ہے۔
”انما بينا لاختلافهم“ ہم نے صرف اختلاف کو ذکر کرنے کی وجہ سے بیان کر دیا۔ ۴۰
”والماء انقى“ اور ظاہر ہے کہ پانی کا استعمال زیادہ صفائی کرے والا ہے۔

كتاب الحيز

٢٩٤ - ٣٣٣

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۶۔ کتاب الحيض

وقول الله تعالى:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذًى
فَاعْزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ
حَتَّى يَطْهَرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ
أَمَرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ
الْمُتَطَهِّرِينَ﴾ . [البقرة: ۲۲۲]

(۱) باب كيف كان بدء الحيض

حيض کا آنا کس طرح شروع ہوا

”وقول النبی ﷺ: ((هذا شيء كتبه الله على بنات آدم)) وقال بعضهم: كان أول ما أرسل الحيض على بني إسرائيل . قال أبو عبد الله: وحديث النبی ﷺ أكثر“.

ابتداء حیض

یہاں سے ”کتاب الحيض“ شروع ہو رہی ہے اور پہلا باب امام بخاری رحمہ اللہ نے ”باب

کیف کان بدء الحيض“ قائم کیا ہے کہ حیض کی ابتداء کیسے ہوئی؟

اس باب کو قائم کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ایک روایت جو یہاں پر امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیقاً ذکر کی ہے وہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں ”کان أول ما أرسل الحيض على بنى اسرائيل“ کہ سب سے پہلے حیض جو وجود میں آیا وہ بنی اسرائیل پر آیا ہے۔ لفظی ترجمہ یہ ہے کہ ”سب سے پہلے حیض چھوڑا گیا بنی اسرائیل پر“۔

اور اس روایت میں تفصیل یوں ہے کہ بنی اسرائیل کے ابتدائی دور میں عورتیں اور مرد اکٹھے عبادت گاہ میں جا کر عبادت کیا کرتے تھے بعد میں یہ ہوا کہ بنی اسرائیل کی جو عورتیں تھیں وہ بڑی بناؤ سنگھار کر کے جاتیں اور وہاں عبادت گاہ کے اندر مردوں کو فتنہ میں مبتلا کرتیں، اللہ ﷻ نے اس کے نتیجے میں انہیں فتنہ اور حیض میں مبتلا کر دیا تا کہ حیض کی حالت میں جب ہونگی تو مسجد میں نہیں آسکیں گی، تو اس طرح حیض کا آغاز ہوا۔

ابتداء حیض کہاں اور کن سے ہوئی

یہ روایت مصنف عبد الرزاق میں بسند صحیح عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ سے مروی ہے۔^۱ امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیق میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے، اس وجہ سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حیض کا آغاز بنی اسرائیل سے ہوا، بنی اسرائیل سے پہلے حیض کا تصور تھا ہی نہیں لیکن امام بخاری رحمہ اللہ اس باب کو قائم کر کے اس خیال کی تردید کرنا چاہتے ہیں اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ فرمایا کہ ”هذا شئى كتبه الله على بنات آدم“ یہ حیض ایک ایسی چیز ہے جو اللہ ﷻ نے آدم کی بیٹیوں پر لکھ دی ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدم کے وقت سے یہ حیض کا سلسلہ جاری ہے۔ اس واسطے یہ کہنا کہ حیض کا آغاز بنی اسرائیل سے ہوا، یہ حدیث مرفوعہ کے خلاف ہے اور بعض دوسری روایتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حواء علیہا السلام جب نازل ہوئیں تو ان کو بھی حیض آیا۔^۲

علامہ عینی رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل کی ہے تو اس سے پتہ چلا کہ ایسا نہیں ہے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو سب سے پہلے حیض آیا ہو اور اس سے پہلے کسی کو حیض نہ آتا ہو، یہ خیال درست نہیں ہے۔ اسی کو مؤکد کرنے

۱۔ أخرجه عبد الرزاق عنهما ”في مصنفه“ باب شهود النساء الجماعة، رقم: ۵۱۱۳، ۵۱۱۵، ج: ۳، ص: ۱۴۹، المكتب الاسلامی، بیروت ۱۴۰۳ھ۔

۲۔ وقد روى الحاكم باسناد صحيح عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما: أن ابتداء الحيض كان على حواء عليها الصلاة والسلام، بعد أن أبطت من الجنة وكذا رواه ابن المنذر. عمدة القارى، ج: ۳، ص: ۹۶، وشرح السيوطي، ج: ۱، ص: ۱۸۰۔

کے لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کیا۔

روایتوں میں تطبیق

پہلی توجیہ

اب رہی وہ حدیث جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ”اول ما ارسل الحيض على بنی اسرائیل“ ۴۸ کی ایک توجیہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہ فرمائی کہ ہو سکتا ہے کہ بنی اسرائیل سے پہلے جو عورتوں کو حیض آتا ہو وہ کم مدت کا آتا ہو اور بنی اسرائیل کی عورتوں کو زیادہ مدت کے لئے حیض میں مبتلا کیا گیا ہو۔ تو اس واسطے یہ مطلب ہو کہ ”سب سے پہلے اتنی طویل مدت تک جو حیض آیا وہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو آیا“ یہ توجیہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بیان فرمائی۔ ۳

دوسری توجیہ

علامہ عینی رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ ہو سکتا ہے کہ حیض کی ابتداء تو حضرت آدم عليه السلام کے زمانے سے ہو گئی تھی لیکن بنی اسرائیل کی عورتوں پر کسی وجہ سے حیض بند کر دیا گیا تھا، بند کرنے کے بعد پھر پہلی بار بنی اسرائیل کی عورتوں پر چھوڑا گیا تو وہ ”ارسل“ کے لفظ سے استدلال کرتے ہیں۔

”کان اول ما ارسل“ ارسل کے معنی یہ ہیں کہ پہلے ایک چیز بند کی ہوئی تھی اب چھوڑی گئی۔ تو علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ ابتداء میں حیض بنی اسرائیل کی خواتین پر بند کر دیا گیا ہو لیکن پھر بعد میں چھوڑ دیا گیا تو اس واسطے یہ اس واقعہ کا ذکر ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بنی اسرائیل کی عورتوں سے پہلے کسی عورت کو حیض نہیں آتا تھا۔ ۴

”وقال بعضهم كان اول ما ارسل الحيض على بنی اسرائیل“۔
کہ بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ سب سے پہلے حیض چھوڑا گیا بنی اسرائیل پر۔

لفظ ”اکثر“ میں اختلاف قراءت

”قال أبو عبد الله وحديث النبي ﷺ أكثر يا أكبر“۔

۳۔ قال الحافظ ويمكن الجمع مع القول بالتعميم بأن الذي ارسل على نساء بنی اسرائیل طول مكثه بهن عقوبة لهن لا

ابتداء وجوده، وقد روى الطبري وغيره عن ابن عباس الخ، فتح الباری، ج: ۱، ص: ۴۰۰۔

۴۔ عمدة القاری، ج: ۳، ص: ۹۶۔

”اکثر“ اکثر پڑھیں تو مطلب یہ ہے کہ کثرت سے آئی ہے یعنی وہ ایسی ہے جو سب کو شامل ہے۔
 ”اکبر“ اگر اکبر پڑھیں تو معنی ہے کہ وہ زیادہ قابل ترجیح، زیادہ منزلت اور زیادہ بڑا درجہ رکھتی ہے،
 لہذا اس کے مقابلے میں جو آثار موقوفہ ہیں ان کو ترک کر دیا جائیگا۔
 چنانچہ اب یہاں حدیث مرفوع ذکر کرتے ہیں۔

باب الأمر بالنفساء إذا نفسن

۲۹۳۔ حدثنا علي بن عبد الله قال: حدثنا سفيان قال: سمعت عبد الرحمن بن القاسم قال سمعت القاسم يقول: سمعت عائشة تقول: خرجنا لا نرى إلا الحج، فلما كنا بسرف حضت، فدخل عليّ رسول الله ﷺ وأنا أبكى، فقال: ((ما لك؟ أنفست؟)) قلت: نعم، قال: ((إن هذا أمر كتب الله على بنات آدم فأقضى ما يقضى الحاج غير أن لا تطوفى بالبيت))، قالت: وضحى رسول الله ﷺ عن نسائه بالبقر.

[أنظر: ۳۰۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۲۸، ۱۵۱۶، ۱۵۱۸، ۱۵۵۶، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۶۳۸، ۱۶۵۰، ۱۷۰۹، ۱۷۲۰، ۱۷۳۳، ۱۷۵۷، ۱۷۶۲، ۱۷۷۱، ۱۷۷۲، ۱۷۸۳، ۱۷۸۶، ۱۷۸۷، ۱۷۸۸، ۲۹۵۲، ۲۹۸۴، ۳۳۹۵، ۳۴۰۱، ۳۴۰۸، ۵۳۲۹، ۵۵۳۸، ۵۵۵۹، ۶۱۵۷، ۷۲۲۹] ۵

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”خَرَجْنَا لَا نَرَى إِلَّا الْحَجَّ“ ہم نکلے مدینہ منورہ سے اس حالت میں کہ ہمارا خیال نہیں تھا مگر حج کرنے کا۔

تشریح حدیث

”لا نرى“ اور ”لا نرى“ دونوں پڑھ سکتے ہیں۔ ”نرى“ معنی میں ”نظن“ کے اور ”نرى“ کی

۵۔ وفی صحیح مسلم، کتاب الحج، باب بیان وجوہ الإحرام وأنه يجوز افراد الحج والتمتع، رقم: ۲۱۱۳، وسنن الترمذی، کتاب الحج عن رسول اللہ، باب ماجاء ما تقضى الحائض من المناسك، رقم: ۸۷۷، وسنن النسائی، کتاب الطهارة، باب ما تفعل المحرمة إذا حاضت، رقم: ۲۸۸، وکتاب الحيض والاستحاضة، باب بدء الحيض وهل الحيض نفاساً، رقم: ۳۲۶، وکتاب مناسك الحج، باب ترك التسمية عند الاهلال، رقم: ۲۶۹۱، وسنن أبي داود، کتاب المناسك، باب فی افراد الحج، رقم: ۱۵۱۸، وسنن ابن ماجه، کتاب المناسك، باب الحائض تقضى المناسك الاطواف، رقم: ۲۹۵۳، ومسند أحمد، باقی مسند الأنصار، باب حديث السيدة عائشة، رقم: ۲۳۳۱۹، ۲۳۲۶۹، ۲۳۲۷۰، ۲۳۲۷۱، ۲۳۲۷۲، ۲۳۲۷۳، ۲۳۲۷۴، ۲۳۲۷۵، ۲۳۲۷۶، ۲۳۲۷۷، ۲۳۲۷۸، ۲۳۲۷۹، ۲۳۲۸۰، ۲۳۲۸۱، ۲۳۲۸۲، ۲۳۲۸۳، ۲۳۲۸۴، ۲۳۲۸۵، ۲۳۲۸۶، ۲۳۲۸۷، ۲۳۲۸۸، ۲۳۲۸۹، ۲۳۲۹۰، ۲۳۲۹۱، ۲۳۲۹۲، ۲۳۲۹۳، ۲۳۲۹۴، ۲۳۲۹۵، ۲۳۲۹۶، ۲۳۲۹۷، ۲۳۲۹۸، ۲۳۲۹۹، ۲۳۳۰۰، ۲۳۳۰۱، ۲۳۳۰۲، ۲۳۳۰۳، ۲۳۳۰۴، ۲۳۳۰۵، ۲۳۳۰۶، ۲۳۳۰۷، ۲۳۳۰۸، ۲۳۳۰۹، ۲۳۳۱۰، ۲۳۳۱۱، ۲۳۳۱۲، ۲۳۳۱۳، ۲۳۳۱۴، ۲۳۳۱۵، ۲۳۳۱۶، ۲۳۳۱۷، ۲۳۳۱۸، ۲۳۳۱۹، ۲۳۳۲۰، ۲۳۳۲۱، ۲۳۳۲۲، ۲۳۳۲۳، ۲۳۳۲۴، ۲۳۳۲۵، ۲۳۳۲۶، ۲۳۳۲۷، ۲۳۳۲۸، ۲۳۳۲۹، ۲۳۳۳۰، ۲۳۳۳۱، ۲۳۳۳۲، ۲۳۳۳۳، ۲۳۳۳۴، ۲۳۳۳۵، ۲۳۳۳۶، ۲۳۳۳۷، ۲۳۳۳۸، ۲۳۳۳۹، ۲۳۳۴۰، ۲۳۳۴۱، ۲۳۳۴۲، ۲۳۳۴۳، ۲۳۳۴۴، ۲۳۳۴۵، ۲۳۳۴۶، ۲۳۳۴۷، ۲۳۳۴۸، ۲۳۳۴۹، ۲۳۳۵۰، ۲۳۳۵۱، ۲۳۳۵۲، ۲۳۳۵۳، ۲۳۳۵۴، ۲۳۳۵۵، ۲۳۳۵۶، ۲۳۳۵۷، ۲۳۳۵۸، ۲۳۳۵۹، ۲۳۳۶۰، ۲۳۳۶۱، ۲۳۳۶۲، ۲۳۳۶۳، ۲۳۳۶۴، ۲۳۳۶۵، ۲۳۳۶۶، ۲۳۳۶۷، ۲۳۳۶۸، ۲۳۳۶۹، ۲۳۳۷۰، ۲۳۳۷۱، ۲۳۳۷۲، ۲۳۳۷۳، ۲۳۳۷۴، ۲۳۳۷۵، ۲۳۳۷۶، ۲۳۳۷۷، ۲۳۳۷۸، ۲۳۳۷۹، ۲۳۳۸۰، ۲۳۳۸۱، ۲۳۳۸۲، ۲۳۳۸۳، ۲۳۳۸۴، ۲۳۳۸۵، ۲۳۳۸۶، ۲۳۳۸۷، ۲۳۳۸۸، ۲۳۳۸۹، ۲۳۳۹۰، ۲۳۳۹۱، ۲۳۳۹۲، ۲۳۳۹۳، ۲۳۳۹۴، ۲۳۳۹۵، ۲۳۳۹۶، ۲۳۳۹۷، ۲۳۳۹۸، ۲۳۳۹۹، ۲۳۴۰۰، ۲۳۴۰۱، ۲۳۴۰۲، ۲۳۴۰۳، ۲۳۴۰۴، ۲۳۴۰۵، ۲۳۴۰۶، ۲۳۴۰۷، ۲۳۴۰۸، ۲۳۴۰۹، ۲۳۴۱۰، ۲۳۴۱۱، ۲۳۴۱۲، ۲۳۴۱۳، ۲۳۴۱۴، ۲۳۴۱۵، ۲۳۴۱۶، ۲۳۴۱۷، ۲۳۴۱۸، ۲۳۴۱۹، ۲۳۴۲۰، ۲۳۴۲۱، ۲۳۴۲۲، ۲۳۴۲۳، ۲۳۴۲۴، ۲۳۴۲۵، ۲۳۴۲۶، ۲۳۴۲۷، ۲۳۴۲۸، ۲۳۴۲۹، ۲۳۴۳۰، ۲۳۴۳۱، ۲۳۴۳۲، ۲۳۴۳۳، ۲۳۴۳۴، ۲۳۴۳۵، ۲۳۴۳۶، ۲۳۴۳۷، ۲۳۴۳۸، ۲۳۴۳۹، ۲۳۴۴۰، ۲۳۴۴۱، ۲۳۴۴۲، ۲۳۴۴۳، ۲۳۴۴۴، ۲۳۴۴۵، ۲۳۴۴۶، ۲۳۴۴۷، ۲۳۴۴۸، ۲۳۴۴۹، ۲۳۴۵۰، ۲۳۴۵۱، ۲۳۴۵۲، ۲۳۴۵۳، ۲۳۴۵۴، ۲۳۴۵۵، ۲۳۴۵۶، ۲۳۴۵۷، ۲۳۴۵۸، ۲۳۴۵۹، ۲۳۴۶۰، ۲۳۴۶۱، ۲۳۴۶۲، ۲۳۴۶۳، ۲۳۴۶۴، ۲۳۴۶۵، ۲۳۴۶۶، ۲۳۴۶۷، ۲۳۴۶۸، ۲۳۴۶۹، ۲۳۴۷۰، ۲۳۴۷۱، ۲۳۴۷۲، ۲۳۴۷۳، ۲۳۴۷۴، ۲۳۴۷۵، ۲۳۴۷۶، ۲۳۴۷۷، ۲۳۴۷۸، ۲۳۴۷۹، ۲۳۴۸۰، ۲۳۴۸۱، ۲۳۴۸۲، ۲۳۴۸۳، ۲۳۴۸۴، ۲۳۴۸۵، ۲۳۴۸۶، ۲۳۴۸۷، ۲۳۴۸۸، ۲۳۴۸۹، ۲۳۴۹۰، ۲۳۴۹۱، ۲۳۴۹۲، ۲۳۴۹۳، ۲۳۴۹۴، ۲۳۴۹۵، ۲۳۴۹۶، ۲۳۴۹۷، ۲۳۴۹۸، ۲۳۴۹۹، ۲۳۵۰۰، ۲۳۵۰۱، ۲۳۵۰۲، ۲۳۵۰۳، ۲۳۵۰۴، ۲۳۵۰۵، ۲۳۵۰۶، ۲۳۵۰۷، ۲۳۵۰۸، ۲۳۵۰۹، ۲۳۵۱۰، ۲۳۵۱۱، ۲۳۵۱۲، ۲۳۵۱۳، ۲۳۵۱۴، ۲۳۵۱۵، ۲۳۵۱۶، ۲۳۵۱۷، ۲۳۵۱۸، ۲۳۵۱۹، ۲۳۵۲۰، ۲۳۵۲۱، ۲۳۵۲۲، ۲۳۵۲۳، ۲۳۵۲۴، ۲۳۵۲۵، ۲۳۵۲۶، ۲۳۵۲۷، ۲۳۵۲۸، ۲۳۵۲۹، ۲۳۵۳۰، ۲۳۵۳۱، ۲۳۵۳۲، ۲۳۵۳۳، ۲۳۵۳۴، ۲۳۵۳۵، ۲۳۵۳۶، ۲۳۵۳۷، ۲۳۵۳۸، ۲۳۵۳۹، ۲۳۵۴۰، ۲۳۵۴۱، ۲۳۵۴۲، ۲۳۵۴۳، ۲۳۵۴۴، ۲۳۵۴۵، ۲۳۵۴۶، ۲۳۵۴۷، ۲۳۵۴۸، ۲۳۵۴۹، ۲۳۵۵۰، ۲۳۵۵۱، ۲۳۵۵۲، ۲۳۵۵۳، ۲۳۵۵۴، ۲۳۵۵۵، ۲۳۵۵۶، ۲۳۵۵۷، ۲۳۵۵۸، ۲۳۵۵۹، ۲۳۵۶۰، ۲۳۵۶۱، ۲۳۵۶۲، ۲۳۵۶۳، ۲۳۵۶۴، ۲۳۵۶۵، ۲۳۵۶۶، ۲۳۵۶۷، ۲۳۵۶۸، ۲۳۵۶۹، ۲۳۵۷۰، ۲۳۵۷۱، ۲۳۵۷۲، ۲۳۵۷۳، ۲۳۵۷۴، ۲۳۵۷۵، ۲۳۵۷۶، ۲۳۵۷۷، ۲۳۵۷۸، ۲۳۵۷۹، ۲۳۵۸۰، ۲۳۵۸۱، ۲۳۵۸۲، ۲۳۵۸۳، ۲۳۵۸۴، ۲۳۵۸۵، ۲۳۵۸۶، ۲۳۵۸۷، ۲۳۵۸۸، ۲۳۵۸۹، ۲۳۵۹۰، ۲۳۵۹۱، ۲۳۵۹۲، ۲۳۵۹۳، ۲۳۵۹۴، ۲۳۵۹۵، ۲۳۵۹۶، ۲۳۵۹۷، ۲۳۵۹۸، ۲۳۵۹۹، ۲۳۶۰۰، ۲۳۶۰۱، ۲۳۶۰۲، ۲۳۶۰۳، ۲۳۶۰۴، ۲۳۶۰۵، ۲۳۶۰۶، ۲۳۶۰۷، ۲۳۶۰۸، ۲۳۶۰۹، ۲۳۶۱۰، ۲۳۶۱۱، ۲۳۶۱۲، ۲۳۶۱۳، ۲۳۶۱۴، ۲۳۶۱۵، ۲۳۶۱۶، ۲۳۶۱۷، ۲۳۶۱۸، ۲۳۶۱۹، ۲۳۶۲۰، ۲۳۶۲۱، ۲۳۶۲۲، ۲۳۶۲۳، ۲۳۶۲۴، ۲۳۶۲۵، ۲۳۶۲۶، ۲۳۶۲۷، ۲۳۶۲۸، ۲۳۶۲۹، ۲۳۶۳۰، ۲۳۶۳۱، ۲۳۶۳۲، ۲۳۶۳۳، ۲۳۶۳۴، ۲۳۶۳۵، ۲۳۶۳۶، ۲۳۶۳۷، ۲۳۶۳۸، ۲۳۶۳۹، ۲۳۶۴۰، ۲۳۶۴۱، ۲۳۶۴۲، ۲۳۶۴۳، ۲۳۶۴۴، ۲۳۶۴۵، ۲۳۶۴۶، ۲۳۶۴۷، ۲۳۶۴۸، ۲۳۶۴۹، ۲۳۶۵۰، ۲۳۶۵۱، ۲۳۶۵۲، ۲۳۶۵۳، ۲۳۶۵۴، ۲۳۶۵۵، ۲۳۶۵۶، ۲۳۶۵۷، ۲۳۶۵۸، ۲۳۶۵۹، ۲۳۶۶۰، ۲۳۶۶۱، ۲۳۶۶۲، ۲۳۶۶۳، ۲۳۶۶۴، ۲۳۶۶۵، ۲۳۶۶۶، ۲۳۶۶۷، ۲۳۶۶۸، ۲۳۶۶۹، ۲۳۶۷۰، ۲۳۶۷۱، ۲۳۶۷۲، ۲۳۶۷۳، ۲۳۶۷۴، ۲۳۶۷۵، ۲۳۶۷۶، ۲۳۶۷۷، ۲۳۶۷۸، ۲۳۶۷۹، ۲۳۶۸۰، ۲۳۶۸۱، ۲۳۶۸۲، ۲۳۶۸۳، ۲۳۶۸۴، ۲۳۶۸۵، ۲۳۶۸۶، ۲۳۶۸۷، ۲۳۶۸۸، ۲۳۶۸۹، ۲۳۶۹۰، ۲۳۶۹۱، ۲۳۶۹۲، ۲۳۶۹۳، ۲۳۶۹۴، ۲۳۶۹۵، ۲۳۶۹۶، ۲۳۶۹۷، ۲۳۶۹۸، ۲۳۶۹۹، ۲۳۷۰۰، ۲۳۷۰۱، ۲۳۷۰۲، ۲۳۷۰۳، ۲۳۷۰۴، ۲۳۷۰۵، ۲۳۷۰۶، ۲۳۷۰۷، ۲۳۷۰۸، ۲۳۷۰۹، ۲۳۷۱۰، ۲۳۷۱۱، ۲۳۷۱۲، ۲۳۷۱۳، ۲۳۷۱۴، ۲۳۷۱۵، ۲۳۷۱۶، ۲۳۷۱۷، ۲۳۷۱۸، ۲۳۷۱۹، ۲۳۷۲۰، ۲۳۷۲۱، ۲۳۷۲۲، ۲۳۷۲۳، ۲۳۷۲۴، ۲۳۷۲۵، ۲۳۷۲۶، ۲۳۷۲۷، ۲۳۷۲۸، ۲۳۷۲۹، ۲۳۷۳۰، ۲۳۷۳۱، ۲۳۷۳۲، ۲۳۷۳۳، ۲۳۷۳۴، ۲۳۷۳۵، ۲۳۷۳۶، ۲۳۷۳۷، ۲۳۷۳۸، ۲۳۷۳۹، ۲۳۷۴۰، ۲۳۷۴۱، ۲۳۷۴۲، ۲۳۷۴۳، ۲۳۷۴۴، ۲۳۷۴۵، ۲۳۷۴۶، ۲۳۷۴۷، ۲۳۷۴۸، ۲۳۷۴۹، ۲۳۷۵۰، ۲۳۷۵۱، ۲۳۷۵۲، ۲۳۷۵۳، ۲۳۷۵۴، ۲۳۷۵۵، ۲۳۷۵۶، ۲۳۷۵۷، ۲۳۷۵۸، ۲۳۷۵۹، ۲۳۷۶۰، ۲۳۷۶۱، ۲۳۷۶۲، ۲۳۷۶۳، ۲۳۷۶۴، ۲۳۷۶۵، ۲۳۷۶۶، ۲۳۷۶۷، ۲۳۷۶۸، ۲۳۷۶۹، ۲۳۷۷۰، ۲۳۷۷۱، ۲۳۷۷۲، ۲۳۷۷۳، ۲۳۷۷۴، ۲۳۷۷۵، ۲۳۷۷۶، ۲۳۷۷۷، ۲۳۷۷۸، ۲۳۷۷۹، ۲۳۷۸۰، ۲۳۷۸۱، ۲۳۷۸۲، ۲۳۷۸۳، ۲۳۷۸۴، ۲۳۷۸۵، ۲۳۷۸۶، ۲۳۷۸۷، ۲۳۷۸۸، ۲۳۷۸۹، ۲۳۷۹۰، ۲۳۷۹۱، ۲۳۷۹۲، ۲۳۷۹۳، ۲۳۷۹۴، ۲۳۷۹۵، ۲۳۷۹۶، ۲۳۷۹۷، ۲۳۷۹۸، ۲۳۷۹۹، ۲۳۸۰۰، ۲۳۸۰۱، ۲۳۸۰۲، ۲۳۸۰۳، ۲۳۸۰۴، ۲۳۸۰۵، ۲۳۸۰۶، ۲۳۸۰۷، ۲۳۸۰۸، ۲۳۸۰۹، ۲۳۸۱۰، ۲۳۸۱۱، ۲۳۸۱۲، ۲۳۸۱۳، ۲۳۸۱۴، ۲۳۸۱۵، ۲۳۸۱۶، ۲۳۸۱۷، ۲۳۸۱۸، ۲۳۸۱۹، ۲۳۸۲۰، ۲۳۸۲۱، ۲۳۸۲۲، ۲۳۸۲۳، ۲۳۸۲۴، ۲۳۸۲۵، ۲۳۸۲۶، ۲۳۸۲۷، ۲۳۸۲۸، ۲۳۸۲۹، ۲۳۸۳۰، ۲۳۸۳۱، ۲۳۸۳۲، ۲۳۸۳۳، ۲۳۸۳۴، ۲۳۸۳۵، ۲۳۸۳۶، ۲۳۸۳۷، ۲۳۸۳۸، ۲۳۸۳۹، ۲۳۸۴۰، ۲۳۸۴۱، ۲۳۸۴۲، ۲۳۸۴۳، ۲۳۸۴۴، ۲۳۸۴۵، ۲۳۸۴۶، ۲۳۸۴۷، ۲۳۸۴۸، ۲۳۸۴۹، ۲۳۸۵۰، ۲۳۸۵۱، ۲۳۸۵۲، ۲۳۸۵۳، ۲۳۸۵۴، ۲۳۸۵۵، ۲۳۸۵۶، ۲۳۸۵۷، ۲۳۸۵۸، ۲۳۸۵۹، ۲۳۸۶۰، ۲۳۸۶۱، ۲۳۸۶۲، ۲۳۸۶۳، ۲۳۸۶۴، ۲۳۸۶۵، ۲۳۸۶۶، ۲۳۸۶۷، ۲۳۸۶۸، ۲۳۸۶۹، ۲۳۸۷۰، ۲۳۸۷۱، ۲۳۸۷۲، ۲۳۸۷۳، ۲۳۸۷۴، ۲۳۸۷۵، ۲۳۸۷۶، ۲۳۸۷۷، ۲۳۸۷۸، ۲۳۸۷۹، ۲۳۸۸۰، ۲۳۸۸۱، ۲۳۸۸۲، ۲۳۸۸۳، ۲۳۸۸۴، ۲۳۸۸۵، ۲۳۸۸۶، ۲۳۸۸۷، ۲۳۸۸۸، ۲۳۸۸۹، ۲۳۸۹۰، ۲۳۸۹۱، ۲۳۸۹۲، ۲۳۸۹۳، ۲۳۸۹۴، ۲۳۸۹۵، ۲۳۸۹۶، ۲۳۸۹۷، ۲۳۸۹۸، ۲۳۸۹۹، ۲۳۹۰۰، ۲۳۹۰۱، ۲۳۹۰۲، ۲۳۹۰۳، ۲۳۹۰۴، ۲۳۹۰۵، ۲۳۹۰۶، ۲۳۹۰۷، ۲۳۹۰۸، ۲۳۹۰۹، ۲۳۹۱۰، ۲۳۹۱۱، ۲۳۹۱۲، ۲۳۹۱۳، ۲۳۹۱۴، ۲۳۹۱۵، ۲۳۹۱۶، ۲۳۹۱۷، ۲۳۹۱۸، ۲۳۹۱۹، ۲۳۹۲۰، ۲۳۹۲۱، ۲۳۹۲۲، ۲۳۹۲۳، ۲۳۹۲۴، ۲۳۹۲۵، ۲۳۹۲۶، ۲۳۹۲۷، ۲۳۹۲۸، ۲۳۹۲۹، ۲۳۹۳۰، ۲۳۹۳۱، ۲۳۹۳۲، ۲۳۹۳۳، ۲۳۹۳۴، ۲۳۹۳۵، ۲۳۹۳۶، ۲۳۹۳۷، ۲۳۹۳۸، ۲۳۹۳۹، ۲۳۹۴۰، ۲۳۹۴۱، ۲۳۹۴۲، ۲۳۹۴۳، ۲۳۹۴۴، ۲۳۹۴۵، ۲۳۹۴۶، ۲۳۹۴۷، ۲۳۹۴۸، ۲۳۹۴۹، ۲۳۹۵۰، ۲۳۹۵۱، ۲۳۹۵۲، ۲۳۹۵۳، ۲۳۹۵۴، ۲۳۹۵۵، ۲۳۹۵۶، ۲۳۹۵۷، ۲۳۹۵۸، ۲۳۹۵۹، ۲۳۹۶۰، ۲۳۹۶۱، ۲۳۹۶۲، ۲۳۹۶۳، ۲۳۹۶۴، ۲۳۹۶۵، ۲۳۹۶۶، ۲۳۹۶۷، ۲۳۹۶۸، ۲۳۹۶۹، ۲۳۹۷۰، ۲۳۹۷۱، ۲۳۹۷۲، ۲۳۹۷۳، ۲۳۹۷۴، ۲۳۹۷۵، ۲۳۹۷۶، ۲۳۹۷۷، ۲۳۹۷۸، ۲۳۹۷۹، ۲۳۹۸۰، ۲۳۹۸۱، ۲۳۹۸۲، ۲۳۹۸۳، ۲۳۹۸۴، ۲۳۹۸۵، ۲۳۹۸۶، ۲۳۹۸۷، ۲۳۹۸۸، ۲۳۹۸۹، ۲۳۹۹۰، ۲۳۹۹۱، ۲۳۹۹۲، ۲۳۹۹۳، ۲۳۹۹۴، ۲۳۹۹۵، ۲۳۹۹۶، ۲۳۹۹۷، ۲۳۹۹۸، ۲۳۹۹۹، ۲۴۰۰۰، ۲۴۰۰۱، ۲۴۰۰۲، ۲۴۰۰۳، ۲۴۰۰۴، ۲۴۰۰۵، ۲۴۰۰۶، ۲۴۰۰۷، ۲۴۰۰۸، ۲۴۰۰۹، ۲۴۰۱۰، ۲۴۰۱۱، ۲۴۰۱۲، ۲۴۰۱۳، ۲۴۰۱۴، ۲۴۰۱۵، ۲۴۰۱۶، ۲۴۰۱۷، ۲۴۰۱۸، ۲۴۰۱۹، ۲۴۰۲۰، ۲۴۰۲۱، ۲۴۰۲۲، ۲۴۰۲۳، ۲۴۰۲۴، ۲۴۰۲۵، ۲۴۰۲۶، ۲۴۰۲۷، ۲۴۰۲۸، ۲۴۰۲۹، ۲۴۰۳۰، ۲۴۰۳۱، ۲۴۰۳۲، ۲۴۰۳۳، ۲۴۰۳۴، ۲۴۰۳۵، ۲۴۰۳۶، ۲۴۰۳۷، ۲۴۰۳۸، ۲۴۰۳۹، ۲۴۰۴۰، ۲۴۰۴۱، ۲۴۰۴۲، ۲۴۰۴۳، ۲۴۰۴۴، ۲۴۰۴۵، ۲۴۰۴۶، ۲۴۰۴۷، ۲۴۰۴۸، ۲۴۰۴۹، ۲۴۰۵۰، ۲۴۰۵۱، ۲۴۰۵۲، ۲۴۰۵۳، ۲۴۰۵۴، ۲۴۰۵۵، ۲۴۰۵۶، ۲۴۰۵۷، ۲۴۰۵۸، ۲۴۰۵۹، ۲۴۰۶۰، ۲۴۰۶۱، ۲۴۰۶۲، ۲۴۰۶۳، ۲۴۰۶۴، ۲۴۰۶۵، ۲۴۰۶۶، ۲۴۰۶۷، ۲۴۰۶۸، ۲۴۰۶۹، ۲۴۰۷۰، ۲۴۰۷۱، ۲۴۰۷۲، ۲۴۰۷۳، ۲۴۰۷۴، ۲۴۰۷۵، ۲۴۰۷۶، ۲۴۰۷۷، ۲۴۰۷۸، ۲۴۰۷۹، ۲۴۰۸۰، ۲۴۰۸۱، ۲۴۰۸۲، ۲۴۰۸۳، ۲۴۰۸۴، ۲۴۰۸۵، ۲۴۰۸۶، ۲۴۰۸۷، ۲۴۰۸۸، ۲۴۰۸۹، ۲۴۰۹۰، ۲۴۰۹۱، ۲۴۰۹۲، ۲۴۰۹۳، ۲۴۰۹۴، ۲۴۰۹۵، ۲۴۰۹۶، ۲۴۰۹۷، ۲۴۰۹۸، ۲۴۰۹۹، ۲۴۱۰۰، ۲۴۱۰۱، ۲۴۱۰۲، ۲۴۱۰۳، ۲۴۱۰۴، ۲۴۱۰۵، ۲۴۱۰۶، ۲۴۱۰۷، ۲۴۱۰۸، ۲۴۱۰۹، ۲۴۱۱۰، ۲۴۱۱۱، ۲۴۱۱۲، ۲۴۱۱۳، ۲۴۱۱۴، ۲۴۱۱۵، ۲۴۱۱۶، ۲۴۱۱۷، ۲۴۱۱۸، ۲۴۱۱۹، ۲۴۱۲۰، ۲۴۱۲۱، ۲۴۱۲۲، ۲۴۱۲۳، ۲۴۱۲۴، ۲۴۱۲۵، ۲۴۱۲۶، ۲۴۱۲۷، ۲۴۱۲۸، ۲۴۱۲۹، ۲۴۱۳۰، ۲۴۱۳۱، ۲۴۱۳۲، ۲۴۱۳۳، ۲۴۱۳۴، ۲۴۱۳۵، ۲۴۱۳۶، ۲۴۱۳۷، ۲۴۱۳۸، ۲۴۱۳۹، ۲۴۱۴۰، ۲۴۱۴۱، ۲۴۱۴۲، ۲۴۱۴۳، ۲۴۱۴۴، ۲۴۱۴۵، ۲۴۱۴۶، ۲۴۱۴۷، ۲۴۱۴۸، ۲۴۱۴۹، ۲۴۱۵۰، ۲۴۱۵۱، ۲۴۱۵۲، ۲۴۱۵۳، ۲۴۱۵۴، ۲۴۱۵۵، ۲۴۱۵۶، ۲۴۱۵۷، ۲۴۱۵۸، ۲۴۱۵۹، ۲۴۱۶۰، ۲۴۱۶۱، ۲۴۱۶۲، ۲۴۱۶۳، ۲۴۱۶۴، ۲۴۱۶۵، ۲۴۱۶۶، ۲۴۱۶۷، ۲۴۱۶۸، ۲۴۱۶۹، ۲۴۱۷۰، ۲۴۱۷۱، ۲۴۱۷۲، ۲۴۱۷۳، ۲۴۱۷۴، ۲۴۱۷۵، ۲۴۱۷۶، ۲۴۱۷۷، ۲۴۱۷۸، ۲۴۱۷۹، ۲۴۱۸۰، ۲۴۱۸۱، ۲۴۱۸۲، ۲۴۱۸۳، ۲۴۱۸۴،

معنی رویت کے ہیں کہ ہم نہیں دیکھ رہے تھے اور ہمارا خیال نہیں تھا سوائے حج کرنے کے۔

”فلما كنا بسرف حضت“ جب ہم سرف کے مقام پر پہنچے تو مجھے حیض آگیا۔ ”فدخل على رسول الله ﷺ وأنا أبكى“ کہ حضور ﷺ داخل ہوئے میں رو رہی تھی اس لئے کہ مجھے خیال ہوا کہ حیض کی وجہ سے اب میں حج کے افعال سے محروم ہو جاؤں گی۔

”فقال: مالك؟ أنفست؟“ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں کیا ہوا، کیا تمہیں حیض آگیا؟

”نفست“ یہ دونوں طرح درست ہے یعنی بالبناء المجہول اور بالبناء المعروف۔

بعض لوگوں نے یہ فرق کیا ہے کہ اگر بالبناء المجہول پڑھا جائے تو نفست کے معنی ہونگے کہ کیا تمہیں حیض آگیا؟ اور اگر بالبناء المعروف پڑھا جائے تو یہ صرف نفاس کے لئے ہوتا ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ دونوں طرح مستعمل ہے اور ہر ایک صورت کا اطلاق حیض کے اوپر بھی ہوتا ہے اور نفاس پر بھی۔

”قلت: نعم، قال: ((إن هذا أمر كتبه الله على بنات آدم فاقضى ما يقضى الحاج غير أن لا تطوفی بالبيت“

میں نے عرض کیا کہ ہاں، تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو اللہ ﷻ نے آدم ﷺ کی بیٹیوں پر لکھ دیا۔

حائضہ بیت اللہ کا طواف نہ کرے

”فاقضى ما يقضى الحاج غير أن لا تطوفی بالبيت“

تو ادا کرتی رہو وہ تمام کام حاجی کرتا ہے، صرف اتنا ہے کہ بیت اللہ کا طواف نہ کرنا، یہاں سے موضع ترجمۃ الباب یہ ہے کہ ”امر کتبہ اللہ علی بنات آدم“ اس سے معلوم ہوا کہ یہ سلسلہ آدم ﷺ کی بیٹیوں سے چلا آ رہا ہے اور یہ بعد کی پیداوار نہیں ہے۔

قالت: ”وضح رسول الله ﷺ عن نسائه بالبقر“

اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ بھی فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کی قربانی کی تھی۔

حج کے متعلق جو احکام ہیں وہ ان شاء اللہ تعالیٰ ”کتاب الحج“ میں آئیں گے۔ یہاں صرف ”امر کتبہ اللہ علی بنات آدم“ کی طرف اشارہ مقصود تھا۔

(۲) باب غسل الحائض رأس زوجها وترجيله

حيض والی عورت اپنے خاوند کا سر دھو سکتی ہے اور کنگھی کر سکتی ہے

۲۹۵۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال: حدثنا مالك، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة، قالت: كنت أُرَجِّلُ رأس رسول الله ﷺ وأنا حائض. [أنظر: ۲۹۶، ۳۰۱، ۲۰۲۸، ۲۰۳۰، ۲۰۳۱، ۲۰۴۶، ۵۹۲۵] ۲

۲۹۶۔ حدثنا إبراهيم بن موسى قال: حدثنا هشام بن يوسف أن ابن جريج أخبرهم قال: أخبرنا هشام بن عروة عن عروة أنه سئل: أتخذ مني الحائض أو تدنو مني المرأة وهي جنب؟ فقال عروة: كل ذلك على هين، وكل ذلك اتخذ مني، وليس على أحد في ذلك بأس، أخبرني عائشة أنها كانت تَرَجِّلُ رسول الله ﷺ وهي حائض ورسول الله ﷺ حينئذ مجاور في المسجد، يُدْنِي لها رأسه وهي في حجرتها، فترجله وهي حائض. [راجع: ۲۹۵]

حالتِ حیض میں کفار کا عورتوں سے سلوک

چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جب ”کتاب الحيض“ کا آغاز کیا تو اس میں آیتِ کریمہ ترجمۃ الباب میں لکھی تھی اور اس میں یہ ہے کہ ”فاعتزلوا النساء في المحيض ولا تقربوهن حتى يطهرن“ تو اس کے ظاہری الفاظ سے کوئی شخص یہ سمجھ سکتا تھا کہ حائض کے پاس بھی نہ جانا چاہئے، اور اس سے کوئی کام بھی نہ کرانا چاہئے۔

یہودیوں کا طریقہ بھی یہی تھا کہ جب عورت کو حیض آتا تو وہ عورت سے اس طرح اجتناب کرتے تھے

۱۔ وفي سنن الترمذی، کتاب اللباس عن رسول اللہ، باب ما جاء في الجمعة والتخاذه الشعر، رقم: ۱۶۷۷، وسنن النسائی، کتاب الطهارة، باب ذكر الدلالة على أنه لا وقت في ذلك، رقم: ۲۳۱، ۲۳۵، ۲۷۷، وسنن أبي داود، کتاب الصوم، باب المعتكف يدخل البيت لحاجته، رقم: ۲۱۱۴، وسنن ابن ماجه، کتاب الطهارة وسننها، باب الحائض تتناول الشئ من المسجد، رقم: ۱۲۵، وكتاب الصيام، باب ما جاء في المعتكف يغسل رأسه ويرجله، رقم: ۱۷۲۸، ومسند أحمد، باقي مسند الانصار، باب حديث السيدة عائشة، رقم: ۲۳۱۲۳، ۲۳۳۰۹، ۲۳۵۰۱، وموطأ مالك، کتاب الطهارة، باب جامع الحيضة، رقم: ۱۲۰، وكتاب الاعتكاف، باب ذكر الاعتكاف، رقم: ۶۰۵، وسنن الدارمی، کتاب الطهارة، باب الحائض تمشط زوجها، رقم: ۱۰۴۰.

کہ اس کو اچھوت بنا دیتے تھے کہ اسکے ہاتھ سے نہ کھانا کھاتے تھے اور نہ ساتھ بیٹھتے تھے۔

حالت حیض میں مسلمانوں کا عورتوں سے سلوک

اب امام بخاری رحمہ اللہ وہ حدیثیں لا رہے ہیں جو اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ اعتزال سے مراد اعتزال عن الجماع ہے۔ باقی دوسری قسم میل جول، آپس میں بیٹھنا، بات چیت کرنا یا اس سے کوئی کام کرنا اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت عروۃؓ سے سوال کیا گیا کہ کیا حائض عورت میری خدمت کرے یا حالت جنابت میں میرے قریب ہو جائے تو عروۃؓ نے کہا کہ ”کل ذلک علیٰ ہین“۔

کہ سب معاملات آسان ہیں اس میں کوئی تنگی نہیں ہے۔ ”وکل ذلک تخدمنی“ اور جو عورت ہے وہی ہر طرح کی خدمت کر سکتی ہے ”ولیس علیٰ أحد فی ذلک بأس“۔

چونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے بالوں میں لگکھی کیا کرتی تھی جبکہ آپ ﷺ معتكف ہوتے تھے۔ ”مجاور“ کے معنی ”معتکف“ کے آتے ہیں۔ مسجد میں آپ ﷺ اپنا سراقس انکے قریب کر لیتے تھے اور وہ اپنے حجرے میں ہوتی تھیں تو حالت حیض میں آپ ﷺ کی لگکھی کر لیا کرتی تھیں۔

(۳) باب قراءة الرجل في حجر امرأته وهي حائض،

مرد کا اپنی بی بی کے گود میں سر رکھ کر حیض کی حالت میں قرآن کی تلاوت کرنے کا بیان

”وكان أبو وائل يرسل خادمه وهي حائض إلى أبي رزين لتأنيه بالمصحف فتمسكه بعلاقتة“۔

یہ باب قائم کیا ”قراءة الرجل في حجر امرأته وهي حائض“ کہ کوئی شخص اگر اس حالت میں قرآن مجید کی تلاوت کرے کہ اپنی حائض بیوی کی گود میں ہو تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

ابو وائل (جو تابعین میں سے ہیں) وہ اپنی حائضہ خادمہ ابو رزین کے پاس بھیجتے تھے۔ ”لتأنيه بالمصحف فتمسكه بعلاقتة“ تو وہ قرآن مجید اٹھا کر ڈوری کے ذریعہ لاتی تھی۔ علاقہ کا معنی ڈوری۔

مقصود امام بخاری رحمہ اللہ

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں دو باتیں ذکر کر رہے ہیں:

ایک یہ کہ آدمی کی بیوی اگر حالت حیض میں ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کی گود میں سر رکھ کر

بھی قرآن کریم پڑھ سکتا ہے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ ان کی آغوش میں سر رکھ کر قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تھے حالانکہ وہ حالت حیض میں ہوتی تھیں۔

دوسرا مسئلہ یہ بیان کیا کہ حائضہ عورت قرآن کریم کو ڈوری میں پکڑ کر لاسکتی ہے۔

چنانچہ اس مسئلہ میں حنفیہ کا موقف بھی یہی ہے کہ حالت حیض میں عورت کے لئے براہ راست قرآن کریم چھونا جائز نہیں اور حائضہ عورت کے لئے خود پڑھنا بھی جائز نہیں، لیکن اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی گود میں ہو اور وہاں پر قرآن کریم پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے۔ اس کا حائضہ ہونا اسکے منافی نہیں اور اسی طرح جنبی مرد اور حائضہ عورت براہ راست قرآن کریم کو نہیں چھو سکتے، لیکن اگر کسی حائل کے ذریعہ چھوئے خواہ وہ ڈوری ہو یا منفصل غلاف ہو تو اس سے پکڑ کر لاسکتی ہے۔ ۵۔

اس مسئلہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے کہ:

۲۹۷۔ حدثنا أبو نعيم الفضل بن دكين : سمع زهيراً عن منصور بن صفية أن

أمه حدثته أن عائشة حدثتها : أن النبي ﷺ كان يتكى في حجرى وأنا حائض ثم يقرأ القرآن . [أنظر : ۷۵۴۹]

”أن النبي ﷺ كان يتكى في حجرى وأنا حائض ثم يقرأ القرآن“.

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ میری گود میں تکیہ لگاتے جبکہ میں حالت حیض میں ہوتی پھر آپ ﷺ قرآن کریم کی تلاوت فرماتے۔

(۴) باب من سمي النفاس حيضاً

حيض كونفاس كنهى كايان

یہ باب اس شخص کی تائید میں ہے جو نفاس کو حیض کہتے ہیں، کیونکہ آگے حدیث میں ”أنفست“ آرہا ہے جو کہ حیض کے معنی میں ہے۔ اس لئے قاعدہ کا تقاضا یہ تھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ”باب من سمي الحيض نفاساً“ کیوں کہ حدیث میں حیض پر لفظ نفاس کا اطلاق کیا گیا ہے تو کہنا چاہئے تھا کہ ”من سمي الحيض نفاساً“ لیکن ترجمہ الباب باندھا کہ ”باب من سمي النفاس حيضاً“ کہ نفاس کا نام حیض رکھا حالانکہ حدیث میں ایسا نہیں ہے، تو بعض لوگوں نے کہا کہ امام بخاری رحمہ اللہ سے وہم ہوا۔

۵ والذى فيه يدل على جواز قراءة القرآن في حجر الحائض، وعلى جواز حمل المصحف لها بعلاقته، لما ورد حديثاً وأثرأ

فالحديث يدل على الاول، والأثر يدل على الثانى. عمدة القارى، ج: ۳، ص: ۱۰۵.

لہذا امام بخاری رحمہ اللہ سے قلب واقع ہو گیا۔

لیکن دوسرے حضرات نے کہا کہ امام بخاری رحمہ اللہ سے ایسا وہم ہونا بہت بعید ہے کہ انہوں نے وہم کے طور پر کہا ہو۔ یہ تو امام بخاری رحمہ اللہ کے اپنے تراجم کے اندر تصرفات ہیں۔ دراصل امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ یہاں سنی جعل کے معنی میں ہیں کہ اس شخص کی تائید میں باب قائم کیا جا رہا ہے جو نفاس کو حیض کے حکم میں قرار دیتا ہے یعنی سنی کے معنی حکم میں قرار دینا کہ جو شخص یہ کہے کہ نفاس کا بھی وہی حکم ہے جو حیض کا ہے یعنی جس طرح حالت حیض میں تلاوت جائز نہیں اس میں بھی جائز نہیں یا حالت حیض میں نماز جائز نہیں اس میں بھی جائز نہیں، حالت حیض میں روزہ جائز نہیں تو نفاس میں بھی جائز نہیں تو جو احکام حیض کے ہیں وہ احکام نفاس کے اوپر بھی جاری کئے ہیں۔

اس کی دلیل اسی حدیث سے نکلتی ہے کہ اسمیں حیض کے لئے لفظ نفاس استعمال کیا گیا ہے تو حیض کے لئے لفظ نفاس استعمال کرنے سے پتہ چلا کہ دونوں قسم کے خون ایک ہی حکم رکھتے ہیں۔

۲۹۸۔ حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أُمِّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهُ أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ حَدَّثَتْهَا قَالَتْ : بَيْنَا أَنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مُضْطَجِعَةً فِي خَمِيصَةٍ إِذْ حَضَّتْ فَأَنْسَلْتُ ، فَأَخَذَتْ ثِيَابَ حَيْضَتِي ، فَقَالَ : ((أَنْفُسْتِ ؟)) قُلْتُ : نَعَمْ ، فَدَعَانِي فَأُضْطَجِعْتُ مَعَهُ فِي الْخَمِيصَةِ . [انظر: ۳۲۲، ۳۲۳، ۱۹۲۹] ۹

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”بَيْنَا أَنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ مُضْطَجِعَةً فِي خَمِيصَةٍ إِذْ حَضَّتْ فَأَنْسَلْتُ الْخ“۔

میں ایک چادر میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ لیٹی ہوئی تھی اتنے میں مجھے حیض آ گیا تو کھسک کر چلی گئی اور اپنے حیض کے کپڑے بھی اٹھالئے تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا تمہیں حیض کا خون آیا ہے؟ میں نے ہاں کے ساتھ جواب دیا تو حضور اکرم ﷺ نے مجھے بلایا، پھر میں ان کے ساتھ لیٹ گئی۔
خمیصہ اس چادر کو کہتے ہیں جس میں جھال رہوں۔

۹۔ وفی صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب الاضطجاع مع الحائض فی لحاف واحد، رقم: ۴۴۳، وسنن النسائي، کتاب الطهارة،

باب مضاجعة الحائض، رقم: ۲۸۱، وکتاب الحيض والاستحاضة، باب مضاجعة الحائض فی ثياب حیضتها، رقم: ۳۶۸، ومسنند

احمد، باقی مسند الانصار، باب حديث أم سلمة زوج النبي، رقم: ۲۵۳۵۵، ۲۵۳۷۹، وسنن الدارمی، کتاب الطهارة، باب

(۵) باب مباشرة الحائض

حائضہ عورت سے اختلاط کرنے کا بیان

۲۹۹ - حدثنا قبيصة قال : حدثنا سفيان ، عن منصور ، عن إبراهيم ، عن الأسود ، عن عائشة قالت : كنت أغتسل أنا و النبي ﷺ من إناء واحد ، كلانا جنب . [راجع : ۲۵۰]

مباشرة الحائض کا حکم

”مباشرة: التقاء البشرة بالبشرة“ کو کہتے ہیں۔ حالت حیض میں عورت کے ساتھ یہ جائز ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس بات کو بتانے کے لئے باب قائم کیا ہے۔ اور اس میں امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام شافعی رحمہم اللہ ان سب کا کہنا یہ ہے کہ عورت سے حالت حیض میں ”مادون الركبة وما فوق السرة“ استمتاع جائز ہے، لیکن ”ما بين السرة والركبة“ استمتاع جائز نہیں اور وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ:

۳۰۰ - وكان يأمرني فأتزر فيباشرنى وأنا حائض . [أنظر : ۳۰۲، ۲۰۳۰]

۳۰۱ - وكان يخرج رأسه إلى وهو معتكف فأغسله وأنا حائض . [راجع : ۲۹۵]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ”وكان يأمرني فأتزر فيباشرنى وأنا حائض“ کہ مجھے آپ ﷺ حکم دیتے تھے کہ میں ازاد پہن لوں تو اگر اس سے استمتاع جائز ہوتا تو ازاد پہننے کا حکم نہ دیتے۔

اختلاف فقہاء

امام محمد رحمہ اللہ اور دوسرے بعض فقہاء کرام یہ فرماتے ہیں کہ جو چیز حرام ہے وہ صرف ”جماع فی الفرج“ ہے۔ باقی دوسرے طریقے سے استمتاع کرے۔ یہاں تک کہ ”ما فوق الركبة“ اور ”ما تحت السرة“ سے بھی جائز ہے جب تک آدمی جماع نہ کرے۔

امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جس میں آیا ہے کہ ”افعلوا كل شئ الا النكاح“ کہ ہر کام کرو سوائے نکاح کے، یعنی جماع کے تو اگرچہ دلائل کی رو سے امام محمد رحمہ اللہ کا قول راجح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ احتیاط امام ابو یوسف اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کے مذہب میں ہی کہ آدمی ”ما فوق الركبة“ اور ”مادون السرة“ سے احتیاط کرے

یعنی استمتاع نہ کرے۔ ۱۰

۳۰۲۔ حدثنا اسماعیل بن خلیل قال: أخبرنا علی بن مسهر قال: أخبرنا ابو اسحاق هو الشیبانی، عن عبد الرحمن بن الأسود، عن أبيه، عن عائشة قالت: كانت إحدانا إذا كانت حائضاً فأراد رسول الله ﷺ أن يباشرها أمرها أن تتر في فور حیضتها ثم يباشرها، قالت: وأیکم یملک إربه کما کان النبی ﷺ یملک إربه. تابعه خالد وجریر عن الشیبانی.

۳۰۳۔ حدثنا أبو النعمان قال: حدثنا عبد الواحد قال: حدثنا الشیبانی قال: حدثنا عبد الله بن شداد قال: سمعت ميمونة تقول: كان رسول الله ﷺ إذا أراد أن يباشر امرأة من نسائه أمرها فأتزرت وهي حائض. رواه سفيان عن الشیبانی.

”إِزْب“ اور ”أَزْب“ دو الگ الگ لفظ ہیں۔ ”أَزْب“ کہتے ہیں حاجت کو اور ”إِزْب“ کے معنی زیادہ تر عضو کے ہوتے ہیں اور کبھی حاجت کے معنی میں بھی آجاتا ہے۔ ”إِزْب“ [بکسر الهمزة وسكون الراء] اور ”أَزْب“ [بفتح الهمزة والراء] دونوں طریقوں سے روایت منقول ہے۔

حدیث میں تو معنی یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ اپنی حاجت پر زیادہ قابو یافتہ تھے بنسبت تمہارے۔ لہذا وہ مباشرت وغیرہ کر لیتے تھے، لیکن اس بات کا اطمینان ہوتا تھا کہ آگے تجاوز نہیں فرمائیں گے، تو جس شخص کو اپنے اوپر اتنا قابو نہ ہو تو اس کو یہ کام نہ کرنا چاہیے۔

(۷) باب: تقضي الحائض المناسک کلها إلا الطواف بالبيت

حائضہ عورت طواف کعبہ کے علاوہ باقی تمام مناسک حج ادا کر سکتی ہے

وقال إبراهيم: لا بأس أن تقرأ الآية، ولم ير ابن عباس بالقراءة للجنب بأساً، وكان النبي ﷺ يذكر الله على كل أحيانه، وقالت أم عطية: كنا نؤمر أن يخرج الحيض

۱۰۔ والمراد أنه ﷺ كان أملى الناس لأمره، فلا يخشى عليه ما يخشى على غيره من أن يحوم حول الحمى، ومع ذلك فكان يباشر فوق الأزار تشرعاً لغيره ممن ليس بمعصوم، وبهذا قال أكثر العلماء، وهو الجارى على قاعدة المالكية في باب سد الذرائع. وذهب كثير من السلف والثوري وأحمد وأسحق إلى أن الذي يمتنع من الاستمتاع بالحائض الفرع فقط، وبه قال محمد بن الحسن من الحنفية ورجحه الطحاوي، وهو اختيار أصبغ من المالكية، واحد القولين أو الوجهين للشافعية واختاره ابن المنذر، وقال النووي: هو الأرجح ذليلاً لحديث أنس في مسلم: اصنعوا كل شيء إلا الجماع كما ذكره الحافظ في فتح الباري، ج: ۱، ص: ۴۰۴، والبحر الرائق، ج: ۱، ص: ۲۰۸.

فيكبرن بتكبيرهم ويدعون ، وقال ابن عباس : أخبرني أبو سفيان أن هرقل دعا بكتاب النبي ﷺ فقرأه فإذا فيه : ((بسم الله الرحمن الرحيم : ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ﴾ [آل عمران : ۶۳])) وقال عطاء ، عن جابر : حاضت عائشة فنسكت المناسك كلها غير الطواف بالبيت ولا تصلي ، وقال الحكم : إني لأذبح وأنا جنب ، وقال الله عز وجل : ﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرْ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ﴾ [الانعام : ۱۲۱] .

دوران حج حائضہ کا حکم

یہ باب قائم فرمایا کہ ”باب : تقضى الحائض المناسك كلها الا الطواف بالبيت“ کہ حائضہ عورت تمام مناسک حج ادا کر سکتی ہے سوائے بیت اللہ کے طواف کے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب قائم فرمایا، اس کا ایک منشاء تو یہ ہو سکتا ہے کہ یہی حکم بیان کیا جائے جو یہاں پر بیان ہوا ہے اور وہ یہ کہ اگر عورت کو حج کے دوران حیض آجائے تو اس کیلئے جائز ہے کہ وہ حج کے تمام افعال دوسری حاجن عورتوں کی طرح انجام دیتی رہے، البتہ صرف طواف بیت اللہ نہیں کر سکتی، جس کی وجہ یہ ہے کہ طواف کرنے کے لئے اس کو حرم یعنی مسجد حرام میں داخل ہونا پڑے گا اور حائضہ کے لئے مسجد میں داخل ہونا جائز نہیں تو طواف کے لئے وہ انتظار کرے گی، البتہ باقی افعال اسی طرح انجام دیتی رہے گی، سعی، رمی، وقوف عرفات اور وقوف مزدلفہ وغیرہ سب کام اسی طرح انجام دے گی۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا اس باب کا قائم کرنے سے یہ بات بیان کرنا مقصود ہے۔

لیکن اگر صرف یہ مقصود ہوتا تو پھر آگے جو الفاظ ذکر فرمائے ہیں ان کی ضرورت نہ تھی۔ ابراہیم خنقی رحمہ اللہ کا قول ذکر کیا کہ ”لا بأس ان تقرأ الآية“ وغیرہ وغیرہ۔

یہی وجہ ہے کہ بعض حضرات نے فرمایا اور وہ بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ ترجمۃ الباب قائم کرنے سے امام بخاری رحمہ اللہ کا منشاء اپنا مذہب بتلانا ہے کہ انکے نزدیک حالت حیض میں تلاوت قرآن کریم جائز ہے۔

حالت حیض میں تلاوت قرآن کا حکم

مذاهب ائمہ:

امام بخاری، امام محمد بن جریر طبری اور ابن المنذر رحمہم اللہ کا مذہب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے نزدیک حالت حیض میں بلکہ حالت جنابت میں بھی تلاوت قرآن کریم جائز ہے۔ امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ کی ایک روایت بھی اس کے مطابق ہے، مگر ان کی مختار روایت اور

حنفیہ و حنابلہ کا مسلک یہ ہے کہ حائضہ اور جنبی کے لئے تلاوت جائز نہیں۔ ۱۲۔

جمہور رکا مسلک

جمہور یہ کہتے ہیں کہ حالت جنابت اور حالت حیض میں تلاوت قرآن کریم جائز نہیں، جمہور کے پاس اس مفہوم پر متعدد دلائل اور احادیث مرفوعہ ہیں جس میں حالت جنابت اور حالت حیض میں قرآن کریم کی تلاوت کو منع کیا گیا ہے۔

وہ روایتیں مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) سنن اربعہ میں عبد اللہ بن سلمہ ؓ سے مروی ہے کہ حضرت علی ؓ بیت الخلاء سے آکر قرآن کریم کی تلاوت کرنے لگے تو بعض لوگوں نے اعتراض کیا، اس پر حضرت علی ؓ نے فرمایا: ”إن رسول الله ﷺ كان يجيئ من الخلاء فيقرأ بنا القرآن وياكل معنا اللحم لا يحجزه عن القرآن شيء ليس الجنابة“۔ ۱۳۔

اس حدیث پر یہ اعتراض ہے کہ عبد اللہ بن سلمہ نے یہ حدیث بڑھاپے میں روایت کی ہے جب وہ اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث کو امام ترمذی اور ابن حبان نے صحیح قرار دیا ہے، اور امام حاکم، امام عیسیٰ اور ابن عدی نے عبد اللہ بن سلمہ کی توثیق کی ہے۔ ۱۴۔

(۲) ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ کی مرفوع حدیث مروی ہے: ”لا تقرأ الحائض ولا الجنب

شيئاً من القرآن“۔ ۱۵۔

البتہ یہ حدیث اسماعیل بن عیاش نے موسیٰ بن عقبہ سے روایت کی ہے جو حجازی ہیں، اور اسماعیل کی

۱۲، ۱۳ فتح الباری، ج: ۱، ص: ۳۰۸۔

۱۳ سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ و منہا، باب ماجاء فی قرأۃ القرآن علی غیر طہارۃ، رقم: ۵۹۴، ج: ۱، ص: ۱۹۵،

والمستدرک علی الصحیحین، رقم: ۴۰۸۳، ج: ۴، ص: ۱۲۰، و سنن أبی داؤد، باب فی الجنب یقرأ القرآن،

رقم: ۲۲۹، ج: ۱، ص: ۵۹، دار الفکر، و سنن النسائی، باب حجب الجنب من قرأۃ القرآن، رقم: ۲۶۵، ج: ۱، ص: ۱۴۴۔

۱۴ حدیث آخر فی منع القرأۃ للجنب رواہ أصحاب السنن الأربعة من حدیث عمرو بن مرة عن عبد الله بن سلمة عن

علی قال کان رسول الله ﷺ لا یحجزه أو لا یحجزه عن القرآن شیئ لیس الجنابة انتهى۔ قال الترمذی حدیث حسن

صحيح ورواه ابن حبان فی صحيحه والحاكم فی المستدرک وصححه قال ولم يحتج لعبد الله بن سلمة ومدار

الحديث عليه الخ، نصب الراية، ج: ۱، ص: ۱۹۶، وعمدة القاری، ج: ۳، ص: ۱۲۴۔

۱۵ سنن الترمذی، باب ماجاء فی الجنب والحائض أنهما لا یقرآن القرآن، رقم: ۱۳۱، ج: ۱، ص: ۲۳۷۔

روایت غیر اہل شام سے مقبول نہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث کے تمام طرق ضعیف ہیں۔ ۱۶۔
 (۳) سنن دارقطنی میں مذکورہ بالا حدیث کے الفاظ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہیں، ۱۷۔
 اگرچہ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اسی حدیث کو محمد بن الفضل کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔ ۱۸۔
 چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ ان میں سے کسی حدیث کو اپنی شرط کے مطابق نہیں پایا اس لئے وہ جواز کے
 قائل ہوئے۔ لیکن جمہور نے اس طرف نگاہ کی کہ یہ احادیث ایک دوسری کی تصدیق کرتی ہیں۔ ۱۹۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث اور آنے والے آثار سے استدلال کیا ہے کہ اس طرح کی حالت
 میں تلاوت کلام پاک جائز ہے ایک تو اس حدیث کی وجہ سے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے
 جس میں آنحضرت ﷺ نے ان کو سوائے طواف کے تمام افعال حج ادا کرنے کا حکم دیا۔

پہلی دلیل

ان کی وجہ استدلال یہ ہے کہ حائضہ عورت جب سوائے طواف کے اور سارے افعال ادا کرے گی، جس
 میں سعی، وقوف عرفات، وقوف مزدلفہ، تہیت منی اور رمی بھی داخل ہے، تو ان تمام افعال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا
 ہے اور دعا ہوتی ہے۔

قرآن کریم کی تلاوت بھی منجملہ دوسرے اذکار کے ایک ذکر ہے، جب دوسرے اذکار اور ادعیہ جائز
 ہیں تو تلاوت قرآن بھی جائز ہونی چاہئے۔

دوسری دلیل

دوسرا یہ کہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے اثر سے استدلال کیا ”لابأس ان تقرأ الایة“ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ
 فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ حائضہ عورت قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھے۔

۱۶ فتح الباری، ج: ۱، ص: ۳۰۸۔

۱۷ سنن الدار قطنی، باب فی النهی للجنب والحائض عن قراءة القرآن، رقم: ۱۵، ج: ۱، ص: ۱۲۱۔

۱۸، ۱۹ ورواہ ابن عدی، فی ”الکامل“ وأعلہ بمحمد بن الفضل وأغلظ فی تضعیفه عن البخاری والنسائی وأحمد و ابن
 معین۔ قلت: وربما يعتضدان بحديث علي المذكور، ولم يصح عند البخاری فی هذا الباب حديث، فلذلك ذهب الي

جواز قراءة الجنب والحائض أيضاً، واستدل علي ذلك الخ، عمدة القاری، ج: ۱، ص: ۱۲۳۔

تیسری دلیل

تیسرا استدلال حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مذہب سے کیا وہ یہ ہے کہ ”ولم ير ابن عباس رضی اللہ عنہ بالقراءة للجنب بأساً“ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جنبی کے لئے قراءۃ قرآن میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔

جمہور کی طرف سے پہلی دلیل کا جواب

جہاں تک پہلی دلیل (حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا) کا تعلق ہے کہ مناسک حج کے دوران اذکار اور ادعیہ کی ضرورت ہوتی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی ہے تو جب ان کی اجازت ہے تو قرآن کریم کی اجازت بھی ہونی چاہئے۔

جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرے اذکار اور ادعیہ میں اور قرآن کریم کی تلاوت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اذکار اور ادعیہ ہمارا اور آپ کا کلام (کلام الناس) ہے جس میں اللہ جل جلالہ کا نام لیا جاتا ہے بخلاف قرآن کریم کے کہ قرآن کریم وحی ہے ”منزل من اللہ“ ہے اور اللہ جل جلالہ کا کلام ہے۔
لہذا ادنیٰ کے جواز سے اعلیٰ کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ ۲۰

دوسری دلیل کا جواب

دوسرا استدلال ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے قول سے پیش کیا تھا وہ یہ ہے کہ ایک آیت پڑھ لے تو جائز ہے، یہ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول ہے اس میں یہ وضاحت ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ ایک آیت یا دو آیات پڑھ لے تو جائز ہے۔ جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے: مطلق تلاوت کو تو وہ بھی جائز نہیں کہتے۔ یہ نہیں کہتے کہ حائضہ عورت کے لئے تلاوت بالکل جائز ہے۔ وہ بھی جمہور کی طرح عدم جواز کے قائل ہیں، البتہ کتنی مقدار منع ہے، اس میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں:

۱۔ واستدل الجمهور على المنع بحديث علي "كان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لا يجنبه عن القرآن شئ الخ، رواه أصحاب السنن وصححه الترمذی وابن حبان، وضعف بعضهم بعض رواه، والحق أنه من قبيل الحسن بصلح للحجة، لكن قيل، في الاستدلال به نظر، لأنه فعل مجرد فلا يدل على تحريم ماعداه، وأجاب الطبري عنه بأنه محمول على الأكمل جمعاً بين الأدلة، وأما حديث ابن عمر مرفوعاً، لا تقرأ الحائض الجنب شيئاً من القرآن، فضعيف من جميع طرقه، فتح الباری، ج: ۱، ص: ۲۰۹.

ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول

اس میں ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ اگر ایک آیت بلکہ دو آیات بھی پڑھ لے تو جائز ہے۔ اس واسطے کہ ان کے نزدیک اس کے اوپر تلاوت قرآن کریم کا اطلاق نہیں ہوتا۔ البتہ اس سے زیادہ ہو تو وہ اس کو ناجائز کہتے ہیں۔ لہذا اس سے استدلال درست نہ ہوا۔

تیسری دلیل کا جواب

تیسرے استدلال میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب نقل کیا ہے کہ جنبی کے لئے قرأت میں انہوں نے کوئی حرج نہیں سمجھا۔ اس میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا منشا یہ ہو کہ ایک آدھ آیت اگر پڑھ لے تو مضا لقمہ نہیں یعنی بقصد دعا پڑھ لے یا بقصد ذکر پڑھ لے تو مضا لقمہ نہیں۔ اور جمہور کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ اگر کوئی شخص بحالت جنابت اور حالت حیض میں ”ربنا اتنا ثی الدنيا حسنة الخ“ یہ آیت بقصد دعا پڑھے تو جائز ہے لیکن تلاوت کی غرض سے جائز نہیں۔ لہذا اس سے استدلال بھی تام نہیں ہوتا اور اگر بالفرض حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا وہ مذہب ہو بھی تو احادیث مرفوعہ کے مقابلہ میں اثر موقوف سے استدلال نہیں ہو سکتا۔

چوتھی دلیل

آگے چوتھا استدلال بیان فرمایا ”وكان النبي ﷺ يذكر الله على كل أحيانه“ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی طرف اشارہ فرمایا کہ آنحضرت ﷺ ہر حال میں اللہ ﷻ کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ تو ”کل أحيانه“ میں جنابت کی حالت بھی شامل ہوئی تو جب حالت جنابت میں جائز ہوا تو حائضہ عورت کے لئے بھی جائز ہونا چاہئے۔

چوتھی دلیل کا جواب

اس کا جواب بھی وہی ہے کہ ذکر عام کے اثبات سے کسی خاص نوع کا اثبات نہیں ہوتا، یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ ادنیٰ کے ثبوت سے اعلیٰ کا ثبوت نہیں ہوتا کہ آپ ﷺ نے اگر الحمد للہ، سبحان اللہ کا ذکر کیا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تلاوت بھی کی ہو، الحمد للہ ہمارے نزدیک بھی جائز ہے اور حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے لیکن تلاوت جائز نہیں۔

پانچویں دلیل

پانچواں استدلال ام عطیہ رضی اللہ عنہا کے قول سے ہے وہ یہ کہ:

”وَقَالَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ كُنَّا نَوْمُ أَنْ يَخْرُجَ الْحَيْضُ فَيَكُونُ بِتَكْبِيرِهِمْ وَيَدْعُونَ“.

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہمیں یہ حکم دیا جاتا تھا کہ ہم حائضہ عورتوں کو بھی نکال کر عید گاہ لے جائیں یعنی جب عید گاہ میں اجتماع ہو تو مردوں کے ساتھ حائضہ عورتیں بھی جایا کرتی تھیں اور وہی تکبیر کہتی جو مسلمان کہتے تھے اور وہی دعائیں بھی کرتی تھیں۔ اس سے استدلال کرنے کی وجہ یہی ہے کہ حائضہ عورتیں ذکر کر سکتی ہیں اور دعا بھی کر سکتی ہیں۔

جواب

جواب وہی ہے کہ ذکر اور دعا سے یہ لازم نہیں آتا کہ تلاوت قرآن کریم بھی جائز ہو۔

چھٹی دلیل حضور ﷺ کے مراسلہ سے استدلال

چھٹے استدلال میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول تعلیقاً نقل کیا ہے کہ: وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ:

أَخْبَرَنِي أَبُو سَفْيَانَ أَنَّ هِرْقَلَ دَعَا بِكِتَابِ النَّبِيِّ ﷺ فَقَرَأَهُ فَإِذَا فِيهِ: ((بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ: ﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ﴾)

اس میں ہرقل والی حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ہرقل نے نبی کریم ﷺ کا خط منگوایا اور پڑھا، اس میں لکھا ہوا تھا ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ اور اس میں یہ بھی تھا کہ ”یا اہل الکتاب تعالوا الی کلمۃ“ اس سے استدلال کی وجہ یہ ہے کہ یہاں حضور ﷺ نے آیت لکھ کر ایک کافر کو بھیجی اور ظاہر ہے کہ کافر کا حال یہ ہوتا ہے کہ عام طور پر وہ جہنی ہوتا ہے اور آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ وہ اس کو پڑھیگا، گویا کہ ایک طرح سے نبی کریم ﷺ نے جہنی کے لئے قرأت کی اجازت دیدی اور جب جہنی کے لئے اجازت ہوگئی تو حائضہ کے لئے بھی اجازت ہوگئی، کیونکہ جہنی اور حائضہ دونوں کا اس صہرت میں حکم ایک ہے۔

چھٹی دلیل کا جواب

جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو بات یہ ہے کہ ہرقل کی جانب لکھے جانے والے خط میں

یہ آیت بطور آیت نہیں تھی بلکہ بطور خطاب ایک آیت ہی کا جملہ ذکر کر دیا گیا تھا۔ تو یہ بات جمہور بھی کہتے ہیں کہ

اگر قرآن کریم کی کوئی آیت ہو لیکن انسان اس کو تلاوت کی غرض سے نہیں بلکہ کسی اور مقصد سے پڑھے مثلاً ذکر، دعایا مخاطبت مقصود ہو جیسے کسی آدمی کا نام موسیٰ ہے اور اس سے کہے کہ ”وما تلک بیمینک یموسى“ تو اس سے مقصود تلاوت نہیں ہے، تو اس واسطے ایسا جملہ استعمال کرنا جائز ہے۔ تو خط کے اندر بھی جو بات لکھی ہوئی تھی وہ درحقیقت ان کو خطاب تھا، اس واسطے وہ تلاوت کے حکم میں نہیں آتا۔

دوسرا یہ کہ جب ہر قل پڑھے گا تو اس کو کیا پتہ کہ میں آیت پڑھ رہا ہوں۔ حائضہ اور جنبی کو آیت پڑھنا اس وقت ناجائز ہے جبکہ اس کو پتہ ہو کہ جو میں پڑھ رہا ہوں یہ آیت قرآنیہ ہے۔ لہذا اس سے عمومی اجازت پر استدلال کرنا کہ تلاوت قرآن کریم ہر حال میں جنبی اور حائضہ کے لئے جائز ہے یہ استدلال درست نہ ہوا۔

”وقال عطاء عن جابر : حاضت عائشة فنسكت المناسك كلها غير الطواف بالبيت ولا تصلى“ یہ سب وہی بات دوبارہ دہرا دی کہ جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث آگے آرہی ہے اس کو تعلیقاً حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کر دیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوائے طواف کے تمام مناسک حج ادا کئے اور وہ نماز بھی نہیں پڑھتی تھیں۔

ساتویں دلیل اور جمہور کی طرف سے جواب

”وقال الحكم : انى لأذبح وأنا جنب“ ساتواں استدلال حضرت حکم کے قول سے کیا ہے کہ حضرت حکم فرماتے ہیں کہ میں بعض اوقات کسی جانور کو جنابت کی حالت میں ذبح کرتا ہوں۔ تو اس سے بھی استدلال کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی ذبح کر رہا ہے تو بسم اللہ پڑھے گا، یہ ذکر ہے۔ بسم اللہ اللہ اکبر جب ذکر کی اجازت ہے تو تلاوت کی اجازت بھی ہونی چاہئے۔

جواب پہلے گزر گیا کہ ذکر سے تلاوت کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔ ۲۱

”وقال الله عز وجل : ولا تأكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه“۔ [الانعام : ۱۲۱] اشارہ کیا اس بات کی طرف کہ وہ ذکر ضرور کرتے ہونگے۔ آگے پھر حضرت عائشہ کی حدیث ذکر کی ہے۔

۳۰۵۔ حدثنا أبو نعيم قال : حدثنا عبد العزيز بن أبي سلمة ، عن عبد الرحمن بن القاسم ، عن القاسم بن محمد ، عن عائشة قالت : خرجنا مع رسول الله ﷺ لا نذكر إلا الحج ، فلما جئنا سرف طمئت فدخل عليّ النبي ﷺ وأنا أبكي فقال :

لا أعلم أن البخاري ذكر في هذا الباب سنة من الآثار إلى هنا ، واستدل بها على جواز قراءة الجنب القرآن ، وفي كل مناقشة ، ورد عليه الجمهور بأحاديث وردت بمنع الجنب عن قراءة القرآن كذا ذكره العيني في العمدة ، ج : ۳ ، ص : ۱۲۳ .

((ما يُكَيِّك ؟)) قلت : لوددت والله أني لم أحج العام . قال : ((لعلك نُفِست ؟)) قلت : نعم ، قال : ((فان ذلك شيء كتبه الله على بنات آدم ، فافعلي ما يفعل الحاج غير أن لا تطوفي بالبيت حتى تطهري)) . [راجع: ۲۹۴]

کہ اللہ کی قسم! میرا دل چاہ رہا تھا کہ اس سال میں حج نہ کرتی یعنی ان کا خیال تھا کہ شاید اب میں حج سے محروم ہوگئی تو ”قال لعلک نفست؟“ قلت: نعم، قال: فان ذلك شيء كتبه الله على بنات آدم فافعلي ما يفعل الحاج غير أن لا تطوفي بالبيت حتى تطهري“۔

(۸) باب الإستحاضة

استحاضہ کا بیان

۳۰۶۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال : أخبرنا مالك ، عن هشام بن عروة ، عن أبيه ، عن عائشة أنها قالت : قالت فاطمة بنت أبي حبيش لرسول الله ﷺ : يا رسول الله إني لا أطهر ، أفادع الصلاة ؟ فقال رسول الله ﷺ : ((إنما ذلك عرق وليس بالحیضة ، فإذا أقبلت الحيضة فاتركي الصلاة . فإذا ذهب قدرها فاغسلي عنك الدم واصلی)) . ۲۲

استحاضہ کا معنی

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب استحاضہ کے حکم کے بیان میں قائم فرمایا ہے اور استحاضہ، حیض ہی سے نکلا ہے لیکن اس میں ”(س، تا)“ مبالغہ کے لئے ہے۔ ”حاض بحیض“ کے معنی ”بہنے“ کے آتے ہیں اور استحاضہ یہ مبالغہ کے لئے ہے تو اس کا معنی ”بہت زیادہ بہنا“ کے ہوئے۔ اور اصطلاحاً استحاضہ اس خون کو کہتے ہیں جو حیض کے ایام کے علاوہ جاری رہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں استحاضہ کے چند خاص خاص احکام پر ابواب قائم کئے ہیں، اگرچہ اس

۲۲ وفي صحيح مسلم ، كتاب الحيض ، باب المستحاضة وغسلها وصلاتها ، رقم : ۵۰۱ ، وسنن الترمذی ، كتاب الطهارة عن رسول الله ، باب ماجاء في المستحاضة ، رقم : ۱۱۶ ، وسنن النسائي ، كتاب الحيض والاستحاضة ، باب ذكر الاقراء ، رقم : ۳۵۶ ، وسنن أبي داود ، كتاب الطهارة ، باب من روى أن الحيضة اذا ادبرت لاتدع الصلاة ، رقم : ۲۴۳ ، وسنن ابن ماجه ، كتاب الطهارة وسننها ، باب ماجاء في المستحاضة التي قد عدت أيام أقرها ، رقم : ۶۱۳ ، ومسند أحمد ، باقی مسند الانصار ، باب باقی المسند السابق ، رقم : ۲۳۳۳ ، ۲۳۶۷۵ ، وموطأ مالك ، باب الطهارة ، باب المستحاضة ، رقم : ۱۲۲ ، وسنن الدارمی ، كتاب الطهارة ، باب في غسل المستحاضة ، رقم : ۷۶۷۷ .

کے احکام بہت مفصل، بہت طویل اور پیچیدہ بھی ہیں۔ لہذا یہاں اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کا صحیح محل ترمذی اور ابوداؤد ہے۔ سب سے زیادہ امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے استحاضہ کی احادیث ذکر کی ہیں۔ تو اس کی تفصیلی بحث انشاء اللہ تعالیٰ ترمذی اور ابوداؤد میں آہی جائیگی۔

اس وقت یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ استحاضہ حیض سے ایک الگ خون ہے اور اس کے اوپر حیض کے احکام جاری نہیں ہوتے۔ تو اس میں مشہور روایت نقل کی ہے جو حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کی ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ انی لا أطہر“ میں پاک نہیں ہوتی، مسلسل خون جاری رہتا ہے ”أفساد الصلاة؟“ کہ کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”انما ذلک عرق ولیست بالحیضة“ کہ یہ جو خون تمہیں آرہا ہے یہ ایک رگ ہے جس سے خون آرہا ہے اور یہ حیض نہیں ہے۔

اشکال: اس پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ اس حدیث کے ظاہری الفاظ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ حیض کا مخرج اور استحاضہ کا مخرج الگ الگ ہے۔ حیض کا مخرج قعر رحم اور استحاضہ کا مخرج رگ ہوتا ہے۔ لیکن طبی طور پر جو بات مسلم ہے وہ اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ استحاضہ کا مخرج بھی وہی ہے جو حیض کا مخرج ہے یعنی قعر رحم، تو پھر آپ ﷺ کا اس کو یہ فرمانا کہ ”یہ ایک رگ ہے جو الگ سے پھوٹ پڑی ہے جس سے خون آرہا ہے“ یہ کیسے درست ہوگا؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ استحاضہ کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں۔ بعض مرتبہ اس کا مخرج وہی ہوتا ہے جو حیض کا ہے یعنی قعر رحم اور صرف اتنا فرق ہوتا ہے کہ حیض ایام حیض کے اندر جاری رہتا ہے اور استحاضہ اس سے متجاوز ہو جاتا ہے اور بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی رگ پھوٹ جاتی ہے اور اس سے خون جاری ہو جاتا ہے وہ بھی استحاضہ کی تعریف میں داخل ہے اور اس پر بھی استحاضہ ہی کے احکام جاری ہوتے ہیں۔

تو یہاں حضور اقدس ﷺ نے ایک صورت بیان فرمائی ہے اور اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کے واقعہ میں ان کو جو خون جاری ہوا تھا وہ رگ سے جاری ہوا تھا، لیکن اگر کسی اور عورت کو قعر رحم سے استحاضہ جاری ہو تو یہ حدیث اس کے منافی نہیں ہے۔ گویا یہاں ایک صورت کا بیان ہے اور دوسری صورت سے سکوت ہے۔

اس حدیث میں اختصار ہے، لیکن مسند احمد میں ایک روایت آتی ہے جس میں حضور اقدس ﷺ نے استحاضہ کی تین صورتیں بیان فرمادی ہیں اور یہ فرمایا کہ ”فإنما ذلک رکضة من الشیطان أو عرق انقطع أو داء عرض لها“ ۲۳

فرمایا کہ یہ شیطان کی لات ہے۔ شیطان ایک لات مارتا ہے اور اس سے یہ خون جاری ہو جاتا ہے۔ یہ

کنا یہ ہے اس بات سے کہ جب عورت مستحاضہ ہوتی ہے تو اس کو طرح طرح کے وسوسے گھیر لیتے ہیں تو اس کو ”رکضة من الشيطان“ سے تعبیر فرمایا گیا۔

”او داء عرض لها“ یا اس کو کوئی بیماری پیدا ہو گئی ہے۔ تو بیماری پیدا ہونے کی شکل ایک یہ ہو سکتی ہے کہ قعر رحم سے ہی جتنا خون حیض میں نکلتا چاہئے تھا اس سے زیادہ نکل آیا یا یہ کہ کوئی رگ پھوٹ گئی اور اس سے خون نکلتا شروع ہو گیا، تو وہ بھی اسی کے اندر داخل ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ استحاضہ کی مختلف شکلیں ہیں اور یہاں پر صرف ایک شکل کا بیان ہے۔

آگے فرمایا: ”ولیس بالحیضة“ یہ حیض نہیں ہے یعنی شرعاً یہ حیض کے حکم میں نہیں ہے۔ ”فاذا اقبلت الحيضة فاتركي الصلوة“ لہذا جب حیض آئے تو نمازیں چھوڑ دو۔

”فاذا ذهب قدرها“: اور جب اس کی مقدار چلی جائے یعنی مثلاً ایام عادت ختم ہو جائیں۔

”فاغسلي عنك الدم فغسلي“: تو پھر اپنے سے خون کو دھو لو اور نماز پڑھنا شروع کر دو۔

یہ حدیث حنفیہ کی بھی دلیل ہے اس بارے میں کہ حیض میں ایام عادت کا اعتبار کیا جاتا ہے، کیونکہ لفظ قدر استعمال فرمایا ”فاذا ذهب قدرها“ کہ جب اس کی مقدار چلی جائے یعنی حیض جتنے دن آیا کرتا تھا اتنی مقدار حیض آجائے اور وہ مقدار ختم ہو جائے تو پھر خون دھو کر نماز شروع کر دو، پھر استحاضہ کے احکام جاری ہونگے۔

(۹) باب غسل دم المحيض

حیض کا خون دھونے کا بیان

۳۰۷۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال: أخبرنا مالك، عن هشام، عن

فاطمة بنت المنذر، عن أسماء بنت أبي بكر أنها قالت: سألت امرأة رسول الله ﷺ

فقلت: يا رسول الله، أرايت إحدانا إذا أصاب ثوبها الدم من الحيضة كيف تصنع؟ فقال

رسول الله ﷺ: ((إذا أصاب ثوب إحدانا من الدم من الحيضة فلتقرصه، ثم لتنضحه بماء،

ثم لتغسل فيه)). [راجع: ۲۲۷]

حیض والے کپڑوں کا حکم

کسی عورت نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ اگر کپڑے کو حیض کا خون لگ جائے تو کیا کرے؟

آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے کپڑے پر حیض کا خون لگ جائے تو ”فلتقرصه“۔

اس کو چاہئے کہ اسکو کھرچے ”ثم لتنضحه بماء“: پھر اسکو پانی سے دھوئے۔ ”ثم لتغسل فيه“

پھر اس میں نماز پڑھ لے۔ تو یہاں جو ”ثم لتنضحہ“ آیا ہے یہ نضح بمعنی غسل کے ہے۔
یہ حنفیہ کی دلیل ہے۔ اس بارے میں کہ نضح کا لفظ غسل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ
”نضح بول الغلام“ کے سلسلے میں جو نضح آیا اس کو حنفیہ نے اسی وجہ سے غسل کے معنی پر محمول کیا ہے۔

۳۰۸۔ حدثنا أصبغ قال : أخبرني ابن وهب قال : أخبرني عمرو بن الحارث ،
عن عبد الرحمن بن القاسم ، حدثه عن أبيه ، عن عائشة قالت : كانت إحدانا تحيض ثم
تقتصرص الدم من ثوبها عند طهرها فتغسله وتنضح على سائرہ ثم تصلي فيه .
سوال : ہم ”نضح“ کے معنی جو غسل کے لیتے ہیں ، تو اس کے مقابل حدیث میں غسل آتا ہے اس میں
حکمت اور فرق کیا ہے ؟

جواب : جب ایک لفظ دو معنی میں استعمال ہو تو اس کا قاعدہ یہ ہے کہ جب وہ تنہا استعمال ہوتا ہے تو اس
میں دونوں احتمال ہوتے ہیں اور اگر اسکے مقابل کے ساتھ استعمال ہو تو پھر اس کا ایک معنی مخصوص ہو جاتا ہے تو نضح
اگر تنہا استعمال کیا جائے تو اس میں دونوں معنی کا احتمال ہوگا یعنی غسل بھی اور چھیننے مارنے کا بھی لیکن جب نضح کو
اس کے مقابل غسل کے ساتھ استعمال کیا جائیگا تو پھر اس صورت میں نضح کے معنی صرف چھینیں مارنے کے ہونگے
اور جن حدیثوں میں نضح کا لفظ آیا ہے تو ان میں اس کے مقابل غسل نہیں ہے ، البتہ جس جگہ آیا ہے ”ینضح بول
الغلام ویغسل بول جاریہ“ تو وہاں حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ نضح معنی میں غسل خفیف کے ہے۔
نضح اور غسل میں فرق یہ ہے کہ نضح غسل خفیف ہے اور غسل سے مبالغہ کے ساتھ غسل مراد ہے۔

(۱۰) باب إعتکاف المستحاضة

استحاضہ والی عورت کے اعتکاف کا بیان

۳۰۹۔ حدثنا إسحاق قال : حدثنا خالد بن عبد الله ، عن خالد ، عن عكرمة ،
عن عائشة أن النبي ﷺ إعتكف معه بعض نسائه وهي مستحاضة ترى الدم فربما وضعت
الطست تحتها من الدم . وزعم عكرمة أن عائشة رأت ماء البصفر فقالت : كأن هذا شيء
كانت فلانة تجده . [أنظر : ۳۱۰ ، ۳۱۱ ، ۳۰۳ ، ۲۴]
۳۱۰۔ حدثنا قتيبة قال : حدثنا يزيد بن زريع ، عن خالد ، عن عكرمة ، عن

۲۳ وفی سنن أبی داؤد ، کتاب الصوم ، باب فی المستحاضة تعتکف ، رقم : ۲۱۱۷ ، وسنن ابن ماجہ ، کتاب الصوم ، باب
فی المستحاضة تعتکف ، ۷۷۰ ، ۷۷۱ ، ومسند أحمد ، باقی مسند الأنصار ، باب حدیث السیدة عائشة ، رقم : ۲۳۸۳۹ ، وسنن
الدارمی ، کتاب الطہارة ، باب الکدرة اذا كانت بعد الحيض ، رقم : ۸۶۶ .

عائشة قالت : اعتكفت مع رسول الله ﷺ امرأة من أزواجه فكانت ترى الدم والصفرة والطست تحتها وهي تصلي . [راجع : ۳۰۹]

۳۱۱۔ حدثنا مسدد قال : حدثنا معتمر ، عن خالد ، عن عكرمة ، عن عائشة أن بعض أمهات المؤمنين اعتكفت وهي مستحاضة . [راجع : ۳۰۹]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ آپ ﷺ کی ازواج میں سے بعض نے اعتکاف کیا اس حالت میں کہ وہ مستحاضہ تھیں ”تری الدم“ تو وہ خون دیکھتی تھیں۔ یہ کون سی زوجہ مطہرہ تھیں؟

ان کے بارے میں بعض نے فرمایا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا تھیں۔

بعض نے کہا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔

بعض نے کہا کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا۔

وہ مستحاضہ تھی اور خون جاری تھا، اسی حالت میں انہوں نے اعتکاف کیا۔

”فربما وضعت الطست تحتها من الدم“۔

تو بعض اوقات یہ اپنے نیچے ایک طست رکھ لیتی تھیں۔ طست کے معنی ”تھال“ ہیں یعنی خون کی وجہ سے اپنے نیچے تھال رکھ دیتی تھیں تاکہ اگر خون آئے تو مسجد میں نہ گرے بلکہ اس تھال میں گرے۔

”وزعم عكرمة أن عائشة رأت ماء العصفور“

اور عکرمہ نے کہا ”زعم“ یہاں ”قال“ کے معنی میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ عصفور کا پانی دیکھا عصفور زرد رنگ کی ایک گھاس ہوتی ہے اور اس میں زرد رنگ کے پھول بھی آتے ہیں اس کو جب پانی میں ڈالتے ہیں تو پانی کا رنگ پیلا سا ہو جاتا ہے۔

ایک مرتبہ انہوں نے عصفور کا پانی دیکھا تو اس کو دیکھ کر کہا کہ ”كان هذا شيء كانت فلانة تجده“ یہ پانی کا پیلا پیلا رنگ نظر آ رہا ہے یہ گویا کہ ایسا ہے جیسا کہ فلاں عورت دیکھا کرتی تھی، غالب گمان یہ ہے کہ ”فلانة“ سے مراد یہاں پر وہی زوجہ مطہرہ ہیں جن کا ذکر پیچھے آیا تھا کہ انہوں نے استحاضہ کی حالت میں اعتکاف کیا تھا تو ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: کہ ان کو جو خون آتا تھا وہ ”ماء العصفور“ کے مشابہ تھا یعنی پیلا پیلا رنگ کا خون تھا۔

مستحاضہ اعتکاف میں بیٹھ سکتی ہے

اس حدیث کو نقل کرنے اور اسی کا ترجمہ الباب قائم فرمانے سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ استحاضہ کی حالت

میں عورت اعتکاف میں بھی بیٹھ سکتی ہے کیونکہ استخاضہ کی حالت میں اس کے اوپر حیض کے احکام جاری نہیں ہوتے لہذا حیض کی حالت میں تو مسجد میں داخل ہونا منع ہے لیکن استخاضہ کی حالت میں منع نہیں ہے اور اعتکاف بھی کر سکتی ہے اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ جب عورت مستخاضہ ہو تو ساری کی ساری عبادتیں انجام دے سکتی ہے، ان میں اعتکاف بھی داخل ہے اور یہ خون جو مستقل جاری ہے اس کی وجہ سے معذور کے حکم میں ہے اور معذور کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ وقت کی ابتداء میں وضو کر لے تو سارے وقت میں جو اس کو حدث لاحق ہوتا رہے گا اس سے وہ ایک وضو کافی ہو جائے گا۔

(۱۱) باب هل تصلي المرأة في ثوب حاضت فيه ؟

کیا عورت اس کپڑے میں نماز پڑھ سکتی ہے، جس میں حائضہ ہوئی تھی

۳۱۲۔ حدثنا أبو نعیم قال : حدثنا إبراهيم بن نافع ، عن ابن أبي نجيح ، عن مجاهد قال : قالت عائشة : ما كان لإحدانا إلا ثوب واحد تحيض فيه ، فإذا أصابه شيء من دم قالت بريقها فقصعته بظفرها . ۲۵

حضرت امام مجاہد رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہم میں سے کسی عورت کے پاس نہیں ہوتا تھا مگر ایک کپڑا پہننے کے لئے۔ ”تحیض فیہ“ اسی میں حیض بھی آجاتا تھا۔ ”فإذا أصابه شيء من دم“ جب اس کپڑے پر خون کا کوئی حصہ لگتا۔ ”قالت بريقها“ تو وہ اپنے تھوک سے اس پر عمل کرتا۔ ”قالت“ یہاں معنی میں ”فعلت“ یا ”عملت“ کے ہیں یعنی تھوک اس پر لگاتی۔ ”فقصعته بظفرها“ پھر اس کو ناخن سے کھرچ دیتی۔

حالت حیض والے کپڑوں میں نماز پڑھنے کا حکم

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے اس بات پر استدلال کیا کہ جس کپڑے میں حیض آ رہا ہو اسی کپڑے میں نماز پڑھنا بھی جائز ہے اگر اس سے نجاست کا ازالہ کر دیا گیا ہو، کیونکہ یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرما رہی ہیں کہ ہمارے پاس ایک ہی کپڑا ہوتا تھا۔ تو جب کپڑا ایک ہی ہے تو ظاہر ہے کہ جب حیض آ رہا ہے تو اسی میں نماز بھی پڑھے گی البتہ جو نجاست ظاہری لگ گئی اس نجاست کو دور کرنے کا طریقہ بتلا دیا کہ اس کو کھرچ کر الگ کر دے۔

معلوم ہوا کہ حیض کے زمانے میں عورت نے جو کپڑے پہنے ہوئے ہیں اگر انکے اوپر نجاست ظاہری نہیں ہے تو اس میں نماز پڑھنا جائز ہے اور یہی ترجمۃ الباب ہے۔

(۱۲) باب الطيب للمرأة عند غسلها من الحيض

عورت کا اپنے حیض کے غسل کے وقت خوشبو لگانے کا بیان

۳۱۳۔ حدثنا عبد الله بن عبد الوهاب قال : حدثنا حماد بن زيد ، عن أيوب ، عن حفصة ، عن أم عطية قالت : كُنا ننهي أن نحد على ميت فوق ثلاث إلا على زوج أربعة أشهر وعشراً ، ولا نكتحل ، ولا نتطيب ، ولا نلبس ثوباً مصبوغاً إلا ثوب عصب . وقد رخص لنا عند الطهر إذا اغتسلت إحدانا من محيضها في نبذة من كسيت أظفار ، وكنا ننهي عن اتباع الجنائز ، قال : وروى هشام بن حسان ، عن حفصة ، عن أم عطية عن النبي ﷺ . [انظر : ۱۲۷۸ ، ۱۲۷۹ ، ۵۳۴۰ ، ۵۳۴۱ ، ۵۳۴۲ ، ۵۳۴۳] ۲۶

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”کنا ننهي أن نحد على ميت فوق ثلاث“ کہ ہمیں اس بات سے منع کیا جاتا تھا کہ ہم کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائیں ”الا على زوج“ سوائے شوہر کے یعنی عورت کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ تین دن سے زیادہ کسی اور شخص کا سوگ منائے اس طرح کہ اس میں خوشبو استعمال نہ کرے اور زیب و زینت کی چیزیں بھی استعمال نہ کرے یہ جائز نہیں۔ تین دن سے زیادہ چار مہینے دس دن شوہر کے لئے سوگ منایا جاسکتا ہے۔

”ولا نكتحل ولا نتطيب ولا نلبس ثوباً مصبوغاً الا ثوب عصب“

جب شوہر پر سوگ منائیں تو نہ سرمہ لگائیں نہ خوشبو لگائیں اور نہ رنگا ہوا کپڑا پہنیں سوائے ”ثوب عصب“ کے کپڑے کے۔ عصب کے کپڑے سے مراد وہ خاص کپڑا ہے جو ابتداً ہی سے رنگین کپڑا ہوتا تھا۔ ”وقد رخص لنا عند الطهر“ اور ہمیں اجازت دی گئی کہ جب ہم پاک ہوں حیض سے۔ ”اذا اغتسلت“

۲۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب وجوب الاحداد في عدة الوفاة وتحريمه في غير ذلك، رقم: ۲۷۳۹، وسنن النسائي، كتاب الطلاق، باب تجتنب الحادة من الثياب المصبغة، رقم: ۳۴۷۸، وسنن أبي داود، كتاب الطلاق، باب فيما تجتنب المعتدة في عدتها، رقم: ۱۹۵۹، وسنن ابن ماجه، كتاب الطلاق، باب هل تحدد المرأة على غير زوجها، رقم: ۲۰۷۸، ومسند أحمد، أول مسند البصريين، باب حديث أم عطية، رقم: ۱۹۸۶، من مسند القبائل، باب حديث أم عطية الأنصارية اسمها نسبية، رقم: ۲۶۰۴، وسنن الدارمي، كتاب الطلاق، باب النهي للمرأة عن الزينة في العدة، رقم: ۲۱۸۴.

احدانا من محيضها في نبذة من كست اظفار“ تو اس صورت میں تھوڑی سی ناخن کی خوشبو کی اجازت دی گئی ہے۔

ایام حیض میں خوشبو استعمال کرنے کا حکم

”کست“ [بافتح] اور ”کست“ [بالضم] یہ سب لغتیں ہیں۔

”کست اظفار“ ایک قسم کی خوشبو کو کہا جاتا ہے جو دھونی میں استعمال ہوتی ہے۔ ہمارے یہاں اردو میں ”نکھ“ کہتے ہیں۔ ۷۲ یہ ناخن کے شکل کی ہوتی ہے اور اس کو خوشبودار مٹی کے اندر تھپڑ کر پھر اسکی دھونی دی جاتا ہے۔ اس کو ”کست اظفار“ کہتے ہیں۔

”اظفار“ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ناخن کے مشابہ ہوتا ہے تو اس کی اجازت دی گئی کہ جب کوئی عورت حیض سے پاک ہو تو خواہ عدت میں ہو پھر بھی وہ یہ ”کست اظفار“ کی خوشبو استعمال کر سکتی ہے اور دھونی دے سکتی ہے، کیونکہ حیض کی حالت میں بدبو پیدا ہو جاتی ہے، بدبو کے ازالہ کے لئے اگر وہ خوشبو استعمال کرے تو جائز ہے۔

تو یہاں اس حدیث کا منشاء یہ ہے کہ عدت میں جبکہ عام خوشبو کا استعمال جائز نہیں ہوتا لیکن حیض سے پاک ہونے کے وقت میں نبی کریم ﷺ کی طرف سے ”کست اظفار“ استعمال کرنے کی اجازت دی گئی تو عام حالات میں جبکہ عورت حیض سے پاک ہو رہی ہو تو اس وقت بطریق اولیٰ خوشبو کا استعمال جائز ہوگا۔

سوال: ”باب الطيب للمرأة“ کے تحت جو حدیث نکالی ہے اس میں ”الاثوب عصب“ آیا جبکہ نسائی میں ”ولا ثوب عصب“ آیا ہے بظاہر دونوں میں تعارض ہے؟
جواب: یہ صحیح ہے کہ نسائی میں ”ولا ثوب عصب“ آیا ہے، مگر بخاری رحمہ اللہ کی روایت رائج ہے۔

(۱۳) باب دلک المرأة نفسها إذا تطهرت من المحيض

عورت جب کہ حیض سے پاک ہو تو غسل میں بدن کیسے ملے

”و كيف تغتسل وتأخذ فرصة ممسكة فتبع بها أثر الدم“۔

۳۱۴۔ حدثنا يحيى قال : حدثنا ابن عيينة ، عن منصور بن صفية ، عن أمه ، عن عائشة أن امرأة سألت النبي ﷺ عن غسلها من المحيض ؟ فأمرها كيف تغتسل ، قال : ((خذي فرصة من مسك فتطهري بها)) ، قالت : كيف أتطهر بها ؟ قال : ((سبحان الله ،

تطهري)) . فاجتبتها إلى فقلت : تتبعي بها أثر الدم . [أنظر : ۳۱۵ ، ۷۳۵۷] ۲۸

”غسل عن الحيض“ کا طریقہ

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ حیض سے غسل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

آپ ﷺ نے بتایا کہ ”خذی فرصة من مسك“ کہ ایک مشک سے لٹھیڑا ہوا پھایا لے لو جیسے روٹی کا پھایہ ہوتا ہے۔ ”فتطهري بها“ تو اس سے پاکی حاصل کرو، اس عورت کے سمجھ میں نہیں آئی تو اس نے کہا کہ کیسے پاکی حاصل کروں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تطهري بها“ پاکی حاصل کرلو۔ ”قالت : كيف اتطهر بها؟“ وہ اڑھی گئی بتائیے، کیسے طہارت حاصل کروں؟ اب حضور اقدس ﷺ کے لئے یہ بات ذرا شرم کی سی تھی کہ کیسے عورت کو بتائیں کہ کس طرح پاکی حاصل کریں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”سبحان الله تطهري“ یعنی اس پر تعجب کا اظہار فرمایا کہ تو بات سمجھ نہیں رہی ”تطهري“ پاکی حاصل کرو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”فاجتبتها إلى“ تو میں نے اس عورت کو اپنی طرف کھینچ لیا اور اس سے کہا ”تبعي بها أثر الدم“ مطلب یہ ہے کہ وہ پھانیہ لے کر جہاں جہاں خون لگا ہوا ہے اس کو لگا کر پاکی حاصل کرو۔

(۱۴) باب غسل المحيض

حیض کے غسل کا بیان

۳۱۵۔ حدثنا مسلم قال : حدثنا وهيب قال : حدثنا منصور ، عن أمه ، عن عائشة أن امرأة من الأنصار قالت للنبي ﷺ : كيف أغتسل من المحيض؟ قال : ((خذی فرصة ممسكة وتوضی ثلاثا)) ، ثم إن النبی ﷺ إستحيا فأعرض بوجهه أو قال : ((توضی بها)) . فأخذتها فجذبته ، فأخبرتها بما يريد النبی ﷺ . [راجع : ۳۱۴]

۲۸ وفی صحیح مسلم ، کتاب الحيض ، باب استحباب استعمال المغتسل من الحيض فرصة من مسك ، رقم : ۴۹۹ ، وسنن النسائی ، کتاب الطهارة ، باب ذكر العمل فی الغسل من الحيض ، رقم : ۲۵۱ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب الطهارة ، باب الإغتسال من الحيض ، رقم : ۲۷۰ ، وسنن ابن ماجه ، کتاب الطهارة وسننها ، باب فی الحائض كيف تغتسل ، رقم : ۶۳۳ ، ومسنند أحمد ، باقی مسند الأنصار ، باب حديث السيدة عائشة ، رقم : ۲۳۷۶۰ ، ۲۳۹۹۰ ، ۲۳۳۷۵ ، وسنن الدارمی ، کتاب الطهارة ، باب فی غسل المستحاضة ، رقم : ۷۶۶ .

یہاں غسل کے اوپر دو حرکتیں لگی ہوئی ہیں:

”غسل المحيض“ [بضم الغین] تو اس صورت میں ”محیض“ مصدر میسی ہوگا۔ مراد ہے حیض سے غسل کرنے کا طریقہ۔

اور اگر اس کو ”غسل“ [بفتح الغین] پڑھیں تو ”محیض“ مصدر میسی نہیں ہوگا، بلکہ ظرف مکان ہوگا۔ یعنی جس جگہ حیض لگا ہوا ہے اس کو دھونے کا طریقہ۔

(۱۵) باب امتشاط المرأة عند غسلها من المحيض

عورت کا اپنے غسل حیض کے وقت کنگھی کرنے کا بیان

۳۱۶۔ حدثنا موسى بن إسماعيل قال : حدثنا ابراهيم قال : حدثنا ابن شهاب ، عن عروة أن عائشة قالت : أهلك مع رسول الله ﷺ في حجة الوداع فكنت ممن تمتع ولم يسق الهدى ، فزعمت أنها حاضت ولم تطهر حتى دخلت ليلة عرفة فقالت : يا رسول الله ، هذه ليلة عرفة وإنما كنت تمتعت بعمره ؟ فقال لها رسول الله ﷺ : ((أنقضى رأسك و امتشطى ، و أمسكى عن عمرتك)) ففعلت ، فلما قضيت الحج أمر عبد الرحمن ليلة الحصة فأعمرنى من التعميم مكان عمرتى التى نسكت . [راجع : ۲۹۴]

احرام عمرہ کے بعد حیض آنے کا حکم

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں احرام باندھا تو میں ان عورتوں میں سے تھی جنہوں نے تمتع کیا تھا اور ہدی چلا کر نہیں گئی تھیں یعنی شروع میں عمرہ کا احرام باندھا تھا لیکن ہدی چلا کر ساتھ نہیں لے گئی تھیں۔

”فزعمت أنها حاضت“ تو کہتی ہیں کہ ان کو حیض آ گیا۔ ”ولم تطهر“ اور حیض سے پاک نہ ہوئی ”حتى دخلت ليلة عرفة“ یہاں تک کہ عرفہ کی رات داخل ہو گئی تو انہوں نے عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! هذه ليلة عرفة وإنما كنت تمتعت بعمره؟“ یہ عرفہ کی رات ہے اور میں نے عمرہ کا ارادہ کیا ہوا تھا۔ ”فقال لها رسول الله ﷺ انقضى رأسك و امتشطى ، و أمسكى عن عمرتك“ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنا سر اور مینڈھیاں کھول دو اور کنگھی کر لو اور اپنے عمرہ کی نیت ختم کر دو یعنی عمرہ کو چھوڑ دو، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا جب میں نے حج ادا کر لیا اس رات جس رات کہ محض میں قیام کیا گیا

تھا یعنی جس دن منی سے واپس آئے اور تھوڑی دیر کے لئے محض میں حضور ﷺ نے قیام فرمایا تھا۔ ”مکان
عمرة التی نسکت“ اس عمرہ کی جگہ جس کی میں نے نیت کی تھی۔

”کتاب الحيض“ سے مناسبت

اب یہاں اس واقعہ میں بہت سے احکام توجہ سے متعلق ہیں مثلاً یہ کہ پہلے آپ حدیث پڑھ کر آئے
ہیں تو اس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ صراحت کر رہی تھیں کہ ہم نے جب احرام باندھا تھا
تو ہماری نیت سوائے حج کے اور کوئی نہیں تھی اور یہاں کہہ رہی ہیں کہ تمتع کا احرام باندھا تھا، جس کا معنی یہ ہے کہ
عمرہ کا احرام باندھا تھا وغیرہ وغیرہ اور بھی اس طرح کے کئی مسائل ہیں ان مسائل کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ
”کتاب الحج“ میں آجائے گی۔ لیکن جو یہاں مقصود ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو حالت حیض کے اندر اور
غسل کے وقت میں گنگھی کرنے کا حکم دیا، تو معلوم ہوا کہ عورت غسل حیض کے وقت میں گنگھی کر سکتی ہے۔

(۱۶) باب نقض المرأة شعرها عند غسل المحيض

غسل حیض کے وقت عورت کو اپنے بالوں کے کھولنے کا بیان

۳۱۷۔ حدثنا عبيد بن اسماعيل قال : حدثنا أبو أسامة ، عن هشام ، عن أبيه ،
عن عائشة قالت : خرجنا موافقين لَهلال ذى الحجة ، فقال رسول الله ﷺ : ((من أحب أن
يهلّل بعمره فليهلّل ، فإنى لولا أنى أهديت لأحللت بعمره)) ، فأهل بعضهم بعمره ،
وأهل بعضهم بحج ، وكنت أنا ممن أهل بعمره فأدركنى يوم عرفة وأنا حائض فشكلت
إلى النبى ﷺ فقال : ((دعى عمرتك ، وانقضى رأسك ، وامتشطى وأهلى بحج)) ،
ففعلت حتى إذا كان ليلة الحصبة أرسل معى أخى عبد الرحمن بن أبى بكر ، فخرجت إلى
التنعيم ، فأهللت بعمره مكان عمرتى . قال هشام : ولم يكن فى شىء من ذلك هدى
ولا صوم ولا صدقة . [راجع: ۲۹۴]

اختلاف روایت اور اس کی وجہ

اس میں حدیث تو وہی نقل کی ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے واقعہ کا ذکر ہے لیکن اس کے
آخر میں یہ اضافہ ہے کہ هشام نے کہا ”ولم يكن فى شىء من ذلك هدى ولا صوم ولا صدقة“ کہ
آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان میں سے کسی چیز کا بھی حکم نہیں دیا یعنی نہ تو خود ان کی طرف سے ہدی

کی قربانی فرمائی اور نہ ہی ان کو روزہ رکھنے اور صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی نہیں ہوئی تھی، لیکن دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی ازواج کی طرف سے بقرہ کی قربانی دی تھی۔ کیونکہ جب وہ خود کہہ رہی ہیں کہ میں نے تمتع کیا تھا تو تمتع کیا ہوا قرآن، دونوں صورتوں میں دم آتا ہے۔ اس لئے یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ چنانچہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ہشام بن عروہ نے جو یہ بات کہی ہے یہ اپنے علم کے مطابق کہی ہے ورنہ دوسری روایتوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے قربانی کی۔ ۲۹

(۱۷) باب : ﴿مُخَلَّقَةٌ وَغَيْرُ مُخَلَّقَةٍ﴾ [الحج : ۵]

اللہ ﷻ کے ارشاد ”مخلقة وغير مخلقة“ کا کیا مطلب

۳۱۸۔ حدثنا مسدد قال : حدثنا حماد ، عن عبيد الله بن أبي بكر ، عن أنس بن مالك عن النبي ﷺ قال : ((إن الله عز وجل وكل بالرحم ملكاً يقول : يا رب نطفة ، يا رب علقه ، يا رب مضغة ، فإذا أراد أن يقضي خلقه قال : أذكر أم أنثى ؟ شقي أم سعد ؟ فما الرزق والأجل ؟ فيكتب في بطن أمه)) [انظر : ۳۳۳ ، ۶۵۹۵ ، ۳۰]

”مخلقه وغير مخلقه“ کی تعبیر

یہ باب اللہ ﷻ کے ارشاد ”مخلقة وغير مخلقة“ کی تفسیر میں ہے۔ اور اس میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہوا ہے۔ جب رحم کے اندر نطفہ استقرار پاتا ہے تو اس وقت یہ فرشتہ اللہ ﷻ سے کہتا ہے کہ یا رب نطفہ ! کہ اے نطفہ کے پروردگار، یہ نطفہ بن گیا، پھر بعد میں جب علقہ کی صورت اختیار کرتا ہے تو کہتا ہے کہ یا رب علقہ ! یعنی اے علقہ کے پروردگار، پھر جب وہ مضغہ کی صورت اختیار کرتا ہے تو کہتا ہے کہ یا رب مضغہ ! کہ اے مضغہ کے پروردگار ”فإذا أراد الله أن يقضي خلقه“ جب اللہ ﷻ اس نطفہ کو علقہ اور مضغہ کو تخلیق کرنا چاہتے ہیں۔ ”قال :“ تو اس وقت فرشتہ کہتا ہے کہ ”أذكر أم أنثى ؟“ کہ اس کو مذکر بنانا ہے یا مؤنث ؟ ”شقي أم سعيد ؟“ ”فما

۲۹ انظر : صحيح البخاری، رقم : ۲۹۴، وحاشیہ، روی جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، أنه عليه الصلوة والسلام، أهدى عن عائشة بقره.

۳۰ وفی صحیح مسلم، کتاب القدر، باب كيفية خلق الآدمی فی بطن أمه وكتابة رزقه وأجله، رقم : ۴۸۵، ومسند احمد، باقی مسند المکثرین، باب مسند انس بن مالک، رقم : ۱۲۰۴۲، ۱۱۷۱۳.

الرزق و الأجل“ کہ کتنا اس کا رزق مقرر ہوگا کتنی عمر ہوگی؟ ”فیكتب فی بطن أمه“ تو یہ باتیں ساری اسوقت لکھ دی جاتی ہیں جبکہ بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے۔ اس کا رزق، اس کی عمر، اس کی شقاوت و سعادت بھی لکھ دی جاتی ہیں اور اس کے مذکر و مؤنث ہونے کا فیصلہ بھی کر دیا جاتا ہے۔

حدیث باب کی کتاب الحيض سے مناسبت میں مختلف اقوال

یہ حدیث امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں پر روایت کی ہے اور باب قائم کیا ہے کہ باب قول اللہ ”مخلقة و غیر مخلقة“ شرح اس بات میں حیران ہوئے ہیں کہ اس باب کا اور اس حدیث کا حیض کے مسائل سے کیا تعلق ہے؟ ساری گفتگو جو آگے پیچھے آرہی ہے وہ حیض اور استحاضہ کے بارے میں ہے۔ تو بظاہر ”مخلقة و غیر مخلقة“ اور یہ بات کہ نطفہ ہوتا ہے پھر علقہ، مضغہ اور پھر اس کی ساری تقدیر لکھ دی جاتی ہے اس کا بظاہر حیض اور استحاضہ سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا، تو امام بخاری رحمہ اللہ یہ باب یہاں پر کیوں لائے ہیں؟ اور کس وجہ سے یہ حدیث ذکر فرمائی ہے؟

بعض شراح بخاری نے اس کے بارے میں یہ کہا کہ بس سیدھی سی بات یہ ہے کہ چلتے چلتے امام بخاری رحمہ اللہ کے ذہن میں آ گیا کہ حیض اور استحاضہ کے مسائل چل ہی رہے تھے تو بعض اوقات ادنیٰ ملاہست سے کسی طرف امام بخاری رحمہ اللہ کا ذہن منتقل ہو جاتا ہے تو اس کے مطابق وہ باب قائم فرمادیتے ہیں۔

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ باب محض ادنیٰ ملاہست کی وجہ سے آ گیا ہے کہ حیض و نفاس کا معاملہ چل رہا تھا تو اس میں خون کا ذکر تھا، اب وہ خون کسی وقت علقہ اور مضغہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس واسطے اس ادنیٰ ملاہست کی وجہ سے اس کا ذکر کر دیا۔ مقصد اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے۔

لیکن یہ بات اس واسطے قابل اطمینان معلوم نہیں ہوتی کہ اگر تفسیر کرنا ہی مقصد ہوتا تو کتاب التفسیر میں اس کو لے آتے، لہذا دوسرے حضرات نے اس کی مختلف توجیہات کی ہیں:

ترجمۃ الباب کی پہلی توجیہ

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے ”فیض الباری“ میں اس کی توجیہ یوں فرمائی ہے کہ یہ باب درحقیقت پیچھے اس باب کا تکرار ہے جس میں امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ ”باب من سمي النفاس حیضاً“ یعنی نفاس پر حیض کا اطلاق یا حیض پر نفاس کا اطلاق جو پیچھے گزرا ہے، اس کا تتمہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں پر اس باب میں قائم فرمایا ہے۔ ۳۱

مزید اس کی تشریح یہ ہے کہ اس باب میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث آئی ہے جو امام طبری رحمہ اللہ نے تخریج کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس حدیث میں یہ فرماتے ہیں جو ان کا اپنا قول ہے کہ ”اذا وقعت النطفة في الرحم بعث الله ملكا فقال يا رب مخلقة أو غير مخلقة“ جب کوئی نطفہ رحم میں جاتا ہے تو اللہ جل جلالہ ایک فرشتہ کو بھیجتے ہیں اور وہ اللہ جل جلالہ سے سوال کرتا ہے کہ یا اللہ! یہ نطفہ جو جا رہا ہے تو آیا یہ مخلقہ ہوگا یا غیر مخلقہ؟ معنی یہ ہے کہ آیا اس نطفہ سے آپ نے کسی انسان کی تخلیق مقدر فرمائی ہے یا مقدر نہیں فرمائی؟ تو کہتے ہیں کہ ”فان قال غير مخلقة“ اللہ جل جلالہ جواب میں اگر یہ فرمادیں کہ یہ نطفہ غیر مخلقہ ہے کہ اس سے کسی بچے کی تخلیق مقدر نہیں ہے تو ”مجتها الرحم دماً“ تو رحم اس نطفہ کو خون کی شکل میں باہر پھینک دیتا ہے جس وقت حیض جاری ہوتا ہے۔

”وان قال مخلقة“ اور اگر اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں کہ یہ نطفہ مخلقہ ہے تو اس صورت میں وہ پوچھتا ہے کہ ”یا رب کذا وکذا“ کہ پروردگار اس کی کیا صفت ہوگی، مذکر ہوگا یا مؤنث، شقی ہوگا یا سعید؟ یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے جو امام طبری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ ۳۲

امام بخاری رحمہ اللہ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ دیکھو اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جب نطفہ قرار پاتا ہے تو اگر وہ غیر مخلقہ ہو تب تو رحم اس کو خون کی شکل میں پھینک دیتا ہے جو حیض بن جاتا ہے۔

اور اگر بالفرض مخلقہ ہو تو پھر اسی حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ خون جاری نہیں ہوتا بلکہ جمع ہوتا رہتا ہے اور اس بچے کی جو حمل کی شکل میں ہے وہی خون نو مہینے تک غذا بنتا ہے اور جب وضع حمل ہوتا ہے تو اس کے بعد وہ باہر خارج ہوتا ہے جس کو نفاس کہتے ہیں۔ تو خون ایک ہی ہے لیکن اگر بچے کی تخلیق مقدر نہیں ہے تو حیض کی شکل میں خارج ہو گیا اور اگر بچے کی تخلیق مقدر ہے تو وہ خون محفوظ رہا۔ یہاں تک کہ ولادت کے بعد نفاس کی شکل میں خارج ہوا لیکن خون ایک ہی ہے۔

اس سے پتا چلا کہ درحقیقت نفاس اور حیض کی ماہیت ایک ہی ہے صرف ان کے خروج کے وقت میں فرق ہے۔ لہذا جو حکم حیض کا ہے وہی حکم نفاس کا بھی ہے۔

پیچھے جو ترجمہ قائم کیا تھا ”باب من سمي النفاس حیضاً“ اسی کا تکرار اور تہہ یہاں پر فرمادیا کہ ”مخلقة و غیر مخلقة“ مخلقہ ہو تو خون نفاس کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور غیر مخلقہ ہو تو خون حیض کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، لیکن احکام دونوں کے ایک ہی ہیں۔

۳۲ قال: اذا وقعت النطفة في الرحم بعث الله ملكا فقال يا رب مخلقة أو غير مخلقة فان قال غير مخلقة مجتها الأرحام دماً وإن قال مخلقة قال يا رب فما صفة هذه النطفة أذكر أم أنثى ما رزقها ما أجلها أشقى أو سعيد قال فيقال له انطلق إلى أم الكتاب الخ، تفسیر الطبری، ج: ۴، ص: ۱۱۷، وعمدة القاری، ج: ۳، ص: ۱۳۸، وفتح الباری، ج: ۱، ص: ۴۱۹.

ترجمہ الباب کی دوسری توجیہ

لیکن زیادہ تر شرح اس کی ایک اور توجیہ کرتے ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمہما اللہ وغیرہ نے کی ہے وہ حضرات اس کی توجیہ یہ کرتے ہیں کہ درحقیقت یہاں ایک فقہی مسئلہ بیان کرنا مقصود ہے اور وہ فقہی مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو حالت حمل میں حیض آجائے تو آیا اس پر حیض کے احکام جاری ہونگے یا اس کو استحاضہ سمجھا جائے گا۔ اس میں اختلاف ہے۔

حالت حمل کا خون اور اقوال ائمہ

(۱) امام اعظم ابو حنیفہ، امام احمد بن حنبل اور ایک روایت کے مطابق امام مالک رحمہم اللہ یہ فرماتے ہیں کہ حالت حمل میں جو خون جاری ہو وہ حیض نہیں ہوتا اور اس پر استحاضہ کے احکام جاری ہوں گے۔ لہذا اس زمانے میں عورت نماز، روزہ ترک نہیں کرے گی بلکہ نماز بھی پڑھے گی اور روزہ بھی رکھے گی۔ ۳۳

(۲) امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم بھی یہی ہے۔ ۳۴

(۳) لیکن امام شافعی رحمہ اللہ قول جدید میں یہ فرماتے ہیں کہ اگر حالت حمل میں خون جاری ہو گیا تو اس پر بھی حیض کے احکام جاری ہونگے بشرطیکہ اس کو مدت وغیرہ کے لحاظ سے حیض قرار دینا ممکن ہو جیسے مثلاً پندرہ دن کے بعد آیا ہو، تو اگر اس کو حیض قرار دینا ممکن ہو تو اس کو حیض قرار دیں گے۔

لہذا حاملہ بھی حائضہ ہو سکتی ہے اور جب اس کو حیض آئے گا تو اس کے اوپر حائضہ کے احکام جاری ہونگے یعنی نماز بھی چھوڑے گی اور روزہ بھی چھوڑے گی۔ ۳۵

(۴) امام مالک رحمہ اللہ کی ایک روایت بھی اس کے مطابق ہے۔ ۳۶

(۵) اور امام بخاری رحمہ اللہ اس معاملے میں حنفیہ اور جہنوری کے قول کے قائل ہیں یعنی وہ بھی یہی کہتے

ہیں کہ حالت حمل میں اگر خون آئے تو وہ حیض نہیں ہو سکتا بلکہ استحاضہ ہے۔ ۳۷

۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ومن ذہب إلی أن الحامل لا تحيض الكوفیون، وإليه ذهب أبو حنیفة وأصحابه وأحمد بن حنبل وأبو ثور وابن المنذر والأوزاعی والثوری وأبو عیبد وعطاء والحسن البصری وسعید بن المسیب ومحمد بن المنکدر وجابر بن زید والشعبی ومکحول والزہری والحکم وحماد والشافعی فی أحد قولیه، وهو قوله القديم، وقال فی الجدید: إنها تحيض، وبه قال اسحاق، وعن مالک روايتان، وحکی عن بعض المالکیة: إن کان فی آخر الحمل فلیس بحیض، وذكر الداودی أن الاحتیاط أن تصوم وتصلی ثم تقضی الصوم ولا یاتیها زوجها.

وقال ابن بطل: غرض البخاری بادخال هذا الحديث فی أبواب الحيض تقوية مذهب من يقول: إن الحامل

گویا حمل اور حیض میں تعارض ہے، تضاد اور تناقض ہے۔ دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔ تو امام بخاری رحمہ اللہ اس باب میں حنفیہ اور جمہور کی تائید کرنا چاہتے ہیں۔

جمہور کی پہلی دلیل

اور وجہ استدلال یہ ہے کہ اس آیت کریمہ، حدیث اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ اگر بچے کی ولادت مقدر ہوتی ہے تو خون کو روک لیا جاتا ہے اور اگر بچے کی ولادت مقدر نہیں ہوتی تو پھر وہ خون حیض کی شکل میں جاری ہو جاتا ہے، تو یہ قضیہ منفصلہ حقیقیہ ہے یعنی ”إما الحمل وإما الحيض“ کہ یا حمل ہوگا یا حیض ہوگا۔

حیض اس وقت ہوگا جبکہ اللہ جل جلالہ کی طرف سے اس نطفے کا بچہ بننا مقدر نہیں ہوتا تب وہ حیض بنتا ہے، لیکن اگر بچہ بننا مقدر ہے تو وہ پھر حیض نہیں بنتا بلکہ اس صورت میں وہ بچے کے لئے محفوظ رہتا ہے۔ تو دونوں میں تباہی ہو گیا۔ اس سے پتہ چلا کہ حالت حمل میں حیض نہیں ہوتا، کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں دونوں چیزیں الگ الگ بیان کی گئی ہیں کہ اگر تخلیق مقدر نہیں ہوتی تو رحم اس کو دم کی شکل میں پھینک دیتا ہے اور اگر تخلیق مقدر ہوتی ہے تو اس کو محفوظ کر لیتا ہے تو دونوں متباہین حالتیں بیان کر دی گئیں۔ جس سے پتہ چلا کہ حالت حمل میں حیض نہیں ہو سکتا۔

جمہور کی دوسری اور قوی دلیل

اس میں جمہور کی ایک قوی دلیل یہ بھی ہے کہ استبراء رحم کے جتنے احکام ہیں خواہ وہ زوجہ کے سلسلے میں عدت ہو یا امۃ کے سلسلے میں استبراء ہو یا کسی بھی غیر منکوحہ کے سلسلے میں استبراء ہو تو وہ استبراء کا ہے سے ہوتا ہے؟ یہ دیکھنے کیلئے کہ آیا اس کو حمل ہے کہ نہیں؟

اس کیلئے حیض ہی دیکھتے ہیں، مثلاً مطلقہ کو طلاق دیدی تو ”یتربصن بانفسهن ثلاثہ قروء“ تین حیض اس کو گزارنے ہوتے ہیں یہ دیکھنے کے لئے کہ آیا اس کو حمل تو نہیں ہے؟

اگر حالت حمل میں بھی حیض آ سکتا تو پھر یہ حیض عدم حمل کی علامت نہ بنتا اور اس سے استبراء محقق نہ ہوتا، تو ان تمام باتوں سے بھی یہ بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ حالت حمل میں آنے والا خون حیض نہیں ہوتا بلکہ وہ استحاضہ ہوتا ہے یعنی اگر غلطی سے کسی بیماری کی وجہ سے حالت حمل میں خون جاری ہو بھی جائے تو اس پر استحاضہ کے احکام جاری ہونگے، یہ مسئلہ بیان کرنا مقصود تھا اور اس کیلئے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کیا ”باب قول اللہ عزوجل مخلقة وغير مخلقة“ اور اس میں حدیث نقل کر دی، کیونکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر

امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر نہیں تھا، اس واسطے اس کو روایت نہیں کیا اور یہ حدیث مرفوع شرط پر تھی اس لئے یہ روایت کردی۔ ۳۸

سوال:

اگر حیض کی وجہ سے ہی پتہ چل جاتا ہے کہ حمل نہیں ہے تو پھر ایک ہی حیض کافی ہونا چاہئے؟

جواب:

جہاں صرف استبراء مقصود ہوتا ہے وہاں ایک حیض بھی کافی ہوتا ہے۔ مثلاً کسی شخص نے باندی خریدی تو اس سے وطی اس وقت تک جائز نہیں ہوتی جب تک کہ استبراء نہ کر لے تو استبراء کرنے کا مقصد کہ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ پہلے مالک سے اس کو حمل ہوا ہو، تو اس کو معلوم کرنے کیلئے ایک حیض کافی ہے۔ لیکن عدت کے سلسلے میں صرف ایک حیض کو عدت قرار نہیں دیا گیا، اس کی وجہ کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ جہاں صرف استبراء مقصود ہو تو وہاں ایک حیض بھی کافی ہو جاتا ہے لیکن جہاں استبراء کے ساتھ ساتھ سابق شوہر کا اکرام بھی مقصود ہو تو وہاں صرف ایک حیض کافی نہیں سمجھا جائے گا۔ اس لئے وہاں جو زیادہ حیض مقرر کئے گئے یعنی تین قروء یا چار مہینے دس دن تو اس کی وجہ محض استبراء نہیں ہے بلکہ زوج سابق کا اکرام بھی مقصود ہے۔

(۱۸) باب كيف تهل الحائض بالحج و العمرة

حائضہ عورت حج اور عمرہ کا احرام کس طرح باندھے

۳۱۹۔ حدثنا يحيى بن بكير قال : حدثنا الليث ، عن عقيل ، عن ابن شهاب ، عن عروة ، عن عائشة قالت : خرجنا مع النبي ﷺ في حجة الوداع فمنا من أهل بعمره ، ومنا من أهل بحج ، فقدمنا مكة فقال رسول الله ﷺ : " من أحرم بعمره ولم يهد فليحلل ، ومن أحرم بعمره وأهدى فليحل حتى يحل بنحر هديه ، ومن أهل بحج فليتم حجه " قالت : فحضت ولم أزل حائضاً حتى كان يوم عرفة ولم أهلل الا بعمره ، فأمرني النبي ﷺ أن أنقص رأسي وأمتشط وأهل بحج ، وأترك العمرة ، ففعلت ذلك حتى

۳۸ فجعل ﷺ وجود الحيض علماً على براءة الرحم من الحمل في الحديثين، ولو جاز اجتماعهما لم يكن دليلاً على انتفائه، ولو كان بعد الاستبراء بحيضة احتمال الحمل لم يحل وطؤها للاحتياط في أمر الإيضاع، كذا ذكره العيني في عمدة القاري، ج: ۳، ص: ۱۴۷.

قضيت حجتی . فبعث معی عبد الرحمن بن بکر ، وأمرنی أن اعتمر مکان عمرتی من التبعیم . [راجع : ۲۹۴]

حالت حیض میں تلبیہ پڑھنے کا حکم

یہ وہی واقعہ ہے جو بار بار آرہا ہے یہاں پر مقصود یہ ہے کہ حائضہ عورت حج یا عمرہ کا احرام کیسے باندھے اور تلبیہ کیسے پڑھے؟ تو بتلانا یہ مقصود ہے کہ حالت حیض میں تلبیہ پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس بات سے استدلال کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو یہ حکم دیا کہ تم اپنے عمرہ کو تو فرض کر دو (یعنی چھوڑ دو) اور اب حج کا احرام باندھو تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حج کا احرام اس وقت باندھا جبکہ وہ حالت حیض میں تھی تو گویا تلبیہ حالت حیض میں پڑھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حالت حیض میں تلبیہ پڑھنا جائز ہے۔ یہاں مقصود صرف اتنا ہے اور اس سے متعلق باقی احکام ان شاء اللہ تعالیٰ ”کتاب الحج“ میں آئیں گے۔

(۱۹) باب اقبال المحیض و ادبارہ

حیض کا زمانہ کب آتا ہے اور کب ختم ہو جاتا ہے؟

”وكن نساء یبعثن الى عائشة بالدرجة فیها الكرسف ، فیہ الصفرة ، فتقول : لا تعجلن حتی ترین القصة البيضاء ، ترید بذلك الطهر من الحيضة ، وبلغ ابنة زید بن ثابت أن نساء یدعون بالمصباح من جوف الليل ، ينظرن الى الطهر فقالت : ما كان النساء یصنعن هذا وعابت علیهن“.

یہ باب ہے ”باب اقبال المحیض و ادبارہ“ یعنی حیض کا آنا اور جانا۔ چونکہ متعدد احادیث میں حضور اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ”فاذا أقبلت الحيضة فدعی الصلوة ، و اذا أدبرت فاغتسلی و صلی“ تو یہاں امام بخاری رحمہ اللہ اقبال اور ادبار کی تفسیر کرنا چاہتے ہیں کہ اقبال و ادبار کا کیسے پتہ چلے گا؟

اقبال اور ادبار میں ائمہ کا اختلاف

(۱) اقبال اور ادبار کے ایک معنی حنفیہ یہ کرتے ہیں کہ اگر عورت معنادہ ہے تو اس کے ایام عادت

کا شروع ہونا اقبال ہے اور ایام عادت کا ختم ہونا ادبار ہے۔ ۳۹
(۲) دوسرے فقہاء جیسے امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ بعض اوقات اقبال و ادبار کی تفسیر الوان سے کرتے ہیں کہ اگر خون سیاہ رنگ کا ہے یا خوب اچھی طرح سرخ ہے تو یہ خون کا اقبال ہے اور خون کا ادبار یہ ہے کہ وہ رفتہ رفتہ ہوتے ہوتے پیلا ہٹ کی طرف مائل ہو جائے۔ تو جو عورت ان الوان میں تمیز کر سکتی ہو تو اقبال و ادبار کا فیصلہ الوان کے ذریعہ کرے گی، اسی واسطے ان کے ہاں تمیز بالالوان معتبر ہے۔

حنفیہ کی دلیل

حنفیہ کے ہاں تمیز بالالوان معتبر نہیں ہے بلکہ سیدھی سی بات ہے کہ جب ایام عادت شروع ہوں تو اقبال ہے اور ایام عادت ختم ہوں تو ادبار ہے۔ تمیز بالالوان کا کوئی اعتبار نہیں۔ لہذا ایام عادت میں جتنے رنگ کے بھی خون آئیں وہ سب کے سب حیض ہی شمار ہوں گے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں پر اسکی تائید میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایک اثر نقل کیا ہے ”وكن نساء يبعثن الى عائشة بالدرجة فيها الكبرسف“ کہ کچھ عورتیں تھیں جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک ڈبیہ بھیجتی تھیں جس کے اندر روئی رکھی ہوتی تھی اور وہ دکھاتی تھیں کہ دیکھیں یہ میں نے روئی رکھی ہوئی تھی اور اس پر اس رنگ کا خون آ رہا ہے تو آیا اس رنگ کے خون کو میں حیض سمجھوں یا استحاضہ سمجھوں، گویا کہ بھیجنے والی خواتین یہ سمجھتی تھیں کہ حیض اور استحاضہ کے درمیان امتیاز الوان سے ہوتا ہے اور وہ امتیاز کر نہیں سکتی تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جواب میں فرماتیں ”لا تعجلن حتی ترين القصة البيضاء“ کہ غسل کرنے میں جلدی نہ کرو جب تک کہ تم اس کپڑے کو بالکل سفید نہ دیکھ لو۔

تو مطلب یہ ہوا کہ جب تک خون سفید نہیں ہوتا تو جس رنگ کا بھی آ رہا ہے وہ سب حیض ہے۔ یہ اثر امام بخاری رحمہ اللہ نے تعلیقاً یہاں روایت کیا ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے اس کو مسنداً روایت کیا ہے۔ ۴۰ اور یہی حنفیہ کی دلیل ہے اس بارے میں کہ تمیز بالالوان معتبر نہیں۔

۳۹ وعند أصحابنا الحنفية: علامة إنبار الحيض وانقطاعه الزمان والعادة، فإذا اخلت عادتها تحررت، وإن لم يكن لها ظن

أخذت بالآقل، عمدة، ج: ۳، ص: ۱۵۳۔

۴۰ مؤطا مالک، کتاب الطهارة، باب طهر الحائض، رقم: ۱۱۷، ج: ۱، ص: ۵۹، وعمدة القاری، ج: ۳، ص: ۱۵۶۔

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کی دلیل

جو حضرات یعنی ائمہ ثلاثہ تمیز بالالوان کے قائل ہیں، ان کا استدلال صرف ایک حدیث حضرت فاطمہ بنت ابی حیشؓ کی ہے جو ابوداؤد میں آئی ہے۔ اس میں الفاظ محل استدلال یہ ہیں ”فانه دم أسود يعرف“ کہ یہ ایک سیاہ رنگ کا خون ہوتا ہے جو پہچان لیا جاتا ہے تو وہ حضرات کہتے ہیں کہ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے رنگ کے ذریعہ پہچاننے کو تسلیم فرمایا۔ لہذا معلوم ہوا کہ تمیز بالالوان معتبر ہے۔ ۴۱

حنفیہ کا جواب

حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث جو ابوداؤد میں آئی ہے یہ حدیث سنداً متکلم فیہ ہے، اس لئے کہ امام ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت کو ابن ابی عدی نے ایک مرتبہ اپنی کتاب سے سنایا اور ایک مرتبہ حافظہ سے سنایا؛ جب کتاب سے سنایا تو اسے فاطمہ بنت ابی حیش رضی اللہ عنہا کی روایت قرار دیا اور جب حافظہ سے یہ روایت سنائی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت قرار دیا۔ ۴۲

ابوداؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث علاء بن المسیبؓ سے بھی مروی ہے اور شعبہؓ سے بھی، علاء بن المسیبؓ سے مرفوعاً مروی ہے اور شعبہ سے موقوفاً۔ اس طرح یہ حدیث مضطرب ہے اور دوسری کسی حدیث سے اس کی تائید بھی نہیں ہوتی۔ لہذا یہ حدیث قوت و صحت کے اعتبار سے حنفیہ کے ہاں قابل استدلال نہیں۔

”وبلغ ابنة زيد بن ثابت أن نساء يَدْعُون بالمصباح من جوف الليل، ينظرن إلى الطهر فقالت: ما كان النساء يصنعن هذا وعابت عليهن“

ازالہ وہم کیلئے بیان مسئلہ

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں یہ ایک دوسرا مسئلہ بیان کر دیا، مسئلہ یہ بیان کیا کہ بعض

۴۱ عن فاطمة بنت أبي حيش أنها كانت تستحاض فقال لها النبي ﷺ إذا كان دم الحيضة فانه أسود يعرف فإذا كان ذلك فامسكي عن الصلاة فإذا كان الآخر فتوضي وصلي فانما هو عرق الخ (سنن أبي داؤد، كتاب الطهارة، باب من قال إذا أقبلت الحيضة تدع الصلاة، رقم: ۲۴۷)

۴۲ قال ابوداؤد وقال ابن المثنى حدثنا به ابن أبي عدى من كتابه هكذا ثم حدثنا به بعد حفظاً قال حدثنا محمد بن عمرو بن الزهرى عن عروة عن عائشة أن فاطمة كانت تستحاض فذكر معنا _ فى ذيل حديث، رقم: ۲۴۷، باب من قال إذا أقبلت الحيضة تدع الصلاة

خواتین وہم کا شکار ہوتی ہیں کہ کب ہمازا خون ختم ہو رہا ہے یا ختم ہوا ہے یا نہیں؟ ہوتا یہ تھا کہ اس زمانے میں رات کو اندھیرا ہوا کرتا تھا اور ہر گھر میں چراغ بھی نہیں ہوتے تھے، تو رات کے وقت عورت سو رہی ہے اس کو سونے میں خیال آیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ رات کے کسی حصے میں خون منقطع ہو جائے اور جب رات کو خون منقطع ہوگا تو میرے اوپر عشاء کی نماز فرض ہو جائے گی۔

تو وہ عورتیں رات کو اٹھ کر بار بار چراغ منگواتیں اور دیکھتیں کہ آیا خون منقطع ہوا یا نہیں اور بعض اوقات ساری رات اس فکر میں گزار دیتی تھیں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی جو صاحبزادی تھیں ان کو اس بات کی اطلاع ملی کہ عورتیں اس طرح کرتی ہیں۔ تو انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں تو عورتیں ایسا نہیں کرتی تھیں اور اس بات کو انہوں نے برا سمجھا اور کہا کہ یہ صحیح طریقہ نہیں ہے، یہ معیوب طریقہ ہے۔

دین میں غلو کی اجازت نہیں

اور معیوب اس لئے ہے کہ یہ ”غلو فی الدین“ ہے، کیونکہ شریعت نے اس بات کا مکلف نہیں کیا کہ تم ساری رات جاگو اور ہر گھنٹے پر چراغ منگا کر دیکھا کرو کہ خون بند ہوا کہ نہیں؟

شریعت کا حکم سیدھا سادہا ہے کہ صبح کو اٹھ کر دیکھو اگر تمہیں کپڑا صاف نظر آئے اور غالب گمان یہ ہو کہ خون رات کے کسی حصے میں منقطع ہو گیا ہوگا تو غسل کرنے کے بعد عشاء کی نماز کی قضاء کر لو اور اس نماز کے مؤخر کرنے کا کوئی گناہ تمہارے اوپر نہیں ہوگا اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ خون ابھی طلوع فجر کے بعد منقطع ہوا ہے تو اس صورت میں عشاء کی نماز قضاء کرنے کی ضرورت نہیں۔ تو جب شریعت نے اتنا سیدھا سادہا حکم تمہارے لئے بیان کر دیا ہے اور عشاء کی قضاء کا گناہ بھی تمہارے اوپر نہیں ہے تو پھر اس کی کیا ضرورت ہے کہ بار بار اس طرح چراغ منگا کر دیکھا جائے۔ تو فرمایا ”بلغ ابنة الخ“ کہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کو اطلاع ملی کہ عورتیں وسط لیل میں چراغ منگواتی ہیں اور طہر کی طرف دیکھتی ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے زمانے میں عورتیں ایسا نہیں کیا کرتی تھیں۔

”وعابت عليهن“ اور ان کے اس عمل پر انہوں نے تنقید کی اور کہا کہ یہ عمل درست نہیں۔

۳۲۰ - حدثنا عبد الله بن محمد قال : حدثنا سفیان ، عن هشام ، عن أبيه ،

عن عائشة أن فاطمة بنت أبي حبيش كانت تستحاض ، فسألت النبي ﷺ فقال :

”ذلك عرق وليست بالحیضة ، فإذا أقبلت الحيضة فدعى الصلاة ، وإذا

أدبرت فاغتسلى وصلى“ ۳۳۔

عدم تمییز بالالوان کے مسئلہ میں حنفیہ کا استدلال

حنفیہ اس حدیث سے اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت ابی حشیش رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ نے یہ نہیں پوچھا کہ تمہیں رنگوں کی کچھ پہچان ہے اور رنگ دیکھ کر بتا سکتی ہو کہ کونسا رنگ حیض کا اور کونسا رنگ استحاضہ کا ہے؟ یہ نہیں پوچھا بلکہ صرف یہ فرمایا کہ اقبال ہو تو نماز چھوڑ دینا اور ادبار ہو تو نماز شروع کر دینا، تو یہ اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ اقبال اور ادبار ایسی معروف چیز ہے جس کو ہر کس و ناکس جانتا ہے اور وہ ہے ایام عادت کا اقبال اور ایام عادت کا ادبار۔

(۲۰) باب لا تقضى الحائض الصلاة

حائضہ عورت نماز کی قضا نہ کرے

وقال جابر وأبو سعيد عن النبي ﷺ : ((تدع الصلاة))۔

۳۲۱۔ حدثنا موسى بن إسماعيل قال : حدثنا همام قال : حدثنا قتادة ، قال :

حدثتني معاذة أن امرأة قالت لعائشة : أتجزئ إحدانا صلاحها إذا طهرت ؟ فقالت :

أحرورية أنت ؟ كنا نحيض مع النبي ﷺ فلا يأمرنا به ، أو قالت : فلا نفعله . ۳۲۲

۳۳۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب المستحاضة وغسلها وصلاتها، رقم: ۵۰۱، وسنن الترمذی، كتاب

الطهارة عن رسول الله، باب ما جاء في المستحاضة، رقم: ۱۱۶، وسنن النسائي، كتاب الحيض والاستحاضة، باب ذكر

الأقراء، رقم: ۳۵۶، وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب من روى أن الحيضة إذا أدبرت لا تدع الصلاة، رقم: ۲۳۳،

وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء في المستحاضة التي قد عدد أيام أقرانها، رقم: ۶۱۶، ومسند أحمد،

باقي مسند الأنصار، باب باقي المسند السابق، رقم: ۲۳۳۳۳، ۲۳۶۷۵، وموطأ مالك، كتاب الطهارة، باب

المستحاضة، رقم: ۱۲۲، وسنن الدارمي، كتاب الطهارة، باب في غسل المستحاضة، رقم: ۷۷۷۔

۳۴۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب وجوب قضاء الصوم على الحائض دون الصلاة، رقم: ۵۰۶، وسنن

الترمذی، كتاب الطهارة عن رسول الله، باب ما جاء في الحائض أنها لا تقضى الصلاة، رقم: ۱۲۰، وسنن النسائي،

كتاب الحيض والاستحاضة، باب سقوط الصلاة عن الحائض، رقم: ۳۷۹، وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في

الحائض لا تقضى الصلاة، رقم: ۲۲۹، وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب ما جاء في الحائض لا تقضى

الصلاة، رقم: ۶۲۳، ومسند أحمد، باقي مسند الأنصار، باب حديث السيدة عائشة، رقم: ۲۳۹۰۸، ۲۳۳۹۲،

۲۳۵۱۹، ۲۳۷۳۰، ۲۳۹۵۷، ۲۳۳۳۵، ۲۳۷۶۱، وسنن الدارمي، كتاب الطهارة، باب في الحائض تقضى الصوم

ولا تقضى الصلاة، رقم: ۹۶۳۔

حائضہ کا قضاء صوم اور عدم قضاء صلوٰۃ پر اجماع ہے

ایک عورت نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ کیا ہم میں سے کسی ایک کی نماز ہو جاتی ہے جب کہ وہ پاک ہو، یعنی حالت حیض میں تو ہم نماز پڑھتی نہیں اور پڑھنا منع ہے لیکن کیا پاک ہو جانے کے بعد قضاء کر لیں اور قضاء کر لینے سے وہ نمازیں اداء ہو جائیں گی؟ یعنی وہ یہ سمجھ رہی تھیں کہ جو نمازیں حالت حیض میں گزری ہیں ان کی قضاء ہمارے ذمہ واجب ہے، اس لئے پوچھ رہی تھیں کہ طہر کے بعد ہمارا نماز پڑھنا کافی ہو جائے گا؟

تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ”أحروية أنت؟“ ارے کیا تو خارجی ہے؟

حروریہ کا تعارف

”حروریہ“ حرور کی طرف منسوب ہے، یہ ایک جگہ کا نام ہے جہاں خوارج جمع ہوئے تھے۔ بعض اوقات خارجیوں کو حروری کہا جاتا ہے۔

یہ اس لئے فرمایا کہ خارجی اس بات کے قائل نہیں تھے کہ حائضہ سے نمازیں بالکل معاف ہو جاتی ہیں بلکہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ نماز اس وقت تو منع ہے لیکن جب پاک ہو جائے تو اس کے ذمہ قضاء واجب ہے، یہ خارجی عجیب مخلوق تھی، دنیا سے اس نے اپنے آپ کو کاٹ رکھا تھا اس لئے کہ اپنے سوا حب کو کافر کہتے تھے، تو چونکہ یہ سب کو کافر کہتے تھے اس لئے ان کے ساتھ میل جول کا تو کوئی سوال تھا نہیں لہذا نہ صحابہؓ سے ملتے تھے اور نہ تابعین سے ملتے تھے اس لئے ان کے پاس علم پہنچا نہیں، اس واسطے الٹی سیدھی باتیں کرتے تھے۔

ان باتوں میں سے ایک بات یہ بھی تھی کہ حیض کے ایام کی نمازوں کی قضاء واجب ہے۔ اس عورت نے جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا میں قضا کروں اور نماز کافی ہوگی؟ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ کیا تو خارجی ہے جو یہ بات پوچھ رہی ہے کہ قضاء واجب ہے۔ ”کنا نحيض مع النبي ﷺ فلا يأمرنا به أو قالت فلا نفعله“

(۲۲) باب من اتخذ ثياب الحيض سوى ثياب الطهر

جس نے حیض کے زمانہ کے لئے علیحدہ لباس تیار کر لیا

۳۲۳۔ حدثنا معاذ بن فضالة قال : حدثنا هشام ، عن يحيى ، عن أبي سلمة ، عن

زينب بنت أبي سلمة ، عن أم سلمة ، قالت : بينا أنا مع النبي ﷺ مضطجعة في خميلة

حضت، فانسملت فأخذت ثياب حيضتي فقال: ((أنفست؟)) فقلت: نعم، فدعاني فاضطجعت معه في الخميلة. [راجع: ۲۹۸]

اس حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ عورت کے لئے مناسب ہے کہ وہ حیض کے لئے کپڑے کچھ اور بنالے جو طہر میں پہننے کے علاوہ ہوں۔

(۲۳) باب شہود الحائض العیدین ودعوة المسلمین،

ويعتزلن المصلى

حائضہ عورت کا عیدین میں اور مسلمانوں کی دعوت میں حاضر ہونے کا بیان،

عورتیں نماز کی جگہ سے علیحدہ رہیں

۳۲۴۔ حدثنا محمد قال: أخبرنا عبد الوهاب، عن أيوب، عن حفصة، قالت: كنا نمنع عواتقنا أن يخرجن في العیدین، فقدمت امرأة فنزلت قصر بيني خلفي فحدثت عن أختها، وكان زوج أختها غزاً مع النبي ﷺ ثنتي عشرة، وكانت أختي معه في ست، قالت: كنا نداوي الكلمي ونقوم على المرض، فسألت أختي النبي ﷺ: أعلى إحدانا بأساً إذا لم يكن لها جلبابٌ أن لا تخرج؟ قال: ((تلبسها صاحبها من جلبابها، ولتشهد الخير، ودعوة المسلمين))، فلما قدمت أم عطية سألتها: أسمعت النبي ﷺ؟ قالت: بأبي نعم. وكانت لا تذكره إلا قالت: بأبي. سمعته يقول: ((تخرج العواتق وذوات الخدور، أو العواتق وذوات الخدور، والحيض، وليشهدن الخير ودعوة المؤمنين، ويعتزلن الحيض المصلى))، قالت حفصة: فقلت: آلهيض؟ فقالت: أليس تشهد عرفة وكذا وكذا؟ [انظر: ۳۵۱، ۹۷۱، ۹۷۳، ۹۸۰، ۹۸۱، ۱۶۵۲، ۳۵]

۵۵۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الصلاة العیدین، باب ذكر اباحه خروج النساء في العیدین الى المصلى، رقم: ۱۴۷۵، وسنن الترمذی، كتاب الجمعة عن رسول الله، باب ماجاء في خروج النساء في العیدین، رقم: ۳۹۵، وسنن النسائی، كتاب الحيض والاستحاضة، باب شهود الحيض العیدین ودعوة المسلمين، رقم: ۳۸۷، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب خروج النساء في العيد، رقم: ۹۶۱، وسنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ماجاء في خروج النساء في العیدین، رقم: ۱۲۹۸، ومسند أحمد أول مسند البصريين، باب حديث أم عطية، رقم: ۱۹۸۵۹، وسنن الدارمی، كتاب الطهارة، باب خروج النساء في العیدین، رقم: ۱۵۵۹.

حائضہ کی دعاء عیدین میں شرکت

حضرت حفصہ بنت سیرینؓ تابعیہ ہیں اور محمد بن سیرین رحمہ اللہ کی بہن ہیں، حضرت حفصہ فرماتی ہیں کہ ”کنا نمنع عواتقنا أن یخرجن فی العیدین“ ہم اپنی جوان عورتوں کو عیدین میں شریک ہونے سے منع کیا کرتی تھیں تو ایک عورت آئی اور قصر بنی خلف میں آکر اس نے قیام کیا، قصر بنی خلف بصرہ میں ایک محل تھا، اس عورت نے اپنی بہن کی طرف سے یہ حدیث سنائی جس کے شوہر نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ بارہ غزوات میں حصہ لیا تھا، جبکہ اس کی بہن ان بارہ غزوات میں سے چھ میں اپنے شوہر کے ساتھ شریک تھی، گویا یہ صحابیہ تھیں اور چھ غزوات میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھیں۔

”قالت: کنا نداوی الکلمی“ وہ کہتی ہیں کہ ہم زخموں کا علاج کرتی تھیں۔ ”ونقوم علی المرضی“ اور بیماروں کی عیادت اور تیمارداری کیا کرتی تھیں۔ تو میری بہن نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ کیا ہم میں سے کسی پر یہ گناہ ہے کہ اگر اس کے پاس کوئی چادر نہ ہو تو وہ نہ نکلے۔ اس سوال کا پس منظر یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تھا کہ عید کی نماز میں عورتیں بھی آئیں۔

”قال: لتلبسها صاحبته من جلبابها ولتشهد الخیر“ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس عورت کے پاس چادر نہ ہو تو اس کی دوست یا سہیلی کو چاہئے کہ وہ اپنی چادر اس کو پہنا دے اور بھلائی کے کام میں شامل ہو۔ اور عید کا اجتماع خیر کا اجتماع ہے لہذا وہاں حاضر ہو اور مسلمانوں کی دعا میں شریک ہو۔

”فلما قدمت أم عطية“ کہتے ہیں کہ جب بعد میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا آئیں اور ظاہر ایسا ہوتا ہے کہ یہی ام عطیہ اس خاتون کی بہن تھیں جو قصر بنی خلف میں ٹھہری تھی، ”واللہ اعلم“ جس کا نام پہلے نہیں لیا تھا۔ تو میں نے پوچھا کہ ”أسمعت النبی ﷺ“ کیا آپ نے حضور اقدس ﷺ کو یہ بات فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اگر کسی کے پاس چادر نہ ہو تو دوسری بہن اس کو چادر دیدے اور ضرور اجتماع میں حاضر ہو اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شریک ہو؟

”قالت بابی نعم“ تو ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہے کہ میرے باپ حضور اکرم ﷺ پر قربان ہوں، جی ہاں۔ بعض نے ”بابی“ کو قسم پر محمول کیا ہے یعنی میرے باپ کی قسم ہاں، لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ ”بابی“ سے مراد یہ کہ میرے باپ قربان ہوں نبی کریم ﷺ پر۔

”وکانت لاتذکرہ الا قالت: بابی“ اور کہتے ہیں کہ ام عطیہ کی عادت تھی کہ جب بھی نبی کریم ﷺ کا ذکر کرتیں تو ”بابی“ ضرور کہتی تھیں ”سمعتہ یقول: تخرج العواتق وذوات الخدور، أو العواتق ذوات الخدور والحيض“ کہتی کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے سنا کہ جوان عورتیں، پردہ والی

عورتیں اور حائضہ عورتیں یہ سب عید کے دن نکلیں ”و يشهدن الخير و دعوة المؤمنين و يعتزل
الحيض المصلى“ اور بھلائی کے کاموں میں اور مسلمانوں کی دعاؤں میں شامل ہوں اور جو عورتیں حائضہ
ہوں وہ عید گاہ سے الگ رہیں۔

مقصود امام بخاری رحمہ اللہ

اس باب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا یہی مقصود ہے کہ حائضہ عورت بھی اگر عید گاہ جائے تو عید گاہ سے
الگ بیٹھ جائے لیکن دعا میں شریک رہے اور دعا سے مراد خطبہ کی دعا ہے۔ ”قالت حفصه: فقلت:
الحيض؟“ حضرت حفصہؓ نے ام عطیہؓ سے کہا کہ کیا حائضہ عورتوں کو بھی آپ ﷺ نے نکلنے کا حکم دیا؟
فقالت: ”اليس تشهد عرفة وكذا وكذا؟“

تو ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ کیا حائضہ عورت عرفات میں حاضر نہیں ہوتی؟ اور فلاں فلاں مقامات
پر یعنی منیٰ یا مزدلفہ میں حاضر نہیں ہوتی؟ تو جب سب جگہ جاسکتی ہے تو مصلى تک جانے میں کیا قباحت ہے، تو
معلوم ہوا کہ حائضہ عورت بھی اس حکم میں داخل ہے۔ اب یہ کہ عید میں عورتوں کو نکلنا چاہئے یا نہیں تو اس کی تفصیل
ان شاء اللہ آگے عیدین کے باب میں آجائے گی۔

(۲۴) باب إذا حاضت في شهر ثلاث حيض،

جب کوئی عورت ایک مہینہ میں تین بار حائضہ ہو

وما يصدق النساء في الحيض والحمل، وفيها يمكن من الحيض لقول الله تعالى:

﴿وَلَا يَحِلُّ لهنَّ أَنْ يُكْتَمَنَّ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ﴾ [البقرة: ۲۲۸]

”ويذكر عن علي وشريح: إن جاءت ببينة من بطانة أهلها ممن يرضى دينه أنها

حاضت في شهر ثلاثا صدقت، وقال عطاء: أقرأوها ما كانت، وبه قال إبراهيم، وقال

عطاء: الحيض يوم إلى خمس عشرة، وقال معتمر عن أبيه: سألت ابن سيرين عن المرأة

تري الدم بعد قرنها بخمسة أيام، قال: النساء أعلم بذلك“.

حواس خمسہ ظاہرہ و باطنہ متوجہ کرنے کی ضرورت

باب قائم فرمایا ”باب إذا حاضت في شهر ثلاث حيض“ وما يصدق النساء في

الحيض والحمل الخ“:

امام بخاری رحمہ اللہ نے جو ترجمۃ الباب یہاں پر قائم کیا ہے یہ گہری توجہ چاہتا ہے۔ بقول حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے حواس خمسہ ظاہرہ و باطنہ جمع کر کے اس کو سمجھنا چاہئے اور یہ بھی ان ابواب میں سے ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ کے تراجم میں ذرا نسبتاً دقیق سمجھے جائے ہیں مواضع امتحان میں سے بھی ہے۔ یہاں دو جملے ترجمۃ الباب میں ذکر فرمائے ہیں:

پہلا جملہ یہ ہے کہ ”اذا حاضت فی شهر ثلاث حیض“

اور

دوسرا ہے ”وما یصدق النساء فی الحيض و الحمل“ دونوں مسئلوں پر گفتگو مقصود ہے اور دونوں مسئلے باہم ایک دوسرے کے ساتھ مرہبط ہیں۔

پہلا مسئلہ

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ کیا ایک عورت کو ایک مہینے میں تین حیض آنا ممکن ہے؟ یعنی کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی عورت کی پوری عدت طلاق ایک ہی مہینے میں گزر جائے؟

دوسرا مسئلہ

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حیض آنے یا نہ آنے کے بارے میں عورت کا تنہا بیان کافی ہے؟ یعنی عورت اگر یہ کہے کہ مجھے حیض آ گیا ہے یا حیض ختم ہو گیا ہے تو اسی کی تصدیق کریں یا یہ کہ اس پر بینہ قائم کرنا ضروری ہے؟ یہ دو الگ الگ مسئلے ہیں، لیکن باہم مرہبط بھی ہیں، کہ تصدیق ظاہر ہے کہ اسی صورت میں کی جائے گی جبکہ عورت جو دعویٰ کر رہی ہے اس کا وقوع عملاً ممکن ہو، لہذا دونوں کو ملا کر یوں سوال قائم کریں، کہ ایک عورت کو طلاق ہوئی اور طلاق کے تین دن گزرنے کے بعد اس نے کہا کہ میرے تین حیض پورے ہو گئے اور عدت گزر گئی تو آیا اسکی تصدیق کی جائے گی یا نہیں؟

طہر اور حیض کی اقل و اکثر مدت میں اختلاف فقہاء

اس پہلے مسئلہ میں فقہاء کرام کے درمیان اختلاف ہے اور یہ اختلاف طہر اور حیض کی اقل و اکثر مدتوں کے تعین پر مبنی ہے۔

حنفیہ کے ہاں اقل مدت حیض تین دن ہے اور اکثر مدت حیض دس دن ہے، اقل مدت طہر پندرہ دن۔ اور اکثر مدت طہر کی کوئی حد نہیں ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اقل مدت حیض ایک دن ایک رات ہے اور اکثر مدت حیض پندرہ دن اور اقل مدت طہران کے نزدیک بھی پندرہ دن ہیں یعنی ہم اور وہ اقل مدت طہر میں متفق ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اقل مدت حیض میں روایتیں مختلف ہیں:

ایک روایت ان کی یہ ہے کہ اقل مدت حیض کچھ بھی نہیں بلکہ ایک لحظہ ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ان کے نزدیک اقل مدت حیض ایک دن ہے اور اکثر مدت حیض میں بھی ان سے مختلف روایتیں ہیں، لیکن اس میں ہمیں بحث نہیں۔ ہمیں بحث اس بات سے ہے کہ اقل مدت طہر کتنی ہے اور اقل مدت طہر ان کے نزدیک تیرہ دن ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ سے بھی مختلف روایتیں ہیں:

زیادہ معروف روایت ان کی یہی ہے کہ اقل مدت حیض کچھ مقرر نہیں بلکہ ایک لحظہ بھی ہو سکتی ہے لیکن اقل

مدت طہر مقرر ہے یعنی پندرہ دن۔ ۳۶

امام مالک رحمہ اللہ کے قول کی تفصیل

امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ایک عورت کو اگر حیض شروع ہونے سے پہلے طہر کے بالکل انتہائی حصے پر طلاق دی گئی تو ایک لحظہ اس کا طہر ہوا اور پھر حیض شروع ہوا اور حیض کی بھی کوئی مقدار مقرر نہیں، لہذا ایک لحظہ حیض آیا، پھر فوراً طہر شروع ہو گیا، تو پندرہ دن تک طہر رہا، پھر ایک لحظہ دوسرا حیض آیا، پھر ایک دم سے پندرہ دن طہر رہا، پندرہ دن کے بعد ایک لحظہ کو تیسرا حیض آیا، تو تیس دن اور ایک لحظہ میں تین حیض ہو گئے۔ اس کا امکان موجود ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے قول کی تفصیل

امام احمد رحمہ اللہ کی اس بارے میں بھی روایتیں ہیں کہ عدت طہر سے شمار ہوگی یا حیض سے، ان کا قول قدیم امام شافعی رحمہ اللہ کے مطابق یہ ہے کہ عدت طلاق تین طہر ہیں، اور جدید قول یہ ہے کہ تین حیض ہیں۔ اگر قول قدیم کو دیکھا جائے تو اگر طہر کے آخری لحظہ میں طلاق دی تو وہ ایک لحظہ ایک طہر شمار ہو گیا، پھر ایک دن حیض آیا، تیرہ دن طہر، یہ دوسرا طہر ہوا، پھر ایک دن حیض، اور تیرہ دن تیسرا طہر جس پر عدت ختم ہو گئی، لہذا ۲۸ دن اور ایک لحظہ میں عدت پوری ہوگی۔

اور اگر قول جدید لیا جائے تو پھر طہر کے آخری حصے میں طلاق ہوئی، ایک دن حیض، تیرہ دن طہر، پھر ایک دن حیض، تیرہ دن طہر، پھر ایک دن حیض، اور اس تیسرے حیض پر عدت ختم ہوئی تو کل ۲۹ دن میں عدت ختم ہو گئی۔

۳۶ فمن اراد التفصيل فليراجع: إعلال السنن، ج: ۱، ص: ۳۵۱، وعمدة القاری، ج: ۳، ص: ۱۶۶، وفتح الباری، ج: ۱،

ص: ۳۲۳، وفيض الباری، ج: ۱، ص: ۳۸۸.

امام شافعی رحمہ اللہ کے قول کی تفصیل

اور امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک میں نے ابھی ذکر کیا کہ انکے ہاں اقل مدت حیض یوم ولیلۃ ہے اور اقل مدت طہر پندرہ دن ہے تو اگر ایک طہر کے آخری لحظہ میں طلاق دی گئی تو وہ عدت کا ایک طہر ہو گیا پھر ایک دن حیض پھر پندرہ دن طہر پھر ایک دن حیض پھر پندرہ دن تیسرا طہر تو کل بتیس دن ہو گئے۔ تو بتیس دن سے کم میں طہر (جیسا کہ ان کا مذہب ہے) مکمل نہیں ہو سکتے اور عدت بھی پوری نہیں ہو سکتی۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کی تفصیل

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اقل مدت طہر پندرہ دن اور اقل مدت حیض تین دن ہے۔ لہذا قاعدہ سے یہ ہونا چاہئے کہ انتالیس دن میں عدت پوری ہو جائے، اس کا امکان ہے۔ اس لئے کہ مثلاً طہر کے آخر میں طلاق دی گئی تین دن حیض رہا پھر پندرہ دن طہر کل اٹھارہ ہو گئے پھر تین دن حیض آیا ایکس دن ہو گئے پھر پندرہ دن طہر تو چھتیس دن اور تین دن حیض، تو تیسرا حیض انتالیسویں دن جا کر پورا ہوا، تو کم سے کم تین حیض انتالیس دن میں آئیں گے۔

صاحبین کے نزدیک صورت مسئلہ

چنانچہ صاحبین یہی کہتے ہیں کہ انتالیس دن سے کم میں عدت نہیں ہو سکتی بلکہ انتالیس دنوں میں عدت پوری ہوگی اور اگر عورت دعویٰ کرے کہ انتالیس دن میں میری عدت پوری ہو گئی ہے تو اس کا یہ دعویٰ مسموع ہوگا۔

لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ یہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ اقل مدت حیض اور اقل مدت طہر کا اعتبار کرتے ہوئے بیشک یہ انتالیس کا حساب درست ہے لیکن چونکہ اقل مدت حیض اور اقل مدت طہر عادتاً اکٹھی ایک جگہ جمع نہیں ہوتیں اور یہ ایک شاذ امر ہے۔ لہذا ایک کی اقل مدت اور ایک کی اکثر مدت لیں گے۔ اقل جب طہر میں لے لیا (کیونکہ اکثر طہر کی مدت مقرر نہیں) تو حیض کی اکثر لیں گے، لہذا پندرہ دن، پندرہ دن ایک مہینہ ہو گیا اور نین حیض کے دس دن کل تیس دن کل ان سب کا مجموعہ دو مہینے ہو گئے۔ لہذا کم از کم ساٹھ دن ہونے چاہئے تو اس مدت میں عورت کی عدت پوری ہو سکتی ہے، اس سے کم میں نہیں ہو سکتی، لہذا اگر کوئی عورت دعویٰ کرے اور ساٹھ دن گزر چکے ہوں تب تو دعویٰ معتبر ہوگا ورنہ نہیں ہوگا۔

تو اس تقدیر پر آپ نے دیکھا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے جو یہ باب قائم کیا کہ ”اذا حاضت فی

شہر ثلاث حیض“ یعنی ایک مہینے میں تین حیض آجانا یہ صرف امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر تو درست ہوتا ہے لیکن نہ امام شافعی رحمہ اللہ کے قول پر درست ہوتا ہے، نہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر اور نہ صاحبین کے قول پر۔

ترجیح اقوال

بظاہر امام بخاری رحمہ اللہ نے ان حضرات کے قول کو ترجیح دی ہے جو ایک مہینے میں تین حیض گزرنے کے قائل ہیں اور دلیل میں یہ بات پیش کی ہے کہ اللہ ﷻ نے فرمایا ”ولا يحل لهن أن يكتمنن ما خلق الله في أرحامهن“ عورتوں کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو چھپائیں جو اللہ ﷻ نے ان کے ارحام میں پیدا کی ہے یعنی عورت کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے حیض کے معاملے کو یا حمل کے معاملے کو چھپائے کیونکہ اس سے بیشتر احکام شرعیہ متعلق ہیں۔ لہذا ان کو چاہئے کہ اس معاملے میں کسی کتمان سے کام نہ لیں بلکہ جو حقیقت ہے وہ صاف صاف بتادیں۔

استدلال امام بخاری رحمہ اللہ

اس آیت سے امام بخاری رحمہ اللہ اس بات پر استدلال کر رہے ہیں کہ جب اللہ ﷻ نے عورت کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے ارحام میں پیدا شدہ چیزوں کے بارے میں لوگوں کو بتائے، تو اگر اس کی تصدیق نہ کی جائے، تو بتانے سے کیا فائدہ؟ اگر اس نے بتایا اور تم نے کہا کہ میں نہیں مانتا تو اس کے بتانے سے کوئی فائدہ تو نہیں ہوا۔ اس کے بتانے کا فائدہ اسی وقت ہو سکتا ہے، جبکہ اس کے قول کی تصدیق کی جائے۔ یہ استدلال کی وجہ ہے۔ آگے فرمایا:

”ويذكر على و شريح : ان جاءت بينة من بطانة أهلها ممن يرضى دينه

انها حاضت في شهر ثلاثاً صدقت“.

اصل میں یہ ایک روایت کا اختصار ہے جو دارمی رحمہ اللہ نے روایت کی ہے اور اس روایت میں یہ آتا ہے کہ حضرت علیؓ ایک مرتبہ تشریف فرما تھے تو کسی نے آکر یہ سوال کیا کہ ایک عورت کہہ رہی ہے کہ میری ایک مہینے میں عدت پوری ہو گئی، حضرت قاضی شریح رحمہ اللہ بھی وہاں پر موجود تھے، تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تم فیصلہ کرو۔ حضرت شریح رحمہ اللہ نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کی موجودگی میں فیصلہ کروں جبکہ آپ خود موجود ہیں، میں فیصلہ کیسے کروں؟

مطلب یہ ہے کہ آپ بڑے ہیں اور اعلم ہیں، لہذا آپ کی موجودگی میں میرا بولنا اچھا نہیں لگتا۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ نہیں تم ہی فیصلہ کرو۔ انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر یہ عورت اپنے گھر والوں کے پاس سے متدین بینہ (گواہ) لے آئے جو یہ کہیں کہ اس کو تین حیض آگئے ہیں اور اس کی گواہی اس طرح دیں گے کہ مثلاً یہ کہیں کہ ہم نے اس کو دیکھا ہے، کہ فلاں وقت اس نے نماز چھوڑ دی تھی، فلاں وقت اس نے نماز پڑھنی شروع کر دی تھی، تو ان علامات کے ذریعے گواہی دیں کہ اس کے تین حیض گزر گئے ہیں تو اس کی تصدیق کر لی جائے گی اور ایک مہینے کے اندر عدت پوری ہو جائے گی۔ حضرت شریح رحمہ اللہ نے یہ فیصلہ فرمایا۔

قالون کا پس منظر

حضرت علیؑ نے سن کر فرمایا ”قالون“ یہ ”قالون“ رومی زبان کا لفظ ہے اور رومی زبان میں اس کے معنی شاباش کے ہیں۔

اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب مسلمانوں نے رومیوں کے بہت سارے علاقے فتح کر لئے تھے تو وہاں کے کچھ کلمات رفتہ رفتہ مسلمانوں کے معاشرے میں بھی پھیلنے جا رہے تھے اور پھر مذاق میں آدمی کسی دوسری زبان کا لفظ بول دیتا ہے، حالانکہ وہ اسی زبان کا آدمی نہیں ہوتا تو اسی طرح انہوں نے کہا ”قالون“ یعنی شاباش۔ چونکہ اس فیصلے کی حضرت علیؑ نے تصدیق فرمائی تھی اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ حضرت علیؑ و شریح دونوں کی طرف منسوب کر رہے ہیں کہ اگر وہ بینہ لائے۔

”بطانة اهلها“ اپنے گھر کے خاص لوگوں سے ”ممن يرضى دينه“ جن کے دین اور تدین کو پسند کیا جاتا ہے اور وہ بینہ (گواہ) کہیں کہ اس کو ایک مہینے میں تین حیض آئے ہیں۔ ”صَدَقْتَ“ تو اس کی تصدیق کر لی جائے گی کہ ایک مہینے میں تین حیض آسکتے ہیں۔

حنفیہ اور شافعیہ کی تاویلات

حضرت علیؑ اور قاضی شریح رحمہ اللہ کا یہ قول حنفیہ کے خلاف تو ہے ہی، شافعیہ کے بھی خلاف ہے۔ تو دونوں نے تاویلات کا ایک دروازہ کھول دیا۔ شوافع نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ہمارا معاملہ تو اتنا مشکل نہیں ہے صرف دو دن کا معاملہ بنتا ہے۔ اس لئے کہ تیس دن ہوتے ہیں تو دو دن اور ملا کر تیس دن میں پورا ہو سکتا ہے، صرف دو دن کی بات ہے اور اس کے لئے ہم یہ کہہ کر چھوٹ سکتے ہیں کہ انہوں نے کسر کو حذف کر دیا، تو تیس کے تیس دن ہو گئے۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کسر ہی حذف کرنی ٹھہری تو نو تک کیوں حذف نہ کریں، کیونکہ جب دو کا حذف ہو سکتا ہے تو نو کا بھی حذف ہو سکتا ہے۔ لہذا آپ کے ہاں بتیس دن اور ہمارے یہاں انتالیس ہو گئے۔ ۷۴

قاضی شریح رحمہ اللہ کے قول کا مطلب

بعض حضرات نے فرمایا کہ اصل میں قاضی شریح رحمہ اللہ نے جو یہ جملہ فرمایا ہے اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ایک مہینے کے اندر عدت پوری ہو سکتی ہے، بلکہ ان کا یہ جملہ تعلیق بالحال کے قبیل سے ہے ”حتیٰ یلج الجمل فی سم الخیاط“ کی مانند۔ معنی یہ ہے کہ اگر وہ بینہ لا کر پیش کر دے کہ ایک مہینے کے اندر تین حیض آگئے ہیں تو مان لیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا بینہ جو یہ ثابت کر دے کہ ایک مہینے کے اندر تین حیض آگئے ہیں پیش کر ہی نہیں سکتی لہذا یہ تعلیق بالحال ہے اور اس سے استدلال درست نہیں ہے۔ تو لوگوں نے یہ مختلف تاویلات کی ہیں۔ لیکن خواہ مخواہ ان دور از کار تاویلات کی طرف جانے کی کوئی حاجت نہیں ہے، سیدھی سی بات یہ ہے کہ حضرت علیؑ اور شریح رحمہ اللہ کا مذہب یہی تھا۔

حنفیہ کا احادیث مرفوعہ و آثار موقوفہ سے استدلال

اور حنفیہ نے اقل مدت حیض اور اقل مدت طہر کے سلسلے میں جو قول اختیار کیا ہے اس میں حنفیہ کے پاس متعدد احادیث مرفوعہ اور بہت سے آثار موقوفہ موجود ہیں جو علامہ یعنی رحمہ اللہ نے ”عمدة القاری“ میں تفصیل کے ساتھ ذکر کئے ہیں، ان احادیث مرفوعہ کو علی الانفراد یکھا جائے تو وہ سند کے اعتبار سے اگرچہ ضعیف ہیں، اس میں کوئی شک نہیں۔ جتنی احادیث مرفوعہ آئی ہیں جن میں اقل مدت حیض تین دن اور اکثر مدت حیض دس دن قرار دیا گیا ہے ان کی تعداد کم از کم سات، آٹھ ہے جن کو علامہ یعنی رحمہ اللہ نے ”عمدة القاری“ میں نقل کیا ہے، وہ ساری احادیث مرفوعہ اگرچہ ضعیف الاسناد ہیں لیکن ان کے شواہد متعدد ہیں تو تعدد شواہد کی وجہ سے ان کا جو مجموعی مفہوم ہے اس کو بے اصل نہیں کہہ سکتے۔

چنانچہ یہ حدیثیں حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت واثلہ بن الاسقعؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہیں، کل سات آٹھ صحابہ سے مروی ہیں اور ان صحابہ کرام سے مروی تمام احادیث کو یہ کہہ دینا کہ سب راویوں نے مل کر (ملی بھگت) یہ حدیثیں گھڑ لی تھیں تو یہ کہنا مشکل کام ہے، لہذا ان کے مجموعے کو بے اصل نہیں کہہ سکتے، خاص طور پر مقدیر کے باب میں اور جب کہ اس کی تائید بہت سے صحابہ کرامؓ کے آثار

سے ہوتی ہے، تو اس واسطے حنفیہ نے اس قول کو اختیار کیا ہے جو ان احادیث اور آثار پر مبنی ہے۔ ۴۸
حضرت علیؑ اور حضرت شریح رحمہ اللہ کا فیصلہ اسکے خلاف ہو سکتا ہے اور ان کا مذہب یہ ہو سکتا ہے، ہم
کب کہتے ہیں کہ مسئلہ مجتہد فیہ نہیں، بلکہ مجتہد فیہ ہے، حضرت علیؑ اور حضرت شریح رحمہ اللہ کا یہ مسلک ہے، اس
کی خواہ مخواہ تاویل کرنے کی ضرورت نہیں۔ آگے فرمایا کہ:

”وقال عطاء اقراؤها ما كانت“ حضرت عطاء رحمہ اللہ نے ایک اور طریقہ سے فیصلہ کیا ہے وہ
کہتے ہیں کہ اگر کوئی عورت کہتی ہے کہ میری عدت پوری ہو گئی ہے اور اس کے لئے وہ اپنے طہر اور حیض کے کچھ
ایام بتاتی ہے کہ اتنے دن مجھے حیض آیا تھا اور اتنے دن طہر رہا تو کہتے ہیں کہ اس کی بات کی تصدیق نہیں کی
جائیگی، الا یہ کہ جتنے دن وہ بتا رہی ہے وہ طلاق سے پہلے جو اس کے ایام عادت تھے اس کے مطابق ہوں۔ مثال
کے طور پر فرض کرو کہ طلاق سے پہلے اس کو پانچ دن حیض آتا تھا اور پندرہ دن طہر ہوا کرتا تھا، اب اگر وہ کہے کہ
پانچ دن میرے ایام عادت ہیں اور پندرہ دن میرے ایام طہر ہیں تو اس کے حساب سے میری عدت پوری ہو گئی
ہے تو اس کی تصدیق کر لی جائے گی لیکن اگر وہ کہے کہ حیض تو مجھے تین دن آیا اور طہر پندرہ دن آیا تو اب حیض کو جو
وہ تین دن کہہ رہی ہے وہ اس کی سابق عادت کے خلاف ہے اس لئے اس کا قول معتبر نہیں ہوگا۔
”وبہ قال ابراہیم“ یہی ابراہیم نخعی کا قول ہے۔

”وقال عطاء الحيض يوم الى خمس عشرة“ عطاء یہ بھی کہتے ہیں کہ حیض کم سے کم ایک دن

۴۸ استدلال ابو حنیفہ ہماروی عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ: الحيض ثلاث وأربع وخمس وست وسبع وثمان وتسع و
عشر فان زاد فهي مستحاضة، سنن الدار قطنی، کتاب الحيض، ج: ۱، ص: ۲۰۹، رقم: ۱۹۰۔
وبما روی عن والثة بن الأسقع قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أقل الحيض ثلاثة أيام وأكثره عشرة أيام. سنن
الدار قطنی، ج: ۱، ص: ۲۱۹۔

عن أبي امامة عن النبي قال أقل الحيض ثلاث وأكثره عشر الخ، المعجم الأوسط، ج:
۱، ص: ۱۹۰، رقم: ۵۹۹، والدرایة فی تخریج احادیث الہدایة، ج: ۱، ص: ۸۲، ونصب الراية، ج: ۱، ص: ۱۹۱، وقال
النووی فی ”شرح المہذب“ إن الحديث اذا روی من طرق ومفرداتها ضعاف يحتج به، علی أنا نقول: قد شهد لمذهبنا
عدة أحاديث من الصحابة بطرق مختلفة كثيرة يقوى بعضها بعضاً، وإن كان كل واحد ضعيفاً، لكن يحدث عند
الاجتماع مالا يحدث عند الانفراد، على أن بعض طرقها صحيحة، وذلك يكفي للاحتجاج، خصوصاً في
المقدرات، والعمل به أولى من العمل بالبلاغات والحكايات المروية عن نساء مجهولة، ومع هذا نحن لانكتفي بما
ذكرنا، بل بقول: ما ذهبنا إليه بالأثار المنقولة عن الصحابة، رضی اللہ عنہم، فی هذا الباب، وقد أمعنا الكلام فيه في
”شرحنا الہدایة“ کذا ذکرہ العینی فی العمدة، ج: ۳، ص: ۱۶۹۔

اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہوتا ہے۔

”وقال معتمر عن أبيه“ حضرت معتمر بن سلیمان جو معروف تابعین، عباد و زہاد میں سے ہیں، عشاء کے وضوء سے فجر کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ تو وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے ابن سیرین سے ایک عورت کے بارے میں پوچھا کہ ”تري الدم بعد قرءها بخمسة أيام“ کہ جو قراء سے پانچ دن کے بعد خون دیکھتی ہے اس کا کیا حکم ہے؟

”قال: النساء أعلم بذلك“ تو انہوں نے کہا کہ عورتیں اس کو خوب جانتی ہیں اور تم اس کی فکر میں مت پڑو۔ سوال یہ تھا کہ ایک عورت کا حیض مکمل ہو گیا اور اس نے غسل کر لیا، غسل کرنے کے پانچ دن بعد خون آگیا تو آیا اب اس کو حیض کہیں یا استحاضہ کہیں؟

انہوں نے جواب میں فرمایا کہ عورتیں خوب جانتی ہیں، اب ابن سیرین کا کیا مقصد تھا؟ اس کے بارے میں شرح پریشان ہو گئے، بعض نے کہا کہ ان کا مقصد یہ تھا کہ عورتیں اپنے خون کی نوعیت سے واقف ہوتی ہیں اور وہ خون کے رنگ سے پتہ لگا سکتی ہیں کہ یہ حیض ہے یا استحاضہ ہے، تو گویا کہ ان کا اشارہ تمیز بالالوان کی طرف تھا ”كما هو مذهب الاثمة الثلاثة“۔

اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ ان کا اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ عورتیں اس بات کو خوب جانتی ہیں کہ یہ پانچ دن کے بعد جو خون آجاتا ہے یہ کوئی حیض نہیں ہوتا بلکہ استحاضہ ہوتا ہے، یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں۔

بہر حال واضح نہیں کہ ابن سیرین رحمہ اللہ کا مقصد کیا تھا؟ لہذا کوئی بھی مذہب ابن سیرین رحمہ اللہ کے اس قول کو اپنی تائید میں پیش نہیں کر سکتا، ہر ایک نے اپنی اپنی تاویل کرنے کی کوشش کی ہے لیکن حقیقت میں واضح کچھ بھی نہیں۔

آگے وہی حضرت فاطمہ بنت ابی حیش رضی اللہ عنہا والی حدیث نقل کی ہے:

۳۲۵۔ حدثنا أحمد بن أبي رجاء قال: حدثنا أبو أسامة قال: سمعت هشام

بن عروة قال: أخبرني أبي، عن عائشة أن فاطمة بنت أبي حيش سألت النبي ﷺ

فالت: إني استحاض فلا أطهر، أفادع الصلاة؟ فقال: ((لا، إن ذلك عرق ولكن دعني

الصلاة قدر الأيام التي كنت تحيضين فيها، ثم اغتسلي وصلي)).

اور اس میں موضع استدلال ہے کہ ”ولكن دعني الصلاة قدر الأيام التي كنت

تحيضين فيها“۔

کہ اتنے دن نماز چھوڑ دو جتنے دن تم کو حیض آیا کرتا تھا۔ تو اس سے امام بخاری رحمہ اللہ یہ استدلال کر رہے ہیں کہ اس میں عورت کا قول ہی معتبر ہوگا کہ کتنے دن آیا کرتا تھا۔

لہذا ترجمۃ الباب سے اس کی تائید ہوگئی، کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ جو بھی دن تمہارے حیض کے ہوا کرتے تھے اس کو حیض شمار کرو۔

مانع حیض دوا کا استعمال جائز ہے

سوال:

نماز میں یا کسی اور مقصد میں مانع حیض دوائیں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:

جائز ہے، چاہے روزہ کے لئے ہو یا حج و عمرہ کے لئے یا کسی اور مقصد کے لئے مثلاً شوہر دور رہتا ہے جب وہ سفر سے واپس آیا تو بیوی حالت حیض میں تھی تو اس صورت میں بھی مانع حیض دوائیں استعمال کرنا جائز ہے۔

(۲۵) باب الصفرة والكدرۃ فی غیر آیام الحيض

اگر حیض کا زمانہ نہ ہو تو زردی یا مٹیلے پن کے دیکھنے کا بیان

۳۲۶۔ حدثنا قتیبہ بن سعید قال : حدثنا إسماعیل ، عن أيوب ، عن محمد ، عن

ام عطية ، قالت : كنا لا نعد الكدرۃ والصفرة شيئا . ۴۹، ۵۰

تعارض بین الروایات کا رفع

اس میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث روایت کی ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ ”کنا لا نعد الكدرۃ والصفرة شيئا“ کہ اگر گد لے رنگ کا سیال مادہ خارج ہو یا پیلے رنگ کا، تو ہم اس کو کچھ شمار نہیں کرتے تھے۔ یعنی اس کو حیض شمار نہیں کرتے تھے۔

اس روایت کا حاصل یہ ہوا کہ اگر گد لے رنگ کا مادہ آ رہا ہے یا پیلے رنگ کا تو اس کو حیض شمار نہیں کیا

۴۹ لا يوجد للحديث مكررات.

۵۰ وسنن النسائي، كتاب الحيض والاستحاضة، باب الصفرة والكدرۃ، رقم: ۳۲۵، وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب

في المرأة ترى الكدرۃ والصفرة بعد الطهر، رقم: ۲۶۳، وسنن أبي ماجه، كتاب الطهارة وسننهما، باب ماجاء في الحائض

ترى بعد الطهر الصفرة والكدرۃ، رقم: ۶۳۹، وسنن الدارمي، كتاب الطهارة، باب الطهر كيف هو، رقم: ۸۵۳.

جائے گا۔ دوسری طرف پیچھے حدیث گزری ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عورتیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس اپنے حیض کے کپڑے بھیجا کرتی تھیں اور وہ یہ فرماتی تھیں کہ ”لا تعجلن حتی ترين القصة البيضاء“

جب تک یہ کپڑا بالکل سفید نہ ہو جائے اس وقت تک تم غسل کرنے میں جلدی نہ کرو، اس کے معنی یہ ہوئے کہ سفید ہونے سے پہلے جتنے رنگ ہیں وہ سارے کے سارے حیض شمار ہونگے۔ تو بظاہر ان دونوں روایتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب کے ذریعہ اس تعارض کو رفع فرمایا ہے کہ ترجمۃ الباب میں فرمایا:

”باب الصفرة والكدرۃ فی غیر ایام الحيض“ کیا معنی؟

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس صورت پر محمول ہے جبکہ صفرۃ اور کدرۃ ایام حیض میں آرہی ہو یعنی جب ایام حیض میں آرہی ہو تو اس وقت صفرۃ اور کدرۃ حیض شمار ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ جب تک سفید نہ ہو جائے اس وقت تک تمہارے لئے غسل جائز نہیں۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث محمول ہے اس صورت پر جب کہ صفرہ یا کدرہ غیر ایام حیض میں آئے یعنی ایام عادت کے علاوہ ویسے جو عام ایام ہوتے ہیں اس میں اگر کسی عورت کو صفرہ یا کدرہ آگیا تو اس کو حیض شمار نہیں کیا جائیگا۔ یہ تطبیق دی ہے ”فی غیر ایام الحيض“ کہہ کر۔

اور یہی مسلک حنفیہ کا بھی ہے کہ ایام عادت میں جو بھی رنگ آئے وہ حیض شمار ہوگا اور ایام عادت سے باہر اگر اس قسم کی رطوبت خارج ہو جاتی ہے تو اس صورت میں اس کو حیض شمار نہیں کریں گے۔ اھ

(۲۶) باب عرق الإستحاضۃ

استحاضہ کی رگ کا بیان

۳۲۷۔ حدثنا إبراهيم بن المنذر قال : حدثنا معن قال : حدثني ابن أبي ذئب ،

عن ابن شهاب عن عروة ، وعن عمرة ، عن عائشة زوج النبي ﷺ أن أم حبيبة أستحيضت

اھ وقال ابن بدال : ذهب جمهور العلماء في معنى هذا الحديث إلى ما ذهب إليه البخاري في ترجمته ، فقال أكثرهم :

الصفرة والكدرۃ حينئذ في أيام الحيض خاصة ، وبعد أيام الحيض ليس بشئ ، روى هذا عن علي ، وبه قال سعيد بن

النسيب وعطاء والحسن وابن سيرين ، وجميع الثوري والأوزاعي والليث وأبو حنيفة ومحمد والشافعي وأحمد و

إسحاق . وقال أبو يوسف : ليس قبل الحيض حيض ، وفي آخر الحيض حيض ، وهو قول أبي ثور . وقال مالك : حيض في

أيام الحيض وغيرها ، وأظن أن حديث أم عطية لم يبلغه ، عمدة القاري ، ج : ۳ ، ص : ۱۷۳ .

سبع سنين فسالت رسول الله ﷺ ، عن ذلك ؟ فأمرها أن تغتسل ، فقال : ((هذا عرق)) ، فكانت تغتسل لكل صلاة . ۵۲

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں اور حضرت عائشہ سے یہ روایت اُن کے دو شاگردوں نے کی ہے۔

عروہ بن زبیر اور دوسرے عمرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خاص شاگرد ہیں اور ان کی خادمہ بھی تھیں۔ تو یہ دونوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کر رہے ہیں کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو استحاضہ آیا اور سات سال جاری رہا۔ تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے ان کو غسل کرنے کا حکم دیا اور یوں فرمایا ”هَذَا عَرَق“ یہ جو تم کو خون آ رہا ہے کسی رگ سے آ رہا ہے یہ حیض نہیں ہے۔ ”فكانت تغتسل لكل صلاة“ تو وہ ہر نماز کے لئے غسل کیا کرتی تھیں۔

غسل لكل صلوٰۃ میں جمہور کا مذہب

اس کی وجہ سے بعض فقہا کرام نے یہ فرمایا کہ مستحاضہ کے ذمہ ہر نماز کے لئے واجب ہے کہ غسل کرے لیکن حنفیہ اور جمہور فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ ہر نماز کیلئے غسل کرنا اس کے ذمہ واجب نہیں ہے۔ صرف اس صورت میں غسل لكل صلوٰۃ واجب ہوتا ہے جبکہ اس کو اس بات کا شک ہو کہ کیا میں حائضہ ہوں یا ”خارجة من الحيض“ ہوں، مثال کے طور پر ایک عورت کو یہ تو یاد ہے کہ مجھے چار دن خون آیا کرتا تھا، پانچویں دن اور چھٹے دن کے بارے میں اسے شک ہے یعنی شک ہے کہ پانچ دن آتا تھا یا چھ دن آتا تھا تو چار دن تک تو یقیناً اس کا حیض ہے، لہذا اس میں کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن جب خروج عن الحيض میں شک ہوا، چار دن کے بعد چھ دن پورے ہونے تک ہر وقت یہ احتمال ہے کہ شاید اس وقت منقطع ہو رہا ہو تو چونکہ ہر وقت انقطاع حیض کا احتمال ہے، لہذا اس وقت میں دو دن تک اس کے ذمہ غسل لكل صلوٰۃ واجب ہوگا۔

۵۲۔ وفي صحيح مسلم، كتاب الحيض، باب المستحاضة وغسلها وصلاتها، رقم: ۵۰۲، وسنن الترمذی، كتاب الطهارة

عن رسول الله، باب ماجاء في المستحاضة أنها تغتسل عند كل صلاة، رقم: ۱۱۹، وسنن النسائي، كتاب الطهارة، باب

ذكر الاغتسال من الحيض، رقم: ۲۰۳، وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب من قال إذا قبلت الحيضة تدع الصلاة،

رقم: ۲۳۶، وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب ماجاء في المستحاضة: إذا اختلط الدم فلم تقف، رقم: ۶۱۸،

ومسند أحمد، باقی مسند الأنصار، باب حديث السيدة عائشة، رقم: ۲۳۳۸۲، ۲۳۳۸۳، ۲۳۳۹۴، ۲۳۳۹۸،

۲۳۶۷۵، وسنن الدارمی، كتاب الطهارة، باب المستحاضة، رقم: ۷۶۱.

خفیه کا مسلک

اسوقت خفیه بھی کہتے ہیں کہ اس صورت میں جب تک کہ انقطاع حیض کا احتمال باقی ہو اس وقت تک وہ غسل لکل صلوٰۃ کرے گی۔

چنانچہ چار اور چھ کے درمیان اس کو شک تھا تو چار دن پورے ہونے کے بعد چھ دن پورے ہونے تک ہر لمحہ انقطاع حیض کا احتمال ہے تو دو دن تک وہ غسل لکل صلوٰۃ کریگی، اب چھ دن کے بعد اس کو یقین ہو گیا کہ چھ دن سے زیادہ میری عادت نہیں تھی تو اب اس کے بعد جو خون آ رہا ہے وہ چونکہ استحاضہ محض ہے اور اس میں خروج عن الحيض کا کوئی احتمال نہیں ہے، لہذا اس وقت غسل لکل صلوٰۃ کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس کے لئے وضو لکل صلوٰۃ کافی ہے۔ صرف یہ صورت ہے جس میں غسل لکل صلوٰۃ واجب ہوتا ہے۔

روایات کی توجیہ

اب جن روایتوں میں یہ آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے بعض خواتین کو غسل لکل صلوٰۃ کا حکم دیا جیسے ام حبیبہؓ یا بعض دوسری خواتین کو بھی، تو اس کے بارے میں دو توجیہات کی گئی ہیں:

بعض حضرات نے فرمایا کہ غسل لکل صلوٰۃ کا حکم درحقیقت تشریعی طور پر نہیں دیا گیا تھا، بلکہ علاج کے لئے دیا گیا تھا، کیونکہ مستحاضہ کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ وہ کثرت سے غسل کرے اس سے استحاضہ بند ہوتا ہے تو یہ حکم علاج کے طور پر دیا گیا تھا۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہ مستحاضہ خاص طور پر ان کو خروج من الحيض کے بارے میں شک ہوگا اس واسطے خروج من الحيض کی حالت میں غسل لکل صلوٰۃ کا حکم دیا گیا، ویسے عام حالات میں غسل لکل صلوٰۃ کا حکم نہیں ہے۔

(۲۷) باب المرأة تحيض بعد الإفاضة

طواف افاضہ کے بعد عورت کے حائضہ ہونے کا بیان

۳۲۸۔ حدثنا عبد الله بن يوسف قال: أخبرنا مالك، عن عبد الله بن أبي بكر

بن محمد بن عمرو بن حزم، عن أبيه، عن عمرة بنت عبد الرحمن، عن عائشة زوج

النبي ﷺ أنها قالت لرسول الله ﷺ: يا رسول الله إن صفية بنت حيي قد حاضت؟ قال

رسول الله ﷺ: ((لعلها تحبسنا، ألم تكن طافت معكن؟)) فقالوا: بلى، قال:

((فاخرجي)). [راجع: ۲۹۴]

ادائیگی ارکان حج کے بعد حائضہ کا حکم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ”ان صفیۃ بنت حبیبی قد حاضت“ کہ حضرت صفیہ بنت حبیبی رضی اللہ عنہا کو حیض آ گیا ہے۔ تو یہ بھی اس وقت کا واقعہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ حج کے ارکان پورے فرما چکے تھے اور حج کے بعد مدینہ منورہ جلدی واپس جانا تھا تو صفیہ بنت حبیبی کو حیض آ گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”لعلہا تحبسنا“ شاید کہ وہ ہمیں روک لے گی یعنی اگر انہوں نے طواف زیارت نہیں کیا ہوگا اور حیض آ گیا اور طواف زیارت رکن ہے۔ تو طواف زیارت کرنے کے لئے ان کے حیض سے پاک ہونے کا انتظار کرنا پڑے گا اور وہ جب حیض سے پاک ہوں گی تب طواف زیارت کے بعد جا سکیں گے اس کے بغیر نہیں، تو اس واسطے شاید ہمیں رکتنا پڑے، اور مدینہ منورہ واپس جانے کا سفر ہمیں ملتوی کرنا پڑے۔ تو ”الم تکن طافت معکن؟“ آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا انہوں نے تم لوگوں کے ساتھ طواف نہیں کیا تھا؟ یعنی طواف زیارت ”فقالوا: بلی“ تو انہوں نے کہا کہ ہاں کیا تھا، ”قال: فاخرجی“ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب وہ جا سکتی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر عورت کو طواف زیارت سے پہلے حیض آ جائے تب تو اس کے لئے جانا جائز نہیں ہے جب تک پاک نہ ہو جائے اور پاک ہو کر طواف زیارت نہ کرے، لیکن اگر طواف زیارت کر چکی ہے اور پھر حیض آ گیا تو اب صرف طواف وداع باقی رہ گیا، تو طواف وداع وہ چھوڑ کر جا سکتی ہے، ایسی صورت میں اس سے طواف وداع ساقط ہو جاتا ہے۔

۳۲۹۔ حدثنا معلى بن أسد، قال: حدثنا وهيب، عن عبد الله بن طاؤس، عن أبيه، عن ابن عباس قال: رخص للحائض أن تنفر إذا حاضت. [أنظر: ۱۷۵۵، ۱۷۶۰] ۳۳۰۔ وکان ابن عمر یقول فی أول أمره: إنها لا تنفر، ثم سمعته یقول: تنفر، إن رسول الله ﷺ رخص لهن. [أنظر: ۱۷۶۱]. ۵۳

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حائض کے لئے رخصت ہے کہ وہ جائے ”أن تنفر“ نذر کرے یعنی اپنے وطن کی طرف واپس جا سکتی ہے جبکہ اس کو حیض آ جائے بشرطیکہ اس نے طواف زیارت کر لیا ہو۔ ”وکان ابن عمر یقول فی أول أمره الخ“ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما شروع میں یہ فرمایا کرتے تھے

۵۳ وفی صحیح مسلم، کتاب الحج، باب وجوب طواف الوداع وسقوطه عن الحائض، رقم: ۲۳۵۱، ومسنَد أحمد، مسند المکثرین من الصحابة، باب باقی المسند السابق، رقم: ۵۵۰۵، من مسند القبائل، باب حدیث أم سلیم، رقم: ۲۶۱۵۹، وسنن الدارمی، کتاب المناسک، باب فی طواف الوداع، رقم: ۱۸۵۳.

کہ ”انہا لا تنفر“ کہ اس کے لئے جانا جائز نہیں ہے جب تک کہ پاک ہو کر طواف و داع نہ کرے۔ ”ثم سمعته يقول تنفر“ بعد میں میں نے خود ان کو کہتے ہوئے سنا کہ وہ جاسکتی ہے۔ طاؤس کہہ رہے ہیں کہ میں نے خود عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ وہ جاسکتی ہے ”ان رسول اللہ ﷺ رخص لهن“ کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اجازت دی ہے۔

(۲۸) باب إذا رأت المستحاضة الطهر

جب مستحاضہ طہر کو دیکھے، تو کیا کرے؟

امام بخاری رحمہ اللہ نے باب قائم کیا ”باب إذا رأت المستحاضة الطهر“ کہ عورت جب طہر دیکھے لے وہ طہر ہے۔

”قال ابن عباس : تغسل وتصلی ولو ساعة ، ویاتیها زوجها إذا صلت ، الصلاة أعظم“.

۳۳۱ - حدثنا أحمد بن یونس عن زهير قال : حدثنا هشام ، عن عروة ، عن عائشة قالت : قال النبی ﷺ : ((إذا أقبلت الحيضة فدعى الصلاة ، وإذا أدبرت فاغسلي عنك الدم واصلی)) .

ایام عادت حیض میں مستحاضہ کا حکم

اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد کیا ہے؟ اس میں شراح بخاری کو بڑا اخلجان ہوا ہے۔ لیکن حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ نے ”لامع الدراری“ میں فرمایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کے اس ترجمے سے تین مقاصد ہو سکتے ہیں:

(۱) اس سے اقل مدت طہر کے اختلافی مسئلے کی طرف اشارہ کر کے اُن حضرات کے قول کو ترجیح دینا چاہتے ہیں جن کے نزدیک اقل مدت طہر کی کوئی تحدید نہیں ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب تک مستحاضہ کا خون ایک ساعت کے لئے بھی بند ہو جائے تو وہ نماز پڑھے گی، خواہ ایک ساعت بعد خون دوبارہ جاری ہو گیا ہو، تو اس دوبارہ خون کے جاری ہونے کو حیض سمجھیں گے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا اثر اسی کی تائید میں نقل فرمایا ہے کہ ”تغتسل وتصلی ولو ساعة من نهار“.

(۲) امام مالک رحمہ اللہ پر رد کرنا مقصود ہے، جو یہ فرماتے ہیں کہ اگر عورت میسرہ نہیں ہے اور ایام

عادت کے بعد بھی اسے خون جاری رہے تو وہ تین دن تک انتظار کرے گی، یعنی مزید تین دن حیض سمجھے گی، تاوقتیکہ اکثر مدت حیض (جو انکے نزدیک پندرہ دن ہے) مکمل نہ ہو جائے۔ اسے مالکیہ استطہار کہتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ استطہار کوئی چیز نہیں ہے بلکہ جو نبی مستحاضہ کے ایام عادت ختم ہوں، وہ طہر سمجھے گی اور نماز فوراً پڑھ لے گی، انتظار کی ضرورت نہیں۔

(۳) ان حضرات کی تردید مقصود ہے جو مستحاضہ سے وطی جائز نہیں سمجھتے، امام نخعی اور امام حکم رحمہما اللہ سے ایسا منقول ہے، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی ایک روایت اس کے مطابق ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ جمہور کے مسلک کی تائید کر رہے ہیں کہ مستحاضہ جب حکماً طاہر ہو جائے تو اس پر نماز بھی فرض ہے، اور شوہر بھی اس کے پاس جاسکتا ہے۔ کیونکہ جب نماز جائز ہو گئی تو وطی کا جواز اہون ہے، ”الصلاة أعظم“ سے اسی طرف اشارہ مقصود ہے۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی مستبعد نہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے تینوں باتوں کے لئے یہ ترجمۃ الباب قائم فرمایا ہو۔

ان تین مسئلوں میں سے پہلے مسئلے میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک مختلف ہے، یعنی اقل مدت طہران کے نزدیک پندرہ دن ہے، باقی دو مسئلوں میں حنفیہ کا مسلک امام بخاری رحمہ اللہ اور جمہور کے مطابق ہے۔ البتہ حنفیہ کہتے ہیں کہ ایام عادت کے بعد اگر خون جاری رہے تو اکثر مدت حیض (یعنی دس دن تک) عورت توقف کرے گی، اگر دس دن سے پہلے خون بند ہو گیا تو سمجھے گی کہ عادت بدل گئی۔ لہذا نمازیں قضا کرنی ہوں گی، دس دن کے بعد بند ہوا تو ایام عادت تک حیض اور باقی استحاضہ سمجھے گی۔ ۵۴

سوال: اگر کوئی عورت اندھی ہو تو وہ حیض واستحاضہ میں کیا کرے گی؟

جواب: اندھی ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے، حنفیہ کے ہاں تو تمیز بالالوان معتبر ہی نہیں۔ لہذا اندھی بھی اگر ہو تو وہ ایام عادت کا اعتبار کرے گی جو ایام عادت ہے، ان کے اندر خون شمار کرے گی، اسکے بعد استحاضہ شمار کرے گی۔

”قال النبی ﷺ اذا أقبلت الحيضة الخ“ اس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت کی ہے وہ یہ کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”اذا أقبلت الحيضة فدعي الصلاة واذا أدبرت فاعسلي عنك الدم و صلي“ تو استدلال اس بات سے کیا ہے کہ جو نبی ادبار ہو جائے تو اس صورت میں خون دھو کر نماز پڑھے۔

تو ادبار کے معنی انقطاع دم ہے اور انقطاع دم کی کوئی مدت حدیث میں مقرر نہیں ہے۔ لہذا اگر تھوڑی

دیر کے لئے بھی منقطع ہو گیا تو وہ طہر سمجھا جائے گا۔

(۲۹) باب الصلاة عن النفساء وسنتها

نفاس والی عورت کے جنازہ پر نماز اور اسکے طریقہ کا بیان

۳۳۲ - حدثنا أحمد بن أبي سريج قال : أخبرنا شعبة قال : أخبرنا شعبة ، عن حسين المعلم ، عن أبي بريدة ، عن سمرة بن جندب : أن امرأة ماتت في بطن ، فصلى عليها النبي ﷺ فقام وسطها . [أنظر : ۱۳۳۱ ، ۱۳۳۲] ۵۵

باب قائم کیا ہے ”باب الصلاة عن النفساء وسنتها“ یہاں ”عن“ لکھا ہے اور بعض نسخوں میں ”علی“ لکھا ہے اور وہی صحیح ہے یعنی ”علی“ والا نسخہ۔ تو ”الصلاة على النفساء“ یعنی جو عورت حالت نفاس میں ہو اس پر جنازہ۔

”ومن سنتها“ ایک مسئلہ یہ بیان کیا کہ نفاس والی عورت پر نماز جنازہ جائز ہے یعنی پڑھی جائے گی۔ دوسرا مسئلہ یہ بیان کیا کہ اس پر نماز جنازہ پڑھنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

مستحاضہ پر نماز جنازہ پڑھنا جائز ہے

چنانچہ دونوں باتیں اس حدیث سے ثابت ہیں کہ ایک عورت ”ماتت في بطن“ کہ اس کا انتقال ہو گیا جبکہ اسکے پیٹ میں بچہ تھا، اس حالت میں اس کا انتقال ہو گیا۔

”فصلى عليها النبي ﷺ فقام وسطها“ نبی کریم ﷺ نے ان پر نماز جنازہ پڑھی تو آپ ﷺ اس عورت کے درمیان کھڑے ہوئے۔

پہلے مسئلہ سے ثابت ہوا ”صلى عليها النبي“ سے کہ نفاس کی حالت تھی اور اس کے باوجود آنحضرت ﷺ نے نماز جنازہ پڑھی تو معلوم ہوا کہ نفاس کی حالت میں جو عورت مر جائے اس پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔ اور اس میں وجہ اشتباہ یہ ہے کہ جس کی وجہ سے مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ کسی کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ وہ حالت

۵۵ وفی صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب أين يقوم الإمام من الميت الصلاة عليه، رقم: ۱۶۰۲، وسنن الترمذی، کتاب الجنائز عن رسول اللہ، باب ماجاء أين يقوم الإمام من الرجل والمرأة، رقم: ۹۵۶، وسنن النسائی، کتاب الحيض والاستحاضة، باب الصلاة على النفساء، رقم: ۳۹۰، وسنن أبي داود، کتاب الجنائز، باب أين يقوم الإمام من الميت اذا صلى عليه، رقم: ۲۷۸۰، وسنن ابن ماجه، کتاب ماجاء في الجنائز، باب ماجاء في أين يقوم الإمام اذا صلى على الجنائز، رقم: ۱۳۸۲، وسنن احمد، اول مسند البصريين، باب ومن حديث سمرة بن جندب عن النبي: ۱۹۳۰۳، ۱۹۳۰۴، ۱۹۳۰۵.

نفاس میں ہے اور حالت نفاس میں وہ طاہرہ نہیں ہے تو ایک ایسی عورت کے سامنے کھڑے ہونا جو طاہرہ نہیں ہے، اس کو سامنے رکھ کر پھر نماز پڑھنا گویا کہ نجاست کے سامنے نماز پڑھنے کے مرادف ہے۔ تو اس شبہ کو دور کر دیا کہ نہیں، نماز پڑھی جاسکتی ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے نماز جنازہ پڑھی ہے۔

عورت پر نمازہ جنازہ پڑھنے کا مسنون طریقہ

دوسرا مسئلہ یہ بیان کیا کہ ”فقام وسطها“ کہ آنحضرت ﷺ اس عورت کے درمیان کھڑے ہوئے۔ چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ اسی کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ اگر نمازہ جنازہ مرد کی ہے تو امام کو اس کے سر کے مقابل کھڑا ہونا چاہئے اور اگر عورت کی ہے تو امام کو اس کے وسط میں کھڑا ہونا چاہئے بلکہ بالکل درمیان بچوں بیچ کھڑا ہونا چاہئے۔

حنفیہ کی مشہور روایت یہ ہے کہ مرد ہو یا عورت دونوں کے سینے کے سامنے امام کھڑا ہوگا۔ یہ حدیث امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے دلیل میں پیش کی ہے کہ اس میں عورت کے وسط میں کھڑا ہونا مذکور ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی رائے

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے استدلال شافعیہ کا اس وقت تام ہوتا ہے جب کہ وسط کو متحرک السین پڑھا جائے اور اگر اس کو ساکن پڑھا جائے بسکون السین تو شافعیہ کا استدلال تام نہیں ہوتا کیونکہ ”وَسَطُ“ اور ”وَسَطُ“ میں یہ فرق ہے کہ ”وَسَطُ“ کہا جاتا ہے بالکل بچوں بیچ، بالکل درمیان اس کو ”وَسَطُ“ کہتے ہیں اور ”وَسَطُ“ میں بالکل بچوں بیچ ہونا ضروری نہیں بلکہ دو چیزوں کے درمیان کسی بھی جگہ پر کوئی چیز ہو تو کہہ سکتے ہیں ”وَسَطُ“۔

اور یہ قاعدہ مشہور ہے کہ ”وَسَطُ“ اور ”وَسَطُ“ کے بارے میں کہ ”اذا سکن تحرك واذا تحرك سکن“ یعنی اگر سین کو ساکن پڑھیں تو ”وَسَطُ“ متحرک ہوتا ہے یعنی کبھی اس کو بھی کہہ سکتے ہیں، اس کو بھی کہہ سکتے ہیں اور اگر اس کو متحرک کر دے تو ”وَسَطُ“ پڑھے تو یہ ساکن ہوتا ہے یعنی ایک ہی جگہ کو وسط کہہ سکتے ہیں، اس کے دائیں بائیں دوسری جگہ کو نہیں کہہ سکتے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر ”وَسَطُ“ پڑھیں تو امام شافعی رحمہ اللہ کا استدلال تام ہے لیکن اگر ”وَسَطُ“ پڑھیں تو اگر آدمی سینے کے سامنے کھڑا ہوا ہے تو بھی وسط کہلائے گا کہ نہیں کہلائے گا؟ تو پھر یہ روایت حنفیہ کے خلاف نہیں ہوگی، اس حد تک تو بات ٹھیک ہے، لیکن بعض روایتوں میں ”وَسَطُ“ کے بجائے تفسیر آگئی ہے ”عند عجیز تھا“ کہ ان کے کولہوں کے سامنے کھڑے ہوں تو ایسی صورت میں یہ تاویل

نہیں چل سکتی۔ تو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خود حنفیہ کی ایک روایت اس کے مطابق ہے کہ عورت کے وسط میں کھڑا ہونا چاہئے۔ لہذا یہ روایت چونکہ اس حدیث سے مؤید ہے اس لئے اس کے اوپر عمل کیا جاسکتا ہے۔ ۵۶۔

روایت باب کی مناسبت

سوال: اس روایت کی کتاب الحيض سے کیا مناسبت ہے؟

جواب: یہاں نفاس والی عورت کا حکم بیان ہو رہا ہے کہ نفاس والی عورت پر نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں۔ تو اسی پر حائضہ کو بھی قیاس کیا جائیگا کہ اگر حائضہ کا انتقال ہو تو اس پر بھی نماز جنازہ پڑھ سکتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ حیض و نفاس دونوں کے احکام متشابہ اور متماثل ہیں۔ لہذا کتاب الحيض سے مناسبت ہوگئی۔

(۳۰) باب:

۳۳۳۔ حدثنا الحسن بن مدرک قال : حدثنا يحيى بن حماد قال : أخبرنا أبو عوانة ، من كتابه قال : أخبرنا سليمان الشيباني ، عن عبد الله بن شداد قال : سمعتُ خالتي ميمونة زوج النبي ﷺ أنها كانت تكون حائضا لا تصلي وهي مفترشة بحذاء مسجد رسول الله ﷺ وهو يصلي على خمرته إذا سجد أصابني بعض ثوبه . [أنظر : ۳۷۹ ، ۳۸۱ ، ۵۱۷ ، ۵۱۸] ۵۷۔

حضرت عبد اللہ بن شداد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ حضرت ميمونة رضی اللہ عنہا سے سنا کہ بعض اوقات وہ حالت حیض میں ہوتی تھیں اور نماز نہیں پڑھ رہی ہوتی تھیں لیکن وہ رسول اللہ ﷺ کے مسجد کے کی جگہ لیٹی ہوئی ہوتی تھیں (مسجد سے مراد مسجد کے کی جگہ ہے) جبکہ آپ ﷺ اپنے مصلیٰ پر نماز پڑھ رہے ہوتے تھے۔ جب

۵۶ فیض الباری، ج: ۱، ص: ۳۹۳۔

۵۷ وفی صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب الاعتراض بین یدی المصلی، رقم: ۷۹۷، وکتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب جواز الجماعة فی النافلة والصلاة علی حصیر و خمره، رقم: ۱۰۵۷، وسنن النسائی، کتاب المساجد، باب الصلاة علی الخمره، رقم: ۷۳۰، وسنن أبی داؤد، کتاب الصلاة، باب الصلاة علی الخمره، رقم: ۵۶۰، وسنن ابن ماجه، کتاب اقامة الصلاة و السنة فیها، باب من صلی و بینہ و بین القبلة شئی، رقم: ۹۳۸، ومسند أحمد، باقی مسند الأنصار، باب حدیث ميمونة بنت الحارث الهلالية زوج النبي، رقم: ۲۵۵۷، ۲۵۶۱، وسنن الدارمی، کتاب الصلاة، باب الصلاة علی الخمره، رقم: ۱۳۳۸۔

آپ ﷺ سجدہ کرتے تو آپ ﷺ کے کپڑے کا کچھ حصہ مجھے لگتا۔

حائضہ کی نمازِ جناہ کا حکم

اس روایت کو لانے کا منشا یہ ہے کہ ابھی جو بات گزری اس میں نفاس والی عورت کا یہ حکم صراحۃً آگیا کہ حضور اقدس ﷺ نے اس پر نمازِ جنازہ پڑھی ہے، لیکن حیض والی عورت اگر مر جائے تو اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟

یہ صراحت حدیث میں امام بخاری رحمہ اللہ کو کہیں نہ ملی تو انہوں نے ایک ایسی حدیث ذکر کی جس سے استنباط کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حالتِ حیض میں آپ ﷺ کے سامنے لیٹی ہوتی تھی اور آپ ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے تھے۔ اس سے پتہ چلا کہ جب عورت حالتِ حیض میں ہو اور سامنے لیٹی ہوئی ہو، تو نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے نماز پڑھی، تو جب زندہ عورت حالتِ حیض میں ہے اور اس کے سامنے لیٹی ہوئی ہونے سے نماز میں کوئی خلل نہیں ہوتا تو اگر اس کا انتقال ہو جائے اس کو سامنے رکھ کر نمازِ جنازہ پڑھی جائے تو وہ بھی جائز ہوگا۔ اس مسئلے پر اس سے استدلال کیا ہے۔

كتاب التمر

٣٣٤ - ٣٤٨

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۷- کتاب التیمم

قول الله تعالى :

﴿ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا
فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَ أَيْدِيكُمْ مِنْهُ ﴾

[المائدة: ٦]

(۱) باب :

۳۳۴ - حدثنا عبد الله بن يوسف قال : أخبرنا مالك ، عن عبد الرحمن بن القاسم ، عن أبيه ، عن عائشة زوج النبي ﷺ قالت : خرجنا مع رسول الله ﷺ في بعض أسفاره حتى إذا كنا بالبيداء . أو بدات الجيش . انقطع عقد لي ، فأقام رسول الله ﷺ على التماسه وأقام الناس معه ، وليسوا على ماء فأتى الناس إلى أبي بكر الصديق فقالوا : ألا ترى إلى ما صنعت عائشة ؟ أقامت برسول الله ﷺ والناس ، وليسوا على ماء ، وليس معهم ماء ، فجاء أبو بكر و رسول الله ﷺ واضع رأسه على فخذي قد نام ، فقال : حبست رسول الله ﷺ والناس و ليسوا على ماء ، وليس معهم ماء . فقالت عائشة : فعاتبنى أبو بكر ، وقال ما شاء الله أن يقول ، وجعل يطعنني بيده في خاصرتي فلا يمنعني من التحرك إلا مكان رسول الله ﷺ على فخذي ، فقام رسول الله ﷺ حين أصبح على غير ماء ، فأنزل الله آية التيمم ، فتيمموا ، فقال أسيد

بن الحظیر : ما هی بأول برکتکم یا آل ابی بکر۔ قالت : فبعثنا البعیر الذی کنت
 علیہ فأصبحنا العقد تحته۔ [أنظر: ۳۳۶، ۳۶۷۲، ۳۷۷۳، ۳۵۸۳، ۴۶۰۷،
 ۴۶۰۸، ۵۱۶۳، ۵۲۵۰، ۵۸۸۲، ۶۸۳۴، ۶۸۳۵] ۱

واقعہ نزول تیمم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم ایک سفر میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ نکلے یہاں تک
 کہ جب ہم ”بیدا“ کے مقام تک پہنچے یا کہا کہ ”ذات الجیش“ کے مقام پر پہنچے، میرا ایک ہار گلے سے گر گیا
 (کہیں رہ گیا) تو رسول اللہ ﷺ نے اس کو ڈھونڈنے کے لئے وہیں قیام فرمایا۔
 ہار ٹوٹنے کا یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا ہے:

ایک مرتبہ اس سفر میں جس میں واقعہ ”افک“ پیش آیا، دوسرا واقعہ یہی ہے۔ زیادہ تر محدثین کا کہنا یہ
 ہے کہ یہ دونوں واقعے الگ الگ ہیں، افک کے واقعے میں جو ہار گم ہوا تھا وہ الگ واقعہ ہے اور تیمم کے باب میں
 جو ہار گم ہونے کا ذکر ہے یہ الگ واقعہ ہے۔

البتہ اس میں کلام ہوا ہے کہ آیا یہ دونوں واقعے ایک سفر کے ہیں یا متعدد سفروں کے ہیں۔ بعض حضرات
 نے فرمایا کہ دونوں کا سفر ایک ہی ہے یعنی دونوں واقعات غزوہ بنی مصلط میں پیش آئے، البتہ افک کا واقعہ پہلا
 ہے اور یہ واقعہ اس کے بعد پیش آیا۔ اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ دونوں سفر الگ الگ ہیں، وہ سفر اور ہے اور
 باب تیمم کا سفر اور ہے، لیکن روایات کو سامنے رکھنے سے صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ واقعہ، افک کے واقعے
 کے بعد کا ہے افک کا واقعہ پہلے پیش آچکا تھا۔

چنانچہ طبرانی کی ایک روایت ہے، جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب افک
 کے واقعہ میں ہار ایک مرتبہ گم ہو چکا تھا، اس کے بعد یہ قصہ پیش آیا تو انہوں نے صراحت یہ کہہ دیا کہ یہ افک کے
 بعد کا واقعہ ہے۔ ۲

۱۔ وفی صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب التيمم، رقم: ۵۵۰، وسنن النسائي، كتاب الطهارة، باب بدء التيمم، رقم:
 ۳۰۸، وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب التيمم، رقم: ۲۷۱، وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب ماجاء فى
 التيمم، رقم: ۵۶۱، ومسند أحمد، باقى مسند الأنصار، باب حديث السيدة عائشة، رقم: ۲۳۱۶۳، ۲۳۲۸۳،
 ۲۵۱۳۶، وموطأ مالك، كتاب الطهارة، باب فى التيمم، رقم: ۱۰، وسنن الدارمى، كتاب الطهارة، باب التيمم
 مرة، رقم: ۷۳۹۔

۲۔ المعجم الكبير للطبرانى، رقم: ۱۵۹، ج: ۳، ص: ۱۲۱، مكتبة العلوم الحكم، الموصول ۱۴۰۲ھ وعمدة
 القارى، ج: ۳، ص: ۱۸۸۔

لیکن سفر ایک تھا یا دو، اس کے بارے میں روایات سے کوئی بات یقینی طور پر واضح نہیں ہوتی، ہو سکتا ہے کہ وہی سفر ہو اور ہو سکتا ہے کہ دونوں سفر الگ الگ ہوں یقینی طور پر کوئی بات واضح تو نہیں ہوتی لیکن بظاہر یہ لگتا ہے کہ دونوں سفر الگ الگ تھے، یہ سفر الگ ہے اور افک والا سفر کوئی اور ہے۔ واللہ اعلم۔

تو فرمایا کہ میرا ہارٹوٹ گیا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اس کے ڈھونڈنے کیلئے وہیں پر قیام فرمایا: ”واقام الناس معہ“ اور لوگ بھی وہاں ٹھہرے ”ولیسوا علی ماء“ اور قیام کی جگہ ایسی تھی جہاں پر قریب میں کوئی پانی نہیں تھا اور کنواں وغیرہ بھی نہیں تھا کیونکہ رات کو قیام کر لیا ہوگا اور پڑاؤ ڈالنے کے لئے عام طور پر یہاں سے آگے روانہ ہو کر کہیں ایسی جگہ ٹھہرنا چاہئے جہاں پانی ہو اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ہار کی کشدگی کی وجہ سے مزید ٹھہرنا پڑ رہا ہے۔ تو لوگ حضرت صدیق اکبر ﷺ کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ ”الا تری ما صنعت عائشہ؟“ آپ کو پتہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا کام کیا ہے؟

”اقامت برسول اللہ ﷺ والناس“

لوگوں کو اور رسول اللہ ﷺ کو لے کر ٹھہر گئی ہے۔

”ولیسوا علی ماء و لیس معہم ماء“

نہ تو لوگوں کے پاس پانی ہے اور نہ ہی کسی پانی پر ہیں یعنی نہ تو آس پاس کوئی کنواں ہے اور نہ مسلمانوں کے پاس اپنے ذاتی سامان میں پانی موجود ہے۔

”فجاء أبو بکر و رسول اللہ ﷺ واضع رأسہ علی فخذی قد نام فقال : حبست رسول اللہ ﷺ والناس“ حضرت صدیق اکبر ﷺ آئے اس حالت میں کہ رسول اللہ ﷺ اپنا سر مبارک میری ران پر رکھ کر لیٹے ہوئے تھے اور آپ ﷺ سو گئے تھے، تو انہوں نے آکر فرمایا کہ تم نے حضور اقدس ﷺ اور لوگوں کو روک رکھا ہے۔

”فقال عائشہ فعاتبني أبو بکر الخ“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق ﷺ نے مجھے ڈانٹا جو اللہ ﷻ نے چاہا وہ مجھے کہا یعنی برا بھلا کہا کہ تم نے لوگوں کو تکلیف میں ڈالا ہے۔

”وجعل يطمعني بیده فی خاصرتی فلا یمنعنی من التحرك الا مکان رسول اللہ ﷺ علی فخذی“ فرمایا کہ وہ پیچھے سے ٹوکا لگا رہے تھے اور (اس میں انسان کو قدرتی طور پر حرکت ہوتی ہے) اس کے باوجود میں حرکت نہیں کر سکتی تھی، اس واسطے کہ رسول اللہ ﷺ میری ران کے اوپر سر رکھ کر سو رہے تھے تو مجھے خیال تھا کہ میں حرکت کرونگی تو آپ ﷺ کی آنکھ کھل جائے گی اور آپ ﷺ کو تکلیف ہوگی۔

”فقام رسول اللہ ﷺ حین أصبح علی غیر ماء، فانزل اللہ آیۃ التیمم، فتمموا“

تو اللہ ﷻ نے آیت تیمم نازل فرمائی اور لوگوں نے تیمم کیا۔

فقال اسید بن الحضیر: ”ماہی بأول برکتکم یا آل ابی بکر“.

اسید بن حنظلہؓ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے خاندان ابوبکر! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں ہے بلکہ تمہاری وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کو بہت سے فائدے پہنچے ہیں، ان میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ تمہارے ہی اس عمل کے نتیجے میں مسلمانوں کو تیمم کی رخصت کا فائدہ حاصل ہوا۔

قالت: ”فبعثنا البعیر الذی کنت علیہ فأصبنا العقد تحته“.

پھر کہتی ہیں کہ ہم نے اس اونٹ کو بھیجا جس کے اوپر میں تھی، دیکھا تو ہمارا اس کے نیچے پڑا ہوا تھا اور وہیں سے مل گیا ہے۔

یہ واقعہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے اور اس کو آیت تیمم کے لئے سبب نزول قرار دیا، کیونکہ اس روایت میں صراحت ہے کہ آیت تیمم اس واقعہ میں نازل ہوئی، لیکن علماء کرام کے لئے یہ بڑا مشکل مسئلہ بن گیا کہ آیت تیمم قرآن کریم میں دو ہیں: ایک سورہ نساء میں اور دوسری سورہ مائدہ میں ہے۔

اشکال

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہاں جو تیمم کی آیت نازل ہونے کا ذکر ہے اس سے کس سورہ کی آیت مراد ہے؟ اگر سورہ مائدہ کی آیت ہو جیسا کہ اکثر محدثین نے یہی کہا ہے، تو سورہ نساء نزول کے اعتبار سے سورہ مائدہ پر مقدم ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ سورہ نساء کی آیت اس واقعے سے پہلے نازل ہو چکی تھی اور اب سورہ مائدہ کی آیت نازل ہوئی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تیمم کے احکام آچکے تھے تو صحابہ کرامؓ کو اس موقع پر پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ حکم تو پہلے آچکا تھا اور سب کو معلوم تھا کہ ایسی حالت میں تیمم کرنا جائز ہو جاتا ہے پھر اس کے بارے میں پریشانی کے کیا معنی؟

اور اگر یہ کہا جائے کہ اس سے مراد سورہ نساء کی آیت ہے تو بعض روایتوں سے اس کی تردید ہوتی ہے، کیونکہ بعض روایتوں میں یہاں پر جس آیت تیمم کا ذکر ہے اس کے ساتھ الفاظ بھی مذکور ہیں اور الفاظ وہ ہیں جو سورہ مائدہ کے ہیں؟

جواب

اس اشکال کے جواب میں شرح حدیث بہت حیران و پریشان ہوئے کہ اس کا کیا جواب دیا جائے، بہر حال بعض حضرات نے کہا کہ اصل میں یہاں پر آیت ”سورہ مائدہ“ کی نازل ہوئی، لیکن اس سے پہلے جو ”سورہ نساء“ کی آیت آچکی تھی اس میں صرف جنابت کی حالت میں تیمم کی مشروعیت کا ذکر تھا کیونکہ ساری آیت

جنابت سے متعلق ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَ
أَنْتُمْ سُكْرَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنْبًا
إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّى تَغْتَسِلُوا ط وَإِنْ كُنْتُمْ
مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ
الْغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً
فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَ
أَيْدِيكُمْ ط إِنْ اللَّهُ كَانَ غَفُورًا غَفُورًا﴾

[النساء: ۴۳] - [المائدة: ۶]

تو چونکہ اس کا سیاق و سباق غسل سے متعلق ہے تو غسل کی حالت میں تو تیمم کا حکم معلوم ہو گیا تھا لیکن
حدث اصغر کی صورت میں کیا ہوگا؟ یہ حکم نہیں آیا تھا۔ اس واسطے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہاں پر پریشان ہوئے اور اس
وقت سورہ مائدہ کی آیت نازل ہوئی تو حدث اصغر کا حکم بیان فرمایا اور وہ:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا وَإِنْ كُنْتُمْ جُنْبًا فَأَطْهَرُوا الْخ“ سے شروع ہو رہی ہے۔

اور اس میں وضو کا ذکر ہے اور وضو کے قائم مقام کے طور پر تیمم کا ذکر آیا۔

اس توجیہ پر پوری طرح اطمینان نہیں ہوتا پہلی وجہ تو یہ ہے کہ پہلی آیت جو سورہ نساء کی ہے اس کا صرف
غسل جنابت سے متعلق ہونا یہ اس لئے مشکل ہے کہ اس آیت میں بھی ”أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ“
آیا ہے جو حدث اصغر کی صورت میں تیمم پر دلالت کر رہا ہے اور اس نے حدث اصغر کی حالت میں تیمم کا حکم بتا دیا تو
اس موقع پر پریشانی کی کیا حاجت ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ فرض کریں کہ جنابت کے بارے میں تیمم کا حکم پہلے آ گیا تھا اور اس دوسری آیت سے
حدث اصغر مراد لیا جائے، تب بھی وضو کا حکم بطریق دلالت النص ثابت ہو جانا چاہئے تھا، کیونکہ یہ تو ہو سکتا ہے کہ
وضو کے سلسلے میں تیمم کا حکم پہلے آچکا ہو لیکن جنابت کے سلسلے میں نہ آیا ہو جس کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان
ہوں، لیکن جب جنابت میں تیمم کی اجازت دیدی گئی تو وضو میں تو بطریق اولیٰ ہونی چاہئے، تو اس میں پریشانی
کی کوئی وجہ نہیں، لہذا یہ اشکال اس جواب سے رفع نہیں ہوتا۔

ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے

لگتا یوں ہے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم کہ اس واقعہ کے سیاق سے بالکل صاف صاف یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ تیمم کا حکم پہلی بار اس آیت کے ذریعے معلوم ہوا جو اس موقع پر نازل ہوئی۔ اسی واسطے حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”ماہی باول برکتکم یا آل ابی بکر“ سب سے پہلے اسی میں ہوا۔

تو دو حال میں سے ایک حال ہوا اگر سورہ مائدہ ہے تو عین ممکن ہے کہ سورہ نساء بحیثیت مجموعی سورہ مائدہ پر مقدم ہو لیکن وہ آیت خاص جو ہے وہ مائدہ کے بعد نازل ہوئی اور یہ ہو سکتا ہے، کیونکہ قرآن کریم میں اس کا وقوع بکثرت ہوا ہے۔ لہذا سورہ نساء نزولاً مقدم ہے لیکن ایک آدھ آیت اگر بعد میں نازل ہوئی ہو تو کوئی بات نہیں، تو اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ سورہ مائدہ کی آیت آگئی اس نے حکم بتا دیا، بعد میں سورہ نساء کی آیت بھی نازل ہوئی۔

یابیوں کہا جائے کہ اس موقع پر سورہ نساء کی آیت ہی نازل ہوئی۔ یہاں آیت تیمم سے مراد سورہ نساء کی آیت ہے نہ کہ سورہ مائدہ کی اور جس روایت میں کسی راوی نے اس مقام پر سورہ مائدہ کی آیت تلاوت کی تو اس کو خلط ہو گیا ہے، کیونکہ دونوں آیتیں متشابہ ہیں اور الفاظ میں سوائے ”منہ“ کے اور کوئی فرق نہیں ہے تو اس نے خلط کی وجہ سے اس کو کہہ دیا یہ دو احتمال موجود ہیں۔

۳۳۵۔ حدثنا محمد بن سنان، قال: حدثنا هشيم ح قال: وحدثني سعيد بن النضر، قال: أخبرنا هشيم قال: أخبرنا سيار، قال: حدثنا يزيد الفقير، قال: أخبرنا جابر بن عبد الله أن النبي ﷺ قال: ((أعطيت خمسا لم يعطهن أحد قبلي: نصرت بالرعب مسيرة شهر، وجعلت لي الأرض مسجداً وطهوراً، فأيما رجل من أمتي أدركته الصلاة فليصل، وأحلت لي الغنائم ولم تحل لأحد قبلي، وأعطيت الشفاعة، وكان النبي يبعث إلى قومه خاصة وبعثت إلي الناس عامة)) . [أنظر: ۴۳۸، ۲۲، ۳۱، ۳]

”أعطيت خمسا لم يعطهن أحد قبلي“

۳۔ وفي صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، رقم: ۸۱۰، وسنن النسائي، كتاب الغسل والتيمم، باب التيمم بالصعيد، رقم: ۴۲۹، وكتاب المساجد، باب فضل صلاة العشاء، رقم: ۷۲۸، ومسند أحمد، باقي المسند المكثرين، باب مسند جابر بن عبد الله، رقم: ۱۳۷۳۵، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب الأرض كلها طاهرة ما خلا المقبرة والحمام، رقم: ۱۳۵۳.

خصائص نبوی ﷺ

حضرت جابر بن عبد اللہ ؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے پانچ ایسی خصوصیات عطا فرمائی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔

ایک تو یہ کہ مجھے رعب اور ہیبت کے ذریعہ فتح و نصرت عطا کی گئی، بلا اسباب ظاہری کے ایک ماہ کی مسافت تک میرے دشمن مجھ سے مرعوب اور خوف زدہ رہتے ہیں، یہ تائید غیبی تھی کہ ایک ماہ کی مسافت تک دشمنوں کے دلوں میں آپ ﷺ کا رعب ڈال دیا گیا۔

دوسری یہ کہ زمین کو میرے لئے مسجد بھی اور طہور بھی بنا دیا گیا کہ جب پانی نہ ہو اس سے آدمی تیمم کر لے، ساری زمین کو مسجد بنانے کے معنی یہ ہیں کہ اور امتوں میں عبادت کے لئے خاص جگہ مقرر ہوتی تھی (جیسے بنی اسرائیل ہر جگہ عبادت نہیں کرتے تھے) انہی میں عبادت کرنے کا حکم تھا۔

علامہ ابن التین اور داؤدی رحمہما اللہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زمین میں سیاحت فرماتے، اور جہاں بھی نماز کا وقت آجاتا، نماز پڑھ لیتے، لیکن اس روایت کا مآخذ اور درجہ استناد محقق نہیں ہو سکا۔^۴
حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ بدر الدین عینی رحمہما اللہ میں سے کسی نے اس کا مآخذ ذکر نہیں فرمایا، اور اگر یہ بات ثابت ہو تو عین ممکن ہے کہ زمین کا بیک وقت مسجد و طہور ہونا آنحضرت ﷺ کی خصوصیت ہو، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے صرف مسجد بنائی گئی طہور نہیں، لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے علامہ خطابی رحمہ اللہ کے قول کو راجح قرار دیا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام (بشمول حضرت عیسیٰ علیہ السلام) معابد میں عبادت کرتے تھے، اور اس میں کوئی استثناء نہیں۔^۵

اس کی تائید مسند بزار میں حضرت ابن عباس ؓ کی روایت سے ہوتی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ ”لم یکن من الانبیاء أحد یصلی حتی یبلغ محرابہ“^۶

۴۔ وقد کان عیسیٰ علیہ السلام یسیح فی الأرض ویصلی حیث ادرکته الصلاة الخ، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر،

ج: ۱، ص: ۵۶۷، وفیض القدیر، ج: ۴، ص: ۴۳۸.

۵۔ قال الخطابی من قبلنا إنما أیحت لهم الصلوات فی أماكن مخصوصة کالبيع والصوامع وطهروا فی رواية مسلم وجعلت لنا الأرض کلها مسجداً وجعلت تربتها لنا طهراً وبعثت الی الناس كافة وكان النبی یبعث الی قومه خاصة: شرح السیوطی، ج: ۱، ص: ۲۱۱، وفتح الباری، ج: ۱، ص: ۴۳۷.

۶۔ فتح الباری، ج: ۱، ص: ۴۳۸، وعمدة القاری، ج: ۳، ص: ۹۴، ومجمع الزوائد، ج: ۱، ص: ۲۵۸، وسنن البیہقی

الکبری، ج: ۲، ص: ۴۳۳، والتاریخ الکبیر، ج: ۴، ص: ۱۱۴، رقم: ۲۱۵۲.

حضور اقدس ﷺ کے لئے ساری زمین کو عبادت گاہ بنا دیا کہ جہاں موقع ملے پڑھ سکتے ہیں اور طہور بنا دیا گیا (یہی موضع ترجمہ ہے کہ بتلا دیا گیا کہ تیمم کے ذریعہ نماز کا جائز ہونا اور وضو اور غسل کے قائم مقام ہونا) یہ نبی کریم ﷺ کی خصوصیت ہے۔

”فایما رجل من امتی ادر کتہ الصلاة فلیصل“ لہذا میری امت میں سے جس کو نماز کا وقت آجائے اس کو چاہئے کہ نماز پڑھے پانی نہ ہو تب بھی تیمم کر کے پڑھے۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ میرے لئے مالی غنیمت حلال کیا گیا، جبکہ پچھلی امتوں کے لئے مالی غنیمت حلال نہیں تھا بلکہ ان کو کسی کھلے میدان میں یا پہاڑ پر رکھ دیا جاتا تھا پھر آسمان سے آگ آ کر اس کو جلا دیتی تھی۔ چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ مجھے شفاعت کبریٰ کا مرتبہ عطا کیا گیا کہ قیامت کے دن اولین اور آخرین میری طرف رجوع کریں گے اور میں ان کے لئے بارگاہِ خداوندی میں شفاعت کروں گا۔

پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ میری بعثت تمام دنیا کی طرف ہوئی، مجھ سے پہلے انبیاء صرف اپنی اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے اور میں تمام دنیا کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔

اس پر بعض حضرات نے اشکال کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام طوفان کے بعد تمام اہل ارض کی طرف مبعوث ہوئے تھے، نیز طوفان سے پہلے جب آپ نے تمام اہل ارض کے لئے ہلاکت کی بددعا فرمائی تو اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ پورے اہل ارض کے لئے مبعوث تھے؟

علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ طوفان سے پہلے وہ اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور ممکن ہے کہ دوسری اقوام کی طرف دوسرے انبیاء مبعوث ہوئے ہوں، اور ان کی تکذیب کا آپ کو علم ہو، اس لئے سب کے حق میں بددعا فرمائی، اور طوفان کے بعد بعثت تو اپنی قوم کی طرف ہی تھی، مگر اس وقت اہل ارض آپ کی قوم ہی میں منحصر تھے۔

(۲) باب إذا لم یجد ماءً ولا تراباً

اگر کسی شخص کو پانی نہ ملے اور نہ مٹی، تو وہ کیا کرے؟

۳۳۶ - حدثنا زکریا بن یحییٰ قال : حدثنا عبد اللہ بن نمیر قال : حدثنا ہشام بن

عروہ ، عن ابيه ، عن عائشة أنها إستعارت من أسماء قلادة فهلكت ، فبعث رسول الله ﷺ رجلاً فوجدھا ، فادرکتھم الصلاة وليس معهم ماء ، فصلوا فشکوا ذلک إلی رسول الله ﷺ فأنزل الله آية التیمم ، فقال أسید بن حضیر لعائشة : جزاک الله خیرا ، فوالله ما نزل بک أمر تکرهینہ إلا جعل الله ذلک لک وللمسلمین فیہ خیرا . [راجع : ۳۳۳]

مسئلہ فاقد الطہورین

”باب اذا لم يجد ماء ولا ترابا“.

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے فاقد الطہورین والے مسئلے پر ترجمۃ الباب قائم کیا ہے کہ کسی آدمی کے پاس نہ پانی ہو اور نہ ہی مٹی ہو، تو کیا حکم ہوگا؟ تو یہاں استدلال اس سے کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انہوں نے آسمان سے ایک قلابہ مستعار لیا تھا۔

”فهلكت“ وہ گم ہو گیا۔ ”فبعث رسول اللہ ﷺ رجلا فوجدھا“۔ آپ ﷺ نے ایک آدمی کو بھیجا تو اس نے پالیا، ماقبل میں اس کی تفصیل گزری ہے کہ اونٹ کے نیچے سے ملا تھا۔ تو اس وقت نماز کا وقت آ گیا تھا اور پانی نہیں تھا، صحابہ کرام ﷺ نے نماز پڑھی۔

”فصلوا فشكوا ذلك إلى رسول اللہ ﷺ“ تو انہوں نے حضور اقدس ﷺ سے شکایت کی کہ ہمیں پانی نہیں ملا تو لوگوں نے نماز پڑ لی، اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت تیمم نازل فرمائی۔

استدلال بخاری رحمہ اللہ

امام بخاری رحمہ اللہ اس بات سے استدلال کر رہے ہیں کہ آیت تیمم نازل ہونے سے پہلے جبکہ پانی نہیں تھا تو اس وقت بعض صحابہ کرام ﷺ نے بغیر وضو کے نماز پڑھ لی، تو دیکھو کہ جب آیت تیمم نازل نہیں ہوئی تھی اس وقت صرف ایک ہی طریقہ مشروع تھا اور وہ ہے پانی سے وضو کرنا، مٹی تو اس وقت طہور ہی نہیں تھی کیونکہ تیمم کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، تو جب ایک ہی طہور تھا اور وہ فوت ہو گیا تو صحابہ کرام ﷺ نے بغیر وضو نماز پڑھی۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس سے استدلال کر رہے ہیں کہ جب شریعت نے ایک اور طہور کا اضافہ کر دیا یعنی مٹی، تو جب کوئی شخص ایسا ہو کہ جسکے پاس دونوں مفقود ہوں نہ مٹی ہو نہ پانی ہو۔ تو اس وقت بھی وہی کام کرنا چاہئے جو اس وقت صحابہ کرام ﷺ نے کیا تھا۔

حضور اقدس ﷺ کو اطلاع ملی کہ آیت تیمم نازل ہوئی، لیکن روایت میں یہ کہیں نہیں آیا کہ حضور اقدس ﷺ نے ان صحابہ کرام ﷺ کو جنہوں نے بغیر وضو اور تیمم کے نماز پڑھ لی تھی، انہیں قضا کا حکم دیا ہو۔

اختلاف ائمہ

اس سے استدلال کر کے امام بخاری رحمہ اللہ فرما رہے ہیں کہ اگر کوئی شخص فاقد الطہورین ہو جائے کہ نہ پانی ملے نہ مٹی تو اس کو چاہئے کہ اسی حالت میں نماز پڑھ لے اور اس کے ذمہ قضاء واجب نہیں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ مسلک اختیار کیا ہے ”یصلی ولا يقضي“.

حضرت امام احمد رحمہ اللہ کا یہی مسلک ہے کہ اس وقت نماز پڑھے بعد میں قضا واجب نہیں۔
حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کا مذہب ایک قول کے مطابق کہ ”یصلیٰ و یقضیٰ“ یعنی نماز پڑھے اور قضا بھی کرے۔

امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے ”لا یصلیٰ ولا یقضیٰ“ کہ فریضہ ہی ساقط ہو گیا یعنی نہ نماز فرض ہے نہ قضا واجب ہے۔ ۵۔

حنفیہ نے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے کہ اس وقت میں انسان کو چاہئے کہ ”تشبہ بالمصلین“ کرے یعنی نماز کی ہیئت بنائے، قرأت نہ کرے اور بعد میں قضا کرے۔ ۹۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث میں استدلال تو بڑا لطیف کیا، لیکن اس روایت میں اگر قضا کا ذکر نہیں ہے تو عدم شی کو مستلزم نہیں ہوتا۔ ہو سکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بعد میں ان کو قضا کا حکم دیا ہو جو روایت میں مذکور نہیں اور وہ جو نماز پڑھی گئی اس وقت وہ اپنے زعم میں اگرچہ نماز تھی، لیکن حقیقت میں ”تشبہ بالمصلین“ ہے کیونکہ ”الا تقبل صلوٰۃ بغیر طہور“ خود حدیث موجود ہے۔

آگے فرماتے ہیں: فقال أسيد بن حضير لعائشة: ”جزاك الله خيرا، فوالله ما نزل بك أمر تكرهينه إلا جعل الله ذلك لك وللمسلمين فيه خيرا“۔

کہ اللہ ﷻ نے آیت تیمم نازل فرمائی تو اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اللہ ﷻ تمہیں بہترین جزائے خیر دے، کیونکہ جب بھی کوئی ایسا واقعہ پیش آیا ہو جو آپ کے لئے ناگوار ہو مگر اللہ ﷻ نے اس کو مسلمانوں کے نفع کی چیز بنا دیا اور مسلمانوں کے لئے اس میں خیر پیدا فرمادی۔ مثلاً اٹک کے واقعہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے بڑے سخت آزمائش کا وقت تھا، لیکن اس کے نتیجے میں مسلمانوں کے لئے احکام نازل ہو گئے، یعنی حد لعان، حد قذف وغیرہ کے احکام اگرچہ واقعہ ناگوار پیش آیا لیکن اس کے ذریعہ مسلمانوں کو خیر پہنچی۔

(۳) باب التیمم فی الحضر إذا لم يجد الماء وخاف فوت الصلاة

قیام کی حالت میں جب پانی نہ پائے اور نماز کے فوت ہو جانے کا خوف ہو

”وبه قال عطاء، وقال الحسن في المرىض عنده الماء ولا يجد من يناوله :

۵ فتح الباری، ج: ۱، ص: ۴۳۰، وعمدة القاری، ج: ۳، ص: ۱۹۹۔

۹ فیض الباری، ج: ۱، ص: ۴۰۰، واعلاء السنن، ج: ۱، ص: ۳۳۰۔

یتیمم ، وأقبل ابن عمر من أرضه بالجرف فحضرت العصر بمر بد الغنم فصلی ثم دخل المدینة والشمس مرتفعة فلم يعد“ .

ترجمہ الباب کا مقصد

یہ کہنا مقصود ہے کہ تیمم کا حکم صرف سفر کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ حضر میں بھی اگر کسی کو یہ حالت پیش آجائے اور اس کو پانی نہ ملے یا پانی کا استعمال اس کے لئے ممکن نہ ہو تو پھر اس کے لئے تیمم جائز ہے۔ ”اذا لم يجد الماء وخاف فوت الصلوة“

”وبه قال عطاء“ اور یہی قول عطاء کا بھی ہے کہ حضر کے اندر تیمم جائز ہے۔ ”وقال الحسن في المريض عنده الماء ولا يجد من يناوله : يتيمم“ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسا مریض ہے کہ پانی تو اس کے پاس ہے لیکن کوئی ایسا آدمی اس کے پاس نہیں ہے جو اس کو وضو کرائے اور وہ خود بیماری کی وجہ سے وضو کر نہیں کر سکتا تو فرمایا کہ وہ تیمم کرے۔

”وأقبل ابن عمر من أرضه بالجرف“ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جرف کے مقام سے (وہاں ان کی زمین تھی) واپس آرہے تھے۔ ”فحضرت العصر بمر بد الغنم“ عصر کا وقت آگیا، اس جگہ چوپاؤں کا باڑا تھا جو مدینہ منورہ ہی کے حصہ میں تھا۔ ”لفصلی“ پس انہوں نے وہاں نماز پڑھی ”ثم دخل المدینة“ پھر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے نہ جانے وہ حصہ کیوں حذف کر دیا جس میں تھا کہ انہوں نے تیمم کر کے نماز پڑھی حالانکہ اصل حدیث میں تیمم کا ذکر ہے یہ حدیث موصولاً آئی ہے موطاً امام مالک میں اس میں تیمم کرنے کا ذکر ہے اور یہی موضع استدلال بھی ہے۔ یعنی انہوں نے حضر میں ہونے کے باوجود تیمم فرمایا۔ جب مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو سورج مرتفع تھا یعنی ابھی عصر کا وقت باقی تھا۔ ”فلم يعد“ تو مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد نماز کا اعادہ نہیں کیا۔

اس سے اس بات پر استدلال کر رہے ہیں کہ اگر کسی شخص نے وقت کے آغاز میں تیمم کر لیا لیکن وقت کے ختم ہونے سے پہلے اس کو پانی میسر آگیا تو اب اس کو وضو کر کے نماز کا اعادہ کرنے کی حاجت نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے عصر کی نماز اس وقت پڑھی جبکہ وہ ابھی راستے میں تھے مدینہ میں داخل نہیں ہوئے تھے اور پانی میسر نہ تھا پھر مدینہ منورہ آگئے اور پانی میسر آگیا حالانکہ عصر کا وقت باقی تھا تو معلوم ہوا کہ نماز کا اعادہ کرنا فرض نہیں ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اثر سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مدعا

اس میں چند باتیں قابل ذکر ہیں:

”باب التیمم فی الحضرة اذالم یجد الماء وخاف فوت الصلوة“

اس باب میں یہ بات بیان سے رہ گئی کہ پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم جس طرح سفر میں مشروع ہے اسی طرح حضر میں بھی مشروع ہے۔ دراصل امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب اس مسئلہ کو بیان کرنے کے لئے قائم فرمایا ہے۔

لیکن یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمۃ الباب میں یہ بھی لکھا ہے ”اذا لم یجد الماء وخاف فوت الصلوة“ کہ اگر اسے پانی نہ ملے اور نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو اس کیلئے تیمم جائز ہے۔ جس کا مفہوم مخالف یہ ہوا کہ اگر آدمی حضر میں ہے اور نماز فوت ہونے کا اندیشہ نہیں ہے تو اس صورت میں اس کیلئے تیمم کرنا جائز نہیں۔

لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے آگے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا جو واقعہ نقل کیا ہے اس میں صراحت ہے کہ انہوں نے جب تیمم کر کے نماز پڑھ لی اور پھر واپس مدینہ منورہ پہنچے تو اس وقت تک سورج بلند تھا یعنی عصر کا وقت باقی تھا، تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ انہوں نے تیمم ایسے وقت میں کیا جبکہ فوت صلوٰۃ کا اندیشہ نہیں تھا۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ اس ترجمۃ الباب کے مطابق نہیں ہے کیونکہ ترجمۃ الباب میں ”اذا خاف فوت الصلوة“ کی جو قید لگی ہوئی ہے یہ بظاہر اس کے خلاف ہے، تو اس کے جواب میں شراح بخاری نے مختلف موقف اختیار کئے ہیں:

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی ایک توجیہ یہ کی ہے کہ درحقیقت جس وقت حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ تیمم کر رہے تھے اس وقت ان کو پورا یقین نہیں تھا کہ میں وقت کے اندر مدینہ منورہ پہنچ جاؤں گا، بلکہ اس وقت خیال یہی تھا کہ وقت میں نہیں پہنچ سکوں گا تو اس واسطے انہوں نے تیمم کر لیا لیکن کسی وجہ سے اس وقت پہنچ گئے جبکہ وقت باقی تھا تو اس واسطے پھر اعادہ نہیں کیا، کیونکہ جو شرط ہے وہ یہ ہے کہ جس وقت آدمی تیمم کر رہا ہے اس وقت اس کو فوت صلوٰۃ کا خوف ہو، خواہ وہ خوف بعد میں غلط ثابت ہو، لیکن غالب گمان اس کا یہ ہو کہ اگر میں نے تیمم کر کے اس وقت نماز نہ پڑھی تو شہر پہنچنے تک نماز کا وقت نکل جائے گا، پھر بعد میں اگر وقت کے اندر اندر شہر پہنچ جائے تو پھر اعادہ کی ضرورت نہیں کیونکہ شرط صرف یہ ہے کہ اس وقت میں خوف ہو تو چونکہ اس وقت میں خوف موجود تھا لہذا تیمم کرنا جائز ہو گیا ۱۰

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے جتنی توجیہات کی ہیں ان میں سب سے قوی توجیہ یہ نظر آتی ہے۔

ایک اور توجیہ

مجھے (استاذنا) ایسا لگتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو فوت صلوٰۃ کا اندیشہ نہ ہو تو اس وقت تک نماز نہ پڑھے اور اس وقت تک تیمم بھی نہ کرے لیکن اگر کوئی پڑھ لے گا تو نماز ہو جائے گی اور یہی حنفیہ کا مسلک ہے کہ اگر آدمی کو یہ غالب گمان ہو کہ میں وقت کے اندر اندر پانی پالوں گا اور میں وضو کر سکوں گا تو پھر اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ نماز کو مؤخر کرنے اور نماز کو مؤخر کرنے کے بعد جب پانی مل جائے تو پھر باقاعدہ وضو کر کے نماز پڑھے، ایسا کرنا مستحب ہے۔ اور تاخیر کی صورت میں فقہاء حنفیہ نے اس کی صراحت کی ہے کہ تاخیر اس وقت تک کرے جب تک کہ وقت مستحب کے نکل جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ اور اگر وقت مستحب کے نکل جانے کا اندیشہ ہو تو پھر مستحب نہیں ہے اور یہ تاخیر بھی محض افضل ہے، اسی لئے اگر کوئی شخص اس افضل پر عمل نہ کرے اور تیمم کر کے نماز پڑھ لے تو اس کی نماز ہو جائے گی اور اس کا اعادہ نہیں ہوگا، تو ہو سکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مذہب بھی یہی ہو جو حنفیہ کا مذہب ہے۔

اسی لئے ترجمۃ الباب میں انہوں نے یہ تو کہہ دیا کہ ”إذا خاف فوت الصلوٰۃ“، لیکن ساتھ میں تعلیقاً ابن عمرؓ کا اثر بھی روایت کر دیا جس میں یہ ہے کہ انہوں نے اعادہ نہیں کیا، اس طرف اشارہ کر دیا کہ تاخیر کرنا اگرچہ مستحب ہے لیکن اگر کوئی تاخیر نہ کرے تو اس کے ذمہ اعادہ واجب نہیں ہوگا۔ دراصل ترجمۃ الباب سے ان حضرات کی تردید کرنا مقصود ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضر کے اندر تیمم مسنون ہی نہیں تو اس سے ان کی تردید ہوگئی۔

۳۳۷۔ حدثنا يحيى بن بكير قال : حدثنا الليث ، عن جعفر بن ربيعة ، عن الأعرج ، قال : سمعت عميرا مولى ابن عباس قال : أقبلت أنا وعبد الله بن يسار مولى ميمونة زوج النبي ﷺ حتى دخلنا على أبي جهيم بن الحارث بن الصمة الأنصاري ، فقال أبو جهيم : أقبل النبي ﷺ من نحو بئر جمل فلقيه رجل فسلم عليه فلم يرد عليه النبي ﷺ حتى أقبل على الجدار فمسح بوجهه ويديه ، ثم رد ﷺ . ۱

۱۔ وفی صحیح مسلم ، کتاب الحيض ، باب التيمم ، رقم : ۵۵۳ ، وسنن النسائي ، كتاب الطهارة ، باب التيمم في الحضرة ، رقم : ۳۰۹ ، وسنن أبي داود ، كتاب الطهارة ، باب التيمم في الحضرة رقم : ۲۷۸ ، ومسند أحمد ، مسند الشاميين ، باب حديث أبي جهيم بن الحارث بن الصمة ، رقم : ۱۶۸۸۳ .

حالتِ حضر میں مشروعیتِ تیمم پر استدلال بخاری

حضرت عمیر مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور عبداللہ بن یسار جو حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے مولیٰ ہیں وہ آئے یہاں تک کہ میں اور عبداللہ بن یسار ابو جہیم بن الحارث بن الصمۃ الانصاری رضی اللہ عنہ پر داخل ہوئے تو حضرت ابو جہیم الانصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”أقبل النبي ﷺ من نحو بئر جمل“ کہ نبی کریم ﷺ بئر جمل کی جانب تشریف لائے۔
 ”فلقيه رجل“ ایک شخص آپ ﷺ کو ملا اور سلام کیا۔ ”فلم يرد عليه النبي ﷺ“۔ نبی کریم ﷺ نے ان کا فوراً جواب نہیں دیا۔

”حتى أقبل على الجدار“ یہاں تک کہ آپ ﷺ ایک دیوار کی طرف تشریف لے گئے۔
 ”فمسح بوجهه ويديه، ثم رد ﷺ“ پھر آپ ﷺ نے اپنے چہرہ انور اور دونوں ہاتھوں کا مسح فرمایا۔ پھر اس کے بعد سلام کا جواب دیا۔

حضور ﷺ نے اس وقت جو تیمم فرمایا یہ واجب نہیں تھا کیونکہ سلام کا جواب دینے کے لئے با وضو ہونا کوئی شرط نہیں ہے، لیکن آپ ﷺ نے یہ بطور استحباب فرمایا یہ بات تقریباً متفق علیہ ہے۔
 لیکن امام بخاری رحمہ اللہ اس سے استدلال کر رہے ہیں کہ حضر میں بھی تیمم مشروع ہے کیونکہ یہ سفر کی حالت نہیں تھی، مدینہ منورہ میں ایسا واقعہ پیش آیا تھا، مدینہ منورہ میں تیمم فرمایا، اگرچہ یہ تیمم بذات خود واجب نہیں تھا بلکہ نقلی یا مستحب تھا لیکن اس سے یہ بات فی الجملہ معلوم ہو گئی کہ حالتِ حضر میں تیمم مشروع ہے اگر حالتِ حضر میں تیمم مشروع نہ ہوتا تو آپ ﷺ نقلی تیمم بھی نہ فرماتے۔

(۴) باب المتيّم هل ينفخ فيهما؟

جب تیمم کے لئے زمین پر ہاتھ مارے تو کیا جائز ہے کہ ان کو پھونک کر مٹی جھاڑ دے

ترجمۃ الباب میں لفظ ”هل“ استعمال کرنے کی وجہ

یہ باب ہے کہ کیا تیمم نفخ کرے گا اور پھونک مارے گا یا نہیں؟ یعنی ہاتھ مٹی میں مارنے کے بعد پھونک مار کر مٹی کو الگ کرے یا نہ کرے؟ تو اس میں حنفیہ کا موقف یہ ہے کہ اگر مٹی ہاتھوں پر لگی ہوئی ہے تو تھوڑی سی پھونک مار کر اس مٹی کو کم کر دینا مستحب ہے کیونکہ اگر ساری مٹی چہرے پر لے تو اس میں تشوہ لازم آتی ہے، یعنی اپنے چہرے کو بگاڑنا، اور یہ مشروع نہیں ہے۔ تو نفخ حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے۔

دوسرے بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ نفخ محض مباح ہے مستحب نہیں، یعنی آدمی پھونک مار دے یہ جائز ہے لیکن مستحب نہیں ہے۔

چونکہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے بعض حضرات اس کو مستحب کہتے ہیں اور بعض مباح کہتے ہیں اس واسطے امام بخاری رحمہ اللہ نے ”هل ينفخ“ میں ”هل“ کا لفظ استعمال کیا۔

اور ”هل“ کے استعمال کی ایک دوسری وجہ بڑی لطیف ہے جو حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ نے ”لامع الدراری“ کے اندر بیان فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے یہاں پر جو نفخ فرمایا اس میں دو احتمال ہیں۔ اس واسطے کہ اس وقت میں آپ ﷺ جو تیمم فرما رہے تھے حقیقت میں تیمم نہیں فرما رہے تھے بلکہ محض بتا رہے تھے کہ بھائی تیمم کا طریقہ یہ ہوتا ہے، تیمم مقصود نہیں تھا۔

ایک احتمال یہ ہے کہ اس وقت جو آپ ﷺ نے پھونک ماری تو یہ تیمم کے طریقہ کا ایک حصہ تھا کہ تیمم کا طریقہ آپ بتا رہے تھے کہ اس کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ ہاتھ مارو اور پھر پھونک مارو، پھر اپنے چہرے پر ملو۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ پھونک مارنا تیمم کے طریقہ کا حصہ نہیں تھا بلکہ تیمم اس وقت مقصود نہیں تھا تو بلا وجہ اپنے چہرے کو مٹی سے کیوں آلودہ کروں۔ اس لئے مٹی کو پھونک ماری نہ کہ عمل مستحب سمجھ کر۔ اس واسطے امام بخاری رحمہ اللہ نے اشارہ کر دیا کہ دونوں احتمال موجود ہیں۔

۳۳۸۔ حدثنا آدم ، قال : حدثنا شعبة قال : حدثنا الحكم عن ذر ، عن سعيد بن عبد الرحمن بن أبزي ، عن أبيه قال : جاء رجل إلى عمر بن الخطاب فقال : إني أجنب فلم أصب الماء ، فقال عمار بن ياسر لعمر بن الخطاب : أما تذكر أنا كنا في سفر أنا وانت ؟ فأما أنت فلم تصل ، وأما أنا فتمعكت فصليت ، فذكرت ذلك للنبي ﷺ فقال النبي ﷺ : ((إنما كان يكفيك هكذا)) وضرب النبي ﷺ بكفيه الأرض ، ونفخ فيهما ، ثم مسح بهما وجهه وكفيه . [أنظر : ۳۳۹ ، ۳۴۰ ، ۳۴۱ ، ۳۴۲ ، ۳۴۳ ، ۳۴۴ ، ۳۴۵ ، ۳۴۶ ، ۳۴۷] ۱۲

بوقت تیمم زائد مٹی کا نفخ جائز ہے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں جنبی ہو گیا ہوں اور میرے پاس پانی نہیں

۱۲ وفی صحیح مسلم ، کتاب الحيض ، باب التيمم ، رقم : ۵۵۲ ، وسنن النسائي ، کتاب الطهارة ، باب نوع آخر من التيمم ، رقم : ۳۱۵ ، وسنن أبي داود ، کتاب الطهارة وسننها ، باب فی التيمم ضربة واحدة ، رقم : ۵۶۲ ، ومسند احمد ، أول مسند الكوفيين ، باب بقية حديث عمار بن ياسر ، رقم : ۱۷۵۹۶ ، ۱۷۶۰۰ ، ۱۸۱۲۵ ، وسنن الدارمي ، کتاب الطهارة ، باب التيمم مرة ، رقم : ۷۳۸۔

ہے، تو حضرت عمار بن یاسرؓ وہاں موجود تھے، انہوں نے حضرت عمرؓ کو یاد دلایا کہ ہم ایک مرتبہ سفر میں تھے (میں بھی اور آپ بھی) اور ہمیں ایک مرتبہ جنابت پیش آگئی تھی اور آپ نے نماز نہیں پڑھی۔
 ”و اما أنا فتممکت“ اور میں نے مٹی میں التناہلنا شروع کر دیا۔

”فذکرت ذلک للنبی ﷺ فقال النبی ﷺ : ((إنما کان یکفیک ہکذا))

وضرب النبی ﷺ بکفیه الأرض ، ونفخ فیہما ، ثم مسح بہما وجہہ وکفیہ “ ایسے ہاتھ مارا اور ایسے پھونک ماری اور پھر اس کے بعد اپنے چہرہ انور اور کفین کا مسح فرمایا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب سے یہ استدلال کیا کہ آدمی جب مٹی پر ہاتھ مارے تو اس کے لئے جائز ہے کہ اگر زیادہ مٹی لگ گئی ہے تو ان میں سے کچھ کو اپنی پھونک سے اڑا دے، تاکہ ہلکی سی مٹی لگے ورنہ تیمم کا مقصد اللہ ﷻ کے حکم کی اطاعت ہے، اطاعت میں کچھ مٹی لگ جائے لیکن یہ مقصد نہیں کہ آدمی بھوت بن جائے، اس واسطے اگر نفع کر کے اس کو اڑا دے تو یہ حضور ﷺ سے ثابت ہے۔

(۵) باب التیمم للوجه و الکفین

منہ اور ہاتھوں کے تیمم کا بیان

۳۳۹ — حدثنا حجاج قال : أخبرنا شعبة : عن الحكم ، عن ذر ، عن ابن

عبدالرحمن بن أبزی ، عن أبيه : قال عمار بهذا ، وضرب شعبة بیدیه الأرض ؛ ثم أدناهما من فیہ ، ثم مسح بہما وجہہ وکفیہ . [راجع : ۳۳۸]

وقال النضر : أخبرنا شعبة عن الحكم قال : سمعتُ ذراً یقول : عن ابن عبد

الرحمن بن أبزی . قال الحكم : وقد سمعته من ابن عبد الرحمن ، عن أبيه قال : قال عمار : وضوء المسلم یکفیه من الماء .

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب میں تیمم کا طریقہ اور اس میں کیا چیز رکن کی حیثیت رکھتی ہے وہ بیان کرنا مقصود ہے۔

اس میں حضرت عمار بن یاسرؓ کی روایت نقل کی ہے:

”قال عمار بهذا ، وضرب شعبة بیدیه الأرض “ یہاں پر ”قال“ بمعنی ”فعل“ کے ہیں۔

شعبہ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر مارا پھر ان کو اپنے منہ سے قریب کیا اور پھر ان دونوں ہاتھوں

سے اپنے چہرے اور اپنے کفین کا مسح کر لیا۔ تو عمار بن یاسرؓ نے عملاً تیمم کر کے بتلادیا کہ یہ طریقہ ہے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تیمم میں کفین کا مسح رسخین تک ہوگا۔

یہاں پر اصل میں دو مسئلے مختلف فیہ ہیں: ۱۳

ایک مسئلہ یہ کہ مسح یدین کہاں تک ہوگا؟

اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ تیمم میں کتنی ضربیں ہونگی؟

جہاں تک پہلے مسئلے کا تعلق ہے تو اس میں فقہاء کے مذاہب یہ ہیں:

مسح رسخین میں اختلاف فقہاء

(۱) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک تیمم میں کفین کا مسح رسخین تک ہوگا۔ ۱۴

(۲) امام مالک رحمہ اللہ کی ایک روایت بھی اس کے مطابق ہے۔

(۳) اور امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے، اس واسطے انہوں نے باب قائم کیا

”باب التیمم للوجه و الکفین“ ان کے نزدیک بھی یہی طریقہ ہے۔

ضربات تیمم میں اختلاف ائمہ

(۱) اس میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب یہ ہے کہ صرف ایک ہی ضرب ہوگی اور اسی ضرب سے

چہرے اور ہاتھوں کا رسخین تک مسح ہوگا۔ ان کا استدلال دونوں مسئلوں میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی حدیث باب سے ہے، جس سے ایک ضرب اور مسح رسخین تک کا پتہ چلتا ہے۔

(۲) جمہور فقہاء جن میں حنفیہ، شافعیہ اور ایک روایت کے مطابق مالکیہ بھی داخل ہیں، ان کا موقف یہ

ہے کہ دو ضربیں ہونگی، ایک ضرب سے چہرے کا مسح دوسری ضرب سے ہاتھوں کا مسح مرفقین تک ہوگا، صرف کفین کا مسح نہیں ہوگا۔

۱۳ اختلف العلماء فی عدد الضربات علی الصعید للتیمم فمنهم من قال اثنتین والذین قالوا اثنتین منهم من قال ضربة للوجه وضربة للیدین وهم الجمهور واذ قلت الجمهور فالفقهاء الثلاثة معدودون فیهم اعنی مالکا والشافعی وأبا حنیفة ومنهم من قال ضربتان لكل واحد منهما اعنی للید ضربتان وللوجه ضربتان . والسبب فی اختلافهم أن الآیة تحملة فی ذلك والاحادیث متعارضة وقیاس التیمم علی الوضوء فی جمیع احواله غیر متفق علیه والذی فی حدیث عمار الثابت من ذلك انما هو ضربة واحدة للوجه و الکفین معا لكن هننا احادیث فیها ضربتان فرجح الجمهور هذه الاحادیث لمكان القیاس التیمم علی الوضوء

۱۴ قال ونص علیه احمد لأن الرسخین فی التیمم كالمرقین فی الوضوء غسل ما بقی کذاها هنا المغنی، ج: ۱، ص: ۱۶۰، وایضاً فی فیض الباری، ج: ۱، ص: ۴۰۶، فعند احمد الی الرسخین وهو رواية عن الامام أبی حنیفة رحمه الله تعالى ذكره صاحب مراقی الفلاح الخ.

اتفاق سے صورت حال ایسی ہے کہ اس وقت جو کتب حدیث ہمارے پاس موجود ہیں ان میں صحاح مجرہ خاص کر صحیح بخاری و مسلم میں صرف حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی روایت آئی ہے۔ اس میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ضرب لگائی اور اس سے دونوں کا مسح کیا اور ہاتھوں کا مسح رسغین تک کیا مرفقین تک نہیں کیا، لہذا ان کی حدیث کو اصح مافی الباب قرار دیدیا گیا۔

اس کے برخلاف جمہور کی متدل جو احادیث ہیں وہ صحاح مجرہ میں نہیں ہیں بلکہ سنن میں ہیں اور ان میں سے بہت سی احادیث پر سند کے اعتبار سے کلام کیا گیا۔ ۱۵

اس واسطے بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک رائج ہے کیونکہ ان کی حدیث اصح مافی الباب ہے اور جمہور کی احادیث چونکہ صحیح کے اس اعلیٰ مرتبہ تک نہیں پہنچیں، زیادہ سے زیادہ حسن بلکہ بعض ضعیف بھی ہیں، تو اس واسطے وہ کہتے ہیں کہ جمہور کا مذہب مرجوح ہے لیکن حقیقت حال اور اصولی بات سمجھنے کی یہ ہے کہ بخاری و مسلم کی کتابیں تیسری صدی ہجری میں جا کر مرتب ہوئیں۔

امام مالک، امام شافعی اور امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ ان سے بہت پہلے گزر چکے تھے اور ان کا مذہب ایک مستقر ہو گیا تھا کہ مرفقین تک مسح کرنا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ ان ائمہ مجتہدین کو جن طرق سے حدیثیں پہنچیں وہ طرق ایسا قابل اطمینان تھے جس کے نتیجے میں اتنے فقہاء کرام کی جماعت اس کی قائل ہو گئی۔ لہذا ان لوگوں کے بعد جن لوگوں نے ان احادیث کو روایت کیا ان میں اگر کوئی ضعیف آدمی آگیا تو اسی کی وجہ سے یہ کہنا کہ یہ اصح مافی الباب ہے لہذا قابل ترجیح ہے، یہ درست نہیں کیونکہ ان حضرات کے پاس جو حدیثیں پہنچیں تھیں وہ صحیح سند سے پہنچی تھیں۔

چنانچہ وہ حدیثیں جن کے اندر مرفقین تک مسح کا ذکر ہے وہ حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر بن عبداللہ اور خود حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے بھی ایک حدیث مروی ہے اور خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک

۱۵۔ جمہور کے متدللات:

ومنها: حدیث ابن عمر، رواہ الدارقطنی مرفوعاً من حدیث نافع عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: التیمم ضربتان: ضربة للوجه وضربة للبدن الى المرفقين، — اخرجه الدارقطنی، ج: ۱، ص: ۱۸۱، رقم: ۲۱، قال الدارقطنی: کذا رواہ علی بن طهمان مرفوعاً ووقفه یحیی بن القطان وهشیم وغیرهما وهو الصواب، رقم: ۱۶۔

ومنها: حدیث جابر رضی اللہ عنہ، رواہ الدارقطنی من حدیث ابی الزبیر عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: التیمم..... الخ النظر: الدارقطنی، ج: ۱، ص: ۱۸۱، رقم: ۲۲، باب التیمم، ورواہ الطحاوی ایضاً، ج: ۱، ص: ۱۱۱-۱۱۳، وخرجه البیهقی ایضاً، ج: ۱، ص: ۲۰۷، رقم: ۹۳۱، والحاکم ایضاً من حدیث اسحاق الحرابی، رقم: ۲۳۷، ج: ۱، ص: ۲۸۸، المستدرک علی الصحیحین.

حدیث امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے روایت کی ہے جو کہ مسند امام اعظم لابن خروم میں ہے۔ جب ان حضرات کے مذاہب اس حدیث سے متعلق ہو گئے تھے تو اس وقت تک صورتحال یہ تھی کہ وہ حدیث ان کو صحیح طرق سے پہونچی تھی، اب بعد میں کوئی راوی ضعیف بیچ میں آ گیا تو اس کی وجہ سے صحت حدیث پر فرق نہیں پڑتا۔

بخاری شریف میں کسی حدیث کا نہ ہونا عدم صحت کو مستلزم نہیں

لہذا یہ جو ذہنیت پیدا ہو گئی ہے کہ جو حدیث بخاری میں نہیں ہے وہ گویا صحیح کے درجہ تک نہیں پہونچی تو یہ ذہنیت غلط ہے کیونکہ بخاری میں نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث لازماً ضعیف ہے یا ائمہ مجتہدین نے اس حدیث کے ساتھ جو تمسک کیا وہ تمسک ضعیف ہے، ان کا تمسک بالکل درست ہے اس واسطے کہ ان تک جو حدیثیں پہونچیں وہ صحیح سند کے ساتھ پہونچی تھیں۔ لہذا ان حدیثوں کے بارے میں جو کلام ہوا ہے وہ سب بعد کی بات ہے۔

ایک ایسے ہی مسئلہ کے اندر جس میں کسی نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے متدل حدیث کے بارے میں کہا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے تو ملا علی قاری رحمہ اللہ اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ ”تعلق بہ مذهب الامام الاعظم قبل ان خلق اللہ البخاری“ اس حدیث کے ساتھ امام اعظم رحمہ اللہ کا مذہب اس وقت متعلق ہو چکا تھا جبکہ اللہ جل جلالہ نے ابھی امام بخاری رحمہ اللہ کو پیدا بھی نہیں فرمایا تھا۔ اس لئے یہ بات چونکہ بخاری میں صرف عمار بن یاسرؓ کی حدیث سے مروی ہے لہذا وہی حدیث درست ہوئی اور باقی ساری حدیثیں رد کرنے کے لائق ہیں یہ ذہنیت غلط ہے۔

بعض اوقات اس ذہنیت سے اچھے اچھے لوگ متاثر ہو گئے، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ جیسا محقق آدمی جو خود بھی شافعی المسلک ہیں اور اس بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک بھی حنفیہ کے مطابق ہے یہاں آ کے مرعوب ہو گئے اور کہا کہ چونکہ حضرت عمار بن یاسرؓ کی حدیث اصح مافی الباب ہے لہذا یہی طریقہ زیادہ صحیح ہے۔ ۱۶۔

جہاں تک عمار بن یاسرؓ کی حدیث کا تعلق ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس میں اضطراب ہے، اس واسطے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ کی بعض روایات میں کفین تک، بعض روایت میں نصف ساعدین تک، بعض میں مرفقین تک اور بعض میں مناکب وابط تک کے الفاظ آئے ہیں۔ اضطراب کی وجہ سے بعض محدثین نے کہا کہ یہ حدیث قابل عمل نہیں ہے ۱۷۔

لیکن اگر بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ وجہ اور کفین والی روایت رائج ہے اور باقی روایات مرجوح ہیں۔ تب بھی صحیح بات یہ ہے کہ آپ ﷺ اس وقت حقیقتاً تیمم نہیں فرمایا تھا بلکہ حضرت عمار بن یاسرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے جنابت لاحق ہو گئی تھی تو میں نے اپنے اجتہاد سے مٹی میں لوٹ لگائی، جب حضور اقدس ﷺ کو پتہ لگا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”انما یکفیک ہکذا“ کہ تمہارے لئے اتنا کافی تھا۔

اس حدیث کا سیاق صاف بتلا رہا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا اصل مقصد تیمم کے پورے طریقہ کی تعلیم دینا نہیں تھا، بلکہ تیمم کے معروف طریقہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود تھا کہ زمین پر لوٹ پوٹ لگانے کی ضرورت نہیں بلکہ جنابت کی حالت میں بھی تیمم کا وہی طریقہ کافی ہے جو حدیث اصغر میں ہے۔ ۱۸۔

اس کی نظیر ایک اور واقعہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو یہ اطلاع ملی تھی کہ حضرت ابن عمرؓ غسل میں بڑے تعمق سے کام لیتے ہیں، تو آپ ﷺ نے ان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ”ما أزيد علي أن احثي علي رأسي ثلث حثيات أو كما قال ﷺ“۔

اسی طرح ابوداؤد میں یہ روایت ہے کہ: ”وانهم ذكروا عند رسول الله ﷺ الغسل من

الجنابة فقال رسول الله ﷺ اما انا فافيض على رأسي ثالث وأشار بيده كليهما“ ۱۹۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ غسل جنابت میں صرف سر کا دھونا کافی ہے، باقی جسم کا دھونا ضروری نہیں، اسی طرح حضرت عمارؓ کی حدیث میں بھی یہ مطلب نہیں کہ ایک ضرب وجہ اور کفین کے مسح کے لئے کافی ہے بلکہ الفاظ مذکورہ سے طریقہ معروف کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس توجیہ کی تائید مسند بزار میں حضرت عمارؓ ہی کی روایت سے ہوتی ہے۔ ۲۰۔

۳۴۰۔ حد ثنا سليمان بن حرب قال: حدثنا شعبة، عن الحكم سمعت ذرا، عن ابن عبد الرحمن بن أبي زي، عن أبيه أنه شهد عمر، وقال له عمار: كنا في سرية فأجنبنا وقال: تفل فيهما. [راجع: ۳۳۸]

تکرار سند کے ذکر سے مقصود بخاریؒ

”وقال النضر: أخبرنا شعبة عن الحكم قال: سمعت ذرا يقول: عن ابن عبد

۱۸ فیض الباری، ج: ۱، ص: ۴۰۹۔

۱۹ سنن ابی داؤد، باب الغسل من الجنابة، رقم: ۲۳۹، ج: ۱، ص: ۶۲۔

۲۰ عن عمار قال كنت في القوم حتى نزلت الرخصة في المسح بالتراب اذا لم نجد الماء فامرنا فضررنا واحدة للوجه ثم ضربنا اخرى لليدين الى المرفقين. مسند البزار، ج: ۴، ص: ۲۲۱، رقم: ۱۳۸۴، باب اول مسند عمار بن ياسر. ونصب الراية ج: ۱، ص: ۵۴، والدراية في تخريج احاديث الهداية، ج: ۱، ص: ۶۸۔

الرحمن بن ابزی قال الحكم : وقد سمعته من ابن عبد الرحمن .

اس سند کو یہاں دوبارہ اس لئے لائے ہیں کہ نصر بن شمیل کی روایت میں ایک فرق یہ ہے کہ اوپر کی روایت میں شعبہ کہہ رہے تھے ”أخبرني الحكم“ اور یہاں شعبہ نے عنعنہ کیا ہے یعنی ”عن الحكم“ اس کے برعکس حکم نے اوپر عنعنہ کیا تھا عن ذر اور یہاں حکم صراحتہ کہہ رہے ہیں ”سمعت ذرا“ تو معلوم ہوا کہ ان دونوں مقامات میں جو ”عن“ آیا ہے وہ سماع پر محمول ہے۔ اس پر تنبیہ کرنے کے لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ سند دوبارہ ذکر کر دی۔

یہی واقعہ پھر آگے عبد الرحمن بن ابزی سے نقل کیا کہ حضرت عمار ؓ ایک دفعہ حضرت عمر ؓ کے پاس تھے تو حضرت عمر ؓ سے حضرت عمار بن یاسر ؓ نے کہا ”کنا فی سرية فاجنبنا“ کہ ایک سریہ میں ہم دونوں کو جنابت لاحق ہو گئی تھی اور پھر واقعہ سنایا، جو آگے آرہا ہے۔ اور تھوڑا سا کچھ فرق بھی بتا دیا کہ اس روایت میں ”نفخ فیہما“ کی بجائے ”تفل بہما“ ہے کہ آپ نے اس میں تھوکا۔ اور اگلی حدیث کچھ تفصیل سے روایت کی ہے۔

۳۴۱۔ حدثنا محمد بن کثیر قال : أخبرنا شعبۃ عن الحكم عن ذر عن ابن عبد الرحمن بن أبزی ، عن أبيه قال : قال عمار لعمر : تمعكت فأتيت النبي ﷺ فقال : ((يكفيك الوجه والكفان)) . [راجع : ۳۳۸]

حضرت عبد الرحمن کہتے ہیں کہ حضرت عمار ؓ نے حضرت عمر ؓ سے کہا ”تمعكت فاتيت النبي ﷺ“ میں نے زمین میں لوٹ پوٹ لگائی اور پھر حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ”فقال يكفيك الوجه والكفان“ تو آپ ﷺ نے فرمایا تیرے لئے وجہ اور کفین کا مسح کافی تھا۔ یہ موجودہ نسخے میں ”الوجه والكفین“ ہے، اور ایک نسخہ میں ”للوجه والكفان“ ظاہر ہے کہ نحوی اعتبار سے زیادہ صحیح ”الوجه والكفان“ ہے، کیونکہ ”يكفيك“ کا فاعل واقع ہو رہا ہے اور ”الكفان“ اس پر معطوف ہے تو یہ مرفوع ہونا چاہئے۔ چونکہ ایک روایت ”الوجه والكفین“ کی بھی ہے جو یہاں مذکور ہے تو اس میں تقدیر عبارت ہو گئی ”يكفيك الوجه مع الكفین“ تو ”مع“ محذوف ہوگا۔ آگے یہی روایت پھر نقل کی ہے۔

۳۴۲۔ حدثنا مسلم ، عن شعبۃ ، عن الحكم ، عن ذر ، عن ابن عبد الرحمن بن أبزی ، عن عبد الرحمن قال : شهدت عمر قال له عمار ، وساق الحديث [راجع : ۳۳۸]

۳۴۳۔ حدثنا محمد بن بشار قال : حدثنا غندر قال : حدثنا شعبۃ ، عن الحكم ، عن ذر ، عن ابن عبد الرحمن بن أبزی ، عن أبيه قال : قال عمار : فضرب النبي ﷺ بيده الأرض فمسح وجهه وكفيه . [راجع : ۳۳۸]

اور پھر ایک اور طریق سے اس کو لائے جس میں حضرت عمارؓ نے فرمایا ”فضرِب النبی ﷺ بیدہ الارض فسخ وجهہ وکفیه“ یہاں چونکہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد صرف یہ مسئلہ بیان کرنا تھا کہ مسح کفین تک ہوگا اس واسطے یہاں اختصار کے ساتھ روایتیں لے کر آئے ہیں جو کہ کفین کے مسئلہ پر دلالت کرتی ہے اور اس حدیث کو جس میں غسل جنابت اور ضربوں کا ذکر ہے تفصیل سے لے کر آئے ہیں۔

(۶) باب : الصعیذ الطیب وضوء المسلم ، یکفیه عن الماء

پاک مٹی تیمم کے لئے ایک مسلمان کے حق میں پانی سے وضو کرنے کا کام دیتی ہے
”وقال الحسن یجزئہ التیمم ما لم یحدث ، وأم ابن عباس وهو متیمم ، وقال یحییٰ ابن سعید : لا بأس بالصلاة علی السبخة والتیمم بها“۔

ترجمہ الباب کا مقصد

یہ باب اس مسئلہ کے بیان میں ہے کہ پاک مٹی مسلمان کے لئے وضو کا آلہ اور ذریعہ ہے اور اس کے لئے پانی سے کافی ہو جاتی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ الباب قائم فرمایا ہے اور اس ترجمہ الباب سے دو مسئلوں کی طرف اشارہ واضح ہے، اور ایک تیسرا مسئلہ بھی مراد ہو سکتا ہے، دو مسئلے جو واضح طور پر مقصود ہیں ان میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ آیا تیمم طہارت مطلقہ ہے یا ضروریہ۔

مسئلہ امام بخاری رحمہ اللہ

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا موقف اختیار کیا ہے یعنی ان کی تائید کی ہے کہ یہ طہارت ضروریہ نہیں بلکہ طہارت مطلقہ ہے لہذا جب ایک مرتبہ تیمم کر لیا گیا، تو جتنے چاہے آدمی فرائض پڑھتا رہے، اس کے اوپر کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ اے

تیمم کا طہارت مطلقہ یا ضروریہ ہونے میں اختلاف ائمہ

مسئلہ شوافع

تیمم سے طہارت حاصل کرنے کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ تیمم طہارت

الم ولعلہ اختار مذهب الحنفیة وترك مذهب الشافعیة ولذا لم يتعرض الی تفصیل فیہ من کونہ مبتداً اولاً ولا عجب ان یکون اشارۃ الی مسئلۃ أخرى ایضاً وہی انہا طہارة مطلقۃ عندنا و ضروریۃ عند الشافعیۃ فجعلہ وضوء المسلم لکان طہارة مطلقۃ کالوضوء فیض الباری، ج: ۱، ص: ۴۰۹۔

ضروری ہے۔ طہارت ضروری ہونے کے معنی ان کے نزدیک یہ ہے کہ یہ طریقہ طہارت صرف ضرورت کی وجہ سے مشروع ہوا ہے، حقیقت میں طہارت کا ذریعہ نہیں تھا اور چونکہ ضرورت کی وجہ سے مشروع ہوا ہے حقیقت میں طہارت کا ذریعہ نہیں تھا، اس لئے وہ یہ فرماتے ہیں کہ جس ضرورت کے تحت تیمم کیا جا رہا ہے، تیمم صرف اسی ضرورت کی حد تک محدود رہے گا، اس سے آگے نہیں بڑھے گا، مثلاً ظہر کا وقت ہوا اور پانی نہیں ملا تو اس ظہر کی نماز پڑھنے کی ضرورت سے ایک آدمی نے تیمم کیا تو امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تیمم خاص ظہر کی ضرورت کے لئے ہے، لہذا ظہر ہی کے لئے کافی ہے، صرف ظہر کی نماز تو اس سے پڑھ سکتا ہے لیکن جب عصر کا وقت آئے گا تو یہ تیمم اس کے لئے کافی نہیں ہوگا۔ تو امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ تیمم سے ایک فرض اور زیادہ سے زیادہ اس کے توابع یعنی سنتیں پڑھ سکتے ہیں، لیکن کوئی دوسرا فرض اس سے نہیں پڑھا جاسکتا، جب دوسرا فرض پڑھنا ہوگا تو دوسرا تیمم کرنا ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ تیمم طہارت ضروریہ ہے مطلقہ نہیں ہے۔

مسلک حنفیہ

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ یہ طہارت مطلقہ ہے اس کا اطلاق صرف اس ضرورت کے اوپر نہیں ہوگا جس وجہ سے وقتی طور پر تیمم کیا جا رہا ہے بلکہ جب تیمم کر لیا تو وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ وضو کر لیا۔ یعنی جس طرح ایک مرتبہ وضو کرنے سے بہت سارے فرائض پڑھ سکتا ہے جب تک کہ حدث لاحق نہ ہوگا اسی طرح وہ تیمم سے بھی بہت سے فرائض پڑھ سکتا ہے اگر ظہر کے وقت تیمم کیا اور کوئی حدث لاحق نہ ہوا تو عصر بھی اس سے پڑھ لے۔ پھر مغرب کا وقت آگیا مغرب بھی پڑھ لے، عشاء بھی پڑھ لے اور جتنی چاہے عبادت اس سے انجام دیتا رہے، تو بعینہ یہ وضو کا قائم مقام ہے۔ ۲۲

استدلال بخاری رحمہ اللہ

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر ایک تو حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے اثر سے استدلال کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ ”یجزئہ التیمم ما لم یحدث“ کہ تیمم اس کے لئے کافی ہوگا جب تک کہ اس کو حدث لاحق نہ ہو۔

دوسرا استدلال حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے اثر سے کیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے امامت فرمائی جبکہ وہ تیمم تھے، تو اس سے استدلال کا طریقہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے تیمم کیا ہوا

تھا اور مقتدی وضو کئے ہوئے تھے تو اگر یہ طہارت ضرور یہ ہوتی اور طہارت مطلقہ نہ ہوتی تو تیمم کا متوضین کی امامت کرنا جائز نہ ہوتا کیونکہ امام کا حال ادنیٰ اور مقتدیوں کا حال اعلیٰ ہو گیا تو اس واسطے یہ امامت جائز نہ ہونی چاہیے لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے تیمم کی حالت میں امامت کی، تو معلوم ہوا کہ یہ طہارت مطلقہ ہے۔
حنفیہ کا مختار مسلک یہی ہے کہ تیمم کی امامت جائز ہے یعنی وہ وضو کرنے والے مقتدیوں کی امامت کر سکتا ہے اور ان کی اقتدا درست ہو جائیگی، البتہ امام محمد رحمہ اللہ سے ایک روایت یہ ہے کہ ان مقتدیوں کی اقتدا درست نہیں ہوگی، لیکن مختار مسلک حنفیہ کا یہی ہے۔ ۲۳

جواز تیمم کیلئے مٹی کے استعمال میں اختلاف ائمہ

دوسرا مسئلہ جو اس ترجمہ الباب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود ہے وہ یہ کہ کس قسم کی مٹی سے تیمم جائز ہے۔

تیمم مطلق جنس ارض سے جائز ہے

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو جنس ارض سے ہو اس سے تیمم جائز ہے۔ جنس ارض سے ہونے کی تعریف فقہاء نے یہ کی ہے کہ جو جلانے سے نہ جلے، لہذا جس طرح مٹی سے تیمم جائز ہے اسی طرح پتھر سے اور دیوار سے بھی جائز ہے تو ہر اس چیز سے جائز ہے جو جنس ارض سے ہو۔ ۲۴

امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک

امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ تیمم صرف غبار سے جائز ہو سکتا ہے اور کسی چیز سے نہیں۔ ۲۵

مسئلہ شوافع

امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک صاحب ہدایہ نے نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک تیمم کے لئے تراب منبت ہونا ضروری ہے کہ ایسی مٹی جو اگانے والی ہو، اس سے ہی تیمم ہوگا اور کسی چیز سے نہیں ہوگا۔ ۲۶-۲۷

مسئلہ بخاری رحمہ اللہ

امام بخاری رحمہ اللہ اس مسئلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ قرآن کریم نے جو لفظ استعمال کیا وہ

۲۳ أنظر للتفصيل: عمدة القاری، ج: ۳، ص: ۲۱۶، وشرح فتح القدیر، ج: ۴، ص: ۱۶۷۔

۲۴ ۲۵، ۲۶، اعلاء السنن، ج: ۱، ص: ۳۱۷، والهدایة شرح البدایة، ج: ۱، ص: ۲۵۔

۲۷ وقال الشافعی رحمہ اللہ لا يجوز الا بالتراب المنبت وهو رواية عن أبي يوسف رحمہ اللہ لقوله تعالى فتييموا صعيداً طيباً أي تراباً منبتاً قاله ابن عباس رضي اللہ عنه، الہدایة شرح البدایة، ج: ۱، ص: ۲۵۔

”فتمموا صعيد اطيبا“ ہے اور صعيد کا اطلاق اس مٹی پر ہوتا ہے جو جنس ارض سے ہو اس میں منبت ہونے کی کوئی قید نہیں اور نہ اس میں غبار ہونے کی قید ہے نیز پیچھے حدیث گزری ہے کہ:

”جعلت لی الارض مسجد او طهورا“ اس میں ارض کو طہور فرمایا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جنس ارض کی ہر چیز طہور ہے، اور اپنے قول کی تائید میں یہ اثر نقل کیا ہے کہ:

”قال يحيى بن سعيد لا بأس بالصلوة على السبخة والتيمم بها“

یحییٰ بن سعید نے فرمایا کہ ”سبخہ“ میں نماز پڑھنے میں اور تیمم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

”السبخة“ کے معنی

”سبخہ“ شور زمین کو کہتے ہیں یعنی وہ زمین جس میں کھار ہو اور یہ عام طور سے وہاں ہوتی ہے جہاں تھور نکل آتا ہے اور نمک پیدا ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے اس میں اگانے کی صلاحیت نہیں رہتی۔ تو حضرت یحییٰ بن سعید نے ارض ”سبخہ“ یعنی شور زمین سے تیمم کی اجازت دی۔

اگر تیمم کے لئے مٹی کے ساتھ منبت ہونے کی قید ہوتی تو پھر ارض شور سے یحییٰ بن سعید تیمم کرنے کی اجازت نہ دیتے۔ اور ظاہر ہے کہ ارض شور غبار بھی نہیں ہوتی اس واسطے اس اثر کے ذریعہ ان حضرات کی تردید کر دی اور حنفیہ کے مسلک کی تائید کر دی۔

مسلک شافعی رحمہ اللہ کی وضاحت

صاحب ہدایہ نے امام شافعی کا یہ قول بیان کیا ہے کہ ان کے نزدیک صرف تراب منبت سے تیمم جائز ہے۔ بعض محققین نے اس کی تردید کی ہے: علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علامہ نووی رحمہ اللہ نے جو شافعیہ میں سے ہیں یہ صراحت فرمائی ہے کہ یہ بات ہمارے مذہب میں مختار نہیں ہے کہ تراب منبت ہی سے تیمم ہو سکتا ہے اور غیر منبت سے نہیں ہو سکتا۔

ہمارے مذہب میں بھی مطلق تراب سے تیمم جائز ہے، گویا ان کا کہنا یہ ہوا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف اس مسلک کی نسبت درست نہیں، چونکہ صاحب ہدایہ نے لکھ دیا اس لئے بہت مشہور ہو گیا، اور ہمارے درسی حلقوں میں تو بہت ہی مشہور ہے لیکن کہتے ہیں کہ شافعیہ کا یہ مسلک نہیں ہے، وہ ہر قسم کی تراب سے تیمم جائز کہتے ہیں۔ ۲۸

۱۸ و ذکر فی ”الهدایة“ فی استدلال الشافعی علی أن التیمم لا یجوز الا بالتراب، بقولہ تعالیٰ: فتمموا صعيداً طیباً۔ النساء: ۶۳، والمائدة: ۶، ای تراباً طیباً، قالہ ابن عباس۔ قلت: فی شرحہ الذی قالہ عبد اللہ بن عباس، رواہ البیہقی من جهة قابوس بن ابی ظبیان عن ابیہ عن ابن عباس، قال: أطیب الصعید حرث الارض، والاستدلال للشافعی بهذا غیر موجه لانه غیر قائل باشتراط لاتباک فی التراب الذی یجوز به التیمم۔ وقال النووی: الإنباک لیس بشرط فی الأصح۔ کذا ذکرہ العینی فی العمدة، ج: ۳، ص: ۲۱۳۔

یہ دو مسئلے اس ترجمۃ الباب سے واضح ہیں۔

نواقض تیمم

بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ ترجمۃ الباب سے ایک تیسرے مسئلہ کی طرف بھی اشارہ مقصود ہے اور وہ تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک جن میں حنفیہ بھی داخل ہیں جو چیزیں نواقض وضو ہیں وہ نواقض تیمم بھی ہیں۔ تو ہمارے نزدیک جس طرح خروج رتغ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح تیمم بھی ٹوٹ جائے گا، تو جو نواقض وضو ہیں (وہ نواقض تیمم بھی ہیں)۔

”قدرت علی الماء“ کے ناقض تیمم ہونے میں اختلاف فقہاء

البتہ تیمم کے اندر ایک اضافہ ہے اور وہ ہے ”قدرت علی الماء“ یعنی جب ”قدرت علی الماء“ ہوگی تو تیمم ٹوٹ جائے گا یہاں تک کہ فقہاء حنفیہ نے فرمایا کہ آدمی نماز پڑھ رہا تھا اور نماز پڑھنے کے دوران اس کو پانی نظر آ گیا تو تیمم ٹوٹ جائے گا جس کی وجہ سے نماز ٹوٹ جائے گی۔ تو ”قدرت علی الماء“ بھی نواقض تیمم میں سے ہے۔ ۲۹

لیکن امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی ایک روایت یہ ہے کہ قدرت علی الماء نواقض تیمم میں سے نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر ظہر کے وقت میں ایک شخص نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی اور ابھی کوئی حادثہ لاحق نہیں ہوا تھا، یہاں تک کہ اب عصر کا وقت آ گیا اور عصر کے وقت میں حادثہ لاحق نہیں ہوا پھر پانی اس کو مل گیا تو اسی تیمم سے اب عصر بھی پڑھ سکتا ہے، ایک روایت امام احمد رحمہ اللہ کی یہی ہے۔ ۳۰ جبکہ جمہور کا کہنا یہ ہے کہ جب پانی مل گیا تو تیمم ختم ہو گیا اب عصر کے لئے وضو کرنا ضروری ہے۔

منشأ بخاری رحمہ اللہ

بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا ایک منشأ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی تائید کرنا ہے یعنی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی تائید کرتے ہوئے انہوں نے یہ کہا کہ قدرت علی الماء سے تیمم نہیں ٹوٹتا اور اسی واسطے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا یہ قول نقل فرمایا کہ ”يجزئہ التيمم ما لم يحدث“ جب تک کہ حادثہ

۲۹ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: بدائع الصنائع، ج: ۱، ص: ۵۷، و فتاویٰ السغدی، ج: ۱، ص: ۳۵۔

۳۰ واحمد في احدى الروايتين عنه والا ينقض التيمم الا ما ينقض الوضوء والقدرة على استعمال الماء والله اعلم، كتب و رسائل و فتاوى ابن تيمية في الفقه، ج: ۲، ص: ۴۷۳۔

لاحق نہ ہو اس وقت تک تیمم کافی ہے، وہی تیمم چلتا رہے گا چاہے ”قدرت علی الماء“ حاصل ہوگئی ہو۔ تو عند البعض اس مسئلے کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ گویا اس قول کے مطابق پہلے اثر سے نواقض والے مسئلے کی طرف اشارہ ہے کہ ”یجزئہ التیمم مالم یحدث“ یعنی قدرت علی الماء ناقض تیمم نہیں۔

اور دوسرے اثر سے اشارہ ہے طہارت مطلقہ کی طرف ”أم بن العباس وهو متیمم“ کہ عبد اللہ بن عباس ؓ نے تیمم کی حالت میں امامت کی۔ معلوم ہوا کہ تیمم طہارت مطلقہ ہے نہ کہ طہارت ضروریہ۔ تو دوسرے اثر سے اس مسئلے کی طرف اشارہ ہے۔

اور تیسرا اثر ”لا بأس بالصلاة على السبحة و التيمم بها“ ہے۔ اس تیسرے مسئلے کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ صعيد میں سب چیزیں داخل ہیں، تراب اور ہر وہ چیز جو جنس ارض سے ہو، اور تراب کا منبت ہونا یا غبار ہونا ضروری نہیں۔ یہ تین مسائل اس باب سے متعلق ہیں۔

۳۴۴۔ حدثنا مسدد قال : حدثني يحيى بن سعيد قال : حدثنا عوف قال : حدثنا أبو رجاء عن عمران قال : كنا في سفر مع النبي ﷺ وإنا أسرينا حتى إذا كنا في آخر الليل وقعنا وقعة ، ولا وقعة أحلى عند المسافرين منها ، فما أيقظنا إلا حر الشمس ، فكان أول من استيقظ فلان ، ثم فلان ثم فلان يسميهم أبو رجاء ، فنسى عوف ثم عمر بن الخطاب الرابع ، وكان النبي ﷺ إذا نام لم يوقظ حتى يكون هو يستيقظ ، لأننا لا ندرى ما يحدث له في نومه ، فلما استيقظ عمر ورأى ما أصاب الناس وكان رجلا جليدا . فكبر ورفع صوته بالتكبير ، فما زال يكبر ويرفع صوته بالتكبير حتى استيقظ بصوته النبي ﷺ ، فلما استيقظ شكروا إليه الذي أصابهم ، قال : لا ضير أو لا يضير ، ارتحلوا ، فارتحلوا فسار غير بعيد ثم نزل فدعا بالوضوء فتوضأ ونودي بالصلاة فصلى بالناس ، فلما انقفل من صلاته إذا هو برجل معتزل لم يصل مع القوم ، قال : ((ما منعك يا فلان أن تصلي مع القوم؟)) قال : أصابتنى جنابة ولا ماء . قال : ((عليك بالصعيد ، فإنه يكفيك)) ، ثم سار النبي ﷺ فاشتكى إليه الناس من العطش ، فنزل فدعا فلانا ، كان يسميه أبو رجاء ، نسيه عوف ، ودعا عليا فقال : ((إذهبا فابتغيا الماء)) . فانطلقا فتلقيا امرأة بين مزادتين أو سطحيحتين من ماء على بعير لها : فقال لها : أين الماء؟ قالت : عهدي بالماء أمس هذه الساعة ، ونفرنا خلفا ، قال لها : انطلقى إذا ، قالت : إلى أين؟ قال : إلى رسول الله ﷺ ، قالت : الذي يقال له : الصابي؟ قال : هو الذي تعين ، فانطلقى ، فجاء بها إلى رسول الله ﷺ وحدثاه الحديث . قال : فاستنزلوها عن بعيرها ، ودعا النبي ﷺ بإناء ففرغ فيه من

أفواه المزداتین أو السطیحتین ، وأوکأ أفواهما وأطلق العزالی ، ونودی فی الناس : أسقوا واستقوا ، فسقی من سقی ، واستقی من شاء ، وكان آخر ذلك أن أعطی الذی أصابته الجنابة إناء من ماء ، قال : ((اذهب فأفرغه عليك)) ، وهی قائمة تنظر إلى ما يفعل بمانئها ، وإیم الله لقد أقلع عنها ، وأنه لیخیل إلینا أنها أشد ملأة منها حین ابتدا فیها ، فقال النبی ﷺ : ((اجمعوا لها)) ، فجمعوا لها من بین عجرة ، ودقیقة ، وسویقة ، حتی جتمعوا لها طعاما فجعلوها فی ثوب وحملوها علی بعرها ، ووضعوا الثوب بین یدیهما ، قال لها : ((تعلمین ما رزنا من مائک شیئا ، ولكن الله هو الذی اسقانا)) ، فأت أهلها وقد احتبست عنهم . فقالوا : ما حبسک یا فلانة ؟ قالت : العجب ، لقینی رجلان فذهبا بی إلی هذا الذی یقال له : الصابی ، ففعل کذا وكذا ، فوالله إنه لأسحر الناس من بین هذه وهذه ، وقالت بإصبعها الوسطی والسبابة ، فرفعتهما إلی السماء . تعینی السماء والأرض . أو إنه لرسول الله حقا ، فكان المسلمون بعد ذلك یغیرون علی من حولها من المشرکین ، ولا یصیبون الصرم الذی هی منه ، فقالت یوما لقومها : ما أری هؤلاء القوم یدعونکم عمدا ، فهل لکم فی الإسلام ؟ فاطاعوها فدخلوا فی الإسلام .“

قال أبو عبد الله : صبا : خرج من دین إلی غیره . وقال أبو العالیة : الصابین فرقة من أهل الکتاب یقرؤن الزبور . [أنظر : ۳۲۸ ، ۳۵۷] . ۳۱

یہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ، وہ ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرما رہے ہیں ”کنا فی سفر مع النبی ﷺ“ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ یہ سفر کون سا تھا ؟ اس بارے میں روایات اور شراح کے مختلف اقوال ہیں۔

صحیح مسلم میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے کہ تعریس کا واقعہ غزوہ خیبر سے واپسی میں پیش آیا ۳۲

اور ابوداؤد میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حدیبیہ سے واپسی پر پیش آیا۔ ۳۳

موطامالک میں زید بن اسلم سے مرسل مروی ہے کہ یہ واقعہ مکہ کے راستے میں پیش آیا۔ ۳۴

۳۱۔ وفی صحیح مسلم ، کتاب المساجد ومواضع الصلاة ، باب قضاء الصلاة الفائتة واستحباب تعجیل قضائها ، رقم : ۱۱۰۰ ، وسنن أبی داؤد ، کتاب الصلاة ، باب فی من نام عن الصلاة أو نسیها ، رقم : ۳۷۵ ، ومسند احمد ، أول مسند البصریین ، باب حدیث عمران بن حصین ، رقم : ۱۹۱۵ ، ۱۹۰۵۲ .

۳۲۔ صحیح مسلم ، باب قضاء الصلاة الفائتة واستحباب تعجیل قضائها ، رقم : ۶۸۰ ، ج : ۱ ، ص : ۷۷۱ ، بیروت .

۳۳۔ سنن أبی داؤد ، باب فی من نام عن الصلاة أو نسیها ، رقم : ۴۲۷ .

۳۴۔ موطامالک ، کتاب وقوت الصلاة ، باب النوم عن الصلاة ، رقم : ۲۶ ، ج : ۱ ، ص : ۱۴ .

مصنف عبدالرزاق میں عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے مرسل مروی ہے کہ یہ واقعہ تبوک کے راستے میں پیش آیا۔ ۳۵ اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ غزوہ جیش الأمراء میں پیش آیا۔ ۳۶ مگر حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت یقیناً وہم ہے، کیونکہ غزوہ جیش الأمراء غزوہ موتہ کو کہتے ہیں اور اس میں آنحضرت ﷺ ساتھ نہ تھے۔ ۷۳

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا رجحان اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ایک سے زائد مرتبہ پیش آیا ایک مرتبہ تبوک کے سفر میں اور ایک مرتبہ حدیبیہ سے واپسی میں۔ زیادہ تر روایات حدیبیہ سے واپسی پر دلالت کرتی ہیں چونکہ حدیبیہ اور خیبر قریب قریب ہیں اس لئے شاید کسی راوی نے اس کو خیبر کی طرف منسوب کر دیا اور تبوک والی روایت مرسل ہے، اس لئے موصول روایات اس پر راجح ہوگی ۳۸۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

”وإنا أسرينا حتى إذا كنا في آخر الليل وفعلنا وقعة“ ہم رات کے وقت چلے یہاں تک کہ ہم رات کے آخری حصے میں آگئے اور ہم تھکنے کی وجہ سے لیٹ گئے اور سو گئے۔

”ولا وقعة احلى عند المسافرين منها“ اور مسافر کے لئے رات کے آخری حصے میں سونے سے زیادہ کوئی چیز میٹھی نہیں ہوتی۔

”فما أيقظنا الا حر الشمس“ ہمیں سورج کی تپش نے بیدار کیا۔

”فكان اول من استيقظ فلان، ثم فلان ثم فلان“ تو سب سے پہلے بیدار ہونے والا شخص فلاں تھا پھر فلاں پھر فلاں شخص تھا۔

”فنسى عوف“ لیکن عوف بھول گئے کہ میرے استاذ نے کیا کیا نام بیان کئے تھے۔

دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے نمبر پر صدیق اکبر ﷺ کا نام لیا تھا اور دوسرے یا تیسرے نمبر پر اپنا نام لیا تھا، بہر حال ابورجاء کو یاد نہیں رہا کہ وہ تین آدمی کون تھے۔

”ثم عمر بن الخطاب الرابع“ لیکن اتنا یاد تھا کہ چوتھے آدمی حضرت عمر بن الخطاب ﷺ تھے۔

”وكان النبي ﷺ اذا نام لم يوقظ حتى يكون هو يستيقظ“ اور حضور اقدس ﷺ جب کبھی سو جاتے تو ہم آپ کو بیدار نہیں کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ خود بیدار نہ ہو جائیں۔

۳۵ وفيه تعسف. على أن رواية عبد الرزاق بتعيين غزوة تبوك يرد عليه، ثم إن أبا عمران لم يسم النبي ﷺ كان مرة واحدة وقال القاضي أبو بكر بن العربي: ثلاث مرّات الخ، عمدة القاری، ج: ۳، ص: ۲۲۲.

۳۶ سنن أبی داؤد، باب فی من نام عن الصلاة أو نسيها، رقم: ۴۳۸، ج: ۱، ص: ۱۲۰.

۷۳ التمهيد لابن عبد البر ج: ۵، ص: ۲۰۶.

۳۸ فتح الباری ج: ۱، ص: ۴۴۹.

”لانا لاندري ما يحدث له في نومه“ کیونکہ ہمیں پتہ نہیں کہ آپ ﷺ کی نیند میں کیا واقعہ پیش آئے گا، ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ پر کوئی وحی نازل ہو رہی ہو اور ہم بیچ میں خلل اندازی کریں۔ اس واسطے جب حضور اقدس ﷺ سو جاتے تو ہم نہیں اٹھاتے تھے۔

یہ جو وجہ بتائی کہ ہمیں پتہ نہیں کہ کیا واقعہ پیش آرہا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کو نہ اٹھانا باوجودیکہ نماز کا وقت جارہا ہو۔ یہ آپ ﷺ کی خصوصیت تھی، جبکہ اگر دوسرا آدمی ایسے وقت میں سو رہا ہو تو اس کو اٹھا دینا چاہئے۔

”فلما استيقظ عمرو راي ما اصاب الناس وكان رجلا جليدا“ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے تو دیکھا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا کہ لوگ سوتے رہ گئے اور سب کی نمازیں قضاء ہو گئیں، اور وہ بڑے سخت آدمی تھے، یہ کیفیت دیکھ کر انہوں نے بہت زور سے تکبیر کہی اور پھر مسلسل زور زور سے تکبیریں کہنے لگے، یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ آپ کی آواز سن کر بیدار ہو گئے، جب آپ ﷺ بیدار ہو گئے تو آپ ﷺ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شکوہ کیا کہ ہمیں یہ مصیبت آگئی کہ ہم سو گئے اور ہماری نماز چلی گئی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کوئی نقصان نہیں یا یہ فرمایا کہ تمہیں یہ نقصان نہیں پہنچائے گا۔

غیر اختیاری فوت شدہ نماز پر مواخذہ نہیں

یہ درحقیقت اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ جب غیر اختیاری طور پر نماز چلی جائے تو اس کے اوپر مواخذہ نہیں۔ چنانچہ دوسری حدیث میں فرمایا:

”ليس في النوم تفريط انما التفريط في اليقظة“ تو یہ اس وقت ہے کہ جب آدمی نے صبح کو وقت پراٹھنے کے تمام انتظامات پوری طرح کئے ہوں اور پھر اتفاقاً غیر اختیاری طور سے آنکھ نہ کھلے تو ان شاء اللہ تعالیٰ معاف ہے، لیکن اگر بیداری کا انتظام ہی نہیں کیا اور شروع ہی سے غفلت کی حالت میں سو گیا تو اس کا گناہ ہوگا، لیکن اس کے بعد جو نبی آنکھ کھلے تو پھر پہلا کام یہ کہ نماز پڑھے۔

اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا کہ سفر کرو اور آپ ﷺ خود بھی روانہ ہو گئے، بہت دور تک نہیں گئے تھے کہ آپ ﷺ اترے، وضو کا پانی منگوایا اور وضو فرمایا، پھر اس کے بعد اذان ہوئی اور آپ ﷺ نے لوگوں کو نماز پڑھائی، لیکن اسی جگہ نماز نہیں پڑھی۔

وادی میں نماز نہ پڑھنے کی وجوہات

اس کی وجہ دوسری روایت میں یہ آئی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”ان هذا واد به الشيطان“ کہ

اس وادی میں شیطانی اثرات ہیں۔

حنفیہ کہتے ہیں کہ اس وقت میں نماز نہ پڑھنے کی وجہ یہ تھی کہ ابھی طلوع آفتاب کے بعد وقت مکروہ نہیں نکلا تھا اور جب تک کہ وہ قدر ریح بلند نہ ہو۔ اس وقت تک نماز مکروہ ہے اس واسطے آپ ﷺ نے چاہا کہ آگے بڑھ کر نماز پڑھیں تاکہ وقت مکروہ نکل جائے۔

شافعیہ کے نزدیک حکم یہ ہے کہ چاہے وقت مکروہ ہو، ابھی نماز پڑھ لو اور یہاں نماز نہ پڑھنے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس وادی میں شیطانی اثرات تھے، یہ بحث ”کتاب الصلوٰۃ“ میں تفصیل سے دوسری جگہ آجائگی۔ ۳۹

آگے فرمایا ”فلما انفصل من صلوٰۃ“ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص الگ بیٹھا ہے اور اس نے قوم کے ساتھ ملکر نماز نہیں پڑھی۔ بعض روایتوں میں ان کا نام خالد بن رافع آیا ہے۔ ۴۰ آپ ﷺ نے پوچھا کہ تمہیں کس چیز نے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے سے روکا ہے، تو انہوں نے کہا کہ مجھے جنابت لاحق ہو گئی تھی اور پانی اتنا نہیں تھا کہ غسل کر سکوں، اس لئے بیٹھا ہوں۔

آپ نے فرمایا ”علیک بالصعید“ کہ تم کو چاہئے تھا کہ تیمم کرتے اور یہی وہ لفظ ہے جس کی وجہ سے یہ حدیث یہاں پر لائے ہیں کہ آپ ﷺ نے تیمم کے لئے صعید کا لفظ استعمال فرمایا، جس سے پتہ چلا کہ جنس ارض کی ہر چیز سے تیمم جائز ہے اور تراب کا منبت ہونا یا غبار ہونا ضروری نہیں، پھر آپ ﷺ آگے چلے، لوگوں نے شکایت کی کہ پیاس بہت لگ رہی ہے، آپ ﷺ اترے اور فلاں شخص کو بلایا۔ وہی بات ہوئی کہ ابو رجاء نے نام لیا تھا کہ فلاں کو بلایا لیکن عوف بھول گئے کہ کس کو بلایا تھا۔

صحیح مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صاحب خود راوی حدیث عمران بن حصین ؓ تھے

چنانچہ اس روایت کے الفاظ یہ ہیں ”ثم عجلنی النبی ﷺ فی رکب بین یدیه نطلب الماء“ ۴۱ اور ساتھ میں حضرت علی ؓ کو بھی بلایا، دونوں کو کہا کہ تم دونوں جا کر کہیں سے پانی تلاش کرو۔ یہ دونوں چلے گئے تو ان کی ملاقات ایک عورت سے ہوئی جو دو مشکیزوں کے درمیان جا رہی تھی۔ پانی سے بھرے ہوئے مشکیزے تھے اور وہ اونٹ کے اوپر بیٹھی ہوئی تھی۔ ان دونوں نے اس عورت سے پوچھا کہ پانی کہاں ہے جو تم بھر کے لائی ہو؟ تو اس عورت نے کہا کہ یہ جو پانی میں بھر کے لا رہی ہوں یہ کوئی قریب میں چشمہ نہیں ہے بلکہ کل اسی وقت مجھے ایک جگہ پانی ملا تھا وہاں سے بھر کے لا رہی ہوں تو پتہ چلا کہ قریب میں پانی نہیں ہے۔

۳۹ فیض الباری، ج: ۱، ص: ۲۱۰۔

۴۰ عمدة القاری، ج: ۳، ص: ۲۲۳۔

۴۱ فتح الباری، ج: ۱، ص: ۲۵۲۔

”و نفرونا خلوفاً“ اور ہمارے مرد گھر سے باہر تھے۔ ”نفرونا“ ہمارے آدمی۔ اور خلوف جمع خلف کی ہے خلف اس آدمی کو کہتے ہیں جو اپنی بیوی کو یا اپنے گھر والی عورتوں کو تنہا چھوڑ کر باہر چلا جائے۔ اصل میں ”نفرونا خلوف“ ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ خلوف خبر ہے نفرونا متبدا ہے، لیکن خلوفاً یہ حال سادہ مسد خبر ہے۔ اور تقدیر عبارت کے ساتھ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ”نفرونا ذہبوا حال کو نفرونا خلوفاً“ ہمیں پیچھے چھوڑ کر لوگ نکل گئے تھے، بہر حال مقصد یہ ہے کہ ہمارے مرد گھروں پر موجود نہیں تھے۔

تو حضرت علیؓ نے کہا کہ تم ہمارے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس چلو، وہ کہنے لگی اس شخص کے پاس جاؤ جن کو لوگ صابی کہتے ہیں۔ کیونکہ مشرکین مکہ حضور اکرم ﷺ کو صابی کہتے تھے، تو ان حضرات نے کہا کہ ہاں جو تم مراد لے رہی ہو ان ہی کے پاس لے جا رہے ہیں، اس کو حضور اقدس ﷺ کے پاس لے آئے اور قصہ سنایا۔ وہاں جا کر اس کو اونٹ سے اتارا، آپ ﷺ نے ایک برتن منگوایا اور وہ مشیکزے لیکر اس برتن میں پانی اٹھیل دیا اور ان کے منہ پر رسی باندھ دی اور پھر اس کے نیچے کے حصہ کو کھول دیا تاکہ اس میں سے پانی نکلے اور یہ اعلان کر دیا کہ خوب پیو اور پلاؤ۔

سوال: اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اجنبی عورت کا پانی زبردستی لے لینا کیسے جائز ہوا؟
جواب: علماء کرام نے فرمایا کہ اول تو یہ عورت حربیہ تھی اور حربیہ کا مال مباح ہے۔ ۴۲
لیکن یہ بات بظاہر صحیح نہیں اس واسطے کہ یہ کہیں ثابت نہیں کہ اہل حرب کی عورت تھی نیز حربی کا مال ہر حالت میں مباح نہیں ہوتا، صرف حالت حرب میں مباح ہوتا ہے اور جہاں حالت حرب نہ ہو وہاں مباح نہیں۔

أصح الجواب

مجھے جو بات صحیح معلوم ہوتی ہے واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم، وہ یہ کہ حقیقت میں جتنا پانی وہ لے کر آئی تھی اتنا ہی وہ واپس لے کر گئی، کیونکہ حضور اقدس ﷺ کا معجزہ ظاہر ہوا اور اس پانی میں برکت ہوئی۔
پانی جتنا بھی تھا اس میں سے کچھ بھی استعمال نہیں ہوا۔ اس کے باوجود حضور اقدس ﷺ نے اس کو معاوضہ عطا فرمایا۔

آگے حدیث میں آرہا ہے کہ اس کو کھجوریں، آنا اور ستو وغیرہ دیا۔ تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ضرورت کی حالت میں جبکہ سب لوگ پیاس کی شدت کا شکار ہیں آپ ﷺ نے زبردستی اس کا پانی قیماً لیا، تو ایسی

۴۲ قال بعض الشراح المتقدمين: إنما أخذوها واستجازوا أخذ ما لها لأنها كانت كافرة حربية، وعلى تقدير أن يكون لها عهد فضرورة العطش تبيح للمسلم الماء المملوك لغيره على عوض، والا فنفس الشارع تفدى بكل شيء على سبيل الوجوب. فتح الباری، ج: ۱، ص: ۴۵۲.

مورت میں قیئت پانی لینے میں شرعی قباحت نہیں۔

آخر میں اس شخص کو بھی ایک برتن پانی کا دیدیا گیا جس کو جنابت لاحق ہوگئی تھی اور کہا کہ لے جاؤ اس کو اور اپنے اوپر بہا لو تا کہ تمہاری جنابت زائل ہو جائے۔

”وہی قائمة تنظر الی ما یفعل بمائھا ، وایم اللہ لقد اقلع عنھا ، وانه لیخیل الینا انھا اشد ملاة منها حین ابتدا فیھا“ وہ عورت کھڑی دیکھ رہی تھی کہ میرے پانی کے ساتھ کیا ہو رہا ہے ”قال الراوی“ : اور تم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ معاملہ اس حالت میں ختم ہوا کہ ہمیں ایسا لگ رہا تھا کہ اس کے مشکیزے پہلے سے زیادہ بھر گئے ہیں۔

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس کے لئے چیزیں جمع کرو۔ یہاں تک کہ ایک اچھا خاصہ کھانا تیار کر لیا گیا اور کپڑے میں اس کو لپیٹ کر اس کے ساتھ اونٹ پر سوار کر دیا اور وہ پوٹلی اس کے سامنے رکھ دی جس میں یہ سارا کھانا تھا۔

حضور اقدس ﷺ نے اس عورت سے کہا کہ ”تعلمین مارزننا من مائک شینا“ تمہیں پتہ ہے کہ ہم نے تمہارے پانی میں سے کچھ کمی نہیں کی۔ لیکن اللہ ﷻ نے ہمیں سیراب کیا وہ یہ دیکھ کر اپنے گھر چلی گئی، جبکہ اس سے پہلے وہ ان سے رک گئی تھی۔ مطلب یہ کہ گھروالے انتظار میں تھے اور یہ پہنچ نہیں پارہی تھی۔

”قالوا ما حبسک یا فلانة“ انہوں نے پوچھا اتنی دیر تمہیں کس وجہ سے لگی۔

”قالت : العجب ، لقینی رجلا ن فلما بی الی هذا الذی یقال له : الصابی“ اس نے کہا ایک عجیب قصہ ہو گیا، مجھے دو آدمی ملے اور اس شخص کے پاس لے گئے جس کو لوگ صابی کہتے ہیں۔

”ففعول کذا و کذا فواللہ انه لاسحر الناس“ تو اللہ ﷻ کی قسم اوہ تو (العیاذ باللہ العظیم) سب

سے بڑا جادوگر ہے۔

”من بین هذه و هذه“ ہذا وہذا سے آسمان وزمین کی طرف اشارہ کیا جس سے مراد یہ تھا کہ آسمان وزمین کے درمیان ان سے بڑا کوئی جادوگر نہیں یا واقعی وہ اللہ ﷻ کے سچے رسول ہیں۔

اس کے بعد واقعہ یہ ہوا کہ اس عورت کے ارد گرد (پڑوس) جو مشرکین آباد تھے مسلمان ان پر یلغار کرتے تھے، حملے کرتے تھے، لیکن ان گھروں کی طرف نہیں جاتے تھے جن میں وہ عورت آباد تھی ”الصرم“ چند گھروں کے مجموعہ اور محلہ کو کہتے ہیں۔ تو ایک دن اس عورت نے اپنے لوگوں سے کہا۔

”ما اری ان هؤلاء ، القوم یدعونکم عمدا“ ”ما“ نافیہ نہیں ہے بلکہ موصولہ ہے یعنی میں جو

چیز دیکھتی ہوں وہ یہ ہے کہ یہ قوم مسلمان کبھی کبھی تمہیں جان بوجھ کے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور دائیں بائیں حملے کرتے ہیں۔

”فهل لكم في الاسلام“ تو کیا تمہیں اسلام قبول کرنے میں کوئی رغبت ہے؟ تو انہوں نے کہا اب ہمیں اسلام لے آنا چاہئے اور وہ اسلام لے آئے۔

عادت بخاری رحمہ اللہ اور صابی کی تعریف

امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ بعض اوقات کوئی لفظ حدیث میں آتا ہے تو اس کی شرح فرماتے ہیں۔ تو یہاں امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا۔

”صبا خرج من دين الى غيره“ صابی صبا سے نکلا ہے جس کے معنی ہے ایک دین سے دوسرے دین کی طرف چلے جانا اور حضور اقدس ﷺ کو یہ لوگ صابی اسی وجہ سے کہتے تھے کہ ان کے خیال میں یہ اپنے مذہب کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کی طرف چلے گئے ہیں۔

”وقال ابو العالیہ..... الخ“ ابو العالیہ ریاحی فرماتے ہیں کہ صابین اہل کتاب کا ایک فرقہ ہے جو زبور کی تلاوت کرتے تھے، صابیوں کے بارے میں بہت اقوال ہیں، کوئی کہتا ہے کہ ستارہ پرست تھے، کوئی کہتا ہے فلسفی تھے، کوئی کہتا ہے آتش پرست تھے، کوئی کہتا ہے اہل کتاب کا ایک فرقہ تھا، اسی طرح مختلف اقوال ہیں۔ لیکن زیادہ تر محققین کا کہنا یہ ہے کہ یہ لوگ فلاسفیونان کے زیر اثر تھے۔ وہ لوگ عقول عشرہ کو مانتے ہیں ان کا نظریہ عجیب و غریب قسم کا ہے تو اس قسم کا نظریہ ان صابین کا بھی تھا اور ساتھ ساتھ ستارہ پرست بھی تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم صابی (ستارہ پرست) تھی اسی واسطے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا اور سب سے پہلے فرمایا تھا کہ ”هَذَا رِيبِي“ وہ طریقہ اپنی قوم سے اختیار کیا تھا، اس واسطے کہ ان کی قوم ستارہ پرست تھی۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا عجیب طریقہ

بہر حال آگے فرمایا ”اصب اهل“ یہ امام بخاری رحمہ اللہ کا عجیب و غریب قسم کا طریقہ ہے بعض اوقات ایک بات کرتے کرتے ان کا ذہن کسی آیت کریمہ کی طرف منتقل ہوتا ہے، جبکہ اس آیت کریمہ کا اس واقعہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا لیکن محض کسی لفظی اشتراک کی وجہ سے اس کی تشریح کر دیتے ہیں، یہاں بھی ایسا ہی ہوا کہ اس جگہ صابی کا ذکر آیا حالانکہ یہ صابی مہموز ہے لیکن ذہن حضرت یوسفؑ کی دعا کی طرف منتقل ہو گیا۔ ”الا تصرف عني كيدهن اصب اليهن“ حالانکہ یہ اصب مہموز نہیں ہے بلکہ معتل واوی ہے اور صابی مہموز ہے۔ لیکن چونکہ صاب اور بآ میں دونوں مشترک ہیں تو اس طرف ذہن چلا گیا اور اس کی تفسیر اهل سے کر دی۔ اس کا کوئی تعلق نہ حدیث باب سے ہے، نہ ترجمۃ الباب سے ہے، اور نہ کسی اور سے ہے، اس آیت کی طرف صرف ذہن منتقل ہو گیا

تو اس کی تشریح کر دی۔

اشکال

اس حدیث پر ایک اشکال یہ ہے کہ ”ان عینی تنامان ولا ینام قلبی“ میں سوتا ہوں تو میرا دل نہیں سوتا، اس کا معنی یہ ہے کہ آپ ﷺ حالت نوم میں بھی ماحول سے باخبر رہتے ہیں تو جب یہ بات ہے تو پھر نماز کا وقت کیسے قضاء ہوا جبکہ آپ کا دل جاگ رہا ہے؟ تو آپ ﷺ کو پتہ ہوگا کہ کیا وقت ہوا ہے اور فجر طلوع ہوگئی ہے یا طلوع شمس ہونے والا ہے۔

”ان عینی تنامان ولا ینام قلبی“ کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ﷺ کی نیند کبھی بھی ایسی نہ ہو جس سے نماز قضاء ہو جائے تو پھر آپ کی نماز کیسے قضاء ہوگئی؟ اس سوال کا جواب علماء کرام نے مختلف طریقوں سے دیا ہے:

پہلا جواب

بعض حضرات نے یہ فرمایا کہ ”ان عینی تنامان ولا تنام قلبی“ یہ اکثر حالات کی بنیاد پر ہے اور بعض اوقات اس کے خلاف بھی ہوا ہے، تو یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔

دوسرا جواب

بعض حضرات نے یہ فرمایا ”ان عینی تنامان ولا ینام قلبی“ کا مقضایہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے جسم کے حالات سے باخبر رہتے تھے۔ چنانچہ یہ بات جو آپ نے ارشاد فرمائی تھی یہ وضو ٹوٹنے کے سیاق میں ارشاد فرمائی تھی کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ حالت سجدہ میں سو گئے تو صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ تو سو گئے تھے یہاں تک کہ آپ کے سانس کی آواز آنے لگی تھی، اس کے باوجود آپ ﷺ نے نماز جاری رکھی اور وضو کا اعادہ نہیں فرمایا، تو اس موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”ان عینی تنامان ولا ینام قلبی“ تو مطلب یہ ہے کہ میں سوتا ہوں تو مجھے اپنے جسم کی حرکات، اپنے جسم سے صادر ہونے والی حرکات اور افعال کا علم رہتا ہے۔ لہذا عام لوگوں کی نوم ناقض وضو اس وجہ سے ہوتی ہے کہ ان کو اپنے اعضاء سے بے خبری ہو جاتی ہے اور استرخاء مفاصل کی وجہ سے اندیشہ ہوتا ہے کہ کوئی ناقض وضو امر پیش آیا ہو اور ان کو پتہ نہ چلا ہو لیکن مجھے پتہ چلتا ہے تو ”ان عینی تنامان ولا ینام قلبی“ اس کا تعلق جسم کے افعال و حرکات سے ہے لیکن ماحول میں کیا ہو رہا ہے اس کا پتہ لگنا کوئی ضروری نہیں۔ ۳۳

تیسرا جواب

تیسرا جواب جو میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے وہ یہ کہ عام حالات میں حضور اقدس ﷺ کا معاملہ یہی تھا ”ان عینی تنامان ولا ینام قلبی“ لیکن کس خاص واقعہ میں اللہ ﷻ کسی خاص مصلحت کی خاطر اگر آپ ﷺ پر بھی اس طرح کی نوم طاری فرمادیں جیسا کہ عام انسانوں پر ہوتی ہے تو کوئی دلیل اس کے منافی نہیں اور یہاں مصلحت یہ تھی کہ تکوینی طور پر آپ ﷺ کی نماز قضاء کرائی گئی، تاکہ لوگوں کو نماز کے قضاء کرنے کے احکام کا پتہ چل سکے۔

چنانچہ یہ لیلۃ التعریس کا سارا واقعہ قطعاً الفوائت کے باب کی اصل ہے اور سارے احکام اس سے نکالے گئے ہیں، تو حکمت الہی کا تقاضا یہ ہوا کہ نبی کریم ﷺ پر بھی ویسی ہی نوم طاری کی جائے جیسا کہ عام انسانوں پر کی جاتی ہے۔ تو یہ ایک جزوی واقعہ ہے، جو خاص مصلحت کے ساتھ پیش آیا اور عام قاعدہ ”ان عینی تنامان ولا ینام قلبی“ کا تھا۔

(۷) باب: إذا خاف الجنب علی نفسه المرض أو الموت ،

أو خاف العطش تیمم

جس شخص کو غسل کی ضرورت ہو جائے، اگر اسے مریض ہو جانے یا مر جانے کا خوف ہو تو تیمم کر لے

ویدکر أن عمرو بن العاص اجنب فی لیلۃ باردة ف تیمم وتلا:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ

رَحِيمًا﴾ [النساء: ۲۹]

فلذکر للنبی ﷺ فلم یعنفه.

ترجمۃ الباب سے مقصود بخاری

یہ باب قائم کیا ہے کہ اگر جنبی کو بیماری کا یا موت کا خوف ہو یا پیاس کا اندیشہ ہو یعنی خطرہ ہے کہ اگر غسل کروں گا تو بیمار ہو جاؤں گا یا مر ہی جاؤں گا، جیسا کہ بعض علاقوں میں ایسا کرنا واقعی موت کو دعوت دینا ہوتا ہے یا پانی موجود ہے لیکن خیال یہ ہے کہ اگر میں نے اس کو غسل میں (صرف) استعمال کر لیا تو پھر پیاس سے مر جاؤں گا تو اس کیلئے حالت جنابت میں بھی تیمم کرنا جائز ہے۔

یہ مسئلہ تقریباً متفق علیہ ہے اس لئے کہ قرآن مجید میں آیا ہے ﴿وَجَاءَ أَحَدُ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ

اولمستم من النساء فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا ﴿۱﴾ اس میں حنفیہ اور بیشتر محققین کے نزدیک ملائمہ سے مراد جماع ہے، تو اللہ ﷻ نے پانی نہ ملنے کی صورت میں جماع کے بعد بھی تیمم کا حکم فرمایا ہے۔

لہذا جمہور کا کہنا یہ ہے کہ جس طرح وضو کا نائب یا قائم مقام سے تیمم ہو سکتا ہے غسل جنابت کا قائم مقام بھی تیمم ہو سکتا ہے، جس کی دلیل حضرت عمار بن یاسرؓ کی حدیث ہے جو پیچھے گزر گئی ہے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ کو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں زمین میں لوٹ پوٹ لگانے کی ضرورت نہیں تھی، ایسے ہی تیمم کر لیتے، تو جمہور تقریباً اس پر متفق ہیں۔

البتہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف یہ منسوب ہے، وہ کہتے تھے کہ غسل جنابت کے لئے تیمم کافی نہیں اور اگر کوئی شخص جنبی ہو اور پانی نہ ملے تو جس وقت تک پانی نہ ملے اس وقت تک نماز نہ پڑھے اور جب پانی ملے تو غسل کرے اور قضاء کرے، گویا وہ غسل جنابت سے تیمم کے قائل نہیں تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کے تحت حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کا مکالمہ مختلف روایتوں سے نقل کیا ہے۔

۳۳۵ — حدثنا بشر بن خالد قال : حدثنا محمد بن غندير، عن شعبة، عن سليمان، عن أبي وائل قال : قال أبو موسى لعبد الله بن مسعود : إذا لم يجد الماء لا يصلي؟ قال عبد الله : لو رخصت لهم في هذا كان إذا وجد أحدهم البرد، قال هكذا : يعني تيمم وصلى. قال : قلت : فأين قول عمار لعمر؟ قال : إنني لم أر عمر قنع بقول عمار. [راجع: ۳۳۸]

ابو موسیٰ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا مکالمہ

ابو موسیٰ اشعریؓ جنابت میں تیمم کرنے کے قائل تھے اور ابن مسعودؓ کہتے تھے کہ نہیں کر سکتے۔ ابو موسیٰ اشعریؓ نے کہا کہ آپ کہتے ہیں کہ تیمم نہیں کر سکتے حالانکہ حضور اقدس ﷺ اور حضرت عمرؓ کے سامنے حضرت عمارؓ نے بتایا کہ میں نے لوٹ پوٹ لگائی تھی تو آپ ﷺ نے تیمم کا طریقہ بتایا، اس کے باوجود آپ کیوں کہتے ہیں کہ تیمم نہیں کر سکتے؟

انہوں نے جواب میں کہا کہ آپ کو یہ پتہ نہیں کہ حضرت عمارؓ نے جب یہ واقعہ حضرت عمرؓ کو سنایا تو وہ نہیں مانے ”الم تر عمر لم يقنع بذلك“ حضرت عمرؓ نے حضرت عمارؓ کے قول پر قناعت نہیں کی، تو معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عمارؓ کے قول کو نہیں مانا لہذا میں بھی نہیں مانتا۔ تو اس پر حضرت ابو موسیٰ نے کہا کہ اچھا اس بات کو چھوڑیں، لیکن قرآن شریف میں تو ہے ﴿۱﴾ اولمستم النساء فلم تجدوا ماء

تیمموا صیعدا طیباً ﴿۱﴾ اس کا کیا کرو گے۔

مسئلہ جمہور کی طرف ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا رجوع کرنا

اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ درحقیقت بات یہ ہے کہ اگر میں آج لوگوں کو اس بات کی اجازت دیدوں کہ تم تیمم کر سکتے ہو تو لوگوں کو ذرا سردی لگے گی تو وہ تیمم کرنے لگیں گے۔ اب انہوں نے اصل بات ظاہر کر دی، لیکن روایات میں آتا ہے کہ بعد میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی جمہور کے قول کی طرف رجوع کر لیا اور ان کے نزدیک بھی جنابت کی حالت میں تیمم کرنا کافی ہو جاتا ہے۔

یہ اس پورے باب کا خلاصہ ہے۔ ۳۴

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”باب اذا خاف الجنب علی نفسه المرض او الموت او خاف العطش تیمم ویذکر ان عمرو بن العاص اجنب فی لیلۃ باردة“ اور روایت میں آیا ہے جس کی تخریج امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے بھی کی ہے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ایک ٹھنڈک والی رات میں جنابت لاحق ہو گئی تھی تو انہوں نے تیمم کیا اور یہ آیت پڑھی ”ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیماً“ کہ اللہ عزوجل نے فرمایا تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو اللہ تم پر بڑا رحم کرنے والا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر میں اتنی سردی میں غسل کرونگا تو یہ خودکشی کے مترادف ہوگا۔ اس واسطے انہوں نے غسل کا ارادہ ترک کر دیا اور اس کی جگہ تیمم کر لیا۔ ۳۵

”فذکر للنبی ﷺ فلم یعنفه“ آپ نے ان پر کوئی ملامت نہیں فرمائی۔ اور ابو داؤد میں آتا ہے کہ صرف تیمم ہی نہیں کیا بلکہ نماز بھی پڑھائی، تو لوگوں نے حضور اقدس ﷺ سے ذکر کیا کہ انہوں نے اس طرح جنابت کی حالت میں تیمم بھی کیا اور امامت بھی کرائی، اس پر آپ ﷺ نے انہیں بلا کر پوچھا کہ تم نے امامت کیوں کرائی؟ تو انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ میں نے تیمم کر لیا تھا اور اللہ عزوجل نے فرمایا ”ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیماً“ تو آپ ﷺ ہنسے اور فرمایا کہ آپ نے کوئی تردید نہیں فرمائی۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھا کہ یہ عمل درست ہے ورنہ آپ ﷺ اس پر ملامت فرماتے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ”اذا لم یجد الماء لا یصلی“ یہ استفہام انکاری ہے کہ اگر پانی نہ ملے گا تو نماز ہی نہیں پڑھے گا۔

”قال عبد اللہ الخ“ کہ اگر مجھے مہینہ بھر پانی نہیں ملے گا تو مہینہ بھر نماز نہیں پڑھوں گا۔ کیونکہ

اگر میں لوگوں کو اس معاملہ میں رخصت دیدوں تو کسی کو سردی لگے گی تو وہ بھی تیمم کریگا۔ تو حضرت عمارؓ نے حضرت عمرؓ سے جوابات کہی تھی اس کا کیا بنے گا؟ ”بقول عمارؓ“ تو کہتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ حضرت عمارؓ کے قول پر قانع نہیں ہوئے یعنی ان کی بات نہیں مانی، کیوں نہیں مانی اس کی وجہ آگے آئے گی۔ آگے پھر یہی روایت معمولی وضاحت کے ساتھ آئی ہے۔

۳۲۶۔ حدثنا عمر بن حفص قال : حدثنا أبي : حدثنا الأعمش قال : سمعت شقيق بن سلمة قال : كنت عند عبد الله و أبي موسى فقال له أبو موسى : أرايت يا أبا عبد الرحمن إذا أجنب فلم يجد ماء ، كيف يصنع ؟ فقال عبد الله : لا يصلي حتى يجد الماء ، فقال أبو موسى : فكيف تصنع بقول عمار حين قال له النبي ﷺ : ((كان يكفيك)) ؟ قال : ألم تر عمر لم يقنع بذلك ؟ فقال أبو موسى : قد عانا من قول عمار ، كيف تصنع بهذه الآية ؟ فما درى عبد الله ما يقول ، فقال إنا لو رخصنا لهم في هذا لو شك إذا برد على أحدهم الماء أن يدعه ويتمم ، فقلت لشقيق : فإنما كره عبد الله لهذا ؟ قال : نعم . [راجع : ۳۳۸]

شقیق بن سلمہ کہتے ہیں کہ ”کنت عند عبد الله و أبي موسى فقال له أبو موسى“ کہ ابو موسیٰؓ نے عبد اللہ بن مسعودؓ سے کہا ”أرايت يا أبا عبد الرحمن إذا أجنب فلم يجد ماء ، كيف يصنع ؟“ اے ابا عبد الرحمن ذرا بتائیے اگر کوئی شخص جنبی ہو جائے اور پانی نہ ملے تو کیا کرے؟ تو عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ”لا يصلي حتى يجد الماء ، فقال أبو موسى : فكيف تصنع بقول عمار حين قال له النبي ﷺ : كان يكفيك ؟“

اس کے جواب میں عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا ”الم تر عمر لم يقنع بذلك ؟“ یعنی حضرت عمرؓ قانع نہیں ہوئے، واقعہ کی تفصیل صحیح مسلم میں مروی ہے کہ جب حضرت عمارؓ نے یہ واقعہ بیان کیا کہ ہم دونوں ایک ساتھ تھے اور ایک مرتبہ تمہیں بھی جنابت لاحق ہو گئی تھی اور مجھے بھی جنابت لاحق ہو گئی تھی اور تم نے نماز نہیں پڑھی اور میں نے زمین میں لوٹ لگا لی تھی تو حضرت عمرؓ کو یاد ہی نہیں آیا کہ یہ قصہ کب ہوا تھا، اس لئے وہ قانع نہیں ہوئے۔ ۳۲۶

”فقال أبو موسى“ تو ابو موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا کہ حضرت عمارؓ کے قول کو چھوڑو اس آیت کا کیا کرو گے؟ تو حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو جواب سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا جواب دیں۔

اس سے پتہ چلا کہ ابو موسیٰ اشعریؓ اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما دونوں کے دونوں ”اول مستم

النساء“ کو جماع پر محمول کرتے تھے جیسا کہ حنفیہ کہتے ہیں ورنہ یہ الزام دینا درست نہ ہوتا۔ لہذا اس سے حنفیہ کے قول کو تائید ملتی ہے کہ ”لمستم“ سے مراد جماع ہے نہ کہ مجرد مس مراۃ جیسا کہ شافعیہ کہتے ہیں۔

”فقال إنما لو رخصنا لهم في هذا لأوشك إذا برد على أحدهم الماء أن يدعه ويتمم“ فرمایا کہ اگر ہم اس معاملہ میں لوگوں کو رخصت دیدیں تو قریب ہے کہ جب ان میں سے کسی کو پانی ٹھنڈا لگے گا تو وہ اس چھوڑ دیگا اور تیمم کر لے گا ”فقلت لشقيق“ اب راوی حدیث سلیمان بن یسار کہتے ہیں کہ میں نے شقیق بن سلمہ (جن کی کنیت ابو اکل بھی ہے) سے کہا ”فإنما كره عبد الله لهذا؟“ اچھا تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے تیمم کو مکروہ سمجھا ”فقال نعم“ تو اس نے کہا، انہوں نے کہا ہاں اصل بات یہ ہے کہ سد الذریعہ منع کیا تھا، اصل میں شرعی ممانعت نہیں تھی چنانچہ بعد میں روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رجوع بھی کر لیا تھا، یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ میں سند منقطع سے مروی ہے۔ ۷۷

(۸) باب التیمم ضربۃ :

تیمم میں صرف ایک ضرب ہے

۳۴۷۔ حدثنا محمد بن سلام قال : أخبرنا أبو معاوية ، عن الأعمش ، عن شقيق قال : كنت جالسا مع عبد الله وأبي موسى الأشعري ، فقال له أبو موسى : لو أن رجلا أجنب فلم يجد الماء شهرا ، ما كان يتيمم ويصلي ؟ فكيف تصنعون في سورة المائدة ﴿ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا ﴾ [المائدة : ۶] ؟ فقال عبد الله : لو رخص لهم في هذا لأوشكوا إذا برد عليهم الماء أن يتيمموا الصعيد ؟ قلت : وإنما كرهتم هذا لذا ؟ قال : نعم . فقال أبو موسى : ألم تسمع قول عمار لعمر : بعثنى رسول الله ﷺ في حاجة فأجنب فلم أجد الماء فتمرغت في الصعيد كسا تمرع الدابة فذكرت ذلك للنبي ﷺ فقال : ((إنما كان يفيك أن تصنع عكذا)) ، فضرب بكفه ، ضربة على الأرض ، ثم نفضها ، ثم مسح بها ظهر كفه بشماله ، أو ظهر شماله بكفه ، ثم مسح بها وجهه ، فقال عبد الله : ألم تر عمر لم يقنع بقول عمار ؟ زاد يعلى ، عن الأعمش ، عن شقيق قال : كنت مع عبد الله و أبي موسى فقال أبو موسى : ألم تسمع قول عمار لعمر : أن رسول الله ﷺ بعثنى أنا وأنت فأجنب فتممكت بالصعيد ، فأتينا رسول الله ﷺ فأخبرناه فقال : ((إنما

كان يكفيك هكذا)) ، ومسح وجهه و كفيه واحدة . [راجع : ۳۳۸]
 ”وانما كرهتم هذا لذا؟“ یہ قول سلیمان کا ہے جو شقیق بن سلمہ سے روایت کر رہے ہیں جیسا کہ
 پہلے گزرا تھا۔ یہ بیچ میں جملہ معترضہ کے طور پر آگیا ”فضرب بكفه ضربة على الأرض“ یہ موضع ترجمہ ہے
 اس پر بحث گزر چکی ہے۔



اللهم اختم لنا بالخير

کمل بعون الله تعالى الجزء الثاني
 من ”انعام الباری“ ویلیه ان شاء الله
 تعالى الجزء الثالث : اوله كتاب الصلوة ، رقم
 الحديث : ۳۴۹۔

نسأل الله الإعانة والتوفيق لا تمامه -
 والصلوة والسلام على خير خلقه سيدنا و
 مولانا محمد خاتم النبيين وإمام المرسلين
 وقائد الغر المحجلين وعلى آله وأصحابه
 أجمعين وعلى كل من تبعهم بإحسان
 إلى يوم الدين -

آمین ثم آمین، یا رب العالمین۔

تصانیف

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ (اللہ تعالیٰ)

☆	انعام الباری (دروس بخاری شریف ۷ جلد)	☆	عذاتی فیصلے
☆	اندلس میں چند روز	☆	فرد کی اصلاح
☆	اسلام اور جدید معیشت و تجارت	☆	فقہی مقالات
☆	اسلام اور سیاست حاضریہ	☆	تاثر حضرت عارفیؒ
☆	اسلام اور جدت پسندی	☆	میرے والد میرے شیخ
☆	اصلاح معاشرہ	☆	ملکیت زمین اور اس کی تحدید
☆	اصلاحی خطبات	☆	نشری تقریریں
☆	اصلاحی مواعظ	☆	نقوش و رنگاں
☆	اصلاحی مجالس	☆	نفاذ شریعت اور اس کے مسائل
☆	احکام اعتکاف	☆	نماز سنّت کے مطابق پڑھئے
☆	اکابر دیوبند کیا تھے؟	☆	ہمارے عائلی مسائل
☆	آسان نیکیاں	☆	ہمارا معاشی نظام
☆	بائبل سے قرآن تک	☆	ہمارا تعلیمی نظام
☆	بائبل کیا ہے؟	☆	تکملہ فتح الملہم (شرح صحیح مسلم)
☆	پُر نور دعائیں	☆	ماہی النصرانیہ؟
☆	تراشے	☆	نظرۂ عابرة حول التعلیم الاسلامی
☆	تقلید کی شرعی حیثیت	☆	احکام الذبائح
☆	جہان دیدہ (بیس ملکوں کا سفر نامہ)	☆	بحوث فی قضایا فقیہۃ المعاصرہ
☆	حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق	☆	☆ An Introduction to Islamic Finance
☆	حجیت حدیث	☆	☆ The Historic Judgement on Interest
☆	حضور ﷺ نے فرمایا (انتخاب حدیث)	☆	☆ The Rules of i'tikaf
☆	حکیم الامت کے سیاسی افکار	☆	☆ The Language of the Friday Khutbah
☆	درس ترمذی	☆	☆ Discourses on the Islamic way of life
☆	دنیا مرے آگے (سفر نامہ)	☆	☆ Easy good Deeds
☆	دینی مدارس کا نصاب و نظام	☆	☆ Sayings of Muhammad ﷺ
☆	ذکر و فکر	☆	☆ The Legal Status of
☆	ضبط ولادت	☆	following a Madhab
☆	عیسائیت کیا ہے؟	☆	☆ Perform Salah Correctly
☆	علوم القرآن	☆	☆ Contemporary Fatawa
☆		☆	☆ The Authority of Sunnah

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم
شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

کے گرانقدر اور زندگی کا نچوڑ اہم موضوعات کیسٹوں اور سی ڈیز کی شکل میں

- ☆ درس بخاری شریف (مکمل) ۳۰۰ کیسٹوں میں
- ☆ کتاب البیوع درس بخاری شریف عصر حاضر کے جدید مسائل (معاملات) پر سیر حاصل بحث
- ☆ اصول افتاء للعلماء والمتخصصین ۶ کیسٹوں میں
- ☆ دورۂ اقتصادیات ۲۰ کیسٹوں میں
- ☆ دورۂ اسلامی بینکاری ۵ کیسٹوں میں
- ☆ دورۂ اسلامی سیاست ۱۵ کیسٹوں میں
- ☆ تقریب ”تکملة فتح الملہم“ ۱ عدد
- ☆ علماء اور دینی مدارس (بموقع ختم بخاری ۱۴۱۵ھ) ۱ عدد
- ☆ جہاد اور تبلیغ کا دائرہ کار
- ☆ افتتاح بخاری شریف کے موقع پر تقریر دل پذیر
- ☆ زائرین حرمین کے لئے ہدایات
- ☆ زکوٰۃ کی فضیلت و اہمیت
- ☆ والدین کے ساتھ حسن سلوک
- ☆ امت مسلمہ کی بیداری
- ☆ جوش و غضب، حرص طعام، حسد، کینہ اور بغض، دنیا کے مذموم، فاسد و الخیرات، عشق عقلی و عشق طبعی، حب جاہ وغیرہ اصلاحی بیانات اور ہر سال کا ماہ رمضان المبارک کا بیان۔
- ☆ اصلاحی بیانات۔ بمقام جامعہ دارالعلوم کراچی، تسلسل نمبر ۳۵ تا ۳۳ کیسٹوں میں ۱۴۳۱ھ تک۔

حراء ریکارڈنگ سینٹر

۸/۱۳۱، ڈبل روم، "K" ایریا کورنگی کراچی۔ پوسٹ کوڈ: ۷۹۰۰۰

فون: +9221-35031039، E-Mail: maktabahera@yahoo.com

www.deeneislam.com

علمی و دینی رہنمائی کے لئے ویب سائٹ **www.deenEislam.com**

اغراض و مقاصد:

ویب سائٹ www.deenEislam.com کا مقصد اسلامی تعلیمات کو دنیا بھر کے مسلمانوں تک پہنچانا ہے اور اس کے ساتھ عصر حاضر کے جدید مسائل جن کا تعلق زندگی کے کسی بھی شعبہ سے ہو، اس کے بارے میں قرآن و سنت کی روشنی میں صحیح رہنمائی کرنا ہے۔
توہین رسالت کے حملوں کا مؤثر جواب اور دنیا بھر کے لوگوں کو نبی کریم ﷺ کے اوصاف و کمالات اور تعلیمات سے آگاہی بھی پروگرام میں شامل ہے۔
اسلام کے خلاف پھیلائی گئی غلط فہمیوں کو دور کرنا اور مسلمانوں کے ایمانی جذبات کو بیدار رکھنا بھی اس کوشش کا حصہ ہے۔

نیز صدر جامعہ دارالعلوم کراچی مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ مفتی اعظم پاکستان، شیخ الاسلام جسٹس (ر) شریعت ایپلٹ بنچ سپریم کورٹ آف پاکستان مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم اور نائب مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہ کی ہفتہ واری (اتوار و منگل) کی صلاحی مجالس، سالانہ تبلیغی اجتماع اور دیگر علماء پاک و ہند کی تقاریر بھی اب انٹرنیٹ پر اس ویب سائٹ پر سنی جاسکتی ہیں، اور مدارس دینیہ کے سالانہ نتائج سے بھی گھریٹھے بآسانی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

رابطہ:

PH:00922135031039 Cell:00923003360816

E-Mail:maktabahera@yahoo.com

E-Mail:info@deeneislam.com

WebSite:www.deeneislam.com